دیباچہ

ہیرلڈلیم، جن کی کتاب کا اردو ترجمہ خوانندگان کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔دور حاضر کے مشہور اہل قلم میں شمار ہوتے ہیں۔اوران کی متعدد تصانیف علمی حلقوں میں خاصی شہرت پا چکی ہیں۔پیش نظر کتاب بھی اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔مثلاً،

ا۔سکندر کے متعلق جتنی تفصیلات وجزئیات اس میں آ گئی ہیں۔وہ شاید ہی کسی دوسری کتاب میں یک جا مل سکیں۔

۲۔سکندر کے بارے میں اب تک یہی تصور رہا ہے کہ وہ عہد قدیم کا سب سے بڑا فاتح اور سب سے بڑا سپہ سالار تھا۔مصنف نے جو اس کی نئی خصوصیات واضع کی ہیں۔ ان میں سے دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔اول یہ کہ اس نے علم واکتشاف کی نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں، دوم یہ کہ عوام کی داخلی آزادی کو بحال رکھتے ہوئے ایک عالم گیر وفاق کا خواب دیکھا اور زندگی کی مختصر سی مہلت اس خواب کی تعبیر کے لئے وقف کر دی۔آپ کتاب پڑھ چکیں گے تو امید ہے کہ سکندر کی فتوحات اور یگانہ سپہ گری کے مقابلے میں مذکورہ بالا دو خصوصیات زیادہ فائق و برتر نظر آئیں گی۔اس وجہ سے اس کی عظمت کا درجہ زیادہ بلند و برتر ہو جاتا ہے۔

کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے روایت کے بجائے مشاہدے کا درجہ دینے میں کوئی دقیقہ سعی نہیں اٹھا رکھا،سکندر کی وفات پر کچھ کم دو ہزار تین سو سال گزر چکے ہیں۔مصنف خواندہ کتاب کو اس طویل مدت کے دھندلکے میں سے گزار کر اس عہد میں لے جاتا ہے۔جس میں سکندر سرگرم عمل تھا۔اور ہر واقعہ کا مشاہدہ اسی طرح کراتا ہے جس طرح پیش آیا ہوگا۔

ان وجوہ سے کتاب نے جو اہمیت حاصل کر لی ہے۔وہ کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔مصنف کا ایک مخصوص طریقہ یہ ہے کہ وہ اوائل کتاب میں ہی بعض ایسے مباحث

شروع کر دیتا ہے۔ جو نظر بہ ظاہر اصل موضوع سے سراسر بے تعلق معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کتاب کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے پڑھنے والے کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا۔ کہ وہ مباحث حقیقتاً بے تعلق نہ تھے۔ اگرچہ مصنف نے ان کے سلسلے میں جو پیانہ اختیار کیا ہے، اس کے بارے میں اختلاف رائے کی کتنی ہی گنجائش ہو،

مصنف نے کتاب میں یونانی افسانوں کی تلمیحات بہ افراط استعمال کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تلمیحات کے متعلق ضروری تصریحات کے بغیر عام اردو خواہ اصحاب مطالب کتاب سے پوری طرح محظوظ نہ ہو سکتے تھے۔ میں نے اس امر کا خاص خیال رکھا کہ ساتھ ساتھ تلمیحات کی مختصر سی کیفیت بیان کرتا جاؤں، تاکہ کوئی حصہ غیر واضع نہ رہے۔ نیز تاریخی تلمیحات کے متعلق اجمالاً حواشی تحریر کر دیئے ہیں، اور جو اسماء غیر معروف تھے، انہیں انگریزی میں بھی لکھ دیا تاکہ تلفظ میں غلطی کا امکان زائل ہو جائے۔

غرض کتاب کی ضخامت میں اضافہ کیے بغیر ترجمے کو مفید و دلچسپ بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ترجمے میں حتی الامکان مصنف کے اسلوب بیان کی پابندی کی گئی ہے، لیکن جہاں انگریزی اسلوب بجنسہ اپنی اصل صورت میں اردو کا لباس اختیار نہ کر سکتا تھا، وہاں فقروں کو توڑا بھی گیا ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ پوری کتاب میں ایسے مواقع بہت کم آئے ہوں گے، بنابریں اگر اسے لفظی ترجمہ قرار دینے کی جسارت کروں تو غالباً یہ گزارش بے جا نہ ہوگی۔

غلام رسول مہر

سکندر اعظم

پہلا باب :: سورج کے رتھ کی گزرگاہ

ہم پہلے پہل اس کا ذکر سنتے ہیں تو وہ تنہا تھا۔ مطلب یہ نہیں کہ اسے تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ آدمی تو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کاموں کے سرانجام کو اس کی آرزوؤں میں مرکز کی حیثیت حاصل تھی، اور وہ جن افکار میں ڈوبا رہتا تھا۔ ان میں کوئی اس کا شریک و رفیق نہ تھا۔

اس کی نظروں میں سب سے زیادہ قدر و قیمت ''ایلیڈ یا داستان ٹرائے'' کے ایک نسخے کو حاصل تھی، وہ رات کے وقت اسے بالتزام پڑھتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ کتاب کے مختلف حصے اس کو حفظ ہو گئے تھے۔ مطالعے کے بعد رات کے باقی حصے میں کتاب اس کی چوبی بالکین کے نیچے رہتی۔ ایکی لیز 2، اس کے دل و دماغ پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ ایک اتالیق نے اسے ایکی لیز کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ تمام دوسرے اوقات کی طرح سونے کا وقت بھی مقرر تھا۔ اور اس سے پیشتر کہ شمع اس کے پاس سے اٹھالی جاتی، ساتھ ہی وہ عالم خیال میں اپنے محبوب کتابی مشاہیر کی صحبت اختیار کر لیتا۔ اس کے ساتھ سمندر عبور کرتا۔ اس سرزمین مشرق کے اجنبی ساحل پر لنگر انداز ہوتا، چرمی کاغذ پر لکھی ہوئی یہ کتاب ایک ایسی نعمت تھی جسے وہ صرف اپنے لئے مخصوص رکھنے کا خواہاں نہ تھا۔ اس میں نہ اسے اپنے عزیز لیونی دس 3 کو شریک کرنے کی ضرورت تھی، نہ رفیقوں اور اتالیقوں کو اور نہ تھینیز 4 کے آزمودہ کار ماہر حربیات کو، یہ لوگ تھے جو اس کی رفاقت اور تعلیم و تربیت کے لئے مقرر تھے۔

جو اتالیق اسے یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے یا خطابت و منطق کی مشق کراتے تھے۔ انہیں اس کی ماں نے منتخب کیا تھا۔ ان میں سے لیونی دس کو تقدم حاصل تھا۔ وہ تمام اتالیقوں کا افسر تھا۔ اس کے ساتھ ماں کی طرف سے عزیز داری بھی تھی، اور وہ بڑا سخت

گیر اور متشدد آدمی تھا۔

مختلف اتالیقوں نے دن بھر کے اوقات باہم تقسیم کر رکھے تھے۔ ان کے مطابق تعلیم وتربیت کے فرائض سرانجام پاتے تھے۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے اسے اٹھا دیا جاتا، پہلے مقررہ لمبان میں ایک پیادہ غلام کے ساتھ دوڑنا پڑتا، پھر ناشتہ نصیب ہوتا، دوڑ کے مقام پر پہنچتا تو اتالیق پکار کر کہتا ''طلوع آفتاب سے پہلے دوڑ لگالی جائے'' تو ناشتا مزہ دے جاتا ہے۔ ناشتا ہلکا کیا جائے تو کھانا اچھا کھایا جاتا ہے۔

دوڑ ایک ہزار قدم کی تھی، اور قبرستان پر پہنچ کر ختم ہوتی تھی، اس میں گھٹنے جھکے رہتے، دوڑتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ پہاڑی لوگ چھلانگیں لگاتے ہیں۔ موڑ پر پہنچتا تو سامنے زیارت گاہ کے سنگ مرمر پر یہ الفاظ جلی حروف میں کندہ نظر آتے ''میں اب لافانی دیوتا بن چکا ہوں، اب میرے لئے فنا نہیں ہے۔''

یہ مینار ایک نشان تھا۔ جہاں سے واپسی پر شہر میں پہنچنے کے لئے چڑھائی میں دوڑنا پڑتا لڑکا بڑے شوق سے دوڑ پوری کرتا، اگر سورج کی کوئی کرن ٹیلے کی پیشانی پر نمودار ہو جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ سورج کا رتھ دور افتادہ سمندر کے اصطبل سے نکل کر حرکت میں آچکا ہے۔ اور اس نے آسمان کا مقررہ سفر شروع کر دیا ہے۔ جب بادل پہاڑوں پر چھا جاتے تو لڑکے کو یوں معلوم ہوتا کہ جو گھوڑے سورج کا رتھ کھینچ لیے جاتے ہیں، ان کے سر بادلوں کے اوپر اچھلتے ہیں۔ دوڑ شاہی محل کے درختوں کی سب سے بیرونی قطار کے پاس ختم ہوتی۔ یہ مقام قریب آتا تو لڑکا لمبے ڈگ بھرتا ہوا غلام کو پیچھے چھوڑ جاتا، اسے قطعاً گوارا نہ تھا کہ کوئی اس سے آگے نکل جائے۔ اور غلام آگے نکلنے کی جسارت بھی نہ کر سکتا تھا۔

محل میں پہنچتا تو سیدھا قربان گاہ کی آگ کے پاس چلا جاتا اور اٹھتی ہوئی خوشبوؤں کے دھوئیں سے اپنے ہاتھ پاک کرتا، اس وقت اسے ایسا محسوس ہوتا کہ ابھی تک دوڑنے والے سورج کا خیر مقدم کر رہا ہے۔ سورج مشرق میں ان بلندیوں پر اڑا چلا جاتا

ہے۔ جہاں دیوتا رہتے تھے، دیوتاؤں کے آس پاس نہ اندھیرے کو بار مل سکتا تھا اور نہ نیند کو ڈورے میں سے خوشبو اٹھاتا اور مٹھیاں بھر بھر کر بے پرواہ یا نہ آگ پر ڈالتا جاتا، تا کہ دھواں بلند ہو، اور آگ کی حرارت سے اس کا سرد جسم گرم ہو جائے۔ ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ کہتا جاتا تھا کہ ''مقدس باپ کی تقدیس ہو۔'' جو سینگوں والے سانپ سے پیدا ہوا۔۔ دعا ہے ہمارے نگران رہیں۔ اور ہماری حفاظت کریں۔

یہ الفاظ تاریکی میں زبان پر آتے تو محض خالی بولی سمجھے جاتے، بڑھتی ہوئی روشنی نے ان میں خاص معنویت پیدا کر دی تھی۔ اس لئے کہ وہ محسن و مربی مخاطب تھے، اور وہ عظیم الشان روحیں مخاطب تھیں۔ جو بہت دور تھیں۔ متحمل و بردبار اور نگران و ہوشیار۔

دیوتاؤں کی ضیا بخش رفاقت کے بارے میں اس کے تصورات کی یہ صورت تھی۔ دیوتا کون تھے۔ زیوس 5 اور تیز پرواز افروڈائٹ 6 جس سے ایکی لینز نے نصیحتوں کی روشنی پائی تھی۔

وہ دہکتی ہوئی قربان گاہ میں خوشبوؤں کے انبار لگاتا تو لیونی دس اس کا بازو چھو کر روکھے پھیکے انداز میں کہتا ''پیا ہوا لوبان ریت نہیں جسے مٹھیاں بھر بھر کر ڈالتے جا رہے ہو۔''

ایسے موقعوں پر لڑکے کو محسوس ہوتا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ سانس رکتا ہوا محسوس ہوتا، دماغ پر تناؤ کی کیفیت طاری ہو جاتی اور زبان نہ کھول سکتا۔ بلا شبہ لوبان اور خوشبوئیں عربستان سے آئی تھیں۔ جو بہت دور تھا۔ لیکن وہ سوچتا مجھے قربان گاہ میں قربانی کی غرض سے بھیجا گیا ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ قیمتی خوشبوؤں کی ایک چٹکی لے کر چڑھاوے کی محض رسم پوری کر دوں، اور سمجھ لوں کہ یہ خوشبو مناسب وقت تک جاری رہے گی۔ اس کے دل میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ یا تو خوشبو کو پورا ذخیرہ چڑھاوے میں صرف کر دے یا سرے سے چڑھاوے کا خیال ہی دل میں نہ لائے۔ لیکن وہ اپنے اس خیال کو لیونی دس پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

ماں کے رشتے داروں سے بات چیت آسان نہ تھی، وہ بتا دیتے تھے کہ فلاں کام کرو

اور فلاں نہ کرو اور لڑکے کے لئے پابندی لازم تھی، وہ سمجھتا تھا کہ باپ نے جو گھڑ دوڑ کے لئے گھوڑے پال رکھے ہیں، انہیں کیوں نئے رستے پر دوڑانے کی اجازت نہیں دیتا، باپ کہتا ہے کہ مقدونیہ کے باشندے پہاڑی ہیں اور انہیں پہاڑوں پر چڑھنے میں مہارت حاصل کرنی چاہیئے۔ لیونی دس اسے باریک پسی ہوئی یا دودھ میں ابلی ہوئی جواری نہ کھانے دیتا اور کہتا کہ ریچھ کی انتڑیاں یا جنگلی سور کی ہڈیوں کا گودا کھاؤ۔ اس غذا سے تم میں بہت طاقت پیدا ہوگی، جس کی تمہیں ضرورت ہے۔

صبح کے وقت قربانی کی رسم ادا ہو چکتی تو لیونی دس لڑکے کے کمرے میں جا کر جگہ جگہ دیکھ بھال کرتی کہ کہیں اس کی ماں نے چوری چھپے شہد کی مکھیاں یا دودھ کا پیالہ تو نہیں رکھ دیا۔ اور وہ اکثر اس قسم کی حرکتیں کرتی رہتی تھی۔ ماں کے تمام عزیز اور رشتے دار لڑکے کی تربیت کے سلسلے میں جن امور کو اپنا فرض سمجھتے، انہیں پورا کرنے میں بڑے ہی سخت تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکا زیادہ سے زیادہ جفا کش اور سخت کوش بن جائے۔ اس لئے کہ بادشاہی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اسے ادائے فرض کے سلسلے میں بڑی حوصلہ مندی کی ضرورت تھی۔

لڑکے کو یقین نہ تھا کہ وہ دیوتاؤں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ابتدا میں زمین ایک مسطح اور ہموار پیالے کی طرح آسمان کے نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ اور اس پر انتہائی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس پر زندگی کا کوئی نشان نہ تھا۔ پھر نور نمودار ہوا اور روشنی پھیلی۔ اس سے پیشتر صرف وقت کارفرما تھا۔

اور روشنی مشرق میں مقدس باپ زیوس کے پاس تھی ہشرق ہی کی بلندی سے سورج کا رتھ اپنے محور پر چلتا ہوا ضیا کرتا تھا۔ یہیں سے پہلے پہل پرومی تھوس 7 نے آگ چرائی اور اسے سزا کے طور پر زنجیروں میں جکڑ کر پہاڑوں پر بٹھا دیا گیا۔ جو مشرقی سمت میں حد فاصل کا کام دے رہے تھے۔ باقی رہی مغربی سمت تو لڑکے کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ادھر سمندر پر شفق کے سائے کے سوا اور کچھ نہیں۔ سورج کا رتھ جب ادھر پہنچتا تو سمندر کا پانی

اس کی آگ بجھا دیتا ہے۔ وہیں موت کے بعد انسانوں کی روحیں چلی جاتی ہیں۔ وہ سایوں کی غلام بن جاتی ہیں اور نور سے محروم ہو جاتی ہیں۔

ایک روز اس نے سنا کہ لیونی دس یونانی زبان کے اتالیق لسی میچس 8 سے کہہ رہا تھا کہ سکندر کتاب کا کیڑا ہے۔ وہ قربان گاہ میں خدمت گزاری کا خواہاں معلوم ہوتا ہے۔ اور حقائق سے دور بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرح مرد میدان نہیں بن سکتا۔

سکندر کتابوں سے اس لئے چمٹا رہتا تھا کہ جب وہ ان کے مطالعہ میں غرق ہو جاتا تھا تو اس کے سر پر کوئی یہ بتانے کے لئے موجود نہ ہوتا کہ اب تمہیں یہ کرنا یا سننا چاہیئے۔ اس کے رفیق ہر وقت ساتھ رہتے، وہ ہنستے، خوشیاں مناتے، اپنے راز سناتے۔۔ اور بے تابی کے بازوؤں سے ڈرتے ہوئے دور سمندروں میں جزیروں کے اندر پہنچ جاتے۔

ایک روز اچانک سکندر نے لیونی دس سے سوال کیا کہ ''کیا ابا جان کے کچھ دوست بھی ہیں؟'' لیونی دس پر حیرت طاری ہو گئی، وہ بولا تمہارے ابا جان بادشاہ ہیں۔۔۔۔ پھر رک گیا، اسے احساس تھا کہ لڑکے کے سوال کا مطلب کیا ہے؟ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا فیلقوس شاہ مقدونیہ کو نا و نوش کی محفلوں میں شریک ہونے والے ساتھیوں کے علاوہ کچھ ایسے رفیق بھی ملے ہیں جو اس کے خیالات و افکار میں حصہ دار ہوں۔ اور کمزوریوں کے باوجود اس سے محبت کرتے ہوں۔ لیونی دس نے سوال پر غور کیا۔ پھر انتہائی دیانت داری مگر احتیاط سے جواب دیا ''اس کے دوستوں میں پارمینو ہے۔ اینٹی پیٹر 10 ہے۔'' ہاں ایتھنز کا دیماوس 11 بھی تو ہے۔ غرض اس نے دو جرنیلوں اور ایک مدبر کا نام لے دیا۔

لڑکا فوراً بول اٹھا: میرے کون کون دوست ہیں، تین کے نام لو،

اس سوال کے جواب میں لیونی دس بے توقف بولا، ''بطلیموس، 12 نیارکس، 13، ہارپالوس 14، میں ایسے ایک درجن آدمی گنا سکتا ہوں۔''

سکندر سوچ میں پڑ گیا، ایک درجن؟۔ اتنے ہی اس کے ساتھ تھے جنہیں اس کی ماں

نے چن کر مختلف اتالیقوں کے اسباق میں شامل کر دیا تھا۔ ان کی عمریں بارہ سے چودہ سال تک تھیں۔ بطلیموس سکندر سے ایک سال بڑا تھا۔ وہ تعلیم میں بھی ہوشیار تھا۔ اور لطیفہ بازی میں بھی، اس کی ماں آرسی 15 نوئی یونان کی ایک بازاری عورت تھی۔ جو اپنے بال مشرقی انداز میں رنگا کرتی تھی۔ اگر چہ آرسی 15 نوئی نے کبھی اقرار نہ کیا، لیکن بطلیموس کو یقین تھا کہ وہ خود فیلقوس کا بیٹا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دل میں اپنے آپ کو سکندر سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ضرور سمجھتا تھا۔ لیکن لوس کا درجہ سکندر سے نیچا رکھا گیا تھا، کیونکہ اس کی ماں کو فیلقوس کی بیوی تسلیم نہ کیا گیا تھا۔

نیارکس پہاڑوں سے بہت دور جزیرہ کریٹ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جہازوں پر سوار ہو کر جزیرہ جزیرہ پھرتا رہا، اگر چہ اس بارے میں باتیں کرنے کا عادی نہ تھا، سچی بات یہ ہے کہ نیارکس بہت کم بات کرتا تھا۔ بے شک وہ ہم جولیوں کے ساتھ پھرتا۔ لیکن اس کا بادامی چہرہ بالکل بے کیف تھا۔ اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے چپ چاپ اس سے اتفاق کر لیتا تھا۔ سکندر نیارکس کو بہت اچھا سمجھتا تھا اس لئے کہ وہ کبھی کسی بات پر جھگڑا نہ کرتا، اور دونوں کے درمیان سکوت و خاموشی کی خلیج حائل تھی۔ ہارپالوس کے ساتھ سکندر کو کسی بھی نوع کا اشتراک نہ تھا۔ وہ دہقان کا بیٹا تھا۔ اور مطالعے سے ہمیشہ تنگ رہتا، ہارپالوس کو سکندر کی ماں نے اس لئے چنا تھا کہ اس کے بیٹے کو ہر قسم کے لوگوں سے شناسائی حاصل ہو جائے۔

سکندر نے ذرا خفگی کے لہجے میں لیونی دس سے کہا ''میں نے تین دوستوں کے نام پوچھے تھے نہ کہ رفیقوں کے''

لیونی دس نے اسے تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا ''آدمی کو اپنے دوست خود بنانے چاہئیں'' پھر ذرا دیر کے لئے رکا اور بولا، ''تمھیں اس وقت تک یہ حقیقت معلوم ہونی چاہیئے تھی۔''

تنہائی کے بعد خوف کا درجہ تھا۔ اس کے بارے میں سکندر بات چیت نہ کرتا تھا۔ جب

خوف کا تصور پیدا ہوتا تو اسے تھیبز کے آزمودہ کار سپاہی کا خیال آ جاتا، جس کے چہرے پر زخم کا ایک نشان آنکھ سے نیچے تک چلا گیا تھا۔ اور اس نے نشان نے اس کے چہرے کو پچکی ہوئی بھی سے مشابہ بنا دیا تھا۔ فیلقوس نے اپنے لڑکپن کا زمانہ بطور یرغمال تھیبز ہی میں گزارا تھا۔ اس زمانے میں اس نے صف بند سپاہیوں کی قواعد سیکھی تھی۔ اور وہیں سے اس آزمودہ کار سپاہی کو ساتھ لایا تھا۔ یا خاموش بیٹے سے۔

سپاہی زیادہ جسیم اور تنومند نہ تھا، لیکن اس کے گٹھے ہوئے پٹھے بٹی ہوئی زنجیر کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ وہ بارہ فٹ لمبا نیزہ اپنے زخم خوردہ ہاتھ میں پکڑ کر بے تکلیف سر کے اردگرد گھماتا اور تیس قدم پر پھینک دیتا۔ لیکن وہ سکندر کو نیزہ پھینکنے کی نہیں بلکہ تلوار چلانے کی مشق کراتا تھا۔ مشق کی تلواریں بہت ہلکی ہوتیں، ان کے لوہے کو صیقل کے ذریعے چمکا دیا جاتا۔ جب یہ تلواریں دھات کی کسی چیز سے ٹکراتیں تو ان میں سے چھن کی آوازیں پیدا ہوتیں۔ مشق کے بعد سپاہی روزانہ تلواروں کو خوب صاف کر لیتا۔ اور وہ کہتا رہتا کہ اگر تم ہمیشہ تلوار کو عصا یا شکاری چاقو کی طرح اپنے ہاتھ میں رکھو گے تو تم اس کے عادی ہو جاؤ گے۔ ضرورت کے وقت بے تکلف استعمال بھی کر سکو گے اور نتیجے سے بے پرواہ ہو کر اس سے ضرب بھی لگا سکو گے۔

سکندر کو بوڑھے سپاہی کے ان الفاظ پر اکثر غصہ آتا، وہ سمجھتا کہ زبان سے ایسی گفتگو کی حیثیت وہی ہے جیسے جو کا کاشتکار فلسفے پر خطبے دینے لگے۔ اسے بارہا خیال آتا کہ شاید سپاہی سمجھتا ہے کہ میں تلوار کے استعمال سے ڈر رہا ہوں، خاص طور پر جب بطلیموس سے سابقہ مقابلہ پڑتا ہے۔ وہ جب بھاری چربی ڈھال اپنے بائیں ہاتھ میں تھام کر کھڑا ہوتا تو اس کی ہتھیلیاں پسینے سے نم آلود ہو جاتیں۔ اور پیٹ پر بے حسی کی سردی چھا جاتی۔ حالانکہ جب وہ شکار کے لئے نکلتا یا نیزہ نشان پر پھینکتا تو اس کے دل میں رغبت وشوق کی حرارت موج زن رہتی۔

بطلیموس سکندر کے مقابلے میں جسم کا ہلکا پھلکا زیادہ ہوشیار تھا۔ دوڑ، کسرت اور سواری

نے سکندر کے جسم میں صلابت پیدا کر دی تھی اور اس میں پھرتی نہ رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہوتا تو سر ایک طرف ذرا سا جھکا رہتا۔ اس کی نیلگوں آنکھیں حریف پر جمی ہوتیں اور سنہری بال پیچھے کی طرف باندھ دیے جاتے۔ تاکہ آنکھوں کے سامنے نہ آ جائیں۔ اس کی جلد ماں کی جلد کی طرح نازک تھی۔ اور چہرے پر سرخی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ لیکن جسم سورج کی تمازت کے باعث بادامی رنگ کا ہو گیا تھا۔ ماں ہی کی طرح وہ خوب صورت بھی تھا۔

لیکن بطلیموس بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے لڑتا، چوبی ڈھال پر کام یاب ضربیں لگانے میں بہ سہولت سکندر پر سبقت لے جاتا۔ صاف ظاہر ہوتا کہ تیغ زنی میں اس کا درجہ اونچا ہے۔ جب سپاہی موقع پر نگرانی کے لئے موجود نہ ہوتا تو سکندر کو ضرر پہنچانے میں بھی تامل نہ کرتا۔ مثلاً کبھی تلوار کی نوک ران پر یا سر کی ایک سمت میں اس طرح لگا دیتا کہ خون نکل آتا، اور نگران کار کو مشق روکنی پڑتی، اس وقت بطلیموس ایسے انداز میں مسکرا دیتا کہ وہ اس نمائشی جنگ سے بیزار ہے۔

ایک مرتبہ سکندر اور بطلیموس مشق کر رہے تھے، اور نگران کار نے انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہ کی، سکندر کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کا جسم بے طاقت سا ہو رہا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ کو ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کی طرف منتقل کرنے سے بھی عاجز ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا، جس کی وجہ سے نصف بینائی زائل ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے یہ کیفیت ختم کر دینے کی کوشش کی، پھر یکا یک وہ کیفیت زائل ہو گئی۔ تلوار اس کے جسم میں ہلکی محسوس ہونے لگی۔ وہ اسے تیزی سے حرکت دینے لگا۔ اس نے پھرتی سے آگے یا پیچھے ہونا شروع کر دیا۔ اب بطلیموس کی ناکامی کا دور شروع ہوا، اس کی ڈھال ٹوٹ گئی اور تلوار کی حرکت سے بے چارگی ٹپکنے لگی۔

اس کے برعکس سکندر پر وہی گرم جوشی طاری ہو گئی، جو شکاری میں اس وقت پیدا ہوتی تھی، جب اس کا گھوڑا ہرن کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اسی اثناء میں نگران کی زبان سے صدا

بلند ہوئی کہ رک جاؤ۔ اور اس کا نیزہ دونوں تلواروں کے درمیان حائل ہو گیا، بطلیموس کے خاصے زخم لگ چکے تھے۔ وہ سسکیاں بھر رہا تھا۔ اور اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ نگران کار نے سکندر کا دایاں بازو تھام لیا اور آہستہ آہستہ اسے ساتھ لے کر اکھاڑے سے باہر نکل گیا۔ جب اس کا جوش سرد پڑ گیا تو نگران نے کہا "اگر تم اس شعلہ مزاجی پر قابو پانا نہ سیکھو گے تو لمبی عمر نہ پاؤ گے۔"

فیلقوس کے پاس نگران نے یہ رپورٹ پیش کی کہ اس میں غیر معمولی تیزی ہے۔ اور وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن اسے پسینہ بہت آتا ہے۔ گویا اس کی حالت وہی ہے جو دوڑ کے گھوڑوں کی ہوتی ہے، جب انہیں رتھ میں جوتنے کے لئے ساز سے آراستہ کیا جاتا ہے تو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جنگی اسلحہ جس طرح استعمال کرنا چاہیئے، اسے شاید کبھی نہ آئے۔

فیلقوس یہ سنتے ہی بولا، یہ اوصاف اسے ماں سے ورثے میں ملے ہیں۔

موسم بہار میں سیل آ جاتے تھے تو سکندر کو دریا میں سے تیر کر گزرنے کے وقت بھی اسی قسم کا خوف لاحق ہو جاتا تھا۔ نیارکس کو سیل کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ وہ بے تکلف پانی میں گھس جاتا، اور حسن تدبیر سے یوں باہر نکل جاتا جیسے کوئی گندم کی فصل میں سے گزر جاتا ہے۔ تیز لہریں اسے کہیں سے کہیں لے جاتیں لیکن وہ پار پہنچ جاتا۔ سکندر پانی میں گھستا تو پانی سے کشاکش شروع ہو جاتی، جد وجہد میں اس کا سانس پھول جاتا، ناچار اسے لوٹنا پڑتا۔ اسے ایسا معلوم ہوتا کہ نیارکس میں کوئی خاص قوت یا صلاحیت ہے، جس سے میں محروم ہوں۔ مگر نیارکس نے اپنی اس صلاحیت پر کبھی فخر نہ کیا، وہ ہمیشہ کہتا "دریائی چوہا اس سے بھی بہتر طریق پر پار پہنچ سکتا ہے۔"

ایک مرتبہ بطلیموس نے طعن آمیز انداز میں سکندر سے کہا "دوڑ میں تمہیں حیرت انگیز کمال حاصل ہے۔ اگر میراتھن 16 کی دوڑ میں اس لئے شریک نہیں ہو سکتے کہ نوعمر ہو تو کیوں نہ اگلے سال پیتھو 17 کے کھیل میں شریک ہو جاؤ۔

بطلیموس نے ایک کچوکا لگانے کی غرض سے کہا ”کیا تمہیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اول نمبر پر نہ آسکو گے؟۔ ہاں بھئی شہزادے کے لئے ناکامی بری چیز ہے، کیوں ٹھیک ہے نا؟۔ سکندر نے جواب دیا میں دوڑ میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ مقابلہ شہزادوں سے ہو، بطلیموس مسکرا کر رہ گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

محل کے نوکر چاکر کہتے تھے کہ پانی سکندر کے لئے ہمیشہ خطرناک رہے گا۔ جو روح سمندروں کی گہرائی میں رہتی ہے، وہ شہزادے کی دشمن ہے۔ اور کوئی قربانی اس دشمنی کو زائل کرنے میں کارگر نہیں ہوسکتی، نیارکس کی تربیت ہی سمندر کی آغوش میں ہوئی تھی، وہ کہتا تھا کہ روحوں کو مانو یا نہ مانو، لیکن پہاڑ سیل سمندر کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

معلوم نہ ہوسکا کہ سکندر کو اپنے باپ کے شہر پیلا 18 سے نفرت کیوں تھی، اس شہر کے اردگرد کوئی فصیل نہ تھی، اس لئے کہ فیلقوس نے اعلان کر دیا تھا کہ پیلا کو کسی فصیل کی ضرورت نہیں، یہ چھوٹا سا شہر تھا۔ تمام مکان سنگ خارا کے تھے۔ اور ان کی وضع قطع سپاہیوں کی بارکوں جیسی تھی، شہر کے اندر باغات بھی نہ تھے، وسیع بازاروں کی جگہ اس میں چکر کھاتی بڑی گلیاں تھیں۔ جس میں جابجا زینے بنے ہوئے تھے، تاکہ لوگ اوپر نیچے جا سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر پہاڑ کے دامن میں بنایا گیا تھا۔ اور اس میں قدم قدم پر نشیب وفراز تھے، سکندر کے دل میں شاید اس وجہ سے نفرت پیدا ہوگئی کہ اسے پیلا سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی، اور وہ اس شہر کو اپنے لئے قید خانہ سمجھتا تھا۔ پھر اس میں نئی نئی عمارتیں بنانے کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ حالت دیکھ کر دل پر اثر پڑتا کہ یہ شہر زلزلے سے تباہ ہو چکا ہے، اور اسے از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ تمام نئے مکانوں کے سامنے سائبان بنا دیے گئے تھے، جنہیں یونانی انداز میں خوش وضع ستون سہارا دیئے کھڑے تھے، بایں ہمہ پیلا بدوضع شہر تھا، اور جنوبی یونان کے مشہور شہروں کے مقابلے میں بالکل بالشتیا معلوم ہوتا تھا۔

فیلقوس پہلے ایک پہاڑی مقام پر رہتا تھا، جس کا نام آئی گائی 19 تھا، پھر اس نے ایک خوب صورت جھیل کے کنارے پیلا تعمیر کرا لیا، اور کنبے کو یہاں لے آیا، جھیل کے علاوہ پیلا سے سمندر کا کنارہ بھی نزدیک تھا۔ فیلقوس کہا کرتا تھا کہ اگر ہمارے پاس جہاز نہیں تو نہ سہی، کم سے کم ہم اپنے شہر کو منتقل کر کے شاہراہ سے قریب تو لا سکتے ہیں۔ زندگی بھر میں یہی ایک موقع ہے کہ جس پر فیلقوس کی بیوی تعرض معترز رہی۔

پیلا میں سب سے زیادہ خوب صورت گھڑ دوڑ کا میدان تھا، جو فیلقوس نے جھیل کے پاس گھوڑوں کی دوڑ کے لئے خاص اہتمام سے بنوایا تھا۔ سکندرر کی ماں نے پہلی مرتبہ یہ میدان دیکھا تو پکار اٹھی، ہمارے پاس بڑے اچھے اصطبل ہیں۔ سکندر کی ماں اکثر ڈیفی مندر اور کارنتھ 20 کی منڈیوں میں جاتی رہتی تھی، اس وجہ سے بھی پیلا سکندر کی نظروں میں کوئی خاص وقعت نہ پا سکا، اس کی ماں اکثر کہتی کہ پیلا کو فیلقوس نے اپنے نقشے کے مطابق بنوایا ہے۔ اس نے ارادہ کر رکھا ہے کہ اپنی وفات پر بیٹے کی تعمیر کے لئے کوئی جگہ نہ چھوڑے گا۔ اور اسے نقشہ بنانے کا اتنا ہی سلیقہ ہے جتنا کہ گھوڑے کے گلہ بانوں کو ہو سکتا ہے۔

شاید سکندر کو اس وجہ سے بھی پیلا پسند نہ تھا کہ اس میں دبی ہوئی مزاحمت محسوس ہوتی تھی۔

فیلقوس اگر چہ اکثر اپنی فوجوں کے ساتھ پیلا سے باہر رہتا، تاہم وہاں اس کا حکم چلتا، اسے پسند نہ تھا کہ پیلا میں کوئی بھی کام اس سے مشورہ لیے بغیر انجام پائے۔

اگر چہ یہ شہر ایک تنگ اونچی وادی میں واقع تھا۔ لیکن بڑی شاہراہ کے قریب تھا۔ قبرستان کے پاس جو ٹیلا تھا، اس پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے سمندر کی سیاہی مائل جھلک صاف نظر آتی تھی، اور ساحل بحر کے ساتھ ساتھ ایک خط سفید بھی دکھائی دیتا تھا۔ یہ شاہراہ اعظم تھی جو ایران کے بادشاہ زرکیز 21 نے ایک صدی پیشتر بنوائی تھی، جب وہ ایشیا سے چل کر یونان کو فتح کرنے آیا تھا۔ فیلقوس کو اس شاہراہ سے کوئی سروکار نہ تھا، تاہم مشرق

کی جانب وہی بہترین شاہراہ تھی۔

اسی شاہراہ سے ایک مرتبہ مشرق کے آدمیوں کا ایک جلوس آیا تھا، وہ لوگ آہستہ آہستہ گردوغبار سے اٹی ہوئی سڑک کے ذریعے سے پیلا پہنچا، اور خود ان کی اڑائی ہوئی گرد نے اردگرد پردہ سامان رکھا تھا، بایں ہمہ چمکیلے ارغوانی چغے، اور زرتار لباس پردہ غبار میں بھی دمک رہے تھے، سکندر نے شان وشکوہ کا ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، نیارکس نے سورج کی تب وتاب سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے کہا یہ ایشیا سے آئے ہیں اور جنہوں نے مرصع مکٹ پہن رکھے ہیں، وہ مجوسیوں کے موبد ہیں بطلیموس بولا، وہ انہوں نے خوب زرق برق اور بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے ہیں۔

سکندر کی نظر گھوڑوں پر جمی ہوئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں دیکھ کر مسحور ہو گیا تھا، بعض گھوڑے قدوقامت میں اتنے بلند تھے کہ اس کی نظر سے ویسے گھوڑے کبھی نہ گزرے تھے، چلنے میں ان کی پشتیں اس طرح ہلتی تھیں کہ گویا وہ پہاڑ کو اپنے اوپر سے ہٹا کر نیچے پھینک رہے ہیں۔ بعض بڑے سبک رفتار تھے اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت سر مسلسل اوپر اٹھے رہتے تھے، سکندر نے ایسے گھوڑے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے، یونان میں سب سے اچھے گھوڑے تھسلی کے تھے، لیکن سکندر کے نزدیک ایرانیوں کے گھوڑوں کو تھسلی کے بہترین گھوڑوں پر بھی سبقت حاصل تھی۔

اسے بہت جلد معلوم ہوا کہ یہ اجنبی شہنشاہ ایشیا کے سفیر ہیں، یونان کے لوگ ایشیائیوں کو ایرانی کہتے تھے محل میں داخل ہونے کے لئے جو زینے بنے ہوئے تھے، سکندر وہیں جم کر کھڑا ہو گیا، اور وہ گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا، چاہتا تھا کہ ان مشرقیوں کے ساز وسامان کا بغور معائنہ کرے، لیکن اسے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں ان کی توجہ خود اس کی طرف منعطف نہ ہو جائے۔

بطلیموس بولا: فیلقوس معمول کے مطابق اپنے تمام رفیقوں کے ہمراہ باہر گیا ہوا ہے اب یہاں کپتان سے اونچے درجے کا کوئی شخص نہیں جو مہمانوں کی پیشوائی کا اعزاز

حاصل کر سکے۔

اس اثناء میں سفیر گھوڑوں سے اتر چکے تھے اور سائے میں کھڑے اپنا سامان پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے ساتھ ساتھ پیلا کی بے قاعدہ اور غیر مربوط گلیوں کے نظارے سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے یکا یک ایک کنیز تیزی سے سکندر کے پاس آئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا، بولی ''آپ کی والدہ ماجدہ علیا حضرت اولمپیاس نے سلام کہا ہے اور فرماتی ہیں کہ آپ ان سفیروں کا استقبال کریں اور ان کے قیام کیلئے مناسب مقام کا بندوبست فرماویں۔''

سکندر یہ پیغام سنتے ہی ہجوم میں سے کتراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کا حلق خشک تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ استقبال کے لئے کون سے لفظ استعمال کرے۔ ماں برابر اپنی مرضی کے مطابق اس سے کام لیتی تھی۔ فیلقوس تو محض اس امر پر قناعت کر لیتا کہ بچے کو تمسخر آمیز انداز میں دیکھتا رہے۔ گویا وہ مشکوک نسل کا بچھیرا تھا لیکن ماں فیلقوس سے زیادہ جبر وتحکم استعمال کرتی تھی۔

سکندر نے معمولی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک پرانی اونی قمیض اور سواری کی ڈھیلی ڈھالی پتلون۔ سفیروں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب اس نے شراب منگوائی تو سفیروں نے بے پروایانہ پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں سادہ پانی پلوا دیجئے۔

موبدوں نے سفید ریشم کے کپڑے پہن رکھے تھے ان کے رنگ پکے، چہرے پتلے اور ہلکے اور ان سے سرگرمی کے آثار نمایاں تھے۔ جب انہوں نے زریں اشیاء اور ریشمی پارچات، جن میں موتی ٹکے ہوئے تھے۔ دیکھنے شروع کئے تو آہستہ آہستہ مگر تیزی سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ چیزیں یقیناً تحائف کے طور پر لائی گئی ہوں گی۔ سکندر نے دیکھا کہ بطلیموس قہقہہ مار کر ہنس رہا ہے۔ خود سکندر کو اس ایرانی گھوڑے نے مسحور کر رکھا تھا۔ جس کی پشت پر چمڑے اور نمدے کا ایک مربع ٹکڑا بندھا ہوا تھا اور اس میں سے دونوں جانب تسمے لٹک رہے تھے ان تسموں کے سرے پر کنڈلی والا پھندا سا بنا ہوا تھا 22 سفیروں

کی جماعت میں سے جو شخص یونانی زبان جانتا تھا۔ وہ بولا کہ یہ پاؤں رکھنے کے لئے ہیں۔

سکندر فوراً گھوڑے کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ گھوڑا پیچھے ہٹا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سکندر کی حرکت نے اسے چونکا دیا تھا۔ اس نے اچک کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور اس کی لمبی محرابی گردن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ پھر جب اس نے رکاب میں پاؤں رکھا تو گھوڑا رام ہو گیا۔ سفیروں کا ایک ملازم بے باک اور شوخ لڑکے کو گھوڑے سے اتارنے کے لئے آگے بڑھا لیکن ہجوم میں سے ایک ترجمان نے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں مہمانوں کو بتایا "یہ شاہ مقدونیہ کا اکلوتا فرزند ہے باقی یا تو گدھے ہیں یا ناجائز اولادیں۔"

اب سفیر پانی پی رہے تھے ساتھ ساتھ سکندر کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور گھوڑوں کے متعلق اس کے سوال کا جواب بھی دیتے جاتے تھے بڑے گھوڑے کو قابو میں لے آنے کے بعد وہ خوف و دہشت سے آزاد ہو چکا تھا۔

مہمانوں نے بتایا کہ اس نسل کے گھوڑوں پر ہم غروب و طلوع کے درمیان پان پانسو سٹیڈیم 23 فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔۔ کوئی ساٹھ ہزار قدم۔۔۔ غروب سے طلوع تک اس لئے کہا کہ ان کے وطن میں دھوپ تیز ہوتی تھی اور عموماً رات کی تاریکی میں سفر کرنے کے عادی تھے یہ بھی بتایا کہ ایشیا کی سڑکیں پیلا کی گلیوں سے بہت وسیع ہیں اور راستوں پر جگہ جگہ ایسے مرکز بنے ہوئے ہیں جہاں گھوڑوں کی قطاریں موجود رہتی ہیں تا کہ سواریاں بدلتی رہیں اور سفر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

یہ بیان سکندر کے حیرت و استعجاب کے لئے مہمیز کا کام دے گیا۔ اب وہ سوال پر سوال کرنے لگا۔ مثلاً یہ کہ آپ لوگ کتنا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں سمندر سے کیوں کر پار ہوئے؟ آپ کے بادشاہ کا نام اور لقب کیا ہے؟ آخری سوال کے جواب میں ایک موبد بولا ہمارے بادشاہ کا نام نامی ارتخشست 24 ہے وہ شہنشاہ بزرگ ہے روئے زمین کے تمام ممالک پر اسے فرمانفرمائی حاصل ہے۔

یہ جواب سنتے ہی سکندر نے پوچھا: بھلا وہ کون کون سے ملک ہیں، جن پر آپ کا بادشاہ فرمانروا ہے؟ وہ طلوع آفتاب کے مقام کی طرف کتنی دور تک پھیلے ہوئے ہیں؟

سفیروں میں سے کوئی بھی اس سوال کا جواب نہ دے سکا کسی نے بھی شہنشاہ ایران کی سلطنت کے طول وعرض میں چکر نہ لگایا تھا وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ اس سلطنت میں تیس قومیں آباد ہیں ایک شخص نے سن رکھا تھا کہ اگر کوئی سوار، ڈاک کی سڑکوں پر مغرب سے مشرق کی طرف سفر شروع کرتے برابر چلتا جائے اور کہیں نہ ٹھہرے تو ایک سو دن سلطنت کی انتہائی مشرق سرحد پر پہنچ جائے گا۔

سکندر نے پوچھا: ''مقدونیہ ہی سے سفر میں آپ کے کتنے دن صرف ہوئے؟''

جواب ملا: ''صرف تین دن''

سکندر سفیروں کے خیر مقدم کو بالکل فراموش کر چکا تھا اور اسے قطعاً یاد نہ رہا تھا کہ مہمانوں کو جلد سے جلد قیام گاہ تک پہنچا دینا چاہئے۔ وہ سوال پر سوال کرتا جا رہا تھا اور سفیر مجبوری کی حالت میں داخلے کے زینوں پر بیٹھے تھے یکا یک پورے مجمع پر اس طرح سکوت طاری ہو گیا، جس طرح بادل سورج کو ڈھانپ لیتا ہے اس لئے کہ ملکہ اولمپیاس محل کے برآمدے میں نمودار ہوئی اس کا رشتہ دار لیونی دس ساتھ تھا۔ پیچھے محافظ سپاہ کے چند افراد کھڑے تھے سب کی نظریں اس پر جم گئیں کوئی کاہنہ کسی مذہبی مرکز کے پردے کے سامنے نمودار ہو کر اس سے زیادہ توجہ کا مرجع نہ بن سکتی تھی یقیناً وہ کاہنہ شہزادی معلوم ہوتی تھی جیسے کہ وہ تھی اس کے بل کھائے ہوئے سیاہ بالوں میں مہندی کے سفید پھول آویزاں تھے۔ اس نے چاندی کا کمر بند باندھ رکھا تھا جس کی وضع قطع سانپ کی سی تھی۔ آواز اس درجہ شیریں خوش آہنگ اور سریلی تھی، جیسے سنہری گھنٹی بج رہی ہو۔ وہ بولی'' بزرگ شہنشاہ ایشیا کے سفیروں کو سلام پہنچے۔ مقدونیہ کی ملکہ اولمپیاس اپنے محل میں ان کا خیر مقدم کرتی ہے۔''

سفیروں میں سے کسی کی زبان سے نہ فوراً کوئی لفظ نکلا اور نہ ان کے قدموں کو جنبش

ہوئی وہ حیرت کے پیکر بنے کھڑے ہیں اولمپیاس کا سن اس وقت تیس سال سے زیادہ نہ ہوگا شمالی پہاڑی علاقے کی کوئی خاتون اس سے زیادہ جاذب توجہ نہ ہوسکتی تھی اور ہر پس منظر کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کے سلیقے میں اسے کمال حاصل تھا۔سنگ خارا کی دیواروں کو سفیدی مائل سیاہ رنگ کی یکسانی اور شاہ بلوط کے دروازوں کی ناہمواری نے اولمپیاس کے چہرے کی رنگت میں جلا پیدا کر دی تھی اور نگاہیں اس پر ٹک نہ سکتی تھیں سفیروں نے ادب سے تحائف کی کشتیاں اٹھائیں اور آہستہ آہستہ زینے پر چڑھنے لگے۔

اولمپیاس نے مسکراتے ہوئے کہا ''واہ کیا نفیس تحفے ہیں میں فیلقوس کے لئے انہیں قبول کرتی ہوں''

سکندر سوچ رہا تھا کہ ماں میری خوفناک غلطی پر ناراض ہوگئی ہے۔بطلیموس کے دل میں خیال گزرا کہ ملکہ کو سٹیج کے مرکزی مقام کو سلیقے کے ساتھ آراستہ کر دینے میں بڑی دسترس حاصل ہے۔پھر وہ سکندر سے مخاطب ہوا ''تم نے ہر چیز کے متعلق سوال کر لئے، ایشیا کی لڑکیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔''

سکندر نے بے خیالی سے جواب دیا: ''مشرق میں عورتیں مردوں سے الگ تھلگ اور پس پردہ ہوتی تھی۔مردان کے بارے میں کبھی بات چیت نہیں کرتے ہیروڈوٹس نے یہی بیان کیا ہے'' بطلیموس نے قہقہہ لگایا اور بولا '' ایکی لیز، اگر تم لڑکیوں کے متعلق تمام معلومات کتابوں سے حاصل کر لینے پر مطمئن ہو تو معلوم نہیں یہ لوگ اولمپیاس کے بارے میں کیا سمجھ رہے ہوں گے!''

اولمپیاس کے متعلق ایرانیوں کے تاثرات معلوم کرنا آسان نہ تھا انہوں نے اپنے تاثرات چھپا رکھے تھے اور صرف رسمی الفاظ زبان پر لا رہے تھے۔ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی نظریں مقدونیہ کی حسین وجمیل ملکہ سے ہٹالی تھیں۔گویا اسے دیکھنا باعث مضرت ہو گا۔بطلیموس نے اس کا اندازہ کرلیا۔اور اس کے دل میں ایک امید پیدا ہوئی۔اس کی ماں آرسی لوئی ایک یونانی طوائف کی حیثیت سے اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور تھی اور اس نے اپنے

بیٹے کو بتا دیا تھا کہ اولمپیاس بڑی تحکم پسند عورت ہے وہ سب کو اپنے احکام کے روبرو جھکا دینے پر تلی بیٹھی ہے لیکن یہ اہم کام عقلمندی اور دور اندیشی سے پورا کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہیں آرسی لوئی نے بر صیغہ راز یہ بات بھی بتا دی تھی کہ وہ سیاہ ابرو اولمپیاس دل میں اب تک وہی ہے جو شادی سے پہلے تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی دی اونی سوس 25 دیوتا کے مندر کی لا ابالی رسموں پر حسن اعتقاد سے اس طرح کاربند ہے جس طرح پہلے کاربند تھی وہ نشوو ارتقا پا کر بیوی کے درجے پر نہ پہنچ سکی اور وہ اپنی ضبط نا آشنا طبیعت کی غلامی سے کبھی آزاد نہ ہو سکے گی اگرچہ وہ پیدائشی شہزادی ہے لیکن عقل و خرد سے اسے کوئی رابطہ نہیں بہ حالت یتیمی اس نے اپیرس 26 کے جنگلوں میں پرورش پائی اور مخفی دیوتاؤں کی عبادت کے سلسلے میں بدمستیوں کی ہیجان انگیزی نے اسے اپنے اندر جذب کر لیا۔

عقیل و فہیم آرسی لوئی نے اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا تھا کہ دیکھنا کسی ذاتی معاملے میں اولمپیاس کو کبھی ناراض نہ کر دینا۔ یہ فعل اتنا ہی خطرناک ہوگا۔ جتنا کہ اس کے پالے ہوئے سانپوں اور پاؤں رکھ دینا خطرناک ہو سکتا ہے۔

ایرانی سفیر جتنے تحائف فیلقوس کے لئے لائے تھے اولمپیاس نے وہ سب کے سب اپنے ہاتھ سے وصول کئے شام کے وقت سکندر کو بلایا اور جیسا کہ اسے اندیشہ تھا، انتہائی غصے اور خفگی کے عالم میں اس پر زبان کے تازیانے برسائے اس نے بیٹے سے کہا ''واقعی گونگا بچھڑا۔۔۔ کتابوں کا کیڑا، ہر لحظہ تحریرات کے لپٹے ہونے گرد آلود پلندوں کو کریدنے والا ارہی ڈایوس 27 تجھ سے بدرجہا موزوں تر انداز میں سفیروں کا خیر مقدم کر سکتا تھا''

اس نے اپنے گھنے بالوں سے مہندی کے پھول نکال لئے تھے اور بڑے زور سے کنگھی کر رہی تھی۔ پاس کنیزیں ہر خدمت انجام دینے کے لئے تیار کھڑی تھیں لیکن ان پر اولمپیاس کو کوئی توجہ نہ تھی اس کے منہ سے جو لفظ نکل رہے تھے معلوم ہوتا تھا ان پر لوہے

کے کانٹے لگے ہوئے ہیں ارہی ڈایوس فیلقوس کی ایک داشتہ کے بطن سے تھا، یعنی سکندر کا ناجائز علاتی بھائی۔ اس کی حالت یہ تھی کہ ہر وقت کھانے پینے کی چیزیں چرانے میں لگ ارہتا اور کچھ نہ کچھ کھاتا جاتا۔ جب بولنے کی کوشش کرتا تو ہکلاتا اور منہ سے رال بہتی۔۔۔۔ لیونی دس جانتا تھا اور سکندر بھی ناواقف نہ تھا کہ ارہی ڈایوس تھسلی کی ایک رقاصہ کے بطن سے تھا اور اولمپیاس کو اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ تھی۔ نیز بچپن میں اسے اتنا زہر پلا دیا گیا تھا کہ اگرچہ موت واقع نہ ہوئی تاہم اس کی عقل کا خانہ خالی رہ گیا۔

سکندر چپ چاپ یہ شعلہ گفتاری سنتا رہا۔ اور کچھ نہ بولا اسے خیال تھا کہ ماں کا غصہ جلد ختم ہو جائے گا لیکن اولمپیاس کنگھی کو بالوں سے بہ زور کھینچتی ہوئی بولتی جا رہی تھی اس نے کہا تیرا دل ہر وقت ایکی لیز بننے کے سپنوں سے معمور رہتا ہے حالانکہ تجھ میں بچھڑے جتنا بھی جذبہ برتری نہیں۔

سکندر اس پر بھی خاموش رہا اولمپیاس نے پھر کہا ”بے شک اتالیق تجھے ایکی لیز کہتے ہیں اگرچہ ان کا مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ میں خوش ہو جاؤں تیرا چہرہ مہرہ اچھا خاصا ہے بدن شاندار ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ مجھے گھوڑے کی پیٹھ پر گدے سے کیوں اتنی دلچسپی پیدا ہوئی؟ یہاں تک کہ سفیروں سے اسی کے بارے میں بات چیت کرتا رہا؟ کیا تو نے ایسی چیز پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔“

سکندر اپنے طرز عمل کی توضیح کے لئے بڑی گرمجوشی سے بولا، یقیناً نہیں دیکھی تھی اور ایرانی اسے زین کہتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ زین گھوڑے پر کسی ہوئی ہو تو آدمی بڑے اطمینان سے سواری کر سکتا ہے۔

اولمپیاس: ”ہاں گھوڑا، بے شک گھوڑا یہ تیرے اندر سے مقدونیہ کے کسان کی روح بول رہی ہے بلاشبہ تو فیلقوس کی زندہ اور سانس لیتی ہوئی تصویر ہے۔ وہ ایمن تس 28 کا بیٹا ہے جو گھوڑے پال تھا ہاں بیٹا! اس پر تعجب کی کون سی وجہ ہے؟“ پھر وہ ایک غلام سے مخاطب ہوئی ”یونانی طعن سے کہتے ہیں کہ اہل مقدونیہ کے آباؤ اجداد قنطور 29 تھے،

بالائی حصہ آدمیوں کا سا اور زیریں حصہ گھوڑوں کا سا۔ اب تک یہ حالت ہے کہ گھوڑے سے الگ ہو کر کسی مقدونوی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔'' سکندر ہنستے ہوئے بولا:

''شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسالے کا مقابلہ کوئی یونانی نہیں کر سکتا''

اس پر اولمپیاس خوش ہوگئی اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ بیٹے میں بھی فیلقوس کی طرح قیادت اور سالاری کا جوہر نمایاں ہو جائے لیکن سکندر کو رسالے سے نہیں صرف گھوڑوں سے دلچسپی تھی یہ ایک خاص مقدونوی خصلت تھی، تمام مقدونوی دراصل کسان تھے وہ لمبے لمبے نیزوں والے پیادہ دستے بھی جنہیں فیلقوس نے نئے اصول پر تربیت دی تھی اس امر پر مصر رہتے تھے کہ موسم بہار کی کاشت کاری اور موسم خزاں کی فصل برداری کے موقع پر انہیں گھر جانے کے لئے رخصت دی جائے۔

اولمپیاس نے سکندر کی بات کا تو کوئی جواب نہ دیا لیکن وہ اپنے افکار کی رو میں بہتی ہوئی بولی ''فیلقوس کو یہ کاروبار بہت پسند ہے وہ چاہتا ہے یہاں فوجی امراء کی حکومت قائم کر دے۔۔۔ قوم کو فوج بنا دینے کا خواہاں ہے اس کی آرزو ہے کہ فوج ایسی ہو جسے متحرک قوم قرار دیا جا سکے۔ اور کھیتی باڑی بھی کرے اور لڑائیاں بھی حالانکہ یونانیوں نے بہت پہلے دریافت کر لیا تھا کہ ایک سپاہی موزوں شہری نہیں بن سکتا اور نہ صحیح شہری سپہ گری اختیار کر سکتا ہے۔''

اولمپیاس بعض اوقات بڑی تیز نگاہی سے حقیقت پر پہنچ جاتی تھی۔ وہ ایک باکمال اداکار تھی۔ دوسروں کے تصنع کو بھانپ لینا اس کے لئے مشکل نہ تھا۔ خود اس کے دل میں اوہام و احساسات بہت کم تھے اس کے اجداد مدت مدید تک عام لوگوں پر حکمرانی کرتے رہے تھے وہ بیماریوں کے علاج اور فال وشگون کی توضیح کے لئے اپی رس کی شہزادی کے پاس آتے تھے وہ اگرچہ یتیم ہو چکی تھی تاہم دوشیزگی میں بھی اپنے عوام کی شہزادی اور کاہنہ تھی اب اس کی تمام رقابتیں اور تمام جذبات اپنے بیٹے سکندر پر مرتکز تھے۔ دل میں صرف ایک آرزو تھی اور وہ یہ کہ سکندر کو حکمرانی کا پیکر بنا دے لہٰذا اسے سکندر میں فیلقوس

کے عادات و خصائل کا جو نشان بھی نظر آتا تھا اسے ختم کر دینے کے لئے سرگرم سعی و عمل ہو جاتی تھی۔

بیٹے کے دل پر باپ کے ہم قوموں یعنی مقدونیوں کی کہتری کا نقش بٹھانے کی طرف اسے خاص توجہ تھی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ یہ لوگ بہت طویل عرصے تک پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے رہے اور اب تک برابر پرانی قبائلی زندگی کے طور طریقوں پر کاربند ہیں ان میں حقیقی امیری کا کوئی جوہر پیدا نہیں ہوا۔ فیلقوس کے خاص رفیق، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور انہیں سے وہ مشورے لیتا ہے کیا ہیں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہت بڑے گھوڑی پال ہیں ان کے گانے دیکھو، سب میں گلہ بانوں کی دھنیں پاؤ گے ان کے ناچ پر نظر ڈالو، تم نے دیہاتی چرواہوں کو دیکھا ہو گا کہ جب فصل کھلیانوں میں لگ چکتے ہیں تو خوشی کے عالم میں ناچتے ہیں ان کا ناچ کیا ہوتا ہے ''زور زور سے زمین پر پاؤں مارنا، گھومنا اور چکر لگانا، بس ویسے ہی ناچ اہل مقدونیہ کے ہوتے ہیں۔ قدم قدم پر فال اور شگون کا خوف، قحط کا ڈر، جانوروں میں وبا پھیلنے کا اندیشہ، کیا ان میں سے کوئی بڑا خطیب یا فلسفی یا جرنیل بھی پیدا ہوا ہے؟ کیا ان میں سے کوئی ایسا بادشاہ بھی اٹھا ہے جس نے ایتھنز کے کسی دوسرے درجے کے آدمی جتنی شہرت حاصل کی ہو؟''

سکندر جانتا تھا کہ اس کے ہم قوموں نے عظیم الشان کارناموں میں کبھی کوئی قابل فخر حصہ نہ لیا مقدونیہ میں جنگلوں کے مالک ہمیشہ لکڑیاں کاٹ کاٹ کر ندی نالوں کے ذریعے سے سمندر کی طرف بہا دیتے اور اہل ایتھنز ان سے جنگی جہاز بنا لیتے۔ مقدونیہ کے گھوڑی پال تمام یونانی شہروں کے لئے سواری کے جانور مہیا کرتے۔ ان کے کھیتوں میں جو اور انگور پیدا ہوتے۔ بھیڑ بکریاں بھی پالتے۔ جن کا گوشت کھایا جاتا لیکن یہ تمام جنسیں دارا اور زرکسیز جیسے عظیم الشان بادشاہوں کی حملہ آور فوجوں کے لئے جبراً خرید لی جاتیں اگر ان حالات میں اعلیٰ تعلیم یافتہ یونانی مقدونیوں کو جاہل اور دہقانی کہتے تو انہیں حق بہ جانب نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

فیلقوس کے زمانے تک اہل مقدونیہ کی لڑائیاں کیا تھیں، وہ صرف سواحل ڈینیوب کے جنگلی باشندوں کے چھاپوں یا ویسے ہی وحشی سواروں کی یورشوں کو روکنے تک محدود رہیں جب تک فیلقوس کو کوہ پنگایوس 30 کے اردگرد سونے اور چاندی کی کانیں نہ ملیں مقدونوی بادشاہ اپنے سکے تک جاری نہ کرے وہ اس وقت ایتھنز کے نہایت نفیس روپہلی سکوں ہی سے کام لیتے تھے چکالوس کی کانوں سے ہر سال صرف ایک ہزار ٹیلنٹ 31 کے برابر چاندی سونا ملتا تھا اور اولمپیاس اس پر مطمئن نہ تھی اس نے کہا اب ہم نے کان کنی کا پیشہ بھی اختیار کر لیا ہے گویا اب بھی ہماری دولت زمین ہی سے نکلتی ہے اور کیسی دولت؟ جنرل زیتوفن کی فوج میں دس ہزار تنخواہ دار یونانی شامل تھے ہماری دولت اتنے تنخواہ دار آدمی مہیا نہیں کرسکتی۔۔۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیرا باپ تنخواہ دار فوج رکھنے پر راضی ہوسکتا ہے ہرگز نہیں اگرچہ فرعون مصر نے بھی روپے خرچ کر کے اہل سپارٹا کا ایک محافظ دستہ ملازم رکھلیا ہے۔

فیلقوس جو کچھ بھی کرتا تھا اولمپیاس کی نگاہوں میں وہ سراسر باعث ہتک اور غلط تھا وہ فیلقوس کی ہر رائے کے خلاف تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو سکندر کی نگرانی کے لئے جمع کر رکھا تھا اس نے محل کے غلاموں کو تاکید کر دی تھی کہ سکندر کے دل میں اپنے سوا کسی پر انحصار کا خیال تک نہ آئے اور سکندر محسوس کرتا تھا کہ وہ خود اور اس کی ماں بالکل تنہا ہیں یہاں تک کہ فیلقوس بھی انہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا اسی لئے مختلف حیلے بہانے پیش کر کے الگ تھلگ رہتا ہے۔

فیلقوس نے صرف ایک مرتبہ بیٹے سے اس اجنبیت و بے تعلقی کا ذکر کیا "میں سانپوں کے ہوتے ہوئے تمہاری ماں کے پاس نہیں جا سکتا" اس اثنا میں اس نے وہ آنکھ بند کر رکھی تھی جس کی نظر زائل ہو چکی تھی بلاشبہ اولمپیاس نے بڑے بڑے سانپ پال رکھے تھے اس کی خواب گاہ میں عشق پیچاں کی بیلیں بھی تھیں اور مذہبی رقص کے لئے پنکھے بھی موجود رہتے تھے بعض اوقات سانپ ان بیلوں اور پنکھوں سے اچانک برآمد ہو جاتے لیکن بیٹے

کو ہمیشہ اس بات پر حیرانی ہوتی تھی کہ فیلقوس کے لئے ان معمولی سانپوں سے خوفزدہ ہونے کی کون سی وجہ ہے؟ یقیناً یہ راز کی بات نہیں کہ فیلقوس نے جب اولمپیاس سے شادی کی تھی تو وہ دل وجان سے اس پر نثار تھا وہ اسی رات سے اولمپیاس پر مرنے لگا تھا۔ جب سیموتھریس 32 کے مقدس جزیرے میں دیومینسی دیوتا کے تہوار کے موقع پر مشعلوں کی لہراتی ہوئی روشنی میں سے اسے دوڑتے اور کپڑے پھاڑتے دیکھا تھا۔ تماشائی یہ سمجھتے تھے کہ دیوتا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے عوام میں مشہور تھا کہ اس وقت سے ایک سال تک فیلقوس نے شاندار یتیم لڑکی (اولمپیاس) کو ایک لمحہ کے لئے بھی الگ نہ کیا۔ جب اس کے بچہ پیدا ہو چکا تو اس وقت بھی فیلقوس کے دل میں محبت بدستور موجزن تھی اور وہ پہلے کی طرح اس کا شیفتہ و دلدادہ تھا۔

جس رات سکندر پیدا ہوا، بوڑھا کاہن ایرسٹانڈر 33 اولمپیاس کی خواب گاہ میں پہنچا اور اسے بتایا کہ غروب آفتاب کے وقت مجھے مشرق کے افق پر شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آئے۔ کچھ وقت گزر جانے پر یہ پیش گوئی سچی ثابت ہوئی اس لئے کہ اطلاع مل گئی۔ سکندر کی ولادت کی رات ایشیا کے ساحل پر افی سوس 34 میں آرٹی مس 35 کا مندر رنذر آتش ہو گیا۔ فیلقوس نے یہ سنا تو کہا کہ ''اس رات میرے ایک گھوڑے نے اولمپیائی کھیلوں میں دوڑ جیتی''

پھر فیلقوس اولمپیاس سے الگ رہنے لگا اگرچہ اپنی دوشیزگی کے وقت سے اس کے حسن و جمال کو چار چاند لگ گئے تھے وہ رات کے وقت اپنے رفیقان خاص کے ساتھ شراب پیتا رہتا۔ جب نشہ اس پر غالب آ جاتا تو محل کے برآمدوں پر گیلریوں میں جو بھی خوبصورت عورت مل جاتی اسے کھینچ کر اپنی خواب گاہ میں لے جاتا۔ بہت سی محتاط عورتیں اس کی گزرگاہ سے دور دور رہتیں اور بعض کچھ احتیاط نہ کرتیں۔ تاہم معلوم یہی ہوتا ہے کہ اولمپیاس جیسی محبت اسے کسی عورت سے نہ ہوئی۔

سکندر کو پیلا سے نفرت تھی اور وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا تھا لیکن اس پر یہ حقیقت

بھی بالکل کھل گئی تھی کہ جب فیلقوس پیلا آتا۔۔۔اور اب شاذ ہی آتا تھا۔۔تو شہر کی حالت بالکل بدل جاتی آنیوالوں کا تانتا بندھ جاتا۔۔۔ملازمت کے خواستگار ڈلفی کے دولتمند مندر کے کارندے، تاجر، ملاح، اسپ فروش، سارا کیوز 36 کے ریاضی دان، غرض بحیرہ روم کی دنیا سے بھانت بھانپ کے آدمی آنے لگے وہ فیلقوس کے پاس اچھی اطلاعات لاتے اور ان کی کوشش یہ ہوتی کہ اس سے کوئی حکم حاصل کر لیں جوڑیوں کے گھوڑے گلیوں میں سے تیز تر جاتے۔بڑھیوں کے کلہاڑے لکڑی کے شہتیروں پر زیادہ زور سے پڑنے لگتے یہ سب اس بات کی علامتیں تھیں کہ فیلقوس پیلا آ گیا ہے۔

فیلقوس کی ایک ٹانگ لنگڑی تھی لیکن وہ پیلا کے گرد وغبار اور شوروغوغا میں لنگڑاتا ہوا پیدل چلتا اپنے آرام کی خاطر گھوڑے پر سوار نہ ہوتا۔اس کے بادامی اور داڑھی سے مزین چہرے پر پسینہ چمکنے لگتا اور اس کی آنکھ کو پونچھتا رہتا۔جو ڈھال کی ایک نوک لگنے سے خراب ہوگئی تھی ایک بازو بھی اکڑ کر بیکار ہو چکا تھا بایں ہمہ اسے اپنی قوت و طاقت پر بڑا ناز تھا۔

فیلقوس نے بہ ظاہر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی وہ اپنے خط محرروں سے لکھواتا جو ہمیشہ کاغذ اور قلم لئے اس کے ساتھ رہتے۔سکندر کو جب موقع ملتا چھپ چھپا کر گھڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ جاتا۔جہاں گھوڑوں کی تیز رفتار کا امتحان کیا جاتا۔وہ حتیٰ الامکان فیلقوس کی اس آنکھ کی طرف رہتا جس کی نظر زائل ہو چکی تھی اس شغل میں وہ بڑی راحت محسوس کرتا محل میں اس کے اپنے کمرے زنانہ حصے کے پاس تھے جہاں کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے ان کمروں کے سکوت کی جگہ اسے وہ جگہ پسند تھی جہاں فیلقوس لنگڑاتا ہوا چلتا اور اندھا دھند لوگوں کو لعنت ملامت کرتا۔

ایک روز فیلقوس نے تمام معلموں اور اتالیقوں کو محل سے باہر بھیج دیا تو سکندر صبح ہی گھڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ گیا۔فیلقوس اس روز ایک نئی منجنیق کا تجربہ کرنا چاہتا تھا جو چھ فٹ لمبے تیر کو اتنی دور پھینکتی تھی کہ کوئی تیر انداز اپنا تیر وہاں تک نہ پہنچا سکتا تھا۔یہ منجنیق

سائرا کیوز کے ایک مہندس دیاوس 37 نے تیار کی تھی جب اس نے تیر چھوڑا، رسوں میں سے تڑاق کی آواز نکلی، زور کا دھماکا ہوا اور تیر تیزی سے بہت دور جا گرا فیلقوس نے کہا ''اب منجنیق کو اتارو'' یہ حکم سنتے ہی دو کارکن منجنیق پر چڑھ گئے اس کی میخیں نکالیں رسے الگ کئے اور پوری مشین کے اجزاء اس طرح جدا جدا ہو گئے جس طرح گندم کا پولا بندھن کھلتے ہی جدا جدا ہو جاتا ہے۔ فیلقوس نے پھر آہستہ سے کہا ''اچھا، اب دیکھنا چاہئے کہ تم اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کیوں کر لے جاتے ہو۔''

یہ سنتے ہی چار کارکن باہر نکلے اور انہوں نے خاصا زور لگا کر منجنیق کے مختلف حصے کندھوں پر اٹھا لئے اور اس طرح چلنے لگے جیسے کوچ پر ہوں سکندر نے سن رکھا تھا کہ فیلقوس ایک نئی توپ تیار کر رہا ہے دیاوس اس کا مجوز ہے یہ پیادہ فوج کے ساتھ میدان جنگ میں جایا کرے گی دیاوس اس کامیابی پر بڑا خوش تھا یہاں تک کہ اس نے فیلقوس کو سنانے کی غرض سے بلند آواز کے ساتھ کہا کہ اتنی قوت والی اور ایسی ہلکی منجنیق آج تک نہیں بنائی گئی۔

فیلقوس کی جو آنکھ ٹھیک تھی وہ دیاوس پر جمی ہوئی تھی اچانک بولا ''بے شک منجنیق بڑی قوی ہے بے شک بوجھ بھی زیادہ نہیں عام منجنیقوں کے مقابلے میں نصف ہو گا لیکن چار آدمی اسے پہاڑ پر نہیں لے جا سکتے۔''

بات ختم نہ ہوئی تھی کہ دیاوس نے کہا ''دو گھوڑے جہاں چاہو اسے پہنچا سکتے ہیں''

فیلقوس: ''بے شک دو گھوڑے اسے بہ سہولت اٹھا سکتے ہیں، لیکن دیاوس! خود ستائی کے جوش میں تم اس حقیقت کو بھول گئے کہ منجنیق کو آخر کوئی شے پھینکا ہے اتنے بھاری بیس تیر بھی ساتھ لئے جائیں گے تو انہیں اٹھانے کے لئے کم سے کم دو آدمی یا ایک گھوڑا ضرور درکا ہو گا نا بھئی تم مزید غور و فکر کرو زیادہ مضبوط اور ہلکی لکڑی تلاش کرو رسے بھی ذرا حسین اور ہلکے ہونے چاہئیں''

دیاوس پر اضطراب طاری ہو گیا اور وہ چیخ کر بولا ''آپ کہتے ہیں، تلاش کروں۔ کیا ہر

میز 38 کے عصا کا ٹکڑا اٹھا لاؤں؟ جادو کی لکڑی پیدا کروں؟ کوئی ایسا رسہ تلاش کروں جو بیز نطین کی دس تاروالی سن سے بھی زیادہ ہلکا ہو؟'' پھر فیلقوس کے قریب سر لے جا کر کہا'' کیا میں مقدونیہ کی سنہرے بالوں والی لڑکیوں کی زلفیں کاٹ لوں تا کہ ایسے رسے تیار ہو سکیں جو تمہیں پسند ہوں۔''

فیلقوس: ''نہیں عورت کے سر کے بال سب سے زیادہ بھاری ہوتے ہیں میں آزما چکا ہوں باقی رہا تمہاری مشین کا معاملہ تو میں کہتا ہوں کہ یہ بھدی ہے اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے چھ آدمی درکار ہیں''

دیاوس: (دانتے پیستے ہوئے) ''اچھا آپ کی یہ رائے ہے؟ آپ جو چھ آدمی چاہیں تجویز کرلیں، یہ انہیں ابھی قیمہ بنا کر رکھ دے گی''

فیلقوس یہ سنتے ہی ایک چشم اینٹی گونس 39 کی طرح متوجہ ہو، اور بولا: اس منجنیق کو دوبارہ نصب کراؤ اور کریٹ کے پانچ تیر انداز بلوا بھیجو۔ ساتھ ہی بیچ میں سے میدان خالی کرا دو۔ میں اس احمق صناع پر ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ غلطی پر ہے اس سے پوچھ لو کہ موت کے بعد وہ اپنے کفن دفن کے لئے کون سا طریقہ پسند کرتا ہے؟

دیاوس نے فوراً اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ منجنیق کو تیر پھینکنے کے لئے تیار کر دو۔ اینٹی گونس نے بھانپ لیا کہ فیلقوس کا دل متذبذب ہے۔ اس لئے کہ وہ مہندسوں کو بڑے بڑے جرنیلوں پر بھی ترجیح دیتا تھا لیکن اتفاقیہ دیاوس کی مشین کے بارے میں جھگڑے کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اینٹی گونس نے سوچا کہ فیلقوس نے مشین میں جو خرابیاں ظاہر کی ہیں ان کا مدعا یہ تھا کہ دیاوس زیادہ عمدہ مشین تیار کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ فیلقوس کا عام طریقہ یہی تھا اور بعض اوقات وہ خود اینٹی گونس کو بھی زیادہ سرگرم کار بنانے کے لئے اعتراض کر دیا کرتا تھا بہر حال فیلقوس کے من میں خواہ کچھ ہو لیکن اینٹی گونس کو یقین تھا کہ تیر انداز اس کھلے میدان میں دیاوس اس کے کارکنوں اور منجنیق کو ختم کر دیں گے لہٰذا اس نے کہا: یہ منجنیق تو استحکامات میں معاون بن سکتی ہیں اگر آپ واقعی اس کا تجربہ کرنا

چاہتے ہیں تو دیاوس کو اجازت دیجئے کہ کسی مکان پر چڑھ جائے، وہاں منجنیق لگا لے پھر اپنے تیراندازوں کو کہئے کہ مکان پر حملہ کریں۔

فیلقوس کے غصے کی آگ فرو ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھی، اور وہ بولا: ''کانے میں کتنی مرتبہ نہایت صاف اور سادہ مقدونوی زبان میں تم لوگوں سے کہا کہ میں محاصری کے لئے مشینوں کے متعلق کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔ پھر ایک مرتبہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں بھیڑ کی طرح دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا اور نہ دیواروں کی پناہ میں مستحکم مقامات کے اندر بیٹھے ہوئے آدمیوں پر حملہ کرنا چاہتا ہوں اہل سپارٹا جیسے احمق عورتوں نے اب تک نہیں جنے۔ لیکن انہوں نے بھی دیواروں دور کھلے میدانوں میں رہنا سیکھ لیا ہے۔''

اینٹی گونس: ''اچھا، اگر آپ ایسی مشین چاہتے ہیں جو فوج کے ساتھ چلے تو اسے ایک گھوڑے کے پیچھے باندھ دیجئے ایک گھوڑا اسے بہ آسانی کھینچ سکتا ہے۔''

فیلقوس: بے شک، بے شرطیکہ منجنیق کو پہیے لگا دیئے جائیں ہم پہلے بھی ایسا کر چکے ہیں یہ مشین تو پہاڑوں میں کام دے سکتی ہے لیکن فرض کرو، اسے ایک گھوڑا کھینچ لے گا تو کیا گھوڑے کو چلانے کے لئے آدمی درکار نہ ہوگا؟ کیا یہ میدان جنگ میں ایک سوار کا کام دے سکی گی؟

عام لوگ فیلقوس کے ہر لحظہ بجلی کی تیزی سے بدلنے والے خیالات کی پیروی کے لئے تیار رہتے تھے مگر اینٹی گونس نے ہمت سے کام لے کر کہا ''یقیناً کوئی سوار اس منجنیق کے پھینکے ہوئے تیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا''

دیاوس پریشان تھا اب بولا: ''آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اسے پہیے لگا دیئے جائیں؟ اس صورت میں ایسا بندوبست کیا جا سکتا ہے کہ اس میں سے چھ تیر بہ یک قت نکلیں''

فیلقوس: چھ تیر بیک وقت؟

دیاوس: ہاں جناب، میں اس میں ایک پٹی یا سینچہ لگا دوں گا جس سے تیر نکلیں گے،

البتہ اس کی زدا تنی نہ ہو گی نیز ایسی ذوفنون مشین کے لئے تیر بہت درکار ہوں گے اور آپ کو ان کے لئے ایک گھوڑے اور گاڑی کا انتظام کرنا پڑے گا۔

فیلقوس نے اپنی اندھی آنکھ پونچھی ۔تھوڑی دیر سوچتا رہا چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوتے پھر دیاوس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے بولا اگر یہ ایک تیر والی منجنیق اچھی نہیں تو پروانہ کرو۔لیکن دیاوس، علم کے دھنی دیاوس، اس مشین کو مکمل کرنے پر توجہ کرو جو چھ تیر ایک دم پھینکے گی جس چیز کی ضرورت ہو لے لو میں اس کے وزن کے برابر تمہیں سونے چاندی میں تلاؤں گا۔ بہ شرطیکہ مشین امتحان میں پوری اترے۔

دیاوس نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنا سر فخر سے اونچا کرتے ہوئے بولا میں ہر سخت سے سخت امتحان کے لئے تیار ہوں لیکن اپنے دیاوس کو یہ بتا دیجئے کہ آپ کس قسم کا امتحان لینا چاہتے ہیں؟

ساتھ ہی اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ مشین اٹھا کر لے جاؤ۔

فیلقوس نے اینٹی گونس کے کان میں کہا اور اس کا سر اکڑی ہوئی گردن پر اثباتی اشارے کر رہا تھا دیاوس کو ذرا غصہ دلا دیا جائے تو وہ واقعی مفید کار آمد چیز ایجاد کرنے میں لگ جاتا ہے بھلا غور تو کرو چھ تیر ایک دم چھوٹیں گے۔ایک سو ایسی منجنیقیں چھ سو تیر ایک دم برسائیں گی اور دشمن سے قریب پہنچ کر انہیں کام میں لایا جائے گا۔۔۔پھر وہ زیر لب بولا" لیکن مجھے اندیشہ ہے تو یہ کہ دیاوس اپنی ایجاد کو مکمل کر چکے گا تو یہ اتنی بھاری اور بوجھل ہو گی جسے کھینچنے کے لئے گھوڑوں کی ایک جوڑی کے بغیر کام نہ چل سکے گا۔اور اس جوڑی کے لئے چارہ بھی ہمراہ لے لینا ضرور ہو گا اس غرض سے مزید دو گھوڑے درکار ہوں گے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم از کم تین آدمی چاہئیں۔۔۔۔"

اس اثناء میں اس کی صحیح و سالم آنکھ ادھر ادھر گھومتی ہوئی سکندر پر جا کر ٹھہری گئی جو کوئی دس قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا پھر بولا: "بس موجدوں اور ہنرمندوں کی یہ بیماری لاعلاج ہے وہ ہمیشہ بڑی بڑی اور بھاری بھاری مشینیں ایجاد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور یہ

نہیں سوچتے کہ ان مشینوں کے حمل و نقل میں کیا کیا مشقتیں اٹھانی پڑیں گی اگر دیاوس کو مرضی کے مطابق کارفرمائی کا موقع دے دیا جائے تو نتیجہ کیا نکلے گا یہ کہ ہمارے لئے متحرک برجوں، ارضی پلوں، آتش بار مشینوں اور بڑی بڑی سرنگوں کو کھینچ کھینچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے سوا کوئی مشغلہ نہ رہے گا اور ہمارا رسالہ اپنی حقیقی حیثیت کھو بیٹھے گا گھوڑے بارکشی میں لگ جائیں گے اور سوار جوڑیاں ہانکیں گے۔''

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اس کی نگاہیں سکندر پر جمی ہوئی تھیں اور وہ بھانپ رہا تھا کہ اس کا بیٹا الفاظ پر متوجہ ہے یا نہیں۔ سکندر کی توجہ گھڑ دوڑ کے میدان کی طرف تھی اور ان گھوڑوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جو تھسلی سے آئے تھے اور فیلقوس کے چابک سوار انہیں قدم بہ قدم چلا کر دیکھ رہے تھے تاکہ بہترین گھوڑا چن سکیں ان میں سے ایک گھوڑا اس طرح اچھل کود رہا تھا گویا وہ باگیں چھڑا کر بھاگ جانے کے لئے بے تاب تھا صبح کے سورج کی روشنی میں اس کا سیاہ رنگ چمک رہا تھا وہ اپنا سر بار بار اوپر اٹھا رہا تھا کہ تسمہ ٹوٹ جائے اس کے ماتھے پر سفید رنگ کی ایک روشن لکیر تھی اس کا باڑ چوڑا چکلا اور سر بھاری تھا سکندر اسے بار بار دیکھ رہا تھا پھر وہ اٹھا اور چابک سواروں کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچ گیا۔

چابک سواروں نے گھوڑے کی چال دیکھنی چاہی تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹا اور آدمیوں کے درمیان چکر لگا کر دولتیاں اچھالنے لگا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا وہ صبر و ضبط کھو بیٹھے اور اس کے سر پر کپڑا ڈالنے کی انہوں نے کوشش کی پھر جب ایک آدمی اچک کر اس پر سوار ہوا تو گھوڑا تیغ پا ہو گیا اور سوار دھم سے زمین پر آ رہا۔ سکندر کا احساس یہ تھا کہ گھوڑے کی گھبراہٹ اور پریشانی بالکل طبعی ہے اس لئے کہ گرد و پیش لوگوں کا ہجوم تھا او رناہوں نے ہاؤ ہو مچا رکھی تھی ایک چابک سوار بولا کہ گھوڑے کی کوئی نہ کوئی کل بگڑی ہوئی ہے ورنہ وہ اتنا بدکتا کیوں؟ سکندر کا دل اس سرکش گھوڑے نے موہ لیا اس کا اندازہ تھا کہ یہ سب سے بہتر و فائق ہے۔

چنانچہ جب اسے معلوم ہوا کہ چابک سواروں نے اس گٹو سرے۔۔۔ بیوسی فالس 40۔۔کومسترد کردیا ہے تو وہ دوڑا دوڑا ان افسروں کے پاس پہنچا جو فیلقوس کے ارد گرد جمع تھے اینٹی گونس کے پاس سے ہوکر آگے بڑھا اور بولا'' ایسے گھوڑے کو کھو دینا باعث شرم ہے'' جب اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کی بات پر متوجہ نہیں تو تذبذب کے باعث اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے پھر بولا: '' دیکھو، تمہیں نہیں چاہئے۔۔۔کہ اس گھوڑے،کوواپس لئے جارہے تھے اینٹی گونس نے صرف ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور کچھ نہ بولا سکندر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے پکار کر کہا'' ٹھہرو۔۔۔ورنہ پچھتاؤ گے۔

اس آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ سب چپ ہو گئے فیلقوس حیرت زدہ اپنے بیٹے کو دیکھ رہا تھا یک چشم اینٹی گونس نے پورا معاملہ فیلقوس کی خدمت میں پیش کیا چابک سوار نے کہا اول گھوڑا سرکش ہے، دوسرے مالک نے اس کی قیمت تیرہ ٹیلنٹ لگائی ہے۔یہ سنتے ہی سکندر کو اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کی خلش محسوس ہوئی اور شدت غیظ سے اس کا گلا گھٹنے لگا۔فیلقوس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور حمل ونقل کے ذرائع کی بات شروع کردی۔

سکندر نے پھر کہا: '' یہ بہترین گھوڑا ہے لیکن افسوس کہ ان لوگوں کو اس سے کام لینے کا شعور نہیں۔''

اب فیلقوس اس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: '' کیا تم مجھے قائل کرنا چاہتے ہو کہ میرے چابک سوار گھوڑے کو قابو میں لانے کے اہل نہیں؟''

سکندر کو یہ احساس تو ہو گیا کہ باپ کی بات کاٹنا مناسب نہیں لیکن وہ آپے سے باہر تھا اور بولا: '' میں اس گھوڑے کو قابو میں لاسکتا ہوں میں اسے ٹھیک کرسکتا ہوں''

فیلقوس متانت وسنجیدگی کا پیکر بنا ہوا تھا۔اس نے پوچھا: '' کیا تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ اس پر سوار ہوکر میدان کا چکر لگالو گے اور اسے قابو میں کرلو گے''

سکندر نے اثبات میں جواب دیا تو انٹی گونس بولا: ''اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی حماقت کا جرمانہ کیا دو گے؟''

سکندر نے بلا تامل کہا کہ تیرہ ٹیلنٹ اور یہی بیوسی فالس کی قیمت ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔ صرف فیلقوس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نمودار نہ ہوئی اور اس نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس تیرہ ٹیلنٹ موجود ہیں؟ سکندر نے جواب دیا کہ موجودہ تو نہیں لیکن میں روپیہ حاصل کر سکتا ہوں فیلقوس نے کہا: ''اچھا، تم نے بازی بدلی ہے تو اب اسے پورا کرو۔ اگر تم نے بیوسی فالس کو رام کر لیا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

سکندر یہ سنتے ہی گھوڑے کی طرف دوڑ پڑا۔ ایک لمحے کے لئے اسے سکتہ پیدا کرنے والی وہی خنکی محسوس ہوئی جو بطلیموس کے ساتھ شمشیر زنی کا مقابلہ کرتے وقت محسوس ہوا کرتی تھی۔ پھر اسے یہ بات یاد آ گئی کہ گھوڑا سر پر کپڑا ڈالنے کی وجہ سے بدک اٹھا تھا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کے پاس پہنچتے ہی کپڑا اس کے سر سے اتار ڈالا۔ باگ اپنے ہاتھ میں لے لی لوگوں سے کہہ دیا کہ پیچھے ہٹ جائیں ساتھ ہی خنکی کا احساس کافور ہو گیا۔ اس نے بیوسی فالس کو تھپکانا شروع کیا۔ گھوڑے کے پٹھے بدن میں تڑپتے ہوئے نظر آ رہے تھے اس کی کنوتیاں بار بار اوپر اٹھ رہی تھیں۔ سکندر نے آہستہ آہستہ اس کا منہ سورج کی طرف پھیر دیا اور وہ بدستور گھوڑے کو تھپکاتا رہا۔

پھر جب گھوڑے نے اپنی تھوتھنی نیچے کر کے گھاس کھانی شروع کر دی تو سکندر اس پر سوار ہو گیا لیکن باگیں ڈھیلی چھوڑی رکھیں بیوسی فالس کا جسم یکا یک تن گیا اس نے آگے کی طرف ایک چھلانگ لگائی۔ سکندر ذرا آگے جھک گیا لیکن ایک طرف باگ کھینچ کر گھوڑے کا منہ سورج کی جانب موڑے رکھا۔ اس نے نہ چابک استعمال کیا نہ ایڑ لگائی۔ جب وہ دوڑتا ہوا میدان میں پہنچا تو سکندر نے باگ کھینچ کر اسے دوڑ کے مقام پر پہنچا دیا۔ ایک لمحے کے لئے گھوڑا تنا رہا۔ پھر وہ باگ کے اشارے پر چلنے لگا دوڑ کا چکر پورا کیا

جب سکندر نے باگیں کھینچیں تو وہ قدم بہ قدم چلنے لگا اس وقت سکندر کو بالکل خبر نہ ہوئی کہ باپ اور اس کے تمام افسروں کی نگاہیں خود اس پر جمی ہوئی ہیں اینٹی گونس اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے پکار کر کہا ''شاباش'' خوب سواری کی ''فیلقوس نے فوراً حکم دے دیا کہ بیوسی فالس کی قیمت بادشاہ کے ذاتی روپے میں سے ادا کر دی جائے اور سکندر کو ساتھ لے کر لنگڑاتا ہوا ایک خالی نشست گاہ پر جا بیٹھا۔''

جب کوء پاس نہ رہا تو فیلقوس بولا ''بہت خوب، بہت خوب، لیکن یہ سب کچھ کیونکر کیا؟ کیا تم نے سائیسوں کو رشوت دے دی تھی۔ کہ گھوڑے کو بھڑکاتے رہیں؟'' سکندر کو اس پر رنج تو ہوا لیکن بولا: ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟'' پھر اس نے بتایا کہ میں توجہ سے ایک ایک بات کو دیکھ رہا تھا صبح کا وقت تھا گھوڑے کو اپنا سایہ نظر آتا تھا تو بے چین ہو جاتا تھا اور لوگ اندھا دھند اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ان سب باتوں نے مل کر اسے پریشان کر دیا ہے؟ میں نے اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا تھا نرمی و ملامت کے برتاؤ سے وہ رام ہو گیا اس شاندار گھوڑے میں کوئی خرابی نہ تھی فیلقوس یہ ساری تفصیل سن کر بولا: ''ہوں''

پھر اس نے پوچھا کل کیا پڑھ رہے ہو؟ فیلقوس بول چال میں صرف مقدونوی بولی استعمال کرتا تھا لیکن سکندر کو علم تھا کہ وہ فصیح اور منجھی ہوئی یونانی زبان بھی بخوبی سمجھتا ہے۔

بیوسی فالس انعام میں پا کر سکندر کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اس نے باپ کا شکریہ ادا کیا پھر انتہائی خوشنما الفاظ میں اپنے مطالعے کی کیفیت بیان کرنے لگا اور بولا: ''میں نے ہرقل ابن ذی اوس 41 کے متعلق تمام افسانے دیکھ ڈالے ہیں وہ بہت بڑا تیر انداز تھا۔ اس نے وحشیوں کو قتل کیا وہ شیر کی کھال کا نقاب پہنتا تھا۔ اس نے بے خوف اور نڈر ہو کر تاریکی کے خطوں میں سفر کیے، ساحرہ ہپولائٹ کو مارا، اس کا کمر بند چھینا اور سمندروں تک کو عبور کر گیا۔''

غرض سکندر نے ہرقل کے بارے میں تمام افسانے ایک ایک کر کے پڑھ لئے تھے اور

وہ اپنے دل پسند ہیرو کے متعلق باپ کو سب کچھ بتا دینے کا خواہاں تھا فیلقوس تھوڑی دیر سنتا رہا اس اثناء میں بھی بے چینی اس پر طاری تھی پھر ایکا یک بولا ''اوہ تم مشاہیر کے افسانوں میں وقت ضائع کرتے رہے پہلے تم ایکی لیز اور اس کے سفید زرہ بکتر پر مفتون تھے اب شیر کی کھال والا ہرقل پسند آ گیا'' پھر وہ کھانسا اور غصے میں تھوکا اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اپنی دلی کیفیت کے اظہار کے لئے صحیح الفاظ نہیں مل رہے بالآخر کہا ''بطلیموس کو سیاسیات کا ذوق ہے تمہارا عزیز ایمن ٹاس ریاضی بہتر جانتا ہے ہاں اری ڈائیس کو بھی اتنی عقل ہے کہ وہ ہرقل کے گیت نہ گائے گا اچھا اب تم کچھ پڑھ کر سناؤ''

فیلقوس کو جب کوئی بات پریشان کرتی تھی تو اس پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جو چیتے پر شکار کی ہڈیوں سے مغز نکالنے میں طاری ہوتی ہے وہ سکندر کو اس کی مطالعہ گاہ میں لے گیا جہاں تمام چیزیں غیر مرتب و منتشر تھیں پھر مشہور خطیب ڈیما ستھینز 42 کا ایک خطبہ دے کر کہا کہ ذرا اسے سنا دو۔ سکندر کو خطیب کے پر شکوہ اور ولولہ انگیز فقروں نے گرما دیا۔ جن سے سرود خزانوں کی سی موسیقی ٹپکی پڑتی تھی خطبے میں ایتھنز کے شہریوں کو اکسایا گیا تھا۔ وہ ہتھیار سنبھال لیں اور جابر و مستبد کے روبرو سر جھکا دینے کے بجائے اپنے حقوق کے لئے لڑتے ہوئے جانیں دے دیں۔

میں اسے اپنے وطن کا دشمن سمجھتا ہوں اب تک اس نے جو کچھ کیا ہے اپنے فائدے کے لئے کیا ہے اور ہمیں اس سے نقصان پہنچتا رہا ہے

سکندر اس بات پر بڑا پریشان تھا کہ خطبہ فیلقوس کے خلاف ہے اس لئے کہ جانتا تھا، جابر و مستبد سے ڈیما ستھینز کا اشارہ فیلقوس ہی کی طرف ہے لیکن خود فیلقوس پر اس مخالفت کا قطعاً اثر نہ ہوا۔

جب سکندر جوش و خروش سے خطبہ سنا رہا تھا تو فیلقوس ایک بنچ پر پاؤں پسارے لیٹا ہوا انگور کھا رہا تھا۔ تاہم اس کے کان برابر خطبے پر لگے ہوتے تھے خطبہ ختم ہو گیا سکندر نے کاغذ ایک طرف رکھ دیا وہ بہ ظاہر خاتمے کے الفاظ سے بدرجہ غایت متاثر تھا اس اثنا میں

فیلقوس بولا: ''واہ! تم پڑھتے خوب ہو، کیا خطبہ تمہیں پسند آیا؟''

سکندر: ابا جان! خطبہ تو بڑا اچھا ہے، لیکن اس بات پر رنج ہوا کہ یہ سب زہر آپ کے خلاف اگلا گیا ہے۔

فیلقوس: بے شک میرے خلاف زہر اگلا گیا ہے یہ ڈیماستھینز کے فیلقوسی خطبوں میں سے ایک خطبہ ہے وہ ہمارے زمانے کا ہرقل ہے خیر مطاقہ کے لئے جان لڑا رہا ہے چاہتا ہے کہ شہری ریاست کی خرابیوں کا علاج ایک اعلیٰ نصب العین کے ذریعے سے کر دے۔

پھر وہ یکا یک چپ ہو گیا اس اثناء میں اپنے شکستہ بازو پر ہاتھ پھیرتا رہا اور اس کے افکار و خیالات کسی اور ہی دنیا میں پہنچے ہوئے تھے فیلقوس پر اکثر ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی تھوڑی دیر بعد بولا:

''تم اس نصب العین کو حکومت عوام کا نام دے سکتے ہو۔ یہ ڈیماستھینز کی جمہوریت ہے۔ وہ بولتا خوب ہے۔ ایسے خطیب کو یونانیوں کی زبان میں زعیم کہتے ہیں۔۔۔ میرے نزدیک یہ خطبہ اتنا ہی موثر ہے جتنا کہ فوج کا ایک جیش موثر ہو سکتا ہے۔ اچھا اب اسے الگ کرا اور یہ میری تحریر پڑھو۔''

یہ کہتے فیلقوس نے خطوط کے ایک پلندے کو الٹ پلٹ کیا۔ پھر کاغذ کا ایک ورق سکندر کی طرف پھینکا اور بولا ''یہ اس تحریر کی نقل ہے''

سکندر نے پڑھا تو مضمون یہ تھا:

فیلقوس کی جانب سے ڈیماستھنیز کے نام

''تسلیمات! جب دل چاہے پیلا آؤ اور میرے ساتھ باتیں کرو میں خوش آمدید کہوں گا اور اس بات کا ذمہ اٹھاتا ہوں کہ تمہیں بہ حفاظت واپس بھجوا دوں گا۔''

یہ تحریر اگرچہ ایک محرر کی تھی لیکن سکندر اسے پڑھ کر بے حد خوش ہوا، اس لئے کہ دشمن کو انتہائی فراخ حوصلگی سے دعوت تشریف آوری دی گئی تھی اس سے واضح ہو گیا کہ فیلقوس اگرچہ عیار و حریص تھا اس میں کشادہ دلی اور وسعت قلب کے جوہر بھی موجود تھے۔

فیلقوس پھر خاموش ہوگیا بہ ظاہر سکندر کے اظہار خوشنودی کو اس نے پسند نہ کیا کئی سال بعد سکندر کو معلوم ہوا کہ ڈیماستھنیز پیلا آیا تھا فیلقوس نے اس شان وشکوہ سے اس کا استقبال کیا کہ اس پر اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی تقریر کا وقت آیا تو ڈیماستھنیز کوشش کے باوجود کوئی جمتی ہوئی بات نہ کہہ سکا اور بار بار ہکلاتا رہا اس سے لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ فیلقوس کے سامنے کچھ کھل کر کہنے کا حوصلہ اسے نہ ہوا۔

فیلقوس: ہاں بھئی ایتھنز کا یہ خطیب کہتا ہے کہ تم رات دن کتابوں میں ڈوبے رہتے ہو اور مقدس نوشتوں کے کیڑے بن گئے ہو اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سکندر: وہ شاید سچ ہی کہتا ہے

فیلقوس: (آہستہ سے ایک قسم کھا کر) تمہارے اتالیق متفق الرائے ہیں کہ مطالعے میں جس بات پر تمہارا دل جم جائے اسے پورا کئے بغیر نہیں رہتے۔ عود ولوبان کے تعفن کا پیکر سنہری بال، لڑکیوں جیسی آنکھیں اور خدا جانے کیا کچھ۔ عالم خیال میں کوہ پرناسس پر چڑھ جانے کے لئے سیڑھیاں بناتے رہتے ہو چھی چھی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارے دودھ کے پلے ہوئے گوشت میں لوہا بھر دوں یہ نہ ہوا تو تم خطرے کا مقابلہ کیونکر کرسکو گے؟ ایں؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ریوڑ جاگنے لگے تو دودھ پینے والے بچھڑے زندہ رہ سکیں گے؟

پھر اس نے بے بسی کے انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ گویا وہ خود اپنے اوپر خفا تھا اور بولا ”خیر اس بات کو جانے دو، نومولود بچھڑے کی مانند میری طرف نہ دیکھو۔ ہم لوگ سپاہی ہیں الفاظ کو ہتھیاروں کی طرح استعمال کرتے ہیں تا کہ ان سے عمل کے سانچے تیار ہوں۔۔۔ میں ڈرتا ہوں، مجھے سخت رنج ہے کہ تم کتابوں میں زندہ دفن رہتے ہوئے مندروں کے آگے جھکتے ہو ڈیماستھنیز بھی تمہارا مذاق اڑاتا ہے۔“

اب مقدونوی زبان چھوڑ کر اس نے یونانی میں کہا:

”ایک غریب بچہ پیارا بچہ، جس کے سر پر ابھی تک بلوغ یا شادی کا تاج نہیں رکھا

گیا۔ شاہی تاج سے بھی اس کی پیشانی نے زینت نہیں پائی جس کی وجہ سے انسان دیوتا بن جاتے ہیں اپنے ملک کی خدمت میں 43''

''بھئی تم یوری پائیڈیز 44 کیوں نہیں پڑھتے اور ہومری افسانوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اگر تمہیں بیمار روحوں ہی سے پیار ہے تو طبیب بن جاؤ'' یکا یک وہ چپ ہو گیا پھر بولا

''ہاں ایک طبیب آج تک کوئی طبیب اور کوئی لوہار قتل نہیں ہوا''

اس سلسلہ خیال میں سے کسی شے نے فیلقوس کو اتنا خوش کر دیا کہ کہنے لگا: ''جا جا بیٹا اپنے تمام اتالیقوں، استادوں وغیرہ کو بلا لا اور کہنا کہ فیلقوس تم لوگوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہے اور دیکھو'' گاوسرے'' (گھوڑا) کو اصطبل میں بندھوا دینا، بھول نہ جانا۔ وہ بڑا اچھا جانور ہے میں چاہتا تھا کہ اسے دو ہزار گز کی دوڑ میں دوڑاؤں، لیکن اب وہ تمہارا ہے''

یہ کہتے وقت فیلقوس نے بیٹے کے کان پر بوسہ دیا اور اسے سینے سے لگا لیا پھر کہا ایسنیا نیکس 45 کا کون سا قول مشہور ہے؟ دیکھو میں بھول گیا ہاں، یاد آیا، اگر تمہیں باپ کی اور کوئی خصلت نہ ملے تو کم سے کم اس کی ڈھال ضرور پاس رہنی چاہئے آج کا دن بڑا مبارک ہے بیوسی فالس کا دن، دروازے پر جو پہریدار کھڑا ہے اس سے کہو کہ میرے لئے تھسلی کی اعلیٰ گلگوں شراب لائے۔ یہ چیوس 46 کا رقیق شربت مجھے نہیں چاہئے، اچھا خوش رہو۔

سکندر باہر نکلا تو اس نے پہریدار کو والد کا حکم پہنچایا پھر گھوڑے کی دیکھ بھال پر متوجہ ہو گیا رات کے وقت وہ اپنے گدے پر لیٹا اور چراغ کی جھلملاتی روشنی میں ہومر کا مسودہ کھول کر پڑھنے لگا تو باپ کے شکایت آمیز الفاظ بدستور اس کے کانوں میں گونج رہے تھے یہ گونج اس وقت بھی جاری رہی۔ جب عالم خیال میں وہ لمبے جہاز پر بیٹھ گیا۔ بادبان کھول دیئے گئے اور محبوب ٹرائے کی طرف اس کا سفر شروع ہو گیا۔

پھر اس کی ماں آ گئی تا کہ سونے سے پہلے بچے کو بوسہ دے آئے خوشبو کی لہریں اس کے بدن سے پے در پے نکل رہی تھیں اس نے نہایت سریلی آواز میں کہا ''بیٹا آج پھر فیلقوس شراب میں بدمست تھا اس نے تمہارے استادوں اور اتالیقوں کو پیلا سے باہر بھیج دیا ہے۔لیونی دس کو بھی نہیں چھوڑا اس نے قسم کھالی ہے کہ تمہیں سیاہ گھوڑے پر سوار کرا کے اس درسگاہ میں بھیج دے گا جو پیلا سے دور ایک اجڑے مندر میں قائم ہے وہی مندر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پریوں کے نزدیک وہ مقدس ہے ساتھ ہی اس کا فیصلہ یہ ہے کہ تمہاری تعلیم اس شخص کے سپرد کر دے جو سٹےجیرا 47 کا باشندہ ہے۔ایک طبیب جس کا نام ارسطو ہے کاش تم اس حکم کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کر سکو میں سنتی ہوں کہ ارسطو کا باپ تمہارے دادا کا طبیب خاص تھا۔تمہیں جلاوطنی اس لئے مل رہی ہے کہ طب پڑھ لو۔''

بہر حال سٹےجیرا کا ارسطو آیا اجڑے ہوئے مندر کو اس کی درسگاہ خاص بنا دیا گیا۔یہ مقام پیلا سے زیادہ دور نہ تھا۔فیلقوس نے دوسرے لڑکوں۔۔۔۔بطلیموس، نیارکس وغیرہ۔۔۔کو بھی سکندر کے ساتھ اس درسگاہ میں جانے کی اجازت دے دی۔

سکندر بیوسی فالس پر سوار چند گھنٹے میں درسگاہ سے پیلا آ سکتا تھا اور اولمپیاس کو بظاہر اس انتظار پر مطمئن ہونا پڑا اس لئے کہ جب فیلقوس کے ہوش و حواس بجا ہوتے اور وہ شراب کے نشے میں مست نہ ہوتا تو سکندر کی تعلیم کے متعلق اپنا ارادہ ہرگز نہ بدلتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا باب :: ہیئت زمین کا معما

اولمپیاس اپنے خیالات اسی تیزی سے تبدیل کر لیتی تھی، جس تیزی سے اس کی نگاہیں ادھر ادھر گھومتی رہتی تھیں چونکہ اس پر آشکار ہو چکا تھا کہ سٹے جیرا کے فلسفی اور اس کی دانش گاہ سے لڑکوں کو نجات دلانے کی بہ ظاہر کوئی شکل نہیں لہٰذا فیصلہ کر لیا کہ اس سے جس حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اٹھایا جائے۔ اس نے برابر اپنے جاسوس لگا رکھے تھے جنہوں نے اطلاع دی کہ ارسطو صرف طب نہیں پڑھاتا۔ قدرت نے اس کی فطرت میں سیاسیات کی صلاحیت بھی ودیعت کی ہے۔۔۔ نیز سب سے بڑھ کر قابل اعتماد جرنیل اینٹی پیٹر اس کا جگری دوست تھا سب سے آخر میں یہ کہ خود فیلقوس بھی مشوروں کے لئے اس عجیب المزاج فلسفی کے پاس جاتا رہتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کو پیلا سے قریب رکھنے کے لئے فیلقوس بڑی بھاری قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا فلسفی کے وطن مالوف سے جیرا کے تمام مکانات جنگ میں تباہ ہو چکے تھے فیلقوس نے یہ سب ازسر نو تعمیر کرا دیئے۔ ان واقعات سے اولمپیاس کو ارسطو کے اثر و رسوخ کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔

اس نے ایک روز سکندر سے کہا ''اب تم اتنی عمر کو پہنچ چکے ہو جس میں انسان کے اندر نیک و بد کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے دیکھو طب کی تعلیم میں وقت ضائع نہ کرنا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ سٹے جیرا کا یہ فلسفی سیاسیات کے راز تم پر آشکار کر سکتا ہے، حکمرانی کے گر سکھا سکتا ہے چاہئے کہ تم کسی نہ کسی دائرے میں اختیار و اقتدار حاصل کرو۔۔۔ خصوصاً ایسے اوقات میں جب فیلقوس شکار کے لئے چلا جاتا ہے یا فوجوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں پھرتا رہتا ہے کیا یہ ضروری نہیں کہ جب وہ دارالحکومت سے باہر ہو تو تم اس کی نیابت کرو۔''

ملکہ جانتی تھی کہ سکندر کو اختیارات ملیں گے تو عملاً ان کا مطلب یہ ہو گا کہ خود ملکہ کے اقتدار میں اضافہ ہو جائے پھر اس نے خود میزا جانے کا فیصلہ کر لیا تا کہ اپنی آنکھوں سے

تعلیمی انتظامات کا نقشہ دیکھ کر اطمینان کر لے۔

اگرچہ اولمپیاس کو مطالعہ کتب سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر میزا جانے سے پیشتر اس نے یوری پائیڈیز کے المیہ ڈراموں خصوصاً میڈیا 3 کو بڑے غور و توجہ سے پڑھ لیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میڈیا بھی خود اس کی طرح تنہا مردوں کی قوت کا مقابلہ کرتی رہی اور اس کے پاس جادو کے سوا مدد کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ وہ میزا پہنچی تو دیکھنے والوں کا احساس یہ تھا کہ ایک زندہ دیوی پریوں کے مندر میں اتر آئی ہے۔ وہ گاڑی سے اتری۔ اس کا لچکیلا جسم خالص ریشم میں ملبوس تھا ہوا کے تیز جھونکے ریشمی لباس میں لہریں پیدا کر رہے تھے لڑکوں نے یہ منظر دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اس زمانے میں شادی شدہ عورتیں اپنے چہرے اور جسم کو یوں منظر عام پر نمایاں کرنے کی جرات بہت کم کیا کرتی تھیں سکندر اپنے خیالات میں مگن رہا لیکن بطلیموس نے دیکھ لیا کہ ملکہ کے ساتھ دو نہایت خوبصورت کنیزیں ہیں جس دروزے سے مندر میں داخل ہوتے تھے اس کے اوپر پریوں کے مجسموں کی ایک قطار کھڑی تھی جو نیلگوں پتھر تراش کر بنائے گئے تھے کنیزیں ان مجسموں کو دیکھ کر بے اختیار کھلکھلا اٹھیں ارسطو کو ملکہ کے اعزاز کی خاطر مجبوراً استقبال کے لئے باہر آنا پڑا ملکہ نے نہایت خوشنما انداز میں معذرت کرتے ہوئے کہا میں تو اس ویران مندر کی طرح قدیم وضع کی پابند ہوں میری تربیت مذہبی رسوم کی آغوش میں ہوئی اور سائنس سے بالکل بے خبر رہی۔ ساتھ ہی ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا عورت کے دل کی خوشی صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ رنج و غم کا شکوہ اس کی زبان پر جاری ہو۔

اولمپیاس میزا سے لوٹی تو وہاں ہر شخص کے دل پر یہ اثر چھوڑ آئی کہ وہ اپنے اکلوتے فرزند کے مستقبل کو ارسطو کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ سمجھتی ہے ایر سٹانڈ 4 کاہن کو اس نے بتایا کہ یہ نیا فلسفی جس کا نام ارسطو ہے تتلاتا ہے اور اس سے تخلیقی افکار کی چنداں امید نہ رکھنی چاہئے وہ غالباً اس وجہ سے عام شہرت پا گیا کہ افلاطون کا چہیتا شاگرد تھا نیز وہ دیوتاؤں

کے اختیار و اقتدار کا منکر ہے۔

میزا کے مندر اور متعلقہ باغ میں عجیب و غریب سر و سامان جمع تھا کہیں رنگا رنگ پتھروں کے انبار تھے کہیں سیپیوں کے صندوق بھرے ہوئے رکھے تھے تمام کونوں میں پرندے اور حشرات الارض موجود تھے جن کی کھالوں میں مسالہ بھر رکھا تھا کہیں بھٹیاں بنی ہوئی تھیں جگہ جگہ پانی کی چاپچیاں دھری تھیں جن میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ان کے علاوہ تتلیاں تھیں مختلف درختوں کے پتے تھے گویا تمام حیوانات و نباتات کے نمونے جمع کر رکھے تھے لڑکوں کی طبی تعلیم کا آغاز جانوروں کے بدن میں دوران خون کی کیفیت دکھانے اور ریت پر انسانی اعضا کے نقشے بنانے سے ہوتا۔ خود ارسطو زیادہ باتیں نہ کرتا اس نے بہت سے معاون رکھ چھوڑے تھے وہی تجربات کر کے دکھاتے رہتے۔ سکندر جیسے ہی صبح کے وقت زیوس کی عبادتی قربانی سے فارغ ہو جاتا اور آفتاب کی پہلی کرن نمودار ہوتی لامتناہی تجربوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔

معاون ہی لڑکوں کو بتاتے کہ ارسطو کا طریقہ تعلیم یہی ہے وہ بحث و استدلال میں نہیں پڑتا کم از کم ابتدائی دور میں اس کا قطعاً روادار نہیں ہوتا وہ صرف تجربہ و امتحان کی بنا پر طبعی اسباب معلوم کرنے کے لئے ساعی رہتا ہے یعنی کیوں ہے سے پہلے کیا ہے پر متوجہ ہوتا ہے تاکہ کس لئے ہے پر استعجاب کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ کسی بھی شے کو مسلمہ نہ ماننے کے اس عجیب و غریب طریقے میں ضروری تھا کہ پہلے بیماریوں کے اسباب پر روشنی ڈالی جاتی بعد ازاں علاج سکھائے جاتے جب مقدونوی امراء کے لڑکے طبعی چیزوں کے مطالعے میں خاصے آگے نکل گئے تو انہیں مدرکات و اسرار کا علم ہونے لگا۔ اسرار کے بارے میں جب بات چھیڑی جاتی تو ارسطو یہ کہہ کر اسے ٹال دیتا کہ انسانی قلب کے لئے زندگی خود ایک سر اور ایک راز ہے اور اسی کے بارے میں غور و فکر اس کے لئے کافی ہے بطلیموس کہتا ہے کہ ارسطو خود ایک عجیب و غریب راز ہے وہ تبلیغ نہیں کرتا تعلیم نہیں دیتا یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں اسے بہر حال صحیح سمجھیں۔ کہتا ہے سوال کیا کرو اور

جب سوال کئے جاتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ جواب مجھے معلوم نہیں۔

ارسطو کے معاون بطلیموس کی یہ شکایت سنتے تو کہتے کہ یہ درست نہیں ارسطو کا دماغ ایسے اسرار و معموں سے لبریز ہے جن کے حل میں اس نے دریافت کر لئے ہیں اس کی رائے ہے کہ ہر سوال کا گھڑا گھڑایا جواب سن لینا ہرگز قابل توجہ نہیں اصل غرض یہ ہے کہ انسان خود غور و فکر کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا جواب پر پہنچے اس بات کو سمجھنے کے لئے گارڈیس 5 کی گرہ بہ طور مثال سامنے رکھ لینی چاہئے جو ایشیا کے ایک مندر میں تھی ارسطو کہتا ہے کہ تم اس گرہ کو اس وقت تک نہیں کھول سکتے جب تک یہ معلوم نہ کر لو کہ کیوں کر دی گئی تھی جب گرہ دیئے جانے کی حقیقت معلوم ہو جائے تو چپو چلانے والا غلام 6 بھی اسے بہ آسانی کھول سکتا ہے۔

بطلیموس بولا: ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں بادبانی جہازوں میں چپو چلانے والے غلاموں کی طرح محنت کرنی چاہئے'' بے شک صورت حال یہی تھی ان لڑکوں کو شاہی خاندان سے تعلق تھا لیکن ان کا کام یہ تھا کہ صبح سے شام تک تمام اشیاء کو جنس وار ترتیب دیتے رہیں اور ان میں مونگے سے ستاروں کے جھرمٹ تک ہر شے شامل تھی۔ انہیں بتایا جاتا تھا کہ جب تک وہ صحیح اندازہ کر کے ایک ایک چیز کا تعین نہ کر لیں گے، خیالات و افکار پر توجہ کی صلاحیت ان میں پیدا نہ ہو سکے گی۔

سکندر اس بے پناہ کام میں ایسے انہماک سے ڈوبا گویا وہ اسے پورا نہ کرنا اپنی ہمت و صلاحیت کے لیے باعث عار سمجھتا تھا اس کا تاثر یہ تھا کہ ارسطو کے معاون اسے (سکندر کو) ناکام بنانے پر تلے بیٹھے ہیں اور خود ارسطو بھی اپنے اس شاگرد کی بے سلیقہ کوششوں کا دل میں مذاق اڑاتا تھا سکندر کے لئے یہ بات بہت رنج افزا تھی کہ فلسفی نے لبوں پر مہر سکوت کیوں لگا رکھی ہے اور اس نے جو اسرار معلوم کر لئے ہیں انہیں بتانے اور افشا کرنے سے گریزاں کیوں ہے؟

جب دن ختم ہو جاتا ہے اور غروب کا وقت آ جاتا ہے تو ارسطو اپنی مطالعہ گاہ سے باہر نکلتا

اور شاگردوں کے ساتھ باغ کی روشوں پر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ دن بھر میں وہ جو کام انجام دے چکے تھے اس پر سرسری نظر ڈالتا جاتا۔ اس کی جھریوں سے لبریز پیشانی نمایاں ہوتی اور صاف معلوم ہوتا کہ خیالات کسی اور ابر آلود فضا میں گردش کر رہے ہیں اس کی زبان پر پہلا سوال آتے ہی سکندر کا خون جوش میں آ جاتا مثلاً ایک راز اس نے پوچھا کہ اگر تم کشتی میں سوار ہو کر کنارے سے دور چلے جاؤ اور سمندر میں طوفان آ جائے تو کیا کرو گے؟

کفایت شعار کسان کے بیٹے ہرپالوس نے کہا کہ میں بادبان کے رسوں کو خوب مضبوط گرہیں دے کر اس کا رخ ہوا کی طرف پھیر دوں گا اور خود چپو کو سنبھال لوں گا جس سے کشتی چلتی ہے بطلیموس نے جواب دیا کہ میں ہر قیمتی شے کو سمندر کے مختار دیوتاؤں کی خدمت میں قربانی کے طور پر پیش کر دوں گا تاکہ میری جان محفوظ ہو جائے۔ نیارکس کا جواب یہ تھا کہ میں مستول کو اتار لوں گا بادبانوں کو اس کے گرد لپیٹ دوں گا اس طرح ایک لنگر بنا لوں گا اور جب تک طوفان باقی رہے گا اسی لنگر کے سہارے کشتی کو بچاتا جاؤں گا۔

آخر ارسطو سکندر کی طرف متوجہ ہوا کہ بتاؤ تم کیا کرو گے؟

سکندر: میں کیا بتاؤں جب تک یہ واقعہ پیش نہ آ جائے مجھے معلوم ہی کیونکر ہو سکتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ ارسطو چند لمحوں تک اسے غور سے دیکھتا رہا گویا پہلی مرتبہ اس کے جوہر صلاحیت کا اندازہ کیا پھر بولا: بہت خوب، بہت خوب، اس جواب میں کم از کم سچائی کا جوہر تو موجود ہے پھر وہ آگے بڑھا، گویا اصل معاملے کو ختم کر چکا تھا لیکن سکندر نے قدم بڑھا کر اس کا آگا روک لیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار تھے۔ اس نے پوچھا: اچھا یہ تو بتا دیجئے کہ صحیح جواب کس نے دیا؟ بطلیموس نے یا نیارکس نے؟

ارسطو: ''کس نے؟ مجھے کیا معلوم؟ یہ سب کچھ طوفان کی کیفیت پر موقوف ہے اور جہاز چلانے والا ہی تمہارے سوال کا صحیح جواب دے سکتا ہے'' اس کی نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے حلقے ذرا سمٹ گئے تھے پھر بولا: ''میں تمہیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ

اس ۔۔۔۔اس کریٹی کے لئے دعا بے سود ہوگی اربطلیموس ابن لگوسن بحری لنگر کو قسمت آزمائی کا مرکز بنائے گا تو غلطی کا مرتکب ہوگا۔''

سکندر: دعوے کو بہ منزلہ ثبوت مان لینا تو کچھ نہ ہوا۔ آپ کو تنخواہ اس غرض سے دی جاتی ہے کہ ہمیں سکھائیں پڑھائیں، اس لئے نہیں دی جاتی کہ فقری بازیوں میں وقت گزاریں آپ بتائیں حقیقت کیا ہے؟ آیا سمندر کا دیوتا 7 موجوں میں زور و قوت پیدا کرنے کا مختار ہے یا ہوائیں اپنے آپ چلتی ہیں؟ یا تو پہلی بات حقیقت پر مبنی ہوگی یا دوسری بات آپ اعداد کی طرح حقیقت کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔

یہ الفاظ سن کر ارسطو کی پیشانی پر خفگی کی کوئی لہر نمودار نہ ہوئی اس کی نگاہیں بدستور مقام غروب پر جمی رہیں اور اس نے کہا ''جب تم حقیقت کا ذکر کرتے ہو تو تمہاری مراد ایک خیال اور ایک مفکورے سے ہوتی ہے مفکورے کو البتہ بار بار تقسیم کیا جا سکتا ہے اور باریکی کی اس حد پر پہنچایا جا سکتا ہے کہ اسے مزید تقسیم نہ کیا جا سکے اور وہ جزو لاتجزی رہ جائے۔''

ارسطو کا مقررہ اصول یہ تھا کہ جب تم جزو لاتجزی پر پہنچ جاؤ تو سمجھ لینا چاہئے تم حقیقت سے دوچار ہو گئے اس وقت تک تم کسی امر کے بارے میں منزل یقین پر نہیں پہنچ سکتے۔

سکندر اپنی بات پر جما رہا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ حقیقت چاندی کا درہم نہیں جس کو بھنایا جا سکے۔ ارسطو چلتے چلتے ایک نمونے کے پاس پہنچ گیا اس نے استدلال جاری رکھنے کے بجائے جھٹ ایک سوکھی سی چیز اٹھائی اور پوچھا یہ کیا ہے؟ جواب ملا؟ ایک چھوٹی سی جھینگا مچھلی ہے

ارسطو: ٹھیک ہے لیکن یہ بہت ہی چھوٹی قسم کی مچھلی ہے جو جزائر سائیکلیڈس 8 سے آتی ہے چھوٹی اس لئے ہے کہ اس نے پوری پرورش نہیں پائی یہ بحیرہ یوکیسن 9 جیسے دور افتادہ سمندر میں بھی پائی جاتی ہے یہ خول نما مخلوق ہے اور ان جانداروں کا ابتدائی نمونہ جنہیں گھونگھے کہا جاتا ہے زمین نمودار ہونے سے پیشتر پانی میں جن جانداروں کو زندگی کے ابتدائی نمونے سمجھا جاتا ہے ان کی یہ بچی کھچی نسل چلی جاتی ہے پر دیکھو، جو لوگ

معاشرے سے نکال دیئے جائیں ان کے لئے یہ خوراک کا سامان ہے جو شخص کھانے کا لذت شناس ہو، وہ اسے مطبوخ مچھلی کا ایک نادر کھانا قرار دیتا ہے یہ عام جھینگا مچھلی ہی کی ایک قسم ہے اور سمندری مخلوق کے ان اقسام میں سے بہت ہی چھوٹی قسم ہے جن سے گہرے سمندروں کے دیو پیکروں اور بحری سانپوں کی افسانہ بافیاں شروع ہوئیں بایں ہمہ درست ہے کہ یہ ایک چھوٹی جھینگا مچھلی ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے مچھلی کو رکھ دیا اور شفق کی سرخی مائل روشنی میں ٹہلتا ٹہلتا آگے نکل گیا وہ ذرا دور چلا گیا تو بطلیموس قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا "اس تعلیم کے لئے ہم سے چپو مارنے والے غلاموں کا سا کام لیا جا رہا ہے؟ اچھا لڑکے تم کیا ہو؟ آؤ حقیقت کا تجزیہ کریں کوئی شبہ نہیں کہ تم سکندر ہو اور اب منزل بلوغ پر پہنچ گئے ہو تم اولمپیاس کے اکلوتے فرزند ہو اور فیلقوس کے بیٹوں میں سے تنہا تمہیں جائز اولاد قرار دیا جا سکتا ہے دماغ بھی صرف تمہارا سلامت ہے تمہاری رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے اس کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم انسان ہو دیوتاؤں کی رگوں میں زندگی کی جو لہریں پائی جاتی ہیں ان میں تمہارا حصہ کچھ نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر کوئی آسمانی شرارہ بھی موجود ہے جو تمہیں ہرقل یا اکیلیز سے ملا ہے یا کم از کم تم اپنے ذہن میں یہی سمجھے بیٹھے ہو بتاؤ تم اسی عام ہوا میں سانس لیتے ہو یا آسمانی ایثر میں؟ تم ایک اکھڑ جوان ہو اور چاہتے ہو کہ یونانیوں کی عقل و دانش کا سرمایہ کھول کر پی جاؤ۔۔۔"

جب اس نے دیکھا کہ سکندر چپ چاپ اور تنا کھڑا ہے تو گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ دی یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ سکندر سے شمشیر زنی کرتے ہوئے بطلیموس کی جان پر آ بنی تھی اس روز سے اس پر واضح ہو گیا تھا کہ سکندر ارادے کا بڑا پکا ہے لہٰذا اسے غصہ دلانے کی کوئی بات زبان پر نہ لاتا تھا چنانچہ اس نے گفتگو کا پہلو بدلنے کی غرض سے کہا "اگر تم چاہتے ہو کہ ارسطو کے عقائد کی پوری کیفیت معلوم کر لو تو چاہئے کہ اسے کسی ایک بات پر جمائے رکھو اور ادھر ادھر نہ ہونے دو۔ اس کو تجربے کا تختۂ مشق بناؤ اسے وہ شعر سناؤ جن میں بتایا

گیا ہے کہ میڈیا 10 نے اپنے محبوب حسین کو جادو کے زور سے بچائے رکھا۔‘‘

ایک لمحے کے لئے بطلیموس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اولمپیاس میڈیا کا کردار ادا کر رہی ہے پھر جلدی سے اس نے کہا ’’ہاں بھئی ایک بات تم نے بالکل درست کہی۔۔۔ دیوتا یا تو ہیں یا نہیں‘‘

ایک رات سکندر اٹھا اور تنہا ارسطو کی تجربہ گاہ میں پہنچ گیا جہاں چراغ جل جانے کے بعد کسی طالب علم کو جانے کی اجازت نہ تھی اس نے بغل میں ایک مخطوطہ دبا رکھا تھا جو مدت سے زیر مطالعہ رہنے کے بعد خاصا بوسیدہ ہو چکا تھا اس نے دیکھا کہ ایک بھٹی پر تانبے کا برتن دھرا ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے ارسطو اور اس کے معاون کچھ دیکھنے میں مشغول ہیں برتن کے اوپر جو باریک ٹلکی سی لگی ہوئی تھی اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی اس لئے کہ پانی کھول رہا تھا بھاپ میں اتنی قوت تھی کہ بھاری چوبی پئے کو گھما دے لیکن فلسفیوں کو بھاپ کی قوت اور زور سے کوئی مطلب نہ تھا چھت کے ساتھ دھات کا ایک ہموار ٹکڑا لگا ہوا تھا بھاپ اسے چھوتی تو پانی کے قطروں کی شکل اختیار کر تی جاتی پھر وہ قطرے مینہ کی طرح زمین پر آ گرتے۔ بہ ظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ ارسطو چھوٹے پیانے پر مینہ برسانے کے تجربے کر رہا ہے اس کی نگاہیں اس عمل پر جمی ہوئی تھیں اسے یقین تھا کہ چار عنصروں۔۔۔ آتش و آب و خاک و باد۔۔۔ کے علاوہ ایک پانچواں عنصر بھی موجود ہے جس کی ابتدائی شکل بھاپ تھی اور طالب علم ارسطو کے اس یقین سے آگاہ تھے۔

ارسطو یہ بھی کہتا تھا کہ سورج کی حدت و حرارت روئے زمین سے پانی بھاپ کی شکل میں اوپر لے جاتی ہے جب یہ بھاپ اوپر ہوا کے کسی سرد کرے میں پہنچتی ہے تو ٹھنڈی ہو کر مینہ یا برف کی صورت اختیار کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گرتی ہے اس طرح ندیاں پانی سے بھرتی ہیں اور دریاؤں کی طرف دوڑتی ہیں دریا اس پانی کو ان چھوٹے سمندروں میں لے جاتے ہیں جنہوں نے زمین کو گھیر رکھا ہے چھوٹے سمندروں کا پانی ایسی آبناؤں سے جسے ہرقل کے کھمبوں 11 والی آبنائے ہے گزر کر مغربی سمت کے بڑے سمندر میں جا

ملتا ہے جہاں زمین کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں پس جس طرح جسم کی باریک رگوں میں خون کے دورے پر انسانی زندگی کا مدار ہے اسی طرح پانی کے اس **مسلسل** دوروسیر کی برکت سے کرہ ارض پر زندگی کی نمود ہے اگر اس پانچویں عنصر یعنی بھاپ کی امداد پانی کی بہم رسانی جاری نہ رکھے تو دریا اور جھیلیں خشک ہو جائیں تمام انواع حیات ۔۔۔۔حشرات، نباتیات اور حیوانات ۔۔۔۔آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں۔

اگر یہ درست ہے کہ نمی کی سیر و گردش سے مینہ برستا ہے تو مان لینا چاہئے کہ نہ آسمان کی محرابی سقف میں بادشمال کے فرزندوں کی پرواز مینہ لاتی ہے اور نہ یک چشم دیو پیکر بادلوں میں بجلی کا کڑکا پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سکندر تھوڑی دیر تک مصنوعی بارش کی بوندیں گرنے کا تماشا دیکھتا رہا پھر ارسطو کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی، اسے اندیشہ تھا کہ ارسطو اس پر خفا ہوگا لہٰذا وہ تنا کھڑا رہا۔۔۔ پھر اس نے مخطوطہ ارسطو کے حوالے کرتے ہوئے کہا ”کیا آپ مہربانی فرما کر واضح فرما دیں گے کہ اس میں عبارت کی کون کون سی غلطیاں ہیں؟“

فلسفی نے مخطوطہ کھولا تو اسے معلوم ہوا کہ ہومر کی ”داستان ٹرائے“ کا یہ بڑا ہی بوسیدہ نسخہ ہے پھر وہ کسی نکتہ چینی کے بغیر بولا ”تین روز کے بعد مجھ سے لے لینا۔۔۔لیکن یاد رکھو مطالعہ شبینہ کے اوقات میں پھر مداخلت نہ کرنا“

یہ نسخہ سکندر کو واپس ملا تو حاشئے پر جگہ جگہ ارسطو کی تحریر تھی لیکن یہ دیکھ کر سکندر حیران رہ گیا کہ کہیں بھی یہ واضح نہ تھا کہ دیوتا انسانوں کی امداد نہیں کیا کرتے۔ صرف غلط الفاظ درست کر دیئے گئے تھے یا بعض پیچیدہ اور مشکل مقامات کی تشریح کر دی گئی تھی جس کے بعد ان حصوں کا پڑھنا اور سمجھ لینا بہت سہل ہو گیا تھا۔ جب سکندر نے پوچھا کہ آپ نے معاملے کو الفاظ کی درستی اور بعض مطالب کی تشریح تک کیوں محدود رکھا اور ایلیڈ کی حقیقت پر کیوں بحث نہ کی؟ تو ارسطو نے جواب دیا کہ یہ کتاب خطابات شعر کی سحر آرائی کا ایک کرشمہ ہے، تاریخ نہیں۔ جیسے کہ ہیروڈوٹس 12 کی تاریخی کتاب ہے نظم کی حیثیت میں

اس کا پایہ یقیناً بہت بلند ہے لیکن اسے طبعی واقعات کی حقیقی سرگزشت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سکندر: اگر یہ تاریخ ہوتی

ارسطو: ایسی کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی اور مسکراہٹ اس کے جھریوں والے چہرے پر کھیل رہی تھی۔

غرض سکندر میزا میں یوں تنہا محنت و مشقت کرتا رہا اسے خوف تھا کہ کہیں ناکام نہ ہو جائے یہ احساس بھی پریشان کر رہا تھا کہ سن رسیدہ آدمیوں نے اسے احمق قرار دے رکھا ہے ان مرحلوں کو سکندر کے افکار و عزائم سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور وہ خطابت منطق اور نئی طبیعات کے لاانتہاہی تجربات میں سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہ اس کام میں ڈوب گیا تھا۔ عزم کئے بیٹھا تھا کہ پرانی مذہبی رسوم کی حقیقت معلوم کئے بغیر دم نہ لے گا۔ جن کا وہ معتقد تھا لیکن ارسطو ان کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی حرف زبان پر لانے کے لئے تیار نہ تھا بہ ظاہر ارسطو اس پر متوجہ نہ تھا چونکہ وہ خود سولہ گھنٹے مطالعہ و تجربات میں لگا رہتا تھا، اس لئے اسے معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ اس کا شاگرد آنکھوں اور دماغ پر غیر معمولی بوجھ ڈال رہا ہے۔

اولمپیاس بڑی دانائی اور دور اندیشی سے اس کے جذبہ محنت پر شوق کے تازیانے لگا رہی تھی، وہ کہتی، دیکھو تمہارے اجداد میں سے ہرقل، فرق الفطرت محنت و مشقت سے عظمت کی اوج گاہوں پر پہنچا۔ ایک مرتبہ وہ ڈولفی کے مندر سے اولی تو سکندر سے یہ کہتی ہوئی سنی گئی غور کر۔۔۔ لوگ کہہ رہے ہیں، اہل مقدونیہ کس درجہ خوش نصیب ہیں انہیں فیلقوس جیسا سپہ سالار اور سکندر جیسا بادشاہ مل گیا یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ میرے لخت جگر کو بادشاہ کہہ رہے ہیں۔۔۔ اگرچہ تم سولہ سال کے ہو چکے ہو اور اس عمر میں بہت سے شہزادے نیابت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں ارسطو اس حقیقت سے نا آشنا نہیں رہ سکتا واقعہ یہ ہے کہ فیلقوس کے بجائے وہ ارسطو تمہیں دانشمندانہ طریق پر زندگی گزارنے

کے قابل بنانے کے لیے زیادہ محنت و مشقت برداشت کر رہا ہے فیلقوس نے تو اس کے سوا تمہارے لئے کچھ نہیں کیا کہ تمہیں اپنا بیٹا تسلیم کر رہا ہے میں نہیں سمجھتی کہ یہ کوئی بڑی بات ہے۔

بیٹے کے متعلق اس کی روش میں غیر محسوس تغیر پیدا ہو گیا پیلا کے سامنے جو میدان تھے اولمپیاس نے وہاں محل کی عمارتوں کی آرائش و زیبائش کے لئے بہترین سامان مہیا کر دیئے تھے جب سکندر بیوسی فالس پر سوار ہو کر وہاں پہنچتا تو اولمپیاس کے تمام ملازم خاص اہتمام سے پیشوائی کا فرض انجام دینے کے لئے موجود ہوتے وہ مختلف معاملات میں اس کی رائے لیتی اور ظاہر کرتی کہ وہی اس کا سہارا ہے۔ جب وہ رات کے لئے پیلا میں ٹھہرتا تو اولمپیاس یونان کی تربیت یافتہ طوائفوں کو خاص اہتمام سے فراہم کرتی اور ایسے مقامات پر نمائش حسن و جمال کا حکم دیتی۔ جہاں وہ سکندر کی نظروں سے کسی بھی حالت میں اوجھل نہ رہ سکتی تھیں اولمپیاس کا احساس یہ تھا کہ سکندر اس عمر کو پہنچ چکا ہے جب مرد کو خوبصورت لڑکیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس کی خواہش یہ تھی کہ سکندر صرف ان کنیزوں سے تمتع حاصل کرے جنہیں وہ (اولمپیاس) اپنی نگرانی میں رکھ سکتی تھی۔لڑکیاں صبح کے اوقات اولمپیاس کو جا کر بتاتیں کہ اس نے کسی پر کوئی خاص توجہ نہ کی۔ یہی سمجھتا رہا کہ وہ محل کی ملازمائیں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ حمام کے وقت ملکہ کے بدن پر خوشبوئیں لگائیں اور اس کے بالوں کی آرائش میں مدد دیں۔

اولمپیاس کے لئے یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی کہ وہ اپنی کسی کنیز کے ذریعے سے بیٹے کو اپنی گہری وابستگی پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی وہ کنیزوں کو ڈانٹتی کہ دیکھو میرے تیل اور خوشبوئیں نہ لگائیں دوسرے تیلوں اور خوشبوؤں سے کام لو ایک روز اس نے باغ میں ایک جل پری کے متعلق عجیب وغریب داستان سنی۔

باغبان کی بیوی نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ میں نے یہ داستان اپنے شوہر سے سنی جو گندم کے کھیت میں تھا البتہ بادی النظر میں اسے قابل یقین نہیں سمجھا جا سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر شام کے وقت محل سے نکل کر باغات میں سے ہوتا ہوا تیزی کے ساتھ میزا کی طرف جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اس نے گھوڑے کو پتھر کی دیوار پر سے کدایا سامنے ایک اجنبی لڑکی کھڑی تھی جس نے انگوروں کی ٹوکری سر پر اٹھا رکھی تھی وہ بہ مشکل گھوڑے کی جھپٹ سے بچی اس نے اپنا لہنگا ذرا اوپر اٹھا کر کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا اس کی پنڈلیاں برہنہ تھیں وہ ایک خاص لے میں گا رہی تھی گھوڑے کے کودنے سے اسے ہلکا سا دھکا لگا اس سے انگوروں کی ٹوکری گر گئی سکندر نے ذرا جھک کر لڑکی کو بازو سے تھام لیا اس طرح وہ گرنے سے بچ گئی تو ایک دم اٹھ کر گھوڑے پر بٹھا لیا اس کے بال سنہری تاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہوا میں لہرا رہے تھے سکندر نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا اور لڑکی کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔

گندم کے کٹے ہوئے کھیت میں پہنچ کر سکندر نے گھوڑے کو روک لیا اور سنہری بالوں والی اس جل پری کو آہستہ سے نیچے اتارا، پھر خود بھی اتر کر بازو اس کی کمر میں ڈالا۔ کچھ دیر دونوں وہاں رہے سکندر نے اپنا لبادہ اوڑھ کر پردہ سا کر لیا تھا اس اثنا میں سورج غروب ہو گیا روشنی مدھم ہو گئی یہاں تک کہ باغباں انہیں دیکھنے سے معذور ہو گیا۔

جب سکندر چلا گیا تو اس لڑکی نے ادھر ادھر پھر کر انگوروں کی ٹوکری تلاش کی، باغبان نے اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ نہ مقدونوی بولی سمجھتی ہے اور نہ یونانی باغبان نے سمجھا کہ یہ ضرور جنگل کی پری ہے جو شام کے وقت تھوڑی دیر کے لئے چلی آئی پھر اپنے مامن میں پہنچ گئی۔

اولمپیاس قطعاً یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھی کہ پریاں جنگل سے نکل کر باغات میں انگور چنتی پھرتی ہیں اس نے سنہرے بالوں والی اس لڑکی کے متعلق چھان بین شروع کر دی۔ پہلے نوکروں چاکروں سے پوچھا۔ پھر غلاموں کے مکانوں میں پرسش کی آخر اس کے پاس ستھیا کی ایک لڑکی لائی گئی، جسے ڈیلیا کی منڈی میں خریدا گیا تھا اور انگور جمع کرنے پر لگا دیا گیا تھا، اولمپیاس نے دیکھا کہ بڑی قبول صورت ہے۔ اس کی آنکھیں

اور بال دن کی روشنی میں بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں اس نے سخت حکم جاری کر دیا کہ لڑکی کو فوراً پیلا سے لے جاؤ اور تھیبز کی منڈی میں لے جا کر بیچ دو۔ وہ اس بات کی روادار نہ ہو سکتی تھی کہ سکندر ایک ایسی لڑکی سے پیار کرے جو ملکہ کی کنیزوں میں سے نہ ہو۔ اس ستھی لڑکی کو نکالنے سے پیشتر تلاشی لی گئی تو بند کو اگانے کا وہ روپہلا بکسوا ملا جو اولمپیاس نے سکندر کو بہ طور تحفہ دیا تھا۔ یہ بکوا اولمپیاس نے چھین کر آگ میں ڈالا تو لڑکی نے زارو قطار رونا شروع کر دیا۔

اولمپیاس نے لڑکی کو بند گاڑی میں بھیج دینے کے بعد باغبان کو بلایا نیز ان غلاموں کو جنہوں نے لڑکی کو دیکھا تھا اور تاکیدی حکم دے دیا کہ اس کے بارے میں کبھی کوئی بات زبان پر نہ لائیں اگر سن لیا کہ ایسی لڑکی ایک رات کے لئے بھی پیلا میں رہی ہے تو تمہیں پتھروں سے باندھ کر جھیل میں غرق کرا دیا جائے گا البتہ یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ لڑکی نہ تھی بلکہ بھوت پریت کی جنس میں سے کوئی چیز ہوگی جو جنگل سے نکل کر باہر باغ میں آ گئی تھی۔

دن گزر گیا تو اولمپیاس کی توقع کے مطابق سکندر بیوسی فاس پر سوار ہو کر آ گیا اور بیرونی باغات میں پھرتا رہا۔ گندم کے کھیت سے جنگل کے پاس تک کئی چکر لگائے، پھر تاروں کی روشنی میں ملاقات کے مقام پر بیٹھا رہا۔ باغبانوں اور غلاموں کو بلا کر ستھی لڑکی کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا ان سب نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے ایک پری کو دیکھا تھا جو جنگل سے نکلی اور انگور چننے میں لگ گئی۔

سکندر نے اور کچھ نہ پوچھا وہ تھوڑی دیر کے لئے گندم کے کھیت میں تنہا ٹھہرا رہا پھر محل کی طرف جانے کے بجائے سوار ہو کر میزا چلا گیا اولمپیاس اس امر پر بڑی پریشان تھی کہ سکندر اس کے پاس نہ گیا اور نہ کبھی گم شدہ لڑکی کے متعلق کوئی بات کی۔

وہ دوسری مرتبہ رات کے کھانے کے لئے محل میں ٹھہر گیا تو اولمپیاس نے پھل بلویا ہوا دودھ اور دوسری لذیذ چیزیں اہتمام سے جمع کیں خود بڑے تکلف کس لباس پہنا جیسا لباس جنگلی دیوتاؤں کی پجارنیں پہنتی تھیں اپنے سیاہ بالوں میں عشق پیچاں لٹکائی اور وہ

کھانے کی میز پر اس طرح بیٹھی کہ دیئوں کی روشنی اس کے جسم پر پڑ کر حسن و جمال کو دو بالا کر دے۔ وہ پجارنوں سے زیادہ محبوب نظر آتی تھی یونانی طوائفوں کو اس نے ہٹا دیا تھا بنسری اور شہنائی کی آواز آ رہی تھی اور اہتمام کا مدعا یہ تھا کہ سکندر دل کی بات ماں کو بتانے کے لئے تیار ہو جائے۔

سکندر نے اس روز کسی لذیذ چیز کو چکھنا تک گوارا نہ کیا اور عذر یہ پیش کیا کہ لیونی دس نے مدت سے اسے ویسے ہی بے مزہ کھانوں کا عادی بنا رکھا ہے جیسے اہل سپارٹا کھاتے ہیں نہ محض یہ بلکہ اس نے نظر اٹھا کر اولمپیاس کو دیکھا تک نہیں جب مطالعے کے متعلق بات چیت شروع کی تو اس نے بتایا کہ آج کل میں ربع مسکوں کی وضع و ہیت پر غور کر رہا ہوں آخر ملکہ نے خود کو کہا کہ نوکر چاکر ایک لڑکی کا ذکر کر رہے ہیں جو جنگل سے نکل کر باہر میدان میں آ گئی تھی کہتے ہیں کہ وہ ایک پری تھی لیکن مجھے اولمپیاس کو یقین نہیں کہ دیویاں ایسی شکلیں اختیار کر کے انسانی آبادیوں سے اس قدر نزدیک آ جاتی ہیں۔

سکندر بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ تھا اس نے کہا: ”اماں جان! پریوں کے نام نہیں ہوتے“ یہ سنتے ہی اولمپیاس پریشان ہو گئی اور لڑکی کا نام پوچھنے سے بہ مشکل باز رہ سکی اسے حیرت تھی کہ سکندر تو سیتھیوں کی زبان نہیں جانتا پھر اس نے نام کیوں کر معلوم کر لیا؟ وہ سمجھ گئی کہ جب نام معلوم ہے تو اسے پہچاننے میں کیا دقت پیش آ سکتی ہے؟ یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ شاید وہ سکندر سے حاملہ ہو چکی ہو۔

اس نے خوب سوچ سمجھ کر کہا، ممکن ہے اس نیم انسانی جنگلی سائے نے عام لڑکیوں جیسا نام تجویز کر لیا مثلاً

سکندر بے تکلف بولا: ”اس نے اپنا نام دختر آفتاب 13 بتایا تھا۔“

اولمپیاس کو پھر حیرت کا ایک صدمہ برداشت کرنا پڑا وہ سمجھتی تھی کہ جو لوگ اپنا سلسلہ نسب آفتاب سے ملاتے ہیں وہ یقیناً غیر فانی ہوتے ہیں اور آپنی آنکھوں کی غیر معمولی چمک دمک سے بہ آسانی پہچانے جاتے ہیں یہی ان کے نسل آفتاب سے ہونے کا نشان

سمجھا جاتا ہے وہ آفتاب جس کا آتشیں رتھ آسمان کی محرابی سقف پر روزانہ رواں رہتا ہے لیکن اولمپیاس اس امر پر مطمئن ہوگئی کہ جو چال چلی گئی تھی، اسے اتفاقات سے تقویت پہنچائی اور اس حقیقت میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ تھی لڑکی سچ مچ عام انسانوں جیسی ایک فانی ہستی تھی۔

سکندر اس رات جلد پیلا سے روانہ ہوگیا وہ گھوڑا سرپٹ دوڑائے جا رہا تھا اور باغات کے نزدیک قطعاً نہ گیا۔ اسے عجیب وغریب لڑکی کی گمشدگی سے جو صدمہ پہنچا، اسے چھپائے رکھا بہرحال اس نے معمول کے مطابق چپ سادھ لی چونکہ پریشانی کے باعث نیند نہ آتی تھی اس لئے اوقات شبینہ میں ستاروں کے متعلق چھان بین شروع کر دی۔

اب اولمپیاس پر واضح ہوگیا کہ وہ تیز فہم تو ہے لیکن عقل و دانش کی بردباری اس میں موجود نہیں اسے صرف اپنی ذات کا خیال رہا اور دوسروں کے جذبات کو مسحور بنا لینے میں یقیناً کمال حاصل تھا۔ اب ایک اندیشہ اسے پریشان کرنے لگا وہ بڑی توہم پرست تھی اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اس اجنبی لڑکی کی نمود کہیں خود اس کے (اولمپیاس کے) لئے ایک شگون تو نہ تھی؟ اگر اسے شگون سمجھا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ غرض اولمپیاس کے دل میں اپنے متعلق اور سکندر کے متعلق تشویش پیدا ہوگئی اسے محسوس ہونے لگا کہ سکندر اس کی (اولمپیاس کی) مرضی کے تابع نہیں رہا۔ کسی شے نے اس میں تغیر پیدا کر دیا ہے اور وہ دور دور رہنے لگا ہے۔

اس زمانے تک اولمپیاس کے دل میں فیلقوس کے متعلق نفرت کا جذبہ رونما نہ ہوا تھا فیلقوس کو بدیں وجہ ناقابل برداشت سمجھتی کہ وہ بے اعتنائی برت رہا تھا صرف طویل مفارقت کے بعد ہی ملاقات ہوتی تو بات چیت کرتا اور خیر و عافیت پوچھتا۔ اس وقت بھی وہ نہایت اکھڑ پن سے سلام کہتا اور اس سے اپنی حقیقی بیوی کی حیثیت میں نہیں بلکہ بیٹے کی ماں کی حیثیت میں سلوک کرتا۔

اولمپیاس خوف کے مفہوم سے ناآشنا تھی۔ اب اس پر تذبذب طاری ہوا اور کوئی راز

داں نہ مل سکا تو ایئر سٹانڈر کو بلایا جو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا اور عام یونانیوں کی طرح اسے رشوت دے کر مطلب کی بات نہ کہلوائی جا سکتی تھی اولمپیاس خوب جانتی تھی کہ ایر سٹانڈر سے کام لینے کے لیے روپیہ کارگر نہیں ہو سکتا لہذا اس نے اپنی تمام تشویشات اس کے سامنے بیان کر دیں شاید ان باتوں سے متاثر ہو کر ایر سٹانڈر ہمدردانہ کاربراری کے لئے تیار ہو جائے۔

کاہن نے تمام باتیں دلجمعی سے سنیں فوراً کوئی جواب دینے کے لئے تیار نہ ہوا اور بولا کہ غور و فکر کے لئے وقت چاہئے ستاروں کی گردش انسانی تقدیر کا فیصلہ کرتی ہے سوال اس یہ ہے کہ سکندر کی پیدائش کے وقت کیا کیا شگون تھے؟

اولمپیاس پر بے چینی طاری تھی اس کی طرح ایر سٹانڈر کو بھی خوب یاد تھا کہ سکندر کی پیدائش کی رات انی سوس (ایشیا) کے مندر میں آگ بھڑک اٹھی تھی اور وہ جل کر خاکستر ہو چکا تھا وہ اپنے سوچ بچار میں گم تھا اور بولا اس وقت وہ باتیں تو پوری طرح واضح ہو گئیں اول یہ کہ سکندر کے بعد۔۔۔۔راس کے کوئی اولاد نہ ہوئی، دوم یہ کہ سکندر مختلف حیثیتوں میں مجموعہ عجائبات ہے شگون آگ کا تھا اور وہ آسمان سے نازل ہوئی تھی نیز کیا فیلقوس آجکل تمہیں بیٹے کی ماں کہہ کر نہیں پکارتا؟

اولمپیاس کے سیاہ بال نقاب کی طرح اس کے چہرے پر چھائے ہوئے تھے اور اس کی نظریں ایر سٹانڈر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں غرور نے آنکس کی طرح اس کے سینے میں خلش پیدا کر رکھی تھی اس نے کہا اگر اس رات آگ آسمان سے نازل ہوئی اور اگر فیلقوس سکندر کا باپ نہ ہوا؟

ایر سٹانڈر: اس راز کو تم سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا۔

عزت و عظمت بڑھانے اور اپنے آپ کو سربلند ثابت کرنے کا معاملہ پیش آجاتا تو اولمپاس اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل کی عادی نہ تھی ایر سٹانڈر نے اس بات کی طرف صرف اشارہ کیا تھا جو اولمپیاس کے خیال میں تھی چنانچہ کاہن کے رخصت ہونے سے

پیشتر ساموتھریس کی پجارن نے اپنے دل میں پختہ فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن اس فیصلے کا اظہار بڑی ہنر مندی سے ہوا پہلے پہل محل کے پرانے ملازموں نے دبے لفظوں میں ذکر شروع کیا اور وہ بھی اس وقت جب فیلقوس پیلا سے باہر گیا ہوا تھا ابتدا میں اس کی حیثیت محض ایک افواہ کی تھی جس کا آغاز ملازم عورتوں سے ہوا اور شگون کو اس افواہ کی بنا قرار دیا گیا۔۔۔ یعنی یہ کہ سکندر فیلقوس کا بیٹا نہیں بلکہ زفاف کی رات ایک غیر معلوم ہستی نے ساموتھریس کی پجارن کے بطن میں بچے کا نقش مرتسم کیا اس وقت سانپ اس کی خواب گاہ سے باہر نکلا بعض ملازم کہتے تھے کہ خود فیلقوس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس واقعے سے تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ ضائع ہوگئی۔

اولمپیاس کے ساتھ شادی سے پیشتر آرسی نوئی فیلقوس کی داشتہ تھی اس نے یہ افواہ سنی تو دہشت کے مارے ٹھٹھر کر رہ گئی اب وہ لَگوس کے گھر میں مالکہ کی دل پسند حیثیت اختیار کر چکی تھی 14 وہ تلون دوست فیلقوس اور شعلہ مزاج اولمپیاس کی طبیعتوں کو اتنی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ دونوں خود بھی ایک دوسرے کو ویسا نہ سمجھتے تھے اس نے فوراً اپنے بیٹے بطلیموس تک یہ افواہ پہنچا دی جو میزا میں تھا وہ جانتی تھی کہ بطلیموس کا مستقبل خود فیلقوس کے من کی موج سے وابستہ ہے ماں کے اس پیغام نے بطلیموس کے لئے فکر و خیال کی غذا مہیا کر دی۔

ایک روز اس نے سکندر سے کہا ''تم یہ دریافت کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہو کہ صبح کے ستاروں کا سرود کیا ہے بہتر یہ ہے کہ اس افواہ پر کان دھرو جو پیلا کے بازاروں میں گرم ہے''

سکندر: (حیرت زدہ) کون سی افواہ؟

بطلیموس: اس افواہ کے بارے میں کوئی تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا تھا تمہارے لئے لازم ہے کہ اس پر یقین کرنے سے پیشتر سب کچھ اپنے کانوں سے سنو اور اپنی آنکھوں سے دیکھو حالت یہ ہے کہ تم اپنے نقشوں کے خط و خال درست کرنے میں حد درجہ مگن ہو یہاں

تک کہ آسمان کی چھت میں شگاف پڑ جائے تو جب تک وہ تمہارے سر پر نہ آ گرے تمہیں خبر بھی نہ ہو گی سکندر ہرگز تیار نہ تھا کہ پیلا کے بازار میں جائے اور وہاں دیہاتی عورتوں کو پیاز اور مسور کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے سنے اگر وہ اپنے حجرے میں بند ہو کر خاموں، نقشوں اور نوٹوں میں گم نہ رہتا تو وہ افواہ اس کے کانوں تک پہنچ جاتی جو مقدونیہ کے طول وعرض میں پھیلتی اس طرح وہ تذلیل اور جلاوطنی سے محفوظ رہتا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں وہ ایک لمحے کے لئے بھی مطالعے اور غور وفکر سے فارغ نہ رہا اس نے تحصیل علم کے ابتدائی دور میں بڑی سخت محنت کی تھی اور اب سیاسیات اور نقشہ عالم پر اسے خاصا عبور حاصل ہو رہا تھا وہ محنت و ریاضت سے صرف اس وقت دست کش ہوتا جب مذہبی رسوم کی بجا آوری اسے کھینچتی یا رات کے وقت پہاڑیوں میں پھرنے کے لئے نکل جاتا اگرچہ اس کے دل میں ارسطو سے مصالحت کی صورت پیدا نہ ہوئی تھی تاہم اس کی تعلیم وتدریس سے بغاوت کا شیوہ ترک کر چکا تھا بلکہ کہا جا سکتا ہے وہ اپنے طور پر دریافت وانکشاف کی راہ پر لگ چکا تھا۔

مشرق کی غیر مصروف سرزمین کے بارے میں خود اس نے ایک رائے قائم کر لی تھی نقشوں میں عام طور پر اسے مکان خالی کی حیثیت دی جاتی تھی۔ ابتدا میں عام لوگوں کی طرح سکندر کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ مشرق صرف طلوع آفتاب کا مقام ہے اب وہ سمجھنے لگا تھا کہ اغلب ہے کہ ارض کے اس حصے میں ایسی سرزمینیں ہوں جہاں اب تک کوئی نہیں جا سکتا پھر ان کے بعد سمندر ہو۔

ارسطو اور اس کے معاون فلسفی عہد قدیم 15 کے ارضی تصورات پر وقت ضائع کرنا بے سود سمجھتے تھے عہد قدیم کے لوگوں کا خیال تھا کہ ابتداء میں؟ تاریک رات چھائی ہوئی تھی۔ صرف زمین کے تھوڑے سے حصے چاند اور سورج کی روشنی سے منور تھے سیارے اپنے اپنے محوروں پر زمین کے گرد ایک انداز پر گھوم رہے تھے اور ان کی گردش سے کروں کی موسیقی پیدا ہوتی تھی۔

اب فلسفی ایک نئے نظریے پر پہنچ گئے تھے یعنی یہ کہ زمین خود ایک کرہ ہے جو کائنات کے وسط میں معلق ہے (ارسطو اس نظریے کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ گرہن کے وقت سورج اور چاند دونوں میں زمین کا جو سایہ پڑتا ہے وہ گول ہوتا ہے اور کشاف اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ اگر ہم انتہائے شمال میں چلے جائیں تو اقصائے جنوب کے ستارے دکھائی نہیں دیتے اس کرے کے گرد چاند اور سورج گھومتے ہیں اس طرح کرے کے ہر نصف حصے میں روشنی اور تاریکی کا تداول جاری رہتا ہے۔

اس کرے پر ہزاروں سال میں زمین کی نمود شروع ہوئی اور زمین اب تک پھیلتی جا رہی ہے اگرچہ ندی نالوں اور دریاؤں کے بہاؤ سے زمین میں قطع و برید کا عمل جاری ہے بایں ہمہ یہ ابھرتی اور اوپر اٹھتی آ رہی ہے ہنوز اس کا صرف ایک حصہ انسانی آبادی کے قابل ہوا ہے یہ قابل آبادی حصہ سورج کے مجریٰ کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف۔۔۔طول البد میں۔۔۔غیر محسوس طریق پر توسیع پذیر ہے نہ کہ شمالاً جنوباً بہ لحاظ عرض۔۔۔عرض البلد میں۔

کرہ عرض کے قابل آبادی حصے کا شمالی گوشہ بہت سرد ہے وہاں ہمیشہ برف جمی رہتی ہے اور برفانی ہوائیں چلتی ہیں ارسطو نے سمریوں 16 سے جنہیں موجود روس کے باشندے سمجھنا چاہئے بات چیت کی تھی وہ منجمد دریاؤں سے گزرتے ہوئے قطبی خطے میں پہنچے تھے جہاں وہ شکار کی غرض سے گئے تھے اور ارسطو کو انہوں نے بتایا کہ قابل آبادی خطے کی سرحد پر ایسے جانور پالے جاتے ہیں جن کے بال سفید رنگ کے ہوتے ہیں یہ اس امر کی شہادت سمجھی گئی کہ برفانی ملکوں میں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں قابل آبادی حصے کے جنوب میں منطقہ حارہ کی تیز گرمی شروع ہو جاتی تھی جس میں انسان زندہ نہ رہ سکتے تھے اور زمین نے ریت کی شکل اختیار کر لی تھی وہ ریت سورج کی تیز اور شدید حرارت سے جل گئی تھی پیلا کے جنوب میں لیبیا کا زرخیز ساحلی علاقہ تھا جو سیاح اندر کی طرف گئے انہوں نے بتایا ہر طرف لامتناہی صحرائی علاقہ نظر آتا ہے جہاں انسان کے لئے زندگی بسر

کرنا مشکل ہے وہاں زمین سے چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اگتی ہیں یا زہریلے سانپ نظر آتے ہیں زمین کھودی جائے تو کھارا پانی نکلتا ہے، جسے پیا نہیں جا سکتا۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس جنوبی حصے میں بھی ایسی قوتیں موجود تھیں جو انسانی زندگی کے لئے تباہی ک اباعث تھیں جس طرح شمالی حصے میں شدید سردی، یخستانی سطح زمین، تباہ کن ہوائیں اور سفید فام دیو پیکر، انسانی روح کو تحلیل کرنے کے لئے موجود تھے۔

یقینی نظر آتا ہے کہ اس زمانے میں قابل آبادی سطح ارض کی جنوبی اور شمالی حدوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ تھا اور من چلے آدمی دونوں حدوں تک پہنچ چکے تھے مثلاً آرگونا ٹ یعنی وہ لوگ جو آرگو جہاز میں سوار ہو کر گئے تھے۔

ارسطو نے ان حدود کے سلسلے میں ایک سوال پیش کر دیا اس نے پوچھا کہ بڑے بڑے دریاؤں کے سر چشمے کس نے دیکھے ہیں اگر کرہ ارض پر پانیوں کے دور و گردش کا نظریہ درست ہے تو ایسے دریاؤں کے سرچشمے دور افتادہ پہاڑوں میں ہونے چاہئیں جہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی ندیاں بہتی ہیں مثلاً عظیم الشان دریائے نیل کا چشمہ کہاں ہے جو سرزمین مصر میں پہنچ کر پورا زور اختیار کرتا ہے؟ یہ دریا نہ ہوتا تو مصر کی زمین سراسر خشک و ردی رہ جاتی ڈینیوب کس مقام سے نکلتا ہے جو نیل جتنا ہی عظیم الشان ہے اور مقدونیہ کے شمال میں جو جنگل ہیں ان میں سے گزرتا ہوا بحیرہ یوکسین (بحیرہ اسود) میں جا گرتا ہے۔

ارسطو کا استدلال یہ تھا کہ ان دریاؤں کے کناروں پر جانور بھی ہونے چاہئیں اور درخت بھی پھر کیا وجہ ہے کہ انسان وہاں نہ رہ سکیں؟ لیکن یونانیوں میں سے کوئی شخص اس وقت تک نیل اور ڈینیوب کے سرچشموں پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

سکندر کی توجہ قابل آباد حصہ ارض کی مشرقی سرحد پر جمی ہوئی تھی مغربی حد میں جہاں سورج غروب ہوتا تھا، اس کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ تاجران قرطاجنہ نے جو سفر کئے تھے ان کے حالات میزا کی درسگاہ میں موجود تھے سکندر نے ان کا بہ غور مطالعہ کیا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تاجر بحیرہ متوسطہ 17 میں سے ہوتے ہوئے مغربی

آبی 18 دروازے سے بھی آگے نکل گئے جن پہاڑی بلندیوں کو ہرقل کے کھمبے یا کوہ اٹلس کہا جاتا ہے بحیرہ متوسط کا پانی ان کے بیچ میں سے گزرتا ہوا بحیرہ محیط 19 میں پہنچ جاتا ہے اس آبنائے میں ملاحوں نے ڈالفن مچھلیوں کے عجیب وغریب جھنڈ دیکھے جو جہازوں کو گھیر لیتے تھے لیکن جہاں چھوڑ پڑتے تھے وہاں سے دور رہتے تھے آگے حد نظر تک سمندر کی تاریخ 20 سطح پھیلی ہوئی تھی اور وہاں بادشمال کے پروازبیٹوں کے تھپیڑے پڑتے تھے اور سانپوں جیسے بالوں والی دیویوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں جنہیں ذی اوس دیوتا کے کارندے سمجھا جاتا تھا۔

یوں مغرب میں انسانی پیش قدمی کے لئے محض نا قابل گزر سمندر ہی روک نہ تھا بلکہ گہرے کھارے پانی کے دیر پیکر بھی دشمنی کے لئے موجود تھے جو جہازوں کو اس طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے تھے جس طرح انسان بھڑوں کے چھتے بہ آسانی توڑ پھوڑ سکتا ہے کم ازکم من چلے ملاحوں کا بیان یہی تھا۔

ارسطو کو بھی مغربی سمت سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی افلاطون کا عقیدہ تھا کہ سمندر کے اس حصے میں جس کا نام اٹلانٹک ہے، دور جا کر جزیرے میں، جنہیں افسانوں کے ''مبارک جزیرے 21 '' بتایا جاتا ہے یا بعض لوگ اس خطہ زمین کو ایٹلانٹس نام کا گم شدہ جزیرہ قرار دیتے ہیں لیکن ارسطو کا عقیدہ یہ نہ تھا وہ اس بیان کو بدیں وجہ تسلیم نہ کرتا تھا کہ اس کے لئے کوئی شہادت سامنے نہ تھی وہ ایٹلانٹس کی تہذیب کے متعلق سوچنے کو بھی وقت ضائع کرنا سمجھتا تھا۔۔۔ کہتا تھا کہ تہذیب مشرق سے مغرب کی طرف بڑھی، نہ کہ مغرب سے مشرق کی طرف کم ازکم یہ ثابت ہے کہ شروع میں علوم کا مرکز ایشیا تھا پھر یہ کریٹ پہنچے بہ ظاہر یونانیوں نے ایشیا اور خصوصاً مصر سے علوم سیکھے ان افکار نے سکندر کو دریافت واکتشاف کی اختیار کردہ راہ میں اور زیادہ مضبوط و مستحکم کردیا۔

اب اسے یقین ہو چکا تھا۔۔۔ اور ارسطو نے اس کی تردید نہ کی تھی۔۔۔ کہ ربع مسکوں کی مشرقی سرحدات کا علم کسی کو نہیں یقیناً ایلیڈ میں آستانہ ایشیا کا ذکر تھا یعنی ورہ دانیال کے

آبی دروازے کا جہاں ٹرائے شہر آباد تھا ٹرائے بلا شبہ زمانہ ہشئیں میں اس جگہ موجود نہ تھا لیکن آرگو جہاز کے ملاح آبناؤں میں سے گزرتے ہوئے بحیرہ یوکسین (بحیرہ اسود) میں پہنچ گئے تھے یوکسین ہی کے کسی حصے میں تحقیق علم کی منزل ختم ہو جاتی تھی اور افسانہ بافیوں کا آغاز ہو جاتا تھا ارسطو کہتا کہ فرض کرلو آرگو جہاز کے ملاح اس غرض سے یوکسین میں پہنچے تھے کہ انہیں سونا مل جانے کی امید پیدا ہوئی تھی افسانہ بافی میں وہ سونا سنہری اون بن گیا انہیں اس سمندر کی حد پر وہ افسانوی سلسلہ کوہ ملا تھا جسے قفقاز (قاف) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور افسانوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ اسی پہاڑ پر وی تھیس 22 کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا تا کہ فضائے بسیط کے سفاک پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں اب جو ملاح بحیرہ اسود کی یونانی نوآبادیوں تک پہنچتے ہیں انہیں یہ پہاڑ بادلوں کو بوسہ دیتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کی چوٹیوں پر دائمی برف جمی ہوئی دکھائی دیتی ہے ملاحوں کا بیان تھا کہ قفقاز کی پہاڑی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر غیر معلوم مشرقی سرزمینوں میں جاتے ہیں ایشیا والوں کا عقیدہ ہے کہ اس کے آگے ایک زمین بند بحیرہ واقع ہے جس کا کام قزوین 23 ہے جہاں دیو پیکر پرندے جنگجو عورتیں یا دیونیاں اور غیر معلوم آسمانی اوتار دپائے جاتے ہیں یہ بحیرہ قزوین اگر واقعی موجود ہے تو اس کا بہاؤ شمالی جانب بیرونی سمندر کی طرف ہونا چاہیے۔

زمانہ قدیم کے اندازے کے مطابق یونان اور اس کے ساتھ مقدونیہ ربع مسکوں کے قریباً وسط میں واقع تھے مثلاً ایتھنز سے ہرقل کے آبی دروازے 24 کا فاصلہ بھی اتنا ہی تھا جتنا کوہ قفقاز کے مشرقی دروازے کا لیکن سکندر کو ان مفکروں کی رائے زیادہ جاذب معلوم ہوتی تھی جو ربع مسکوں کا مرکز مشرق کی جانب بتاتے تھے اس کا عقیدہ تھا کہ مشرق کے اسی غیر معلوم حصے میں اب تک حقیقی دیوتا موجود ہوں گے 25

رات کے وقت ارسطو تجربات میں مستغرق ہو جاتا تو سکندر مشرقی سمندر کے ملاحوں کی کہانیاں یا افسانے پڑھ پڑھ کر مفید مطلب کہاوتوں کے سلسلے جوڑتا رہتا اب وہ پہلے کی

طرح سونے سے پیشتر ہومر نہ پڑھا کرتا تھا تاہم جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ نہ کبھی اپنے رفیقوں پر ظاہر کیا اور نہ ارسطو یا دوسرے سائنس دانوں کو بتایا۔

اس نے اپنا عقیدہ پیش نظر رکھ لیا اور آہستہ آہستہ چھان بین کرتے ہوئے بعض نکات کے باب میں وہ متیقن ہو گیا لیکن اسے اتنی ہی محنت کرنی پڑی جتنی کہ کسی شخص کو کریٹ کی بھول بھلیاں 26 میں سے گزرنے میں پیش آسکتی تھی۔

اس نے ہیروڈوٹس کی تاریخ اٹھا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ مشرقی سمت میں قفقاز کے آس پاس پہنچتے ہی تاریخ نے افسانے کی شکل اختیار کر لی تھی ہیروڈوٹس نے مشرق میں جس شہر کو زیادہ سے زیادہ دور افتادہ قرار دیا تھا، وہ بابل تھا اس کے بلند درجہ بہ درجہ باغات اور فلک بوس مینارے ربع مسکوں کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے ایک خونیقی نے بیان کیا کہ بابل اصل میں ''باب اہل 27'' تھا یعنی خدائی دروازہ سکندر خونیقی زبان سے بالکل ناواقف تھا لیکن بابل کا طول البلد بھی وہی تھا جو قفقاز کا تھا جس میں مشرق کا دروازہ بتایا جاتا تھا سوال یہ تھا کہ اس کے آگے کیا تھا؟

پھر اس نے دریاؤں کی لمبائی چوڑائی اور بہاؤ کی بنا پر زمین کی شکل کا اندازہ کرنے کے لئے ارسطو کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اطمینان کر لیا کہ بابل کے پاس بھی دو دریا بہتے ہیں دجلہ اور فرات جاننا چاہئے کہ ان کے سرچشمے کہاں ہیں؟ یہ سرچشمے کوہ قفقاز میں ہو سکتے ہیں یا مزید مشرقی سمت کی بلندیوں میں ان دونوں دریاؤں کا پانی یقیناً جنوبی سمت کے سمندر میں گرتا ہے لیکن وہ نکلے کس جگہ سے ہیں؟

پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ مشرقی سرحدوں کے آگے بلند ترین پہاڑوں کے سلسلے موجود ہوں جہاں زمین سر بلند ہوتے ہوئے آسمانی کرہ اثیر میں پہنچ گئی ہو؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ دونوں دریا انتہائی بلندیوں سے نکلے ہوں جن سے پرے سورج سمندر میں سے نمودار ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ انہیں بلندیوں پر آسمانی طاقتوں کا مسکن ہو خواہ اس کا نام پرناسس ہو یا اولمپس یا بہشت جیسا کہ ایشیائی کہتے ہیں؟

اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیشتر افسانے۔۔۔۔دورافتادہ مشرقی سرزمینوں میں تیار ہوئے لوگ کہتے ہیں کہ وہاں آب حیات زمین پر بہتا ہے۔۔۔۔وہ آب حیات جسے انسان پی لے تو ہمیشہ زندہ رہے اسی جگہ عام بیانات کے متعلق شجرۃ الحیات ہے جس کا پھل کھالینے سے انسانوں کو آسانی علم حاصل ہو جاتا ہے۔

یقیناً دیوتاؤں کے تمام آثار کرہ ارض کے اسی غیر معلوم مشرقی حصے کی طرف رہنمائی کرتے تھے پرانے مندر اور قدیم زیارت گاہیں بھی اسی سمت میں تھیں جدھر سے سورج طلوع ہوتا تھا یونان میں ڈلفی کے مندر کی پیش گوئیوں اور کہانیوں کا سلسلہ بعد میں شروع ہوا اور ایشیا کے ساحل پر ارادوس 28 کی کہانت گاہ اس سے پیشتر موجود تھی ایتھنز میں اپولو کا مندر بعد میں تیار ہوا اور مصر میں زیوس آسمان کی مقدس عبادت گاہ بہت پہلے بن چکی تھی اور سکندر کی معلومات کے مطابق یہ آخری عبادت گاہ بھی معروض وجود میں نہ آئی تھی جہاں بابل کے کلدانی اور مجوسی سورج دیوتا کی عبادت کیا کرتے تھے۔

سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میزا میں روئے زمین کا ایک نقشہ موجود ہے جو ہیکاٹائیس 29 نے تیار کیا تھا اور اس میں تمام ملک، دریا اور سمندر ہیئت میں دکھائے گئے تھے جیسے کوئی انہیں بلندی سے دیکھے سکندر نے بڑی مشقت اٹھا کر اس نقشے کی نقل لی پھر اس پر مندروں اور عبادت گاہوں کے بارے میں اپنی معلومات کے۔۔۔مطابق مختلف نوٹ لکھے مختلف ملاحوں نے جن راستوں کا ذکر کیا تھا وہ اس نقشے پر بنائے۔۔۔۔اور تمام دروازے دکھائے جو اس کے مرکز افکار یعنی غیر معلوم سرزمین مشرق پر کھلتے تھے۔

اسی نقشے پر اس نے مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک اتنی اونچی بلندی دکھائی جس کے سامنے بلند سلسلہ ہائے کوہ بھی پست نظر آتے تھے اس کا نام اس نے بلند ترین دیوار رکھا اور اسے دیوتاؤں کا مسکن قرار دیا جیسا کہنا گزیر تھا اس نقشے کو دوسروں نے بھی دیکھ لیا اور درس گاہ میزا کے ایوانوں میں بلند ترین دیوار کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں بلو پالوس مروجہ طریقوں کا پیرو تھا اس نے بلندی معلوم کرنے والی نلکی میں سے دیکھا اور یہ

رائے ظاہر کی کہ مجھے تو بلند ترین دیوار جس میں دیوتا اور شیطان رہتے ہیں، بادلوں سے اونچی نظر آتی ہے۔

ارسطو کے بعض معاونوں نے کہا کہ سکندر کو نقشے میں مختلف مقامات کے فاصلے نہ دکھانا چاہئیں تھے یہ صریح نادانی کی حرکت تھی اس لئے کہ فاصلے تو اسی صورت میں معلوم ہو سکتے ہیں جب پیائش کرنے والے انہیں قدموں سے ناپ لیں البتہ ساحلی علاقوں کے نقشے تیار کئے جا سکتے ہیں اس لئے آنے جانے والے جہازوں نے ان کے باب میں صحیح معلومات بہم پہنچادی ہیں وہ جہاز بادبانوں کے ذریعے سے چلتے تھے اور ان کی رفتار عموماً یکساں رہتی تھی۔

ممکن ہے اس دیوار کے متعلق بحث و گفتگو کا معاملہ ارسطو کے کان تک بھی پہنچ گیا ہو اس نے اپنے سرکش شاگرد سے براہ راست استدلال مناسب نہ سمجھا البتہ ایک روز باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا ''دیکھو علم کی حدیں تدریجاً پھیلتی جارہی ہیں اور ہر صدی کے گزرنے پر ربع مسکوں کے متعلق معلومات کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے'' پھر اس نے اپنی خشک اور رتلاتی ہوئی آواز میں کہا ''ہومر کے زمانے سے پیشتر اولمپس پہاڑ کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا مسکن ہے آج ہم اس پہاڑ کو جنوبی مقدونیہ سے بخوبی دیکھ سکتے ہیں بہت سے مکتشف اس کی بلندیوں پر پھر چکے ہیں اور سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ عام پہاڑیوں جیسا ہی پہاڑ ہے پہلے لوگوں کے خیال میں افسانوی اولمپس کا محل ٹرائے کے مشرق میں تھا جہاں اس کی بعض بلند چوٹیاں بادلوں کو چیرتی ہوئی اوپر نکل گئی تھیں اب سمجھا جارہا ہے کہ یہ اولمپس قفقاز میں واقع ہے ہوسکتا ہے کہ کل انکشافات ترقی کریں تو ثابت ہو کہ قفقاز بھی ایک عام پہاڑ ہے البتہ دوسروں سے زیادہ بلند ہے۔''

گویا ارسطو نے حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا اور بلند ترین دیوار کا نام نہ لیا آخر میں باغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہاں بھی دیوتا ہیں زندگی کا جذبہ یہاں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح دوسرے مقامات پر پایا جاتا ہے۔''

جب سکندر اور ارسطو تنہا رہ گئے تو ارسطو نے کچھ اور باتیں بھی کہیں مثلاً یہ کہ جس شے کا علم نہ ہو وہ ہمیشہ پر اسرار معلوم ہوتی ہے اور اس وجہ سے انسان کے دل میں اسی کے لئے خوف اور تعجب پیدا ہوتا ہے اور جب انسان تنہا ہوتے ہیں تو وہ عموماً افسانوں پر جم جاتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد سکندر اپنے حجرے میں پہنچا تو اس نے چھری سے حالت غیض میں اپنے بنائے ہوئے نقشے کو پارہ پارہ کر ڈالا اس پر واضح ہو گیا کہ استدلال کی محنت سے اس نے غیر معلوم تک پہنچنے کا جو بندوبست کیا تھا اس کی حیثیت ریت کے اس گھروندے سے زیادہ نہ تھی جو بچہ سمندر کے کنارے پر بنالیتا ہے اور اسے خیال نہیں آتا کہ چند ہی لمحوں میں لہریں اس گھروندے کو ملیا میٹ کر دیں گی ارسطو نے سکندر کی مزعومہ عظیم الشان دیوار کو ایک افسانہ بنا دیا تھا اور میزا کی درسگاہ کے دوسرے لوگ سکندر کی حماقت کا مذاق اڑا رہے تھے اپنے آپ کو ملزم گردانے کے غصے نے اس کی زبان پر مہر سکوت لگا دی اور اسے لرزہ براندام کر دیا۔ پھر کبھی عظیم الشان دیوار کا ذکر نہ چھیڑا ارسطو کے معاونوں نے سکندر پر واضح کر دیا کہ استاد کی خواہش کے مطابق اب زمین کے نقشے تیار کرنے کے بجائے سیاسیات پر توجہ کرنی چاہیے سکندر کوئی حرف شکایت زبان پر لائے بغیر سیاسیات میں منہمک ہو گیا۔

ارسطو ادھیڑ عمر کا سائنس دان تھا اور وہ طبعی اسباب کی دریافت و ترتیب میں لگا رہتا تھا سکندر عنفوان شباب میں تھا اور نوجوان عموماً خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اسے یہ مطلوب تھا کہ مذہبی رسوم کے اسرار معلوم کرلے گویا استاد اور شاگرد کے درمیان بہ ظاہر اشتراک شغل کی کوئی صورت نہ تھی لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کی صلاحیت کار کا احترام کرتے تھے دونوں میں سے کوئی بھی بحث میں وقت ضائع کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

چار سو سال بعد رومی مورخوں نے بتایا کہ سکندر کے دل میں تحصیل علم کے لئے شوق کا انتہائی جذبہ موجزن تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کی نگرانی میں بھی کسی ایک علم کو حاصل

کرنے کی قابلیت اس میں نمایاں نہ ہوئی وہ جس سرگرمی سے پیلا کے مندر میں جاتا تو ممکن ہے وہ درسگاہ میں راہب بن جاتا اور اپنے خیالات کی بھول بھلیاں میں چکر لگاتا رہتا۔ اگر ایسا ہوتا تو طویل زندگی پاتا یا ممکن ہے وہ طبیب بن جاتا اور فیلقوس کی یہی خواہش تھی یہ ثابت ہے کہ فیلقوس نے فوجی کمانداروں کی حفاظت اور ارسطو کی رہنمائی میں خیالی پلاؤ پکانے والے بیٹے کے تحفظ کی سعی کی لیکن اس وقت فیلقوس کے کانوں تک پیلا کی افواہیں پہنچ چکی تھیں اور وہ اپنی کسی خواہش میں نہ مزاحمت کا روادار تھا اور نہ برداشت کرتا تھا کہ اس احترام میں کوئی کمی آئے۔

سکندر کی حالت اس زمانے میں یہ تھی کہ جو شے براہ راست اس سے متعلق ہوتی اسے نہ تو بھولتا اور نہ نظر انداز کرتا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسے زمانے میں وہ تنہا رہتا تھا یا یہ ہو کہ اپنے حالات پر برابر غور کرتا رہتا تھا چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اس کے حافظے میں میخ کی طرح گڑ جاتیں حالانکہ دوسرے لوگوں کو اس کا احساس تک نہ ہوتا۔ ہومر کا وہ نسخہ ہر وقت اس کے پاس رہتا جس پر اس نے جابجا حاشیے لگا رکھے تھے اپنے گھوڑے بیوسی فالس کو خوب کھلاتا پلاتا اور اس کی دیکھ بھول کرتا اب گھوڑا جوان ہو چکا تھا اس نے جتنی طب پڑھ لی تھی اس کے مطابق علاج معالجہ بھی کرتا مختلف نظمیں اس نے خوب یاد کر رکھی تھیں یہ معما بھی ہر وقت اس کے ذہن میں رہتا کہ دریائے نیل کو کن پہاڑوں سے پانی ملتا ہے افسانوی دیواریں بھی اس کے خیال میں رہتیں۔

سکندر کی عمر سولہ سال کی ہو چکی تھی جب اس نے سیاسیات پر خاص توجہ کی یا کہہ لیجئے کہ شہری ریاستوں کے نظام حکومت کا مطالعہ شروع کیا ارسطو کی اتالیقی میں اس کی تعلیم کا یہ آخری دور تھا۔

یونان کے فلسفہ الیگز یگوراس 30 سے افلاطون تک فکرونظر کے اعتبار سے ایک کامل و اکمل ریاست کا نظام حکومت تیار کرنے میں لگے رہے ان کے پیش نظر دراصل ایک مثالی شہری حکومت کا نظام تھا افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں ایک مکمل نمونہ تیار کیا تھا

جس کا مدعا یہ تھا کہ دولت مند اصحاب فکر اور غلام مزدور باہم اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں اور ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا سکیں۔

میزا میں ارسطو اور اس کے معاون کہتے تھے کہ افلاطون نے شہری ریاست کا جو نظام حکومت تجویز کیا ہے وہ یونانی زبان میں اپنی نوعیت کا بہترین کارنامہ ہے اس میں تمام حقیقی اور واقعی مسائل کا مثالی حل پیش کیا گیا ہے لیکن ارسطو اس امر پر گفتگو کے لئے ہرگز تیار نہ تھا کہ بہترین نظام حکومت کون سا ہو سکتا ہے اس کی تمام کوششیں اس امر تک محدود تھیں کہ عملاً کون سا نظام حکومت بہتر ہے اور وہ کب، کیوں اور کس بنا پر بہترین سمجھا جا سکتا ہے اس کے معاونوں نے ان تمام حکومتوں کے نظاموں کا مطالعہ کیا جن کا کرتا ریک کے صفحات پر آ چکا تھا اس طرح کوئی ڈیڑھ سو نظام ہائے حکومت ان کے پیش نظر آ گئے ان میں یونان کی شہری ریاستوں کے مختلف النوع نظام بھی شامل تھے مثلاً ایتھنز کی جمہوریت جس میں حکومت کی باگ ڈور عملاً جمہور کے ہاتھ میں تھی سپارٹا کی اجتماعی فوجی ریاست جس میں جنگجوؤں کا ایک منتخب کردہ تمام اختیارات کا مالک تھا ھر ان نظام ہائے حکومت میں جزیرہ کریٹ کا استبدادی نظام بھی شامل تھا جس میں حکمرانی کی باگ ڈور ایک فرد نے سنبھال رکھی تھی ان میں بعض بوالعجب نظام بھی شامل تھے مثلاً ڈلفی کے مندر کا وہ نظام جس پر کاہن مسلط تھے اور وہ مندروں کے زائرین سے رقمیں وصول کر کے اپنی نظام کا خرچ پورا کرتے تھے۔

یونان کی شہری ریاستوں کے علاوہ ارسطو ان قبائلی نظاموں پر بھی غور کر رہا تھا جو دریائے ڈینیوب کے پار کے علاقے میں واقع تھا وہ کہتا تھا کہ یہ قبائلی نظام دراصل ویسے ہی ہیں جیسے کہ مصر میں فرعونوں کا نظام حکومت ہے یعنی جس خاندان کو امتیاز و عروج کا درجہ حاصل ہو گیا وہ کار فرما بن گیا اس کے نزدیک قبائلی نظام نظام فراعنہ کی ابتدائی شکل تھا بربری قبائل لڑائیوں، چھاپوں اور ایک حد تک تجارت کے ذریعے سے اپنا خرچ چلاتے تھے وہ اپنے میں سے کسی ایک کو رئیس تجویز کر لیتے تھے اور اس کی فرمانبرداری میں جانیں

قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے مصریوں نے زرعات اور دستکاری کو ترقی دے کر لمبی مدت میں ایک مستقل نظام پیدا کرلیا اور انہیں ذہن وفکر کے اعتبار سے بلند حیثیت حاصل ہوگئی۔

ڈینوبی قبائل کے ریوڑوں اور جھونپڑیوں والے نظام اور مصر کے اعلیٰ شہری نظام کے عین وسط میں اہل مقدونیہ تھے یعنی ارسطو کے اپنے ہم وطن ان کے تمدن پر ابھی زیادہ مدت نہ گزری تھی اور ان میں بربری خصوصیتیں باقی تھیں ارسطو کہتا تھا کہ وقت کے تاریخی تصور کے مطابق یہ لوگ کل شمالی جنگلیوں سے اپنے ریوڑ لے کر نکلے اور دریائی زمینوں سے ان پہاڑیوں تک ساحل بھر پر واقع تھیں قابض ہو گئے ان میں ابھی تک شکار پیشہ لوگوں کی ناپختہ آزادی کی خصوصیتیں باقی ہیں انہیں ایک طرف حملہ آور وحشی قبائل سے مسلسل جنگیں کرنی پڑیں دوسری طرف یونان کی شہری ریاستوں کے لشکروں سے مقابلہ پیش آیا جو اعلیٰ درجہ کے سازوسامان سے مسلح تھے لیکن اہل مقدونیہ نے دونوں کے مقابلہ میں اپنی آزادی محفوظ رکھی تھی یعنی دونوں میں سے کسی کی بھی غلامی قبول نہ کی تاہم ذہنی اعتبار سے وہ ابھی تک اعلیٰ تعلیم یافتہ یونانیوں کے تابع ہیں اور اہل کریٹ، اہل مصر، اہل فونیقیہ سے بہت پسماندہ ہیں جو نمائشی ترقی میں منزلوں آگے نکل چکے ہیں۔

اہل مقدونیہ میں قبائلی زندگی کے اثرات باقی تھے ان میں سب سے اونچا درجہ ان لوگوں کو حاصل تھا جن میں شاہ ایثاش اڈ کے خاندان سے خونی تعلق رکھتے تھے ان کے بعد بادشاہ کے خاص رفیق اور مصاحب آتے تھے یہ بڑے بڑے امیر تھے جن کے قبضے میں وسیع جاگیریں تھیں اور انہوں نے بے شمار مویشی پال رکھے تھے جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو فوجی کمانداروں کے شوریٰ میں اس کا فیصلہ کیا جاتا یہ وہی صورت ہے جیسے چند نسل پیشتر قبائلی زندگی میں بڑے بڑے جنگجو جمع ہو کر غور و مشورہ سے طے کرتے تھے کہ قبیلے کی بہتری کا تقاضا کیا ہے۔

ارسطو کے غور و تحقیق نے بعض چونکا دینے والے مسائل پیدا کر دیئے تھے مثلاً اس کے

استدلال سے ظاہر ہوتا تھا کہ مختلف قومیں اپنی حکومتوں کے نظام سے اس درجہ متاثر نہ ہوئیں جس درجہ طبعی احوال وظروف سے متاثر ہوئیں۔ اشیاء کی تاریخ پر نظر بازگشت ڈالتے ہوئے ارسطو کے معاونین بتاتے تھے کہ دیکھو، پانی کی کارفرمائی زمین میں کیا کیا تغیرات پیدا کرتی ہے۔ کہیں پانی ساحلی علاقے کو تباہ کر ڈالتا ہے اور کہیں نئے خطے پیدا کر دیتا ہے۔ کسی جگہ زمین زرخیز بن جاتی ہے اور کوئی جگہ بنجر ہو جاتی ہے اسی طرح حیوانات بھی غذا کے وسائل تحفظ کی ضروریات یا گردوپیش کے خطرات کی بنا پر ارتقاپذیر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو جانور جنگلوں میں رہتے ہیں، وہ میدانی مرغزاروں کے جانوروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور پھر جن جانوروں کو صحرائی علاقوں میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ انہوں نے بالکل جداگانہ عادات وخصائل پیدا کر لئے ہیں۔

یہی حالت انسانوں کو پیش آئی دیکھو نیم بنجر پہاڑیوں میں جو گلہ بان رہتے ہیں ان میں وہ خصائل پیدا نہ ہو سکے جو زرخیز دریائی وادیوں میں رہنے والے لوگوں نے پیدا کر لئے جو انسانی گروہ کسی ایسے مقام پر پس گئے جسے قدرت نے ایک محفوظ حصار کی شکل دے رکھی تھی، ان کے تحفظ اور پناہ گیری کے طریقے ان لوگوں سے بالکل مختلف ہیں جو کھلے ساحل پر آباد ہیں پھر اس حقیقت پر غور کرو کہ کیا یونان کے مختلف گروہ قبائلی زمانے میں ایک ہی نسل سے نہ تھے؟ لیکن کیا تمدن میں ترقی کے بعد انہوں نے ایک دوسرے سے مختلف شہری ریاستیں نہ بنالیں؟ اس کا سبب کیا تھا؟ محض یہ کہ یونان کے جزیرہ نما میں بھی ان سب کے لئے ایسی چھوٹی چھوٹی وادیوں میں قیام ناگزیر ہو گیا جو ایک دوسری سے الگ تھلگ اور بے تعلق تھیں۔

ان یونانیوں نے اپنی حفاظت کے لئے الگ الگ حصار یا شہر تعمیر کر لئے۔ یہ سب کچھ ضرورت کی بنا پر ہوا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابتدائی دور میں شہری ریاست ان لوگوں کے نزدیک ایک مثالی ریاست تھی پھر ان کے اوضاع واطوار مختلف ہو گئے۔ جو شہر ساحل بحر پر واقع تھے ان کا گزارا بحری تجارت پر تھا لہذا ان میں جمہوری نظام پیدا ہوا اس لئے کہ

جہازوں کی تعمیر اوران سے کاربراری کا تقاضایہ تھا کہ تمام لوگوں کا تعاون حاصل رہتا۔ دیکھو جہاز کے اندر سب مسافروں کی حیثیت یکساں ہوتی ہے، جیسے کہ افسانوی جہاز آرگو کے مسافروں کی تھی۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ سب کاروبار کی سہولت کے لئے کسی ایک کو اپنا رئیس تجویز کر لیتے ہیں۔ جو شہر زمین بند تھے ان میں امراء کی حکومت کا رجحان پیدا ہوا یعنی ریاست کی باگ ڈور اس منتخب گروہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ جو فوجوں کی کمان کرتے تھے۔

افلاطوں نے مثالی شہری ریاست کا جو نظام پیش کیا تھا اس کی شان وشکوہ کے مقابلے میں یہ مسائل بہت حقیر اور فضول معلوم ہوتے تھے نیز ان سے مترشح ہوتا تھا کہ انسانوں کے کاروبار اور احوال صرف تقدیر پر موقوف نہیں۔

بہ ہرحال یہ واضح تھا کہ اہل مقدونیہ کوئی بلند پایہ شہری ریاست پیدا نہ کر سکے۔ ان کے بڑے بڑے مرکز دو تھے۔ ایک آئی گائی 32 دوسرا پیلا 33 لیکن یہ دونوں معمولی درجے کے قصبے تھے جن میں نہ تجارت تھی نہ شان وشکوہ کا کوئی سامان تھا اور نہ زیادہ ترقی یافتہ یونانی مرکزوں کی طرح بڑی بڑی علمی درسگاہیں تھیں اہل مقدونیہ کے دو بڑے مشغلے تھے ایک کھیتی باڑی دوسرا گلہ بانی۔ وہ بڑی بڑی تجارتی شاہراہوں سے منقطع تھے۔ اوران کے پاس ساحلی علاقہ بھی نہ تھا کہ تجارت کا مشغلہ اختیار کر سکتے اس بنا پر ارسطو کے استدلال کے مطابق پیلا کو ایتھنز جیسے شہر کے درجے پر پہنچانے کا کوئی امکان نہ تھا۔

اس نے ایسے قاعدے تجویز نہ کئے جن سے کام لے کر کوئی قوم نمایاں ترقی کر سکتی یا کسی شہری ریاست کا نظام عملاً بہتر ہو جاتا۔ وہ کہتا تھا کہ ہر شہر کا نشوو ارتقا گردوپیش کے علاقے اور فلاح و بہبود کے لئے باشندوں کے لئے سرگرمی عمل پر موقوف ہے لیکن اس نے ترقی کے وسائل کا مسئلہ معلق چھوڑ دیا۔ وہ اسے بھی تسلیم نہ کرتا تھا کہ تقدیر نے پہلے سے ہر قوم کے مستقبل کا فیصلہ کر رکھا ہے یا دیوتاؤں کا ارادہ کسی کے مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن سکندر نے بھانپ لیا تھا کہ یہ عظیم الشان فلسفی لامتناہی صبر و مشقت سے کسی نصب

العین کا داعی ہے۔ سکندر اپنے ذہن میں سوچتا تھا کہ اگر انسانوں کی قسمتیں گردوپیش کے حالات کی بنا پر صورت پذیر ہوتی ہیں تو وہ اپنی مساعی اور کوشش سے اپنے حالات کو بدل سکتے ہیں پھر انہیں اپنے معاملات تقدیر پر کیوں چھوڑنے چاہئیں، دراصل ارسطو حقائق کے مطابق کام کر رہا تھا اور جو کچھ اس کی زبان پر جاری ہوتا تھا کسی نہ کسی حقیقت پر مبنی تھا۔ سکندر کے دماغ میں ایک خواب کی دنیا بسی ہوئی تھی۔ وہ دنیا صرف اس کے تخیل میں آباد تھی اور انسانی نظروں سے بالکل اوجھل چلی آتی تھی۔

ارسطو ڈیڑھ سو نظام ہائے حکومت میں سے تھینز کے نظام حکومت کو بہ طور خاص پیش کیا کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ دیکھو یہ شہر صرف ایک فرد کی اعلیٰ صلاحیتوں کی برکت سے گزشتہ نسل میں درجہ کمال پر پہنچ گیا۔ یہ فرد اپی می نانڈس 34 تھا۔ اس نے ایک فیروزمند فوج تیار کی، فتوحات کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے کا اسے سلیقہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد صلح کی تنظیم بدرجہا زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ شہری ریاستوں کے نظام ہائے حکومت پر بحث کرتے ہوئے ارسطو نے یہ بھی کہا ”اگر کسی ریاست میں کوئی ایسا شخص موجود ہے کہ نیکی یا سیاسی قابلیت میں کوئی دوسرا شہری اس کی برابری کا دم نہیں بھر سکتا تو اسے دوسروں کے مساوی ماننا سخت غلطی ہوگی ایسے انسان کو دوسرے آدمیوں کے درمیان دیوتا کا مرتبہ دینا چاہئے، سکندر کے محل پر اس سے یہ اثر پڑا کہ ارسطو انسانوں میں دیوتائی کے شعلے کا قائل ہے۔“

سکندر ایتھنز کی ریاست کی ماورائے بحر توسیع اور بحری قوت کی ترقی کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب بادشاہ کے مصاحبوں کی طرف سے ایک سوار میزا پہنچا اور اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ سوار نے آتے ہی سکندر سے کہا کہ آپ کو فوراً فوج میں پہنچ جانا چاہئے جو سمندر کے کنارے کوچ کرتی ہوئی جا رہی ہے۔ سکندر اپنے علمی مشاغل میں غرق تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس مہینے کے اواخر میں جانے کے لئے تیار ہو سکتا ہوں۔ سوار نے بہ ادب عرض کیا کہ آپ کو ابھی چلنا چاہئے یہ شاہی فرمان ہے۔ یہ سنتے ہی

سکندر پریشان ہو گیا اس نے کتابیں ایک طرف رکھیں۔شب خوابی کا چوغہ اٹھایا، ہومر کا نسخہ اور اپنا خنجر ساتھ لیا اور یہ کہتا ہوا بیوسی فالس کو لینے کے لئے نکل پڑا کہ اگر فرمان ہے تو میں ابھی تیار ہوں چنانچہ وہ روانہ ہو گیا۔ پھر طالب علم کی حیثیت سے میزا واپس آنا اس کے مقدر میں نہ تھا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ فیلقوس نے سکندر کو اولمپیاس کے دائرہ اثر سے باہر نکالنے کے لئے اپنے پاس بلوایا تھا۔اہل مقدونیہ کے یک چشم بادشاہ نے اپنے بیٹے سے نہ اپنی ملکہ کے متعلق کوئی ذکر کیا نہ قلوقطرہ کے متعلق ممکن ہے فیلقوس کو اس بارے میں سکوت کا راز معلوم ہو۔سکندر اس پر اطلاع نہ پا سکتا تھا۔

فیلقوس نے میزا کے طالب علم یعنی سکندر کو یہ بتانے کی بھی کوشش نہ کی کہ مقدونوی فوج میدان میں کوچ کر رہی ہو تو اسے کس انداز میں رہنا چاہئے۔فوج منزل بہ منزل چلتی رہی۔کبھی وہ ساحل بحر کی شاہراہ کے گرد و غبار میں سے گزرتی اور کبھی پہاڑوں کی ان پگڈنڈیوں میں سے آگے بڑھتی جو بھیڑ بکریوں نے بنا رکھی تھیں۔بعض اوقات طلوع سے غروب تک بیس یا تیس میل کا سفر طے کیا جاتا۔پورا ساز و سامان ساتھ تھا۔پانچ دن کا راشن تقسیم ہو جاتا اور یہ فوج یونانی لشکروں کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ تیز چلتی۔بعض اوقات اپنے پہنچنے کی اطلاع سے بھی پیشتر مختلف مقامات پر پہنچ جاتی فیلقوس کا بے صبر دل اس تیز رفتاری پر بھی مطمئن نہ تھا۔فوج کوچ میں ہوتی تو فیلقوس ایک ایک دستے میں چکر لگاتا رہتا، بالکل اسی طرح جس طرح پیلا کے تعمیری منصوبوں کی نگرانی کرتا ہوا لنگڑا لنگڑا کر چلتا تھا۔اس کے پاس اپنا کوئی خیمہ نہ تھا۔رات آتی تو وہ جوڑیاں ہانکنے والے سپاہیوں کے روشن کئے ہوئے الاؤ کے پاس آ بیٹھتا اور کچھ کھا پی لیتا یا طلایہ گرد سواروں کے ساتھ گپیں ہانکتا۔

اگر سکندر کا یہ خیال تھا کہ اسے باپ کی طرف سے ایک سفید لبادہ اور ایکی لیز کا سا سنہری سینہ بند مل جائے گا اور وہ بیوسی فالس پر سوار ہو کر منتخب مصاحبوں کے رسالے کے

ساتھ چلے گا تو یہ خیال خام ثابت ہوا اسے بار برداری کی گھوڑیوں کے ساتھ متعین کیا گیا۔ آدمیوں، گھوڑوں اور سامان کی نگرانی اس کے ذمے تھی۔ پسینے پر پسینہ آرہا تھا اور اسے منزل جلد سے جلد طے کرنے کے لئے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ وہ اس بات پر حد درجہ پریشان تھا کہ اس کے ساتھی اتنی تیزی سے نہ چلتے تھے جتنی تیزی سے ایک انسان چلتا ہے کسی گاڑی کا پہیا ٹوٹ جاتا تو پوری قطار کی پیش قدمی رک جاتی البتہ اس پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ گھوڑے اسی صورت میں سامان بے تکلف کھینچ سکتے ہیں جب ان کے چارے کا پورا خیال رکھا جائے نیز ان کی ٹانگوں اور سموں کو کوئی آزار نہ پہنچنے دیا جائے۔ خوش قسمتی سے وہ خود جفاکشی کا عادی تھا اور جو کام اس کے سپرد کیا جاتا اسے جانفشانی سے انجام دینا اس کی فطرت میں داخل تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ مقدونوی فوج کی کوئی خاص منزل مقصود نہ تھی اور نہ یہ پتا چلتا تھا کہ وہ کس غرض سے کوچ کر رہی ہے۔ وہ لوگ بعض اوقات کھلے ہوئے ساحل پر ٹھہر جاتے۔ سمندر میں تیرتے اور اپنے گھوڑوں کا علاج معالجہ کرتے بعض اوقات دن اور رات برابر چلتے رہتے ایک موقع پر انہوں نے ایک بندرگاہ کو گھیرے میں لے لیا اور محاصرے کی تیاری کر لی جب ایک بیڑا اس بندرگاہ میں پہنچ گیا تو محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے رات کے وقت وہ کسی شہر میں داخل ہو جاتے صبح اسے چھوڑ کر پھر کوچ شروع کر دیتے۔ بار برداری کی گاڑیاں ہانکنے والوں کو شاذ ہی معلوم ہوتا کہ فوج کا ہراول کیا کر رہا ہے۔

جس روز قلوپطرہ فوج میں پہنچی پوری فوج ٹھہر گئی۔ پیادے اور سوار یا تو دوڑ کا مقابلہ کرتے رہے یا پہلوانی کے جوہر دکھاتے رہے۔ باقی وقت انہوں نے شراب پینے میں گزار دیا۔ گاڑی بانوں کی رائے تھی کہ قلوپطرہ بہت خوش نصیب ہے سکندر نے اسے کھیلوں کے میدان میں دیکھا۔ اس کا نصف چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ سنہرے گھونگھریالے بالوں کی گرہ ڈھلی پڑی ہوئی تھی بالاپوش میں وہ لپٹی ہوئی تھی اٹھلاتی ہوئی

چلتی تھی سن چودہ سے زیادہ نہ ہوگا۔اس کا چچا اٹالوس 35 سا تھ تھا جو اسے بازو سے پکڑ کر بزور کھینچتا ہوا تمام آدمیوں سے آگے لے جارہا تھا۔قلوپطرہ کی نیم باز آنکھوں سے متانت وسنجیدگی ٹپکتی تھی سکندر کے پاس سے گزری تو اسے غور سے دیکھا گویا اس کی قوت کا موزنہ کرنا چاہتی تھی پھر وہ اپنے چچا کے پیچھے پیچھے تیزی سے آگے نکل گئی ممکن ہے وہ زیادہ قوی اور بلند پایہ نہ ہو لیکن اس کے گردوپیش اولمپیاس کے انداز گھوم رہے تھے۔

اس رات قلوپطرہ نے اپنے ہاتھ سے فیلقوس کو شراب پلائی سپاہیوں سے شرط بدلی کہ آج رات اسی کے ساتھ گزارے گی بعض کہتے تھے کہ یہ کبھی نہ ہوگا۔ان کی رائے تھی کہ قلو پطرہ کے خیالات بہت اونچے ہیں اور وہ بڑی سے بڑی قیمت وصول کیے بغیر اپنے آپ کو فیلقوس کے حوالے نہ کرے گی پھر سپاہیوں نے سکندر کی خدمت میں پھل پیش کیے جو اس نے قبول کر لئے لیکن شراب قبول نہ کی سپاہیوں کا خیال تھا کہ فیلقوس اپنے بیٹے کو شاہی دستر خوان پر بلائے گا یہ معلوم نہ تھا کہ اسے عام سپاہیوں کا کھانا کھانا پڑے گا۔

بات چیت میں سکندر کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ تمام سپاہی فوجی کمانداروں کے عادات وخصائل پر صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اور بے تکلف ان کے متعلق بحثیں کرتے ہیں فیلقوس کو وہ ''یک چشم روماہ'' اور ''لنگڑا بکرا'' کہتے تھے ساتھ ہی ہر وقت ان کی زبان پر شکوہ جاری رہتا زیادہ تر شکایات یہ تھی کہ راتب کم ملتا ہے اور تنخواہ تھوڑی ہے ساحلی قصبوں کو لوٹنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جن سڑکوں پر وہ درہ دانیال کی طرف بڑھے چلے جارہے تھے ان کی مرمت انہیں کو کرنی پڑتی۔فیلقوس سے وہ اس بات پر ناراض تھے کہ فصل بونے اور کاٹنے کے وقت بھی انہیں گھروں میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی اور خچروں کے اٹھانے کا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔

لیکن کوچ میں دائیں بائیں مڑنے اور گھومنے کی مصلحتوں کا انہیں پورا اندازہ تھا۔وہ کہتے تھے کہ فیلقوس مقدونیہ کے لئے بندرگاہیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور بندرگاہوں پر یونانیوں کے تجارتی آبادکاریوں نے قبضہ کر رکھا تھا جب سپارٹا کا بیڑہ بندرگاہ میں پہنچ گیا

اور فیلقوس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تو سپاہی کہتے تھے کہ اس میں خاص مصلحت تھی فیلقوس نہ چاہتا تھا کہ اپنی فوج کو محاصرے میں کٹوائے۔ اس نے یہ سوچا کہ کسی دوسرے شہر پر قبضہ کر لینا چاہئے پھر اہل سپارٹا سے معاملہ کر لیا جائے گا۔ فیلقوس کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ وہ سونے کے انبار قربان کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے لیکن اپنے آدمیوں کی جانیں قربان کرنا اسے منظور نہیں۔ سپاہیوں کے نزدیک یہ فیلقوس کی بہت ہی اچھی خصوصیت تھی۔ وہ سپاہیوں کو اس وقت تک میدان جنگ میں نہیں اتارتا جب تک اس کی نئی منجنیقیں پورا کام نہ کر چکتیں سکندر کے سامنے یہ باتیں وہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ کچھ دیر کے بعد اسے فوج کی کمان سپرد کر دی جائے اور اسے باپ کے طریقہ کار سے پوری طرح واقف ہونا چاہئے۔

وہ درہ دانیال کے پاس ایک پہاڑی راستے میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ بادشاہ کی محافظ فوج کے ایک افسر نے کہا کہ سکندر کو فوج کی کمان ملنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں اس افسر کا نام ہغا اسشن 36 تھا۔ اس نے کہا کہ تجارت میرے خاندان کی بربادی کا باعث بنی اور میں تلوار لے کر خدمت گزاری کے لئے مجبور ہو گیا۔ وہ کسی مقدس رسم کو خاطر میں نہ لاتا تھا اس نے بھی کہا کہ سکندر کبھی بادشاہ نہ بنے گا لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ خود سکندر سامنے کھڑا یہ سب کچھ سن رہا ہے وہ کہتا تھا کہ سب کچھ فیلقوس کے وقتی رجحانات پر موقوف ہے جس حد تک مجھے معلوم ہے وہ اپنے بیٹے کی زنانہ عادتوں اور کتابوں کے شوق سے خوش نہیں اس نے سپاہیوں سے پوچھا بتاؤ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ سب چپ چاپ سنتے رہے انہیں خیال تھا کہ سکندر خود اس کماندار سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ ہغا اسشن نے یہ بھی کہا: ”لیونی دس کے سوا عام احساس یہ ہے کہ اولمپیاس ساحرہ ہے اگر فیلقوس بیچ میں نے نکل جائے تو فوج اپنے جرنیلوں کے سوا کسی کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہو گی۔ ان حالات کی بنا پر میں نے سکندر کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے اب تم لوگ بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے؟“

سکندر کی نظر پانی پر جمی ہوئی تھی دفعتاً اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ عین اس وقت فوج کا ایک دستہ دوڑتا ہوا آیا۔ سکندر کے پاس پہنچتے ہی رک گیا اور ساتھ ہی اطلاع دی کہ بادشاہ سلامت کو چوٹ لگ گئی ہے اور سکندر کو بلایا گیا ہے اس وقت ہفااسشن پر آشکارا ہوا کہ اس نے جو کچھ کہا سکندر کی موجودگی میں کہا۔ وہ چند لمحے کے لئے خاموش رہا۔ پھر اپنی تلوار نکالی اور ہتھیلی پر سکندر کے سامنے پیش کرتے ہوئے بولا: میرے لئے اس شرط کو جیتنا سخت مشکل ہے میں ہار مانے لیتا ہوں آپ میری خدمات قبول فرمائیں اور میری سرکشی کی شکایت بادشاہ سے نہ کریں۔ میں اپنے خلاف مقدمہ کھڑا کرانے کا خواہاں نہیں ہوں۔

ہفااسشن کے لئے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی سکندر کو اس کے تحیر کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اسے التجائے رحم کرتے ہوئے دیکھا تو تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ میں چند الفاظ کی بنا پر خون خرابہ کرانے کا روادار نہیں ہوسکتا۔

فیلقوس کو سڑک کے بالائی حصے میں کسی حادثے سے سابقہ پڑا جس میں اس کا کولہا اتر گیا اور وہ بے بس ہو کر ایک ڈولی میں پڑا تھا۔ پاس ہی ایک مندر میں سے چشمہ بہتا ہوا آ رہا تھا اس کی ٹانگ ایک نیزہ ساتھ رکھ کر باندھ دی گئی تھی سکندر پاس پہنچا تو فیلقوس نے اپنی آنکھوں سے پسینہ پونچھا اور کہا: ''لو مزید تاخیر کی صورت پیدا ہوگئی اب ہم برف باری سے پیشتر پیلا نہ جاسکیں گے میں اس حالت میں وہاں جانا پسند نہیں کرتا'' پھر سکندر سے مخاطب ہو کر بولا: بھئی یہ کیا افواہ پھیلی ہے کہ تم پیلا میں حکمرانی کا کاروبار سنبھالنے کے خواہاں ہو اور میرے ذمے فوج کا انتظام لگا دیا گیا ہے؟ کیا تم اس صورت کو پسند کرتے ہو؟

فیلقوس کے دو جرنیل پارمینیو اور انٹی پیٹر پاس کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فیلقوس اپنے بیٹے کے افکار وخیالات کا جائزہ لینا چاہتا ہے سکندر کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کی نیلگوں آنکھوں سے پریشانی ٹپکتی تھی وہ بولا ''میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے تحصیل علم کے

لئے واپس بھیج دیا جائے باقی رہا پیلا کی افواہوں کا معاملہ تو مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔''

فیلقوس: بھئی یہ افواہ تو پوری فوج میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کی حیثیت وبا سے کم نہیں میرے سپاہی تمہیں بہت چاہتے ہیں لیکن انہیں خوش رکھنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا شیطان کو، کیا تمہیں معلوم نہیں۔

سکندر: نہیں جناب میں کچھ نہیں جانتا

فیلقوس نے اپنے دونوں جرنیلوں پر ایک نگاہ ڈالی اور اندازہ کیا کہ پارمینیو کو تو سکندر کی بات کا یقین نہیں آیا لیکن اینٹی پیٹر اس کے قول کو دوست سمجھتا ہے پھر سکندر سے مخاطب ہوا۔

''مجھے پیلا سے آئے ہوئے بہت دیر ہوگئی لیکن مجبوری کی بات تھی مجبوری کیا ہے، افواہ کچھ ایسی بری تو نہیں، میری جگہ تم پیلا چلے جاؤ۔ دیکھ بیٹے میں نے دل کی بات کہہ دی۔ اب طبابت کا قصہ چھوڑ پیلا واپس جا اور میرے نام پر وہاں نیابت کے فرائض انجام دے۔''

فیلقوس نے اپنے جرنیلوں کو بتایا کہ اسی وقت سے میں نے اپنے سیزدہ سالہ بیٹے سکندر کو نائب السلطنت بنا دیا میری غیر حاضری میں شہر کا انتظام وہ کرے گا سکندر اس تجویز کی مخالفت کرنا چاہتا تھا پھر گرد و پیش کے حالات کا اندازہ کرتا ہوا بولا، پہلے آپ یہ بتائیں کہ مجھے کیا اختیارات سونپ رہے ہیں اور میرے ذمے کون کون سے فرائض عائد کرتے ہیں؟

فیلقوس نے شاہی مہر اس کے حوالے کی جس پر شیر کی چھوٹی سی تصویر بنی ہوئی تھی اور کہا میں تمہیں پورے اختیارات دیتا ہوں واجب الادا رقمیں ادا کرو۔ شاہی خطوط پر تمہیں کیا کرنا چاہئے خود سوچو کہ تم کیا کر سکتے ہو میں نے سونے کے انبار صرف کئے کہ تم ارسطو سے تعلیم پا سکو۔ سیاسی معاملات میں اس سے مشورے لیتے رہو۔ ایک فوجی مشیر اپنے ساتھ

لے لو یہ اینٹی پیٹر کھڑا ہے یہ تمہارے لئے بہت مفید ہوگا تمہارے ساتھ کچھ سوار بھی جانے چاہئیں میری محافظ فوج میں سے ایک دستہ چن لو، بیٹا یاد رکھو کہ ارسطو اور اینٹی تمہیں کبھی دھوکا نہ دیں گے اور فوج تمہاری پوری حفاظت کرے گی (کچھ سوچ کر) ہاں تمہیں نئے سکے ڈھلوانے پڑیں گے اور ان کے لئے کانوں سے نکلا ہوا سونا موجود ہے۔

یہ فرمان جاری کرتے ہی فیلقوس تامل میں پڑ گیا اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بیٹے سے اظہار محبت کا کونسا طریقہ اچھا ہوگا۔ سکندر یہ چاہتا تھا کہ اپنے زخمی باپ کے پاس رہے اور فوج کو چھوڑ کر نہ جائے فیلقوس بولا: اچھا میرے قریب آؤ کہ تمہیں چوم لوں، خدا حافظ! یہ کہتے ہی اس نے بیٹے کے رخسار کو بوسہ دیا، اس سے اور اینٹی پیٹر سے کہا کہ بس اب روانہ ہو جاؤ۔

سکندر نے مہر اپنے کمر بند میں محفوظ کی اس کے دل میں اب تک یہ وسوسہ باقی تھا کہ شاید سپہ گری میں پورا نہ اترنے کے باعث اسے واپس بھیجا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی تشکر و سپاس کے جذبات اس کے سینے میں متلاطم ہوئے اور یقین ہو گیا کہ باپ نے علی الاعلان اسے انتہائی اعزاز کا درجہ عطا کر کے تمام فضول افواہوں کا قلع قمع کر دیا ہے، لیکن اسے یقین نہ تھا کہ پیلا پہنچ کر معاملات کے انتظامات سے خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برا ہو سکے گا (بعد ازاں اولمپیاس نے اعلان کیا کہ فیلقوس قلوپطرہ پر فریفتہ ہو چکا تھا جب اس نے دیکھا کہ سکندر فوجیوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے تو اس سے چھٹکارا پانے کے لئے پیلا بھیج دیا۔

اگلی صبح کو سکندر اینٹی پیٹر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے اپنی معیت کے لئے جس کماندار کا چناؤ کیا وہ ہفاسشن تھا۔ وہ بڑا کشیدہ قامت تھا۔ اس میں ہرقل کی قوت اور بکوس کی خوش باشی تھی۔ اکثر اوصاف میں وہ ایک دل سکندر کی بالکل ضد تھا۔ جنگ میں کھیلوں سے زیادہ خوش رہتا اور شراب کے ساتھ کھیلوں اور جنگ دونوں سے زیادہ پیار تھا۔ سکندر اپنی مشکلات کا تصور کرتا ہوا گھبراہٹ میں مبتلا تھا۔ ہفاسشن کو سکندر کے خیالات سے

کوئی سروکار نہ تھا اور اس نے بنسری بجانی شروع کر دی فلسفے سے ابھی اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے متعلق پوری پائیڈیز کا یہ قول نقل کر کے قصہ ختم کر دیتا ''ہم دیوتاؤں کے بندے ہیں خواہ وہ کچھ بھی ہوں'' اس کے ثبوت میں اپنی داستان دہرا دیتا کہ ''دیکھو میں مجرم تھا اور آدھ گھنٹے میں بادشاہ کی محافظ فوج کا کماندار بن گیا۔ اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی اور مثال پیش کرو جو اس سے بڑھی ہوئی ہو'' سکندر کو ہفااسشن کی بے تکلفی اور نیک طبعی بہت پسند آئی اور اسے سمجھا کہ ایک مخلص دوست مل گیا۔

انٹی پیٹر نے مقدونیہ کے انتظامات کا سررشتہ سنبھالا۔ اولمپیاس فوراً محل کی مختار کل بن گئی۔ سکندر کو زیادہ وقت میزا میں اس جگہ بسر کرنے کا موقع مل گیا، جہاں زیتون کے جھنڈ میں ارسطو علمی مسائل کی چھان بین کیا کرتا تھا۔

فلسفی استاد اب بھی اپنے شاگرد کے سامنے مسلمہ اصول پیش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کی رائے تھی کہ یونانی فلسفے میں انجماد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اس لئے کہ اقدار زندگی کی تحقیق و تلاش میں وہ فلسفہ حقائق سے دور نکل گیا ہے سقراط نے ٹھوس سوالات کر کے اس کا رخ عقل مجرد سے پھیرا تھا اس کے زمانے تک بہت سے یونانی فلسفی ماضی کی چھان بین میں لگے رہتے تھے وہ اس فکر میں رہتے کہ کائنات کی تخلیق و تکوین کیوں کر ہوئی؟ آسمانی قوتوں کی فطرت و طبیعت کیا ہے؟ سقراط نے انسانی زندگی کے مبدا پر غور و بحث سے انکار کر دیا اور بتایا کہ سوچنا یہ چاہئے کہ اس سے کام کیوں کر لیا جائے؟ اس کا مدعا یہ تھا کہ بقائے عالم کا مقصد معلوم ہونا چاہیے یہ جاننے کی کیا ضرورت ہے کہ بقا کا سرچشمہ کیا ہے؟ اسی ایک مقصد کی تلاش و جستجو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے خودکشی کرنی پڑی۔

ارسطو بھی سقراط ہی کی راہ پر چل رہا تھا وہ کہتا تھا کہ روح کائنات کا راز معلوم ہو یا نہ ہو لیکن انسانی ارتقا کی تو پیائش کی جا سکتی ہے اور اس کا رخ جس طرف چاہیں پھیرا جا سکتا ہے جس طرح ہم حیوانوں کا رخ پھیر سکتے ہیں اور حیوانوں کی سرگزشت وہ مرتب کر رہا تھا صرف انسان نہیں بلکہ قومیں بھی ایک حالت سے ارتقا پذیر ہوئیں اور وہ مسلسل بدلتی

ہوئی کچھ اور ہی بن رہی ہیں۔ اس عمل تغیر کو پانا اور اپنی مرضی کے مطابق چلایا جا سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ارتقا پذیر وجود کی خاطر جاری ہے۔۔۔۔۔۔آخری نتیجہ جاننے کے لئے یہ نہیں کہ اس سارے سلسلے کو بے مقصد سمجھ لیا جائے اگر یہ خیال درست ہے تو انسانوں کو پہلے سے طے شدہ تقدیر کے خوف سے نجات دلائی جا سکتی ہے بہ شرطیکہ وہ اس عمل کو سمجھ سکیں۔

غرض ارسطو نے جو راز اب تک سکندر سے چھپا رکھے تھے، انہیں آہستہ آہستہ ظاہر کرنے لگا اور سکندر کا فہم اگر چہ پوری مساعدت نہ کرتا تھا تاہم ان لا متناہی تجربات کی تہ میں جو مقصد و مدعا تھا اس کے لئے ہمہ گیر شیفتگی پیدا ہو گئی عین اس موقع پر اولمپیاس تجویز لے کر آ گئی کہ سرحد پار جو قبیلے آباد ہیں وہ میدانی فوج کی غیر حاضری کے باعث فتنہ وفساد پر آمادہ ہو گئے ہیں لہٰذا ان کے خلاف مہم جانی چاہئے اور سکندر کو اس مہم کی قیادت کرنی چاہئے اس نے کہا: قوم کی آرزو ہے کہ تم فوج کے سر عسکر بن کر میدان میں نکلو وہ تمہیں کتابوں کے مطالعے میں سر گرم نہیں دیکھنا چاہتی۔

اینٹی پیٹر نے مہم کے لئے تیاری کی اور اگر چہ سکندر کے دل میں اس کے لئے کوئی ولولہ موجود نہ تھا، تاہم اسے روانہ ہونا پڑا۔ اولمپیاس نے اس موقع پر بڑا اہتمام کیا۔ تمام دکانیں دن بھر کے لئے بند کرا دیں تاکہ لوگ رخصت کے وقت بہ تعداد کثیر جمع ہوں خود رتھ میں سوار ہو کر سکندر کے ساتھ چلی۔۔۔۔۔۔اینٹی پیٹر سپاہ کو لے کر پہلے روانہ ہو چکا تھا سکندر برہنہ سر، بیوسی فالس پر سوار تھا راستے کے دونوں جانب کے تماشائی پر جوش نعرے لگا رہے تھے۔

جب سکندر بازاروں سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا تو اولمپیاس نے وداعی بوسہ دیتے وقت اس کے کان میں کہا کہ تم عام آدمیوں جیسے نہیں ہو یہ راز اب تک میرے سینے میں دفن تھا لیکن آج تم پر ظاہر کر دینا ضروری ہے میں ابتدا سے ساموتھریس کے مندر کی پجارن رہی ہوں۔ یہاں دیوتا فانی انسانوں کے روبرو نمودار ہوتے ہیں شادی سے ایک رات پیشتر

میں نے خواب دیکھا کہ جزیرے میں رات کے وقت جو ہوا چلتی ہے وہ میرے کمرے میں آ گئی تاروں کے چراغوں کی روشنی مدھم پڑ گئی، ایک خاص قسم کی کڑک نے میرے مکان کی بنیادیں ہلا دیں یکا یک روشنی کی ایک کرن آسمان سے میری طرف آئی اور پھیل گئی میرے کمرے کی چیزوں سے شعلے اٹھنے لگے اور میری آنکھ کھل گئی اسی رات استقرار حمل کا واقعہ پیش آیا نہ کہ فیلقوس سے زوجیت کا تعلق پیدا ہونے کے بعد یہ حقیقت ہے کہ تو دیوتاؤں کی اولاد ہے ایرسٹانڈر کاہن نے مجھے یہی بتایا تھا۔

اولمپاس یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ اب تمہیں چاہئے اپنا طرز عمل درجہ پیدائش کے شایان شان رکھو۔ ہفاسشن سکندر کے پیچھے تھا اولمپیاس تھوڑی دیر کے لئے رکی اور بولی: یہ میرا جگر بند ہے، اس کی حفاظت کرنا ساتھ ہی اسے بتا دینا کہ مجھے زیوس کی بیوی 37 ملزم نہ گردانے پھر وہ ہاتھ سے دواعی اشارے کرتی ہوئی لوٹ گئی اور ویسی ہی حسین و جمیل نظر آتی تھی جیسے ناسیکا 38 اپنی گاڑی میں بیٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔

یوں سکندر اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا وہ خاموش تھا اور اس کا دل سہا ہوا معلوم ہوتا تھا وہ اس بنا پر کہ کہیں عوام کی خندہ زنی کا نشانہ نہ بنے پہاڑیوں کی چڑھائی شروع ہوئی تو دل کی افسردگی کا یہ حال تھا گویا ٹھنڈا لباس پہن رکھا ہے تھوڑی دیر کے بعد اس پر واضح ہو گیا کہ فوج کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلے جانے کے سوا کوئی اور کام نہ کرنا پڑے گا ہفاسشن اس کے ساتھ تھا جس کے لئے جنگ ہرن کے شکار سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی وہ ہر لحظہ بات چیت یا لطیفہ بازی سے اس کا دل خوش رکھنے پر آمادہ تھا اور سال خوردہ مقدونوی جرنیل یعنی اینٹی پیٹر کمانداراعظم کی حیثیت میں تمام احکام جاری کر رہا تھا۔

سرکش جیالیوں۔۔۔۔۔۔۔ مائی ٹی قبیلہ 39 ۔۔۔۔۔ نے مقدونیہ کی فوج آتی دیکھی تو ٹیلوں پر چڑھ گئے وہ کبھی کبھی فوجیوں پر تیر چلا دیتے تھے اور ان کی خاص کوشش یہ تھی کہ اپنے ریوڑوں کو بچا کر محفوظ مقامات پر لے جائیں اینٹی پیٹر کے مشورے کے مطابق سکندر نے مائی ٹی قبیلے کا مرکزی قصبہ تباہ نہ کیا بلکہ آس پاس سے کاشتکاروں کو لا کر

وہاں آباد کر دیا اور ان کی حفاظت کے لئے مناسب مقامات پر برج بنا دیئے ہفا اسشن کی تجویز کے مطابق اس مقام کا نام سکندر یہ رکھا گیا یعنی شہر سکندر اسی طرح فیلقوس نے ایک شہر پر قبضہ کر کے اس کا نام فلپی یعنی شہر فلپ (فیلقوس) رکھ دیا تھا یہ پہاڑوں کے درمیان ایک پرسکون مقام تھا جس کا دھواں درختوں کے بیچ میں سے آہستہ آہستہ باہر نکلتا رہتا تھا سکندر نے مائی ٹی کی فضا میں پہنچ کر سوچا تو اس کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ ارسطو کے استدلال کے مطابق اہل مقدونیہ بھی چند صدیاں پیشتر انہیں لوگوں کی طرح ریوڑ پالتے اور گلہ بانی کرتے تھے۔

سکندر مہم سے فارغ ہو کر پیلا پہنچا تو اس نے ایرسٹانڈر کو بلایا تاکہ اولمپیاس کے بیان کردہ خواب کے باب میں استفسار کرے۔ کاہن کو اس سوال پر قطعاً حیرت نہ ہوئی اس نے بتایا کہ دوسرے شگون بھی دیکھے گئے تھے جن سے اولمپیاس کے عقیدے کی توثیق ہوئی بلکہ خود فیلقوس نے بھی ایسا خواب دیکھا تھا یعنی یہ کہ اولمپیاس کے بدن پر مہر لگی ہوئی ہے اور مہر پر شیر کے سر کا نقش ثبت تھا میں نے (ایرسٹینڈر نے) اس خواب کی تعبیر پیش کرتے ہوئے کہا تھا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ رومانی مزاج بیوی کی کڑی نگرانی کرنی چاہئے مطلب یہ ہے کہ جو بیٹا پیدا ہونے والا ہے وہ عام فانی انسانوں کی عزیمت و ہمت سے کسی قدر اونچے جوہر لے کر پیدا ہوگا یہ نشانات ایسے تھے جنہیں فی الجملہ سامنے رکھا جائے تو ان کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ امر یقینی ہے کہ فیلقوس حقیقت میں تمہارا باپ نہیں۔

کاہن کی یہ بات کسی نہ کسی شکل میں پیلا کی مرکزی منڈی اور اس کی اقامت گاہوں میں پھیل گئی لوگوں نے ڈلفی کے بڑے پروہت سے پوچھنا شروع کر دیا جو اس وقت پیلا ہی میں ٹھہرا ہوتا تھا اس نے نہ تو اولمپیاس اور ایرسٹانڈر کے بیان کی تائید وتوثیق کی اور نہ اس سے اختلاف کیا صبح کے وقت سکندر مشرق کی طرف منہ کر کے قربان گاہ پر قربانی کے لئے آیا تو غلاموں اور ملازموں کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اسے بمشکل اندر تک جانے کا

موقع مل سکا عقیدت مند لوگ بالکل خاموش کھڑے سنہری بالوں والے شہزادے کو ایک نظر دیکھنے کے لئے آرزومند تھے جو اپنے باپ زیوس کے لئے قربانی کرنے آیا تھا۔

اس واقعہ پر پورا ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ اینٹی پیٹر سکندر کے پاس ایک پیغام لایا جسے وہ خود ہی پہنچا سکتا تھا اس لئے کہ پیغام فیلقوس کی طرف سے تھا اینٹی پیٹر نے بڑے دردمندانہ لہجے میں بتایا ''مقدونیہ کے بادشاہ اور سپہ سالار فیلقوس نے ایٹی رس 40 کی شہزادی اور نیوٹولی مس 41 کی بیٹی اولمپیاس سے زوجیت کا رشتہ توڑ لیا ہے اور اٹالوس کی بھتیجی قلوپطرہ سے شادی کر لی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا باب :: ڈیماستھنیز اور قتل گاہ کائی رینیا

فیلقوس نے بہت جلد اپنے بیٹے کو فوج میں واپس بلا لیا اور رہفا اسشن کے ساتھ رسالہ خاص میں خدمات انجام دینے کی اجازت دے دی۔

اولمپیائی کھیلوں کے آغاز سے یہ چار سو اڑتیسواں سال تھا (338 ق م) مقدونوی فوج اور یونان کی شہری ریاستوں کے درمیان کشمکش کے اسباب نزاکت کی آخری منزل پر پہنچ چکے تھے یہ کشمکش حقیقتاً فیلقوس کی حرص ملک گیری اور ڈیماستھنیز کے عزم مقابلہ کے درمیان تھی زیر نزاع مسئلہ یہ تھا کہ یونانی شہروں پر کسے حکمران ہونا چاہئے۔

یونان کی اجتماعی حیثیت ناپید تھی اہل یونان قریباً ایک درجن شہری ریاستوں میں بٹ چکے تھے جب ایشیائی عساکر ان کے وطن اور وطنی سمندروں پر حملہ آور ہوئے تو اس ہمہ گیر جنگ کی ضرب نے یونانیوں میں اتحاد پیدا کر دیا (پہلی لڑائی میراتھان 1) کے میدان میں ہوئی پھر یونانیوں نے سلیمس 2 کی بحری اور پلاٹایا3 کی بری جنگ میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں) لیکن جب حملہ وہجوم کا خطرہ زائل ہو گیا تو یونان کی شہری ریاستیں اسی طرح الگ الگ ہو گئیں جس طرح پٹے کے ٹوٹ جانے سے اس کے ڈنڈے الگ الگ ہو جاتے ہیں پھر ان کے درمیان طویل خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہ بڑی ہولناک تھی ابتدا میں خانہ جنگی اس امر پر شروع ہوئی تھی کہ اقتدار اعلیٰ کا درجہ بحری قوتوں کو حاصل ہونا چاہئے یا بری قوتوں کو گویا اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں تھیں اور دوسرا فریق جنوبی ریاستیں لیکن آخری دور میں مقابلہ ایتھنز اور سپارٹا کے درمیان رہ گیا۔ یہ امر بڑا ہی تعجب انگیز ہے کہ جب ایک دوسرے پر حملے ہو رہے تھے، ایک دوسرے کے محاصرے کئے جا رہے تھے طاعون پھیلا ہوا تھا، کشمکش کے عہد شباب میں ہر قابل جنگ آدمی کو میدان میں پہنچنے کا حکم مل گیا تھا تو اسی زمانے میں شہر ایتھنز پری کلیز 4 کے ماتحت جاہ وجلال کا درجہ کمال حاصل کیا۔

خانہ جنگی کے بعد طبعاً سیاسی لحاظ سے ضعف وافسردگی کا دور طاری ہوا۔ محاصل کا بوجھ

بہت بڑھ گیا تجارت کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا، لیکن اس کی حفاظت جس صلح و امن کی متقاضی تھی اس کے لئے مناسب حال کوششیں جاری نہ رہ سکیں ڈیڑھ سو سال کی خانہ جنگی کے بعد بڑی بڑی شہری ریاستوں کا انحصار غلاموں کی محنت و مشقت پر رہ گیا۔ اس لئے کہ پیشہ ور سپاہیوں کے لشکر تیار رکھے بغیر چارہ نہ تھا اور ان کے لئے روپے کی سخت ضرورت تھی جن لوگوں کے ہاتھ میں معاملات کی باگ ڈور تھی وہ آہستہ آہستہ ڈکٹیٹر بن گئے یا مذہبی کونسلوں نے کاروبار حکومت سنبھال لیا اس دور زوال کے اختتام پر فیلقوس شاہ مقدونیہ نے بڑی دانش مندی اور بالغ نظری کا ثبوت دیا جس کی کوئی مثال پیری کلیز کی وفات کے بعد بروئے کار نہ آئی تھی ایتھنز کے شہرہ آفاق خطیب ڈیما ستھنیز نے اپنے پر تاثیر خطبوں کے ذریعے سے شہری ریاستوں کو جگانا اور پیش آمدہ خطرے کے مقابلے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔

یوں یہ دو شخصیتیں اقتدار کے لئے کشمکش کا مرکز بن گئیں اول فیلقوس جو موقع پرست اور حقیقت شناس تھا اس نے غیر منظم شہری ریاستوں پر اپنی گرفت کو محکم بنانے کا کوئی بھی موقعہ نظر انداز نہ کیا مثلاً جب ضرورت محسوس کی تو اپنے آپ کو مذہبی کونسل کے محافظ کی حیثیت میں پیش کر دیا۔ پھر ڈیلفی کے مندر کی عزت و آبرو کا مجاہد بن گیا اور آخر میں اس نے اپنے آپ کو جمہور کا محسن قرار دے دیا دوسرا شخص ڈیما ستھنیز تا جو دولت مند اہل ایتھنز کو زور خطابات کے تازیانوں سے فیلقوس کے مقابلے کے لئے تیار کرتا تھا کبھی کبھی ان کے روبرو میراتھان کی شاندار فتح مندی کی کہانیاں سناتا اور ہر ایک شہری سے اپیل کرتا کہ فوج میں بھرتی ہو کر ایتھنز کی جمہوریت کو بچانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ موت و حیات کی یہ کشمکش دو شخصیتوں کے درمیان نہیں بلکہ دو متضاد نظریوں کے درمیان تھی اول آزاد و شہری ریاستوں کا نظریہ جس کے مطلع پر سے روشنی آہستہ آہستہ ناپید ہو رہی تھی دوسرا بادشاہی کا نظریہ جو تازہ تازہ وجود پذیر ہوا تھا اور اس میں تازگی کا پورا جوش و خروش نمایاں تھا۔ ڈیما ستھنیز نے فیلقوس کے خلاف جو خطبے دیئے وہ "فیلقوسیات" کے نام سے موسوم ہوئے

ان خطبوں میں ڈیماستھنیز کی زد فیلقوس کی ذات پر نہ پڑتی تھی، بلکہ وہ فیلقوسی قوت کے احیا کا دشمن تھا وہ کہتا تھا کہ اگر فیلقوس کل ختم بھی ہو جائے تو اس کی جگہ نیا فیلقوس لے لے گا اس مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک زبردست جمہوری فوج کی ضرورت ہے۔

سوال یہ تھا کہ آیا اہل ایتھنز فیلقوس سے خوفزدہ تھے؟ ڈیماستھنیز خوف کو نفرت و حقارت سے ٹھکراتا اور کہتا: اسے بہت بڑا ماہر حربیات سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی حیثیت ۔۔۔ ایک بھیڑیئے کی سی ہے جو انسانوں کی نگاہوں سے چھپ چھپا کر لاشوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا خوبصورت ہے اور شراب بہت پیتا ہے لیکن عورتیں بھی تو خوبصورت ہوتی ہیں اسفنج بھی تو خاصا پانی چوس لیتا ہے کیا تم لوگ اس وہم میں مبتلا ہو کر جو غیر فانی دیوتا آسمانوں سے تمہارے احوال کے نگران ہیں، اس عیاش، بدکار، سازشی اور خون چوسنے والے کو اپنی مہربانیوں کا مرجع بنالیں گے؟

ڈیاستھنیز یہ بھی کہتا ہے کہ محب وطن یونانیوں کے لئے دیوتاؤں نے نیک شگون پیش کر دیئے ہیں پیتھیا کے مندر کی کاہنہ یہ بتا چکی ہے عقاب آسمانی فضاؤں میں اڑتے ہوئے دیکھیں گے کہ مفتوح گریہ و زاری میں مبتلا ہے اور فاتح موت کے گھاٹ اتر رہا ہے یقیناً اس پیش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ حملہ آور اہل مقدونیہ فیلقوس کا ماتم کریں گے جو آئندہ جنگ میں قطعی طور پر مارا جائے گا۔

غرض ڈیماستھنیز کے جذبات انگیز اور ہیجانی خطبوں نے محبان وطن کو ایک فوج تیار کر دی وہ خود اس فوج کو لے کر میدان جنگ کی طرف نکلا۔ اہل ایتھنز کو سمجھا رہا تھا کہ اپنے شہر سے باہر نکل کر اور زیادہ سے زیادہ دور جا کر ہی جنگ کرنا مفید ہے اہل ایتھنز کو بھی شرم دلا کر اہل ایتھنز کا حلیف بنالیا گیا (دراصل اہل ایتھنز ہی اتحادیوں کی قوت کا مرکز تھے اس سپاہ کی سولہ قطاریں تھیں اور اپی می مانڈس اسکا سالار تھا یہ لوگ اہل سپارٹا کو شکست دے چکے تھے جن کی ناموری سے یونان کی فضا گونج رہی تھی بھاری ہتھیاروں والے

سپاہیوں کا یہ مقدس گروہ جنگ کو اپنی زندگی کا واحد مشغلہ قرار دیتا تھا اور انہیں یقین تھا کہ میدان جنگ میں کوئی ان پر بازی نہیں لے جا سکتا)

اس طرح اس شہرہ آفاق خطیب نے اپنے ساتھیوں کے دل میں خاص یقین پیدا کیا۔ خوش آئندہ وعدوں سے ان میں جنگی روح پھونکی اور شہری سپاہیوں کی فوج لے کر مقدونیہ کی طرف روانہ ہو گیا اس کے نزدیک جمہوری قوت کے احیاء کی یہی موثر صورت تھی بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں نے کانسی کی ڈھالیں اٹھا رکھی تھیں خود ڈیماستھنیز کی ڈھال پر سنہری حرفوں میں ایک کلمہ مرقوم تھا جس کا مطلب تھا ''بختیار''

بس اس وقت سے ڈیماستھنیز اور بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں میں اثر و رسوخ کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ فیلقوس بڑا چالیا تھا وہ ہر موقع پر مناسب حال کردار اختیار کر لیتا اور فوج کی کمانداری میں کوئی اس کی برابری کا دم نہ بھر سکتا تھا یکا یک ایسا معلوم ہوا کہ مقدونوی فوج کہیں غائب ہو گئی ہے کم از کم یونانیوں کو وہ فوج کہیں نہ ملی۔ اس اثناء میں ایک قاصد پکڑا گیا جس کے پاس سے یہ پیغام ملا کہ فیلقوس بلقان کی طرف چلا گیا ہے۔ اس سے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ پھر یونانی سپاہی یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ فیلقوس اپنی مقدونوی فوج کے ساتھ ان کے عقب میں نمودار ہوا ہے دراصل قاصد کو جو پیغام دیا گیا تھا وہ سراسر دھوکے اور فریب پر مبنی تھا۔

یونانی لمبا سفر کر چکنے کی وجہ سے تھک گئے تھے اور ان پر اضطراب کی حالت طاری تھی وہ پہاڑیوں پر سے تیزی کے ساتھ کاٹیر دنیا کی طویل وادی میں اترے۔ وہاں مقدونوی فوج موجود تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ فوج لڑائی کے لئے تیار کھڑی ہے فوج کے آدمی وادی میں بکھرے ہوئے پھر رہے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ سامان اٹھوانے کے لئے ان کے ساتھ نوکر چاکر بھی نہیں پھر وہ جا بجا بیٹھ گئے گویا اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ تھکے ہوئے یونانی اپنی جنگی ترجیحات پوری کر لیں مقدونوی فوج کے ایک ابزو پر ذرا دور رسالہ موجود تھا جو درختوں کے جھنڈ میں سے گزر رہا تھا اس کی رہنمائی وہ لوگ کر رہے تھے

جن کے کولہوں تک کانسی منڈھی ہوئی تھی وہ بھی چنداں خطرناک معلوم نہ ہوتے تھے یونانی تیزی سے بڑھتے گئے تھیبز کے مقدس جیش نے اپنے ہتھیار سنبھال لئے وہ ایک مندر کے پاس سے گزرے جو ہرقل سے منسوب تھا آگے بڑھے تو کاٹیرونیا کی آبادی کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک بل کھاتی ہوئی ندی پر پہنچ گئے جوان کے اور مقدونوی رسالے کے بیچ میں واقع تھی۔

دوپہر ہونے تک سورج ان سواروں کے سامنے تھا وہ گھوڑوں پر بیٹھے تھے لیکن حرکت میں نہ آتے تھے بلکہ شاہ بلوط کے جنگل میں ایک اونچائی پر کھڑے حکم کا انتظار کر رہے تھے یہ مقدونوی رسالہ پورے کا پورا امراء پر مشتمل تھا اور پارمینیوان کی کمانداری کر رہا تھا اس کی تین رجمنٹیں تھیں ان لوگوں کو گزشتہ تجربات کی بنا پر یقین تھا کہ پارمینیو پیش قدمی سے پہلے فیلقوس کے حکم کا انتظار کرے گا فیلقوس کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا وہ کسی قدر فاصلے پر تھیبز کی فوج سے جنگ میں مصروف تھا مقدونوی سواروں نے دور سے شور و غل سن کر اندازہ کرلیا تھا کہ ہماری فوج پیچھے ہٹ کر ڈھلان کی طرف آرہی ہے گویا تھیبز کی پیش قدمی روکی نہیں جاسکی۔ انتظار کی زحمت کے آثار ان سواروں کے چہروں پر ہویدا تھے، اگرچہ وہ اس قسم کے مواقع کے عادی ہو چکے تھے۔ درختوں کے جھنڈ اور اڑتے ہوئے گرد وغبار میں سے انہیں صرف یہ نظر آرہا تھا کہ معاونوں 5 کی رجمنٹ بائیں طرف لڑ رہی ہے بعض اوقات کریٹ کے تیر اندازوں کی گھاگھرا کی پلٹن ڈھلان میں سے گزرتی اور سواروں کی آنکھوں کے سامنے پردہ سا تن جاتا۔ بس اس سے زیادہ انہیں کچھ نظر نہ آتا تھا۔

آخر ان سواروں نے بے چین ہو کر اپنے اینٹھے ہوئے بازوؤں پر ڈھالیں درست کیں لیکن وہ بات چیت نہ کر رہے تھے اس لئے کہ ان کی توجہ حالات پر جمی ہوئی تھی اور وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے بہ ہر حال وہ حکم کے انتظار میں بدستور کھڑے رہتے لیکن یکا یک ایک سوار قطار سے آگے بڑھا اور یہ فیلقوس کا بیٹا سکندر تھا۔

سکندر بھی اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہمراہیوں کے ساتھ حکم کا انتظار کر رہا تھا اس کے جسم کی ایک ایک رگ اس انداز میں تڑپ رہی تھی گویا پھٹ جائے گی اسے ہفااسشن کے ساتھ ایک رجمنٹ کے کماندار کی حیثیت میں مقرر کر دیا گیا تھا، حالانکہ رجمنٹ کا اصل کماندار پامینیو کا تجربہ کار فرزند فیلوٹس 6 تھا سکندر کے پاس کلائٹس 7 نام ایک اور سوار کھڑا تھا اس کا بدن دھوپ کی شدت سے اسی طرح جھلس گیا تھا جس طرح جلی ہوئی لکڑی ہوتی ہے کلائٹس کو تاکید کر دی گئی تھی کہ سکندر کی حفاظت کا خیال رکھے وہ سکندر کے گھٹنے سے گھٹنا ملائے کھڑا تھا اس اثناء میں بیوسی فالس (سکندر کا سیاہ گھوڑا) بے چین ہو کر آگے بڑھا سکندر کے برہنہ گھٹنوں پر رعشہ طاری تھا اس نے دائیں ہاتھ سے پسینہ پونچھا یہ خیال اسے پریشان کر رہا تھا کہ اڑتی ہوئی گرد کے آگے گرداب ہلاکت ہے جس میں گھوڑا اسے کھینچے لئے جا رہا تھا وہاں شور و غل بپا تھا بلکہ کہنا چاہیے شور لہروں کی طرح اٹھ رہا تھا سکندر ہانپ رہا تھا اور اس کا گلا خشک ہو چکا تھا وہ اس طرح خوف کی گرفت میں آ چکا تھا جیسے زنجیر گلے میں باندھ کر لحظہ بہ لحظہ اسے کسا جائے۔ دھوپ کی تیزی نے اس کی نگاہوں کو خیرہ کر رکھا تھا وہ جانتا تھا کہ پیچھے اور سوار بھی منتظر کھڑے ہیں تاہم اس پر خوف نے غلبہ پا لیا تھا خنکی کی لہر اس کے معدے پر اثر انداز ہوئی اور ابکائی سی آنے لگی جسے روکنے کے لئے اس نے کھانسنا شروع کیا۔ کلائٹس نے اپنے بازو کے ایک زخم سے کھرنڈ اتارا اس اثنا میں درختوں سے آگے جو شور و غل بپا تھا اس نے مرغابیوں کی چیخ و پکار کا رنگ اختیار کر لیا لیکن سوال یہ تھا کہ وہاں مرغابیاں کیسے آ گئیں؟ سکندر کو ابکائی روکنے کے لئے آگے بڑھنا پڑا اس نے گھوڑے کی باگ ہلائی گھٹنوں کی گرفت مضبوط کر لی۔ بیوسی فالس نے بے اختیار ہو کر چھلانگ لگائی۔ کلائٹس نے اسے روکنا چاہا اور درخت کی شاخ تازیانے کی طرح سکندر کے چہرے پر لگی۔ اس نے اپنی ڈھال اوپر اٹھائی اور ذرا جھک گیا اور تیر اندازوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزر گیا، جو حیرت زدہ اس کے کندھوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دوسرے سوار بھی اس کے پیچھے دوڑے لیکن سکندر انہیں نہ دیکھ سکا۔ اس

اثناء میں اس کی ڈھال پر ضربیں لگیں بیوسی فالس اچھلا، سکندر نے گھٹنوں کی گرفت اور مضبوط بنالی، اچانک اسے معلوم ہوا کہ گھوڑے نے لمبی چھلانگ لگائی ہے آدمیوں کا ایک گروہ لڑھکتا ہوا، ادھر ادھر بکھیرا۔اب اسے محسوس ہوا کہ گھوڑا بہت تیز جارہا ہے اس نے شوریدہ سر گھوڑے کو تھامنے کی کوشش کی گردوغبار کے پردے میں سے آدمی نکلے جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے انہوں نے برچھیوں کی قطار کا رخ سکندر کی طرف پھیر دیا۔سکندر نے اپنی ڈھال میں پناہ لی۔اس اثناء میں سیاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔لڑکھڑا کر سنبھلا اور بدستور دوڑنے لگا سامنے دو زخمی پیٹھ جوڑے بیٹھے تھے انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے گویا کچھ اشارے کر رہے تھے۔

آخر سکندر نے گھوڑے پر قابو پایا اور اسے روکا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ندی کے کنارے کی جھاڑیوں میں پہنچا ہوا ہے وہاں شور تو اس کے کان میں پہنچ رہا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اسے سخت پیاس لگ رہی تھی گھوڑے سے اترا باگ اپنی کلائی پر لپیٹی اور زمین پر لیٹ کر پانی پیا، نیز اپنا سر دھولیا۔پھر وہ آنکھیں پونچھتا ہوا اٹھا تو بیوسی فالس بھی پاس ہی پانی پی رہا تھا گھوڑا پانی پی چکا تو سکندر نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اس کا خوف زائل ہو چکا تھا لیکن وہ آگے بڑھنا نہ چاہتا تھا البتہ جھاڑیوں سے پرے آدمی بھی بول رہے تھے اور گاڑیاں چلنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں اس نے دیکھا کہ فضا کا رنگ بدل رہا ہے سورج کی چکا چوند باقی نہیں رہی بادل چھا رہے ہیں اور اس وجہ سے پہاڑی کی چوٹی پر اندھیرا اچھل رہا ہے وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور جھاڑیوں میں سے باہر نکلا ایک باغیچے میں سے ہوتا ہوا آگے بڑھا تو سنگ مرمر کا ایک مندر ملا، جہاں بہت سے آدمی انبار در انبار بے حس و حرکت پڑے تھے۔اس نے یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ کتنا وقت گزر چکا ہوگا لیکن ناکام رہا یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس سراسیمگی زدہ سرزمین میں لڑائی ختم ہو چکی تھی جا بجا صرف آگ نظر آرہی تھی جو پہرے داروں نے جلا رکھی تھی۔

یکا یک کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی ذرا لنگڑا کر چلتا ہوا کچھ ڈھونڈ رہا ہے ایک زخمی سپاہی

کی آواز سنی تو اس کی بات سننے کے لئے ذرا جھک گیا اس کے ساتھ ساتھ مسلح سپر برداروں کا ایک جیش بڑی ترتیب سے چل رہا تھا سکندر ذرا قریب پہنچا تو پہچان لیا کہ یہ تو میرا باپ فیلقوس ہے باپ نے دیکھا تو کہا ''قادر و توانا دیوتاؤں کی حمد ہو'' یہ کہتے ہی اس نے سکندر کو گلے سے لگالیا اور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا کہ جسم پر کوئی ضرب تو نہیں لگی پھر بولا: ''فلوٹس قسم کھا کر کہتا تھا کہ تم گاؤں میں اس طرح گم ہوئے گویا شیطان تمہیں اٹھا کر لے گیا۔ سب لوگ تمہاری لاش تلاش کرتے پھرتے تھے اب تم سلامت مل گئے اور میں شکرانے میں سونا ڈلفی کے مندر کی نذر کروں گا۔''

اس نے خوب شراب پی رکھی تھی یکا یک ایک قسم کھائی اور کہا ''بیٹا! یہ تو بتاؤ تم حکم پہنچے بغیر سواروں کی رجمنٹ سے آگے کیوں نکل گئے؟ میں نے پارمینیو کو پیش قدمی کا کوئی حکم نہیں دیا تھا پیش قدمی کا وہ وقت بھی نہ تھا سوار کہتے ہیں کہ ہم نے فلوٹس کی پیروی کی اور فلوٹس کہتا ہے کہ میں تمہارے پیچھے روانہ ہوا۔ بھلا تمہارے کان میں شیطان نے کیا پھونک دیا تھا؟''

سکندر: مجھے کچھ معلوم نہیں میں ڈر گیا تھا

فیلقوس نے بیٹے کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ شراب کی بو اس کے سانس میں بسی ہوئی تھی پھر بولا ''ڈر گئے۔ یہ کیا کہتے ہو؟ یہ کہو کہ کاٹیرونیا کے ٹیلے پر ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ پارمینیو کی شکل ایسی نظر آتی تھی جیسے کوئی بھوت ہو۔ مجھ پر بھی گھبراہٹ طاری تھی جہاں جنگ ہو وہاں اس قسم کے حالات پیش آتے ہی رہتے ہیں بس یہ ضروری ہے کہ جب تک مقصد پورا نہ ہو جائے دماغ کو گھبراہٹ سے محفوظ رکھا جائے۔۔۔۔''

سکندر کو ڈر تھا کہ باپ خفا ہوگا اس کی زبان سے حوصلہ افزا باتیں سن کر وہ مطمئن ہو گیا معلوم ہوتا ہے شاہ بلوط کے جنگل میں سکندر کو جو تجربہ ہوا تھا فیلقوس نے اس کا اندازہ کر لیا تھا پھر فیلقوس اندھیرے میں ادھر ادھر نظر ڈالتا ہوا لعن طعن کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ چند گھنٹوں میں بہت سے آدمی مارے گئے غلطی یہ ہوئی کہ میرے رسالے نے جنگ کا پانسا

پلٹنے سے پیشتر ہلہ بول دیا۔

اس نے سکندر کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں لاشوں کو پھاندتا ہوا آگے بڑھا لعن طعن بدستور جاری تھا زبان بدستور درشت گوئی کے تازیانے برسا رہی تھی جو غلطیاں ہوئیں ان کی مذمت کر رہا تھا۔ وہ کہتا تھا میرا منصوبہ یہ تھا کہ تھیز کی سپاہ آگے بڑھی چلی آئے میں نے اس کے سامنے ایک معمولی سی فوج برائے نام کھڑی کر دی تھی جب ایتھنز کے بھاری ہتھیاروں والے دستے بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوئے تو میں اس انتظار میں رکا رہا کہ وہ اپنی فتح مندی کا یقین کرتے ہوئے ترتیب سے بے پرواہو جائیں اس وقت رسالہ خاص کو حملہ کرنا چاہئے تھا معاون رسالہ اور تھسلی کے سوار اس کے ساتھ ہوتے۔

سکندر کو وہ لمحہ کبھی فراموش نہ ہوا، جب فیلقوس اسے ڈھلان پر لے گیا جہاں سپاہی لاشوں میں ہتھیار تلاش کر رہے تھے اگرچہ وہ شراب میں بدمست تھا لیکن اس کے دماغ پر شراب کا کوئی اثر نہ تھا اس نے بتایا کہ تھیز کی سپاہ یہاں کھڑی تھی۔ جب میری عمر اتنی تھی جتنی اب تمہاری ہے تو انہیں قواعد کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ وہ اہل ایتھنز کی طرح تتر بتر نہ ہوئے اور ہمیں مجبور ہو کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنا پڑا۔۔۔۔ ان گونگے بدمعاشوں کے جسم لوہے کے معلوم ہوتے تھے۔

اندھیرے میں لنگڑاتے ہوئے چلتے چلتے فیلقوس نے گنگنانا شروع کر دیا پھر نہایت عمدہ یونانی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ غور سے سنا تو ڈیماستھینز کے ایک خطبے کے چند فقرے تھے جو اس نے حفظ کر رکھے تھے یعنی:

ہماری مرزبوم کے سرچشموں کے پاس، ان دریاؤں کے پاس جو ہماری زمینوں کو سیراب کرتے ہیں، ان پہاڑوں کے پاس جن کی وجہ سے ہمارے گھر بار محفوظ ہیں۔۔۔

شہرہ آفاق خطیب کی ڈھال بھی مل گئی جس پر ''بختیار'' ثبت تھا لوگوں نے بیان کیا کہ ڈیماستھنیز کے ساتھی بھاگے تو وہ خود بھی اپنے ہتھیار پھینک کر بے بسی کی حالت میں

کاٹیرونیا کی وادی سے بھاگ نکلا۔ بعد میں ایتھنز والوں نے اس سے بہ اصرار درخواست کی کہ عوام کے سامنے کوئی خطبہ دو۔ڈیما ستھنیز نے انکار کردیا اور کہا کہ جو کچھ کہنا تھا وہ کاٹیرونیا کہہ چکا ہے اب میرے بولنے کے لئے کون سی گنجائش باقی رہ گئی ہے۔

8

کاٹیرونیا کی تباہی خیز شکست اہل ایتھنز کے لئے ایک خوفناک ضرب تھی پھر جب انہوں نے سنا کہ شاہ مقدونیہ نے تھبز پر قبضہ کرلیا ہے اوراس کی حفاظت کے لئے اپنی فوج بٹھا دی ہے تو ہراس سے ان پر رعشہ طاری ہوگیا اب ان کی خواہش یہ تھی کہ فیلقوس کو مطمئن کرنے کے لئے ڈیما ستھنیز کواس کے حوالے کردیں جس کا زور خطابت جنگ کی انگیخت کا موجب بنا تھا چنانچہ ڈیما ستھنیز بازار میں نکلا تو ہر طرف سے اس پر آوازے کسے گئے اور اسے زہریلا سانپ قرار دیا گیا سیاسی خطیبوں نے اکابر کو بتایا کہ ڈیما ستھنیز کی تقریروں سے چراغ مطالعہ کے دھوئیں کی بو آرہی تھی اس قسم کے ایک آوازے کے جواب میں ڈیما ستھنیز نے کہا کہ میرے چراغ مطالعہ کا دھواں اتنا بدبودار نہیں جتنا کہ تمہارا ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر سب حیران ہوگئے کہ فیلقوس نے ایتھنز کی عظیم الشان جمہوریت سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کیا۔اس شہر کے لئے اس کے دل میں ناقابل بیان احترام موجزن تھا۔ جسے بالا حصار 9 سے زیب و زینت حاصل تھی۔ وہ اس شہر کا ویسا ہی قدردان تھا جیسے پہاڑی علاقوں کے رہنے والے دوسرے کم تہذیب یافتہ لوگ قدردان تھے اس نے جابجا خیر سگالی کے وفود ارسال کردیئے سکندر اور ہفاسشن کو ایتھنز بھیجا گیا موقعے سے فائدہ اٹھا کر سکندر نے بڑے شوق سے ایتھنز کے تمام مشہور مقامات دیکھے تعلیم یافتہ لوگوں کے ہجوم میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا چنانچہ اس نے آریوپیگس 10 کی قدیم پہاڑی دیکھی۔ ٹھنڈی راتوں میں ڈیونی سوس 11 کے تھیٹر میں نشست گاہوں کی مرمریں قطار کے سامنے بیٹھا جن کے بازو بڑے خوبصورت بنے ہوئے تھے مشعلوں کی روشنی سے منور

باغوں میں خوش مذاق طوائفوں کے ساتھ سیاسیات پر گفتگو کی، جنہیں بحری تجارت کے متعلق ہر قسم کی معلومات نوک زبان تھی۔ سوفسطائیوں کے مہذب خیالات سے استفادہ کیا۔ مصر قدیم کی عجیب وغریب کہانیاں سنیں، جہاں ابوالہول 12 کی زبان پر پیش گوئیاں جاری رہتی تھیں۔

مقدونوی نوجوان یعنی سکندر نے لی سیم 13 میں افلاطون کے شاگردوں سے بھی چلتے پھرتے بات چیت کی لی سیم کا نام لائی کوس 14 کے نام رکھا گیا تھا جو بھیڑیا تھا اس موقع پر ہغا اسٹن نے خوش طبعی کے انداز میں سکندر سے کہا دیکھئے یہاں انسانی ارتقا کا پورا نقشہ کھلا پڑا ہے بھیڑے نے ہیرو کی شکل اختیار کی، ہیرو فلسفی بن گیا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ارتقا کی اگلی منزل کیا ہوگی۔

پھر سکندر پارتھی 15 نان کے نیچے پہاڑی پر شہری کونسل کے ممبروں کے پاس بیٹھا تو ہغا اسٹن ان مدبروں کی بات چیت سے بالکل متاثر نہ ہوا اس نے کہا: ''یہ لوگ اپنے گزارے کے لئے خزانہ عامہ سے خیرات وصول کرتے ہیں اور یہاں دن بھر بیٹھے بحثیں کرتے رہتے ہیں کہ اپنے متعلق انہیں کیا کرنا چاہئے'' لیکن یقین ہے کہ سکندر کو اپنے درشت خو اتالیق ارسطو کا یہ قول یاد آ گیا ہوگا کہ اہل ایتھنز مثالی نظام حکومت کی تلاش میں حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں اور وہ بے سروپا خیالات سے گم ہو گئے ہیں۔

سکندر ان سفید ریش بزرگوں سے بھی ملا جو سفوکلیز 16 سے ہنسی مذاق کر چکے تھے او رجنہوں نے یوری پائیڈیز کے ڈرامے نمائش کی پہلی رات میں دیکھے تھے مثلاً ٹرویا ڈیز 17 اس ڈرامے میں عورتوں اور قوام مردوں کی کہانی ڈرامے کی شکل میں پیش کی گئی تھی لاابالی ارسٹوفینز نے اپنے ڈرامے کی لی سٹر ٹیا 18 فوراً اس کا خاکہ اڑایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایتھنز کی عورتیں اپنے خیالات میں مردوں سے زیادہ تجدد وپسند تھیں وہ بات بات میں دوسروں کے حکیمانہ اقوام پیش کرتی رہتیں۔ مثلاً ایک نے کہا جب میں دیکھتی ہوں کہ دیوتاؤں نے مجھے اس درجہ دولت مند بنا دیا ہے تو پھر مجھے ان کی مصلحتوں سے تعرض کی کیا

ضرورت ہے۔

یہ تعلیم یافتہ عورتیں بڑی خوش گوار بلکہ اعلیٰ رفیق تھیں وہ اپنی خوشیوں کو غیر مہذب مقدونیوں سے چھپاتیں کیونکہ ان پر آشکارا ہو چکا تھا کہ یہ پہاڑی لوگ اگرچہ زیادہ دولت مند نہیں لیکن یونان میں سب سے بڑھ کر با اثر بن رہے ہیں۔

سکندر کو بچے کہیں کھیلتے ہوئے نظر نہ آئے ہفا اسشن نے اس کا سبب یہ بتایا کہ اہل ایتھنز پسند نہیں کرتے ان کے بچے ادھر ادھر دوڑتے پھریں، روٹی کے لئے بھیک مانگیں اور ہر آنے والے کو ''ابا جان'' کہہ کر پکاریں لوگ کثرت اولاد کے خواہاں بھی نہیں اور اسقاط پر کاربند ہیں جو حال ہی کی ایجاد ہے۔ یہ طرز عمل اچھا ہو یا برا لیکن اس سے آبادی بڑھنے نہیں پاتی، ہماری عورتوں کا معاملہ دوسرا ہے وہ میانے اور ڈولیاں استعمال کرتی ہیں آپ نے تھائیس 19 نام لڑکی دیکھی اسے بچہ پیدا ہونے کا خیال کیسے آ سکتا ہے؟ وہ خود بچہ ہے۔

ہفا اسشن کو طوائفوں کے اثر و رسوخ میں کوئی مضائقہ محسوس نہ ہوتا وہ کہتا تھا کہ دیکھئے میں نے بھی اپنا جسم بیچ ڈالا ہے لیکن کیا حاصل کیا؟ سخت ضربیں لگاتا ہوں اور ویسے ہی ضربیں کھاتا ہوں یہ طوائفیں بھی اپنے جسم بیچتیں ہیں اور لوگوں کے لئے تعلیم کے مواقع بہم پہنچاتی ہیں۔

ایتھنز بعض اور خصوصیتوں میں بھی پیلا سے مختلف تھا وہاں دولت کی ریل پیل تھی محاصل بھی بہت زیادہ وصول کئے جاتے تھے محکوم جزیروں سے خراج بھی وصول ہوتا تھا اور بحری تجارت بھی خوب عروج پر تھی۔ دولت کی فراوانی ہی کے باعث شہر کی سڑکیں اور بازار کشادہ اور سایہ دار تھے اور بڑی بڑی پبلک عمارتیں بن گئی تھیں دکانوں کے سامنے ہر وقت چاندی کے سکوں کی جھنکار سنی جاتی تھی پیلا کے مقابلے میں یہاں چیزوں کی قیمتیں بہت گراں تھیں بندرگاہ میں تجارتی جہاز کھڑے تھے جن پر سے غلہ اتارا جا رہا تھا یہ غلہ بحیرہ اسود کی بندرگاہوں سے آتا تھا دور افتادہ جزیروں سے مختلف چیزیں آتی تھیں مثلاً سیاہ فام

اور سفید فام غلام نیز مختلف قسم کی دھاتیں اور لکڑی جو عمارتیں ساحل بحر پر واقع تھیں ان میں سے شراب کی تیز بو اڑتی رہتی تھی ارسطو نے سکندر کو سکھا دیا تھا کہ جب کوئی نیا منظر دیکھو تو اس کے اسباب پر غور کرو۔ چنانچہ سکندر نے بھی بہت جلد معلوم کر لیا کہ دولت کی ریل پیل ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قیمتی کا نتیجہ ہے مال اسباب کے نرخ اونچے ہو رہے ہیں مزدوری ارزاں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد بیروزگار پھر رہی ہے اور باہر سے غلام بکثرت پہنچ رہے ہیں۔ نیز ایتھنز اپنی نئی صنعتوں کے لئے مشرقی جانب کے دورافتادہ جزیروں سے اور ساحل ایشیا سے خام مال لا رہا ہے۔ دولت کی ریل پیل ہی نے خانہ جنگی کے دور سے تین نسل بعد ایتھنز میں امرا کا نیا گروہ پیدا کر دیا۔

بازار آدمیوں سے بھرے رہتے تھے لیکن سکندر کو ہر بازار سے ایتھینا دیوی کا عظیم الشان مجسمہ صاف نظر آ رہا تھا جو سونے اور ہاتھی دانت سے بنایا گیا تھا اور نیل گوں آسمان کے نیچے اس کا نظارہ بہت دلکش معلوم ہوتا تھا اس کے مقابلے میں وہ اپنے شہر کی قربان گاہ میں دیوتاؤں کے چھوٹے چھوٹے بتوں کا تصور کرتا تو اسے بڑی شرم محسوس ہوتی۔ ایتھنز میں اسے بہت سے آدمی ملے جو ایسوکریٹیز 20 سے گفتگوئیں کر چکے تھیں وہ سو سال کی عمر پا کر پچھلے ہی سال فوت ہوا تھا اس نے بھی ڈیماستھنیز کی طرح اپنی عمر ایک مثالی جمہوری نظام کی تلاش میں بسر کر دی تھی لیکن ڈیماستھنیز کے برعکس اس کا عقیدہ یہ تھا کہ یونان کی شہری ریاستوں پر زوال وانحطاط کا دور طاری ہو چکا ہے۔

اہل ایتھنز ایسوکریٹیز کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے بھلا ہم زوال کے کیوں کر قائل ہو جائیں جب اعداد وشمار سے ظاہر ہے کہ ایتھنز کی تجارت اتنی وسیع کبھی نہ ہوئی تھی جتنی اب ہے۔ اتنی نو آبادیاں بھی اس کے پاس کبھی تھیں البتہ ان کی بندرگاہوں کی تجارت ہاتھ سے نکل چکی ہے جن پر اہل مقدونیہ نے قبضہ جما لیا ہے آبادی کے اعداد چاندی کے محفوظ انبار سکولوں اور شہری عمارتوں کا شمار غرض ہر شے ایسوکریٹیز کے خیال کی تردید کر رہی ہے وہ کہتے کہ ایسوکریٹیز کے ذہن میں اس عہد کا نقشہ جما ہوا تھا جب

ہمارے بہت سے آدمی کھیتی باڑی کرتے تھے اور موجودہ دور کی صنعت و حرفت نے چنداں ترقی نہ کی تھی بس اسی نقشے کی بنا پر بڑھاپے میں زوال وانحطاط کا حکم لگاتا رہا سپارٹا، ایتھنز، آرگوش، ڈلفی، کارنتھ اور تھیز ان سب کے درمیان پہلے اقتدار اعلیٰ کے لئے پھر تجارت کے لئے کشمکش جاری رہی۔ اب ان تمام ریاستوں میں دولتمندوں اور مزدوروں کے درمیان تنازعات شروع ہو چکے ہیں ایسوکریٹیز کا دعویٰ اسی دلیل پر مبنی تھا کہا جاتا ہے کہ اس نے کاٹیرونیا میں شکست کی خبر سنی تو اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور طبعی موت نہیں مرا بلکہ خودکشی کی۔

اس بوڑھے فلسفی نے شہری ریاستوں کو اس بناء پر مجرم قرار دیا تھا کہ جنگ سلیمس پر ایک صدی سے بھی زیادہ مدت گزر چکی تو انہوں نے ایرانی قوت کے سامنے جھکنا قبول کر لیا وہ کہتا تھا کہ ایرانیوں کے تدبر اور دولت نے وہ فتح حاصل کی جوان کے بیڑے اور فوجیں سلیمس اور پلاٹیا میں حاصل نہ کر سکے طاقتور ایرانیوں نے سپارٹا کو ترغیب دے کر باہمی امداد کے معاہدے پر دستخط حاصل کر لئے یونانیوں نے ایشیا میں جونوآبادیاں قائم کیں تھیں وہ بھی ایرانی سلطنت کے زیر اقتدار چلی گئیں ایرانی بیڑے سمندروں پر چھائے ہوئے ہیں اور ایرانی زرومال ایتھنز کی مجلس منتظمہ کے انتخابات میں بھی استعمال ہوتا ہے کہتا تھا کہ ان حالات میں یونانی شہری ریاستیں اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتیں جب تک متحد ہو کر ایشیائی سلطنت کے سنہری جوئے سے آزادی حاصل نہ کر لیں۔ ان کا فرض ہے کہ ایران کے خلاف کھلم کھلا جنگ کریں۔ اپنی فوجیں سمندر میں سے گزار کر ایشیا پہنچیں اور اپنی نوآبادیوں کو آزاد کرائیں۔ اگر یونانی اپنی جمہوریتوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی قدیم میراث حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تو اس کی صورت یہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

ایسوکریٹیز کو اس حقیقت کے اعتراف میں تامل نہ تھا کہ ممکن ہے ایشیائی جنگ کے لئے اتحاد کے سلسلے میں فیلقوس شاہ مقدونیہ کی سرداری قبول کر لینا ناگزیر ہو جائے۔ اسے

یونانیوں سے بہت قریبی تعلق ہے اور تنہا وہی ہے جو ایسی جنگ کا نظم ونسق سنبھال سکتا ہے۔ ایسوکریٹیز کی یہ رائے اہل ایتھنز کو خوب یاد تھی کاٹیرونیا کی جنگ کے بعد فیلقوس نے تھیبز پر قبضہ کرلیا تھا لیکن ایتھنز کا اقتدار بحال رکھا۔ اس خوشی میں انہوں نے فیلقوس کو ایتھنز کا شہری قرار دے دیا تھا وہ ایسوکریٹیز کے تمام انتباہات بھول گئے صرف یہ آخری مشورہ یاد رکھا کہ فیلقوس کی سرداری منظور کرلی جائے چنانچہ جب خوفناک مقدونوی فوج کی جگہ سکندر اور اس کے رفیق ایتھنز پہنچے تو اہل شہر نے فیلقوس کے ہونہار بیٹے کی خوب آؤ بھگت کی صرف ڈیماستھنیز کے دوست کہتے تھے کہ بھیڑیئے کا بچہ بھی بہر حال بھیڑیا ہی ہوتا ہے۔

فیلقوس نے جنگ کاٹیرونیا کے بعد اپنے بیٹے کو خیر سگالی کا قاصد بنا کر بھیجا تو یہ تدبر کا حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ اسے اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے معلوم ہو چکا تھا کہ حریف شہریوں کو ابھی تک اپنے اعمال کا جائزہ لینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اس نے فوراً کارنتھ میں ایک مجلس شوریٰ کے انعقاد کا اعلان کردیا اور تمام یونان کے شہروں کو نمائندے بھیجنے کی دعوت دے دی، اس مجلس میں جو مسائل پیش کیے، فیلقوس نے انہیں توجہ سے سنا اور ہر ایک مسئلے کا حل بتا دیا ان میں اتحاد و اتفاق ناپید تھا فیلقوس نے سپارٹا کو چھوڑ کر تمام شہروں کی ایک جمعیت بنا دی جس کا نام ''جمعیت متحدہ یونان'' رکھا گیا۔ اس جمعیت کی ایک مجلس منتظمہ قائم کردی گئی فیلقوس نے اعلان کردیا کہ دوران جنگ کے سوا میں مجلس منتظمہ کے کسی بھی کام میں دخل نہ دوں گا۔ ہر شہری ریاست کے نظام حکمت اس کی نجی جائیدادوں اور حقوق کی حفاظت کا اقرار کرلیا۔ کسی شہر پر خراج کی بھی کوئی رقم عائد نہ کی۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ریاستوں کے درمیان کوئی خطرناک اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے متعلق مذہبی کونسل کو فیصلے کی مجاز تسلیم کرلیا جائے۔

فیلقوس نے ایسوکریٹیز کا نقشہ عمل بھی منظور کرلیا۔ اس نے کہا کہ میں متحدہ یونانی فوج کو ساتھ لے کر ایرانیوں سے جنگ کروں گا۔ سمندروں کو ان کے قبضے سے چھڑا لوں گا۔

یونانی نوآبادیوں کو آزادی دلاؤں گا اور یونان کے حقیقی جاہ وجلال کو بحال کردوں گا۔ میں مقدونیہ کے بادشاہ کی حیثیت میں نہیں، بلکہ یونانیوں کے سپہ سالار کی حیثیت میں کام کروں گا میں ہر شہر کو دعوت دوں گا کہ وہ رضا کار پیادہ فوج بھیج دے صرف سپارٹا کو مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ اس نے ایرانیوں سے حلیفی کا عہد نامہ کرلیا ہے۔ اہل سپارٹا نے خود بھی نئی ''جمعیت متحدہ یونان'' میں شامل ہونے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہمیں ہمیشہ سرداری کا منصب حاصل رہا ہے اور ہم کسی غیر کی سرداری قبول نہیں کرسکتے۔

تمام یونانی نمائندوں نے اس بنا پر فیلقوس کا نقشہ عمل منظور کرلیا کہ انہیں فاتح کو کچھ دینا نہ پڑا تھا۔ ان کا کوئی نقصان بھی نہ تھا البتہ وقار و اقتدار حاصل کرلینے کے امکانات موجود تھے اور یونان کی عظمت بحال ہوتی تھی سکندر بھی کارنتھ کی مجلس میں شریک تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے باپ کو یونان کا نجات دہندہ اور وقت کا سب سے بڑا مدبر قرار دیا گیا۔ کارنتھ کی مجلس کا فیصلہ ڈیماستھنیز نے سنا تو وہ خود بخود شہر چھوڑ کر جلاوطنی کے لئے تیار ہوگیا۔ اس نے کہا میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں لیکن یونانی جمہوریت کے خاتمے کا شاہد نہیں بن سکتا۔

فیلقوس نے غور و مشورہ کے بعد ہر شہر کے حصہ کی فوج مقرر کردی اور اعلان کیا کہ میں آئندہ سال درہ دنیال کی طرف پیش قدمی کروں گا اور ہر شہر کی فوج کو شاہراہ عام پر آکر میرے ساتھ شامل ہوجانا چاہیے اس نے اپنے افسر خاص پارمینیو کو ابتدائی فوج دے کر آگے بھیج دیا تاکہ آبنائے کے ایشیائی ساحل پر قدم گاہ کا بندوبست کرے۔ سکندر کو اس نے اپنے پاس رکھا تاکہ وہ تدبر گزاریوں سے آگاہ رہے اور اپنے ضعیف العقل بیٹے ارہی ڈالیس کو بھی ساتھ کردیا تاکہ اس کی شادی ایشیائی ساحل پر بسنے والے ایک معمولی امیر کی بیٹی سے کردی جائے۔

اب فیلقوس بالکل مطمئن ہوگیا اس لئے کہ کاٹیرونیا میں جو جانیں تلف ہوئی تھیں ان کی تلافی گفت وشنید کے ذریعے سے کارنتھ میں ہوگئی تھی جو یونانی وہاں جمع ہوئے تھے

انہیں ہم خیال بنالینا بدرجہا بڑی کامیابی کا مرقع تھا۔اس طرح مقدونیہ کی سلطنت کا پایہ پوری طرح استوار ہو چکا تھا الہامی دوراندیشی سے یہ سب کچھ انجام دے لینے کے بعد فیلقوس پیلا پہنچا اور عیش و راحت میں مصروف ہو گیا اہل مقدونیہ کو بھی اس نے جشن منانے کی اجازت دے دی کامیابی وفیروزمندی کی اس ساعت عروج میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اس وقت لوگوں کو پتھیا کی کاہنہ کی یہ پیش گوئی یاد آئی کہ کاٹیرونیا کے میدان میں مفتوح روئیں گے اور فاتح مارا جائے گا۔

اولمپیاس کو جب یہ اطلاع مل گئی کہ ملکہ نہیں رہی تو وہ اپنے ذاتی نوکروں کو ساتھ لے کر ایک الگ مکان میں چلی گئی جو قبرستان کے نزدیک واقع تھا مقصد یہ تھا کہ فیلقوس اور اس کی نئی بیوی سے ملنے کا کوئی نہ آئے۔وہاں پہنچتے ہی اس نے تمام ریشمی لباس اتار دیئے اور ایک سیاہ بالا پوش پہن لیا ہر وقت اون کاتتی رہتی اور گھنٹوں اپنے چرخے کے سامنے چپ چاپ بیٹھی رہتی باہر نکلتی تو پردہ دار میانے میں نکلتی تا کہ پیلا کے بازاروں میں کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔اگرچہ میانے کو دیکھتے ہی ہر شخص کی توجہ اس کی طرف ہو جاتی لوگ اس بات پر بڑے حیران ہوتے تھے کہ اپی رس کی جس شاہزادی نے ملکہ ہونے کی حیثیت میں الگ تھلگ رہنا قبول نہ کیا وہ طلاق پاتے ہی کیوں کر نقاب پوش بن گئی ٹہلنے کے لئے نکلتی تو صرف رات کے وقت اور صرف قبرستان میں ٹہلتی جب رات کی تاریکی ہر طرف خوب چھا جاتی اور اپنے مکان کی کھڑکی میں بیٹھ کر وہ باہر کی طرف دیکھتی تو نظر آتا کہ ہر جانب سے لوگوں کا ہجوم پیلا پہنچ رہا ہے مثلاً سور 21 یا قرطاجنہ 22 کے تاجر جنگی سامان لے کر آتے، بربری قبائل اپنے سفیر بھیجتے، یونانی طوائفیں اور کارندے بھی بکثرت آتے غرض ایک سال کے اندر اندر فیلقوس کا دربار پورے یونان کا مرکز بن گیا اولمپیاس اپنے ابتدائی دور میں ایسی ہی فتح و کامرانی کا تصور کیا کرتی تھی اپنے بیٹے کے سامنے اس نے گردش دوراں کی کبھی شکایت نہ کی، زیادہ سے زیادہ کہا تو یہ کہ تقدیر جن لوگوں کو کامیابی کی سربلندی عطا کرتی ہے انہیں نیچے بھی گرا دیتی ہے اب سکندر کے سوا اس کی امید گاہ کوئی

نہ تھی۔ اسے خوف تھا تو یہ کہ فیلقوس شراب پی کر جو سختیاں کیا کرتا تھا ان سے سکندر کو محفوظ رکھنے کے لئے خود کچھ نہ کرسکتی تھی اون کاتتے ہوئے سکندر سے کہتی جب تم میرے بطن میں تھے تو میں نے ایک بڑے دیوتا کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ تمہاری حفاظت کا فرض کبھی فراموش نہ کروں گی۔

نئی ملکہ قلوپطرہ کے رشتے داروں کا طرز عمل بہت گستاخانہ ہو گیا تھا وہ بار بار سکندر کو سمجھاتی کہ ان لوگوں سے بچے رہنا۔ سنا جاتا تھا کہ قلوپطرہ کو بچہ ہونے والا ہے وہ سمجھتی کہ اسی کا خاندان پیلا کا مالک ومختار بن جائے گا سکندر کو اپنی جوشیلی ماں کی یہ نرمی بڑی ہی عجیب معلوم ہوتی وہ ہمیشہ کہتی مجھے تمہاری جان کا خوف ہے۔

سکندر نے دیکھا کہ فیلقوس پہلے شیر کے تاج والے بنچ پر جشنوں میں اکیلا بیٹھتا تھا اب وہ قلوپطرہ کے چچا اطالوس کو پاس بٹھالیتا۔ اطالوس شراب سے بدمست ہو جانے کے بعد یاوہ گوئی پر اتر آتا فیلقوس کی یہ حالت تھی کہ شراب کی بدمستی میں بھی کسی کو اندازہ نہ ہوتا اس نے پی رکھی ہے اطالوس ہمیشہ تلخ کلامی سے سکندر کو آزردہ کر دیتا۔ فیلقوس سب کچھ چپ چاپ سنتا رہتا۔ اطالوس کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ سکندر شراب پینے سے احتراز کرتا۔ وہ کہتا کہ تم بڑے دیوتا زیوس کے سامنے قربانی کے لئے جاتے ہو تو شراب انڈیلنے میں تمہیں تامل نہیں ہوتا۔ خود پینے سے کیوں انکاری ہو؟ ایک شب اس نے اپنا بھرا ہوا ساغر اٹھاتے ہوئے کہا: ''کاش! قلوپطرہ فیلقوس کے لئے ایک بیٹا جنے جو گدی کا جائز وارث ہوگا۔''

یہ سنتے ہی سکندر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اسے ایسا معلوم ہوا کہ اطالوس بہ ایں ریش وفش اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شراب کا جو پیالہ اس کے سامنے بھرا ہوا تھا وہ اٹھا کر اطالوس پر مارا اور ادھر ادھر ہتھیار تلاش کرنے لگا۔ ساتھ ہی زوردار الفاظ میں گرجا: ''تم مجھے ناجائز اولاد قرار دیتے ہو؟'' ہتھیار کوئی نہ ملا سکندر میز پر چڑھ گیا اور اطالوس پر لپکا دفعتاً فیلقوس نے اپنے محافظ سپاہی سے تلوار لے لی اور اپنے بیٹے کو روک دیا اس افراتفری میں بہ

حالت مدہوشی پتھر کے فرش پر گیا سکندر غصے سے کانپ رہا تھا اس نے باپ کو بے چارگی کی حالت میں گرا ہوا دیکھا تو اسے پھلانگتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی حاضرین سے مخاطب ہو کر اس نے کہا: ''تم یہ امید لگائے بیٹھے ہو کہ یہ شخص قائد بن کر تمہیں ایشیا لے جائے گا جو ایک نشست گاہ سے اٹھ کر دوسری نشست گاہ تک نہیں جا سکتا؟'' سب کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے سکندر کا باپ آہستہ آہستہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا سکندر ہال سے باہر نکل گیا اور راہداروں میں سے ہوتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا وہ معمول کے مطابق چرخہ کات رہی تھی۔

سکندر نے ایک گھنٹے کے اندر اندر سفر کی تیاری کر لی ماں کو ایک خادمہ کے ساتھ گاڑی میں بٹھایا خود اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے ساتھ چلا اور ایپی رس کے جنگل کا راستہ لے لیا۔

ماں کو پرانے خاندانی مکان میں ٹھہرا کر وہ شمالی سمت کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ اولمپیاس سے الگ رہ کر وہ پیلا کے واقعہ، شبینہ کو فراموش کر سکے گا۔ اولمپیاس تو جو بات سن لیتی تھی اس کے پیچھے پڑ جاتی تھی وہ اہل مقدونیہ سے رو در رو ہونے کا خواہاں نہ تھا۔ اس اثنا میں پیلا سے قاصد پہنچ گئے جنہوں نے باپ کا خط اس کے حوالے کیا۔ فیلقوس نے اس خط میں لکھا تھا: ''یونانی مشیر مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ جب تم اپنے گھر کے لوگوں کو اکٹھا نہیں رکھ سکتے تو نئی جمعیت متحدہ یونان کے فرائض سے کیوں کر عہدہ برآ ہو سکو گے میں چاہتا ہو کہ میرا بیٹا سکندر واپس آ جائے اور فوج میں اپنا عہدہ سنبھال لے۔''

سکندر نے اس امر کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا تو اس نے بھی جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا یہ حالت دیکھ کر سکندر کو بڑی حیرت ہوئی حقیقت یہ ہے اولمپیاس کو فیلقوس کے خط پر بھروسا نہ تھا وہ کہتی تھی کہ جس شخص کو اس کے سپاہی روباہ صفت بتاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر خطرناک اس وقت ہوتا ہے جب اپنی روش کو حد درجہ دوستانہ بنا لیتا ہے لیکن ساتھ

ہی کہتی تھی کہ بیٹا تمہیں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے مجھے یقین ہے کہ آسمانی طاقتیں تمہاری محافظ ہیں جس طرح وہ ایکی لیز کی محافظ تھیں وہ ہر خطرے سے تمہیں بچائیں گی تم ان طاقتوں پر بھروسا رکھو جو انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

سکندر پیلا پہنچا تو فیلقوس نے اس انداز میں اس کا استقبال کیا گویا کوئی خاص واقعہ پیش بھی نہ آیا تھا۔ فوراً اس کے ساتھ منجنیقوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے گاڑیاں تیار کرانے کے متعلق بات چیت شروع کر دی جو دیاوس نے ایشیائی مہموں کے لئے تیار کی تھیں اولیپیاس کی رائے تھی کہ یہ جنگی سرگرمیاں محض ایک فریب ہیں فیلقوس کی عادت ہے کہ وہ جس امر پر کھلم کھلا بحث کرتا رہتا ہے ہمیشہ اس کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یونان میں ابھی تک پوری طرح اطمینان بخش حالت پیدا ہوئی تھی پھر وہ اسے چھوڑ کر ایشیا جانے کے لئے کیوں تیار ہو گیا؟ میں سمجھتی ہوں کہ اس بہانے سے وہ سکندر کو الگ کرنا چاہتا ہے یعنی اس کی خواہش ہے کہ سکندر منجنیقوں کو لے کر پارمینیو کے پاس چلا جائے۔ فیلقوس اسے کم از کم اس وقت تک ضرور دور رکھنا چاہتا ہے جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ قلوپطرہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے کہ بیٹی۔

بطلیموس کے دل میں بھی تشویش پیدا ہوئی اس نے سکندر سے کہا کہ دیکھو بھائی تمہارے ضعیف العقل سوتیلے بھائی کی شادی سرزمین مشرق کے ایک حاکم کے گھر ہو رہی ہے تمہاری سوتیلی بہن کی نسبت یہاں ایک شہزادے سے ٹھہر گئی ہے لیکن تمہاری شادی کے متعلق فیلقوس کو کوئی خیال نہیں تمہیں صرف اس لئے پاس رکھنے پر مجبور ہے کہ عام لوگ اور سپاہی جنگ کاٹیرونیا کے بعد سے تمہیں بہت پسند کرنے لگے ہیں تمہاری وجہ سے انہیں فتح کی خوش نصیبی حاصل ہوئی تھی۔

سکندر کے دل میں بھی اس بات سے تشویش پیدا ہو گئی اگرچہ وہ اس کی مصلحت کو نہ سمجھتا تھا۔ پھر اسے یہ بھی خیال تھا کہ اس کی ماں کوئی خوفناک حرکت نہ کر بیٹھے لہٰذا اس نے خود خفیہ ساز باز کر کے اپنے ایک ساتھی کو بھیج دیا کہ ارہی ڈائس کی جگہ مشرقی گورنر کی

بیٹی سے شادی کر لے اسے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ فیلقوس نہ اسے باہر بھیجے گا اور نہ اس کی خفیہ تدبیر کو معاف کرے گا لیکن اپنے مشیروں کی رائے پر عمل پیرا ہو کر اسے فی الجملہ اطمینان ہو گا۔

لیکن اس کے ساتھی کی واپسی سے پیشتر سازش کا راز فیلقوس پر آشکارا ہو گیا وہ ایک روز لنگڑاتا ہوا سکندر کے کمرے میں پہنچا فیلوٹس اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا چپ چاپ بیٹھ گیا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا فیلوٹس دروازے پر کھڑا ہو گیا گویا پہلے ہی سے اسے پہرہ داری کے لئے حکم مل چکا تھا اس وقت فیلقوس پر شراب کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ تکان کی کیفیت طاری تھی اس نے ایک نظر کتابوں پر ڈالی، رات کو روشن ہونے والے چراغ دیکھے سامنے بعض نامکمل نقشے پڑے تھے آخر فیلقوس نے کہا بابا تم یہ بچپن کی باتیں کب چھوڑو گے؟ دوسرے لوگوں کی تحریری اور یاوہ گوئیوں سے اپنے دماغ کو بھر لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ جب کسی آدمی کے پاؤں کی چاپ سنتے ہو یا کسی کو شراب کا گھونٹ پیتے دیکھتے ہو تو بچھڑے کی طرح ہنہنانے لگتے ہو (پھر بڑے ملائم انداز میں کہا) دوزخ کے لینڈی کتوں کی قسم، کاش میں تمہارے لئے اتالیق مقرر نہ کرتا لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ سنو! ارہی ڈائس میرے لئے ایک ناقابل حل مسئلہ بن گیا تھا میں چاہتا تھا کہ کہیں دور اس کی شادی کر دوں تم کسی روز پارمینیو کے ساتھ فوج کی کمان کرو گے میری آرزو تھی کہ تم مسائل کو سمجھنے اور لوگوں پر قابو پانے کے قابل ہو جاؤ۔ یہ باتیں آرفیس کی طرح شیریں گیت گانے یا ریاضی کے چکروں میں پڑے رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتیں یہ بھی ممکن نہیں اس انتظار میں بیٹھے رہو کہ کوئی دیوتا یکایک اسٹیج پر آ کر تمہارا مددگار بن جائے گا جیسا کہ المیہ ڈراموں میں ہوتا ہے۔۔۔۔

سکندر بالکل خاموش بیٹھا تھا فیلقوس کو ایسا معلوم ہوا گویا وہ ایک ضدی طالب علم کو لیکچر پلا رہا ہے۔ وہ اس کے دل میں اتر جانا چاہتا تھا لیکن بڑے بھونڈے انداز میں بولا:

''اب فکرمندی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ میرے جسم کے چپے چپے پر زخم لگے ہوئے

ہیں میں ان کا عادی ہو چکا ہوں۔''

بس یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گیا اس وقت سکندر کو یقین ہو گیا کہ فیلقوس اسے الگ نہیں کرنا چاہتا چند گھنٹے بعد بطلیموس ہرپالوس اور نیارکس کے نام فرمان جاری ہو گیا کہ وہ پیلا سے نکل جائیں اور باہر جا کر ٹھہریں اس طرح سکندر اپنے جگری دوستوں کی صحبت سے محروم ہو گیا۔

پھر جب اس کی سوتیلی بہن کی شادی ہوئی تو سکندر نے دیکھا کہ شاہی خاندان کے افراد خاموش اینٹی پیٹر نیز مقدونیہ کے دوسرے بڑے بڑے امراء کس شان سے آئی گائی کے شاہی محل کے نیم شکستہ عمارت میں جمع ہو گئے ہیں ان کے محافظ دستے باہر کھڑے تھے شہنائیاں بج رہی تھیں وہ خود چند افسروں کے ساتھ ہال کے قریب انتظار میں کھڑا تھا یکا یک باجوں کی آواز آئی وہ اس امر کا اعلان تھا کہ فیلقوس آ رہا ہے مگر انہوں نے اسے ان گھڑ پتھر کے دروازوں سے آتے نہ دیکھا۔ باجے بدستور بجتے رہے اور لوگ پیچھے ہٹ کر بادشاہ کے لئے راستہ بناتے رہے۔ عین اس اثناء میں فیلقوس چلتے چلتے گھٹنوں کے بل گرا۔ ایک برہنہ سر آدمی نے چیختے ہوئے اس کی پشت میں خنجر گھونپ دیا جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆

چوتھا باب :: پہاڑ اور تھیبز

فیلقوس کے داغ داغ بدن سے جس لمحے روح نے مفارقت کی اسی لمحہ مقدونیہ کی حقیقی حیثیت ختم ہوگئی صورتحال یہ نہ تھی کہ جہاز کا کپتان چھن گیا تھا بلکہ یہ تھی کہ جو جہاز کنارے پر تعمیر ہو رہا تھا اس کا بنانے والا گم ہو چکا تھا اس لئے کہ ایمن تاس کا بیٹا فیلقوس ہی مقدونوی قبائل کا دل و دماغ تھا وہی ان سے منظم طریق پر کام لے سکتا تھا وہی ان کا سپہ سالار تھا اور اسی کے پاس آخری فیصلے کے لئے ان کے مقدمات پیش ہوتے تھے مقدونیہ میں کوئی ایسی مجلس شوریٰ نہ تھی جو اس کے چھوڑے ہوئے کام کو سنبھال سکتی کوئی تجربہ کار وزیر موجود نہ تھا جو حکومت کا کاروبار لشتم پشتم چلا سکتا اور فیلقوس نے کسی کو اپنا جانشین بھی نامزد نہ کیا تھا۔ مستقبل کے متعلق اس کا لائحہ عمل بھی سراسر غیر متعین تھا۔ اس کی احتیاط کوشی کا یہ عالم تھا کہ معاونوں کو اپنی تجاویز سے آگاہ رکھنے کی بجائے دشمنوں کو فریب دینے میں زیادہ سرگرم رہتا تھا۔

واقعہ قتل کے دوسرے ہی دن آئی گائی اور پیلا سے فونیقی تجارتی کوٹھیوں کے کارندے، یونان کی شہری حکومتوں کے نمائندے، باہر سے آنے والے قاصدوں کے ہرکارے، لیرا اور تھریس کے بربری قبائل کے جاسوس، چپ چاپ کھسک گئے اور اپنے اپنے مرکزوں میں یہ خبر پہنچا دی کہ مقدونیہ کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔

پیلا میں شاہی خاندان کے کلاں تر افراد مختلف قبیلوں کے رئیس اور فوج کے سپہ سالار جمع ہوئے پرانا قبائلی طریقہ یہ تھا کہ وہ سب لوگ باہم غور و مشورے سے واقعہ قتل کے مجرم کا مسئلہ طے کرتے انٹی پیٹر اور یک چشم انٹی گوس نے اس اجتماع کی صدارت کے فرائض انجام دیئے تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ قتل کا ذمہ دار پاسنیاس نام ایک نوجوان مقدونوی تھا اسے آئی گائی کے محل کے صحن میں تماشائیوں نے فی الفور قتل کر دیا تھا۔ چھان بین میں یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ پاسنیاس کو اطالوی اور قلوپطرہ کے آدمیوں نے سخت ایذائیں دیں تھیں شراب پی چکنے کے بعد برسرعام اس کے کپڑے اتارے گئے اور اسے

حد درجہ ذلیل وخوار کیا گیا۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پاسنیاس اطالوس سے بدلہ لینے کے لئے ایک ایک شخص کے پاس درخواست گزار ہوا فلیقوس نے بھی اس کی درخواست ٹھکرا دی تو وہ اولمپیاس اور سکندر کے پاس پہنچا سکندر کا بیان یہ تھا کہ میں نے پاسنیاس سے گفتگو کئے بغیر یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا تھا کہ مجھے اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں اس نے یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ خنجر پاسنیاس کو نہیں دیا تھا جس سے اس نے قتل کا ارتکاب کیا لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا تھی کہ کسی نہ کسی شخص نے اس نیم دیوانے نوجوان کو فیلقوس پر حملے کے لئے انگیخت دی تھی پاسنیاس سکندر کے اس حلقہ رفقاء سے متعلق تھا جن میں سے بعض کو فیلقوس جلا وطن کر چکا تھا سکندر اپنے باپ سے کھلم کھلا جھگڑ چکا تھا سب جانتے تھے کہ وہ مزاج کی تیزی کے اعتبار سے جلد بے لگام ہو جاتا ہے پھر واقعہ قتل کے وقت وہ قریب کھڑا تھا قلوپطرہ کے بطن سے لڑکا تولد ہوا تھا اور سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ کسی بھی وقت متلون مزاج سکندر کے حق وراثت کو ختم کر سکے گا۔

تفتیش کرنے والے لوگوں نے اولمپیاس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اس لئے کہ وہ اپی اس کی کاہنہ اور شہزادی تھی نیز فیلقوس کی بیوہ اور سکندر کی ماں، یقیناً اس پر قتل کی انگیخت کا شبہ کیا جاتا تھا نوکر چاکر بتاتے تھے کہ اولمپیاس کے پاس جب فیلقوس کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے زیر لب کچھ ایسے الفاظ کہے ”شوہر پر باپ پر اور نئی بیوی پر“ یہ الفاظ یوریپڈیس کے ایک ڈرامے سے لئے گئے تھے لیکن ان کا کچھ مطلب نہ نکلتا تھا اور نہ کسی بھی لحاظ سے انہیں شہادت سمجھا جا سکتا تھا بس یہاں پہنچ کر تحقیق و تفتیش ختم ہو گئی۔ قبائلی ضابطوں کے مطابق یہ امر طے شدہ تھا کہ اگر شاہی خاندان کا کوئی فرد دوسرے فرد پر حملہ کرے تو اس کا فیصلہ شاہی خاندان کے افراد یا جرنیل نہ کر سکتے تھے اور نہ بدلہ دلا سکتے تھے ان لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ فیلقوس کے خاندان میں قتل کے واقعات پہلے بھی ہوتے رہے۔ فیلقوس کی ماں یوری ڈائس 2 بدکار عورت تھی اور وہ اپنے بڑے بھائی پرڈیکاس 3 کے قتل کا انتظام کرا چکی تھی اہل مقدونیہ کا ایک گروہ سکندر کو مجرم ٹھہراتا تھا۔

اطالوس اس گروہ کا سرپنچ تھا اکثر لوگوں کا احساس یہ تھا کہ اولمپیاس نے پاسی نیاس کو برانگیختہ کر کے فیلقوس پر حملہ کرایا بعدازاں یہ احساس یقین کے درجے کو پہنچ گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس خنجر کا ہدف اطالوس بننے والا تھا اس کا رخ فیلقوس کی طرف پھیر دیا گیا خود سکندر قتل کے باب میں کچھ نہ بتاتا تھا۔

قبائلی کونسل جرم قتل کے مسئلے کا فیصلہ یوں کر چکی تو مقدونیہ کے لئے نئے حکمران کی نامزدگی کا معاملہ سامنے آیا۔ فیلقوس کی وفات کے بعد کسی نہ کسی کو حکمران نہ بنایا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ بڑے بڑے قبیلے ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی پہاڑی خلوت گاہوں میں جا بیٹھتے اور ان کے اتحاد کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔ سپہ سالار فیلقوس کے نظم ونسق کا سررشتہ سنبھال سکتے تھے لیکن فوج اور خصوصاً سپاہیوں کے نقطہ نگاہ سے ضروری تھا کہ کسی ایسے شخص کو حکومت کا رئیس بنا لیا جاتا جس کی رگوں میں فیلقوس کا خون دوڑ رہا تھا سہولت اس میں تھی کہ ضعیف العقل ارہی ڈائس کو مہرہ بنا لیا جاتا یا اس سے بڑے بیٹے ایمشاس کو بادشاہ تسلیم کر لیا جاتا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ قلوپطرہ کے نومولود بیٹے کو بادشاہ نامزد کر کے اینٹی پیٹر اور اینٹی گونس کو نائب السلطنت کا عہدہ دے دیا جاتا۔ بہر حال سکندر کو جانشین بنانے کے خلاف متعدد اعتراضات تھے مثلاً یہ افواہ کہ سکندر فیلقوس کا بیٹا نہ تھا یا مطالعے میں اس کا انہماک اور عام لوگوں سے میل جول میں بیزاری، نیز فوجوں کی کمانداری میں ناتجربہ کاری، پھر فیلقوس کے قتل سے خونی انتقام کا دروازہ کھل گیا تھا اور قبائلی نظام میں اس قسم کے واقعات مزید خونریزی کا باعث ہو سکتے تھے۔

پرانے سپہ سالاروں کا اصرار تھا کہ فیصلہ فوراً کیا جائے اور سب اس کے پابند ہو جائیں تمام مخالف دلائل کے باوجود فیصلہ سکندر کے حق میں ہوا اینٹی پیٹر اور اینٹی گونس اس کے مطالعہ گاہ میں پہنچے اس نے مطالعہ چھوڑ کر انہیں بیٹھنے کے لئے کہا لیکن وہ بدستور کھڑے رہے اور فوج کے فیصلے سے اسے آگاہ کیا انہوں نے کہا کہ فیلقوس نے کسی کو جانشین نامزد نہ کیا تھا لیکن اپنے بست سالہ بیٹے سکندر کو فوجی عہدہ دے دیا تھا کائی رونیا

کے میدان میں اس نے اپنا فرض احسن طریقے پر ادا کیا اور اسی کو مقدونیہ کا بادشاہ تجویز کیا گیا ہے۔

گاناگوں صلاحیتوں کا مالک اور سب سے بڑھ کر قابل سپہ سالار پارمینیو فیلقوس کے قتل کی خبر سنتے ہی مشرقی سرحد سے پیلا پہنچا تو اس نے اپنے ہم شہریوں کے فیصلے کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا۔ غالباً ان تین بڑے سپہ سالاروں کا احساس یہ تھا کہ مقدونوی فوج نوجوان سکندر کو اگر دیوتاؤں کی اولاد نہیں سمجھتی تو ان کا محبوب ضرور مانتی ہے کسانوں او رپہاڑی لوگوں کی یہ فوج کسی ایسے شخص کو سر عسکر تسلیم نہ کرے گی جس پر وہ مطمئن نہ ہو۔ انہیں یہ خیال بھی ہو گا کہ سکندر مطالعے میں غرق رہتا ہے اور ملک کے کاروبار میں مداخلت نہ کرے گا تین سپہ سالاروں میں سے اینٹی گونس سرکش اور حریص تھا۔ اینٹی پیٹر وفاداری کا پیکر تھا اور اسے احکام کی تعمیل کے سوا کسی امر سے سروکار نہ تھا۔ پارمینیو غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر ان دونوں کے درمیان اتصالی کڑی کا کام دیتا تھا۔

تینوں سپہ سالار اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فیلقوس کی موت نے مقدونیہ کی قوت کو یونانیوں کے پھیلتے ہوئے وفاق کی ایک چھوٹی سی حکومت بنا دیا ہے سکندر پر بھی یہ حقیقت بہت جلد آشکارا ہو گئی اس چھوٹی سی سلطنت کے تینوں جانب جو پہاڑی قبیلے رہتے تھے وہ فی الفور علیحدگی کر کے سابقہ آزادی کے مالک بن گئے ان سے آگے ڈینیوب کے ساتھ ساتھ بربری سلٹ آباد تھے، جو ترکتازی کرتے ہوئے ساحل بحر تک پہنچ جانا چاہتے تھے بالکل یہی حالت خانہ بدوش ستھی قبائل کی تھی یونان کی شہری ریاستوں نے جمعیت متحدہ یونان سے بے تامل علیحدگی اختیار کر لی ایتھنز میں فیلقوس کی موت پر جشن منایا گیا حالانکہ صرف ایک سال پیشتر اسے ایتھنز کی شہریت کے حقوق دیئے گئے تھے ایشیا سے سونے کا بھرا ہوا جہاز ایتھنز کے امیروں کے پاس پہنچا ڈیماستھنیز دوبارہ یونانی جمہوریت کی تحریک کا قائد بن گیا۔

فوجی افسروں کو اپنے حقیقی وسائل کا پورا اندازہ تھا وہ جانتے تھے کہ فیلقوس خطرے پر

خطرہ مول لیتا رہا اور اس نے اپنی ہنر مندی سے کام لے کر سپہ سالار اعظم کے پردے میں یونانی شہری ریاستوں کی قیادت سنبھال لی تھی، لیکن اب یہ قیادت کوئی ٹھوس نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ نہ سپہ سالار اعظم باقی تھا اور نہ اتحاد یونان کا کوئی وجود نظر آتا تھا بلا شبہ یونانیوں کو مقدونوی فوج کی کمزوری کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا دور اندیش فیلقوس نے اپنی نقل و حرکت کی تیزی سے کسی غیر ملکی جاسوس کو یہ موقع ہی نہ دیا تھا کہ اس کی فوج کے صحیح اعداد معلوم کر لے لیکن مقدونوی سپہ سالار جانتے تھے کہ اصل فوج جس میں امراء اور معاونین شامل ہیں، سترہ اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں اور جو جیش اس فوج میں شامل تھے مثلاً تھسلی کا رسالہ یا اگریانو کے جنگجو یا اور چھوٹی چھوٹی رجمنٹیں تو وہ سب فیلقوس کی شان قیادت کی بنا پر شامل ہو گئے تھے اب ان کے ساتھ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا خزانے کی حالت مسلح فوج کے مقابلے میں بھی زیادہ اضطراب انگیز تھی سونا اور سکے مل ملا کر مقدار میں ستر ٹیلنٹ سے زیادہ نہ تھے اور تیرہ سو ٹیلنٹ کے برابر رقم واجب الادا تھی فیلقوس کی امیدوں کا انحصار اس امر پر تھا کہ ایشیائی ساحل کے زرخیز اور دولت مند علاقوں سے بے اندازہ نئے محاصل ہاتھ آ جائیں گے اسی بنا پر وہ جوا کھیلتا رہا تھا۔ اب یہ صورت تھی کہ پیلا میں دو مہینے کے مصارف بھی پورے کرنے کے لئے روپیہ نہ تھا بہ الفاظ دیگر فیلقوس نے عظیم الشان سلطنت پیدا کرنے کے لئے جوا کھیلا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو اپنے پیچھے ابتدائی مقدونوی بادشاہی کو بھی سخت خطرات میں محصور چھوڑ گیا۔

اس نازک صورت حالات میں ارسطو نے بھی سپہ سالاروں سے اتفاق کیا کہ سب سے پہلا کام سرکش قبائل کو مطیع کرنا ہے چنانچہ سکندر اس مقصد کو سامنے رکھ کر فی الفور فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا اور پیلا کا انتظام اینٹی پیٹر کے حوالے کر گیا۔ وہ جرنیلوں کے ساتھ روانہ ہوا تو دل پر تذبذب طاری تھا سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جن ذمہ داریوں کو فیلقوس بے پروایانہ اٹھائے پھرتا تھا ان سے کیونکر عہدہ برآ ہو۔ مطالعے کی جس دنیا میں اس نے زندگی کے بیشتر اوقات گزارے تھے وہ چھن چکی تھی۔ پھر کبھی اسے نہ ملی، ڈیماستھنیز نے تعریضاً

کہا اب طالب علم تکمیل علم کی منزل میں داخل ہو گیا۔

سکندر طبعاً شرمیلا تھا، وہ ہر وقت اپنے خیالات میں گم رہتا۔ جو شخص بھی سامنے آجاتا اس پر بھروسا کر لیتا رفیقوں کی رائے پر عمل پیرا ہوتا۔ اب تک وہ خیال کی دنیا میں زندگی گزارتا رہا تھا جس میں افق کے پرے شہر آباد تھے پھر پہاڑوں کے اونچے سلسلے قائم تھے جن میں مہربان دیوتا رہتے تھے اس خوابی دنیا کی تلاش میں وہ ارسطو کے نقش قدم پر چلتا رہا اور چاہتا تھا کہ انسانی ارتقاء کے مطالعے میں وہ منزلیں طے کر لے جہاں کسی کا قدم نہ پہنچا تھا۔ ڈیماستھیز کے علم سے بے شک چراغ مطالعہ کی بو آرہی تھی لیکن وہ عام چراغ نہ تھا اس ایک پہلو کو چھوڑ کر سکندر میں اور کوئی بات ایسی نہ تھی جسے غیر طبعی سمجھا جاتا۔ ہفا اسشن اور بطلیموس کی بھی یہی حالت تھی ان دونوں کی رگوں میں بھی شاہی خون دوڑ رہا تھا البتہ وہ زیادہ اولوالعزم تھے انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا اور وضع و ہیئت میں زیادہ متناسب تھے۔

غرض سکندر نے بیس سال کی عمر میں اپنی زندگی کا حقیقی سفر شروع کیا اور ایک سال کے اندر اندر اس کی کایا پلٹ گئی۔ وہ صاحب عزم بن گیا ہر مشورے کو اندھا دھند صحیح نہ سمجھتا۔ خطرات کے ہجوم میں بے تکلف گھس جاتا اور پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنے وطن سے باہر نکل کر فوجوں کی قیادت کرتا ہوا ایشیا پہنچے گا آئندہ سال اس نے اپنے اندر ایک غیر معمولی قیادت کی صلاحیت پیدا کر لی یہ صلاحیت اجنبی سرزمینوں اور نادیدہ سمندروں میں نہایت اہم احوال و وقائع کی تشکیل کرنے والی تھی۔ اور اس کا ارادہ وہ کارنامے انجام دینے کے لئے پختہ ہو چکا تھا جو اس سے پہلے کسی نے انجام نہ دیئے تھے۔

رہا یہ سوال کہ ایک سال کی مختصر سی مدت میں کن اثرات اور کن احوال وظروف نے اس کے افکار و خیالات کو نئی راہوں اور نئی گزرگاہوں میں پہنچایا تو اس بارے میں ہماری معلومات بہت فرومایہ ہیں یقیناً پہلا سے اس کے پاس بہت جلد مختلف اموات کی خبریں پہنچیں اس کے رشتے دار ایمشاس کو زہر دیا گیا قلوپطرہ کے شیر خوار بچے کا گلا گھونٹ دیا

گیا۔ یہ دو یوں راستے سے ہٹ گئے تو اب ضعیف العقل ارہی ڈائس کے سوا کوئی مرد باقی نہ رہا جس کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا قیاس یہ ہے کہ اولمپیاس کے سوا کوئی اور وجود ان دو موتوں کا خواہاں نہ ہو سکتا تھا سکندر کو اولمپیاس کے یہ الفاظ یاد تھے کہ انتقام کی بجلی ''باپ پر'' شوہر پر اور نئی بیوی پر گرنی چاہئے پھر وہ مجبوری کے سوا کبھی پیلا واپس نہ گیا اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ مقدونیہ کا یہ نیا دار الحکومت شاہی محل اس کا دشمن ہے اور اس کا ذرہ ذرہ خطرات سے لبریز ہے۔

ہائی مس 4 پہاڑ کی چوٹی کے پاس جو بلند وادیاں تھیں مقدونوی فوج ان میں سے تیزی کے ساتھ گزرتی ہوئی بربری قبائل کے پاس پہنچ گئی جو گھات میں بیٹھے ہوئے حملہ آور فوج کی تعداد کا اندازہ کر رہے تھے اور اس منظم فوج کو ختم کر دینے کے درپے تھے جو انہیں میدانی علاقوں میں لوٹ مار سے روک دینا چاہتی تھی سکندر کو اپنے فوجی افسروں کے ساتھ ایسے گھنے جنگلوں میں سے گزرنا پڑا جہاں کوئی بھی چھپ کر انہیں تیر کا نشانہ بنا سکتا تھا اس پر واضح ہو چکا تھا کہ ایسے خطرناک سفر میں کوئی اسے وقت پر خبردار بھی نہ کر سکے گا گرد و پیش کے لوگ وحشی جانوروں کی طرح بے درد تھے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ وہ کس وقت کون سا قدم اٹھائیں گے انہیں صرف تنظیم اور قوت ہی کے بل پر قابو میں رکھا جا سکتا تھا ان میں سے بعض رضا کارانہ فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

قدم قدم پر ایسی سخت چپقلش پیش آئیں جیسے بھیڑیوں کے غول نے ہلہ بول دیا ہو، ایک درے کے قریب پہنچے تو طلایہ گرد سوار یہ خبر لائے کہ قبائلی لوگ ایک جگہ گاڑیوں کی دیوار کو آڑ بنا کر جمے بیٹھے ہیں وہ ڈھلان کے بالائی حصے میں ہیں ادھر سے فوجی دستہ پیش قدمی کرے گا تو وہ گاڑیوں کو لڑھکا دیں گے اور دستہ پس کر تباہ ہو جائے گا اگر ہم نے بکھر کر حملہ کیا تو گاڑیوں کی آڑ پر قابو نہ پا سکیں گے چونکہ سکندر فوج کے ساتھ تھا اس لئے کمانداز نے عرض کیا کہ آپ جو حکم مناسب سمجھیں دے دیں۔

سکندر نے دیکھا کہ پانسو جانبازوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی ہیں اور ایسے وقت میں

تذبذب خارج از بحث تھا۔ اگر وہاں ٹھہر کر زیادہ تجربہ کار کماندار کے پہنچنے کا انتظار کیا جاتا تو سکندر کی طرف سے یہ صریح نا قابلیت کا اعتراف ہوتا لہٰذا اس مشکل کا جو حل فوری طور پر اس کے دماغ میں آیا اسی کے مطابق حکم جاری کر دیا۔ اس نے کہا تم پیش قدمی کرو اگر دشمن گاڑیاں لڑھکائے تو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بٹ جاؤ اور ان سے بچنے کی تدبیر اختیار کرو، گاڑیاں ان دستوں کے بیچ میں سے نیچے چلی آئیں گی جو آدمی پھرتی سے ادھر ادھر ہو کر بچ نہ سکیں وہ زمین پر لیٹ جائیں اور اپنی ڈھالیں پشتوں پر رکھ لیں گاڑیاں ڈھالوں پر سے گزر جائیں گی۔

اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ حکم سنتے ہی فوج نے پیش قدمی شروع کر دی لڑائیوں کے طویل تجربات نے انہیں خطرات کے مقابلے کا عادی بنا دیا تھا وہ ہر اس حکم کی تعمیل کے لئے تیار رہتے تھے جو ان کے افسر صورت حال کا جائزہ لے چکنے کے بعد صادر کر دیتے تھے سکندر کی تیز دماغی نے تمام ممکنات کا جائزہ لے لیا تھا لہٰذا فوج بڑے استقلال سے آگے بڑھی چوٹی سے گاڑیوں کا ریلا نیچے کی طرف آیا۔ صف بندی ٹوٹ گئی جو لوگ زمین پر لیٹ گئے تھے ان کی ڈھالوں کے اوپر سے گاڑیاں گزر گئیں اگرچہ انہیں بڑا نقصان پہنچا تھا تاہم وہ اٹھے اور از سر نو صف بندی کر لی بعد ازاں سکندر نے کبھی یہ حکم نہ دیا کہ زمین پر لیٹ کر گاڑیوں کو اپنے اوپر سے گزار دو۔ تاہم غنیم کے جو جتھے پہاڑ پر جمے کھڑے تھے انہوں نے فوج کو بدستور پیش قدمی کرتے دیکھا تو سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے اور آس پاس جنگلوں میں گھس گئے۔

پارمینیو اور دوسرے سن رسیدہ سپہ سالاروں کی کیفیت دیکھ کر نیز تجربات کی بنا پر سکندر نے جان لیا کہ میدان جنگ میں ہر فیصلہ بے تامل کر لینا چاہئے جیشوں کے کماندار راتوں کے اندھیرے میں حملے کرتے دریاؤں کو عبور کر کے چھاپے مارتے بعض اوقات کسی کو اطلاع دیئے بغیر مسلسل دو دو دن کوچ کرتے رہتے اور اچانک کسی شہر کے سامنے پہنچ جاتے غرض وہ مسلسل حرکت میں رہتے اور کسی ناظر کو معلوم نہ ہونے دیتے کہ ان کی

آئندہ منزل کہاں ہو گی قبائلی علاقوں میں سے گزرتے ہوئے وہ ڈینیوب پر پہنچ گئے جہاں ان کے پہنچنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ دریا پر صرف بازنطینی جہاز نظر آئے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور رات کی تاریکی میں فوج کو ان پر سوار کر کے دریا عبور کر لیا گیا سکندر ساتھ تھا فوج گندم کے کھیتوں میں سے گزری، جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکتا تھا ستاروں کی روشنی میں اس نے راستہ ڈھونڈا اضطراب کی فراوانی زمین کی نمی اور دھند لکے کے باعث ایک ایک سپاہی کانپ رہا تھا طلوع کے قریب وہ ایک شہر کے سامنے پہنچ گئے جس کی دیواریں لکڑی کی تھیں اور پورا شہر بے خبر سویا ہوا تھا شہریوں کی آنکھیں کھلیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے گرد مسلح سپاہ کھڑی ہے یقیناً یہ ایک معجزہ تھا سلٹ قبیلے ڈھیل سردار سنہری پیالے اور اپنی بیویوں کے جواہرات تحفے کے طور پر لے کر آئے انہوں نے چمڑے کی برجیس پہن رکھی تھیں اور ران کے بال خوب آراستہ تھے انہوں نے کہا یہ شاہ مقدونیہ کا خراج ہے ہم اس سے بہت ڈرتے ہیں سکندر نے ہنستے ہوئے کہا:

سکندر: ''تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟''

سلٹ سردار: ''صرف ایک بات کا''

سکندر: ''وہ کیا ہے؟''

سلٹ سردار: ''یہ ڈر ہے کہ کہیں آسمان ہم پر نہ آ گرے''

سکندر نے ہفا اسشن سے مخاطب ہو کر کہا ''یہ بہادر تو معلوم ہوتے ہیں مگر بڑے شیخی باز ہیں ہفا اسشن نے جواب دیا ''اکثر آدمی شیخ بازی ہوتے ہیں'' لیکن کارنامے انجام دینے کا حوصلہ رکھنے والے بہت کم ہیں۔''

سکندر کو یاد آ گیا کہ کائی رونیا کی جنگ کے بعد اس کے باپ نے بھی ایسی ہی بات کہی تھی خوف کو دل سے بالکل نکال دینا ممکن نہیں اور فیلقوس کو اپنے علاوہ آدمیوں کی جانیں تلف ہونے کا بھی خوف تھا وہ اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھتا تھا ان کی جانیں خطرے میں ڈالے بغیر جو فائدہ اٹھا سکتا اس کے لئے تدبیریں کرتا رہتا

اسے استحکامات سے نفرت تھی سمندر سے بھی بہت گھبراتا تھا اور دست بدست جنگ سے بچنے کی کوشش کرتا۔ سازشوں، فریب کاریوں اور وعدہ شکنیوں سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں بھی متامل نہ ہوتا۔ پارمینیو کے سوا کسی کماندار کو علم نہ تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیوں کر انجام دے لیتا تھا پارمینیو کو اگرچہ فیلقوس کے طور طریقوں سے آگاہی تھی مگر وہ ان سے کام لے کر ویسے نتیجے پیدا نہ کرسکتا تھا اصل بات یہ ہے کہ سالار اعظمؔ کے اس راز کا حل یقیناً پریشان کن تھا جس طرح ارتقائے حیات کا علم پریشان کن تھا اسے ارسطو نے حل کیا۔ اعلیٰ علم کے حصول اور جزئیات حقیقت پر اعتماد میں ارسطو اور فیلقوس کا استدلال ایک اندازہ کا تھا باقی امور میں وہ ایک دوسرے کی ضد تھے فیلقوس ایسے وجدان کی بنا پر عمل پیرا ہوتا تھا جو غیر معمولی فطری صلاحیت سے مشابہ تھا۔ ارسطو واضح شہادتیں پیش نظر رکھ کر نتیجے پر پہنچتا تھا

سکندر قیادت کے مسئلے پر انتہائی استقلال سے غور کرتا رہا تجربہ کار پارمینیو سے وہ صرف مصلحتیں اور چالیں سیکھ سکا۔ یہ سپہ سالار خاص مقصد کے حصول کے لئے اپنے لشکروں کو غیر معمولی اطمینان سے نقل و حرکت میں رکھتا۔ اصل مقصد کی تکمیل میں اس کا بھروسا صرف مقدونوی فوج کے تجربے اور اعلیٰ نظم و نسق پر تھا۔ یک چشم اینٹی گونس کو فیلقوس کی سی فریب کاریوں کا جوہر عطا ہوا تھا وہ اپنے دشمن پر ہراس طاری کرتا کسی سیاسی کارکن کو رشوت دے لیتا چاپلوسی سے کام لے کر معاہدہ صلح کے لئے گفتگو شروع کرا دیتا۔ اس طرح اچانک دشمن کے قتل عام کے لئے راستہ ہموار کر لیتا وہ کہتا دشمن کے قریب کیوں جاتے ہو؟ اپنی قوت اور ارادوں کو قبل از وقت دشمن پر ظاہر کرنا انتہائی حماقت ہے ان میں سے چند آدمیوں کو اپنے قابو میں لاؤ اور ان کی انتڑیاں نکال دو۔ ہزاروں لوگ مویشی کے گلے کی طرح تمہارے سامنے سے بھاگ نکلیں گے جب وہ بھاگنا شروع کریں تو انہیں خوب قتل کرو یہ صحیح تدبیر ہے خوف کا ایک شعلہ ان میں پھینکو، وہ بھڑک کر آگ کی صورت اختیار کر لے گا اور آگ اصل کام پورا کر دے گی لڑائی میں فیصلہ کن ساعت اس وقت آتی

ہے جب دشمن کے اکثر آدمیوں پر ہراس طاری ہو جائے اور تمہارے آدمیوں کی اکثریت ہراس سے بالکل پاک ہو بس اس ساعت کا انتظار کرنا چاہئے۔

لیکن سکندر کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقدونوی فوج کے بہت تھوڑے آدمیوں کو اینٹی گونس پر اعتماد ہے اگر اس سے تدبیر میں کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ اپنے کو مشکلات سے باہر نکالنے کے لئے پوری رجمنٹ کو بھی قربان کر دینے میں شامل نہ کرتا۔

اگر چہ سکندر احساس اضطراب کے بغیر خطرات کے حلقے میں نہ جا سکتا تھا لیکن اب اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا اب تمام آدمیوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں اور اسکی معمولی سی حرکت بھی ان آدمیوں کو مضطرب کر سکتی تھی یا ہمت وحوصلہ کا پیکر بنا سکتی تھی اس وجہ سے ضروری تھا کہ وہ خود پوری دلجمعی سے ہر قدم اٹھائے چنانچہ اس نے یہ عادت بنالی تھی کہ میدان جنگ میں خود سر پر سے اتار لیتا فوج کے آدمی اسے اس حالت میں دیکھتے تو بالکل مطمئن ہو جاتے اسی طرح جب اس پر تشویش طاری ہوتی تو وہ لوگوں سے باتیں کرتا اور بار بار ہنستا اسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہ تھا، لہٰذا جو کچھ کرنا ہوتا اس پر وقت سے پہلے شاذ ہی غور کرتا۔ اگر چہ اس کا دل ہمیشہ اس فکر میں ڈوبا رہتا کہ کیا پیش آئے گا۔ آہستہ آہستہ تمام سپاہیوں کو اندازہ ہو گیا کہ سنہرے بالوں والا نوجوان بادشاہ سیاہ رنگ بیوی فالس پر سوار ہو کر آئندہ کیا کرے گا اب جہاں کہیں جنگ کی نوبت آتی، سکندر بیوسی فالس پر سوار ہوتا۔

اس زمانے میں اس نے بے پروایانہ سواری کی عادت ڈال لی تھی اس پر آشکار ہو چکا تھا کہ۔۔۔۔۔۔ پہاڑوں میں آہستہ آہستہ چلنے کے بجائے تیز چلنا حفاظت کا بہتر طریقہ ہے۔ مقدونیہ کی پیادہ فوج کے آدمیوں نے پہاڑوں ہی میں پرورش پائی تھی انہیں پہاڑی راستوں پر کوچ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی ایک مرتبہ وہ اپنی فوج کے ساتھ ڈیشیا کی پہاڑیوں پر جا رہا تھا اور آگے بڑھتا بڑھتا ایک ایسی وادی میں پہنچ گیا جو صندوق کی طرح ہر طرف سے بند تھی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر الیریا کے بربری جتھے جمے بیٹھے تھے

انہوں نے سکندر کی فوج کے لئے بچ نکلنے کا راستہ کاٹ ڈالا، خود وہ سکندر کی دسترس سے باہر تھے اس اثنا میں دوسرے قبیلے بھی تیزی کے ساتھ ان بربریوں کے لئے کمک لے آئے پارمینیو اپنے رسالے کے ساتھ وادی سے باہر تھا اس نے ایک زبردست یورش سے سکندر کے لئے بچاؤ کا راستہ پیدا کیا اور اسے محفوظ نکال کر ایک دریا پر لے آیا جہاں فوج کے لئے کوئی خطرہ نہ تھا ہفااسشن نے سکندر کو یقین دلایا کہ لوگ کچھ کہیں، خوش نصیبی تمہارے ساتھ ہے وہ تمہیں کبھی نہ چھوڑے گی ہفااسشن میدان جنگ میں کبھی نہ گھبراتا اگرچہ خطرات میں گھر جاتا۔

اس طرح حالات نے سکندر کو اس کام کے لئے مجبور کر دیا جسے وہ قطعاً پسند نہ کرتا تھا یعنی میدان جنگ میں فوج کی قیادت اپنی بے صلاحیتی اس کے لئے دلی اذیت کا باعث تھی زخمی ہو جانے کے خیال سے وہ بالکل بے پروا ہو چکا تھا اس پر ہر وقت یہ خوف طاری رہتا کہ خدا جانے کس وقت ایک ناقابل معافی غلطی سرزد ہو جائے اور اس کے ساتھی جان لیں کہ جو مجسمہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھڑا کیا تھا اس کے پاؤں مٹی کے تھے اسے یہ بھی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ناکام ہو چکا ہے اور مقدونیہ کی سلطنت پارہ پارہ ہو رہی ہے سپاہیوں کے نزدیک وہ بے خوف اور فاتح قائد کا ایک دل پسند نمونہ تھا جس پر دیوتاؤں کی نگاہ لطف مبذول تھی وہ سوچتا تھا کہ اگر میری کوئی کمزوری ان پر ظاہر ہو گئی تو وہ مذاق اڑائیں گے وہ میرا نقاب پھاڑ دیں گے مجھ پر ہنسیں گے اور کہہ دیں گے کہ جاؤ قائد اولمپیاس تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

اس تشویشناک انجام سے محفوظ رہنے کے لئے وہ پختہ عزم کئے بیٹھا تھا وہ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ ارسطو کی درسگاہ سے باہر پورے مقدونیہ میں کہیں پناہ نہ دے گی اور کوئی اس پر رحم نہ کرے گا۔

شاید تھیبز کی تباہ کاری ہر لحاظ سے ناگزیر تھی لیکن اس نے سکندر کا دل ہلا دیا اور اس المناک واقعہ کی یاد اس کے حافظے سے کبھی محو نہ ہوئی۔ سکندر ابھی ڈلیشیا کے ساحل ہی پر تھا

کہ جنوب کی طرف سے قاصد اس کے پاس آئے اور بتایا کہ ایتھنز کے گرد و پیش نئی جمعیت دفاع تیار ہو رہی ہے خطیبوں نے تھیبز کو اپنا مرکز بنالیا ہے وہ اپنے خطبوں کے ذریعے سے شہریوں کو انگیخت دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اٹھو، اپنی خود مختاری اور آزادی تقریر کے بچاؤ کی خاطر فوج بھرتی کرو اسی زمانے میں افواہ پھیل گئی کہ سکندر الیریا کے جنگلوں میں مارا گیا ہے مقدونیہ کی ایک فوج فلیقوس نے تھیبز کے قلعے میں متعین کی تھی مذکورہ افواہ سنتے ہی اہل تھیبز نے دو مقدونوی افسروں کو قتل کر ڈالا اور قلعے پر ہلہ بول دیا مقدونوی فوج مقابلہ کر رہی تھی اور اہل تھیبز نے سپارٹا والوں کو امداد کے لئے بلالیا تھا جمعیت متحدہ یونان بھی مقدونویوں کے خلاف حرکت میں آ رہی تھی پیلا کے مشیروں کی رائے تھی کہ یونان کی شہری ریاستوں سے صلح کر لینی چاہیے ارسطو کہتا تھا کہ ان شہری ریاستوں کو حسن تدبیر سے اپنے ساتھ ملالینا چاہئے لیکن گفت وشنید میں تاخیر لازم تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو مقدونوی فوج تھیبز کے قلعے میں محصور تھی، موت کے گھاٹ اتر جاتی، حالات پر غور کرتے ہی مقدونوی جرنیل انتہائی تیزی سے تھیبز کی طرف روانہ ہو گئے انہوں نے پہاڑی راستے اختیار کئے تاکہ ان کی روانگی کسی پر ظاہر نہ ہو اور تیرہ دن میں تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے تھیبز جا پہنچے سکندر ان کے ساتھ تھا تھیبز سے باہر قبرستان کے قریب وہ خیمہ زن ہوئے انہیں امید تھی تھیبز کی کمک کے لئے دوسری فوجوں کے پہنچنے سے پیشتر مزاحمتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور محصور مقدونوی فوج کو بچالیا جائے گا۔

خیمہ گاہ کے لئے قبرستان کو منتخب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اہل مقدونیہ لڑائی نہیں کرنا چاہتے لمبے سفر نے فوج کو تھکا دیا تھا پارمینیو چاہتا تھا کہ اسے کچھ دیر آرام کا موقع مل جائے لہٰذا اس نے اپنے قاصد شہر میں بھیج دیئے اور کہا استحکامات سے پیچھے ہٹ جاؤ، محصور فوج کو باہر نکل لینے دو بس ان شرطوں پر صلح ہو سکتی ہے قاصد یہ خبر لائے کہ اہل تھیبز کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پارمینیو اور فلوٹس کو حوالے کر دو تو صلح ہو سکتی ہے۔

سکندر نے شہر کے اردگرد چکر لگایا تو معلوم ہوا کہ لکڑی کی دیواریں ہر طرف کھڑی ہیں اور محاصرے کے سوا تسخیر شہر کی اور کوئی صورت نہیں سنگین قلعہ باہر سے نظر آ رہا تھا جس میں مقدونوی فوج بند تھی اس سکندر نے پرڈیکاس سے پوچھا کہ قلعے تک کیونکر پہنچیں گے؟ پرڈکاس نے بے پروایانہ جواب دیا کہ وقت پر جو تدبیر مناسب نظر آئے گی کرلیں گے۔ ویسے پرڈکاس سمجھتا تھا کہ کسی نہ کسی مقام پر دیوار کو توڑنا ضروری ہے سکندر کے دل میں یہ خیال تھا کہ پرانا شہر ہے اس میں زمانہ گزشتہ کے بہت سے آثار موجود ہیں ہزاروں انسان رہتے ہیں حملہ ہوا تو ان کا کیا بنے گا۔

سکندر یہ دیکھ رہا تھا کہ شہر کے اردگرد کہاں کہاں فوجی دستے بٹھائے گئے ہیں یکا یک اسے خبر ملی کہ پرڈکاس باب اٹیکا کے قریب اچانک حملہ کر کے چوبی دیوار کو پھاند گیا ہے یہ قلعے سے قریب تھا پرڈکاس نے اندر پہنچتے ہی دیوار توڑ کر رکھ دی، سکندر نے اس کی امداد کے لئے تیر انداز بھیج دیئے جب سکندر داخلے کے مقام پر پہنچا تو مقدونوی فوج بازاروں میں دور جا چکی تھی اور آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھ رہی تھی فوراً دوسرے فوجی دستے شہر کے اندر پہنچ گئے تنگ بازاروں میں خونریز جنگ ہوئی سکندر مسلح پیادہ فوج لے کر حملے کے انتظار میں کھڑا تھا پارمینیو کی رائے یہ تھی کہ لمبے نیزوں والے سپاہی تنگ گلیوں میں جا کر کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکیں گے اس اثناء میں پرڈکاس بری طرح زخمی ہو چکا تھا اسے اٹھا کر باہر لائے ساتھ ہی اطلاع ملی کہ تیر اندازوں کا افسر اسی آدمیوں کے ساتھ مارا جا چکا ہے اور مقدونوی فوج پیچھے ہٹ رہی ہے یہ لوگ اس مقام سے باہر نکلے جہاں دیوار توڑی گئی تھیبز کی سپردار پیادہ فوج ان کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اہل تھیبز جوں ہی باہر نکلے سکندر نے اپنی پیادہ فوج کو یورش کا حکم دے دیا لمبے نیزوں والے سپاہیوں کا یہ سیل حرکت میں آیا تو اہل تھیبز کی صفیں ٹوٹ گئیں اب نیزہ برداروں کو پیش قدمی کا حکم ملا وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور جو کچھ ان کے سامنے آیا اسے سیل کی طرح بہاتے ہوئے لے گئے اسی طرح وہ بازاروں میں پہنچ گئے جہاں ہر طرف آدمی ہی

آدمی نظر آتے تھے خانہ بخانہ جنگ ہوئی اب مقدونوی فوج کی پیش قدمی کو کوئی روک نہ سکتا تھا عین اس وقت وہ فوج باہر نکل آئی جو قلعے میں محصور تھی۔ تھیبز کی سپاہ کے لئے ایک بڑی مصیبت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے اس کے آگے پیچھے جمع تھے وہ بڑی بری حالت میں مندر کی طرف پلٹی شہر کی فصیل پر اب کوئی محافظ نہ رہا تھا مقدونیہ کی فوج کے دوسرے دستے بھی یکے بعد دیگرے اندر پہنچے ان میں فوسیس 5 اور پلاٹانیا کے رضا کار بھی شامل تھے جنہیں اہل تھیبز سے دیرینہ دشمنی چلی آرہی تھی اور موقع سے فائدہ اٹھا کر انتقام کے درپے تھے ایک ساعت نہ گزری تھی کہ بازار انسانی گلوں کی قرارگاہ بن گئے اہل تھیبز لڑتے مرتے اور کٹتے تھے جو بھاگ سکے وہ بھاگ نکلے ان کا پیچھا کیا گیا سخت نقصان پہنچایا گیا اور بری طرح لوٹا گیا رات کے وقت تھیبز آگ کی نذر ہو گیا۔

دوسرے دن تھیبز کے کھنڈروں کی دیکھ بھال شروع ہوئی لاشوں کے لئے قبریں کھدوائی گئیں مقتولین چار ہزار سے کم نہ تھے سکندر شہر سے باہر ایک باغ میں جا بیٹھا۔ رجمنٹوں کے کمانداروں کی طرف سے دم بدم اس کے پاس اطلاعیں آرہی تھیں بہت سے سپاہی روپے اور جواہرات کی تلاش میں تھے قیدی گروہ در گروہ لائے جا رہے تھے جو شہر دو دن پیشتر ہر قسم کی چہل پہل سے معمور تھا وہ اب ایک ویران خطے کی شکل اختیار کر چکا تھا اس میں زندگی کا کوئی نشان اس کے سوا نظر نہ آتا تھا کہ مقدونوی سپاہی جگہ جگہ پہرے پر کھڑے تھے بعض کمانداروں نے سکندر کی خدمت میں مبارکباد پیش کی اور عرض کیا بڑے مناسب موقع پر پیادہ فوج کو حملے کا حکم دیا گیا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ ہو سکتا تھا گویا ان کا احساس یہ تھا کہ سکندر نے خوب غور وفکر کے بعد اس وقت کا انتظار کیا جسے اینٹی گونس لڑائی میں حملے کا مناسب وقت قرار دیتا تھا، حالانکہ سکندر نے ایسا کوئی نقشہ عمل نہ بنایا تھا اور نہ وہ اس وقت کوئی نقشہ بنانے کے قابل تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ شہر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنے زخموں کے اندمال کی تدبیر کر سکے یا بالکل تباہ کر دیا جائے، اینٹی گونس اور متعدد دوسرے

کمانداروں کی رائے تھی کہ قلعے کو ڈھا دینا چاہئے اس لئے کہ اس نے دو مرتبہ مقدونوی فوج کا مقابلہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہاں دشمن کے لئے ایک عبرتناک مثال پیش کر دینے کا موقع ہے اس کا اثر دوسرے یونانی شہروں پر بھی پڑے گا۔

جو قیدی اس غرض سے باغ میں لائے گئے تھے کہ ان کے متعلق بادشاہ آخری حکم صادر کر دے ان میں ایک عورت بھی تھی جس نے بڑا اچھا لباس پہن رکھا تھا وہ بے حد خوبصورت تھی اور دو بچے اس کے ساتھ تھے قیدیوں میں وہ سب سے زیادہ مطمئن اور بے فکر نظر آتی تھی اس پر ایک افسر کے قتل کا الزام عائد تھا عجیب بات یہ ہے کہ عورت نے بے تکلف جرم کا اقبال کر لیا اور بتایا کہ افسر تھریس کا ایک بربری تھا وہ میرے گھر میں گھس آیا اور میری بے حرمتی کی پھر اس تلاش میں لگ گیا کہ میں نے کہیں جواہرات تو نہیں چھپا رکھے میں نے اسے بتایا کہ میرے جواہرات باغ کے کنوئیں میں محفوظ ہیں وہ مجھے ساتھ لے کر کنوئیں کے پاس پہنچا تو میں نے موقع پا کر اسے دھکا دے دیا وہ کنوئیں میں گرا تو میں نے سپاہیوں کے پہنچنے سے پیشتر اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔

سکندر: تو کون ہے

عورت: میں تھیا جینس کی بہن ہوں، جو کائی رونیا کے میدان میں تمہاری مخالف فوج کے ایک دستے کا سالار تھا تھیا جینس نے یونان کی آزادی کے لئے اسی میدان میں جان دے دی۔

یہ بیان دے کر عورت اطمینان کے ساتھ موت کا حکم سننے کے لئے تیار ہو گئی سکندر نے حکم دیا کہ اسے رہا کر دیا جائے اور بچوں کے ساتھ محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔

تھیبیز کی اس عورت کا فیصلہ کر چکنے کے بعد اس نے شہر کی تمام عمارتیں ڈھا دینے کا فرمان جاری کر دیا صرف چند عمارتوں کو مستثنیٰ قرار دیا اول مندر، دوم پنڈار شاعر کا مکان نیز ان لوگوں کے گھر جو فیلقوس یا خود اس کے دوست تھے جو لوگ بچ رہے تھے انہیں غلاموں کی حیثیت میں فروخت کرنے کی تاکید کر دی گئی ساتھ ہی کہہ دیا کہ اب کوئی

مقدمہ میرے پاس نہ لایا جائے۔

جمعیت متحدہ یونان کی ایک رکن ریاست یوں تباہ ہوگئی اور ایسی حالت میں تباہ ہوگئی کہ مقدونوی فوج کے وہاں پہنچنے کا کسی کو علم بھی نہ ہو سکا اس واقعہ کو سن کر متلون مزاج اہل ایتھنز دم بخود رہ گئے بغاوت وسرکشی کے شعلے جہاں تھے وہیں افسردہ ہوگئے ایتھنز نے اپنے قاصد سکندر کے پاس بھیج دیئے اور اصرار کیا کہ اس نازک وقت میں یونانی شہروں کی قیادت اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا انہیں نے کہا کہ سکندر کو صرف کارنتھ پہنچ جانا چاہئے جہاں جمعیت متحدہ یونان کی انتظامی کونسل فیلقوس کی طرح اس کے لئے بھی سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں پیشوائی پر آمادہ ہوگی۔

اس سفر میں اینٹی گونس ہر قدم پر اس کا انتہائی احترام کرتا تھیبز پر حملے کے بعد سکندر نے حکم دیا کہ فوج کے نام ہر فرمان صرف میری طرف سے صادر ہوگا۔ اگر غلطیاں بھی ہوں گی تو میں خود کروں گا۔

ایتھنز میں ڈیما ستھنیز کے دوست صلح پسند فریق کی مذمت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ بھیڑیں بھی اپنے محافظ کتوں کو یوں بھیڑیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں لیکن جو نمائندے عجلت سے کارنتھ میں خلیج کے نیلے پانیوں کے کنارے جمع ہوئے تھے انہوں نے سکندر کی پیشوائی کا بڑا پر شکوہ انتظام کیا اور یقین دلایا کہ ایشیا پر حملہ کرنے والی متحدہ یونانی فوج کی قیادت کا اہل اس کے سوا کوئی نہیں ان لوگوں کو کچھ اندازہ نہ تھا کہ نوجوان سپہ سالار اعظم کی رائے کیا ہے خود ان کا احساس یہ تھا کہ اسے ملک سے باہر فوجی فتوحات کے ذریعے سے حاصل ہونے والے جاہ وجلال اور شان وشکوہ کی طرف متوجہ کرنا ہی مصلحت ہے، فلسفیوں نے اسے یقین دلایا کہ ایسو کریٹز اور فیلقوس کی آرزو یہی تھی۔

جب وہ تھیٹر کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک آدمی کو دیکھا جس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے اور ہوا سے بچ کر ایک گوشے میں پتھر پر لیٹا ہوا تھا ساتھیوں نے سکندر کو بتایا کہ یہ دیو جانس 6 ہے جسے تنہائی پسند ہے سکندر خود اس راہب نما شخص کے

پاس پہنچا اور اسے غور سے دیکھتا رہا، جس کے فلسفے کی شہرت عام تھی دیوجانس نے کروٹ بدلی تو سکندر نے پوچھا، کیا میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں؟ دیوجانس نے اس کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا ''ہاں۔۔۔دھوپ چھوڑ دو'' دوسرے لوگ ہنس پڑے سکندر چپ چاپ آگے بڑھ گیا لیکن اسے یاد رہا کہ کارنتھ کی کونسل میں دیوجانس کو صرف دھوپ کی ضرورت تھی۔

کارنتھ میں سمندر کے کنارے تھیٹر میں بیٹھ کر، جو پہاڑی میں واقع تھا، خطیبوں کے خطبے اور مدبروں کی تقریریں سننا بڑا ہی خوشگوار شغل تھا وہ سب اصرار کر رہے تھے کہ آپ کو سکندر کو ایکی لیز کا کردار پھر ادا کرنا چاہیے سمندر کو عبور کر کے ٹرائے پہنچے اس مشعل کو اٹھائے جو فیلقوس کے ہاتھ سے گری تھی اور یونان کا محافظ و حامی کار بن جائے۔

اب اس کے اوضاع تیزی سے بدل رہے تھے تھیبز کی خوفناک حالت یاد آ رہی تھی جہاں پہاڑی والے مندر کے آس پاس قتل و خونریزی سے سابقہ پڑا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ تھیبز میں اس نے دیوتا کے مندر کی بے حرمتی کی اب شہر کا کوئی آدمی اس سے کوئی درخواست کرتا تو فوراً منظور کر لیتا دراصل تھیبز میں اسے انسان دشمنی سے نہیں بلکہ کسی اور ہی چیز سے مقابلہ پیش آیا تھا اور وہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ جو نقصان شہر کو پہنچا چکا ہے اس کی تلافی کر دے۔ اس کی نگاہیں مجمع میں سے تھیبز کی رت کو تلاش کر رہی تھیں اور وہ ملتی نہ تھی بعض فلسفیوں کی رائے تھی کہ سکندر نے متوقع طور پر انتہائی تیزی سے اپنے آپ کوئی جمعیت متحدہ یونان میں فیلقوس کی سالاری کا درجہ حاصل کر لیا یہ کارنامہ اس کے ظلم جور کا نتیجہ تھا حالانکہ فیلقوس ایسے حالات میں دانشمندانہ افہام و تفہیم پر بھروسا کرتا تھا ارسطو کی رائے بھی یہی تھی۔

پانچواں باب :: ٹرائے کا راستہ

اس موسم بہار میں عقد ثریا کے غروب سے ساک رامح کے طلوع تک یونان کے مختلف خطوں میں جو آثار و علائم نمودار ہوئے ان کا ذکر بعد ازاں بہت سے آدمیوں نے کیا اگر چہ اس وقت تک قطعی یقین نہ تھا کہ سکندر شاہ مقدونیہ ایشیا پر یورش کرنے والی فوج کی کمان کرے گا پیلا کی منڈی میں ماہی گیروں نے بارہا بیان کیا کہ ڈلفی کی کاہنہ نے ایشیا پر یورش کے نتیجے میں فتح یا شکست کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کر دیا ہے سکندر نے اس سے بہ اصرار پوچھا تو کاہنہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی ''سکندر تو ہمیشہ اپنے لئے مطلب براری کا راستہ پیدا کر لے گا'' ماہی گیروں کو یقین نہ تھا کہ یہ پیش گوئی صحیح ہے یا غلط ہے یہ بھی یقین نہ تھا کہ سکندر واقعی فیلقوس کا بیٹا ہے جو اولمپیاس ساحرہ کے بطن سے پیدا ہوا اور اس معنی میں اسے حقیقی بادشاہ سمجھنا چاہئے یا وہ سب سے بڑے دیوتا کا بیٹا ہے وہ کہتے تھے کہ دیکھو سکندر نے تھیبز کی عظیم الشان قوت کو تین دن میں ریزہ ریزہ کر ڈالا اب اس عظیم الشان شہر کی جگہ یا تو خون سے لبریز گڑھے ہیں، جن پر مکھیاں بھنک رہی ہیں یا کوئلے کے انبار ہیں یا سنگ مرمر کے ٹکڑے جا بجا بکھرے پڑے ہیں ایکی لیز نے دیوتاؤں کی مدد سے ٹرائے کے ساتھ جو سلوک کیا تھا تھیبز کے ساتھ سکندر کا سلوک اس سے بدر جہا زیادہ ہولناک اور دہشت انگیز تھا۔

سطح مرتفع میں بسنے والے مقدونوی کسان بھی اپنے اس بادشاہ کی کیفیت پر متعجب تھے، جسے قدرت نے ہرقل کا سا حسن اور ہرقل کی سی قوت عطا کی تھی وہ اپنا سر ایک طرف جھکائے رکھتا ان کی باتیں غور سے سنتا آنکھوں سے توجہ اور دوستی ٹپکتی انہیں بتایا کہ گھوڑے بیمار ہو جائیں تو علاج کے طریقے کیا ہیں اور خود انہیں بخار آ جائے تو کس طرح پھلوں کا پانی اور روغن بلسان نکال کر استعمال کرنا چاہیے اس کا بدن کسرتی تھا وہ اپنے ہاتھوں سے لکڑی کو ریزہ ریزہ کر ڈالتا تھا مکا بازی اور پہلوانی سے برابر احتراز کرتا لڑائی چھیڑنے سے گریزاں نظر آتا لیکن ہنگامہ جنگ میں تین دفعہ بے پروایانہ طوفانی خطرات کے انداز

میں گھس پڑا۔ پہلی مرتبہ کائی رونیا میں دوسری مرتبہ پیلین 1 میں اور تیسری مرتبہ تھیبز میں ان موقعوں پر اس کی کیفیت یہ تھی جیسے شراب کے کسی رسیا کو دعوت میں بلایا جائے مقدونیا کے یہ امراء جن کا پیشہ گھوڑے پالنا اور کھیتی باڑی کرنا تھا فیلقوس کے طور طریقوں کو خوب سمجھتے تھے لیکن اس کے بیٹے کی کوئی بات ان کے ذہن میں نہ آتی تھی وہ دنیا سے غافل ہو کر کتابوں میں ڈوبا رہتا۔ رات کے وقت اپنے خیمے میں چراغ جلا کر مسائل کی گتھیاں سلجھاتا یا قلمی نسخے دیکھتا۔ اس وقت انداز ایسا ہوتا گویا کسی بڑے کارنامے کے انجام سے پیشتر عجیب وغریب مذہبی رسمیں ادا کر رہا ہے۔ عوام کو اس بات پر تعجب تھا کہ فوج کے سپہ سالاروں نے سکندر کو ایشیا پر حملے کی رائے دی اور یہ بھی بتا دیا کہ حملہ کیوں کرنا چاہئے۔

انہوں نے کہا کہ فیلقوس اس حملے کا فیصلہ کر چکا تھا، اس بنا پر ہم فوج کی ترتیب نقل و حرکت اور قیام گاہوں کا پورا نقشہ تیار کر چکے ہیں ہمیں اپنے ساتھ کوئی پچیس ہزار آدمی لے جانے ہوں گے جو درہ دانیال کو عبور کر کے ایشیا میں داخل ہوں گے اور یہ فوج مقدونیہ کے قابل جنگ آدمیوں کا قریباً نصف حصہ ہوگی پارمینیو خود پہلے چلا گیا تھا تاکہ ٹرائے کے سامنے آبنائے کو عبور کرنے کے انتظامات خوب مکمل کر لے۔ اینٹی پیٹر کو پیلا میں چھوڑ دینا ہوگا تاکہ وہ بوڑھے سپاہیوں کے ذریعے سے ملک کی حفاظت کرے نیز سے رنگروٹوں کو فوجی تعلیم دے ساتھ ساتھ اولمپیاس کو مطمئن رکھے۔ ایک خطرہ یہ ہوسکتا تھا کہ یونان کی باقی شہری ریاستیں کسی وقت مخالفت پر نہ اتر آئیں ان کی قوت کو بیکار بنا دینے کی تدبیر یہ ہے کہ ایتھنز کے بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں اور تھسلی کے سواروں کو ساتھ لیا جائے غرض یہ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل ہے یہ ضرور کامیاب ہوگا کم از کم اس سے دست بردار ہونے کا کوئی موقع نہیں سکندر نے پوچھا ایسا کیوں نہیں ہوسکتا۔ زینوفن 2 دس ہزار آدمی ساتھ لے کر ایشیا گیا تھا اور وہاں ٹھہر نہ سکا اس نے جو کتاب لکھی تھی اس کا نام ایشیا میں داخلہ نہیں ایشیا سے خروج ہے۔

پارمینیو کو علم تھا کہ سکندر زینوفن کی کتاب پڑھ چکا ہے اس نے کہا، اب میں سن رسیدہ

ہو چکا ہوں میرے تین بیٹے فوج میں اونچے عہدوں پر پہنچ رہے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس آخری مہم کو کامیابی کی منزل پر پہنچا کر خدمات سے دست کش ہو جاؤں اور فوجی کاروباری اپنے بیٹوں کے حوالے کر دوں اگر اب فوج کو توڑا گیا تو نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ ہم نے تمام خطرات کا پورا اندازہ کر لیا ہے اور ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری فوج ہر اس قوت کو شکست دے گی جو اس کے مقابلے پر لائی جائے گی۔

سکندر نے کہا ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ سمندر ہمارے قبضے میں نہیں ایرانی بیڑا جگہ جگہ چھایا ہوا ہے پارمینیو نے جواب دیا کہ ہم سمندر کا راستہ اختیار نہ کریں گے اور ''دانیال کی تنگ آبنائے سے گزر کر خشکی پر جا تریں گے میں نے فوج کو اس مقام سے بخیر و خوبی گزارنے کا انتظام مکمل کر رکھا ہے بے شک تھوڑا سا خطرہ موجود ہے لیکن اسے قبول کر لینے کے نتائج بے حد فائدہ مند ہوں گے اس طرح ہم ایک ہی ضرب میں اس زرخیز اور دولت مند ساحلی علاقے پر قابض ہو جائیں گے جو یونان کے بالمقابل واقع ہے وہاں پرانی تاریخی بندرگاہیں ہیں منی ٹس 3 اخی سوس 4 سے جہاں سات سونے والے سو رہے تھے ہیلی کارنوس 5 جہاں مسولس کا مقبرہ تعمیر ہوا تھا سارڈس جہاں کروسس 6 حکمران تھا غرض اس طرح ہم بحیرہ اسود سے غلہ لانے کا راستہ محفوظ کر لیں گے اولمپیاس پاس تھی، وہ بولی فیلقوس نے یہ ساری داستان دو لفظوں میں پیش کر دی تھی۔ زر و مال اور شہرت و عظمت!''

اولمپیاس کو سپہ سالاروں پر اس لئے بھروسہ نہ تھا کہ وہ اس کا اثر قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے وہ اپنے بیٹے کو بار بار متنبہ کرتی کہ ان کے تجربات سے فائدہ اٹھاؤ لیکن انہیں طاقت ور نہ بننے دو مبادا یہ بادشاہوں کا درجہ حاصل کر لیں انجام کار اولمپیاس کا یہ شبہ بالکل درست ہوا۔

شاہی خاندان کے بزرگ اصحاب سکندر کے پاس آئے اس کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی اور اصرار کیا کہ فوج سے ضرور کام لینا چاہئے فیلقوس نے اسی لئے تمہیں تعلیم دی تھی اور

اسی غرض سے تمہاری تربیت ہوئی تھی۔ مقدونوی قوم ابھی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ جن مخالف قوتوں نے ہر طرف سے اسے محصور کر رکھا ہے ان سے لڑے بغیر قومی ہستی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ ان قوتوں میں سب سے بڑھ کر خطرناک پیشہ ور سپاہ ہے ہم اس خطرے کا صحیح اندازہ کر چکے ہیں۔

جب تک ایران نے یونان پر حملے نہ کئے تھے اور ہمہ گیر لڑائیاں شروع نہ ہوئی تھیں یونان میں پیشہ ور سپاہی موجود نہ تھے اس زمانے کے اسلحہ بردار در اصل فوجی سپاہی ہوتے تھے۔ لڑائی کے بعد وہ ہتھیار گھروں میں لے جاتے۔ مہینے بھر کے لئے یا اس سے کم و بیش خدمت کی ضرورت پیش آتی تو ہتھیار لے کر موقع پر پہنچ جاتے۔ تنخواہ قطعاً نہ لیتے۔ ضرورت ختم ہو جاتی تو اپنے کھیت یا دکان کا کاروبار حسب سابق سنبھال لیتے۔ وقتاً فوقتاً ہتھیاروں سے کام لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سپاہیوں کو اولمپیائی کھیلوں کے لئے مشق کا موقعہ مل جاتا (میراتھان کی پہلی دوڑ اس سپاہی کے نقش قدم پر ہوئی تھی جو میراتھان کے میدان جنگ سے فتح کی خوشخبری لے کر دوڑتا ہوا ایتھنز پہنچا تھا)

بعد میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تو سپاہیوں کے لئے زیادہ لمبی مدت تک میدان جنگ میں ٹھہرے رہنا ناگزیر ہو گیا۔ یوں اس کے کنبے کے لئے معاش کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ شروع میں کنبے کو خوراک وغیرہ بہم پہنچانے کا بندوبست کر دیا گیا۔ پھر سپاہی کی غیر حاضری میں اس کے کنبے کو نقد رقم ملنے لگی۔ تدریجاً شہری سپاہیوں کے لئے مستقل تنخواہیں مقرر ہوگئیں۔

مہموں نے طوالت پکڑ لی اور فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو نئے رنگروٹ بھرتی کرنے کا معاملہ سامنے آ گیا۔ یہاں تک کہ اہل سپارٹا بھی اپنے غلاموں کو فوجوں میں بھرتی کرنے اور باقاعدہ تنخواہ دینے پر مجبور ہو گئے۔ جنگی جہازوں کو کھینچنے والوں اور ملاحوں کے تعلق میں بھی یہی صورت پیش آئی جو نیا انتظام جاری ہو چکا تھا اسے ختم کرنے کی کوئی صورت نہ نکلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر یونان کی خانہ جنگی آخری منزل پر پہنچی۔ ادھر وہ

شہری جو رضا کارانہ جنگی خدمات انجام دینے کے لئے پہلے پہل آئے تھے، مستقل تنخواہ دار سپاہی بن گئے جنگلی بربریوں کو بھی اسی طرح تنخواہ پر ملازم رکھا گیا۔

یہ سیاسی جنگ کے خاتمے پر اپنے گھروں میں پہنچے تو کسان تھے یا دکاندار، ان کا کاروبار پہلی حالت پر باقی نہ رہا تھا۔ کنبے کو جو رقم ملتی اس میں سے غلاموں کو ملازم رکھ کر کاروبار چلایا جاتا۔ سپاہیوں نے دیکھا کہ اس طرح کھیتی باڑی یا کفش سازی یا دوا سازی وغیرہ سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی جو گزارے کے لئے کفایت کر سکے۔ اس لئے کہ کپڑے اور دوسری چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں لہذا انہوں نے یا تو حکومت سے وظیفوں کا مطالبہ پیش کر دیا یا ان فوجوں میں بھرتی ہونے لگے جنہیں لڑائیاں درپیش تھیں ایسے پیشہ ور سپاہی، ہر اس مقام پر پہنچ جاتے جہاں لڑائی چھڑ جاتی۔ میراتھان کے وہ سپاہی جو اپنی برچھیاں، اپنی ڈھالیں، اپنی تلواریں اور اپنے خود لے کر لڑنے کے لئے گئے تھے۔ وہ 400 ق م کے آس پاس ایکی لیز کی طرح افسانہ پارینہ بن چکے تھے دولت مند شہروں نے کرائے پر فوجیں لینی شروع کیں سب سے زیادہ تنخواہیں ان حبشیوں کو دی جاتیں جو فوجی تربیت میں سب سے اعلیٰ ہوتے۔ پھر جن تاجروں یا بڑے بڑے زمینداروں نے خوب دولت کمائی تھی وہ خود جنگی خدمات انجام نہ دیتے بلکہ اپنی جگہ پیشہ ور سپاہیوں کو تنخواہ دے کر بھیج دیتے۔

یہی معاملہ فوجی افسروں کو پیش آیا۔ شروع میں سپاہی اپنا سالار خود منتخب لرتے، پیشہ ور سپاہ میں سالاری کا عہدہ اس شخص کو ملتا جو جنگی کاروبار میں خاصی شہرت حاصل کر لیتا۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے آس پاس زینوفن اپنی دس ہزار سپاہ اور افسروں کے ساتھ ایرانی بادشاہ کی خدمت کے لئے بابل تک جا پہنچا تھا۔ سپارٹا کے ایک بادشاہ نے ایک ہزار پیشہ ور سپاہی روپیہ لے کر مصر کے فرعون کو مستعار دے دیئے تھے۔

یونانی شہروں میں دوسرے ہنر مند طبقوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا۔ مثلاً صنعت گر، معلم معمار، فلسفی اپنے اصل وطنوں نے نکلے اور یونانی نوآبادیوں یا ایشیا کے بڑے

بڑے مرکزوں میں پہنچ گئے اور وہاں اپنے کمالات کی نمائش کرنے لگے یہاں تک کہ طوائفیں بھی اس سلسلے میں باز نہ رہ سکیں۔ جن ہنرمندوں نے پارتھینان تعمیر کیا تھا اور جنہوں نے یونانی مندروں کی آرائش وزیبائش درجہ کمال پر پہنچائی تھی وہ مجسمے بنانے لگے بعض عقیق اور یشب جیسے بیش قیمت پتھروں کو خوش وضع سے تراشنے کا کام کرتے بعض حماموں کے لئے فواروں کے سر اور نلکیاں تیار کرتے۔ یا مٹی کے چھوٹے چھوٹے بت بناتے۔ خانہ جنگی کے بعد جو دور شروع ہوا اس میں ان ہنرمندوں نے فروغ پایا لیکن واضح رہے کہ یہ ان ہنرمندوں سے بالکل مختلف تھے جنہوں نے اپنے ذوق وشوق سے بے نظیر چیزیں بنائی تھیں یا جو اپنے وطن کا نام سربلند رکھنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ پیشہ ور تھے جن صنعتوں کی وجہ سے زیادہ پیسے مل جاتے انہیں میں مشغول ہو جاتے۔ وہ تنگ بحری آبناؤں اور کاروانی شاہراہوں کے ذریعے سے ممالک غیر میں جا ملازم ہوئے۔ یہاں تک کہ یونان کی مشہور طوائف تھائس بھی سپارٹا کی سپاہ کے پیچھے مصر پہنچ گئی مصر میں خدمت انجام دینے والے یہ کرایہ دار ایک شہر کے سپاہی نہ تھے بلکہ انہوں نے ایک افسر کی تابعت قبول کر رکھی تھی اور افسر اس شخص کا حکم بجالاتا جو اسے پیسے دیتا۔ غرض اس طرح پیشہ ور سپاہیوں کی جماعت پیدا ہوگئی، لیکن یہ لوگ خاصے ہنرمند بھی تھے اور نظم ونسق کی پابندی کا بھی بہت خیال رکھتے۔

آدمیوں میں پیشہ وری آئی تو آہستہ آہستہ نئی نئی جنگی مشینیں بننے لگیں۔ جب یونان میں خانہ جنگی جاری تھی تو صور اور سائیراکیوز کے ماہر مہندسوں نے ایسی مشینیں بنالی تھیں جو برچھیاں یا جلتا ہوا تیل یا پتھر کے بھاری کوئلے دور دور پھینکتیں ان کے ذریعے سے فصیلیں توڑی جاتیں ٹھیک اسی طرح فصیلوں کی حفاظت کے لئے بھی مشینیں بن گئیں۔ ان مشینوں کو بھی روپے ہی کے بل پر کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

شاہی خاندان کے بزرگوں نے سکندر سے کہا کہ فیلقوس کو پیشہ ور سپاہ اور دولت کی فراوانی کا پوری طرح احساس ہو چکا تھا۔ اہل مقدونیہ کو فوجی تربیت دینے کے لئے وہ پیشہ

ور سپاہی ہی لایا تھا۔ دیاوس کو بھی اسی غرض سے ملازم رکھا تھا کہ زیادہ اچھی اور عمدہ مشینیں بنائے بلا شبہ اہل مقدونیہ کے حوصلے بلند ہیں۔ ان کا قومی جذبہ بڑا قابل قدر ہے لیکن ان کے دل ابھی تک کھیتی باڑی میں اٹکے ہوئے ہیں اور وہ گھروں کا خیال ترک نہیں کر سکتے۔ ان کے گردوپیش ہر طرف پیشہ ور سپاہیوں، جنگی بیڑوں اور جنگی مشین کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ کوئی عظیم الشان ایرانی بادشاہ بے اندازہ دولت خرچ کر کے ان بکھری ہوئی قوتوں کو مقدونیہ کے کچلنے کے لئے جمع کر سکتا ہے۔ اب فیلقوس مر چکا ہے اور مقدونیہ کو بچانے والا کوئی نہیں۔ انہوں نے سکندر کو یاد دلایا کہ اگر کسی ایرانی بادشاہ نے دولت خرچ کر کے ایسا قدم اٹھالیا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ حالت کیا ہوگی۔

پنگائی اوس پہاڑ میں سونے اور چاندی کی جو کانیں تھیں، ان کے مہتمم بھی سکندر سے بات چیت کرنے کے لئے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا میں ایک نئی قوت پیدا ہوگئی اور میزا کی درسگاہ میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ یہ قوت زر مسکوک ہے ٹرائے کی پرانی دنیا میں سکے موجود نہ تھے اس زمانے میں مقدونیہ کے گلہ بان شمالی سطح مرتفع سے اتر کر نیچے کی طرف بڑھ رہے تھے انسانی جنس کا تبادلہ جنس سے کر لیتے تھے مثلاً کسی کی خدمت انجام دی اور خوراک حاصل کر لی۔ یا لوہے کی میخیں معیار قیمت سمجھی جاتی تھیں اور ان کے بدلے میں کچھ اور چیزیں لے لی جاتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ تانبا اور بعض دوسری دھاتیں دریافت ہوئیں تو انہیں معیار مبادلہ بنالیا گیا۔ ان پر مالک اپنا نشان ثبت کر دیتا۔ دو صدی پہلے چاندی اور سونے کے چھوٹے چھوٹے سکے بننے لگے۔ ان کی قیمتیں مقرر ہوگئیں۔ سارڈوس، روڈز یا آرگوس میں انہیں سکوں کی بنا پر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان پر یا دیوتاؤں کی تصویریں ہوتیں یا کسی شہر کا خاص نشان مثلاً ایتھنز کا خاص نشان الو تھا۔

اب تاجروں نے بحیرہ روم کی دنیا میں زر مسکوک کو خوب پھیلا دیا ہے۔ خصوصاً ایتھنز کے الو والے نشان کے سکے کو لیکن چاندی حاصل کرنے کے ذریعے بہت محدود ہیں۔

اب تک صرف چند کانیں ہمارے قبضے میں آئی ہیں یونان کا روپہلی درہم اب معیار قیمت ہے لیکن عوام میں یہ جذبہ پھیل رہا ہے کہ روپے کو ذریعہ منفعت بنانا سراسر غیر طبعی ہے۔ اس قسم کی غیر طبعی نفع جوئی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجرم پر خوفناک آفت نازل ہوگی۔ کیا ہمیں مائیڈس کا انجام معلوم نہیں، جسے سونا جمع کرنے کی حرص تھی؟ سپارٹا مدت تک زرمسکوک سے بے نیاز رہا۔ وہاں کے سب لوگ اجتماعی زندگی بسر کرتے تھے اور کھانے پینے کا انتظام بھی مشترک تھا۔ اب انہوں نے زرمسکوک کو لین دین کی بنیاد بنالیا ہے۔ سپارٹا کا انحصار ایران کے سونے پر ہے اور اس نے شہنشاہ ایشیا کی مرضی کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ڈیماستھنیز جمہوریت کا خطیب ہے۔ اس نے مندر سے روپہلی سکے اٹھائے اور ایتھنز کی فوج تیار کرکے کائی رونیا کے میدان میں پہنچ گیا۔

عام لوگ جنگوں کے باعث خوراک، ایندھن اور کپڑے سے محروم ہوچکے ہیں ان میں وبائیں پھیل گئی ہیں۔ اب ایتھنز جیسے شہروں میں بھی عالی شان عمارتیں بن رہی ہیں تاکہ بے روزگار سپاہیوں کو کام ملے۔ انہیں سکوں کی شکل میں مزدوری ملتی ہے۔ اس وجہ سے گندم، بھیڑوں، کپڑے اور دوسری ضروری چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پہلے گندم کا ایک پیپہ دو درہم میں ملتا تھا۔ اب اس کی قیمت پانچ درہم ہے۔ بھیڑ کی قیمت خانہ جنگی سے پیشتر کے دور کے مقابلے میں پانچ گنا ہوگئی ہے۔

زرمسکوک کے متعلق عوام کے دل میں جو خطرہ پیدا ہوگیا۔ پڑھے لکھے لوگ اسکے قائل نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سکوں کی تھوڑی سی مقدار بھی وسیع قوت کا سروسامان بن سکتی ہے (اس زمانے میں وہی سکے قبول کئے جاتے، جو خالص سونے یا چاندی کے ہوتے اور ان کا وزن پورا ہوتا۔ جعلی سکوں کا ابھی رواج نہ ہوا تھا۔ 8 نہ کاغذی سکے جاری ۔۔۔۔ ہوئے تھے سود خواروں اور ساہوکاروں نے اپنے پیانے لے کر مندروں کے دروازوں میں بیٹھنا شروع نہ کیا تھا)

ایتھنز کے مٹھی بھر سکوں سے پتھر کا ایک مکان یا بجیرہ اسود یا تھیرلیس سے چھ غلام

خریدے جاسکتے تھے ایک ٹیلنٹ سے سہ قطاری 9 جنگی جہاز بنایا جاسکتا تھا۔ ٹیلنٹ کے برابر مقدار کے سونے یا چاندی کو سکوں کی شکل میں ڈھال لیا جاتا تو ایک جزیرے کا پورا غلہ یا مردانہ اور زنانہ غلاموں سے بھرا ہوا جہاز خریدا جاسکتا جو کھیتی باڑی کرنا اور کپڑے بننا جانتے نیز ضرورت کے وقت بچے پیدا کر سکتے کوئی جابر حاکم یا مندر کے پجاری روپیہ جمع کر لیتے تو بعد کے آنے والے لوگ اس سے بے اندازہ قیمتی چیزیں تیار کر لیتے تو خود یونان میں ڈلفی کے مندر کے سوا زیادہ دولت کہیں جمع نہ تھی۔ ایشیا سونے اور چاندی کے لا متناہی انباروں سے بھرا پڑا تھا جو طارس کے پہاڑوں، یا عرب یا دور افتادہ ہندوستان سے لائے جارہے تھے، چونکہ اہل مقدونیہ کے پاس زر مسکوک نہ تھا اس لئے ان میں تجارت کا بھی زیادہ رواج نہ تھا۔

ایشیا سے دولت کا سیل بہتا ہوا آ رہا تھا۔ مثلاً سکے، قیمتی دھاتیں، ہاتھی دانت، سنگ جراحت، سنگ سلیمانی، بیش بہا جواہرات یہ دولت تاجروں اور بردہ فروشوں کے ذریعے سے آ رہی تھی خود یونان سے تارکان وطن مسلسل ایشیا کی طرف جا رہے تھے مثلاً سنار، گلدستوں کے نقش کار، آباد کار طبیب، گویئے اور آوارہ گرد لوگ خانہ جنگی کے بعد ہر دور میں تجارت ترقی کرتی رہی اور ایشیائے کوچک اس تجارت کی سب سے بڑی منڈی بن گیا۔ صور سارڈس، سائیرا کیوز اور قرطاجنہ کی تجارت کا اصل مرجع یہی خطہ تھا۔ یونانی شہروں میں صنعت و حرفت اور تجارت زیادہ ترقی کر چکی تھی۔ باہر سے غلہ لکڑی اور دھاتیں درآمد کی جاتیں۔ روپے کا لین دین بھی تجارت کی ترقی کے ساتھ بڑھتا گیا۔

مقدونیہ کے پہاڑی علاقے میں کوئی تجارتی شاہراہ نہ آتی تھی اور وہاں کے خزانے میں سونے چاندی کے ذخیرے بھی بہت کم تھے۔ فیلقوس نے تھوڑا سا ساحلی علاقہ فتح کر لیا تھا جس میں بندرگاہیں موجود تھیں لیکن اس کے پاس نہ تو بیڑا تھا اور نہ وہ اپنے کاشتکاروں کو تجارت کی طرف مائل کر سکا بلاشبہ بحیرہ روم کی دنیا میں خوشحالی روز افزوں تھی لیکن مقدونیہ کی سطح مرتفع تک اس خوش حالی کی ہوا نہ پہنچی تھی۔ ان حالات میں اہل

مقدونیہ کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ ایشیائی ساحل کی دولت پر قبضہ جمانے کے لئے قدم آگے بڑھاتے۔ ہارپولوس بار بار یہی رائے پیش کرتا تھا اسے زرمسکوک کے ممکنات نے بالکل مسحور کر لیا تھا۔ سکندر بھی ان ممکنات کو خوب سمجھتا تھا۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ دوسرے ذرائع کے مقابلے میں اہل مقدونیہ کی اقتصادی بدحالی کو ختم کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

بعض خطرات اس سلسلے میں اس کے عنان گیر تھے۔ مثلاً اسے اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد نہ تھا۔ وہ تیس ہزار کی فوج کی سالاری عظمیٰ کا منصب قبول کرنے سے ہچکچاتا تھا جب پیلا کے باغوں میں سے گزرتا ہوا مندر کی طرف جاتا جہاں ایک زمانے میں دوڑ لگایا کرتا تھا تو اسے نیلا سمندر لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا۔ جسے وہ اپنے راستے میں مزاحم سمجھتا تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ اس سے کیونکر عہدہ برآ ہو۔ جب اس نے مندر پر یہ عبارت پڑھی ''اب میں غیر فانی ہوں موت کا ہاتھ مجھے چھو نہیں سکتا'' تو اس کے دماغ میں دور افتادہ ایشیائی دیوتاؤں کا تصور ابھر آیا۔ اسے صحیح مشورہ دینے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ مختلف قسم کی باتیں بطور مشورہ پیش کرنے والے لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ جب پیلا کے بڑے بڑے ہال اس کی نگاہوں کے سامنے آتے تو اسے محسوس ہوتا کہ ان میں قلوپطرہ اس کے مقتول بچے نیز مقتول ابمشاس کی روحیں گشت لگا رہی ہیں۔

آخر ایک صبح کو وہ مندر کی طرف نکلا تو پارمینیو اور فلوٹس اس کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ اب مہم پر روانگی کا فیصلہ صادر کر دیجئے سکندر چپ چاپ سنتا رہا اور دیر تک کچھ نہ کہا آخر بولا کہ جب ساک راح کا طلوع ہوگا تو ہم ایشیا کی طرف کوچ کریں گے پیش قدمی کے جو نقشے بنا لئے گئے ہیں ان پر عمل درآمد شروع ہو جانا چاہئے جب وہ محل کی طرف واپس جا رہا تھا تو پھر اس کی نظر سمندر پر پڑی ۔۔۔۔۔ سمندر بدستور اسے اپنے ارادوں میں مزاحم معلوم ہوتا تھا تاہم یہ احساس بھی تھا کہ اس سے آگے مشرق میں دو بلند دیواریں کھڑی ہوں گی جن پر دیوتا رہتے ہیں۔

ارسطو اس عزم کے خلاف تھا۔ آخری موسم سرما میں سکندر زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزارتا رہا وہ اس زمانے میں سیاسیات پر اپنی کتاب مرتب کر رہا تھا۔ یہ فلسفی جو آگے چل کر صدیوں تک انسانی فکر و نظر کا معیار بننے والا تھا۔ یونان کے سپہ سالار اعظم کو بار بار رائے دیتا کہ اپنی سرگرمیاں مقدونیہ تک محدود رکھو۔ یہاں کے حالات بہ آسانی اپنے قابو میں لا سکتے ہو امراء کی حفاظت کر سکتے ہو کسانوں کو کھیتی باڑی میں لگائے رکھو یہاں تک کہ وہ تعلیم پالیں معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو کے لئے اہل مقدونیہ کے اکثریت کی جہالت بڑی تکلیف دہ تھی افلاطون بھی اپنی کتاب جمہوریت میں اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ صرف چند آدمی سعی و کوشش سے انسانیت کے سدرۃ المنتہا پر پہنچ سکتے ہیں اس کے نزدیک مثالی ریاست کی حیثیت ایک باغ کی سی تھی جس کی چاردیواری میں اعلیٰ درجہ کے پودوں کی پرورش کی جا سکے یہ کیفیتی استدلال تھا اور ارسطو اس پر زور دیتا خود اس کے معیار بہت بلند تھے وہ کہتا تھا کہ اگر چند آدمیوں کو بھی مقاصد حیات کے متعلق صحیح علم سے روشناس کیا جا سکے تو وہ چند لاکھوں ناواقفوں پر حکومت کر سکتے ہیں غالباً ارسطو کے نظام فکر میں اس روح عالم کا کوئی وجود نہ تھا جس کی طرف افلاطون نے رہنمائی کی تھی لیکن یقیناً ارسطو بھی ایک محکم محرم کا قائل تھا جسے رہنمائی کا سرچشمہ قوت سمجھنا چاہیے وہ کہتا تھا کہ اسی ہمیشہ قائم رہنے والے چشمے کی طرف انسانی افکار کا رخ پھیرنا ضروری ہے۔

پریوں کے مجسموں کے نیچے بنچ پر بیٹھ کر ارسطو اپنا عصا بار بار زمین پر مارتا اور کہتا ہمیں وہ خیر، وہ حسن و خوبی اور وہ اچھائی دریافت کرنی چاہئے جس کی غرض سے اس زمین پر زندگی کا ظہور رہوا۔ پھر اس کے پرشکن چہرے پر تبسم کی لہر نمودار ہوتی اور کہتا ہمیں اس زمین میں اس باغ کے اندر اچھے میوہ دار درخت ضرور پیدا کرنے چاہئیں اگر نخل حیات یہاں پیدا نہیں ہو سکتا تو نہ سہی۔

اس کی توجہ نوٹوں کے اس گراں قدر مجموعے پر جمی ہوئی تھی جو تقریباً نصف درجن علوم کے لئے اس نے تیار کر رکھے تھے۔ جب وہ بڑے بڑے اسرار کی تشریح کرتا تو اس کی

باتیں پوری طرح سمجھ میں نہ آتیں۔ طبیعات کے مقابلے میں مابعد الطبیعات کے متعلق اس کے نوٹ بہت معمولی تھے۔ ارسطو بار بار خطرات کا اظہار کرتا۔ وہ کہتا کہ یہ باغ جس میں ہم بیٹھے ہیں یہ مقدونیہ کے پہاڑ یہ تنگ سمندر جنہوں نے اس زمین کو گھیر رکھا ہے۔ وسیع ربع مسکون کا محض ایک چھوٹا سا گوشہ ہیں ہوسکتا ہے یہ قابل آبادی زمین فلسفیوں کے تصور سے بہت زیادہ وسیع ہو، ان دورہ افتادہ خطوں میں بربری گروہ آباد ہوں گے۔ جن پر کسی یونانی کی نگاہ اب تک نہیں پڑی۔ اگر سکندر مقدونیہ کی نصف آبادی کا مشرق کی طرف لے گیا تو ہوسکتا ہے بربری گروہ اسے کھا جائیں یا وہ ان سرزمینوں میں ختم ہو جائے جو نقشے پر جگہ نہیں پاسکیں۔

شاید ارسطو کو اس وجہ سے مہم کی مخالفت ضروری محسوس ہوئی تھی کہ اسے سکندر کی میراث کے بارے میں پوری آگاہی تھی وہ جانتا تھا کہ اولمپیاس میں جنون کی ابتدائی علامتیں نمودار ہیں وہ ایک لمحے کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھتی اور ہروقت گردوپیش کے لوگوں پر رعب جمانے کی کوشش کرتی رہتی ہے فیلقوس شراب کا متوالا تھا اور اس نے ایک مجہول بچہ پیدا کر دیا۔ سکندر کی عمر اگرچہ بیس سال کی ہو چکی تھی تاہم وہ عام لوگوں سے میل جول کو پسند نہ کرتا تھا اور اس کا رجحان یہی تھا کہ اپنی خیالی دنیا میں مگن رہے لیکن یونان کے سپہ سالار اعظم نے مہم کے متعلق اپنا ارادہ تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ ارسطو کو خود اس امر کا اعتراف تھا کہ جانوروں کی طرح آدمی بھی طبعی ماحول کی بناء پر بدل جاتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اہل مقدونیہ اس طرح اپنے نشوو ارتقا کا راستہ بہتر سرزمین میں پیدا نہ کر لیں۔ یونانیوں نے مشرق میں نو آبادیاں قائم کر کے اپنے پھیلاؤ کا انتظام کر لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پیلا کے بنجر ڈھلانوں کے بجائے زرخیز پہاڑیوں کے اطراف میں نئے شہر آباد نہ کئے جائیں۔ سکندر نے پوچھا ’’آباد کار کون ہوں گے؟ مقدونوی؟‘‘ ارسطو نے جواب دیا’’ یقیناً‘‘ ساتھ ہی یہ بتایا کہ ابھی تک مقدونوی قوم معرض وجود میں نہیں آئی۔ تمہارے باپ نے مقدونیہ کا خیال پیدا کر دیا۔ اس خیال کو مرکز بنا کر قبائل سے ایک فوج تیار کر دی۔ اب

مقدونیہ جو کچھ بھی ہے اس فوج کی شکل میں ہے۔ یقیناً فیلقوس نے فتوحات کیں، لیکن وہ مفتوحہ علاقوں کا نظم ونسق صحیح اصول پر نہ چلا سکا اور قومیت کا جو تصور اس نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا عمل میں صورت پذیر نہ ہو سکا۔ اس بارے میں نشو و ارتقا کے قوانین اٹل ہیں وہ انسان کے بنائے ہوئے نہیں۔ انسان جس طرح پرندوں کا شکار کرتے ہیں اس طرح راحت کا شکار نہیں کر سکتے۔ سکندر نے ہنس کر کہا کہ یہ تو حقیقت ہے کہ ملاح سمندروں میں اور قافلے صحراؤں میں پرندوں کی پرواز سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

جب سماک رامح طلوع ہوا اور موسم اعتدال پر آیا تو سفر کا جذبہ سکندر کے تمام جذبات پر غالب آ گیا۔ اب اس کی آرزو یہ تھی کہ مطلع آفتاب کی طرف روانہ ہونا چاہئے خواہ زرو مال ملے۔ خواہ شان و عظمت خواہ نئی سرزمین مل جائے۔ رات کے وقت وہ ٹرائے کی کہانی ضرور پڑھتا اور ہیلن کے حسن تاباں کا تصور اس کے دماغ میں ضرور قائم ہوتا۔ وہ کہتا کہ اہل ٹرائے کو ملزم نہ قرار دینا چاہئے انہوں نے جس عورت کے لئے اتنی لمبی مدت تک مصیبتیں برداشت کیں وہ یقیناً ویسی ہی غیر فانی تھی۔ جیسے دیویاں ہوتی ہیں بطلیموس بولا کہ یہ عجیب بات ہے لوگ عورتوں میں غیر فانی تھی۔ جیسے دیویاں ہوتی ہیں بطلیموس بولا کہ یہ عجیب بات ہے لوگ عورتوں میں غیر فانی حسن تلاش کرنے کے لئے نکلتے ہیں اور باغ میں شوخ چشم لڑکیوں کے شکار ہو جاتے ہیں اچھا یوری پائیڈیز نے ہیلن کے متعلق کیا کہا تھا۔ کچھ ایسی بات تھی کہ ٹرائے کی ندی کے کنارے مر گیا۔ ایک چہرے کے تخیل میں ایک نام کے سائے کے پیچھے۔۔۔۔ سکندر بہر حال اپنے ارادے پر قائم رہا۔

جانے کا فیصلہ ہو چکا تو فوجی افسروں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ سکندر نے سرو سامان کی ایک ایک چیز کو دیکھنا اور جانچنا شروع کیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ فوج کو جو جو مرحلے پیش آنے والے تھے اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں ہیروڈوٹس کے سفرنامے کو اس نے پوری طرح پڑھ لیا۔ ہیکاٹائس کا نقشہ عالم بھی دیکھ لیا۔ جو جاسوس ایشیا کے راستے دیکھ چکے تھے ان میں سے ایک ایک کو بلا کر لاانتہا سوالات کئے غرض وہ نئی سرزمینوں کا پورا

نقشہ اپنے دماغ میں قائم کر لینا چاہتا تھا اور تمام جزئیات پر برابر غور کرتا رہتا۔ دیاوس نے جو نئی مشینیں تیار کی تھیں ان کے ساتھ لمبی اور بھاری سیڑھیاں بھی تھیں۔ یہ سیڑھیاں گاڑیوں پر لد کر چلتی تھیں۔ ان کے ساتھ بھاری اور ہلکے رسے بھی تھے۔ سکندر نے سوچا کہ ایسی سیڑھیوں کو ندیاں عبور کرتے وقت ساتھ لے جانا مشکل ہوگا۔ لہٰذا دیاوس سے کہا کہ ان کی جگہ کوئی دوسری چیز تیار کرو، پھر خود ہی تجویز کر دیا کہ رسوں کو گانٹھیں لے کر سیڑھیاں کیوں نہیں بنا لیتے۔

اس نے کاہن اریستانڈر کو بھی حکم دے دیا کہ مہم کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے بطلیموس کو ایک فوج کی کمان دے دی نیز ہر فوج کے ساتھ دو سروئیر لے لئے جنہیں ہر روز کا راستہ تجویز کرنا تھا۔ ایک موسم شناس رکھا۔ حیوانات اور نباتات کے متعلق پورے حالات مرتب کرنے کے لئے سائنس دان ساتھ لے لئے۔ یہ بھی طے کیا کہ میں اپنا روزنامچہ خود لکھا کروں گا بطلیموس سے کہا کہ تم بھی لکھا کرو۔ بطلیموس نے جواب دیا کہ آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے درس گاہ کو ساتھ لے چلیں گے۔ عورت تو کوئی ساتھ لے جا نہیں رہے لیکن بڑے آدمیوں اور گویوں کا جھنڈ تیار کر لیا ہے۔

مقدونیہ کے تجربہ کار جرنیلوں کا احساس یہ تھا کہ یہ فوجی مہم نہیں بلکہ چھان بین کی مہم ہے وہ کہتے تھے کہ بھلا کونسا جرنیل ہے جو اپنا روزنامچہ لکھتا ہے سکندر نے یہ بھی طے کر دیا تھا کہ ہم کم از کم ایک سال باہر رہیں گے یا ممکن ہے زیادہ وقت لگے۔ اس نے بڑے بڑے فوجی افسروں اور امراء کے ذاتی معاملات کا جائزہ لیا اور سرکاری زمینیں ان کے حوالے کر دیں۔ ضرورت مندوں کو دینے کے لئے اس کے پاس روپیہ نہ تھا۔ ساتھیوں میں پرڈکاس بھی تھا جس کے زخم اچھے ہو چکے تھے۔ اس نے پوچھا: ''سب کچھ تو بانٹ رہے ہو اپنے لئے کیا رکھا؟'' سکندر نے جواب دیا جو قسمت سے میرے ہاتھ آئے گا پرڈکاس نے اس جواب پر تھوڑی دیر غور کیا اور کہا میں بھی قسمت ہی پر انحصار رکھتا ہوں۔

سکندر نے جس طرح یہ حکم دیا تھا کہ سب احکام میری طرف سے جاری ہوں گے اسی

طرح ہر تفصیل کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی تھی اولمپیاس کو وہ انٹی پیٹر کی حفاظت میں چھوڑ رہا تھا۔ وہ سخت غصے میں آ گئی اور بولی خاندانی زمینیں ان کے حوالے کر رہے ہو۔ گویا انہیں بادشاہوں کے برابر رتبہ دے رہے ہو۔ یہ کیا بات ہے؟ سکندر نے سنی ان سنی کر دی اس پر اولمپیاس نے رونا شروع کر دیا اور چیخ چیخ کر بولنے لگی سکندر بولا میں نے تمہارے بطن میں جو وقت گزارا ہے اس کے لئے بہت بڑا اخراج ادا کر چکا ہوں۔

یہ حیرت انگیز جملہ سنتے ہی اولمپیاس خاموش ہوگئی اور اس کے آنسو خشک ہو گئے۔ صرف اتنا کہہ سکی کہ تم جہاں بھی جاؤ گے میرے خط تمہیں ملتے رہیں گے یوں اولمپیائی کھیلوں کو شروع ہوئے چار سو بیالس سال گزر چکے تھے سماک رامح طلوع ہو چکا تھا اس وقت مقدونیہ کی فوج نے شاہراہ اعظم پر قدم رکھا اور دورہ دانیال کی طرف روانہ ہوئی۔ سکندر بھی اپنی فوج کے ساتھ گرد و غبار میں سے پیدل جا رہا تھا۔ سیاہ بیوسی فالس ۔۔۔۔ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا وہ روانہ ہوگیا پھر اسے واپس ہونا نصیب نہ ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

چھٹا باب :: غنیم کی سرحد میں داخلہ

یونانی فوج نے سمندر کو بڑی دلجمعی سے عبور کر لیا موسم بڑا خوشگوار تھا بادشمال نے آبنائے کی ابھرتی ہوئی موجوں میں ایک گونا سکون پیدا کر دیا۔ مطلع صاف ہونے کے باعث ایشیائی ساحل کی سرخی مائل زمین صاف نظر آ رہی تھی ٹرائے کی پہاڑی سامنے دکھائی دیتی تھی اس کے پیچھے سلسلہ کوہ کی وہ کیفیت تھی جیسے اس زمین کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام دے رہا ہو۔ بحری مرغابیاں سمندر میں جگہ جگہ اچھل کود رہی تھیں دشمن کے جہاز بالکل ناپید تھے یونانیوں کے وہ حلیف بھی جو اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے اعتراف کر رہے تھے کہ شگون بڑے نیک ہیں وہ کہتے تھے اطمینان کے ساتھ سمندر عبور کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ دیوتا اس مہم میں ہمارے یاور ہیں اور اس امر کی علامت ہے کہ ضرور کامیابی حاصل کریں گے چھوٹی چھوٹی ماہی گیر کشتیوں اور تجارتی جہازوں کا بیڑہ درہ دانیال کی انتڑی میں فوج کو ایشیائی ساحل پر پہنچانے کا کام انجام دیتا رہا اور جو فوجی یورپی ساحل سے ایشیائی ساحل پر پہنچتے تھے وہ مرحبا اور سلامت باشید کے نعرے بلند کرتے تھے جس یورپی ساحل کے چپے چپے سے وہ واقف تھے اس پر بھی وہ وداعی نظر ڈالتے جاتے تھے۔

سکندر نے زرہ بکتر پہن رکھا تھا سر پر خود تھا جو سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اس پر سفید شیر لہرا رہے تھے جب کشتی سے کود کر اس نے ایشیائی ساحل پر قدم رکھا تو کسی نے عشق پیچاں کا ہار اس پر نچھاور کیا۔ اسی مقام پر انہوں نے سنگ مرمر کے پتھر لے کر اپنے سب سے بڑے دیوتا زیوس کے لئے قربان گاہ بنائی جسے تمام راہروؤں کا محافظ مانا جاتا تھا ایک قربان گاہ ایتھنیا دیوی کے لئے بھی بنائی جس سے مقصود یہ تھا کہ ان اہل ایتھنز کی دلداری کی جائے جو اس مہم میں ساتھ دے قربان گاہ پر چڑھاوے کے لئے انہوں نے سنہری پیالے سے شراب انڈھائی پھر شادیانے بجاتے ہوئے ٹرائے پہنچ گئے جس کے برج کئی گردش روزگار سے گر رہے تھے وہ سب کھنڈروں میں سے اپنے لئے یادگاریں

تلاش کر رہے تھے یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ ان کے پیشروں نے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بے مثال زندہ جاوید کارنامے انجام دیئے۔

جو تاجر ماہی گیر اس پہاڑی پر رہتے تھے وہ سب جمع ہو گئے تا کہ یونانیوں کو آثار قدیمہ دکھائیں وہاں کے مندر میں سیاہ رنگ کی ایک ڈھال اور ایک ٹوٹا ہوا بربط پڑا تھا۔مندر کے پجاریوں نے حلف اٹھا کر بیان کیا کہ یہ دونوں چیزیں ایکی لیز کی ہیں وہ انہیں، ایک نیک شگون سمجھ کر سکندر کے پاس لائے۔سکندر نے چیزوں کو غور سے دیکھا پھر ڈھال رکھ لی اور کہا کہ یہ فوج کے ساتھ ساتھ جائے گی اس کی جگہ اپنی ڈھال مندر کے حوالے کر دی، شام کے وقت جشن عام منایا گیا۔فوج کے ممتاز افسروں نے ایکی لیز اور پیٹر وکلوس 1 کی قبروں پر جا کر شراب پی یہ دونوں شخص بہت گہرے دوست تھے جب نشہ چڑھ گیا تو انہوں نے اپنے بالوں میں ہار لٹکائے کپڑے اتار دیئے اور رفتگان نام آور کے اعزاز میں رقص کرتے رہے سکندر بنسری بجاتے اور رقص کرتے ہوئے تھک گیا تو مشعلوں کی روشنی میں ایک مقام پر بیٹھ کر ہفا اسشن سے باتیں کرنے لگا وہ کہتا تھا میں سوچ رہا ہوں کہ ایکی لیز واقعی کوئی نامور جنگجو تھا یا ہومر نے اپنے زور تخیل سے ایک افسانوی کردار تیار کر دیا ہے فرض کرو ہومر اپنی شہرہ آفاق نظم ایلیڈ نہ لکھتا تو کیا ہمیں ایکی لیز کے متعلق کچھ بھی معلوم ہو سکتا؟

ہفا اسشن نے جواب دیا کچھ بھی نہیں اگر کسی جواں مرد کے کارناموں کی مدح وستائش کے گیت گانے کے لئے کوئی بلند پایہ شاعر موجود نہ ہو تو ہر کارنامہ دو ہی تین پشتوں میں فراموش ہو جائے گا۔غرض ہم آج اہل یونان یا اہل ٹرائے کی یاد میں جشن نہیں منا رہے۔ ان کی یاد میں رقص و مے نوشی نہیں کر رہے بلکہ اس کارنامے کی یاد میں سب کچھ ہو رہا ہے جسے ہومر نے شعر کا لباس پہنا کر زندہ جاوید بنا دیا۔

بطلیموس نے اس سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا اور کہا کہ محض زور خطابت کی بنا پر کسی واقعہ کو بقائے دوام کا لباس نہیں پہنایا جا سکتا۔ہیلن جیسی شاندار عورت ہی کو لو، مجھے تو

درختوں کے اس جھنڈ میں اس کی روح چلتی پھرتی معلوم ہوتی ہے اور اس کے شانوں پر لمبے لمبے بال لہرا رہے ہیں ہفا اسٹشن نے بنا کر کہا کہ اگر تمہارا احساس درست ہے تو مہربانی فرما کر کپڑے پہن لیجئے۔

مقدونوی سپاہیوں نے شراب نوشی کے دوران میں زیادہ باتیں نہ کیں انہوں نے اپنی انگلیوں سے نمکین اور سیاہ زمین کو محسوس کیا دور ریوڑ میں بے شمار بھیڑوں کے بچے دیکھے اور بولے کہ یہ خطہ بڑا زرخیز ہے اور ہمارے پتھریلے دامن کوہ کے مقابلے میں اس کی زرخیزی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

اہل مقدونیہ کو ٹرائے کے مختصر سے کھنڈر دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی تھی وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ ان میں کام کی کوئی چیز باقی نہیں تاہم اپنے پرانے اکابر کی قبروں کے پاس ان کا کیمپ لگا تو انہیں بڑی مسرت ہوئی۔ سکندر نے باشندوں کو حکم دے دیا کہ ٹرائے کی فصیل ازسرنو بنا دیں اور انہیں ہمیشہ کے لئے ادائے خراج سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔ جب ٹرائے سے اس نے قدم آگے بڑھایا تو یہ قدم میدان جنگ کی جانب تھا۔

پارمینیو کے جاسوس اطلاعیں لے آئے تھے کہ مشرق کی جانب سے بھاری ایشیائی فوج کوچ کرتی ہوئی چلی آ رہی ہے پارمینیو کو اس اطلاع سے کوئی تشویش نہ ہوئی وہ اطمینان سے سمندر کو عبور کر چکا تھا اور اپنی احتیاط کوشی کی بنا پر کسی کو عبور کی خبر نہ ہونے دی تھی اب وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا لیکن اسی نشیبی زمین میں سے جو سمندر کے چمکتے ہوئے پانی کے قریب واقع تھی ایڈا پہاڑ اور ایشیائی الپس کی سفید چوٹیاں یوں نظر آتی تھیں جیسے سامنے روشنی کے مینار کھڑے ہوئے ہوں جب طلایہ گرد سواروں نے بتایا کہ غنیم سامنے آ گیا ہے تو پارمینیو نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا اور دونوں حصے انتہائی دلجمعی سے دریائے گرینی کس 2 کی طرف بڑھنے لگے جو بارش کے پانی کی وجہ سے لبریز بہہ رہا تھا وہاں انہیں پہلی مرتبہ ایشیائی رسالہ نظر آیا۔

دریا کے کنارے پر پہنچ کر پارمینیو اور سکندر مقابل کے کنارے پر غنیم کے سواروں اور

پیادوں کی تعداد کا اندازہ کرنے لگے گھوڑے نہایت اچھے، ترتیب کے ساتھ چھوٹی چھوٹی رجمنٹوں میں بٹے ہوئے تھے سواروں نے ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا۔ ان کی ٹوپیاں رنگین تھیں چھوٹی چھوٹی ڈھالیں اور چھوٹی چھوٹی برچھیاں ان کے کولہوں پر لٹک رہی تھیں وہ دریا کے کنارے کھڑے خاموش اہل مقدونیہ کی ہنسی اڑا رہے تھے پکار پکار کر کہہ رہے تھے "یانونیو! یونانیو!" تمہیں کس نے پیسے دے کر یہاں بھیجا ہے؟ تم عورتیں ہو کہ گھاگھرے پہن رکھے ہیں؟

پارمینیو! اس طعنہ و تشنیع سے بالکل متاثر نہ ہوا اس نے دیکھا کہ پیچھے سلسلہ کوہ کی چوٹی کے ساتھ اور بہت سے سوار کھڑے ہیں، جنہوں نے تیر کمان سنبھال رکھے ہیں ایک مقام پر بہت سے پیادے لمبی لمبی برچھیاں ہاتھ میں لئے استادہ تھے یہ تنخواہ دار یونانی فوج تھی سوار اور پیادے ملا کر بھی یونانی فوج سے کم تھے نیز جنگی ترتیب بالکل طفلانہ نظر آتی تھی ان میں سب سے اچھے ہتھیار ایرانی سواروں کے پاس تھے جو جوش و خروش سے بہنے والے دریا کے کنارے شیخیاں بگھار رہے تھے۔

پارمینیو نے حالات کا پورا جائزہ لے کر تمام تفصیلات خود رائے سکندر کے سامنے پیش کر دیں جو تشویش کا پیکر بنا کھڑا تھا ساتھ ہی کہا کہ ان لوگوں کے طعنہ و تشنیع پر کان نہ دھرو دریا کو عبور کرنے کی کوشش سخت نامناسب ہے یہ بڑا خطرناک ہے بعض جگہ اس کا پانی بہت گہرا ہے وہ ہمارے مقابلے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کرلیں ہم آگے بڑھیں گے تو صف بندی قائم نہ رہ سکے گی پھر ہمیں پانی سے بالکل نکل کر بلند کنارے کی چڑھائی طے کرنی پڑے گی تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟

سکندر: ہیلس پانٹ (درہ دانیال) کو عبور کرتے وقت تو تمہیں بال برابر بھی تشویش نہ ہوئی تھی، اب اس چھوٹی سی کمبخت ندی سے ڈر رہے ہو!

پارمینیو: موقع ایسا ہے کہ اس وقت کچھ نہ کرنا چاہئے فوج جس صورت میں مرتب کھڑی ہے اسے کھڑی رہنے دو اور چپ چاپ خیمے میں جا بیٹھو۔ غنیم کے پاس پیادہ فوج

کا صرف ایک اچھا جیش ہے رات ہو جائے گی تو وہ کبھی ہمارے قریب نہ ٹھہریں گے صبح تک وہ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے پھر ہم اطمینان سے دریا عبور کر لیں گے اور ایک آدمی کو بھی ضرور پہنچنے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

سکندر: پھر کیا ہو گا؟ وہ بدستور ہماری ہنسی اڑا رہے ہیں۔

پارمینو کو ایشیائیوں کی روش کے خلاف جوش اور غصے کا یہ اظہار سراسر طفلانہ معلوم ہوتا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ دریا کے اندر تجربہ کار مقدونوی فوج کو رسالے کے مقابلے کی دعوت دینا ایک بالکل نئی بات ہے لیکن سکندر کو گوارا نہ تھا کہ ایشیائیوں کی دعوت کا بروقت جواب نہ دیا جائے اس نے ہراول کو حکم دے دیا کہ فوراً دریا میں اتر پڑو اور خود فوج خاص میں سب سے آگے جا کھڑا ہوا جو دائیں بازو پر متعین تھی اس روز بیوسی فالس پر سوار نہ تھا وہ تیزی سے فلوٹس کے پاس پہنچا اور یہ کہتا ہوا دریا میں کود پڑا کہ میرے ساتھ آؤ۔

اگلی ساعت میں وہ سب مصیبتیں ایک دم ہجوم کر کے آ گئیں جن کا خدشہ پارمینو پہلے ظاہر کر چکا تھا سکندر دریا میں اترا تو پانی گھٹنوں تک تھا۔ لیکن اتنا تیز بہہ رہا تھا کہ وہ نیچے کی طرف جانے لگا۔ اسی طرف ایرانیوں کے رسالے کا ''قلب'' متعین تھا۔ اس افراتفری میں صف بندی ٹوٹ گئی سکندر کی فوج کے آدمی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے اور پانی میں بہتے چلے جاتے تھے اوپر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی دریا کے پانی میں تیر گرتے ہی پھوار پیدا ہوتی جس سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔ یونانی کیچڑ میں سے ہوتے ہوئے پتھروں کے سہارے آگے بڑھے اور مقابل کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں سواروں سے مڈ بھیڑ ہوئی جنہیں بڑی ہنرمندی سے ادھر ادھر دوڑایا جا رہا تھا۔ یونانیوں کی لمبی برچھیاں، ڈھالوں، پتھروں اور جھاڑیوں میں شیشے کی جھنجھناہٹ پیدا کر رہی تھیں گھوڑے گرتے اور سوار پانی میں بہ نکلتے اس اثنا میں سکندر بھی گر لیا اس کے جو ساتھی زندہ تھے وہ سفید شہپروں کو دیکھتے ہوئے اس کے اردگرد آ کر جمع ہو گئے اور اپنی تلواریں کھینچ کر اس پر سائبان سا تان دیا ایرانی سرعسکر سکندر کی طرف بڑھا۔ ایک برچھی سکندر کے سینہ بند کے جوڑ میں جا

اٹکی اور اس کے شہپر نکل کر زمین پر گر گئے اس نے نئی برچھی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا آدمی نے دستہ ہلا کر بتادیا کہ وہ ٹوٹ چکی ہے۔

اسی اثنا میں سکندر کے خود پر تلوار کی ایک ضرب پڑی اور نیچے تک اتر گئی۔ اس کے ہوش وحواس گم ہو گئے اور تھوڑی دیر تک آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا رہا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ کلائی ٹس بالکل پاس کھڑا ہوا اس پر سے وار روک رہا تھا لیکن سکندر کو وہ نظر نہ آیا۔ ایک ایرانی سردار نے جس کی زرہ چمک رہی تھی سکندر پر ایک اور ضرب لگانی چاہی لیکن کلائی ٹس نے تیزی سے اس کا بازو کاٹ ڈالا اور سکندر کو اپنی ڈھال کی پناہ میں لے لیا مقدونوی فوج نے اپنے سردار کو بچانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔ سکندر کی خاص گارد بے ترتیبی کی نذر ہو چکی تھی۔ کریٹ کے تیر اندازوں نے اس گارد کے بچاؤ کا بندوبست کیا۔ پارمینیو نے لمبی برچھی ڈالی پیادہ فوج کو آگے بڑھایا۔ یہ لوگ ترتیب سے آگے بڑھتے ہوئے ایرانیوں کے مقابلے پر جا کھڑے ہوئے دفعتاً ایرانی سوار پیچھے ہٹے۔ گویا دریا میدان جنگ نہ رہا۔ کلائی ٹس نے پسینہ پونچھا اور سکندر کی طرف دیکھ کر کہا ''اچھا آپ وہیں ہیں''

اب سکندر سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کئے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن اپنے ساتھیوں کو دوبارہ فوجی ترتیب میں جمع ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر انہیں ساتھ لے کر تنخواہ دار یونانی فوج کے محکم مربع پر بجلی کی طرح جا گرا۔ جس نے رسالے کے مقابلے میں بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا تھا تنخواہ دار یونانی اپنی برچھیوں کی باڑھ کے پیچھے پتھر کے پیکروں کی طرح جمے کھڑے رہے۔ ایک برچھی سکندر کے گھوڑے کے لگی وہ گرا اور سکندر بھی بھد سے زمین پر آ رہا بدن پر جگہ جگہ خراشیں آئیں وہ دوبارہ سوار ہوا تو بچے کھچے کرایہ دار یونانی جن کی تعداد دو ہزار تھی ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر چکے تھے۔

اس وقت تک تنخواہ دار یونانی رسالہ پہاڑیوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور

مقدونوی سپاہی میدان میں پھر کر ہتھیار اور دوسری قیمتی چیزیں تلاش کر رہے تھے دریائے گرینی کس وادی میں سے اسی جوش وخروش سے بہہ رہا تھا سکندر کے آدمی سخت مصروف تھے ایک گروہ کیمپ لگا رہا تھا۔ دوسرا زخمیوں کو اٹھا رہا تھا۔ تیسرا ہتھیار جمع کر رہا تھا سکندر کو بڑی مشکل سے یاد آیا کہ جو گھوڑا اس کی سواری میں تھا وہ مارا گیا اور اسے نئے گھوڑے پر سوار ہونا پڑا کلائی ٹس غائب تھا فلوٹس کہہ رہا تھا کہ خاص محافظ فوج کے کم از کم ایک سو آدمیوں کو یہیں دفن کرنا پڑے گا۔

سکندر ندی پر پہنچا خود اتار کر پھینکا اور اپنا سر برفانی پانی سے دھویا اب اسے سخت بھوک لگ رہی تھی وہ اپنے بال خشک کر رہا تھا کہ پارمینیو بھی چند افسروں کے ساتھ آ پہنچا اس نے بجے تلے لفظوں میں کہا کہ آپ نے بھاری خطرہ مول لیا لیکن دریا سے بڑے اچھے انداز میں گزرے۔ اس سے ان آدمیوں کو بڑی تقویت ہوئی جو آپ کے ساتھ تھے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تنخواہ دار یونانی جب تنہا رہ گئے تو انہوں نے صلح کی شرطیں طلب کیں سکندر بولا اچھا تو وہ یونانی تھے اور پیسے لے کر یونان کے خلاف لڑے پارمینیو ''اگر آپ یونانیوں کے مقابلے یونانیوں کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں تو آپ کو ایسی بہت سی حیرانیوں سے سابقہ پڑے گا۔''

پارمینیو نے بتایا کہ ان تنخواہ دار یونانیوں میں سے پیشتر ایتھنز کے باشندے تھے ان میں سے جو لوگ لاشوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے انہیں بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا ان کا سالار مارا گیا بہت سے ایرانی امرا بھی کھیت رہے میدان جنگ میں دیکھ بھال کی گئی تو جو لاشیں ملیں ان میں سے ایک شہنشاہ ایران کے داماد کی تھی اس کا چچا اور بہت سے ساتھی بھی مارے گئے صوبوں میں سے ایک کا گورنر ایک کا نائب السلطنت اور بہت سے افسر مقتولین میں شامل تھے ایرانی رسالے کے سپہ سالار اعظم نے پسپائی کے وقت خودکشی کر لی۔

سکندر کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ سب کچھ واقع ہو چکا ہے اور اتنا لمبا وقت

گزر چکا ہے، حالانکہ اس کا احساس یہ تھا صرف چند لمحے گزرے ہیں، دریا پر تاریکی چھا رہی تھی اور پہاڑ کی چوٹیوں پر غروب آفتاب کی آخری جھلک ناپید ہورہی تھی۔ پارمینیو نے کہا آج بڑا نقصان ہوا بہت سے ساتھی دریا میں مارے گئے سکندر دو مرتبہ جانی خطرے سے بچا ایک مرتبہ کلائی ٹس کی چابک دستی نے اسے بچالیا دوسری مرتبہ صرف خوش نصیبی اس کی یاور ہوئی اس نے اپنے محافظ رسالے کو خطرے میں ڈالا۔ شکست کا قوی اندیشہ پیدا ہو چکا تھا اگر شکست ہوئی تو آغاز مہم ہی پر یہ امر لوگوں کے لئے انتہائی حوصلہ شکنی کا باعث بن جاتا لیکن پیادہ فوج کی رائے یہ نہ تھی ان کا نقصان رسالے کے مقابلے میں بہت کم تھا وہ کہتے تھے کہ کائی رونیا کی طرح آج بھی سکندر نے خود فوج کی کمان کرتے ہوئے فتح پائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے دیوتا اینالیوس 3 کی روح اس میں سرائیت کرگئی ہے اس لڑائی کے بعد فوج کی یہ حالت ہوگئی کہ سکندر جہاں بھی اسے لے جاتا کوئی آدمی سرتابی کے لئے تیار نہ ہوتا۔

رات ہوگئی تو سکندر نے فوج میں گشت لگانا شروع کی جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے وہ ہر الاؤ کے پاس پہنچتا۔ جہاں طبیب زخمیوں کی مرہم پٹی کررہے تھے ان کے علاج معالجے کی نگرانی کرتا۔ سپاہیوں کے حالات پوچھتا اور جو کارنامے انہوں نے دن بھر میں انجام دیئے تھے انہیں توجہ اور محویت سے سنتا۔ اس نے حکم دے دیا کہ محافظ دستے کے ایک ایک سپاہی کو ہتھیاروں کے ساتھ دفن کیا جائے اور ان کے کنبوں کو اطلاع بھیج دی جائے کہ آئندہ سے نہ فصل کا عشر وصول کیا جائے گا اور نہ کوئی خدمت لی جائے گی ساتھ ہی اس نے اپنے مجسمہ ساز لسی پولس 4 کو حکم دے دیا کہ جو لوگ میدان جنگ میں مارے گئے ان میں سے ممتاز آدمیوں کی یادگار میں کانسی کے مجسمے ڈھالے جائیں اور ان مجسموں کو اس ستون کے آس پاس نصب کر دیا جائے جو میدان جنگ میں بنایا جارہا تھا تاکہ ان کی یاد تازہ رہے اور لوگوں کے دماغوں سے ان کے خدوخال محو نہ ہونے پائیں۔

ان انتظامات سے فارغ ہوا تو سکندر نے مال غنیمت بھرا ہوا ایک جہاز اولمپیاس اور

اینٹی پیٹر کے لئے بھجوا دیا ان میں سے تین سو ایشیائی زر ہیں اس غرض سے بھیجی گئیں کہ انہیں ایتھنز میں پارتھینا ں کے مندر میں چڑھاوے کے طور پر پیش کر دیا جائے اور یہ کتبہ لگا دیا جائے کہ فیلقوس کے بیٹے سکندر اور تمام یونانی بہ استثنائے اہل سپارٹا یہ چڑھاوا پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے ایشیائی اجنبیوں سے بزور چھینا سکندر نے روپیہ بھی مقدونیہ بھیج دیا اور یونانیوں کی حب وطن کو خراج بھی پیش کیا دریائے گرینی کس میں سرفروشانہ گھس پڑنے کی غلطی پھر اس سے کبھی سرزد نہ ہوئی۔ فوجوں کی کمانداری کے اصول اس نے بہت جلد سیکھ لئے۔

خاصا وقت گزر جانے کے بعد رومہ کے مشہور مورخ آریاں 5 نے لکھا کہ سکندر کو بہت جلد اندازہ ہو گیا اسے کچھ کرنا چاہئے دوسرے لوگ تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رہے سکندر میں یہ صلاحیت پیدا ہو چکی تھی کہ حقائق کے مشاہدے سے فوراً پیش آنے والے واقعات کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ کر لیتا تھا خطرے کا مقام ہوتا تو وہ اپنی بے باکی اور بے خوفی سے اپنے آدمیوں کا خوف زائل کر دیتا۔ بعد ازاں جو کچھ اسے کرنا تھا بڑی تیزی اور جواں مردی سے انجام دینے لگا۔ اگرچہ بعض حالات میں اسے نتیجے کے متعلق پورا یقین نہ تھا۔

جنگ گرینی کس کے بعد سب سے ضروری کام یہ تھا کہ تیزی سے کوچ کیا جاتا۔ ایک جیش اس مقام کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ جہاں سے فوج نے سمندر عبور کیا تھا باقی فوج ساحل ایشیا کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہو گئی روزانہ کم و بیش بیس میل کا فاصلہ طے کیا جاتا پارمینیو کو سکندر کی بے باکی پر بڑی تشویش تھی اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ تنخواہ دار یونانیوں کا تجربہ کار کماندار میمنان گرینی کس کے میدان جنگ سے بچ کر نکل گیا ہے جنگ سے پہلے ایرانیوں نے طریق کار کے متعلق مشورہ کیا تھا تو میمنان نے یہ رائے دی تھی کہ مقدونوی فوج آگے بڑھے تو ایرانیوں کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا چاہئے وہ لڑائی سے احتراز کریں جہاں جہاں سے گزریں فصلوں کو تباہ کرتے جائیں غلوں کے

ذخیرے جلادیں دیہات کے باشندوں سے خالی کردیں تاکہ حملہ آور کو راستے میں نہ چارہ مل سکے، نہ خوراک اور نہ کسی قسم کی امداد اس طرح وہ ملک کے اندر پہنچ جائیں تو ایرانی فوج کی تیز نقل وحرکت سے آبنائے کی طرف لوٹنے کا راستہ منقطع کردیا جائے پارمینیو کو سب سے بڑھ کر اسی تدبیر کا خطرہ تھا۔

ایرانی قوت ملک کے اندر بالکل محفوظ تھی اور اس پر مقدونویوں کو دسترس حاصل نہ تھی ایرانی بیڑا پورے ساحل کی دیکھ بھال کر رہا تھا قومی اندیشہ تھا کہ وہ درہ دانیال میں گھس کر مقدونوی فوج کے وسائل مخابرت کاٹ دے گا یا اہل سپارٹا کی امداد سے یا اعداد کے بغیر یونان پر حملہ کر دے گا اور پارمینیو کو معلوم ہو چکا تھا کہ روڈز کا میمنان اسی غرض سے بحری بیڑے کی طرف چلا گیا ہے۔ مقدونوی فوج کو ایک طرف سے سمندر نے روک رکھا تھا اور اندرون ملک میں ایرانی فوج سے خطرہ تھا اور وہ چکر کاٹتی ہوئی ساحلی راستے سے نیچے کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

ساتواں باب :: پہلا گرما اور پہلا سرما

یونانی فوج پر رونق ساحل کی عمدہ سڑکوں پر تیزی سے بڑھتی چلی جارہی تھی اس وقت سکندر کو اندازہ ہوا کہ وہ اپنے اولین اور واضح مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے نئی جمعیت متحدہ یونان کے سپہ سالار کی حیثیت میں ایشیا پر حملے کا اصل مقصد یہ تھا کہ یونانی نو آبادیوں کو شہنشاہ ایران کے جوئے سے نجات دلائے لیکن سکندر پر واضح ہوگیا کہ یونانی نو آبادیاں قطعاً آزادی کی خواہاں نہیں زرخیز ساحل کے ساتھ ساتھ اسے بھوت نظر آرہے تھے کہیں کہیں باغ تھے اور نہایت عمدہ مرغزار، جنگل، کانیں اور صنعت گاہیں تھیں اگرچہ اس کے پاس جاسوسی کا نظام نہایت عمدہ تھا لیکن ان بھوتوں کے متعلق اسے کوئی صحیح اطلاع نہ مل سکی۔ اب اسے معلوم ہوگیا کہ بھوتوں کو اتارنا بہت مشکل ہے میزا کی درسگاہ میں ان کے متعلق اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا ٹائٹون 1 کے عہد زریں میں قدیم زمانے کے انسانوں کے اندر الوہیت کا شعلہ پیدا ہوا تھا اس کے بعد دھندلکے کا دور آیا تو یونانی قبیلے شمالی جنگلوں اور سطح مرتفع سے اتر کر مسطح زمینوں میں پہنچے اور بحیرہ روم کے ساتھ ساتھ ساحلی علاقوں میں آباد ہو گئے مغربی سواحل کے خطے زیادہ زرخیز نہ تھے لہذا بہت سے قبیلے ہمت کر کے سمندروں میں اتر گئے اور جزیروں میں پہنچ کر وہاں آباد ہوئے انہیں ''بحری لوگ'' کہنے لگے جیسے قبیلہ ''سردانہ 2'' جو انجام کار جزیرہ سروانیہ میں آباد ہوا۔

ان میں سے جو لوگ مشرق کی طرف نکل گئے تھے انہیں بہت اچھی زمینیں اور نہایت عمدہ جنگل مل گئے، جن کا سلسلہ لبنان کے دیواروں تک پھیلا ہوا تھا۔ موسم سرما کی برف کے پانی سے خطے سیراب تھے دردانہ 3 قبیلہ آبنائے (درہ دانیال) کے دہانے پر مقیم ہو گیا۔ دوسرے یونانی قبیلے ترک وطن کر کے ایشیا کے اس علاقے میں پہنچ گئے جو یونان سے قریب تر تھا ان میں سے جنگجو سمری 4 اس سطح مرتفع سے آئے تھے جو کریمیا کے شمال میں واقع ہے (سمیریا 5 مشرق سمت کے تارکان وطن کو مغربی سمت کے تارکان وطن سے) بدرجہا بہتر زمینیں مل گئیں۔

جو لوگ یونانی جزیرہ نما میں ٹھہرے رہے وہ تنگ وادیوں میں آباد ہوئے۔ ان کے آس پاس جو درخت تھے وہ کٹتے رہے اور پہاڑیوں کے ڈھلان درختوں سے بالکل خالی ہو گئے۔ پہاڑی خطوں میں بھی پیداوار کا اوسط گھٹ گیا۔ پھر باشندوں نے سمندر پار جانے کی کوششیں شروع کر دیں چنانچہ جگہ جگہ نو آبادیاں قائم ہوئیں جن میں سے مشرقی ساحل کی نو آبادیاں بطور خاص قابل ذکر ہیں یونان میں یا زیتون ہوتے تھے یا انگور ان کے مقابلے پر نو آبادیوں میں انواع واقسام کی فصلیں ہوتی تھیں مٹی اتنی عمدہ تھی کہ اس سے خوبصورت چیزیں بنائی جا سکتی تھیں لکڑی اتنی اچھی تھی کہ جہاز تعمیر کیے جا سکتے تھے ان آبادکاروں کی زندگیاں اصل یونانیوں کی زندگیوں سے بدرجہا بہتر گزرنے لگیں یہاں تک کہ انہیں کارنتھ تھیبز سپارٹا اور ایتھنز کی یاد بھی باقی نہ رہی۔ وہ ایشیائے کوچک کے نئے شہروں کے شہری بن گئے۔

سکندر اپنے ساتھ اس سمندر کے مفصل نقشے لایا تھا جو یونان اور ایشیائے کوچک کے مابین واقع تھا یعنی بحیرہ ایجہ 6 یہاں ایشیائی ساحل پر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ یونان سے کس قدر قریب ہے ایک تیز جہاز موافق ہوا کی لہروں میں ایشیائی ساحل سے صرف تیس گھنٹے کے اندر ایتھنز پہنچ سکتا تھا۔ حالانکہ ایتھنز سے جو فوج خشکی کے راستے آئی تھی اسے یہ مسافت طے کرنے میں ایک مہینہ لگ گیا تھا پھر اس سمندر میں جگہ جگہ جزیروں کا زنجیرہ پھیلا ہوا تھا یہاں تک کہ کوئی شخص سمندر کے راستے ایتھنز جانا چاہتا تو زمین اس کی نظروں سے ہرگز اوجھل نہ ہوتی۔ جزیروں کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ صرف پچیس میل کا تھا۔ بحیرہ ایجہ کے بعض جزیروں میں عظیم الشان شہر آباد ہو گئے تھے جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے مثلاً جزیرہ روڈز اور جزیرہ لس بوس 7 میں۔

یہ تمام نو آبادیوں پھیل کر اور ترقی پا کر درجہ کمال پر پہنچ چکی تھیں اور بنجر مادر وطن کے شہروں سے انہیں رقابت تھی ساحل پر نہایت اچھی بندرگاہیں بن گئی تھیں خود یونان میں ایسی بندرگاہیں کہیں نہ تھیں اندرون ملک سے جو مال آتا تھا اس کا آخری تجارتی مرکز یہی

بندرگاہیں تھیں آرمینیا اور عراق سے جو قیمتی جنسیں آتیں وہ انہیں بندرگاہوں سے مختلف سمتوں میں بھیجی جاتیں ان میں جتنے جہاز چلتے پھرتے نظر آتے تھے وہ سب انہیں بحرپیا یونانیوں کی ملکیت تھے جنہوں نے ایشیا میں توطن اختیار کرلیا تھا کارنتھ سے جو سنار وطن چھوڑ کر ان نو آبادیوں میں بس گئے تھے انہیں بافراط یہاں سونا مل رہا تھا۔ ملی ٹس کی بندرگاہ میں جو ناٹک دکھائے جاتے تھے ان کے ایکٹروں کو کارنتھ کے تھیٹر کے مقابلے میں تماشائیوں کی بہت بڑی تعداد دیکھنے آتی تھی۔

نقل وطن کے ان نیم فراموش شدہ واقعات کے بھوت آئی رونیا کے ساحل پر موجود تھے۔ ارسطو نے ایک مثالی شہر کے لئے جو جو چیزیں ضروری قرار دی تھیں وہ بھی یہاں موجود تھیں مثلاً امراء کا طبقہ بڑا دولت مند تھا۔ اس کے پاس مطالعے کے لئے فرصت کا خاصا وقت تھا۔ اندرون ملک سے جو غلام لائے گئے تھے وہ محنت و مشقت کام کام کرتے تھے تنخواہ دار لشکر شہروں کی حفاظت کا فرض انجام دیتے تھے ان نو آبادیوں میں ایک کثیر الافراد طبقہ پیدا ہو چکا تھا جس نے اعلیٰ تعلیم پائی دامن کوہ کی خنکی میں باغات لگائے گئے جن کے کناروں پر دیودار کے درخت کھڑے تھے باغوں کے اندر سنگ مرمر کے کوشک بنے ہوئے تھے ان میں یہ لوگ رہتے، افسانوی ہیمی رمیس 8 کی طرح اس طبقے کی عورتیں شہروں پر اکثر حکومت کرتیں ان لوگوں نے مقدونوی افسروں کے اعزاز میں نہایت عالی شان دعوتوں کا انتظام کیا ان دعوتوں میں ہنر مند غلام بربط اور بانسری بجا کر سامع نوازی کرتے تھے ارسٹوفین کے ہجویہ اشعار اکثر پڑھے جاتے لیکن انہوں نے اپنے دلی خیالات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیئے ان میں بڑے بڑے دولت مند بادشاہ گزر چکے تھے مثلاً مالی ڈاس کروئی سس، گارڈیس 9 اور خود ان کی دولت کا یہ حال تھا کہ قمار کی ایک ایک بازی میں بارہ بارہ ٹیلنٹ بے تکلف لگا دیتے ان کی عورتوں نے ایک وضع کے موتیوں کے ہار اور سنگ یشب کی زنجیریں پہنی ہوئی تھیں یہ عورتیں جزیرہ لس بوس اور جزیرہ چی اوس کی تھیں نہایت عمدہ اور دلکش خوشبوئیں لگا کر باہر نکلتیں غرض یہ لوگ دولت کی لہروں پر

بہتے چلے جارہے تھے اپنے خاندانی روابط پر انہیں بڑا فخر تھا۔ دل کے بھید کسی پر ظاہر نہ کرتے انہیں نو آبادیوں میں راحت و آسائش کی فاوانیوں کا صحیح احساس تھا مقدونوی بربریوں نے وہ راحت و آسائش کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔

بندرگاہوں میں رہنے والا یہ طبقہ امراء خالص یونانی زبان بولتا تھا اندرون ملک کے ایرانی مادری زبان بھول چکے تھے بندرگاہوں میں حالات کے تقاضے کی وجہ سے ایک نئ ملی جلی زبان پیدا ہو چکی تھی مشرق میں بسنے والے ان یونانیوں کو میراتھانا ور سلیمس کے شاندار کارناموں کا محض خفیف سا احساس تھا۔ وہ اعتراف کرتے تھے کہ یونان کا اتحاد اور اس کی قوت و طاقت کا احیا ضرور مطلوب ہے۔ جس میں بحیرہ ایجہ کی پوری دنیا کو شامل ہو جانا چاہئے یہ بھی کہتے تھے کہ آزاد جمہوریتوں کا وجود ہر اعتبار سے قابل اعتبار ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے تھے کہ دولت کی ریل پیل تجارت پر موقوف ہے اور تجارت کی ترقی کا انحصار ان علاقوں سے آنے والی جنسوں پر منحصر ہے۔ جن پر شہنشاہ ایران حکمران تھا یونانیوں کے ساتھ شہنشاہ ایران کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔ کم از کم ان یونانی افسروں کے مقابلے میں یقیناً قابل قدر تھا جو اس کے پاس ملازم تھے مثلاً ہلکا سا محصول وصول کیا جاتا اور کبھی کبھی جنگی جہازوں میں خدمت کی جاتی۔

سکندر کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ آئی رونیا میں رہنے والے یہ یونانی حب وطن سے اتنے ہی بے بہرہ ہیں جتنے کہ اجنبی ہو سکتی ہیں وہ یونان کی آزادی اور عظمت و شوکت کی خاطر کوئی قربانی کرنے پر آمادہ نہیں وہ خود اس کے نقشہ عمل کو اس وجہ سے قبول کر رہے تھے کہ اس کے پاس بھاری جنگی قوت موجود تھی اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کل تقدیر کا پانسا کیا صورت اختیار کرے گا نیارکس نے کہا یہ لوگ ایل کارنتھ سے بھی زیادہ جھوٹے ہیں لیکن ان کے پاس جو جہاز ہیں وہ بڑے شاندار ہیں اس ظاہری اطاعت اور خفیہ مخالفت کی فضا میں سکندر پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ اسے حد درجہ مایوسی ہوئی، اس لئے کہ ایشیائی یونانیوں کی جو کیفیت تھی اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ بدنی اور مادی نہیں تو کم از کم فکری

واخلاقی اعتبار سے جنگ کی حالت قائم تھی۔

ابتدا میں اہل مقدونیہ کی پیش قدمی سراسر فاتحانہ تھی اور انہیں یقین ہو رہا تھا کہ وہ وقت کی اس دوڑ میں کامیاب ہو جائیں گے مشرقی سمت میں یونانیوں کی آخری منزل سارڈس تھی۔ جہاں ایرانی حکومت کا ایک مرکز قائم تھا۔ سارڈس میں جو ایرانی فوج تھی وہ گورنر کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلی گئی اور اہل شہر کے مشیروں نے پھولوں اور گیتوں سے سکندر کا استقبال کیا۔ وہ اس شہر کی سہ گانہ فصیلوں میں سے گزرتا ہوا بالا حصار کی چوٹی پر پہنچ گیا وہاں اس نے اپنی یادگار میں ایک نئے مندر کی تعمیر کا انتظام کر لیا۔ اس شہر میں جو ایرانی خزانہ موجود تھا اسے بدستور محفوظ چھوڑا۔ فی سوس میں غنیم کا جو لشکر موجود تھا وہ جہاز پر سوار ہو کر بھاگ نکلا مقامی یونانیوں نے جلدی میں ایک جمہوری حکومت کا انتظام کر لیا۔ سکندر نے اس شہر کے محاصل آرٹی مس کے نئے مندر کو دے دیئے یہاں کا پرانا مندر اس رات جل گیا تھا جس رات سکندر پیدا ہوا تھا کاہن ایرسٹانڈر کا یہ پرانا وطن تھا اس نے سکندر کو یقین دلایا کہ شگون بڑے نیک ہیں شہروں میں فتح کے مینار تعمیر ہو رہے ہیں اور ان پر متحدہ یونان کے سپہ سالار اعظم کے ساتھ اتفاق و اتحاد کے کتبے لگائے جا رہے ہیں اس نے کسی شہر پر کوئی محصول نہ لگایا۔ اعلان کر دیا کہ وہ سب آزاد ہیں اور اس عہد کی پابندی کی لیکن جب وہ آگے بڑھا تو قدم قدم پر رکاوٹیں حائل ہوئیں۔ سکندر پر واضح ہو گیا کہ جنوبی سمت میں رہنے والے یونانیوں کو آزادی سے استفادے کا اتنا خیال نہیں جتنا اپنے حقوق کے لئے سودا بازی کا خیال ہے رضا کاروں کی کوئی قابل ذکر جمعیت مقدونوی فوج میں شامل نہ ہوئی ملی ٹس کی نو آبادی سب سے پرانی تھی یہاں کے شہریوں نے دروازے بند کر لئے تا کہ بہتر شرطیں حاصل کر سکیں اس اثناء میں ساحل پر بیڑا نمودار ہوا۔ لوگ اس بیڑے کی نقل و حرکت پر بھی نظریں جمائے بیٹھے تھے پارمینیو نے سکندر کو بتایا کہ اوور کا میمنان اس بیڑے کا کماندار ہے۔

اہل مقدونیہ صرف چند جہازوں کو جنگی جہازوں کی شکل میں تبدیل کر چکے تھے ان کے

ذریعے سے بندرگاہ میں داخل ہونے کا تنگ دہانہ روک لیا شہریوں کے ساتھ گفت وشنید جاری رہی ان شہریوں نے سکندر کے ساتھ انہیں شرطوں پر معاملہ طے کرنا چاہا جن کی بنا پر وہ ایرانیوں کی اطاعت قبول کئے بیٹھے تھے۔

فوجیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ انہیں یورش کی اجازت دے دی جائے دیاوس نے اپنی منجنیقیں مناسب مقامات پر نصب کر دیں پارمینیو نے اصرار کیا کہ بندرگاہ میں جو جہاز کھڑے ہیں ان پر چند رجمنٹیں سوار کرا دینی چاہئیں تا کہ وہ سمندر میں نکل کر میمنان کے بیڑے سے جنگ کریں وہ کہتا تھا کہ ہمارے لئے کامیابی کا موقع ہے اور اگر ہم ایرانی بیڑے کو شکست دے سکے تو پورے ساحلی علاقے پر دھاک بندھ جائے گی بالفرض ہمیں شکست بھی ہوئی تو تھوڑا سا جانی نقصان ہو جائے گا وہ خود اپنے بیڑے کی کمان کے لئے تیار تھا غالباً پارمینیو کی رائے درست تھی لیکن سکندر کے دل میں صورتحال کے متعلق اطمینان نہ تھا، لہذا وہ سراپا احتیاط بن گیا تھا اور اس نے مذکورہ بالا رائے قبول نہ کی۔

پارمینیو نے اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہمیں ایک نیا نیک شگون ملا ہے ہمارے آدمیوں نے دیکھا کہ ایک عقاب بلندی پر اڑتا ہوا نیچے اترا اور اس کی چٹان پر آ بیٹھا جس کے نیچے ہماری ایک جنگی کشتی کھڑی تھی۔ یوں عقاب نے فتح کی پیش گوئی کر دی سکندر نے جواب دیا کہ اگر عقاب سمندر کے کنارے پر ٹھہر گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں خشکی پر ہی قدم جمائے رہنا چاہئے۔

بہر حال سکندر نے جو طریقہ اختیار کیا اس سے نتیجے اچھے نہ نکلے ہفتے چپقلشوں میں گزر گئے مقدونیوں نے آب نوشیدنی کے ان تمام ذخیروں پر قبضہ کر لیا جو قریب واقع تھے میمنان کا بیڑا پانی کے بغیر ناکہ بندی قائم نہ رکھ سکا اور اس غرض سے روانہ ہو گیا کہ جزیرہ لس بوس پر قابض ہو جائے جنگی بیڑے کے اس پہلے مقابلے نے سکندر کے لئے غور وفکر کا خاصا ذخیرہ فراہم کر دیا۔

ملی ٹس کی کیفیت دیکھ کر آئی رونیا میں مزاحمت نے شدت اختیار کر لی میمنان یونانی تنخواہ داروں اور ایرانیوں کا جیش لے کر اپنے بیڑوں کے ساتھ ہیلی کارنیس پہنچ گیا جسے اپنے آثار کی وجہ سے خاص شہرت حاصل تھی سکندر اپنے سالاروں کی رائے کے مطابق شہر کے اردگرد کی بلندیوں پر مورچے قائم کرنے کے لئے مجبور ہو گیا۔ ان فوجیوں کو مسولس کا بلند مقبرہ نظر آ رہا تھا جو مسولیم 10 کے نام سے موسوم تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے محاصرے کا محض تماشا دیکھانے پر اکتفا کی اس نے بڑے بڑے برج بنا لئے منجنیقوں کے ذریعے سے فصیل کے مختلف حصے توڑ ڈالے۔ شہر پر سخت حملہ تو نہ کیا لیکن ایسے طریقے ضرور اختیار کئے جن سے شہریوں کو یقین ہو جائے کہ سخت حملہ ہونے والا ہے۔

ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس سے تھیبز کی تباہ کاری کے اعادے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا پرڈکاس کی فوج کے دو سپاہی بے سود مظاہروں سے تنگ آ گئے وہ شراب پی رہے تھے اور بدمستی کے عالم میں دونوں بڑ ہانکنے لگے دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ مجھ ایسا بہادر کوئی نہیں اس بارے میں فیصلے کی صورت یہ قرار پائی کہ دونوں ہتھیار پہن کر فصیل کے پاس پہنچ گئے تو نعرہ لگایا کہ شہریوں میں سے جسے اپنی جواں ہمتی پر ناز ہے باہر نکلے اور مقابلے کر دیکھے یہ نعرہ سنتے ہی اندر سے سپاہیوں کا ایک سیل ابل پڑا۔ دونوں سپاہیوں نے ایک چٹان کے پیچھے مستحکم مقام پر قدم جما لئے اور دشمن کے حملوں کو روکنے لگے اب تماشائی بھی ان آدمیوں کے ساتھ ہو گئے دوسرے سپاہیوں نے سنا تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کو خطرے کے مقام سے باہر نکالنے کے لئے موقع پر پہنچ گئے اس طرح ہیلی کارنیس کے دروازوں پر چھوٹی سی جنگ کا سروسامان ہو گیا آخر کار دونوں سپاہیوں کو صحیح سلامت واپس لے آئے۔

جب میمنان نے یہ فیصلہ کر لیا کہ شہر خالی کر دینا چاہئے اور اس نے منجنیقوں اور ذخیروں کو آگ لگانی شروع کی تو سکندر بزور شہر میں داخل ہوا۔ میمنان بھاگ کر اپنے

جہاز میں پہنچ گیا محصور فوج و مستحکم کوششوں میں قدم جما کر بیٹھ گئی جہاں یونانی نہ پہنچ سکتے تھے سکندر نے حکم دے دیا کہ آگ بجھا دی جائے اور کوئی فوجی گھروں میں داخل نہ ہونے پائے اس کی خواہش یہ تھی کہ ہیلی کارنیس کو بالکل محفوظ رکھا جائے لیکن اس میں وقت بھی صرف ہوا اور جانیں بھی تلف ہوئیں اس نے تھوڑی سی فوج پیچھے چھوڑی جو محصورین کو مستحکم مقامات میں سے نکالنے میں لگی رہی شہر کی ہر عمارت گزند سے محفوظ رہی مسولس کی ایک بہن کو مسند حکومت پر بٹھا دیا جس کا نام آڈا II تھا مقدونوی فوج نے آڈا کے اعزاز میں مظاہرہ کیا اور آڈا نے سکندر کو بیٹا بنا لیا۔

سکندر ہیلی کارلیس سے آگے بڑھا تو آس پاس کے قصبوں سے خراج کی پیش کشیں ہونے لگیں ایک قصبے کے نمائندے اپنے ساتھ سنہری تاج لائے ملکہ آڈا نے میوے اور نہایت لذیذ کھانے سکندر کی خدمت میں پیش کئے بلکہ اپنے باورچی ساتھ کر دیئے تا کہ وہ اچھے کھانے تیار کرتے رہیں سکندر ان کھانوں میں اپنے سالاروں کو بھی شریک کرتا تھا اور اپنی منہ بولی ماں کو اس نے بتایا کہ میرے اتالیق لیونی ڈس نے کبھی ایسے لذیذ کھانے چکھنے کا موقعہ نہ دیا۔ میری حقیقی ماں بھی اچھے کھانے بھیجتی تو اتالیق انہیں روک لیتا۔

آئی رونیا کے تمام شہروں میں سکندر نے اپنے قاصد بھیج دیئے کہ یونانی نو آبادیاں آزاد ہو گئیں اب جس طرح وہ چاہیں اپنے معاملات کا انتظام کر لیں جمعیت متحدہ یونان نے اسے سپہ سالار اعظم کا لقب دیا تھا سکندر نے اگرچہ بظاہر اسے قبول کر لیا تھا لیکن دل میں اسے یہ لقب پسند نہ تھا یونانی شہر آزاد ہو چکے تھے لیکن انہیں شہنشاہ ایران کے خلاف متحد کر دینے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی شاید یہ احساس ہو چکا تھا کہ ان علیحدگی پسند شہروں کو ملا کر ایک قوم بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ انفرادی جمہوریت خصوصیتیں کھو بیٹھیں گے ان خصوصیتوں سے شہر حد درجہ وابستہ تھا اور اس امر پر قانع کہ کوئی مستبد یا ڈکٹیٹر ان کا نظم و نسق سنبھال لے لیکن اسے شہر کا باشندہ ہونا چاہئے سکندر میں ایسی کوئی بھی خصوصیت نہ تھی یونانی فکر و نظر کی ان پیچیدگیوں نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔

سکندر ان دولت مند ایرانی شہریوں کو لوٹنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے روپے کی سخت ضرورت تھی روپے کے سوا قدم آگے نہ بڑھایا جا سکتا تھا اس نے شہروں کی حفاظت کا ذمہ اٹھا لیا تھا ان کی بندر گاہوں کے بغیر وہ یونان سے روابط قائم نہ رکھ سکتا تھا مگر وہ پیش قدمی میں ساحل کا دامن نہ چھوڑا اور پختہ ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی شکل میں اپنی مشکلات کا حل نکال لے گا اب آگے بڑھا تو بہر حال اسے مزاحمت کا ہی اندیشہ ہو سکتا تھا۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے چھوٹے سے بیڑے کو ختم کر دیا جہاز بندر گاہوں میں ٹھہرا دیئے۔ ملاحوں سے کہا تمہاری خدمت کی ضرورت نہیں اس لئے کہ تمہیں تنخواہ دینے کے لئے میرے پاس روپے نہیں اگرچہ اسے اطلاع مل چکی تھی کہ دشمن بیڑے کے کماندار میمنان نے مٹی لین میں وفات پائی تاہم وہ اپنے فوجیوں کو کسی بحری لڑائی کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھا لیکن خود سمندر اس کی فوج کے لئے خطرہ بن گیا اور یہ خطرہ ایسی شکل میں نمایاں ہوا کہ اہل مقدونیہ نے اسے شگون بد سمجھ لیا جس ساحلی سڑک پر وہ اب تک چلے جا رہے تھے وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چکر لگاتی ہوئی جا رہی تھی ایک کھاڑی پر پہنچ کر سڑک غائب ہو گئی یہاں زمین اوپر ابھر آئی تھی اور راستہ ایک چھوٹی سی چٹان پر سے جاتا تھا۔ سمندر کی لہریں اس چٹان سے ٹکرا رہی تھیں اور ان کا پانی وقتاً فوقتاً اس تنگ گزر گاہ تک بھی آ جاتا تھا مقامی لوگ اس مقام کو سمندر کی سیڑھیاں کہتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہاں سمندر بہت گہرا ہے اور گہرا پانی بلند ہو کر خشکی تک جاتا ہے کہ لہروں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے قدرت جسے چاہے بچا سکتی ہے سمندر کی ان سیڑھیوں پر سے فوجی دستوں کو گزارنا حد درجہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ لیکن سکندر نے یہ خطرہ قبول کر لیا۔

جب اس نے دیکھا کہ ہوا کا رخ خشکی سے سمندر کی جانب ہے تو اپنی فوج کو بار برداری کی گاڑیوں اور دوسری چیزوں کے ساتھ تیزی سے گزار کر لے گیا سمندر کا پانی فوجیوں کی ٹانگوں کو بوسہ دیتا تھا لیکن وہ ڈوبے نہیں بعض لوگوں نے کہا یہ سکندر کی خوش نصیبی ہے، سمندر نے بھی دشمنی کے بجائے دوستی کا اظہار کر دیا۔ نیارکس جانتا تھا کہ جب

تک بادشمال موافقت میں چلے گی اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں بطلیموس بولا کہ ہوا کارخ بدل گیا تو تم دوسرا گیت گانے لگو گے۔ بہ ہر حال ہم پانسا پھینک چکے ہیں اب جو ہو سو ہو غرض سمندر کی سیڑھیوں سے گزرتے ہی دشمن کی سرگرمیوں کے آثار نمودار ہوئے۔

حقیقت یہ ہے ایرانیوں نے مال و دولت کے ذریعے سے ساحلی علاقے کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور تنخواہ دار فوجیں خشکی پر اتر کر اندرون ملک کی طرف جا رہی تھیں محافظ گارڈ کے آدمیوں میں سے ایک کے پاس اشرفیاں پائی گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ یونانیوں کی نقل و حرکت کے متعلق دشمنوں کو خبریں بھیج رہا تھا سکندر نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا لیکن کوئی سزا دینی مناسب نہ سمجھی اس لئے کہ فیلقوس کی موت پر یہ شخص سب سے پہلے ہتھیار لے کر سکندر کے پاس پہنچا تھا اور اپنی خدمات پیش کی تھیں اس سے پیشتر اس کی غداری کا کوئی واقعہ علم میں نہ آیا تھا پارمینیو نے سکندر کو آگاہ کر دیا کہ دشمن نے تمہارے قتل کے لئے اندھا دھند روپیہ تقسیم کر دیا ہے۔

عقد ثریا کے غروب پر موسم خزاں کی سردی آ گئی تو یونانی فوج نے ایشیائے کوچک کے ساحل پر پڑاؤ کا انتظام کیا تاکہ جتنا علاقہ فتح ہو چکا تھا اس کا انتظام درست کر لیا جائے تو شادی شدہ فوجیوں کو رخصت پر وطن جانے کی اجازت مل گئی۔ کوئنس 12 نام ایک شخص کو ان کا سالار بنا دیا گیا۔ وہ خود بھی نوشادی شدہ تھا۔ فوجیوں نے اس رعایت کا پر جوش خیر مقدم کیا انہیں تاکید کر دی گئی کہ مقدونیہ اور یونان میں سے جتنے بھی رنگروٹ مل سکیں آئندہ موسم بہار میں انہیں ساتھ لے کر واپس آ جائیں سکندر آزمودہ کار پیادہ فوج کے ساتھ اندرون ملک کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ برفستانی سطح مرتفع میں گشت کرے۔

اہل کائی رونیا کو یہ اقدام جس درجہ خطرناک معلوم ہوتا تھا حقیقت میں اتنا خطرناک نہ تھا سطح مرتفع کے سلسلہ ہائے کوہ میں جو قبائلی لوگ آباد تھے وہ فرجیا 13 اور پسڈیا 14 کے باشندے تھے وہ ہیٹوں اور سمیریوں کے اسلاف سمجھے جاتے تھے انہوں نے ایک منظم فوج کو موسم سرما میں بلندیوں پر چڑھتے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اہل مقدونیہ خود پہاڑی

باشندے تھے پہاڑوں پر راستے پیدا کر لینا ان کے لئے ہرگز مشکل نہ تھا سکندر پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ موسم سرما میں پہاڑی باشندوں کو مسخر کر لینا سہل ہے اس لئے کہ برف باری کے باعث وہ گھر چھوڑ کر چوٹیوں پر نہیں جا سکتے اس نے ساحلی علاقے میں سے گزرتے وقت کشمکش سے حتیٰ الامکان احتراز کیا تھا، اب بھی وہ اسی مسلک پر کاربند رہا۔ وہ ان بربری لوگوں کو پھسلانا اور بڑی لڑائی سے برابر پہلو بچاتا ہوا بڑھتا گیا۔

راستے میں اس نے عجیب وغریب مذاہب کی بڑی بڑی خانقاہیں دیکھیں ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ فریجیا کے باشندے اور اہل مقدونیہ ہم نسل تھے وہ آپس میں ملتے تو بڑے پیار اور محبت کا اظہار کرتے دیوداروں کے جھنڈوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں پہنچتے ہی اہل مقدونیہ کو اپنے وطن کی یاد تازہ ہو جاتی بہرحال انہوں نے یہ دن بڑے اطمینان سے گزارے ایک شہر کے باشندے گھر بار چھوڑ کر ایک ایسی چٹان پر جا بیٹھے جسے مسخر کرنا سہل نہ تھا تجربہ کار مقدونیوں نے اس چٹان کو گھیر لیا پھر ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ احمق نہ بنو، نیچے آ ؤ اور معاہدہ کر لو، انہوں نے جواب دیا کہ احمق نہیں دو دن میں ہمارے پاس کمک آ جائے گی، پیغام بھیجا گیا کہ اگر کمک دو دن میں نہ پہنچی تو پھر کیا نیچے آ جاؤ گے انہوں نے اثبات میں جواب دیا دو دن گزر گئے تو وہ نیچے اترے اور صورت حال کے متعلق بات چیت کے بعد فیصلہ کر لیا ان لوگوں سے سکندر کو بہت زیادہ رضا کار مل گئے اتنے آئی رونیا کے اسیروں سے نہ ملے تھے۔

یہ لوگ اہل مقدونیہ سے بھی زیادہ اوہام پرست تھے اس پہاڑی علاقوں کے شہروں میں گارڈیم 15 سب سے بڑا تھا۔ سکندر نے سنا کہ وہاں ایک گاڑی مدت سے اپنے اصل مقام پر محفوظ ہے۔ شہر کا بانی اسی گاڑی پر پہنچا تھا مرور زمانہ سے یہ گاڑی مقدس قرار پائی کارڈیم کے پروہتوں اور پجاریوں نے کہہ دیا کہ گاڑی جہاں ٹھہری ہے وہیں ٹھہری رہے گی پھر ایک آدمی آئے گا جو جوئے کی گانٹھ کھولے گا اور جو آدمی یہ گانٹھ کھولے گا وہ ایشیا کا بہت بڑا بادشاہ بن جائے گا پہاڑی لوگ سوچ رہے تھے کہ آیا یہ بلند بخت مقدونوی گانٹھ

کھولنے کا حوصلہ کرے گا؟

اس گاڑی کے متعلق گردونواح کے علاقے میں بہت سی کہانیاں مشہور تھیں مشہور رومی مورخ آریاں لکھتا ہے کہ جب سکندر گارڈیم پہنچا تو بالا حصار میں جانے کا بڑا مشتاق تھا تاکہ وہ گاڑی، اس کے رکشے اور جوئے کو دیکھے اس لئے کہ سمجھا جاتا تھا جو شخص جوئے کا بندھن کھول دے گا وہ ایشیا پر حکومت کرے گا رسے کی گانٹھ اس طرح لگائی گئی تھی کہ دونوں سرے گانٹھ کے اندر آ گئے تھے اور کسی کو نظر نہ آتے تھے سکندر گانٹھ کو ڈھیلا کرنے کی کوئی تدبیر نہ سوچ سکا اور اسے اندیشہ تھا کہ اگر ناکام رہا تو تماشائیوں پر بہت برا اثر پڑے گا بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تلوار نکالی اور گانٹھ کاٹ دی لیکن جو شخص موقع پر موجود تھا اس نے بتایا کہ سکندر نے گاڑی میں سے لکڑی کی ایک میخ نکال دی اس وجہ سے وہ رسا ڈھیلا پڑ گیا، جس سے جوا بندھا ہوا تھا، غرض کوئی بھی صورت پیش آئی ہو خود سکندر اور اس کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ پیش گوئی پوری ہو چکی ہے اور اس رات لوگوں نے شدید گرج کی آواز بھی سنی۔

اس موسم سرما میں برف سے ڈھکی ہوئی سطح مرتفع میں ہر طرف یہ افواہ پھیل گئی کہ مقدونیہ کے سنہرے بالوں والے نوجوان کو آسمانی حمایت حاصل ہے اور وہ ایشیا کا بادشاہ بن جائے گا کسانوں کا خیال یہی تھا اور سپاہی اس خیال سے متفق تھے اس افواہ سے ایک غیر متوقع نتیجہ پیدا ہوا بعد ازاں سکندر جہاں کہیں بھی خود جاتا لوگ بے حد متاثر ہوئے اور ان پر دہشت سی چھا جاتی۔

جو مقدونوی گارڈیم میں مقدیم تھے ان کے پاس بڑی خوشگوار خبریں پہنچیں موسم سرما میں ہواؤں کی تیزی ختم ہو گئی تو ایرانی بیڑے نے اس صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر بحیرہ ایجہ کے اکثر جزیروں پر قبضہ کر لیا اور ٹینی ڈوس کو اپنا مرکز بنا لیا جو درہ دانیال کے دہانے پر واقع تھا۔

کوئی نوس جو رخصت پر گیا ہوا تھا، برفیں پگھل جانے کے موسم پر لوٹا تو اس کے ساتھ

نئی فوج تھی ۔۔۔۔۔تین ہزار پیادے اور تین سو مقدونوی سوار متعدد کمپنیاں تھسلی کی بھی تھیں ۔۔۔سکندر کو بتایا گیا کہ غنیم کا بیڑا یونان کے قریب نمودار ہوا تھا اینٹی پیٹر نے عجلت میں چند جہاز تیار کر کے مقدونوی ساحل کی نگہبانی شروع کر دی تاہم اسے خوف تھا کہ کہیں ایرانی بیڑا اہل سپارٹا کو ساتھ ملا کر یونان پر ہلہ نہ بول دے اہل مقدونیہ اس امر پر یقیناً پریشان تھے کہ سکندر کی فوج کے ساتھ وسائل حمل ونقل محفوظ نہ رہے تھے اور وہ فوج وطن سے منقطع ہو چکی تھی۔

اگرچہ حالات نازک تھے تاہم فیصلہ خواہ کسی نے کیا ہو سکندر نے اعلان کر دیا کہ یونانی فوج مراجعت نہ کرے گی وہ آگے بڑھتی جائے گی اور ساحل ایشیا کی بندرگاہوں پر ابھی قبضہ نہیں ہوا ان پر قابض ہو کر ایرانی بیڑے کے خطرات زائل کر دے گی ایرانی بیڑا تین دن سے زیادہ سمندر میں نہ رہ سکتا تھا اس کے لئے لازم تھا کہ کسی بندرگاہ پر پہنچے۔ پینے کا پانی لے نیز کھانے اور رسد کا انتظام کرے اگر بندرگاہوں پر قبضہ ہو جاتا تو بیڑا خود بخود معطل ہو جاتا بلکہ باہر رہ ہی نہ سکتا تھا۔

آریاں لکھتا ہے: سکندر ایرانی بیڑے کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا مگر اسے یقین تھا کہ بندرگاہوں پر قابض ہو کر بیڑے کو توڑ دیا جا سکتا ہے، اس لئے بندرگاہیں چھن جانے کے بعد نہ نئے رنگروٹ مل سکتے تھے اور نہ رسد ہاتھ آ سکتی تھی۔

بہرحال ایک اور خطرہ بھی سامنے تھا یعنی یہ کہ ایرانی فوج سے مڈبھیڑ ہو جاتی جو اندرون ملک میں نقل وحرکت کے لئے جنوبی حصے میں تیار ہو رہی تھی اگر مقدونوی فوج جنگ میں ہار جاتی تو اس کے لئے بچ کر درہ دانیال پہنچنا مشکل تھا یہ تمام امور فوج کی مجلس شوریٰ کے روبرو واضح کر دیئے گئے جو بڑے بڑے افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی ان سب نے بالاتفاق رائے دی کہ پیش قدمی جاری رہنی چاہئے۔

آٹھواں باب :: جنگ اسوس

یونانی فوج آگے بڑھی اور جنوبی حصوں کی زمینیں دیکھیں تو دل پر ایک حد تک ناگوار اثر پڑا ایک جگہ گھاٹی کا راستہ اتنا تنگ تھا کہ بمشکل ایک گاڑی اس میں سے گزر سکتی تھی یہ پہاڑ کا آخری گوشہ تھا۔ اس سے آگے دور تک میدانی علاقہ چلا جا رہا تھا جس کی زمین کا رنگ سرخی مائل تھا ہر طرف گرد و غبار نظر آتا تھا کہیں کہیں گرم علاقوں میں پیدا ہونے والے درختوں کے سبز جھنڈ نظر آتے تھے اب ان کے سامنے ایک طرف سیاہی مائل چٹانیں تھیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئیں تھیں اور موسم گرما میں بھی ان کے اندر برفانی ہوا چل رہی تھی سامنے نشیب میں وہ خطہ پھیلا ہوا تھا، جسے انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا اس گھاٹی کا نام عوام میں باب سلیشیا مشہور تھا سکندر کو انتہائی خوش نصیبی سے اس پر قبضہ جما لینے کا موقعہ مل گیا اور آئندہ چل کر خوش نصیبی کے بہت سے مواقع ایسے پیش آئے اس گھاٹی کی حفاظت پر ایک فوج موجود تھی سکندر نے اپنی بڑی فوج اور بار برداری کے قافلے کو ایک مناسب مقام پر روک دیا اور پہاڑی علاقے کے مقدونویوں کی چند کمپنیاں لے کر رات کے پچھلے حصے میں اسے خیال سے آگے بڑھا کہ غنیم کی فوج پر اچانک جا پڑے اور اسے دم لینے کی مہلت نہ دے یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ غنیم نے مقدونویوں کو دیکھ لیا لیکن جب سکندر آگے بڑھا اور دھندلکے میں اس کے خود کے سفید چیز دور سے نظر آئے تو غنیم کی فوج جگہ چھوڑ کر ہوا کی طرح رفو چکر ہو گئی۔

یونانیوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے جو سرخی مائل میدان موجود ہے یہ جہنم کا پہلا خطہ ہے گویا وہ جتنا آگے بڑھیں گے، زمین کے اندر بڑھتے چلے جائیں گے گوارڈیم کے کاہن نے انہیں بتا دیا تھا کہ میدانی علاقوں میں عجیب و غریب دیوتاؤں کو اقتدار حاصل ہے مثلاً داغون 2 اور بعل 3 جن کے سامنے بچوں کو قربان کیا جاتا تھا راتوں کو سمندر کے کنارے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے پر دل کے تین تین جوڑوں سے ہر لحظہ اڑتے پھرتے ہیں اور کرنوس دیوتا موجود ہے جس کی چار آنکھیں ہیں وہ سو جاتی ہیں تو دو دیکھ بھال میں

لگی رہتی ہیں سوئی ہوئی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو بیدار آنکھوں میں نیند اتر آتی ہے۔اسی حصے میں سمندر کے سینے پر فونیقیوں نے صور نام ایک شہر ایسا بسایا جو چٹانوں کے سہارے کھڑا تھا۔وہ لوگ اپنے مردوں کو جلاتے تھے اور فلزاتی پتھروں کی پرستش کرتے تھے وج آسمان سے جلتے ہوئے گرے اور سب سیاہ لوہے کی مانند زمین پر پڑے تھے ان میں سے ایک شہابی پتھر یروشلم میں بھی موجود تھا اس کے نیچے ایک شگاف تھا جو زمین کے اندر چلا جاتا تھا 4 یروشلم کی فصلیں نحو یہ بنی نے بنائی تھی پاس ایک ایسا زمین بند 5 سمندر موجود تھا جس کے اردگرد اگنے والی نباتات زہریلی تھی زمین شور اور پتھر سیاہ تھی۔

مقدونوی فوج باب سلیشیا سے گزرتی ہوئی نیچے سرخی مائل میدان میں پہنچی تو سورج کی حدت میں نمایاں اضافہ ہو گیا اور وہ لوگ پسینے میں شرابور ہو گئے وہاں انہیں ایک چٹان نظر آئی جس پر نوکدار اور روانہ نما انداز میں کوئی کتبہ کندہ تھا ایک مقامی عالم کو بلا کر یہ کتبہ پڑھوایا گیا تو معلوم ہوا کہ اشوری زبان کا کتبہ ہے اور الفاظ یہ ہیں:

ساروانا پالس 6۔۔۔۔۔۔نے شہر طرسوس ایک دن میں تعمیر کر دیا

لیکن اے اجنبی تو کھا پی اور عیش و عشرت میں مشغول رہو انسانی زندگی

کا بہترین مشغلہ یہی ہے

یہ کتبے کی عبارت تھی اس کے اوپر ایک انسانی شکل بنی ہوئی تھی جس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھ اس طرح اٹھائے ہوئے تھے جیسے دعا کر رہا ہو اہل مقدونیہ دیکھ کر ہنسے بھی اور اس کے فلسفے پر بحث بھی کرنے لگے موضوع بحث یہ تھا کہ آیا ساروانا پالس کا قول درست ہے یا غلط۔

فوج باب سلیشیا سے گزر کر آگے بڑھی اور نادیدہ دشمنوں کے خطے میں پہنچ گئی تو اس کی طرز و روش میں بھی فرق آ گیا معلوم ہوتا تھا کہ سکندر تشویش میں مبتلا ہے اور پارمینیو کی قوت ضبط جواب دے رہی تھی وہ سب ہر قدم پر انتہائی احتیاط سے کام لے رہے تھے اور جو خبریں ملتی تھیں، ان کے جھوٹ سچ ہونے کا پورا اندازہ کر لیتے تھے گزشتہ موسم سرما میں

انہوں نے مخابرت کا ایک نہایت عمدہ سلسلہ مرتب کرلیا تھا ان کے پاس جاسوس بھی تھے اور طلایہ گرد سوار بھی لیکن ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نظام کا تفصیلی طریق کار کیا تھا۔ شاید تاجر یا مقدس مقامات کے زائر یا ملاح آگے آگے جا رہے ہوں اور انہیں جو خبریں ملتی ہوں اکٹھی کر کے جگہ جگہ فوج کے لئے چھوڑتے جا رہے ہوں۔

اہل مقدونیہ پیش قدمی کے ساتھ ساتھ گرد و پیش کی چیزوں کے معائنے اور مشاہدے کا بھی خاص اہتمام کرتے تھے مثلاً رات کے وقت ستاروں کے جھرمٹ پر ان کی نظریں ہوتیں جتنا راستہ طے کرتے اس کی پیائش کرتے جاتے۔ فوج کے ساتھ جو طبیب تھے، وہ ہر علاقے میں نئی نئی بیماریوں کا حال معلوم کر لیتے۔ سکندر اور بطیموس دونوں روزانہ واقعات تفصیل سے لکھ لیتے۔ جو جو نئی چیزیں ملتیں، مثلاً نئے پودے، گھونگھے، جانوروں کی کھالیں، کیڑے مکوڑے یا پرندے، ان کے نمونے جمع کر کر کے ارسطو کی تجربہ گاہ کے لئے وطن جاتے جس مقام سے گزرتے باشندوں سے ہر قسم کے سوالات کرتے جاتے مثلاً یہ کہ سڑکیں کیسی ہیں؟ غذائی اجناس کا کیا حال ہے؟ لوگ کس قسم کے ہیں؟ ایک طلایہ گرد جیش پہلے بھیج دیا گیا تھا وہ تیزی سے طرسوس کے قریب دریائے سدنوس 7 پر پہنچ گیا اور دشمن کو طرسوس کی حفاظت یا بربادی کا موقع نہ دیا۔

یہاں پہنچتے ہی سکندر بیمار ہو گیا اور ہفتوں سخت بخار میں مبتلا رہا۔ یہ بیماری اس کی اپنی بے احتیاطی کا نتیجہ تھی وہ ایک گرم اور ملیریائی وادی میں سے گھوڑا دوڑاتا ہوا جا رہا تھا خوب پسینہ آیا ہوا تھا اچانک کپڑے اتارے اور پہاڑی ندی میں کود پڑا جس میں پگھلی ہوئی برف کا پانی آ رہا تھا، اس کا جسم اینٹھ گیا اور پھر سخت بخار آ گیا۔ ساتھیوں کا خیال تھا کہ اسے زہر دے دیا گیا ہے

جب طبیب خاص بخار کو زائل کرنے میں ناکام رہے تو اس نے ارکانیا کے ایک طبیب کو بلایا جس کا نام فیلقوس تھا فیلقوس نے تجویز کیا کہ تیز جلاب لینا چاہیے عین اس موقع پر پارمینیو کی طرف سے ایک قاصد خط لایا جس میں مرقوم تھا کہ فیلقوس پر بھروسا نہ کرنا

چاہئے معلوم ہوا ہے کہ اس نے شہنشاہ ایران سے رشوت لے کر سکندر کو مار ڈالنے کی سازش کر رکھی ہے کہا جاتا ہے کہ سکندر نے خط پڑھا اور کچھ نہ کہا اس اثنا میں فیلقوس دوا کا پیالہ لے کر آ گیا سکندر نے پیالہ لے کر دوا پینی شروع کی اور تکیے کے نیچے سے پارمینیو کا خط نکال کر فیلقوس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ادھر فیلقوس نے خط ختم کیا ادھر سکندر دوا پی چکا تھا جو لوگ خیمے میں موجود تھے انہوں نے بعد ازاں بتایا کہ سکندر یا فیلقوس کسی کے چہرے پر تشویش کی کوئی علامت نمودار نہ ہوئی فیلقوس نے خط واپس دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری ہدایات پر عمل کرتے رہیں گے تو بیماری جاتی رہے گی عمل نہ کریں گے تو ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔

جلاب نے سکندر کو بہت کمزور کر دیا لیکن اس نے فیلقوس کا علاج جاری رکھا اور جو لوگ اس کے گرد و پیش تھے ان پر پورا بھروسا کیا ہرپالوس فوجی خدمات سے تنگ آ گیا تھا سکندر نے اسے سارڈس میں مال وزر کا انتظام سونپ دیا۔

سکندر کی بیماری نے طول کھینچا تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ فوج کی خوش نصیبی میں بھی فرق آ گیا ہے۔ سکندر کو پالکی میں سوار کرا کے لے جا رہے تھے اس وجہ سے فوج کی رفتار میں کمی آ گئی اور انہیں اس میدان کو عبور کرنے میں خاصی دیر لگی جو طرسوس سے خلیج اسوس تک پھیلا ہوا تھا اور وہاں موسمی بخار کا زور تھا فوج کے اور بھی بہت سے آدمی بیمار ہو گئے ساحل شام کے باشندوں نے یونانی فوج کی ہنسی اڑانی شروع کر دی جو دلدلی علاقے میں بمشکل راستہ تلاش کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی دشمن ابھی تک نمودار نہ ہوا تھا تاہم اس کے خفیہ کارندے قصبوں میں ہنگامے بپا کر رہے تھے۔ یہ سب علامتیں ایسی تھیں جنہیں خوش نصیبی پر محمول نہ کیا جا سکتا تھا اور فوج کی ہمت خاصی پست ہو گئی تھی۔

پارمینیو نے فوج کے بہترین جیش ساتھ لے لئے اور وہ ان پہاڑیوں میں چلا گیا جو سمندر کے کنارے واقع تھیں یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ ایرانی فوج صرف دو دن کی مسافت پر پہنچ گئی ہے لیکن اس کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا سکندر نے باپ چیت سے فوج کا

حوصلہ بڑھانا چاہتا اس نے کہا کہ دیکھو شمالی علاقے سے بڑی خوشگوار خبریں آئی ہیں بطلیموس نے رپورٹ بھیجی کہ دشمن کے جو دستے ہیلی کارنوسس میں لڑ رہے تھے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے پھر اس نے ایک دن مقرر کر کے گانے بجانے کا اہتمام کیا اور فوجیوں کو اجازت دے دی کہ دن بھر اپنی پسند کے کھیلوں میں مصروف رہیں رات کے وقت مشعلوں کی روشنی میں گھڑ دوڑ کا انتظام کریں اور جشن منائیں پھر بیماروں کو اسوس میں ٹھہرا دیا اور فوج لے کر آگے بڑھا۔ اس کے دائیں ہاتھ سمندر تھا بائیں ہاتھ پہاڑیوں کا سلسلہ سمندر سے بالکل قریب آ پہنچا عین اس حالت میں بارش شروع ہوئی جو لگاتار ایک رات اور ایک دن جاری رہی مطلع صاف ہوا تو ناقابل یقین خبریں پہنچیں یعنی جس ایشیائی فوج کی تلاش میں تیزی سے پیش قدمی کرتے آ رہے تھے وہ مقدونوی فوج کے عقب میں نمودار ہوئی گویا اس نے پیچھے سے مقدونویوں کا راستہ کاٹ دیا تھا اور انہیں گھیرے میں لے لیا تھا جن لوگوں کو بیماری کے باعث اسوس میں چھوڑ دیا گیا تھا معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے انہیں قتل کر دیا تھا مقدونویں افسروں کو یقین نہ آیا تھا کہ یہ خبر درست ہے۔

فوراً محافظ فوج کے چند منتخب آدمیوں کو تین چپوؤں والے جہاز میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ خود وادی اسوس کے حالات دیکھ کر صحیح اطلاعات لائیں وہ گئے اور یہ رپورٹ لائے کہ غنیم کی فوج اسوس کے اردگرد بھاری تعداد میں جمع ہے ساحلی علاقے میں سمندر سے پہاڑیوں تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں واپس جانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

سکندر نے فوراً سپہ سالاروں کو بلایا باہم مشورہ کیا پھر خود رجمنٹوں کے افسروں کے ساتھ جا کر آدمیوں کو یہ خبر پہنچائی تشویش نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا لیکن اسے دور کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ تیزی سے باتیں کرتا اور مسلسل بولتا جاتا خود اسے یقین تھا یا نہ تھا لیکن فوج کو یقین دلا دیا کہ جس واقعے کو تم اپنے لئے بہت بڑی مصیبت سمجھ رہے ہو وہ دراصل کامیابی کی سب سے بڑی کلید ہے اس نے کہا اب تک تمہیں کوئی

قوت شکست نہیں دے سکی یقین رکھو کہ اب بھی تم شکست نہ کھاؤ گے وہ مسلسل باتیں کرتا ہنستا فوج کی بلند حوصلگی کی تعریف کرتا غرض اس میں مردانگی کی جو روح موجود تھی اس سے ایک ایک قلب معمور ہو گیا۔

اس نے کہا کہ دیکھو گرینی کس میں تمہیں صرف ایک رسالے سے سابقہ پڑا تھا اور بادشاہ کے نائب السلطنت تمہارے مقابلے پر آئے تھے اب ایران اور مادہ۔۔۔۔ کی پوری فوج مقابلے کے لئے آ گئی ہے اور شہنشاہ ایران خود اس میں موجود ہے لیکن محاذ تنگ ہے جس میں بڑی تعداد کوئی کام انجام نہیں دے سکتی۔ تمہاری تعداد تھوڑی ہے لہٰذا اپنی قوت سے پورا فائدہ اٹھا سکو گے بازوؤں کے بارے میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ایک طرف سمندر تمہارا محافظ ہوگا دوسری طرف پہاڑ۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو سابقہ کارنامے یاد دلائے اور کہا کہ اہل مقدونیہ اور ان کے ساتھی آزاد ہیں اور اپنی خوشی سے لڑ رہے ہیں جن لوگوں سے مقابلہ درپیش ہے وہ تنخواہ دار ہیں وہ ایک شہنشاہ کے ملازم ہیں اس جنگ میں کامیابی حاصل کر لو گے تو محنت و مشقت کا دور ختم ہو جائے گا پھر ایشیا کی سرزمینوں پر قبضہ جما لینے کا کام باقی رہ جائے گا۔

اس نے سپاہ کے لئے کھانے کا انتظام کر دیا جب اندھیرا چھا گیا تو پیچھے کی طرف لوٹ پڑا۔ اس تنگ گزرگاہ میں فوجی ترتیب قائم رکھنے کی بھی کوشش نہ کی آدھی رات کے وقت مقدونوی اس درے میں پہنچ گئے جو خلیج اسوس کے سامنے واقع تھا وہاں ٹھہر کر سکندر نے سپاہیوں کو سو جانے کی مہلت دے دی صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو پھر پیش قدمی شروع ہو گئی۔ آگے پہاڑیاں تدریجاً سمندر سے دور ہٹی جا رہی تھیں اور میدان گھسا جا رہا تھا۔ اب پیش قدمی اس ترتیب کے ساتھ جاری تھی جو میدان جنگ میں اختیار کی جاتی تھی مقدونویوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ غنیم کی قوت ان سے کم از کم تین چار گنا 9 زیادہ ہے۔

اسوس کے میدان میں غیر متوقع طور پر جو کچھ پیش آیا، اسے سمجھنے کے لئے یہ مان لینا ضروری ہے کہ مقدونوی فوج ایک خاص نقشۂ عمل پر کاربند تھی وہ مدت سے لڑائیوں میں

مشغول چلی آتی تھی اور اسے جنگوں کا وسیع تجربہ حاصل تھا فوج کا ہر جیش ہم قبیلہ یا ہم گروہ آدمیوں پر مشتمل تھا جو مختلف خصوصیات میں ممتاز چلے آتے تھے۔ مثلاً اگر پانی کے پہاڑی باشندوں کو بے قاعدہ چھاپے مارنے میں کمال حاصل تھا ہر جیش کو اپنا مقام معلوم تھا یہ بھی معلوم تھا کہ اسے کیا کام انجام دینا ہے اور مسلسل وہ کام انجام دیئے رہنے سے خاصا تجربہ حاصل کر چکے تھے اس اعتبار سے یونانی فوج دراصل موجودہ زمانے کے تجربہ کار اور منظم لشکروں کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

اس وقت سے پہلے جو لڑائیاں ہوتی رہی تھیں ان کی کیفیت یہ تھی کہ جنگجو انسانوں کے دو گروہ آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے اور پھر ان میں سے کوئی ایک گروہ جگہ چھوڑ بھاگ نکلتا۔ یا اینٹی گونس کے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ کوئی ایک گروہ دوسرے سے مرعوب و دہشت زدہ ہو کر راہ فرار اختیار کر لیتا ایسے منظم گروہوں کو خار پشت کی مانند ترتیب دے کر ایک زبردست قوت بنا لیا جاتا اہل سپارٹا نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا تھا وہ لوگ انفرادی جوانمردی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اور اس وقت تک نہ رکتے تھے جب تک مارے نہ جائیں، لیکن پیادہ فوج کی ترتیب ٹوٹ جاتی تو وہ بالکل بیکار ہو جاتی تھیبز کے رئیس اپی سی نانڈس نے دشمن کے مقابلے میں بدرجہا مضبوط بنا دیتا ایک خاص وقت تک اہل تھیبز کی یہ تدابیر یعنی دائیں بازو کی طرف سے حملہ جنگ میں کامیابی کا سب سے بڑا حربہ مانا جاتا تھا۔

مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس نے اہل تھیبز کی اس تدبیر کا مطالعہ خوب غور سے کیا اور اس میں چند اصلاحات بھی کر لیں پیادہ فوج حملہ کرتی تو اس کی رفتار زیادہ تیز نہ ہو سکتی تھی اور برچھیوں کے ذریعے سے دشمن کو پیچھے دھکیلتی فیلقوس نے مقابل کی صفوں کو توڑنے کے لئے رسالہ استعمال کیا اس کے سوار بھاری ہتھیاروں سے مسلح ہوتے تھے وہ ان سواروں کو خاص مقام پر چھپا دیتا تاکہ دشمن کی نگاہوں سے اوجھل رہیں پھر وہ اچانک گھات سے نکلتے اور دشمن کی صفوں پر عقب سے حملہ آور ہو کر اس کی قوت مزاحمت کو درہم برہم کر

ڈالتے۔

مقدونوی فوج کی یہی خفیہ چالیں تھیں جن کی بنا پر وہ ہر میدان میں کامیابی حاصل کرتی رہی۔ سکندر نے صرف اتنا اضافہ کیا کہ نیزہ بازوں کے حملے سے پیشتر دشمن کی فوج میں ایک راستہ پیدا کر لیتا یہی اسباب تھے جن کی بنا پر پارمینیو بے تکلف کہا کرتا تھا کہ رسمی جنگ میں کوئی فوج اہل مقدونیہ پر بازی نہیں لے جا سکتی۔ اس تدبیر پر عمل پیرائی کا طریقہ یہ تھا کہ مقدونوی فوج کے بائیں بازو کی آخری حد پر تھوڑی فوج رکھی جاتی تھی اس کی بنا پر دشمن کو وہ بازو بے حد کمزور نظر آتا یعنی کچھ تیر انداز بٹھا دیئے جاتے اور کچھ چھاپے مارنے والے لیکن ان کے پیچھے تھسلی کا رسالہ موجود ہوتا جس کے سوار بڑے آزمودہ کار اور گھوڑے بے حد تیز رفتار تھے رسالے کو اس طرح چھپا دیا جاتا کہ دشمن کو نظر نہ آتا فیلقوس کی جنگی تدبیروں کے مطابق بائیں بازو سے کوئی خاص کام لینا مقصود نہ ہوتا تھا اسے صرف بازو کی حفاظت کا فرض سونپا جاتا تھا۔ البتہ یہ ضروری تھا کہ وہ کسی بھی حالت میں پیچھے نہ ہٹے۔ لمبی برچھیوں والے پیادہ جیش، مقدونوی فوج میں روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے یونان کے بھاری ہتھیاروں والے سپاہی تھسلی کے رسالے سے قریب تر تھے زیادہ تر نیزہ باز، جفاکش مقدونوی کسان تھے یہ قطار در قطار کھڑے ہوتے تو عموماً قطاریں بن جاتیں سب سے پچھلی قطار کی برچھیاں سب سے لمبی ہوتیں قریباً سولہ فٹ لیکن بالکل سامنے کی قطار کی برچھیاں چھوٹی ہوتیں یہ آٹھوں قطاریں برچھیاں تان کر آگے بڑھتیں تو کوئی ان کے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتا تھا پیادہ فوج عموماً رجمنٹوں میں تقسیم ہوتی ہر رجمنٹ میں جنگجوؤں کی تعداد ایک ہزار پانسو چھتیس ہوتی پھر یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہوتی سب سے کم ٹولی آٹھ آدمیوں پر مشتمل ہوتی۔

اسوس کے میدان میں لمبی برچھی والی پیادہ فوج چودہ ہزار سے کم نہ تھی اور اس پر کوئی حملہ کارگر نہ ہو سکتا تھا، ان کے سینوں پر فولادی آئینے بندھے ہوئے تھے سر پر فولادی خود تھے اور چھوٹی چھوٹی ڈھالیں تھیں نیز ہر آدمی کے پاس چھوٹی مگر بھاری تلواریں بھی تھیں

تا کہ دست بدست جنگ کی نوبت آ جائے تو ان سے کام لیا جا سکے۔ کوچ کے وقت ہر آدمی اپنا سامان خود اٹھاتا تھا۔

نیزہ بازوں نے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا جس کا اندازہ دشمن نہ کر سکا۔ یعنی وہ پوری فوج ترتیب کے ساتھ دائیں بازو کی طرف بڑھ گئے پھر معاونوں کا ایک جیش نمودار ہوا وہ لوگ بھی پیادہ تھے لیکن بھاری ہتھیاروں سے لیس تھے اور ان کی تعداد تین ہزار ہو گی یہ پیش قدمی میں ویسے ہی تیزی دکھا سکتے تھے جیسی کہ سوار یہ معاون جیش آگے بڑھا تو تھریس کے سوار بھی ان سے آگے آگے جا رہے تھے تھریس کے سواروں سے ذرا آگے اگر یانی پہاڑیوں کی دو رجمنٹیں تھیں جنہوں نے سواروں کو چھپا رکھا تھا ان کے ساتھ کریٹ کے تیر انداز تھے بعد ازاں یہ لوگ سکندر کی خاص فوج بن گئے اس طرح مقدونیہ کی فوج نے اپنی جنگی تدبیر کو کامیاب بنایا ہر جیش دوسرے جیش کے لئے تقویت کا سامان تھا اور انہوں نے دائیں بازو سے حملہ کر کے دشمن کی صفوں میں بھاری خلاف پیدا کر دیا۔

اس خلاف میں محافظ فوج کا رسالہ سرپٹ دوڑتا ہوا گھس گیا اور دشمن کے عقب کو درہم برہم کر ڈالا۔ محافظ فوج کے ہتھیار سب سے اعلیٰ تھے اور گھوڑے بھی بہت اچھے تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہو گی عام دستور یہ تھا کہ دشمن کے بائیں بازو میں خلا پیدا کر کے یہ لوگ قلب پر حملہ آور ہوتے۔ یہی انہوں نے کیا معاون فوج کے سپاہی اور تھریس کا تجربہ کار رسالہ بھی ان کے ساتھ ساتھ جاتا۔ پھر نیزہ باز پیادہ فوج آگے بڑھتی تو جنگ کا پانسا پلٹ جاتا۔ دشمن بھاگ نکلتا اور صرف تعاقب کا کام باقی رہ جاتا کائی رونیا کے میدان میں اس تدبیر پر قبل از وقت عمل ہوا دریائے گرمی کس میں یہ تدبیر اگرچہ پوری طرح کارگر نہ ہو سکی تاہم یونانیوں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔

پوری فوج میں سے صرف کریٹ کے تیر انداز تنخواہ دار تھے اگرچہ یہ معلوم ہے کہ حلیف یونانی فوجیں اپنی رضامندی سے نہ آئی تھیں بعض معاون دستے بھی شامل تھے مثلاً قابل انجینئر جو دیاوس کی منجنیقوں سے کام لیتے تھے نیز طبیب اور سائنس دان بعض

بربری سوار ضرورت کے وقت گاڑیاں بھی ہانک لیتے تھے اور جن چھاپہ مار سواروں کے پاس ہلکے ہتھیار تھے ان میں محافظ فوج کے ملازم بھی بوقت ضرورت شامل ہو جاتے تھے پوری فوج ساڑھے ستائیس ہزار افراد پر مشتمل تھی سکندر کی ذاتی فوج کے لئے تمام جیشوں سے مختلف کمپنیاں منتخب کر لی جاتی تھیں بڑے بڑے سپہ سالار تعداد میں سات تھے وہ عموماً سکندر کے پاس رہتے لڑائی پیش آتی تو اپنے اپنے لشکروں کی کمان سنبھال لیتے۔

جس روز جنگ اسوس پیش آئی اس روز صبح کے وقت سکندر معمول کے مطابق حملہ آور فوج کے ساتھ دائیں جانب کے پہاڑ پر چلا گیا۔ پارمینیو نے بایاں بازو سنبھالیا وہ عین سمندر کے پاس مقیم تھا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر رات کے وقت ایک لمحے کے لئے بھی نہ سویا تھا اور اس پر خاصی تشویش طاری تھی ہلال نما خلیج پر پہلی نظر پڑتے ہی اسے آدمیوں کے ایسے جھنڈ نظر آئے جو شاید خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں اس فوج میں مختلف قوموں کے افراد شامل تھے مثلاً تنخواہ دار یونانی جیش اور کردستان کے پیادے جو دریا کے دور افتادہ کنارے پر استادہ تھے باقی فوجیں دائیں جانب پہاڑی کے ڈھلان پر پھیلی ہوئی تھیں رسالے کا دل اس انتظار میں کھڑا تھا کہ مقدونوی فوج قدم بڑھائے تو حملہ کرے خط جنگ کے عقب میں بھی شہر اسوس تک ایشیائی فوج ہی نظر آ رہی تھی۔

خلیج کے کناروں نے ایک بڑے تھیٹر کی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کے ایک تنگ دروازے سے یونانی فوج داخل ہو رہی تھی اور ویسے ہی دوسرے تنگ دروازے کے پرے شہر اسوس واقع تھا سکندر کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے پاس سوار بہت کم ہیں اور اس کی پیادہ فوج پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی اس میدان میں ایسی لڑائی نہ لڑی جا سکتی جس میں آخری فیصلہ معرض التواء میں ڈالا جاتا یا محض دشمن کی پیش قدمی کو روکنے پر اکتفا کیا جاتا صاف نظر آ رہا تھا کہ جس فوج کو پیچھے ہٹایا جائے گا وہ نہایت تنگ گزرگاہ سے جانے پر مجبور ہو گی بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی فوج ساحل والی سڑک پر اس کا تعاقب کر رہی تھی اور رات کی تاریکی میں وہ تیزی سے لوٹ آیا تو ایرانی فوج خلیج کے کنارے ہی پر رک رہ گئی سمندر کا

کنارہ سکندر کے بائیں جانب تھا صرف اس کے آس پاس ہی زمین ہموار تھی جس پر رسالے کو حملے کے لئے کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

ایک گھنٹے تک سکندر اور پارمینیو کھڑے یہ مشاہدہ کرتے رہے کہ بالائی کنارے کے دور افتادہ حصے میں کیا سرگرمیاں جاری ہیں اس اثنا میں مقدونوی فوج کا بڑا حصہ ایسے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا کہ ایرانی اسے بخوبی دیکھ نہ سکتے تھے سکندر اور پارمینیو نے دیکھا کہ ایرانی رسالے کا جو قلب دامن کوہ میں تھا وہ پیچھے ہٹا اور دریا کو عبور کر گیا بظاہر وہ رسالے کو کنارے کے پاس کی ہموار زمین پر لے جا رہے تھے ساتھ ہی ساتھ دریا کے ڈھلوان کنارے پر لکڑی کے مورچے بنا کر انہوں نے اپنے آپ کو مضبوط کر لیا۔

اب یہ سوال سامنے آ گیا کہ جو ایرانی رسالہ کنارے کے پاس کھڑا تھا اور وہ یونانی فوج کے بائیں بازو کے سامنے تھا، اس کے مقابلے اور روک تھام کا مناسب بندوبست ہو جانا چاہئے سکندر نے تھریس کے سواروں کو اپنے پاس سے ہٹا کر پارمینیو کی کمان میں بھیج دیا ساتھ ہی تاکید کر دی کہ نقل و حرکت دشمن سے خفیہ رہنی چاہئے پھر کریٹ کے تیرانداز بھی وہیں بھیج دیئے اس لئے کہ پارمینو کی فوج ساحل کی ہموار زمین پر یونانی فوج میں مرکز پرکار کی حیثیت رکھتی تھی تھریس اور تھسلی کے سواروں کا فرض تھا کہ وہ یونانی فوج کے بائیں بازو کو پیچھے نہ ہٹنے دیں اگر انہیں کمر کمر پانی میں مقابلہ کرنا پڑے۔

یہ انتظامات ہو چکے تھے تو سکندر نے حملے کے منصوبے پر عمل شروع کیا جس حد تک ممکن تھا رسالے کو پیادہ فوج کے پیچھے دشمن کی نگاہوں سے مخفی رکھا۔ جب پیادہ فوج آگے بڑھتی ہوئی دریا کے کنارے پہنچ گئی اور دشمن کی فوج کے تمام حصے سامنے نظر آنے لگے تو سکندر بھی بیوسی فالس پر سوار ہو کر اپنی فوج میں چلا گیا۔ جاتے جاتے تمام کمپنیوں کے کمانداروں کو جلدی جلدی ہدایات دیتا گیا۔ فوجیوں نے اسے دیکھتے ہی پرجوش نعرے لگائے اور کہا کہ ہمیں پیش قدمی کی اجازت دی جائے لیکن سکندر نے بھاری ہتھیاروں والے چار ہزار یونانیوں کو محفوظ فوج کی حیثیت میں ایک جگہ ٹھہرائے رکھا۔ محاذ بہت تنگ

تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی سی جگہ میں اس کے بہادر یونانیوں کو تنخواہ دار یونانیوں سے مقابلہ پیش آئے اس اثنا میں اس کی نظر اپنی اس فوج کی طرف جمی ہوئی تھی جو پہاڑ کے دامن میں کھڑی تھی وہ لوگ تیزی کے ساتھ ایرانی فوج سے آگے نکل گئے، جو چوٹیوں کے نیچے ٹھہری ہوئی تھی یقین ہے کہ سکندر نے پہاڑی ڈھلوانوں کے چھوٹے چھوٹے دروں اور دریا کے طول و عرض کا خوب اندازہ کر لیا ہوگا اس نے اگریانی جیش کو حکم دیا کہ پہاڑی ڈھلوانوں کو دشمن سے پاک کر دیا جائے تیر انداز ان کے ساتھ بھیج دیئے چنانچہ انہوں نے ایرانی فوج کو بلندیوں پر سے ہٹا دیا۔

ڈھلوان عارضی طور پر فوج سے خالی ہوئے تو سکندر نے ہر چیز کا خوب مشاہدہ کر لیا دوپہر ہو چکی تھی اور اس نے فوجیوں سے کہہ دیا کہ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر کچھ کھا پی لو راشن ان سب کے ساتھ تھا اس اثنا میں ایرانی کچھ کھا پی نہ سکے سکندر نے اگریانیوں کو بالائی ڈھلوانوں سے واپس بلا لیا تھا اور پیادہ فوج کے دائیں جانب جو معاون دستے تھے انہیں اگریانیوں میں شامل کر دیا اس کا خیال تھا کہ سواروں کے دو یا تین جیش چوٹیوں والے ایرانیوں کی روک تھام کے لئے کافی ہوں گے اب اسے اطمینان ہو گیا کہ رسالہ دامن کوہ میں بے تکلف نقل و حرکت کر سکے گا یہ دیکھتے ہی دائیں بازو کی فوج کو ترتیب کے ساتھ پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

ان رجمنٹوں نے دریا کو عبور کیا جو پائین کوہ بہہ رہا تھا اور اس کے کنارے بہت گہرے تھے وہ دریا سے گزر کر اگلے کنارے پر جا پہنچے دشمن نے انہیں روک دیا تو سکندر نے معاون فوج کو دائیں جانب سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا ان کی پیچھے پیچھے قدم بہ قدم محافظ فوج آگے بڑھی۔ حملہ آور فوج کا سب سے اگلا حصہ دریا کو عبور کر گیا۔ اس فوج کا مرکزی حصہ ان چوبی مورچوں پر جا کر رک گیا جس کے پیچھے تنخواہ دار یونانی جمع تھے لیکن وہ فوجی معمول کے مطابق دائیں جانب سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اب وہ خطرہ پیش آ گیا جس سے سکندر گھبرا رہا تھا یعنی بھاری ایرانی رسالے نے دریا

میں اتر کر حملہ کر دیا اور دریا سے گزر کر وہ تھسلی اور تھریس کے سواروں پر جا گرے جن کی تعداد بہت کم تھی محافظ فوج رکی کھڑی تھی اور پیادہ فوج قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی، سواروں پر تیروں اور برچھوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی گھوڑے تیر اور برچھے کھا کر اچھلنے لگے اب رکے رہنا سخت خطرناک تھا سکندر نے محافظ سواروں کو اس خلا میں سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا جو پہاڑ کے دامن کے ساتھ پیدا ہو چکا تھا وہ مزاحمت کی ہر تدبیر کو ناکام بناتے ہوئے آگے بڑھے پھر انہوں نے بائیں جانب کا رخ کر کے دامن کوہ سے تیز حملہ شروع کر دیا جب وہ پیادہ ایرانی فوج کے عقب میں پہنچے تو معاون فوج بھی ساتھ تھی تنخواہ دار یونانی اور ایرانی ایک جگہ جمے کھڑے تھے انہوں نے از سر نو صف بندی کی کوشش کی لیکن حملے کی تندی نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔

عین اس موقعے پر اس شخص نے شکست قبول کر لی جس پر ایرانیوں کی مقاومت کا انحصار تھا حالانکہ ابھی شکست نہ ہوئی تھی یہ ایران کا شہنشاہ دارا تھا وہ ایرانی فوج کے قلب کے پیچھے جنگی رتھ پر بیٹھا ہوا تھا جب دیکھا کہ محافظ فوج کے سواروں نے اس کے قلب کی صف بندی توڑ دی ہے تو حکم دے دیا کہ میرے رتھ کو پیچھے ہٹاؤ۔۔۔۔افراتفری میں ایک جگہ رتھ کو راستہ نہ ملا تو وہ نیچے اترا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور محافظ فوج کو ساتھ لے کر اسوس کے قریب سے بھاگ گیا۔

یہ اتفاق تھا کہ دارا نے بزدلی کا ثبوت دیا لیکن جس تباہ کن حملے نے اسے ہراس زدہ کر دیا تھا وہ اتفاق یا کرشمہ نہ تھا اگر وہ اپنی جگہ جما رہتا اور اپنی زبردست محفوظ فوج سے علیحدگی اختیار نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اس سوال کا جواب ہمیں کبھی معلوم نہ ہوگا جو حالت پیش آئی وہ یہ تھی کہ دارا نے راہ فرار اختیار کی تو اس کی محفوظ فوج جو اسوس تک پھیلی ہوئی تھی، افراتفری کا شکار ہوگئی فوج کے بعض دوسرے جیش بھی پیچھے ہٹے جس قلب کا نصف سے زیادہ حصہ یونانیوں کے نرغے میں آ چکا تھا وہ کنارے کی طرف پیچھے ہٹنے لگا۔ وہاں ایرانی سوار بڑے کامیاب حملے کر رہے تھے لیکن جب انہوں نے اپنے عقب میں انتشار و ہراس کی

کیفیت دیکھی تو باگیں موڑ لیں اور خود بھی بھاگ کھڑے ہوئے وہ قلب فوج کے پاس سے گزرے جو پیچھے ہٹ رہا تھا اور پیادوں کو پامال کرتے ہوئے نکل گئے۔

سکندر نے اپنے محافظ سواروں کی پیش قدمی روک دی تھی تا کہ پارمینیو کی فوج کے بارے میں پورا اطمینان حاصل ہو جائے اسے یقیناً نقصان پہنچ چکا تھا لیکن بچاؤ کا بندوبست ضروری تھا ایرانی بھاگ نکلے تو یونانی سواروں نے دامن کوہ کے ساتھ ساتھ ان کا تعاقب شروع کر دیا باقی ایرانی فوج ان کے پیچھے پیچھے نکلی خلیج کے آخری حصے میں ایک چھوٹا سا درہ تھا مفرور یونانی (تنخواہ دار) اس میں جمع ہو گئے بطلیموس نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ بھاگنے والے سواروں اور بھاگنے والے پیادوں، دونوں کو اس مقام پر سخت نقصان پہنچا جب یونانی سوار وہاں گئے تو کشتوں کے پشتے سے گزرنا پڑا۔

تعاقب غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہا تا کہ اندازہ ہو سکے ایرانی آئندہ کیا کریں گے یونانی سپاہ دارا کی ڈھال، کمان اور شاہی بالا پوش سکندر کے پاس لائے یہ چیزیں دارا اپنے جنگی رتھ میں چھوڑ گیا تھا۔

بہرحال اسوس کے میدان جنگ میں سکندر نے یونانی فوج کو ایک ایسے خطرے سے نکال لیا جو بڑا ہی ہولناک تھا یہ کارنامہ کسی ایسی قمار بازی کا نتیجہ نہ تھا جس کے لئے پانسا پھینکتے وقت کوئی خاص القا ہوا ہو، لیکن یہ بڑی محنت و مشقت اور لامتناہی کوششوں کا نتیجہ تھا اس نے صبح سے دوپہر کے قریب تک انتہائی محنت سے محافظ فوج کے رسالے کو دامن کوہ میں اس مقام پر پہنچایا تھا جہاں سے کامیاب حملہ ہو سکتا تھا لطف کی بات یہ ہے کہ صبح کے وقت اس مقام پر ایرانی رسالہ جما کھڑا تھا پہاڑ کے ڈھلوان سے سواروں کا حملہ جنگی ہنر مندی کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا رسالہ اس طرح دشمن پر جا گرا جیسے پہاڑ کا کوئی بہت بڑا حصہ برسات میں نیچے آ گرتا ہے لیکن رسالے سے صحیح کام لینے کی یہی ایک ممکن صورت تھی اسی پر سکندر کو بھروسا تھا اسی سے اس نے کام لیا اور عین وقت پر کام لیا۔ 10

گرینی کس کی جنگ میں سکندر پر خاصا اضطراب انگیز جوش جاری رہا تھا لیکن اسوس کی

جنگ میں ایسی کوئی چیز پیش نہ آئی اس نے دیر تک اپنی حملہ آور فوج کی پیش قدمی روکے رکھی محافظ رسالہ اس باب میں معاونوں اور اگریانیوں کا موید رہا جب سکندر کو یقین ہو گیا کہ سمندر کے کنارے تک اس کی فوج کے تمام بازو اپنی جگہ جمے کھڑے ہیں تو پھر حملے کا حکم دیا، لیکن اسوس کی جنگ میں ایرانی فوج کے نظم و نسق کو درہم برہم کرنے کا کارنامہ مقدونویوں نے تیز اور بے پناہ تعاقب میں انجام دیا۔ مشرقی افواج کو اس سے پیشتر ایسے سخت تعاقب سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے ان کا تجربہ بھاری ہتھیاروں والے چھوٹے چھوٹے یونانی دستوں تک محدود تھا یعنی زینوفن کے دس ہزار فوجی۔

اسوس میں ایرانیوں کا تمام ساز و سامان برباد ہو گیا اور فوج اس طرح بکھری کہ اسے دوبارہ جمع نہ کیا جا سکا دارا کے اپنے اسلحہ، خیمے، افراد خاندان اور خدام خاص غرض ہر شے چھن گئی اور وہ صرف چار ہزار منظم فوجیوں کے ساتھ مشرقی جانب بھاگا یہ فرار جاری رہا یہاں تک کہ وہ دریائے فرات کو عبور کر گیا مقدونویوں نے اس پر ایک خاص دہشت طاری کر دی تھی۔

جنگ اسوس کے بعد نوجوان مقدونوی بادشاہ نے کسی ایسے ہیجانی ردعمل کا ثبوت نہ دیا جیسا مثلاً گرینی کس کی جنگ کے بعد نمایاں ہوا تھا وہ بالکل تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا اور اس کے کولہے پر تلوار کا ایک زخم لگ چکا تھا جو خاصی تکلیف دے رہا تھا اسے اٹھا کر جگہ جگہ پھرایا گیا اور کئی روز تک وہ بیوسی فالس پر سوار بھی نہ ہو سکا۔

دوسرے روز مقتولین کے دفن کا انتظام کیا گیا جو افسر مارے جا چکے تھے ان کی جگہ نئے آدمی مقرر ہوئے اور سکندر نے فوج کو جشن منانے کی اجازت دے دی اس شادمانی میں اسوس کے باشندوں کو بھی شامل کر لیا گیا جو خراج ان کے ذمے عائد ہوا تھا اور ادا نہ کیا گیا تھا اسے معاف کر دیا گیا۔

ایران کے شاہی کیمپ میں خزانے کا بھی خاصا بڑا حصہ رہ گیا جس کی مقدار تین ہزار ٹیلنٹ سے کم نہ تھی سکندر نے یہ مال ان افسروں میں تقسیم کر دیا جو جنگ اسوس میں ممتاز

کارنامے انجام دے چکے تھے جب اسے معلوم ہوا کہ ایرانیوں کا بہت ساز و سامان جس میں خزانہ اور نوکر چاکر شامل ہیں، دمشق کے مرکز میں رہ گیا ہے جو ساحل سے ہٹا ہوا تھا تو اس نے پارمینیو کو حکم دے دیا کہ تھسلی کے سوار ساتھ لے کر فوراً دمشق جائے اور مال غنیمت پر قبضہ کر لے تھسلی والوں کو اس بات پر بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ انہیں سب سے پہلے لوٹ کا موقع دیا جا رہا ہے۔

پارمینیو دمشق پہنچا تو وہاں اسے یونانی سفیروں کا ایک گروہ ملا وہ لوگ اس غرض سے آئے تھے کہ شہنشاہ ایران کے ساتھ گفت و شنید کریں سکندر نے ان کا جرم نظر انداز کر دیا اور پارمینیو نے ان پر غداری کا جو الزام لگایا تھا اسے قبول نہ کیا ان کی معافی کے لئے سکندر نے نہایت دلچسپ دلیلیں پیدا کر لیں اس نے کہا دو سفیر تھیبز کے ہیں انہیں اس لئے مجرم نہیں سمجھا جا سکتا کہ اہل مقدونیہ نے تھیبز کو برباد کر ڈالا تھا، یعنی وہ جب وطن کے جوش میں شہنشاہ ایران سے مدد لینے آئے تھے بعض دوسرے کارندوں کو اس بنا پر معاف کر دیا گیا کہ وہ المپیائی کھیلوں میں امتیاز و اعزاز حاصل کر چکے تھے اسیروں میں سے ایک شخص افی کریٹیز 11 بھی تھا جو تنخواہ دار یونانیوں کے سپہ سالار کا فرزند تھا سکندر نے اسے اپنا مشیر بنا لیا سپارٹا کے سفیر کو بھی کوئی گزند نہ پہنچایا البتہ اس کی نگرانی کا حکم دے دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر ایشیائی ساحل پر مزید دشمن پیدا کرنے کا خواہاں نہ تھا اور اس نے انتہائی فراخدلی کی پالیسی اختیار کی اسوس کی خوفناک جنگ کے بعد جس میں مقدونوی فوج تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی تھی سکندر سے ایسی فراخدلی کے برتاؤ کی قطعاً امید نہ تھی لوگوں پر اس سے بہت ہی اچھا اثر پڑا چنانچہ جزیرہ قبرص سے جہاز سازوں کا ایک قافلہ آ پہنچا ان لوگوں نے نئے حالات دیکھے اور اپنی خدمات پیش کر دیں جزیرہ ارادوس 12 کے قدیم مندروں کے محافظ یہ درخواست لے کر آئے کہ ہمیں اپنی قربان گاہوں پر قربانیوں کی اجازت دی جائے بیروت کی تجارتی کوٹھیوں کے کارندے عمدہ تحفے لے کر حاضر ہوئے اور اپنے شہر میں تشریف آوری کی درخواست کی جو لبنان کے کنارے پر آباد تھا

انہوں نے بتایا کہ یہ شہر بیروئی 13 بحری پری یا اسٹارٹی 14 دیوی نے تعمیر کیا تھا جو شیر پر سوار ہو کر جنگل سے نمودار ہوئی تھی (بیروت سامی نام ہے جس کے لفظی معنی کنوئیں کے ہیں)ان مشرقی لوگوں کا خیال یہ ہو گیا تھا کہ سکندر کو دیوتاؤں نے خاص قوت عطا کر رکھی ہے ان کا یہ اندازہ بھی تھا کہ سکندر کم از کم دو سال تک تجارت کے وسائل کو متاثر رکھے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆

نواں باب :: خاتونانِ دمشق

نوجوان سکندر کا طرزِ عمل نہایت ہی نرم اور شکر گزارانہ تھا جب رات ہوئی اور فوجی افسروں کو معلوم ہوا کہ ایرانی فوج بے طرح شکست فاش کھا چکی ہے تو ان کا جوش وخروش جنون کے قریب پہنچ گیا سکندر جائے قیام کی طرف لوٹ رہا تھا تو اس کے بہت سے افسر شہنشاہ ایران کی خیمہ گاہ کا جائزہ لے رہے تھے وہاں انہیں بہت سے خیمے ملے جن میں کھانا تیار رکھا تھا وہ سکندر کو ایک احاطے میں لے گئے جہاں کوئی پہرہ دار موجود نہ تھا وہاں شامیانوں کا ایک جھنڈ تھا اور رنگین فانوسوں کے اندر چراغ جل رہے تھے فرش پر اعلیٰ درجے کے قالین بچھے ہوئے تھے افسروں نے سکندر کو سنگ سلیمانی کا ایک چھوٹا سا حوض دکھایا، جس کے پانی سے نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی اس نے فوراً اپنی آستینیں چڑھا لیں تاکہ منہ ہاتھ دھو لے اور کہا لو ہم اپنا گرد و غبار دارا کے حمام میں دھوتے ہیں ایک افسر بولا: یہ حمام اب دارا کا نہیں سکندر کا ہے۔

اس نے چاندی کے آفتابے دیکھے جن ڈبوں میں ابٹنا رکھا ہوا تھا ان پر سنہری گلکاری کا کام تھا گلاب دان شیشے کے تھے سکندر حوض میں بیٹھ گیا اس میں تازہ پانی ڈالا گیا بال چھڑے سے مالش کی گئی ہوا گلاب کے عرق سے معطر تھی وہ بولا: واہ یہ بادشاہی کی شان ہے تولئے ایسے نرم تھے جیسے بطخ کے بطلے کے روئیں نرم ہوتے ہیں رنگین روشنیوں میں اسے اپنے رفیقوں کے چہرے بڑے دلکش معلوم ہوتے تھے وہ ایک بڑے تولئے میں لپٹا ہوا باہر نکلا اور کہا کہ ''کھانا لاؤ'' رفیق اسے پاس کے خیمے میں لے گئے وہاں اردگرد پردے پڑے ہوئے تھے خیمے کے بیچ میں لکڑی کی میزیں لگی ہوئی تھیں جن پر ہاتھی دانت کی نہایت خوبصورت گلکاری کی گئی تھی اور سنہری قابوں میں میوے، مسالے والے گوشت اور چاول سجے تھے۔

میزوں کے اردگرد نہایت عمدہ رضائیاں رکھی تھیں سکندر نے بہت سا کھانا دوسرے افسروں کے لئے بھیج دیا کارنتھ کے اجتماع میں بھی اس نے ایک جگہ اتنا کھانا نہ دیکھا تھا وہ

ایک رضائی اوڑھ کر بیٹھ گیا جس پر سوزن کاری سے وحشی جانوروں کی لڑائیوں کے منظر دکھائے گئے تھے اس کا زخمی کولہا سوج گیا تھا۔

اس کے رفیق شراب پیتے، گندے مذاق کرتے اور اپنی چوٹوں کو سہلا رہے تھے اب ان کے دل میں اپنے لیڈر کے لئے ایک خاص احترام پیدا ہو گیا تھا جس کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی اور اس کی نیلگوں آنکھیں ہر لحظہ مستغرق نظر آتی تھیں وہ کبھی اسے ایکی لیز قرار دیتے اور کبھی ہرقل انہیں اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلیاں مل گئی تھیں اور سنہری قابوں میں نہایت عمدہ کھانا کھا رہے تھے جو شخص تولئے میں لپٹا ہوا تھا وہ شہنشاہ کو جسے روئے ارض کا مالک سمجھا جاتا تھا، سر توڑ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر چکا تھا۔ وارائے اول نے میراتھان کی جنگ کے بعد یونان کے خلاف جنگ کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور وہ اپنا بیڑا لے کر واپس آ گیا تھا زرکسیز جنگ سلمیس کے بعد فونیقی بیڑے کے ساتھ لوٹ آیا تھا لیکن یہاں اس رات ایشیا کی سرزمین میں ۔۔۔۔۔

وہ سکندر کو دیوتا قرار دیتے اس کے رخسار چومتے اور آفریں باد کہتے خیمہ گاہ میں بہت سی ایشیائی عورتیں ملیں جن میں اکہرے بدن کی شامی لڑکیاں بھی تھیں سجی سجائی قبرص کی عورتیں بھی اور تنفس کی نیم حبشی نژاد دوشیزائیں بھی ایسی عورتیں بھی جن کے قوم و وطن کا کوئی اندازہ نہ تھا سکندر فوجیوں سے وعدہ کر چکا تھا کہ اس جنگ کے بعد کوئی تکلیف پیش نہ آئے گی جنگ ہو چکی تھی فوجی کہتے تھے کہ اب اپنا وعدہ پورا کرو۔

سکندر آہستہ آہستہ شراب پی رہا تھا اور ان کی باتیں سن رہا تھا شراب سے اسے چنداں دلچسپی نہ تھی لیکن ان کی شادمانیوں کے باعث وہ بڑی راحت محسوس کر رہا تھا عین اس موقع پر قریب سے آہ و فغاں کی صدائیں بلند ہوئیں سکندر نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ رفیقوں نے بتایا کہ پاس کے خیمے میں شہنشاہ ایران کی خواتین موجود ہیں انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ دارا کی ڈھال اور کمان آ گئی ہے اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ دارا مارا گیا لہٰذا رو رہی ہیں سکندر نے پوچھا کون کون عورتیں ہیں بتایا گیا کہ ایک دارا کی والدہ ہے، ایک ملکہ جس کا نام سٹے

ٹیرا سے ملتا جلتا ہے وہ تھائس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے حسن اس پر ختم ہو گیا دارا کی دو بیٹیاں ہیں اور ایک شیر خوار بیٹا۔

سکندر نے ہفااسشن کو بلایا (بعض کہتے ہیں کہ یہ لیوناٹس 2 تھا) اور شاہی خواتین کے بارے میں یوں ہدایات دیں جاؤ اور ان کو بتا دو کہ میرے پاس دارا کی صرف ڈھال اور کمان ہے وہ زندہ ہے انہیں یقین دلا دو کہ جس شان سے پہلے رہتی تھیں، اسی شان سے اب رہیں گی اگر ان کے ساتھ ملازم ہیں تو وہ سب بدستور ان کے ساتھ رہیں گے ایک شخص بولا: خواجہ سرا بھی؟ سکندر نے جواب دیا: ''ہاں سب، جتنے روپے انہیں پہلے ملتے تھے وہ سب بدستور ملتے رہیں گے اور جیسے اعزاز کا برتاؤ پہلے ہوتا تھا ویسا ہی برتاؤ اب ہو گا۔''

اس مجلس میں جو سب سے بڑا شرابی تھا یہ سن کر دم بخود رہ گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ سکندر خاصی لمبی مدت تک شاہی خواتین کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھے گا اور کوئی مقدونوی افسران کی قیام گاہ کے پاس نہ بھٹک سکے گا۔ اس لئے کہ بلند منزلت ایشیائی لوگ اپنی خواتین کو یونانیوں سے بھی زیادہ پردے میں رکھتے تھے اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ سکندر کسی جسمانی استراحت کا خواہاں نہ تھا حالانکہ خدا نے دشمن کی بیوی اور بیٹیوں کو اس کے قبضے میں دے دیا تھا۔ ایک سپاہی نے کہا سچ یہ ہے کہ ایرانی عورتیں بڑی ہی خوبصورت ہیں سکندر نے جواب دیا کہ ان کی خوبصورتی میری آنکھوں کے لئے اذیت کا باعث ہے۔

یہ الفاظ رفیقان خاص کے لئے تسلی کا باعث نہ ہو سکے وہ جانتے تھے کہ مشرقی عورتوں کی جسمانی خوبصورتی اذیت کا سامان نہیں ان میں سے اکثر کو گھر بار سے الگ ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا صرف تھوڑے سے آدمیوں نے شادی کر لی تھیں باقی سب رفاقت کے آرزومند تھے سکندر کی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔

معلوم ہوتا تھا کہ سکندر پر راہبی کی خواہش غالب تھی۔ وہ رات دن قربانیوں کے کیال

یا فاقہ کشی یا مطالعے میں مصروف رہتا اگر چہ وہ جانتے تھے کہ اس کی بدنی صحت راہبی کی مقتضی نہیں اور فوج میں کوئی بھی راہب بننے کے لئے تیار نہ تھا چند روز بعد سکندر نے ایک اور قانون جاری کر دیا اس کے پاس اطلاع پہنچی کہ دو افسران فوج نے ایک اتحادی افسر کی بیوی کی آبرو ریزی کی ہے پارمینیو کو حکم بھیجا کہ فوراً اس معمالے کی تفتیش کی جائے اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرموں کو قتل کی سزا دی جائے ساتھ ہی ہدایت کر دی کہ اتحادی خواہ بربری ہوں یا ایشیائی یا یونانی ان کی عورتوں کا پورا احترام کیا جائے اور جو افسر دوسروں کی آبرو کا خیال نہ رکھیں ان کے ساتھ جنگلی درندوں کا سا برتاؤ کیا جائے۔

پارمینیو کو فوجیوں کی گفتگو کا علم ہوا تو وہ خود اس معاملے پر بات چیت کے لئے سکندر کے پاس پہنچا اس نے کہا کہ آپ کی شادی نہیں ہوئی کوئی عورت بھی اپنے پاس نہیں رکھی کوئی یونانی طوائف بھی ساتھ نہیں لی میرے بیٹے ہیں ان کی اولاد موجود ہے فلوٹس اور نکانور 3 خود فوج میں ملازم ہیں ہارپالوس 4 کا بیٹا فوج میں ایک افسر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ کے بیٹا نہ ہوا تو وفات کی حالت میں جانشین کون بنے گا؟ یہ صورت حال غیر طبعی ہے اور اس سے صحت پر اچھا اثر نہ پڑے گا۔ پھر جانشینی کا مسئلہ بڑا اہم ہے آپ کہتے ہیں کہ یہ بربری عورتیں بے روح گڑیا ہیں آپ نے مقدونیہ میں شادی نہ کی اب مناسب ہے کہ ایک بربری لڑکی کو پاس رکھ لیں بے شک ایشیا کے شاہی خاندان کی کوئی عورت نہ رکھیں۔

سکندر عورتوں سے گریزاں رہتا تھا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی تھی کہ بڑی دیر کے بعد اپنی ماں کے ناخوشگوار تحکم سے اس نے آزادی حاصل کی تھی اور ہر عورت میں اسے اپنی ماں کا تحکم نظر آتا تھا وہ بڑا حساس تھا ہو سکتا ہے کہ قلوپطرہ کے بچے کی موت اور باپ کی عیاشیوں نے بھی اس پر اثر ڈالا ہو۔ اسے یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ بڑے بڑے افسروں کی خیمہ گاہوں میں طوائفیں رہیں البتہ کسی کو بیوی بنا کر رکھ لینا قابل اعتراض نہ سمجھا جا سکتا تھا چنانچہ پارمینیو کی رائے کے مطابق اس کے پاس عورتیں قید ہو کر آئیں تو ایک کو

اس نے اپنے لئے چن لیا یہ روڈز کے میمنان کی بیوہ برسین تھی جو دمشق میں گرفتار ہوئی تھی برسین خاموش اور حلیم الطبع تھی نسلی اعتبار سے اس کا تعلق ایران کے ایک امیر گھرانے سے تھا لیکن اس نے یونانی درسگاہ میں تعلیم پائی تھی قیاس یہ ہے کہ عمر میں وہ سکندر سے چند سال بڑی ہوگی۔

برسین نیس کندر کے معاملات میں کبھی دخل نہ دیا وہ اپنی خیمہ گاہ میں بیٹھی رہتی اور ملازموں کے ذریعے سے ضروری کاروبار انجام دیتی آس پاس جو گفتگوئیں ہوتیں انہیں سن لیتی لیکن سکندر سے کبھی کچھ نہ مانگا۔ وہ خلوت پسندی پر قانع تھی سکندر کی رفیقہ بن جانے کو نہ اس نے اپنے لئے باعث عزت سمجھا اور نہ موجب سزا دوسرے آدمیوں کے نزدیک وہ ایک پردہ دار سایہ تھی جو اپنے شامیانے کے اندر رہتا سکندر کو اس کی صحبت میں خاص آرام حاصل ہوتا۔ فوج اس بات پر بہت خوش ہوئی کہ سکندر نے برسین کو اپنے خیمے میں داخل کرلیا ہے لیکن فوج کی خیمہ گاہ میں عورتوں کے مسئلے کا حل اس کے لئے آسان نہ تھا۔

غالباً سکندر برسین کے مزاج کو کبھی نہ سمجھ سکا سکندر کے پاس پہنچنے سے پیشتر وہ میمنان کی بیوی تھی، جو بڑا بہادر اور دوراندیش مانا جاتا تھا۔ وہ سلطنت کا ایک رکن تھا اگرچہ اس نے شہنشاہ ایشیا کی وفاداری قبول کرلی تھی اہل مقدونیہ میمنان کا بہت احترام کرتے تھے دارا کے لئے ان کے دل میں کوئی احترام نہ تھا جس نے ڈر کر اپنی فوج، اپنی عورتوں اور اپنے ہتھیاروں کو چھوڑا اور بھاگ گیا۔ سکندر بھی کسی زمانے میں ڈرتا تھا لیکن ہجوم کار کے خنک اضطراب میں وہ جان گیا تھا کہ اب بچ نکلنے کے لئے نہ میں پیچھے ہٹوں گا اور نہ بھاگوں گا جو قوت اسے خطرے کی جانب لئے جارہی تھی وہ بے پناہ تھی یہ قوت اس کے خوف سے بدرجہا قوی تر تھی۔

برسین کو سکندر کے خیالات کا کوئی علم نہ تھا اسے سکندر کے کسی کام سے بھی سروکار نہ تھا وہ صبح کے وقت اٹھتا تو شامیانوں سے باہر جا کر ان چٹانوں پر قربانی کرتا جو سمندر پر واقع

تھیں جب خیمہ گاہ میں واپس آ کر جو کی روٹی اور انگور کھاتا تو فوجی افسر ارد گرد بیٹھے ہوئے اس سے بات چیت کرتے رہتے جب وہ ننگے سر اپنی فوج خاص کے پاس دھوپ میں کھڑا ہوتا تو سپاہیوں کے جھنڈ یا دیہاتی لوگ اپنی درخواستیں وغیرہ لے کر آ جاتے سکندر کی عادت ہی یہ تھی کہ جس علاقے میں داخل ہوتا اس میں فوجی اور دیوانی مقدمات کو لازماً سنتا۔ اس کا خیال تھا کہ افراد کے حالات سن کر مجھے ملک کی ضرورتیں معلوم کرنے کا موقع مل جائے گا ایسے موقعوں پر نہ وکیل ہوتے تھے اور نہ ترجمان لوگ خود اپنے حالات بیان کرتے اکثر یونانی زبان بولتے یا وہ ملی جلی زبان جسے با آسانی سمجھا جا سکتا جو لوگ آرامی یا سامی بولیوں کے سوا کچھ نہ جانتے تھے کہ وہ اپنے ترجمان ساتھ لاتے۔

جب افسر یا درخواست گزار شاہی خیمے کے سامنے موجود نہ ہوتے تو سکندر اس وقت بے کار نہ بیٹھتا۔ وہ ایک نوجوان یونانی محرر کو اسی تیزی سے خط لکھواتا جس تیزی سے مقدموں کا فیصلہ کرتا۔ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا تو پھر اسے بھلا دیتا، لیکن ضروری معلومات کی تمام تفصیلات اس کے ذہن میں تازہ رہتیں دمشق میں جو خزانہ اس کے ہاتھ لگا اس میں سے آٹھ سے ٹیلنٹ اس نے ارسطو کے پاس بھیج دیئے تا کہ اپنے لئے نئی درس گاہ تیار کرا لے اور خوشبوؤں کا بہت بڑا انبار لیونی دس کے پاس بھیج دیا ساتھ ہی خط لکھا کہ ”لیونی دس یہ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ دیوتاؤں کی قربانی میں ناپ تول کر خوشبوئیں استعمال نہ کرو“ یاد ہو گا کہ دس سال پیشتر قربانی کے وقت سکندر نے مٹھیاں بھر کر خوشبوئیں ڈالیں تھیں تو لیونی دس نے اسے ٹوکا تھا۔

سکندر کا ایک اور اتالیق لیسی میچس 5 خاصا بوڑھا ہو چکا تھا وہ سائنس دانوں کے ہمراہ آیا تھا، اگرچہ یونان کے مخطوطے پڑھنے کے سوا اسے کسی کام میں مہارت نہ تھی سکندر کی خواب گاہ میں مخطوطوں سے ایک صندوق بھرا ہوا تھا یہ بوڑھا اتالیق انہیں کے مطالعے میں غرق رہتا۔ بعض اوقات سکندر استراحت کی غرض سے لیٹ جاتا اور لیسی میچس اسے اکیلس 6 کے ڈرامے سناتا۔ وہ عموماً آدھی رات گزر جانے کے بعد سوتا کبھی ایسا بھی ہوتا

کہ سکندر صبح کے وقت اٹھتا اور سر اپنے بازو میں رکھ کر چپ چاپ لیٹ جاتا، یہاں تک کہ دوپہر ہو جاتی برسین پر واضح ہو گیا کہ خود فراموشی کے ایسے موقعے اسی وقت آتے ہیں جب کوئی کام نہیں ہوتا فوج کوچ کی حالت میں ہوئی یا کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو ایسی صورت کبھی پیش نہ آتی خود فراموشی کے اوقات میں برسین سکندر کو کبھی نہ جگاتی۔ کوچ میں سکندر سایہ دار پالکی کبھی استعمال نہ کرتا۔ وہ عموماً پیدل چلتا کبھی ایک جیش میں ہوتا کبھی دوسرے میں تمام لوگوں سے بے تکلف بات چیت کرتا کبھی کمان اٹھالیتا اور کسی طرف شکار کے لئے نکل جاتا جب وہ جنگی رتھ میں بیٹھ جاتا تو گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا لیکن کھیلوں میں اسے تیزی و تندی ہرگز پسند نہ تھی۔

برسین نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ جب مقدونیہ سے خطوں کے بنڈل اس کے پاس آتے ہیں تو سب سے پہلے وہ اینٹی پیٹر کے خط کھولتا ہے جیسے جیسے وہ پڑھتا ہے چہرے پر مسکراہٹ طاری رہتی ہے اولمپیاس کے خط کبھی کسی کو نہ دکھاتا تھا گاہے گاہے یہ دیکھا گیا کہ ہفااسشن خاموش سائے کی طرح اس کے پیچھے آ کھڑا ہوتا اور خط کا کچھ حصہ پڑھ لیتا پھر سکندر اپنی مہر ہفااسشن کے لبوں پر لگا دیتا یہ اس بات کی علامت تھی کہ خط کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے لوگوں کی گفتگو سے برسین کو معلوم ہو گیا کہ اینٹی پیٹر خطوں میں اولمپیاس کی ویسی ہی شکایتیں کرتا تھا جیسی اولمپیاس اینٹی پیٹر کی سکندر بعض اوقات اچانک پھوٹ پڑتا کیا اس احمق کو معلوم نہیں کہ ماں کے ایک آنسو کے مقابلے میں اس کی تمام دلیلیں بے کار و بے سود ہوں گی۔

لوگوں کے متعلق سکندر کی بے صبری اور اضطراب نے یقیناً برسین کو ایک حد تک پریشان کر دیا تھا وہ حوادث یا ناکامیوں پر کبھی غصے میں نہ آتا معاملات بگڑ جاتے تو صبر و استقلال کا پیکر بنا رہتا لیکن جن کاموں کا وہ متوقع تھا ان کے سرانجام میں خلل پیدا ہو جاتا تو بے طرح بگڑ جاتا بگڑ جانے کی حالت بڑی ہی عجیب تھی اس کی نیلگوں آنکھیں سراپا سوال بن جاتیں نہ ان میں خوشی کی جھلک ہوتی اور نہ حیرت کی ایسا معلوم ہوتا کہ آنکھیں

آدمیوں کے گوشت کا پردہ نوچ پھینکنے کی خواہاں ہیں وہ ان کے الفاظ پر متوجہ نہ ہوتا یہ دیکھتا کہ الفاظ کی تہ میں کیا کچھ مستور ہے مشاقی اور استادی سے جھوٹ بول کر اسے بہ آسانی فریب دیا جا سکتا تھا لیکن جب وہ لوگوں سے دوچار ہوتا تو ان میں سے کوئی بھی اپنی اندرونی فطرت کے بارے میں اسے دھوکا نہ دے سکتا تھا۔

تیز فہم، طعن دوست اور بے اصول بطلیموس نے بارہا دھوکا دے کر سکندر سے کام کرا لئے اور یقین ہے کہ سکندر کو حقیقت کا علم ہوگا لیکن وہ بطلیموس کی گردن پر زیادہ سے زیادہ ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالتا جارہا تھا اس کے برعکس پارمینیو کا بیٹا فلوٹس بہترین کماندار تھا وہ معاونوں اور ماہروں کا جیش لے کر اس طرح کوچ کرتا، جیسے کوئی چھوٹا سا بادشاہ ہو۔ سکندر کے تمام احکام کی حرف بہ حرف تعمیل کرتا تاہم جب وہ ملاقات کر کے جاتا تو برسین دیکھتی کہ سکندر پر بے یقینی اور غصہ طاری ہے۔ بہ ظاہر وہ بطلیموس اور فلوٹس سے یکساں سلوک کرتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے دل میں بطلیموس کے متعلق سمجھتا تھا کہ اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی اور فلوٹس کوئی بھی کام صحیح طریق پر نہیں کر سکتا، برسین کا خیال تھا کہ بطلیموس زیادہ خطرناک رقیب ہے جیسے جیسے سکندر کی طاقت وقوت بڑھتی جارہی تھی، وہ خطرناک ہوتا جارہا تھا لیکن فلوٹس پارمینیو کا بیٹا تھا جس کی وفاداری محض کوئی پاگل اور فاتر العقل ہی معرض بحث میں لا سکتا تھا برسین کو خود بھی سکندر کے سلیم العقل ہونے میں شبہ تھا ایک مرتبہ اس نے ایک معمولی زیور پہن لیا دراصل وہ تانبے کا سانپ تھا۔ جسے خاص انداز میں موڑ رکھا تھا۔ یہ زیور ایک غلام نے اسے دیا تھا۔ سکندر نے اسے دیکھتے ہی اس زور سے اتارا کہ برسین کے بازو کو صدمہ پہنچا پھر اسے دور سمندر میں پھینک دیا اور اپنے اس فعل کے لئے کوئی عذر بھی پیش نہ کیا۔ بعد ازاں برسین کو ہر وقت یہ تشویش رہتی کہ کہیں سکندر اس کا راز معلوم نہ کر لے۔ اس ڈبے میں قفل نہ تھا بلکہ اس کی بندش کے لئے خاص خفیہ گرفت کا انتظام تھا۔ اس ڈبے کو برسین ہمیشہ اپنی خاص چیزوں میں رکھتی اور جب تک بالکل اکیلی نہ ہوتی کبھی نہ کھولتی۔ عموماً چاندنی راتوں میں اسے دیکھتی جب کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو

سکتا کہ اندر کیا ہے۔

سانپ والا زیور پھینک دینے کے بعد سکندر برسین کے لئے ایک سنہری کنگن لایا پر سفید رنگ کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ برسین سکندر کو خوش کرنے کے لئے روزانہ یہ زیور پہنتی۔ اگر چہ وہ جواہرات میں سے اور کوئی چیز استعمال کرنے کی عادی نہ تھی۔ جس بندھن سے وہ اپنے سر کے بال باندھتی تھی وہ بھی بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ سکندر کو اس کا علم تھا۔

ایک روز سپاہی سکندر کے پاس ایک قیمتی صندوقچہ لائے اور تحفے کے طور پر پیش کر دیا۔ اس پر بڑی خوبصورت تصویریں منقش تھیں اور انہوں نے اسے بادشاہ کے لیے شایاں تحفہ قرار دیا۔ سکندر نے پوچھا بھلا بتاؤ اس قیمتی صندوقچے میں کون سی قیمتی چیز رکھی جا سکتی ہیں؟ ان میں سے کوئی کچھ بتاتا اور کوئی کچھ سکندر نے ہومر کی نظم ایلیڈ کا ایک عمدہ نسخہ اٹھایا جو سکے پلنگ کے پاس پڑا تھا اور کہا کہ میرے پاس اس سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں اور وہ نسخہ صندوقچے میں بالکل ٹھیک آیا۔ برسین کو اس امر پر بڑی تشویش ہوئی کہ خود اس کی طرح سکندر بھی کوئی قیمتی چیز اپنے پاس نہ رکھتا تھا جواہرات یا سنہری مورتیاں غرض جو کچھ بھی اس کے پاس آتا۔ وہ عموماً دوسروں میں بانٹ دیتا۔ دارا کے مزین شامیانوں یا سنہری پلیٹوں سے بھی اس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ البتہ سنگ سلیمانی کا حوض اپنے پاس رکھا وہ کہتا تھا کہ یہ حوض میرے دل میں اس کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔

جب سکندر چاندی کا صندوقچہ اپنے پلنگ کے پاس رکھ رہا تھا تو برسین نے جواہرات کے ڈبے کو اس کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کی۔ جو کچھ اس کے اندر تھا وہ برسین کے لئے بے حد بیش بہا تھا کچھ معلوم نہیں کہ آیا سکندر نے اسے ڈبے کو چھپاتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن ایک شام شمعیں روشن ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ سکندر برسین کی خواب گاہ کے پاس کچھ تلاش کر رہا ہے جہاں اس کے کپڑوں کا صندوق، شالے، آئینے اور جوتے دھرے تھے برسین کے پاس اور کوئی خاص چیز نہ تھی وہ اب پہلے کی طرح بہت چیزیں

اپنے گرد جمع نہ کرنا چاہتی تھی اس سے اس کے دل میں ماضی کی تلخ یادیں تازہ ہو جائیں لیکن ڈبے کے اندر جو چیزیں تھیں، انہیں وہ الگ نہ کرنا چاہتی تھی۔

سکندر نے ہاتھی دانت کا ڈبہ اٹھا لیا۔ اس کا پردہ اتارا اور غور سے دیکھنے لگا۔ کھولنے کے لئے اسے جگہ جگہ سے دبانا شروع کیا۔ برسین نے کہا: "یقین رکھئے اس میں میرے لئے یا آپ کے لئے زہر نہیں" سکندر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ نگاہیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ جاننا چاہتا ہے۔ اس کے اندر کیا ہے برسین کا احساس یہ تھا گویا اس کی نقاب اتر گئی اور سکندر کی نظریں جسم کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ اس نے وہ الفاظ سوچے جو کہنا چاہتی تھی پھر آگے بڑھی، ڈبے کی ایک سمت ذرا دبائی اور وہ کھل گیا۔ اندر چند چیزیں درخشاں تھیں، جو بڑی ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ مثلاً بازو بند، ایک چھوٹا سا سہ گوشہ تاج، کانوں کی بالیاں۔ انہیں کو عورت اپنی خاص چیزیں سمجھتی ہے۔ ہر شے پر باریک حروف میں یہ عبارت کندہ تھی "روڈز کے میمنان کی طرف سے تحفہ محبت" سکندر نے ایک چوڑی اٹھائی جو چاندی کی بنی ہوئی اور بڑی سبک تھی۔ دو لمحے اسے دیکھا پھر بدستور رکھ دیا ڈھکن بند کر کے ڈبہ برسین کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی کہا: "تمہیں سکندر مقدونوی کی دی ہوئی چوڑیاں نہ پہننی چاہئیں" پھر اسے اس واقعے کے متعلق سب کچھ فراموش ہو گیا۔ مہینوں بعد وہ مشرق کی طرف روانہ ہوا تو برسین کو اپنے ساتھ نہ لیا۔ بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عورت سکندر پر اثر انداز ہوئی اور یہ مشرقی عورت تھی۔ مقدونوی نہ تھی۔

سکندر نے دوسرے موسم سرما کے کئی مہینے شام کے ساحل پر گزار دیئے وہ سمندر کا معائنہ کرتا رہتا۔ جانتا تھا کہ سمندر پر سواری کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ تھا۔ تاہم اس کے حالات کی دیکھ بھال میں لگا رہتا۔ ماہی گیری جال لے کر مچھلیاں پکڑتے تجارتی اور جنگی جہاز اس کے سینے پر سے گزرتے۔ لیکن ساحل سے دور دور رہتے۔ اس لئے کہ بندرگاہوں پر سکندر کا قبضہ تھا۔ شام کا ساحل اس کی ملکیت میں آ چکا تھا۔ سامنے برف پوش پہاڑ کھڑے تھے۔ ان میں سے ندیاں بہتی ہوئی آ رہی تھیں جو سمندر میں گرتیں۔ ان پر قصبے آباد تھے ساحل کے

ساتھ ساتھ سڑک بنی ہوئی تھی جس سے اونٹوں، خچروں اور گاڑیوں کے قافلے گزرتے۔ سواریاں ہانکنے والے موسم سرما کے گرم سورج کی مدح کے گیت گاتے۔

مقدونیہ کے ساحل پر ہمیشہ کہر کا پردہ پڑا رہتا وہاں بہت کم آدمی نظر آتے۔ شام کا ساحل دنیا کا باغ بھی تھا اور دنیا کا دروازہ بھی مقدونوی ساحل کے پیچھے جنگلوں اور بربری لوگوں کے سوا کیا تھا۔ شام کے ساحل پر لاکھوں انسان سرگرم عمل تھے۔ تجارتی راستے قافلوں سے پر رونق، ہزاروں لوگ ان مندروں میں جاتے جو پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ ہزاروں اپنے بچوں کو ان گلیوں میں سے لے جاتے جن میں بہت قدیم زمانے سے چہل پہل چلی آتی تھی جن چٹانوں پر وہ قربانیاں کرتا تھا ان پر ایسی تصویریں کندہ تھیں جیسی یونانیوں نے کبھی نہ بنائی تھیں۔ اس ساحل کے آقا و مالک بدلتے رہے۔ لیکن یونانی سواحل کی طرح اس کی فطرت و طبیعت کبھی نہ بدلی۔

چٹانوں سے لوگ پتھر نکالتے تھے۔ دریاؤں کی تہ سے برتن بنانے کی مٹی لیتے تھے۔ لبنان کے جنگلوں میں لمبے اور سیدھے درخت کھڑے تھے۔ وہ طبعی نشوو ارتقا کی بنا پر لمبے جہازوں اور عالی شان عمارتوں کے کام آسکتے تھے۔ سکندر کے کارکن پتھر اور شہتیر صور لے جا رہے تھے۔ سکندر کے آباؤ اجداد کی حیثیت کیا تھی؟ وہ قبائلی سردار تھے، فصلیں بونے اور مویشی پالنے کا انتظام کرتے۔ بیماروں کو دوائیں دیتے۔ کوئی کسی کے ہاتھ سے مر جاتا تو اس کا خون بہا دلا دیتے۔ سکندر اس عجیب و غریب ساحل کو انتہائی غور سے دیکھ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ یہاں کیا کچھ بنایا جا سکتا ہے۔ کیا کچھ اگایا جا سکتا ہے اس کے آباؤ اجداد کو ایسی کسی چیز سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ وہ نقشوں، منصوبوں اور قوانین پر نہیں بلکہ انسانی ضرورتوں کی چیزوں کے استعمال پر غور کرتا۔ بلاشبہ وہ خود بربری تھا۔ لیکن ارسطو کی درسگاہ میں تعلیم پائی تھی اور جانتا تھا کہ قدرت کی عطا کی ہوئی قوتوں کی بہترین مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہئے فکر و نظر ہی میں گم نہ رہنا چاہئے۔ طبیعات کی دنیا میں کوئی بھی شے بے مقصد نہیں ہوتی۔ یہ مقصد معلوم کرنا چاہئے اگر معلوم ہو جائے تو۔۔۔۔۔

اسوس کی جنگ نے اسے مہینوں کے لئے تشویش سے نجات دلا دی۔ دمشق میں سونے اور جواہرات کے جو ذخیرے تھے ان میں سے خاصے ذخیرے یونان بھیج دیئے اور مہم کے مصارف کے لئے ایک سال کو خرچ اپنے لئے رکھ لیا۔ اب یونان سے مزید رضا کار آ گئے اور جانی نقصان کی تلافی ہو گئی۔ اب وہ جمعیت متحدہ یونان کا سپہ سالار اعظم نہ تھا۔ عین اس زمانے میں قاصد شہنشاہ ایران کا خط لے کر آئے۔ جس میں بڑی لجاجت کا اظہار کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ صلح کی شرطیں طے کر لی جائیں۔ قاصدوں نے خود بھی معذرتوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انہوں نے کہا کہ ایشیائی ممالک کو نقصان نہ پہنچایئے۔ مصالحت پر تیار ہو جایئے اور شاہی خاندان کی عورتوں کو واپس بھیج دیجئے۔ سکندر نے جواب میں لکھا:

''میں تمام یونانیوں کا سپہ سالار اعظم ہوں۔ مجھے اس لئے یہاں آنا پڑا کہ تیرے کارندوں نے میرے باپ کے قتل کی سازش کی اور میرے دوستوں کو رشوت دے کر ساتھ ملایا۔ تم نے سپارٹا کو روپیہ دے کر میرے خلاف عداوت کی آگ بڑھکائی اور اس جمعیت متحدہ میں انتشار کیا جس کا سر عسکر و رئیس میں ہوں۔ تو کہتا ہے کہ لڑائی کا فیصلہ خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے تو پھر سمجھ لے کہ میں خدا کی مرضی کے مطابق تیرے علاقوں پر قابض ہونے کے لئے آ گیا ہوں۔ میں تیرے ان آدمیوں کی حفاظت کر رہا ہوں جو اپنی خوشی سے میرے پاس چلے آئے۔ میرا باپ مارا گیا۔ یہاں اس زمین کے حام اریسز 7 کو تو نے مارا۔ تو غاصب ہے اور تیرا ہر فعل ایران و مادہ کے تمام ضوابط کے خلاف تھا۔''

تو میرے پاس آ اپنی ماں، اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو مجھ سے مانگ تو جو مانگے گا، دوں گا۔ اور تیری حفاظت کا ذمہ اٹھاتا ہوں۔ البتہ تجھے آ

کر اس شہنشاہ ایشیا سے سوال کرنا چاہئے جواب تیرا کا ہمسر نہیں بلکہ تیرا آقا ہے۔ اگر میرے اس منصب کو قبول نہیں کرتا تو ایک اور لڑائی کو دیکھو لیکن میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس لئے کہ تو جہاں جائے گا میں ضرور تیرے پیچھے وہیں پہنچوں گا۔

اس نے اپنے سفیروں سے کہہ دیا کہ یہ خط حوالے کر دینا اور خود کچھ نہ کہنا اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ کہیں گے تو دارا کے دل میں اضطراب پیدا ہو جائے گا۔ سکندر کے ساتھیوں نے دارا کے قلب کی حالت پر غور کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ جنگ میں رحم خارج از بحث ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ جنگ محض فوجوں کے تصادم تک محدود نہیں ہوتی۔ انسانی قلب جنگ کو کنٹرول کرتے ہیں اور اس میں کامیابی اور ناکامی انسانی قلوب ہی پر موقوف ہوتی ہے۔ مراد ہے قلب کے خاص اوصاف سے ٹھنڈا عزم مزاحمت، عزم یورش اور عزم مقاومت۔ ایرانیوں نے عیش و راحت کی چیزیں مہیا کر کے یونانیوں کے عزائم میں ضعف پیدا کر دیا تھا۔ دارا کو ابھی تک سمندروں پر کنٹرول حاصل تھا۔ اس لئے کہ اس نے بحری تجارت فونیقوں، قبرصیوں، اہل روڈز کے لئے فائدہ مند بنا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور وہ اپنی آزادی سے دست بردار ہو چکے تھے۔ یونانی جرنیلوں کو غداری اور دغابازی کی قدر و قیمت بھی معلوم ہو چکی تھی، جس چوبی گھوڑے کو اہل ٹرائے خود کھینچ کر اپنے شہر میں لے گئے تھے، وہ آخر دغابازی اور دھوکے کے سوا کیا تھا۔ 8

دشمن کے قلب کی حالت بگاڑ کر مطلب پورا کر لینا اس کے سواروں کے ساتھ لڑنے سے بہتر تھا۔ اینٹی گونس نے دھوکے اور فریب کا پورا طومار تیار کر لیا تھا۔ اور بطلیموس اس کا شاگرد رشد بن رہا تھا۔ صرف سکندر جنگ کے اس نئے طریقے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ سکندر کا طریقہ یہ تھا کہ پیش نظر تعمیری کاموں کے متعلق خوابوں میں غرق رہتا۔ ایک ایک شے کی چھان بین کرتا جب مشکلات اسے گھیر لیتیں تو لڑ بھڑ کر ان میں سے راستے پیدا کر لیتا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا انحصار صرف تقدیر پر ہے۔۔۔۔۔

دارا کی قلبی حالت کے خلاف اس جنگ میں فلسفیوں نے ساحل شام کے باشندوں کی دوستی حاصل کر لینے کا خاص خیال رکھا۔ اس حصے میں کسی غدار کو موت کی سزا نہ دی گئی۔ کسی قیدی سے بیگار نہ لی گئی۔ دولت مند شہروں پر خراج عائد نہ کیا گیا بلکہ انہیں اپنا نظام حکومت خود مرتب کر لینے کی اجازت دے دی گئی۔ جو لوگ فوج میں رضاکارانہ بھرتی ہونے کے لئے آتے ان کا خیر مقدم کیا جاتا۔ دارا کے اہل و عیال سے بھی اعزاز کا وہی سلوک کیا جاتا جس کے وہ حقدار تھے۔ البتہ دارا کے خلاف نفرت کا اظہار کیا جاتا۔ چنانچہ خط میں نفرت و حقارت ہی کا انداز اختیار کیا گیا۔ سفیروں نے خط دے دیا لیکن اس بارے میں گفتگو سے انکار کر دیا۔ دارا کے سامنے دو راستے تھے ایک یہ کہ وہ نئی فوج لے کر ساحل پر آتا اور دوبارہ جنگ کرتا دوسرا یہ کہ ساحل سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھتا اور اس طرف کبھی رخ نہ کرتا۔ سکندر نے خط کی عبارت سے اتفاق کیا تھا۔ بلکہ عبارت خود اس کی بنائی ہوئی تھی۔

پارمینیو، اینٹی گونس اور بطلیموس قیاس کرتے کہ دارا کون سا راستہ اختیار کرے گا۔ وہ کہتے تھے کہ ایشیا کا یہ شہنشاہ اعظم مقدونیوں کے سامنے بہت بری طرح بھاگا اور اہل و عیال کی اسیری کے لئے سخت تکلیف دہ ہوگی۔ لہٰذا ان کا خیال تھا کہ اہل و عیال کے لئے وہ پورے ساحلی علاقے سے دست بردار ہو جائے گا اور مقدونیہ سے اعتراف کرا لے گا کہ وہ ان مشرقی سرزمینوں کا شہنشاہ ہے جو ساحلی علاقے چھوڑ دینے کے بعد بھی خاصی وسیع تھیں۔ واقعات نے ان کی رائے درست ثابت کر دی لیکن صور کے دانش مندوں کی رائے دوسری تھی اور اب صور مزاحمت کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دسواں باب :: سمندر کے دروازے

صور کے باشندے مشرقی بحیرہ روم کی دنیا میں سیاست وتدبر کے نقطہ نگاہ سے سب سے فائق تھے وہ ایک ہزار سال سے خطرات کا موازنہ کرتے ہوئے فائدے اٹھاتے رہے تھے۔اسی طرح انہوں نے اقبال مندی کا درجہ حاصل کیا اور طاقتور بن گئے۔لوگ ان کے شہر کو ملکہ بحر۔۔۔۔۔نہ کہ ملک بحر۔۔۔۔۔قرار دیتے تھے وہ لوگ فونیقی تھے اور ان کے شہر کو باب البحر کی حیثیت حاصل تھی اہل مقدونیہ نے ان کے متعلق عجیب وغریب روایات سن رکھی تھیں۔مثلاً زمانہ قدیم میں انہوں نے ''زمین سرخ'' کی تجارتی شاہراہوں کا کنٹرول سنبھال رکھا تھا۔زمین سرخ سے مراد عرب کا وہ صحرائے عظیم 1 ہے جو بحیرہ احمر کے سامنے ہے۔انہیں تجارتی قافلوں کے ساتھ وہ سواحل بحر پر پہنچے۔پھر جہاز سازی اور جہازوں کے ذریعے سے ساحلی تجارت شروع کر دی۔آہستہ آہستہ وہ بڑے بڑے جہاز بنانے لگے اور سمندر کو چیرتے ہوئے پہلے قبرص، پھر شمالی افریقہ پہنچ گئے۔موسم سرما کے طوفانوں سے اپنے جہازوں کو بچانے کے لئے مائی بندرگاہیں۔تجارتی کوٹھیاں، مال اسباب کے گودام اور ان کی حفاظت کے لئے قلعے تعمیر کر لئے۔ان کے ارد گرد نوآبادیاں قائم ہوگئیں اور یہ نوآبادیاں ان شہروں پر بھی فوقیت لے گئیں جو ان کے اصلی وطن تھے۔صرف صور کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔جس نے مادا کے آغوش میں پرورش پائی۔یہ پہلا باب البحر تھا۔جہاں دمشق کی طرف سے آنے والے تجارتی راستے جبل الشیخ 2 کے پاس سے گزرتے ہوئے ساحل پر ختم ہوتے تھے اب صیدا اور اس کے بالغ مولود صور کے درمیان ہلاکت خیز رقابت جاری تھی۔ایسی ہی رقابت صور اور اس کے نومولود قرطاجنہ کے درمیان بپا تھی۔

صدر کے ان فونیقی اور کنعانی باشندوں نے بے اندازہ دولت جمع کر لی تھی۔انہوں نے اپنے تمام رقیبوں کو پچھاڑ دیا اور اب ارغوانی رنگ، شیشے کے آلات، خوشبوؤں، جواہرات۔۔۔۔۔اور غلاموں کی تجارت میں بحیرہ روم کے اندر اجارہ حاصل کر لینے کے

در پے تھے۔ صحرائی علاقوں میں ایل ان کا دیوتا تھا۔ جسے وہ زمین پر واحد خالق حیات سمجھتے تھے۔ (مقدونویوں کے نزدیک ارسطو کا غیر متحرک محرک۔۔۔۔۔ لیکن اب وہ ایل کی پرستش کو لعل اور داغون کی پرستش کا لباس پہنا چکے تھے ان دیوتاؤں کے دیو ہیکل مجسموں کے روبرو وہ سوختنی قربانیاں کیا کرتے تھے۔ جو عام روایت کے مطابق قابیل اور ہابیل نے کی تھی)

صیدا کے فونیقیوں نے مقدونوی فوج کی اطاعت شکریئے کے ساتھ قبول کر لی، سکندر نے اس شہر کی عقبی پہاڑی پر ایک بہت بڑا اسٹیڈیم بنانے کا حکم دے دیا لیکن اہل صدر نے یوں سوچنا شروع کیا کہ یونانی فوج بہت تھوڑی ہے۔ ضروری ہے کہ وقت گزرنے پر وہ آگے بڑھ جائے۔ بے شک وہ اسوس کی جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ لیکن جنگی نقطہ نگاہ سے اس کا موقف چنداں مستحکم نہیں۔ وہ صرف تنگ سے ساحلی علاقے پر قابض ہے۔ اس کے ایک طرف شہنشاہ اعظم کی سلطنت واقع ہے اور دوسری طرف سمندر ہے۔ جس پر صورت کا بحری بیڑا مسلط ہے۔ قبرص اور مصر کے بیڑے اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔

علاوہ بریں شہر صور ساحل سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹے سے جزیرے پر واقع تھا۔ جہاں بری فوج اس کا محاصرہ نہ کر سکتی تھی۔ پہلے جتنے محاصرے ہو چکے تھے، وہ سب ناکام رہے تھے، یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ اہل صور کو شہر کے دروازے یونانیوں کے لئے کھول دینے میں کسی خاص فائدے کی امید نہ تھی۔ اس کے برعکس انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ مقابلہ ہی حقیقی فائدے کا موجب ہے۔ خشکی اور تری کے درمیان انہیں اہم حیثیت حاصل تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر مقابلہ کیا تو یونانیوں کی عارضی کامیابی کے بجائے اندرون ایشیا کی مستقل فاتح قوت کا ساتھ ان کے لئے نفع بخش ہو گا۔ شہنشاہ اعظم کا جو بیڑا بحیرہ روم میں تھا اس کی حفاظت کا فرض انجام دے کر اہل صور کو امید تھی کہ صیدا کے مقابلے میں زیادہ حقوق زیادہ اجارہ داریاں اور زیادہ انعامات حاصل کر سکیں گے۔ صیدا

پیچھے رہ جائے گا، اس لئے کہ وہ یونانیوں سے مل گیا تھا۔

ان حالات میں اہل صور نے سودا بازی شروع کر دی۔ سکندر کا غصہ اس پر آگ کی طرح بھڑک اٹھا۔ سودا بازی اس کے لئے نا قابل برداشت تھی وہ چاہتا تھا کہ فریق مقابل یا تو پر خلوص دوستی کا اظہار کرے یا کھلم کھلا دشمنی پر آمادہ ہو جائے۔ درمیانی حالت کو وہ ہرگز پسند نہ کرتا تھا ابتداء میں دونوں فریق فریب کاری سے کام لیتے رہے۔ مقدونوی کمانداروں نے کہا ہم صرف اس غرض سے صور میں داخل ہونا چاہتے ہیں کہ ہرقل کے اس مندر کی زیارت کر لیں جو شہر کے اندر واقع تھا۔ اہل صور نے یہ رائے دی کہ شہر کے اندر کا مندر دیکھنے کے بجائے خشکی کے اس مندر کی زیارت کر لو جو بہت پرانا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم نہ ایرانی کارندوں کو اندر آنے دیں گے نہ یونانی سپاہیوں کو۔

آخر یونانیوں کی فوج کونسل منعقد ہوئی اور اس میں صور کے محاصرے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ رومی مورخ آریان نے اس کے مندرجہ ذیل وجوہ پیش کئے:

> ''مصر کی جانب پیش قدمی اس وقت تک سلامتی کے منافی تھی جب تک ایرانیوں کو سمندر پر اقتدار حاصل تھا۔ اندرون ملک کی طرف بڑھنا بھی خطرے سے خالی نہ ہوتا یونان میں صورت حال غیر یقینی تھی۔ اہل سپارٹا مقدونیہ کے خلاف اٹھنے کے لئے تیار تھے اور اہل ایتھنز صرف خوف کے باعث رکے ہوئے تھے۔ اگر یونانی فوج صور پر قبضہ کر لیتی تو فونیقی بیڑے پر اسے پورا اقتدار حاصل ہو جاتا کیونکہ اس کے لئے کوئی بندرگاہ باقی نہ رہتی جس میں وہ پناہ لے سکتا۔ قبرص خود اپنا بیڑا یونانیوں کے استعمال کے لئے دے دیتا اور وہ بے تکلف مصر پہنچ جاتے۔ مصر پر قبضہ ہو جاتا اور پورا سمندر زیر اقتدار آ جاتا تو یونان کے متعلق کسی تشویش کی گنجائش باقی نہ رہتی اس کے بعد یونانی فوج زیادہ اطمینان و دلجمعی سے بابل کی جانب پیش قدمی کر سکتی تھی۔ اس لئے کہ

تمام بحری مقامات اور دریائے فرات تک کا علاقہ ان کے قابو میں ہوتا اور ان کا اقتدار بہت بڑھ جاتا۔''

عمل کا یہ نقشہ۔۔۔۔۔اگر یہ واقعی مقدونویوں کا نقشہ تھا جیسا کہ آریاں اور بعض دوسرے لوگوں نے بتایا ہے۔۔۔۔دو وجہ سے بڑا حیرت انگیز تھا۔اول انہوں نے یہ پہلو نظر انداز کر دیا کہ صور پر قبضے سے پیشتر محاصرے کے دوران میں دارا حملہ آور ہو سکتا تھا۔ دوم اسی نقشے پر قدم بہ قدم عمل ہوا۔اگرچہ آخری قدم پارمینیو نے بعض دوسرے کمانداروں کی مخالفت کے باوجود اٹھایا گیا۔اس میں پے در پے ایسے خطرات تھے جنہیں قمار بازی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔لیکن یہ جوا نہایت اہم مقاصد کے لئے کھیلا گیا۔ آئندہ دور میں سکندر اکثر ایسے ہی تحیر خیز اقدامات کرتا رہا۔وہ زیادہ سے زیادہ فائدے کے لئے انتہائی خطرات قبول کر لیتا اور چھوٹے چھوٹے فائدوں کے لئے اگرچہ وہ کتنے ہی یقینی ہوتے وقت یا کوشش یا آدمی ضائع کرنے سے احتراز کرتا۔

سپاہیوں کو محاصرے میں کامیابی کے متعلق شبہ تھا وہ سوچ رہے تھے کہ فیلقوس کبھی لمبے محاصروں کے چکر میں نہ پڑتا اور کاہنوں نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ سمندر سکندر کے لئے خطرناک ہوگا۔عین اس زمانے میں سکندر نے ایک خواب بیان کیا کہ ہرقل میرے سامنے نمودار ہوا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ ساحل بحر تک پہنچ گیا۔یہ بتانا مشکل ہے کہ سکندر نے واقعی یہ خواب دیکھا تھا یا سابقہ پیش گوئی کا اثر زائل کرنے کے لئے یہ خواب وضع کر لیا گیا تھا۔بہر حال ایرسٹانڈر کو بلایا گیا تا کہ اس خواب کی تعبیر بیان کرے۔اس نے تھوڑی دیر غور کیا پھر اعلان کر دیا کہ یونانی فوج صور کے محاصرے میں کامیاب ہوگی لیکن محاصرے میں بڑی محنت و مشقت اٹھانی پڑے گی اس لئے کہ ہرقل نے جو معجز نما کارنامے انجام دیئے تھے وہ محنت و مشقت ہی کا نتیجہ تھے۔

یونانیوں کے سب سے بڑے انجینئر دیاوس کو کنعانیوں نے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ بابل کے بادشاہ بخت نصر 3 نے خشکی کی جانب سے صور کا محاصرہ کیا تھا اور طویل محاصرے کے

بعد شہر کو جوں کا توں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ دیاوس نے پوچھا، کتنے سال کے بعد؟ جواب ملا پندرہ سال کے بعد۔

مستحکم شہر پر قبضے کے صرف تین ذریعے تھے۔ یا تو چند آدمی شہر کے اندر پہنچ کر کوئی دروازہ کھول دیتے یا فصیل کے کسی حصے پر قابض ہو کر دوسروں کو اندر داخل ہونے کا موقع دے دیتے جیسا کہ یونانی گلہ بانوں کے بھیس میں ٹرائے کے اندر داخل ہوئے تھے یا غداری کے ذریعے سے شہر پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ یونانیوں کو پہلا طریقہ سب سے اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ دروازہ کھول دینا اسے توڑنے کے مقابلے میں زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فصیل پر پے در پے ضربیں لگا کر اس کے اتنے حصے کو توڑ دیا جاتا، جس میں سے فوج کے حملہ آور جیش کا ہراول داخل ہو سکتا لیکن اس میں قباحت کا بھی ایک پہلو موجود تھا اور وہ یہ کہ محصورین فصیل کے شکستہ حصے کے اندر عموماً نئی فصیل تیار کر سکتے تھے اس کے بعد شہر کے بازاروں اور گلیوں میں جگہ جگہ باڑھیں کھڑی کر سکتے تھے۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ شہر کے گرد خشکی کے حصے میں گھیرا ڈال کر اس وقت کا انتظار کیا جاتا کہ محصورین کے پاس خوراک ختم ہو جاتی یا وہ ہار مان کر حوالگی کے لئے آمادہ ہو جاتے لیکن صور کے تعلق میں کوئی بھی طریقہ موزوں نظر نہ آتا تھا۔

موقع اور محل کی طویل چھان بین کے بعد مقدونوی انجینئروں پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ جس چٹان پر شہر صور آباد ہے۔ اس کی حیثیت ایک جزیرے کی سی ہے اور اسی چٹان میں سے پتھر کی فصیلیں اٹھائی گئی تھیں یہ مستحکم جزیرہ کنارے سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر ہوگا۔ درمیانی فاصلے کے بڑے حصے میں پانی کم تھا۔ سمندر کی سطح چٹانی اور سنگستانی تھی۔ شہر کے قریب پہنچ کر پانی کی گہرائی اٹھارہ فٹ ہو جاتی تھی۔

صور کی دو بندرگاہیں تھیں اور دونوں بڑی ہی مستحکم تھیں۔ ایک جنوبی سمت میں جسے مصری بندرگاہ کا نام دے دیا گیا تھا۔ یہ پانی کی ایک تنگ سی کھاڑی تھی جو خشکی کے اندر چلی آئی تھی اس کا مدخل بھی بہت تنگ تھا اور اسے شہتیروں سے بند کیا گیا تھا۔ جو بندرگاہ

شمالی سمت میں تھی اسے صیدائی بندرگاہ کہتے تھے یہ نسبتاً وسیع تھی لیکن یہ بھی کھاڑی کی شکل میں اندر کی طرف آ گئی تھی اس کے دہانے پر تین جنگی کشتیاں ایک دوسری کے متوازن ٹھہرا دی گئی تھیں بندرگاہوں کو اس طرح محفوظ کر لینے کے بعد صور کا جنگی بیڑا بے حد مفید کام انجام دے سکتا تھا۔

ان جنگی جہازوں میں پیتل کی نوکدار چونچیں لگی ہوئی تھیں۔ نیز پتھر پھینکنے کے لئے منجنیقیں نصب تھیں صور کا تجارتی بیڑا معمول کے مطابق کاروبار میں لگا ہوا تھا وہ باہر سے ہر قسم کی مطلوبہ چیزیں لے آتا بلکہ قرطاجنہ سے محاصرے کے ماہر انہیں جہازوں پر صور پہنچائے گئے۔

اہل صور کے برعکس یونانیوں کے پاس کوئی بیڑا نہ تھا لہٰذا قرار پایا کہ تین طریقوں میں سے پہلے اور تیسرے پر عمل پیرا ہونے کی کوئی صورت نہ تھی بلاشبہ پہلا طریقہ بہترین تھا یعنی چند آدمیوں کو رات کی تاریکی میں فصیل کے قریب پہنچایا جا سکتا تھا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کسی غداری پر آمادہ کر کے دروازہ کھلوا لیا جاتا لیکن یہ دونوں طریقے اسی حالت میں مفید مطلب ہو سکتے تھے جب حملہ آور فوج پانی میں سے گزرتی ہوئی شہر کے دروازے پر پہنچ جاتی۔

اب ایسی کوئی دستاویز موجود نہیں جس سے معلوم ہو سکتے کہ اہل مقدونیہ نے ان غیر ممکن طریقہ میں سے کوئی کسی ایک کو آزمایا بھی نہیں۔ بلاشبہ مقدونوی فوج نے موسم سرما میں برف پوش پہاڑ عبور کئے موسم گرما میں بڑے بڑے صحراؤں کو طے کیا دریاؤں کو نہروں کے ذریعے سے ملا دیا۔ بحری بیڑے تعمیر کئے اور ان پانیوں پر چلائے جہاں پہلے کوئی کشتی نہ چلی تھی بڑے بڑے دریاؤں پر طغیانیوں کے موسم میں پل تعمیر کر لئے جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا وہاں اجنبی پودوں یا جانداروں سے خوراک حاصل کر لی۔ غرض اس نے ایسے کئی ناقابل یقین کارنامے انجام دیئے یہ سب دائرہ امکان میں تھے لیکن صور میں امکانی طریقہ صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ فصیل کا کوئی حصہ توڑ کر فوج کو

اندر پہنچا دیا جاتا۔ یہ کام اسی صورت میں انجام پا سکتا تھا کہ خشکی کے حصے کو کسی نہ کسی صورت میں فصیل تک پہنچا دیا جاتا، یعنی شہر کی فصیل تک پتھروں کے ذریعے سے ایک راستہ تیار کر لیا جاتا۔ جو صور بظاہر نا قابل تسخیر نظر آ رہا تھا۔ اس میں کمزوری کا ایک پہلو بالکل آشکارا تھا یعنی وہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر حرکت نہ کر سکتا تھا۔

غرض سمندر کے مقابلے میں خشکی کی یہ جنگ شہر صور کے اندر انجینئری کے کمالات کی جنگ بن گئی۔ اور اس میں مشینوں کے خلاف مشینیں استعمال ہوئیں بھاری چٹانوں کو آگے بڑھایا جاتا لکڑی کے اونچے برج تعمیر کئے جاتے پھر اس سلسلے میں حنظ اور رال کے ذریعے سے آتش بازی کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ ہجوم اور مزاحمت کے سامان استعمال کرنے میں بھی کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا گیا۔ اس کشمکش کے دوران میں سکندر عموماً تھوڑے سے آدمی لے کر اندرون ملک کی طرف نکل جاتا۔ وہ جبل الشیخ کی برف پوش چوٹیوں کے پاس سے ہوتا ہوا بحیرہ طبریہ 4 تک چلا جاتا۔ یونانی اس اندرونی علاقے کو عرب کہنے لگے۔

ایک مرتبہ وہ رات کی تاریکی میں نکلا اور ان پہاڑیوں میں سے جا رہا تھا جہاں سست رفتار دریائے اردن کا منبع واقع ہے۔ اس اثناء میں تاریکی بہت بڑھ گئی۔ سکندر کے ساتھ اگرچہ یونانیوں کا چھوٹا سا جیش تھا۔ وہ سامریوں کی پہاڑیوں میں رات نہ گزارنا چاہتا تھا۔ سامری بے شک دن کے وقت اس کے ہاتھ رسد فروخت کرتے تھے لیکن اکا دکا یونانی مل جاتا تو اس پر حملے کرتے اور اسے لوٹ لیتے۔ خاصی بلندی پر چلے جا رہے تھے کہ سکندر نے دیکھا لیسی میچس غائب ہے۔ سکندر کا یہ یونانی اتالیق ملک کی کیفیت دیکھنے کے لئے ساتھ آ گیا تھا۔ سکندر نے اسے غائب دیکھا تو ساتھیوں کو اطلاع دیئے بغیر پیچھے ہٹ گیا اور اتالیق کو ادھر ادھر دیکھنے لگا لیسی میچس دور پیچھے ایسے مقام پر ملا، جہاں ارد گرد سامریوں کے الاؤ جل رہے تھے نہ یہ ممکن تھا کہ لیسی میچس اور سکندر جلد سے جلد یونانی جیش کے ساتھ جا ملتے اور نہ یہ ممکن تھا کہ سامریوں کو ان کا پتا نہ چل سکتا۔ اس نازک

صورت حال میں سکندر نے حد درجہ تحیر انگیز قدم اٹھایا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس الاؤ کی طرف گیا جو بہت قریب نظر آتا تھا۔ تھکا ماندہ اتالیق ذرا آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ سکندر نے قریب پہنچتے ہی پکار کر کہا: ''لو کچھ تو مل گئے'' سامریوں نے ایک یونانی سپاہی کو اسلحہ سے لیس تاریکی میں سے نمودار ہوتے دیکھا تو سراسیمہ وار بھاگ نکلے۔ سکندر نہایت اطمینان سے الاؤ کے پاس بیٹھ گیا۔ لیسی مچس کو بھی بٹھا لیا اور ہومر کی شاعری کے متعلق اس سے بات چیت شروع کر دی اسے کوئی تشویش نہ ہوئی آخر سپاہی تلاش کرتے کرتے اس الاؤ کے پاس پہنچ گئے۔

شہر صور تک راستہ تیار کرنے کا کام دل جمعی سے جاری رہا۔ دیاوس اور دوسرے انجینئروں نے اس پرانے شہر کے کھنڈر کھدا ڈالے جو ساحل پر واقع تھا۔ اسی مسالے سے راستے کی تعمیر ہوتی رہی۔ ارد گرد بڑے بڑے شہتیر گاڑ لئے گئے تاکہ وہ دونوں جانب سے حفاظت کا کام دیں اور ان کے اندر پتھر بھر بھر کر مستحکم بنیاد اٹھالی گئی۔ یہ راستہ کوئی دو سو فٹ چوڑا ہو گا۔ جیسے جیسے تعمیر ہوتا گیا۔ خشکی کی ایک تنگ راہ قرب شہر کے گہرے پانی کی طرف بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ صور کی بلند دیواریں قریباً ایک سو گز پر رہ گئیں۔ وہاں پہنچ کر تعمیر رک گئی۔ اس لئے کہ فصیل کے اوپر سے شدید آتش باری ہونے لگی اور مزدوروں کے لئے ہر قسم کی حفاظتی تدبیریں کر لینے کے باوجود کام جاری رکھنا ممکن نظر نہ آیا۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ سمندر کی اٹھارہ فٹ گہرائی کو پاٹ کر راستے کی تعمیر سہل نہ تھی۔

مقدونوی انجینئروں نے راستے کے آخری سرے پر دفاعی برج تعمیر کر لئے جو اتنے ہی اونچے تھے جتنی فصیل اونچی تھی۔ مدعا یہ تھا کہ اس طرح اندر کی آتش بازی کو روکنا ممکن ہو گا۔ یہ دیکھ کر صور کے جنگی جہاز راستے کے دونوں جانب نمودار ہوئے۔ انہوں نے تیروں، نیزوں اور منجنیقوں کی سنگ باری کے ذریعے سے برجوں اور کنارے کے درمیان نقل و حرکت حد درجہ خطرناک بنا دی۔ یونانی انجینئروں نے دفاع کی غرض سے راستے کے اطراف میں لکڑی کی مضبوط باڑھیں کھڑی کر دیں۔ اہل صور نے فصیل پر

سے آتش بازی شروع کردی۔ لکڑی کو باڑھ کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے یونانیوں نے اس پر چمڑا منڈھ دیا۔

یکا یک اہل صور نے راستے کے برجوں کو تباہ کرنے کے لئے ایک عجیب تدبیر سوچی۔ بندرگاہ میں ایک بڑی کشتی نمودار ہوئی جسے بظاہر جہاز سے کوئی مناسبت نہ تھی اس کے عقبی حصے میں بہت بڑا بوجھ رکھا ہوا تھا اس وجہ سے اگلا حصہ اوپر کو اٹھ گیا تھا۔ اگلے حصے میں فالتو مستول بھی کھڑے تھے۔ جن کے ساتھ بڑی بڑی دیگیں لٹک رہی تھیں۔ ان میں تارکول، گندھک اور تیل بھرا ہوا تھا۔ مستولوں کے نیچے لکڑی اور خس و خاشاک کے گھٹے بندھے ہوئے تھے جن پر خوب تارکول مل دیا گیا تھا۔ آتش گیر مادوں سے لدی ہوئی اس کشتی کے ملاح موافق ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے برجوں کے سامنے لے آئے۔ انہوں نے اگلے حصے میں مشعلیں پھینکیں۔ کشتی کو دونوں برجوں کے درمیان خشکی کے ساتھ لگایا تو خود سمندر میں کود پڑے اور تیرتے ہوئے محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔ ادھر یونانیوں کے تعمیر کئے ہوئے برجوں میں آگ کے شعلے اس طرح بھڑکنے لگے جیسے بادل گرج رہا ہو، کشتی کے عرشے کو بھی آگ لگ گئی، سامنے کے مستول گر کر برجوں سے ٹکرائے دیگیں الٹ گئیں ان سے آتش گیر مادے نکل کر آگ میں جا پڑے۔ یونانی فوج کنارے پر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ برج دھواں بن کر ناپید ہو گئے۔

یونانیوں نے اس عجیب و غریب تدبیر کے بعد مناسب یہ سمجھا کہ راستے کو اور چوڑا کر لیا جائے تاکہ برج ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر رہیں اور مزید منجنیقیں لگائی جا سکیں۔ جس زمانے میں توسیع کا عمل جاری تھا۔ بندرگاہوں سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں رات کے وقت نکلتیں مزدوروں اور انجینئروں پر حملے کرتی رہتیں۔ غرض ان وجوہ سے توسیع حقیقتاً ترک کر دی گئی۔ لیکن دکھاوے کے لئے توسیعی سرگرمیاں جاری رکھی گئیں۔

سکندر اور اس کے مشیر بہت پہلے فیصلہ کر چکے تھے کہ شہر پر قبضہ جمانے کے لئے

تیرتے ہوئے پلیٹ فارم استعمال کئے جائیں۔ انہوں نے ساحل پر رہنے والے تمام آدمیوں، ملاحوں اور مالکان کشتی کے لئے عفو عام کا اعلان کر دیا۔ اس کا اثر بہت اچھا پڑا۔ ماوا کے فونیقیوں اور جزیروں کی بحری قوت کے مالکوں پر واضح ہو گیا کہ سکندر صور کی تباہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ چنانچہ روڈز اور جوبیل 5 سے جہاز سازی کے ماہر آ گئے۔ قبرص کا جنگی بیڑا جو ایک سو بیس جہازوں پر مشتمل تھا۔ غیر متوقع طور پر صیدا پہنچ گیا۔ چنانچہ تمام جہازوں پر منجنیقیں لگا دی گئیں بڑے بڑے جہازوں پر برج تعمیر کر لئے گئے۔ ایک جہاز مقدونیہ کے ساحل سے بھی لے آئے۔

کریٹ کا نیارکس اور دوسرے افسر جنہیں بحریات کا تجربہ تھا۔ مقدونیہ کے سپرداروں اور صیدا کے انجینئروں کو اسلحہ اور منجنیقیں جہازوں پر استعمال کرنے کی تعلیم روزانہ دیتے تھے۔ 332 ق م کے موسم گرما کے آغاز تھا جب یونانیوں نے محض جنگی جہاز ہی تیار نہ کر لئے بلکہ ایک ایسا زبردست بیڑا بروئے کار آ گیا جس میں محاصرے کا سامان، رسد رسانی کا انتظام اور منجنیقیں غرض ہر شے موجود تھی یہ ایک عجیب بحری قوت تھی جس نے کناروں کے آس پاس اور یونانیوں کے بنائے ہوئے راستے کے اطراف میں کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی۔ یہ منظر دیکھ کر اہل صور دم بخود رہ گئے۔

بے شک انہوں نے اپنے عمدہ جنگی جہازوں سے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ جہاز ڈبوئے اور بعض کو نقصان پہنچایا۔ لیکن بیڑا بہت بڑا تھا لہٰذا اہل صور مقابلے پر ٹھہرے نہ رہ سکتے تھے۔ وہ چھاپے مارتے پھر بھاگ کر اپنی پناہ گاہوں میں پہنچ جاتے۔ انہوں نے اپنی تیاریوں کو چھپانے کے لئے بندرگاہ صیدا کے مدخل کے سامنے پردہ سا تان دیا۔ سکندر دانش و تدبیر کی اس کشمکش کے مختلف مناظر سے خوب لطف اندوز ہوتا۔ وہ خود راستے کے دونوں جانب بہترین جنگجوؤں کو لے کر پھرتا رہتا اور جزیرہ صور کے اردگرد پھر کر ان کے جنگی جہازوں کو بھاگنے سے روکنے کی کوشش کرتا۔

اب یونانیوں کی فصیل شکن منجنیقیں جہازوں کے ذریعے سے فصیل کے پاس پہنچ گئیں

(اہل صور نے فصیل کے اس حصے کو جو راستے کے سامنے تھا بہت مستحکم کر لیا تھا لہٰذا یونانیوں نے اس پر حملے کا خیال ہی ترک کر دیا) یونانیوں کی منجنیقیں استعمال کرنے کے لئے جہازوں کے لنگر ڈالے بغیر چارہ نہ تھا۔ صور کے غوطہ خور تیرتے ہوئے آئے اور لنگروں کے رسے کاٹ دیئے یونانیوں نے رسوں کی جگہ لوہے کی زنجیریں استعمال کیں۔ اہل صور کی منجنیقوں نے ان تمام مقامات پر بھاری شہتیر پھینک دیئے جہاں یونانی لنگر انداز ہونا چاہتے تھے یونانیوں نے چھوٹی کشتیوں میں ایسے آلے لگا دیئے جو شہتیروں کو اٹھا کر ایک طرف پھینک سکتے تھے تاکہ منجنیقوں والے جہاز مناسب مقامات پر لنگر انداز ہو جائیں جن لوگوں کو حملے کے لئے آگے بڑھنا تھا ان کے استعمال کے لئے عارضی پل تعمیر کر دیئے گئے تاکہ وہ جہازوں سے اترتے ہی فصیل پر چڑھ جائیں۔ اہل صور نے اس کے مقابلے کی تدبیریں کیں لیکن بھاری منجنیقوں نے فصیل میں جگہ جگہ رخنے ڈال دیئے اور بندرگاہ کے مدخلوں کے قریب دو مقامات پر فصیل بالکل ٹوٹ گئی۔ اب مقابلہ مشینوں تک محدود نہ رہا اور آدمیوں کے خلاف آدمی لڑنے لگے۔ یوں صور کی تقدیر پر آخری مہر لگ گئی۔

اس وقت یونانی بالکل بے تاب تھے۔ مزاحمت کی شدت اور وحشت نے غصے کا پارہ آخری درجے پر پہنچا دیا تھا۔ اہل صور نے جو قیدی پکڑ رکھے تھے فصیل پر لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے سمندر میں ڈال دیتے لیکن ایک زبردست یورش نے مدافعت کو ختم کر دیا۔ ایک روز سمندر ساکت تھا۔ ہر طرف حملہ آور جہازوں نے حلقہ بنا لیا۔ مسلح یونانی ''اٹھاؤ پل'' سے فصیل پر پہنچ گئے۔ آٹھ ہزار اہل شہر مارے گئے۔ تیس ہزار اسیر ہوئے جنہیں غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔

اب یونانیوں نے اپنے بنائے ہوئے راستے کو بڑھا کر جزیرے کی چٹان کے ساتھ ملا دیا۔ وہ بڑی بڑی منجنیقوں کو کھینچ کر اندر کے مندر میں لے گئے تاکہ ان کی تقدیس کی رسم پوری ہو۔ بڑے بڑے جنگی جہاز مندر کے چوک میں بطور یادگاہ رکھ دیئے گئے۔ پھر

انہوں نے ہرقل کے مندر میں قربانی کی رسم ادا کی اور فتح کا جشن منایا جس میں کھیلیں بھی ہوئیں۔ اور جلوس بھی نکلے۔ دیاوس نے بعد میں کہا میں نے سکندر کی امداد سے صور کو فتح کیا۔ صور کا محاصرہ سات مہینے جاری رہا۔ یہاں سے سکندر آگے بڑھا اور غزہ پہنچا۔ اسے بھی دو ماہ کے محاصرے کے بعد فتح کیا۔

فلسطین سے سرزمین فراعنہ تک کی ساحلی شاہراہ پر غزہ بہت مستحکم مقام تھا۔ اس کے لئے قطعاً مناسب نہ تھا کہ اپنے دروازے اہل مقدونیہ پر بند کرتا۔ خصوصاً صور کا انجام دیکھ چکنے کے بعد تو مزاحمت مصلحت شناسی سے سراسر خلاف تھی۔ کم از کم اس وقت کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو دل پر اس کے سوا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اہل غزہ نے جب مزاحمت کا فیصلہ کیا ہوگا تو اغلب یہ ہے کہ انہیں شہنشاہ ایران کی قوت قریب تر نظر آ رہی ہو اور مقدونیوں کو قرب کا ویسا احساس نہ ہو۔

غرض غزہ کی مزاحمت نے دیاوس اور اس کے رفیق انجینئروں کو سب سے بڑا کارنامہ مہندسی انجام دینے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ چنانچہ انہوں نے باہر کے میدان سے فصیل کے بالائی حصے تک ایک سنگ بستہ راستہ بنایا جو سطح میدان سے اڑھائی سو فٹ بلند تھا۔ اس عظیم الشان ڈھلاؤ کی تعمیر ہی اصل کارنامہ نہ تھی بلکہ اس کے نیچے سرنگیں کھودی گئیں جنہیں نیچے ہی نیچے فصیل تک پہنچا دیا گیا۔ ادھر سنگ بستہ راستہ فصیل کے سر پر پہنچا۔ ادھر فصیل زمین بوس کر دی گئی۔ جو عرب اس شہر کی حفاظت پر مامور تھے، ان میں سے ایک ایک مردانہ وار لڑتا ہوا مارا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا گیا۔ لیکن غزہ نے سکندر سے ہرجانہ وصول کر لیا۔ ایک منجنیق سے پتھر کا گولہ یونانی بادشاہ کی ڈھال پر گرا اور ڈھال کو دولخت کرتے ہوئے اس نے مونڈھے کی ہڈی توڑ ڈالی فتح غزہ کے بعد سنگ بستہ راستہ توڑ دیا گیا لیکن جو سنگ بستہ راستہ خشکی سے صور کی چٹان تک بنایا گیا تھا۔ وہ بدستور باقی رہا اور یہ اب تک باقی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مقدونوی افسر ساحلی شاہراہ کے ساتھ ساتھ ہر اہم مقام پر قلعہ بنا کر ان میں تھوڑی تھوڑی فوج چھوڑ جانے کا ارادہ کئے

بیٹھے تھے۔ لیکن صور جیسے کسی بحری قلعے کو اس حال پر چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔

جس زمانے میں صور کا محاصرہ جاری تھا سکندر جہازوں کی دیکھ بھال بڑی توجہ سے کرتا رہا اس نے جو جہاز تعمیر کرائے ان میں تبدیلیاں تجویز کیں مختلف نمونوں کے جہاز بنوا بنوا کر تجربے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے اوصاف و خصائص سے پوری طرح واقف ہو گیا۔ اس پر یہ راز آشکارا ہو گیا کہ بادبان کھولنے کے بہترین طریقے کیا ہیں اور جہازوں کے تختوں کی درمیانی درزیں کیونکر بند کی جاتی ہیں۔ نیارکس کے علاوہ مختلف جزیروں سے بہتیرے ماہرین فن اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ سکندر ان کے ساتھ مختلف کاموں میں لگا رہا۔ بایں ہمہ یہ بھی واقعہ ہے کہ صور پر آخری یورش کے وقت کشتی میں بیٹھ کر جزیرے کے ارد گرد گھومنے کے سوا اس نے سمندر کا سفر کبھی نہ کیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بحیرہ ایجہ کے جزیروں میں سے بھی کسی پر اس کا قدم نہ پڑا تھا۔

بحیرہ ایجہ کے جزیروں نے اور ان جزیروں نے جو سائیکلیڈس کے نام سے مشہور ہیں سکندر کی اطاعت قبول کی۔ جزیرے ایسی جگہ واقع تھے کہ جنوبی یونان سے ایشیا پہنچنے کے لئے مسلسل قدم گاہوں کا کام دیتے تھے جزیرہ ٹنی ڈوس اور جزیرہ چیوس نے اپنی بندرگاہیں سکندر کے لئے کھول دیں شہنشاہ ایران کی بحری قوت میں سے تھوڑے سے جہاز باقی تھے جنہیں مختلف افسر یا یونانی سنبھالے بیٹھے تھے لیکن ان کی حیثیت بحری قزاقوں کی سی تھی وہ کسی بڑی بندرگاہ میں گھسنے نہ پاتے تھے۔

یونانی فوج نے سمندر کے گھیرے کے ساتھ ساتھ کوہ ایتھوس سے مصر تک پندرہ سو میل کا سفر پیدل طے کر کے مشرقی بحیرہ روم پر تصرف حاصل کیا تھا۔ بعد ازاں بحیرہ مذکورہ کے کسی مستحکم شہر نے کسی مقدونوی افسر کی مزاحمت نہ کی۔ سمندر میں یونانیوں کا کوئی بیڑا نہ تھا۔ وہ صرف سواحل کی حفاظت کر رہے تھے لیکن جب سکندر مصر گیا تو اس کے ساتھ جنگی اور بار بردار جہازوں کا ایک بیڑا بھی گیا تھا۔ یہ بیڑا رات کے وقت ساحل کے پاس آ جاتا اور ملاح خشکی پر اتر کر بری فوج کے ساتھ قیام کرتے۔ سکندر نے روڈز، قبرص، فونیقیا اور

مصر کے ماہر جہاز سازوں کا ایک نیا یونٹ بنا دیا۔ چند اعلیٰ درجے کے ملاح ان کے ساتھ کر دیئے۔ صور میں جو تجربات حاصل ہو چکے تھے انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے یہ یونٹ اجنبی سمندروں کے لئے نئے بیڑے تیار کر سکتا تھا، جن میں جہاز رانی کا کوئی ریکارڈ موجود نہ تھا۔

آریان لکھتا ہے:

''وہ دریا کے راستے سمندر تک گیا۔ پھر اس نے جھیل مائی اوٹس 6 کا چکر لگایا اور خشکی پر اتر گیا۔ اس مقام کو اس نے ایک شہر کی تعمیر کے لئے موزوں قرار دیا۔''

دریا سے اشارہ دریائے نیل کی طرف ہے یا کہنا چاہئے نیل کی مغربی شاخ کے دہانے تک جو شہر تعمیر کرایا، وہ سکندر یہ تھا سکندر نے اس نام کے تیرہ یا اس سے زیادہ شہر آباد کئے ان میں سے پہلا یہی مصر کا سکندریہ تھا۔ یہ بات بڑی عجیب نظر آئے گی کہ 33 سالہ مقدونوی نے ساحل بحر اور کھاری پانی کی جھیل کے درمیان، جو سرکنڈوں اور مرغابیوں سے بھری ہوئی تھی ایک شہر اور گھاٹ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن واقعے کو عجیب سمجھنے کے بجائے ناگزیر سمجھنا چاہئے یہ مقدونوی لوگ آباد کاری کے علمدار تھے۔ وہ ہر مقام کی چھان بین کرتے اور تعمیر کا کوئی نہ کوئی نشان چھوڑتے۔ سکندر خود پیلا میں پرورش پا کر جوان ہوا تھا۔ جہاں فیلقوس برابر تعمیرات میں لگا رہتا تھا۔ لیکن خود سکندر نے پیلا میں مویشی کے لئے ایک سائبان بھی نہ بنایا اور نہ وہ اس کا خواہاں تھا۔ پھر وہ دیکھ چکا تھا کہ یونانیوں نے وطن سے باہر نکل کر کس طرح نو آبادیاں قائم کیں۔ جنہوں نے آہستہ آہستہ بڑے شہروں کی حیثیت اختیار کر لی۔ وہ مہینوں سمندر کے کنارے کنارے سفر کر چکا تھا۔ جس کے ساتھ جھاگ کے انبار نظر آتے اور وہ نیارکس نیز دوسرے ماہرین بحریات کے ساتھ جہازوں کے چلنے کی بابت باتیں کرتا رہتا۔

اب اس کا سفر ختم ہو چکا تھا اور بحری تجارت کو اپنی خواہش کے مطابق چلانے کا اختیار

اس کے قبضے میں آ چکا تھا۔ نیز مصر پہنچ کر بحیرہ روم کی مہم پایہ اتمام پر پہنچ چکی تھی۔ مصر بالکل خاموش اور مطمئن سرزمین تھی۔ جس کے لئے مسلسل بہنے والے دریا نے زندگی کا سرو سامان مہیا کیا تھا اور اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صحرا میں سے پانی کو اس انداز میں بہانے کا کام یقیناً نادیدہ دیوتاؤں نے انجام دیا ہے۔ ہیلیو پولس 7 اور ممفس میں اس نے پتھر کے بنے ہوئے شہر دیکھے۔ جن میں سیاہ ساق اور چمکیلا نیلا پتھر استعمال ہوا تھا۔ نیز پتھروں کو تراش کر دیوتاؤں اور شیطانوں کے بڑے بڑے مجسمے تیار کئے گئے تھے۔ سورج کی روشنی ان پر پڑتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ زندہ ہیں اور وہ سانس لے رہیں ہیں۔ ایتھنز کے بالا حصار کا سنگ بنیاد رکھنے سے کم و بیش ایک ہزار سال پیشتر مصر کے بعض مندر تعمیر ہو چکے تھے۔

اسی زمانے سے یہ لوگ آباد چلے آتے تھے۔ ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تھی وہ اپنے رسم الخط و تصویروں کے ذریعے سے اپنی سرگزشتیں مندروں کی دیواروں پر کندہ کرتے جاتے وہ اپنی جگہ قائم تھے اور جو عمارتیں بنا چکے تھے انہیں بازار کا شور و شغب یا کسی حملہ آور کا ورود تباہ نہ کر سکتا تھا۔ سکندر نے بہت سے مشاہدات کئے اور بیشتر چیزیں حافظے میں محفوظ کر لیں اور اس کی وسعت فکر قلب کے کسی بے قابو جذبے کا کرشمہ بلکہ اس وسیع مطالعے اور غور کا نتیجہ تھی۔ جس میں اس نے خاصا وقت گزارا تھا۔ آئی او نیا والے ساحل کی چھان بین کے بعد وہ خشکی پر چلنے والے قافلوں کے راستے بھی دیکھ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دریائے نیل کے راستے آنے والے لوگ ساحل پر مل سکتے ہیں بہر حال نیل کا دہانہ کریٹ نیز یونانی بندرگاہوں سے قریب تھا۔ اور جانتا تھا کہ جہاز اگر کھاری پانی جھیل میں ٹھہرا کریں گے تو سمندر کی لہروں سے محفوظ رہیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر، سکندریہ کو بندرگاہ سے زیادہ وسیع مقاصد کا مرکز بنانا چاہتا تھا نئے نمونے کے دارالحکومت کی یہ پہلی تعمیر تھی۔۔۔۔۔ اگرچہ متعدد پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے کارنتھ سے خاصی مشابہت حاصل تھی۔ مثلاً کارنتھ کی طرح سکندریہ

بندرگاہ بھی تھی۔ بین الاقوامی نوآبادی بھی اور مذہب وعلم کا مرکز بھی۔ جزیرہ فراس کے آخری گوشے پر روشنی کا ایک چھوٹا سا مینار بنا ہوا تھا۔سکندر نے اس کی جگہ اور بہت بڑا اور بلند مینار بنانے کی تجویز سوچی جو رصد گاہ کا بھی کام دیتا۔وہ بلندی میں ان اہرام سے کم نہ تھا جو دریائے نیل کے بالائی حصے میں واقع تھے اور اس کے سامنے ہیلی کارنیس میں مسوس کا مقبرہ تھا۔جو وضع قطع میں مربع تھا اور بلندی میں آسمان کو بوسے دے رہا تھا۔

سکندریہ میں سکندر نے بہت بڑی درسگاہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جو میزا کی درسگاہ سے بدرجہا وسیع تھی لیکن اس کے ساتھ نہ باغ تھا اور نہ پریوں کے مجسمے۔ سارڈس جیسے ایک مندر کی بنیاد رکھی گئی نیز ایک جمنازیم اور کھیلوں کا میدان آراستہ کیا گیا۔صیدا میں وہ دیر تک ٹھہرا رہا تھا تو وہاں بھی کھیلوں کے لئے ایک اکھاڑا بنایا۔پھر ایک کتب خانے کی بھی تجویز تھی۔یہ پوری عمارت کتابوں سے لبریز ہوتی ایسا ہی کتب خانہ اس نے ممفس میں دیکھا تھا۔

دیاوس نے صور کا محاصرہ سکندر کی امداد سے کیا تھا، سکندر نے دارالحکومت کا نقشہ دیاوس کی امداد سے تیار کیا۔انجینئر فوج کے ساتھ اس لئے آئے تھے کہ جنگی امور میں مدد دیں اور مختلف مقامات پر ان سے بربادی کا کام لیا گیا لیکن سکندر چاہتا تھا کہ بربادی کے بجائے ان سے زیادہ مفید کام لے لہذا اس بات پر متعجب نہ ہونا چاہئے کہ سکندر نے سکندریہ تعمیر کرایا اور اس کے لئے مصر کا ساحل تجویز کیا۔

بیان کیا جاتا ہے،سکندر رخصت ہونے سے پیشتر شہر کی فصیل کا نشان قائم کر دینا چاہتا تھا لیکن نشان لگانے کے لئے کوئی موزوں چیز موقع پر موجود نہ تھی۔اس وجہ سے سپاہیوں کی رسد میں سے جو نکالے گئے اور سکندر جیسے جیسے بتاتا گیا فصیل کے مقام پر جو کے ذریعے سے نشان لگائے گئے۔یکا یک دلدلی علاقوں سے جانوروں کے جھنڈ اڑے اور تھوڑی ہی دیر میں سارے جو چٹ کر گئے۔

سکندر اور معماروں کو یہ بدشگونی محسوس ہوئی چنانچہ اریسٹانڈر کو بلایا گیا کہ حقیقت واضح

کرے وہ خود سرائی امیر حیران رہا پھر بولا: شہر ضرور ترقی کرے گا لیکن زمین کی پیداوار کے بل پر دوسرے نے کہا کہ شہر بڑے بڑے گروہوں کے گزارے کا سامان مہیا کرے گا۔ بہر حال سکندریہ تعمیر ہوا اور اس نے بڑی ترقی کی یہ بڑھتا اور ترقی کرتا گیا۔ آج بھی جبکہ اس تعمیر پر دو ہزار دو سو تہتر سال گزر چکے ہیں؟ یہ بہت بڑا بحری مرکز اور ایک بین الاقوامی شہر ہے لیکن مذہب وعلم کا عالمگیر مرکز قطعاً نہیں رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گیارہواں باب :: رودِ مشرق

اہل مقدونیہ کو سامی دیوتاؤں سے سابقہ پڑتا رہا لیکن ان میں کوئی دلچسپی انہوں نے ظاہر نہ کی۔ صور میں جو سامی شہر تھا انہوں نے ہرقل کو سب سے بڑا دیوتا بنا دیا، لیکن مصر میں انہوں نے نہایت عظیم الشان اور پر ہیبت دارالاصنام دیکھے جو دریائے نیل کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے تھے خصوصاً آمن رع 1 جسے وہ نیل کا دیوتا سمجھتے تھے اس کے لئے ایک ہی پتھر کے اونچے اونچے مینار بنے ہوئے تھے جنہیں عرف عام میں سنگی مینار کہا جاتا ہے یہ مینار اس مسطح وادی میں ایک روز کی مسافت تک صاف نظر آتے رہتے تھے۔ آمن رع کی تصویریں دیواروں پر بھی کندہ تھیں وہ اس طرح جہاز پر بیٹھے ہوئے آمن رع آسمان کی طرف جا رہا تھا۔

یہ منظر اہل مقدونیہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا اور انہوں نے امن رع کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آمن رع واقعی سب سے بڑا دیوتا ہے اور اسی نے انسانوں میں ملکوتی خصلتیں پیدا کیں تو کیا یہ وہی دیوتا نہیں جسے یونانیوں نے زیوس قرار دے رکھا ہے؟ یقیناً آسمانی جہاز میں آمن رع کے نام سے جو بے ریش ہیبت دکھائی گئی ہے وہ اس زیوس سے نہیں ملتی۔ جس کا بت ایتھنز کے سنگ تراشوں نے تیار کئے تھے لسی پس کو اس بات میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن اگر کوئی شبہ نہ تھا لیکن اگر یونان میں زیوس کی ہیئت سنگ تراشوں نے ایک دوسرے سے الگ الگ تیار کی تو کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ مصریوں نے اسی زیوس کو اپنے تصور کے مطابق دکھانے کی کوشش کی ہم جانتے ہیں کہ سکندر نے اس بارے میں مصر کے ایک عالم دین سامن 2 سے بات چیت کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ تخلیق ایک الٰہی قوت ہے جس کا منبع ہمارا سب سے بڑا دیوتا ہے۔ سکندر کو یہ سکھایا گیا تھا کہ اعلیٰ درجے کے انسانوں میں ملوکیت کا جو شعلہ ہوتا ہے، وہ زیوس سے پیدا ہوا اور ٹائٹسن اسے زمین پر لے آئے لیکن عام لوگوں کو وہ شعلہ نصیب نہیں ہوتا۔ پھر کیا زیوس دراصل آمن رع ہی نہیں؟ جس طرح اپالو وزی 3 رس ہو سکتا ہے وہ اس لئے قتل

ہوا کہ دوبارہ زندگی حاصل کرے۔ اس طرح یہ امر فانی انسانوں میں ملکوتی قوت کا بدیہی نشان بن گیا۔

سکندر اس بارے میں یقینی علم حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آمن رع کا قدیم ترین مقدس مندر نیل کے کنارے پر نہیں بلکہ دور مغربی صحرا میں واقع ہے یعنی سیوہ 4 کے نخلستان میں اور وہیں مصر کے سب سے بڑے اور راست باز کاہن بھی رہتے تھے۔ تو یہ سنتے ہی سکندر نے وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا جب اسے بتایا گیا کہ سیوہ تک سفر خاصا خطرناک ہے تو اس کا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا۔ جس مقام پر سکندریہ کی آبادی کا فیصلہ ہوا تھا وہاں سے رہبر اسے ایک سو اسی میل مغربی جانب لے گئے پھر انہوں نے بنجر صحرائی علاقے میں سے جنوب کا رخ اختیار کیا۔ گویا سمجھنا چاہئے کہ وہ پہلے موجودہ زمانے کے مشہور مقام العلمین کی طرف گئے پھر مشہور بندرگاہ مطروح کے پاس سے اندرون ملک کی طرف مڑے چونکہ سردی کا موسم تھا اس لئے پانی کی دقت محسوس نہ ہوئی پہاڑیوں میں جگہ جگہ جوہڑ ملتے گئے جن میں پانی بھرا ہوا تھا لیکن آندھیوں نے انہیں بہت پریشان کیا۔ ایک مقام پر راستہ گم ہو گیا۔ پھر کوؤں کو اڑتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے جنوبی سمت کا سراغ لگایا غرض وہ نخلستان میں پہنچ گئے، جہاں زیتون اور تاڑ کے درخت تھے۔ چشموں کا پانی بہت ٹھنڈا تھا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہیں وہاں نمک کی شفاف چٹانیں نظر آئیں۔ وہاں پہنچ کر آمن رع کے چھوٹے سے سنگی مندر کی تاریکی میں سکندر کو جو کچھ پیش آیا اور اس نے اپنے مستقبل کے متعلق جو کچھ پوچھا اس کے باب میں روایات مختلف ہیں۔ خود سکندر نے صحیح حالات لکھ کر اپنی ماں اولمپیاس کے پاس بھیج دیئے تھے لیکن تاکید کر دی تھی کہ وہ خط کسی کو دکھایا نہ جائے مندر کے پروہتوں نے لمبے چغے پہن رکھے تھے نوجوان مقدونوی بادشاہ کا انہوں نے پر جوش خیر مقدم کیا اور اسے دیوتا کے سامنے لے گئے ایک روایت یہ ہے کہ سکندر نے پوچھا آیا میں اپنے باپ کے قاتلوں کو پوری سزا دے رہی ہے؟ پجاریوں نے کہا کہ اس سوال کا جواب لینا چاہتے ہو تو خوب

سوچ بچار کر اپنے باپ کا صحیح نام بتاؤ جب سکندر نے بتایا کہ میرے باپ کا نام فیلقوس تھا تو مندر کی طرف سے جواب ملا ہاں فیلقوس، شاہ مقدونیہ کے قاتل ٹھیک ٹھیک کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ پھر سکندر نے سوال کیا کہ میں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اس میں مجھے کامیابی حاصل ہو گی؟ جوبا ملا کہ ضرور ہو گی سکندر نے مزید کوئی بات نہ کی پروہتوں کو سنہری سکوں سے نوازا جو لوگ اسکے ساتھ گئے تھے انہوں نے بعد میں بتایا کہ مندر کاہن نے سکندر کو آمن رع یا زیورس کا بیٹا قرار دیا تھا۔

سکندر نے واپسی کے وقت وہ راستہ اختیار کیا جس کی مسافت کم تھی رہبروں نے ہر چند کہا کہ اس راستے سے جانا ممکن نہیں لیکن سکندر نے اسی پر جانے کے لئے اصرار کیا۔ وہ عموماً وہی طریقہ اختیار کرتا تھا جسے زیادہ سے زیادہ دشوار بلکہ غیر ممکن بتایا جاتا تھا ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ وہ سیوہ تک نئے راستے کی چھان بین کرنے کا خواہاں تھا۔ اس راستے میں وہ خوفناک قطارہ کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا بحیرہ فیوم 5 کے پاس سے گزرا ہو گا۔ لیکن مشکلات کے باوجود وہ ممفس پہنچ گیا۔ یہاں سے مشرق کی طرف طویل اور ناقابل تصور سفر کا آغاز ہوا۔

مصر میں دو چیزیں ہو رہی تھیں جو ابتدا میں زیادہ نمایاں نہ تھیں سکندر اپنی فوج کے بڑے حصے سے الگ تھا۔ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے پر قبضہ جمانے کے لئے جو مہم شروع ہوئی تھی اس مفتوحہ علاقے کے ساتھ ساتھ طرسوس تک بے شمار نو آبادیاں، جہاز سازی کے کارخانے اور تجارتی مرکز قائم ہو چکے تھے فوج کے مختلف جیش ان مرکزوں میں بیٹھے ہوئے تھے مقدونیہ کے بعض کسان ساحلی علاقوں میں نئی فصلوں کے تجربے کر رہے تھے سائنس دان اپنی جانچ پرکھ کے لئے حیوانات، نباتات اور جمادات کے مختلف نمونے فراہم کرنے میں مشغول تھے۔ طبیبوں نے موزوں مقامات پر شفا خانے قائم کر لئے تھے سکندر ضرورتاً فوج سے الگ ہوا تھا لمبے نیزوں والی پیادہ فوج نے مدت سے اسے نہ دیکھا تھا۔ صرف محافظ فوج سکندر کے ساتھ ساتھ تھی جب وہ اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ایک نو

آبادی کے سامنے نمودار ہوا تو فوجی اس کی پیشوائی کے لئے بیتابانہ باہر نکل آئے اس کے زانو چھوئے اور پوچھا کہ اب ہمیں کس کام کا حکم دیا جائے گا۔ وہ ممفس کے سایہ دار بازاروں میں سے گزرتا تو لوگ سر جھکائے پیچھے ہٹ جاتے یا کورنش کے لئے گھٹنوں کے بل جھک جاتے اس لئے کہ وہ سکندر کو فرعون سمجھ رہے تھے۔

اس منصب سے اسے مفر نہ تھا مصر تجارت میں یا چاول اور غلے کی کاشت میں یا جہاز سازی میں بہت ترقی کر چکا تھا لیکن شاہی روایات میں وہ قدیم زمانے ہی کے آداب و رسوم پر قائم تھا۔ مصریوں کے دل میں اپنے مطلق العنان فرمانرواؤں کے اس عالی شان گھرانے کا بڑا ہی احترام تھا جن کے عہد حکومت میں سائنس نے غیر معمولی تیزی سے ترقی کی تھی نیل کے پانیوں کو کھیتی باڑی کے لئے استعمال کرنے کی تدبیریں عمل میں لائی گئی تھیں اور وقت کا تعین ستاروں کو دیکھ کر کیا جاتا تھا نیز نہایت عالی شان عمارتیں قائم ہوئی تھیں مندر اور مقبرے شاہی محلات سے کہیں زیادہ پر شکوہ تھے یہ عمارتیں عہد حاضر کے لوگوں کے لئے بھی باعث فخر ہیں اور حیات بعد الموت کی ایک بدیہی شہادت پیش کر رہی ہیں مصر پر جو شخص بھی حکمران ہوتا اس کا فرعوان ہونا لازم تھا اور فرعون کو غیر فانی دیوتاؤں سے گہرا تعلق تھا سکندر، فرعون کی حیثیت میں لوگوں کے درمیان گھومتا تو وہ اس کے قریب نہ آسکتے تھے وہ دریا کے چمکیلے تار کو دیکھنے کے لئے کسی ہرم پر چڑھ جاتا بے شک یہ حرکتیں عام انسانوں کی تھیں لیکن حکمران کی حیثیت میں وہ مطلق العنان تھا اور عام عقیدے کے مطابق اس میں ملکوتی خصائل پیدا ہو گئے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو مصریوں کو اور خصوصاً حد درجہ با اثر پجاریوں کو فرعونوں کے متعلق پرانا تصور بدلنا پڑتا۔

لگوس کے بیٹے بطلیموس اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے اس معاملے نے غور و فکر کا نیا سامان بہم پہنچا دیا۔ انہیں یہ صورتحال نا قابل تصور اور مہمل معلوم ہوتی تھی۔ بایں ہمہ اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا انہوں نے اپنے روزنامچوں کا مقابلہ کیا بعض امور پر سب کی تحریروں میں ہم آہنگی تھی مثلاً سکندر مقدونیہ کا بادشاہ تھا ایک قبیلے کا سردار جسے

کونسل نے چنا اور ڈلفی کے مندر کے پروہتوں نے مہر تصدیق ثبت کی ساتھ ساتھ وہ متحدہ یونان کا سپہ سالار اعظم بن گیا۔ پھر اس نے ساحل آئی اونیا کے شہر فتح کر لئے اور وہ رئیس اعظم تسلیم کر لیا گیا۔ صور، ساحل شام اور جزیروں نے اس کی فوج حکومت قبول کر لی مصر پہنچتے ہی اسے فرعون مان لیا گیا جس کی حیثیت ایک دیوتا سے کم نہیں بطلیموس سے یونان کے سوفسطائی انگزارکس سے بات چیت کرتے ہوئے کہا ان واقعات کی تفصیل چنداں مشکل نہیں لیکن جب معرض تحریر میں لے آئیں تو ان میں عقل کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا انگزارکس نے جواب دیا عقل کی بات پوچھتے ہو تو خود اس مہم میں عقل کا کونسا پہلو ہے؟ بطلیموس نے دل میں اس بات سے اتفاق کیا مقدونیہ کے کماندار بڑے فہیم اور حقیقت پسند لوگ تھے وہ ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے سرگرم رہتے تھے ان کی رائے تھی کہ مصر پہنچ کر مختلف مقامات کو دیکھنا یا دینی بحثیں کرنا یا شہر اور عمارتیں بنانا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ حالانکہ یہاں بے شمار مال غنیمت ہے جس پر بلا تکلف قبضہ کیا جا سکتا ہے لیکن سکندر نے حکم دے دیا تھا کہ مصریوں کے ساتھ آئی اونیا والوں سے بھی بڑھ کر احترام کا سلوک کیا جائے۔ اگرچہ آئی اونیا والے اہل مقدونیہ سے قریب تر تھے کم از کم وہ یونانی زبان ضرور بولتے تھے۔

ایک شخص نے کہا ہمیں تو خود سکندر کا معاملہ عقل سے بعید تر معلوم ہوتا ہے بھلا اس کے خطابات اور القابات لکھنے کی کوشش تو کرو، دوسرے نے کہا بھئی اس بات کو چھوڑ، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ تین سال میں اس نے معجزہ کر دکھایا۔ پہلا بولا: واقعی؟

بطلیموس کی رائے تھی کہ معجزے شاعر بروئے کار لاتے ہیں ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل مقدونیہ نے تین سال میں بحیرہ روم کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ وہ کارنامے انجام دیئے جو قریباً غیر ممکن معلوم ہوتے تھے لیکن یہ کارنامے سکندر نے انجام نہیں دیئے ہاں ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ سکندر کی وجہ سے یہ سب کچھ انجام پایا۔

ہفا اسشن نے بطلیموس اور انگزارکس کو یہ کہہ کر کھانے کی دعوت دی کہ آج سکندر کی

طرف سے مجھے ایک خاص تحفہ ملا ہے۔ وہ کھلاؤں گا۔ یونانی سوفسطائی کھانے کے لئے گیا تو یہ معلوم کر کے بے حد مایوس ہوا کہ تحفہ دریائی مچھلیوں کی ایک ٹوکری کے سوا کچھ نہ تھا یونانی سوفسطائی مایوس ہو کر بے اختیار بولا کہ ہفااسشن تم نے وہ کارنامے انجام دیئے جو مشاہیر سے بھی انجام نہ پاتے۔ تمہیں ان بے سر کی مچھلیوں سے بدرجہا بہتر تحفہ ملنا چاہئے تھا یہ سن کر ہفااسشن نے جواب دیا کہ سکندر کی میز پر بھی اس سے بہتر کھانا موجود نہیں بطلیموس نے مچھلی کھا کر شراب پیتے ہوئے کہا کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ سکندر صرف انسان ہے؟

ایرسٹانڈر نے غزہ میں پیش گوئی کر دی تھی کہ اگر سکندر خود حملے میں شریک ہوا تو اسے سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر تک خطرے کے حلقے سے باہر رہا لیکن جب سنگ بستہ راستے پر اس کے فوجیوں اور محصورین کے درمیان جرح وقتل کا ہنگامہ گرم ہو گیا تو وہ رکا نہ رہ سکا اور اپنا مونڈھا اتروا کر واپس آیا۔ زخم سے خون بہ رہا تھا اور مقام ماؤف میں سخت درد تھا جو لوگ اس کے آس پاس تھے ان سے کہا دیکھو یہ انسانی خون ہے۔ وہ سیال مادہ نہیں جو غیر فانی دیوتاؤں کی رگوں میں بہتا ہے سوفسطائی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا بے شک خون ہو گا لیکن کیا سکندر نے یہ بھی بتایا کہ اس کا خون کس باپ کا تھا؟ کیا یہ حقیقت بھی واضح کی۔

ہفااسشن نے پوری گفتگو سکندر کو بتائی تو اس نے یونانی سوفسطائی کو اپنے خیمے میں بلوا لیا۔ وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھا اور کاغذات کا ایک صندوق اس کے بازو میں رکھا تھا۔ شمع کی دھیمی روشنی میز پر پڑ رہی تھی لیکن سکندر نے شمع کو قریب تر لانے کی تکلیف نہ کی خیمے کے ایک گوشے میں سیاہ رنگ کی ڈھال پڑی تھی جسے ایکیلیز کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ڈھال کبھی جنگ میں استعمال نہیں ہوئی سکندر نے کہا اہل ایتھنز کو میرا سلام پہنچاؤ اور یہ ساتھ لے جاؤ یہ کہتے ہی اس نے ایک کاغذ پر دستخط کیے موم کا ٹکڑا ایک منٹ کے لئے شمع کے لو پر گرم کیا موم پگھلنے لگا تو اپنے لعاب دہن سے کاغذ کو تر

کر کے موم لگایا اس پر مہر ثبت کر دی اور کاغذ سوفسطائی کے حوالے کیا۔ انگزارکس نے روشنی کے قریب لے جا کر پڑھا تو لکھا تھا کہ ساموس کا جزیرہ شہر ایتھنز کے حوالے کیا جاتا ہے اور سکندر نے یونان کے سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں دستخط کئے تھے۔

انگزارکس نے اس شاہی عطیہ پر شکریہ ادا کرنا چاہا سکندر نے کہا یہ میرا عطیہ نہیں، میرے خداوند اور میرے باپ فیلقوس شاہ مقدونیہ کا عطیہ ہے میں نے ایک دفعہ اپنے والد کی زبان سے سنا تھا کہ جزیرہ ساموس اہل ایتھنز کو مل جانا چاہئے۔

سوفسطائی نے جواب میں عرض کیا اہل ایتھنز کی شکر گزاری کے آداب وضوابط سے خوب واقف ہیں سکندر کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا اس نے اپنی لمبی ٹانگیں ڈھال کی طرف پھیلا رکھی تھیں سوفسطائی کی بات کے دوران میں کچھ نہ بولا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے سنا ہی نہیں پھر کہا ''ڈیما ستھنیز کیا کر رہا ہے؟'' انگزارکس کی رائے یہ نہ تھی کہ ڈیما ستھنیز کا نام تعریض کی شکل میں لیا گیا ہے بلکہ صرف استفسار کیا گیا تھا بے شک ڈیما ستھنیز از سر نو عوام کا محبوب بن چکا تھا اور وہ مقدونوی استبداد کے خلاف بدستور خطبے دے رہا تھا انگزارکس کا خیال تھا کہ سکندر اس حقیقت سے واقف ہے اس نے معذرت کے طور پر صرف یہ کہا کہ خطیب اب ویسا جوان نہیں رہا جیسا کہ پہلے تھا اب صرف چند آدمی اس کے ہم رائے ہیں۔

یہ آخری قول سراسر غلط تھا، لیکن سکندر نے ایسا اندازہ میں سر ہلایا گویا وہ مطمئن ہو گیا۔ پھر سوفسطائی کو رخصت ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وطن واپس آتے وقت اس کے دل میں بھی بدستور یہ خیال چکر لگاتا رہا کہ شاید سکندر نے مچھلیوں کے متعلق تبصرہ سن لیا تھا اور وہ اسے آزمانا چاہتا تھا لیکن سکندر کو ایسا کوئی احساس نہ تھا۔ اس نے ساموس کا عطانامہ حوالے کیا اور ڈیما ستھنیز کے متعلق پوچھ لیا۔

پارمینیو صور سے سکندر کے پاس پہنچا تو پرڈکاس نے اسے بتایا کہ اب میرے پاس کوئی فوج نہیں اور میرے سپرد یہ کام ہوا ہے کہ فوجیوں کو جابجا آباد کروں وہ مشرقی عورتوں سے

شادیاں کر کے بچے پیدا کریں نیز نئے نئے پھل اور غلے کی نئی نئی جنسیں کاشت کرتے رہیں انہیں وطن سے جو انگور ملے ہیں، ان کے باغات بھی لگا رہے ہیں لیکن پارمینو کے لئے خود اپنی تشویشات کافی تھیں ہر پالوس کو سارڈس کے خزانے کا منتظم بنایا گیا تھا وہ بد بخت خزانہ لے کر بھاگا اور ایک جزیرے میں جا کر پناہ لی۔ تھوڑی سی کشمکش کے بعد اسے گرفتار کر کے لایا گیا تو سکندر نے کوئی سزا دینے سے انکار کر دیا اور کاہ کہ اسے دوبارہ خزانے کا منصرم بنایا جائے۔ وجہ یہ پیش کی کہ ہر پالوس دوبارہ اسی غلطی کا مرتکب نہ ہوگا اگر دوسرے شخص کو اس عہدے پر فائز کیا گیا ہے تو ہو سکتا ہے وہ خزانہ لے کر بھاگ جائے۔

بطلیموس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فوجی کیمپ سے باہر نظم ونسق ناپید ہو چکا ہے ہر کسان اور دلال جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ لوگ اطمینان سے چشمے پر طہارت کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور مقدونوی سپاہی پانی بھرنے کے لئے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں اگر کوئی فونیقی لڑکی چشمے سے پانی بھر رہی ہو تو مقدونوی سپاہی کو اس سے چھونے کی بھی ممانعت ہے۔ اگر کسی مقدونوی کو گھوڑے کی ضرورت ہو تو قیمت دیئے بغیر مل نہیں سکتا۔ کوئی شخص چوری کا گھوڑا بھی لئے بیٹھا ہو تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یہاں اچھے اور خالص سنہری سکوں کی افراط ہے لیکن ان کی قدر کچھ نہیں سکندر نے ایتھنز کے سکوں کو کاروبار کا معیار قرار دیا ہے لیکن یہاں کے کاروباری آدمی ہمارے سنہری سکے کو تولتے ہیں اور ایک سنہری سکے کے معاوضے میں چاندی کے گیارہ سکے نہیں دیتے۔

پارمینو اور دوسرے افسروں پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ سکندر باشندوں کے کسی کام میں مداخلت کا خواہاں نہیں اور فوجیوں کو تربیت دے رہا ہے کہ ہر مداخلت سے باز رہیں اس نے دیسی باشندوں کے طور طریقے بدلنے کی کوشش نہیں کی ممفس میں آمن رع کی قربان گاہ پر اسی طرح قربانی کی جس طرح پیلا میں زیوس کی قربانی کرتا تھا۔ ممفس میں تاڑ کے جو درخت تھے۔ انہیں بھی نہیں کٹوایا، البتہ وہاں نیل پر پل بنوایا دیا اور ایک نیا عظیم الشان دارالحکومت سکندریہ کے نام سے ایسے مقام پر بنوایا جہاں ریت اور دلدل

کے سوا کچھ نہ تھا اور ایک جزیرے میں روشنی کا نیا مینار کھڑا کرا دیا۔

قاصد اس کے خیمے میں اسی طرح ہجوم کر کے آتے جس طرح عقاب شکار دیکھ کر گرتے ہیں سکندر ہر ایک کی درخواست منظور کر لیتا اس نے تمام قیدی چھوڑ دیئے اور انہیں غزہ اور صور میں آباد کیا اندرون ملک کے عرب قبائل نے ایک گورنر مقرر کر دینے کی درخواست کی تو اس نے مشرقی علاقے کے ایک یونانی کو گورنر نامزد کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ دیکھو ان کی رسموں میں کوئی تبدیلی نہ کرنا۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر نے ٹرائے سے ممفس تک کسی بھی مقامی حکومت میں تغیر نہ کیا تھا اگرچہ وہ نیل کے نہایت زرخیز اور دولت مند سرزمین کا فرعون سمجھا جاتا تھا لیکن اس نے پورے ملک کو دو مصریوں کی تحویل میں دے دیا۔ البتہ دو مقدونوی افسروں اور ایک بحری کپتان کو اس غرض سے ساتھ لگا دیا کہ نظم و نسق میں مشورے دیں اور حفاظت کا انتظام کرتے رہیں۔ لیبیا میں اس نے مالیات کا ایک افسر مقرر کر دیا۔

سکندر نے بحیرہ روم کے حلقے میں جو طریقے اختیار کئے تھے ان میں دور اندیش اور تجربہ کار پارمینیو کو صرف ایک چیز نئی معلوم ہوئی یعنی اس نے ہر جگہ خراج وصول کرنے کے لئے ایسے آدمی مقرر کئے جن پر فوج کا کوئی کنٹرول نہ تھا۔ جو معمولی رقمیں یہ لوگ وصول کرتے انہیں سڑکوں، پلوں، ہسپتالوں وغیرہ یا آبی گھڑیوں کے لئے استعمال کیا جاتا پورے ساحلی علاقے میں فوجی افسروں کو روپے سے کوئی سرکار نہ تھا اگر انہیں روپے کی ضرورت ہوتی تو سارڈس کے خزانے سے منگواتے۔ پارمینیو کو اس غیر معمولی طور طریقے سے اختلاف کی ضرورت نہ تھی لیکن اس پر آشکارا ہو چکا تھا کہ سکندر اگر زیادہ دیر کے لئے ساحل چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کی طرف گیا تو فتنہ پیدا ہو جائے گا اس کے سامنے ارسطو کا یہ زریں قول تھا کہ ''جنگ میں فتح پانے سے صلح کا انتظام بدرجہا زیادہ مشکل ہے اگر صلح کا انتظام اچھے پیمانے پر نہ کیا گیا تو جنگ میں فتح کے اثرات زائل ہو جائیں گے۔''

لیکن سکندر نے بحیرہ روم کی نو مفتوح دنیا میں جو نظم و نسق جاری کیا تھا۔ وہ کسی معلوم

نظام یا حکمرانی کے طور طریقوں سے کوئی مشابہت نہ رکھتا تھا۔ پارمینیو جانتا تھا کہ ارسطو نظام حکومت کے تمام نمونوں کی ایک فہرست مرتب کر چکا ہے۔ ان نمونوں کی کیفیت یہ تھی۔

1 شہری ریاست: اس میں تعلیم یافتہ شہری نمائندے نظام حکومت چلاتے ہیں۔

2 جمہوریت: اس کا نظام حکومت بے جائیداد عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

3 حکومت رؤسا: اس میں بہترین آدمیوں کی ایک مختصر سی جماعت کاروبار حکومت چلاتی ہے۔

4 حکومت امراء: اس میں نظام حکومت دولت مندوں اور ممتاز آدمیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

5 ملوکیت: اس میں ایک حد درجہ جوہر قابل فرد حکومت کرتا ہے۔

6 استبداد: ایک فرد کی حکومت جو فوجی قوت کے بل پر کاروبار چلاتا ہے۔

پارمینیو کو سکندر کی حکومت مذکورہ بالا نمونوں میں سے کسی کے بھی مطابق نظر نہ آتی تھی ارسطو کی یہ رائے بھی یاد تھی کہ سب سے بڑھ کر قابل عمل نظام وہ ہوتا ہے جو حکومت، امراء اور جمہوریت کے بین بین ہو۔ نیز ارسطو کے نزدیک مثالی حکومت قائم کرنے کی کوشش بالکل بے سود اور بے نتیجہ تھی اس کا عقیدہ یہ تھا کہ خاص احوال وظروف میں جو نظام حکومت چلایا جا سکے اسے جاری کر دینا چاہئے پھر اسے فرامین کے ذریعے سے نہیں بلکہ اجزائے ترکیبی کی اصلاح و درستی کے ذریعے سے بہتر بنانے کی سعی کرتے رہنا مناسب ہے اس نظریئے سے پارمینیو کو اتفاق تھا مگر اس پر عمل اس بہت مشکل نظر آتا تھا اس کا خیال تھا کہ فیلقوس کبھی ایسا نہ کرتا اس نے اہل مقدونیہ کے لئے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کا اہتمام جاری رکھا۔ مثلاً چاندی کی کانیں، بندرگاہیں فوجی کنٹرول۔

پارمینیو کے نزدیک زیادہ مصیبت خیز اور ہراس انگیز امر یہ تھا کہ سکندر جس نظام حکومت کی بنیاد رکھ رہا تھا اسے مندرجہ بالا نمونوں میں سے کسی ایک کا نام نہ دیا جا سکتا تھا

اور یقیناً سکندر کی تمام سرگرمیاں بے مقصد و بے مدعا معلوم ہوتی تھیں تین سال میں وہ اہل مقدونیہ کے نوجوانوں میں سے نصف کو وطن سے باہر لا چکا تھا اس دوران میں اس نے خود کیا بھیجا؟ خطوط یا میدان جنگ میں کامیابی کے نشانات یا اینٹی پیٹر کے مصارف پورا کرنے کے لئے سونا مشرقی ساحل پر وہ سڑکیں اور جہاز سازی کی کارگاہیں بنا رہا تھا۔ شفاخانوں کے لئے دوائیں بہم پہنچا رہا تھا یا آئندہ کے لئے تھیٹروں، جمنازیموں اور درسگاہوں کے منصوبے تیار کر رہا تھا۔ وہ اجنبی لوگوں کے درمیان بیٹھ کر ان احوال و ظروف کی اصلاح درستی میں لگا ہوا تھا۔ جو ان کی زندگیوں کی تشکیل کا باعث ہو سکتے تھے۔ وہ بحیرہ روم کی پوری دنیا کے حالات بدل کر اسے ایک خاص سانچے میں ڈھال رہا تھا۔۔۔۔

پارمینیو کے نزدیک اس میں عقل کا کوئی پہلو نہ تھا بلکہ یہ سراسر مہمل سرگرمی تھی یہ سرگرمی تو افلاطونی جمہوریت کا نظام جاری کرنے سے بھی زیادہ مہمل تھی جس میں انسان علم حاصل کر کے خیر و نیکی کو تقویت پہنچا سکتے تھے پارمینیو کو تجربے کی بنا پر معلوم تھا کہ انسان زیادہ علم حاصل کر لیتے ہیں تو وہ خیر و نیکی کو تقویت نہیں پہنچاتے بلکہ ان میں برائیاں پرورش پانے لگتی ہیں سکندر بھی اس حقیقت سے واقف تھا جس لائحہ عمل کے مطابق وہ کام کر رہا تھا۔ اس کے بارے میں صحیح تصور قائم نہ کر سکنے سے پریشان ہو کر پارمینیو، سکندر کے پاس چلا گیا۔ ایسے مواقع پر اس کا عام دستور یہی تھا اس نے ایک محکم نکتہ سامنے رکھ لیا۔ جو سمجھ میں آ سکتا تھا اور جس پر بات چیت ہو سکتی تھی جاتے ہی سکندر سے پوچھا کہ متحدہ جمعیت یونان کا شیرازہ تو اسی روز بکھر چکا تھا، جس روز ہم نے درہ دانیال کو عبور کیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اب تک اس جمعیت کے سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں فرمانوں پر دستخط کر رہے ہیں؟

سکندر: اس لئے کہ رسمی طور پر میں اب تک سپہ سالار اعظم ہوں۔

پارمینیو: لیکن یونانیوں میں سے تو ایک فرد بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جسے نظریہ اتحاد پر

اعتقاد ہو۔ وہ تو ایسی کوئی بات آج تک زبان پر نہیں لائے بلکہ ان کے خطبوں میں شہری حقوق پر بار بار زور دیا جاتا ہے۔

سکندر: مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔

پارمینیو: پھر حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے دوڑتے رہنے سے حاصل کیا ہے؟ فیلقوس نے حقائق سامنے رکھے تھے وہ مقدونوی بادشاہی کو پورے یونان پر مسلط کر دینے کا خواہاں تھا یونان صرف مقدونوی حکمرانی ہی کے ماتحت متحد رہ سکتا ہے۔

سکندر: یہ کام مختلف شہروں یعنی شہری ریاستوں کی آزادی کچلے بغیر نہیں ہو سکتا اگر تم یونان کو متحد کرو گے تو شہری ریاستیں ختم ہو جائیں گی شہری ریاستوں کی کمزوری یہ ہے کہ ان میں یونان کی حفاظت کے لئے پھیلاؤ کی گنجائش نہیں یہ کام انہوں نے متحدہ جمعیتوں کے ذریعے سے انجام دینا چاہا اور جمعیتیں بن بن کر ٹوٹتی رہیں۔ اگر بیرونی حملے کی طرف سے حفاظت کا انتظام کر دیا جائے تو شہری ریاستیں، بہ اطمینان باقی رہ سکتی ہیں مثال کے طور پر ایتھنز کو لے لو۔ ایتھنز اگر ایتھنز نہ رہے اور متحدہ یونان کا ایک شہر بن جائے تو یہ امر حد درجہ تکلیف واذیت کا باعث ہوگا۔

پارمینیو: تکلیف واذیت؟ تکلیف واذیت کس کے لئے؟ آپ کے لئے جو فیلقوس کا محض سایہ ہیں؟

سکندر: ڈیماستھینز کے لئے

پارمینیو نے سکندر کی ذہنیت کو اس خطرناک سطح پر پہنچ جانے کے بعد مزید تحقیق اور چھان بین کا سلسلہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن کہا:

''ڈیماستھینز نے فیلقوس کے خلاف خطبوں کا سلسلہ اس لئے ترک کیا کہ سکندر اسے نفرت انگیزی کے لئے اچھا موضوع مل گیا ہے اگر آپ انفرادیت پسند بننا چاہتے ہیں تو ڈیماستھینز کو آپ کا ساتھی بن جانے میں تامل نہ ہوگا۔''

سکندر نے اس بات کا جواب نہ دیا تو پارمینیو نے تعریض کا طریقہ اختیار کرنے کی

کوشش کی اور کہا:

''چند روز ہوئے آپ نے مجھ سے مشورہ کرنے کے بعد ایک حکم جاری کیا تھا کہ قبرص کے جنگی بیڑے کا کماندار ایک سو جہازوں کے ساتھ یونان کے جنوبی سواحل کی طرف بڑھے اور سپارٹا کے ساحلی علاقے کا چکر لگائے۔ ظاہر یہ کرے کہ بحری قزاقوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہے لیکن دراصل اسے معلوم کرنا چاہئے کہ آیا اہل سپارٹا اپنا بیڑا جمع کر رہے ہیں؟ وہ اب تک شہنشاہ ایران سے وابستہ ہیں میں نے سنا ہے آپ نے یہ حکم جمعیت متحدہ یونان کے سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں جاری کیا تھا۔ حالانکہ آپ سپہ سالار نہیں اور ابھی میرے سامنے اعتراف کر چکے ہیں کہ جمعیت متحدہ یونان نہ حقیقت میں موجود ہے اور نہ وجود پذیر ہو سکتی ہے اس حکم پر عمل کیوں نہ ہوا؟''

سکندر: اس لئے کہ اہل سپارٹا حماقت کی حد تک مغرور ہیں اگر انہیں خیال ہو گیا کہ بیڑا ان کے خلاف بھیجا گیا ہے تو ہتھیار باندھ کر ساحل پر آ کھڑے ہوں گے اور لامتناہی مدت تک وہیں ٹھہرے رہیں گے کیا آپ کے نزدیک اس کام کو انجام دینے کا کوئی بہتر طریقہ نہیں؟

پارمینیو نے یہی مناسب سمجھا کر چھان بین ترک کر دے اسے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سکندر کے سامنے عمل کا کوئی نقشہ نہیں اور سب کچھ ایک موقع سے دوسرے موقع کی طرف، ایک مہلت سے دوسری مہلت کی طرف بہے چلے جانے کے انداز میں ہو رہا ہے۔ جو کچھ کاص وقت پر مناسب معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کر لیا جاتا ہے نیارکس جیسے آدمیوں کے لئے یہ صورت حال بڑی موزوں تھی۔ اس لئے کہ وہ غور و فکر کا عادی نہ تھا لیکن بطلیموس ذی رائے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سکندر اپنے آپ کو اس لئے تکلیفوں اور مشقتوں میں ڈال رہا ہے کہ شاید فیلقوس کے حادثہ قتل کی تلافی ہو جائے۔ ہرقل کی پیروی میں ان کا کماندار اعظم (سکندر) بھی محنت و مشقت اٹھا رہا ہے۔ یقیناً اس کی روش سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھتا ہے مصیبت یہ ہے کہ اب وہ اپنے

آپ کو کسی وجود کا کارندہ سمجھ رہا ہے لیکن کس کا؟ اس امر کا علم دیوتاؤں کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا سپاہیوں کے دل میں ایسا کوئی وسوسہ نہ تھا۔ وہ جب سکندر کو دیکھتے تو بے اختیار پکار اٹھتے ''انیالیوس، جنگلی دیوتا''

بطلیموس بادل ناخواستہ ممفس سے رخصت ہوا۔ جب وہ سوار ہو کر نئے پل کو عبور کرنے لگا تو اس نے اپنے پیچھے اونچے اونچے مندروں کے میناروں اور اہرام کی چوٹیاں دیکھیں ممفس کو سکون کی حالت میں دیکھ کر اس پر یہ اثر ہوتا تھا کہ نہایت حسین وجمیل عورت محو خواب ہے ممفس میں اس نے تھائس کو بھی دیکھا اس کا چہرہ معصوم دوشیزہ کا سا تھا روحانیت مندر کی پجارن کی سی تھی اور ہنر مندی طوائف جیسی۔

موسم بہار کے آغاز میں حکم جاری ہو چکا تھا کہ یونانی فوج صور میں جمع ہو جائے۔ صور ہی میں سکندر، پارمینیو اور بہت سے دوسرے سالاروں کے درمیان پہلی مرتبہ تلخ کشمکش کی نوبت آئی۔ موسم سرما میں شہنشاہ ایران نے صلح کی شرطیں پیش کر دی تھیں وہ بالکل واضح تھیں اور بہ ظاہر خلوص پر مبنی معلوم ہوتی تھیں شرطیں یہ تھیں:

1 میں اپنے اہل وعیال کے بدلے میں دس ہزار ٹیلنٹ کی رقم پیش کروں گا۔

2 اپنی ایک بیٹی کو سکندر سے بیاہ کر باہم دوستی اور حلیفی کے رشتوں کو مستحکم کر دوں گا۔

3 دریائے فرات سے یونانی سمندروں تک تمام علاقوں سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

اس پر سکندر اور پارمینیو کے درمیان جو جھگڑا ہوا، اس کی کیفیت مرافوں نے مکالمے کی شکل میں یوں پیش کی ہے۔

پارمینیو: سکندر کی جگہ میں ہوتا تو ان شرطوں پر صلح قبول کر لیتا۔

سکندر: میں بھی قبول کر لیتا بشرطیکہ میں پارمینیو ہوتا۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ 331 ق م کے موسم بہار میں جو یونانی مدبرین صور کے اندر موجود تھے ان کے درمیان رائے کا واضح اختلاف موجود تھا۔ قدامت پسندوں کا کہنا یہ تھا کہ فیلقوس۔۔۔۔۔ نیز اسوکریٹیز۔۔۔۔۔۔ نے جو خواب دیکھا تھا وہ پورا ہو چکا ہے بلکہ

اس سے کچھ زیادہ کام انجام پا چکا ہے۔ بلقانی خطوں کو شامل کرتے ہوئے اہل مقدونیہ اپنی سلطنت کے ابتدائی حدود سے قریباً نو گنا زیادہ علاقے لے چکے تھے اب وطن میں اتنے آدمی ہی نہ رہے تھے جنہیں میدان جنگ میں بلایا جا سکتا۔ ساحلی علاقہ ہر خطرے سے محفوظ تھا۔ اس لئے کہ اس کی پشت پر صحرا واقع تھا۔ البتہ صرف شمال کا زرخیز خطہ اس حفاظت سے مستثنیٰ تھا جو دریائے فرات کے منبع سے قریب تھا انہیں بہت کچھ ملا تھا اب مزید کے لئے خطرہ مول لینا کس بنا پر مناسب تھا؟

جو لوگ خطرات قبول کر رہے تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ جب تک ایرانی فوج اندرون ملک میں محفوظ ہے اس وقت تک کسی بھی علاقے کو محفوظ نہ سمجھنا چاہئے۔ اس فوج کو شکست دے کر ختم کئے بغیر ساحلی علاقے کا تصرف محض ایرانیوں کی مرضی پر موقوف رہے گا۔ سکندر نے اس بارے میں جو کچھ کہا، وہ معلوم نہیں، جو کچھ کیا، وہ یہ ہے کہ فوج کو مشرق کی جانب کوچ کا حکم دے دیا۔ اس فیصلے سے مقدونوی معاملات میں تغیر پیدا ہوا۔ سکندر نے امرا اور کاروان جرنیلوں سے اپنی رائے بالجبر سنوائی اور فوج نے اس کے حکم کے مطابق کوچ شروع کر دیا۔

صور کی مجلس شوریٰ کے بعد پارمینیو کی روش میں بھی نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ اب اس کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ جو حکم ملتا اس کی تعمیل کر دیتا مزید ایک سال گزرنے سے پیشتر ہی اسے ایک مرکز کی کمان سونپ دی گئی۔ اور سکندر کا انحصار صرف جواں سال مشیروں کی رائے پر رہ گیا۔ مثلاً ہفاسشن، بطلیموس، پرڈکاس، نیارکس۔

صور میں سکندر کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ مشرقی سمت میں اسے کس حد تک جانا پڑے گا اور فرات و بابل کے آگے کیا کچھ ہے۔ اس کے پاس ایسے نقشے بھی نہ تھے جن سے براعظم کے اس حصے کی وضع و ہیت کا کوئی اندازہ کیا جا سکتا، جن علاقوں کو وہ پیچھے چھوڑ رہا تھا یونانی تاجروں اور آبادکاروں کو صرف انہیں کا علم تھا۔ دستاویزوں میں سے اس کے پاس یا تو ہیروڈوٹس کی کتاب تھی یا زینوفن کی کتاب یا ہیکاٹائس کا نقشہ کرہ ارض۔

جبل الشیخ کا چکر لگا کر وہ اندرون ملک گیا تو دمشق سے گزر کر شمال کی طرف مڑ گیا تا کہ اس حاشیئے کے ساتھ ساتھ چلے جہاں جانوروں کو چارہ مل سکتا تھا، نیز فوج وسطی شامی میدان کی گرمی سے محفوظ رہے۔ پل پہلے سے تیار کر لئے گئے تھے ان کے ذریعے سے دریائے فرات کو عبور کیا جہاں اس کا پانی بہت معمولی رفتار سے چل رہا تھا اور یہ جگہ منبع کے قریب تھی اب وہ اس شاہراہ پر پہنچ گیا جو سیدھی بابل جاتی تھی فوج کے مختلف جیش الگ الگ جا رہے تھے عبور دریا کے لئے انہیں پل پر جمع ہونا پڑا۔ وہاں سکندر کو اندازہ ہوا کہ فوج کی تعداد نئے رنگروٹوں کی آمد کے باعث کتنی بڑھ چکی ہے۔ باربرداری کی گاڑیاں بھی بہت زیادہ ہو چکی تھیں۔ اس لئے کہ انجینئروں نے بہت سی منجنیقیں بنالی تھیں اور کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ ترجمانوں کے علاوہ صیدا سے جہاز ساز اور صنعت گر اور ممفس سے ریاضی دان بھی لے لئے گئے۔ کل تعداد شاید پینتیس ہزار سے کم نہ تھی اور طلایہ گرد دستے فرات و دجلہ کے درمیانی علاقے میں مناسب راستوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بارھواں باب :: ملکہ وحوش

شمالی حصے کے اس میدان میں بھی موسم گرما کی حدت نے گھاس کو جلا ڈالا تھا۔ دیہات میں فصلیں کٹ رہی تھیں دنوں تک فوج اس زمین پر سے گزرتی رہی جس کی سطح سمندر کے برابر تھی شدید گرمی اور خشک ہوا میں وہ آگے بڑھتی رہی۔ ہوا چلتی تو افق پر گرد غبار سا رقص کرتا ہوا دکھائی دیتا۔ پھر پانی کی سفید لہریں نمودار ہوتیں لیکن فوج قریب پہنچتی تو لہریں غائب ہو جاتیں حقیقت میں یہ سراب کے جلوے تھے لیکن فوج بڑھتی گئی۔

یونانی مورخ کہتے ہیں کہ اس مقام پر فوج نے نئے دیوتا کے لئے قربانی کی یہ خوف و دہشت کا دیوتا تھا فوجیوں نے دو سال پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ اس شاہراہ پر چلنا شروع کیا تھا جس پر جا بجا قدیم شہر آباد تھے ان کے دل پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا۔ لیکن یہاں وہ مردہ گھاس کا مندر عبور کر رہے تھے اور اس مقام کی طرف جا رہے تھے جس کے طبعی کارفرماؤں کے بارے میں انہیں کچھ علم نہ تھا نئے یونانی رنگروٹوں میں سے بعض نے شکوہ شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے اس طرف آنے میں ہمارے کماندار کا مدعا کیا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ اس شخص نے اپنا وطن چھوڑا اور اپنے باپ سے پدری رشتے کا انکار کر دیا، لیکن جو مقدونوی سپاہی مدت سے جنگی کام انجام دے رہے ہیں انہوں نے نئے رنگروٹوں کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ ہمیں سکندر کا نصب العین معلوم ہے۔ وہ خزانہ حاصل کرنا اور جنگ ختم کر دینا چاہتا ہے۔

بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس زمین میں وہ اب جا رہے تھے وہ بالکل نئے قسم کی تھی ایسا میدان پہلے کسی یونانی نے نہ دیکھا تھا۔ طلایہ گرد دستے آگے بڑھ کر حالات معلوم کر رہے تھے۔ لیکن کوئی بھی ٹھیک ٹھیک نہ بتا سکتا تھا کہ فوج کو کن حالات سے سابقہ پڑنے والا ہے دریائے فرات کے ساتھ ساتھ چند ایرانی سوار نظر آئے انہیں قید کر لیا گیا قیدیوں نے بتایا کہ ایشیائی فوج اس سے اگلے دریا کے پار کسی مقام پر جمع ہو رہی ہے قیدیوں نے جو کہانیاں سنائیں ان سے سال خوردہ سپاہیوں نے اندازہ کر لیا کہ

اب جو فوج مقابلے کے لئے جمع ہو رہی ہے وہ اسوس والی فوج سے بدرجہا بڑی ہو گی۔ اس امر نے ان میں تشویش پیدا کر دی وہ حیران تھے کہ سکندر اس سطح میدان میں سواروں کے بہت بڑے ہجوم سے کیوں کر مقابلہ کر سکے گا؟ ابھی تک ان کے دل میں خوف پیدا نہ ہوا تھا، لیکن تعجب ضرور پیدا ہو چکا تھا۔

دریائے فرات کو عبور کرنے کے بعد دریا کی طرف پیش قدمی کا رخ ٹھیک مشرقی جانب ہونا چاہئے تھا۔ لیکن سکندر فوج کو شمال مشرق جانب لے گیا، جہاں زمین کا رنگ پھر سرخ ہو گیا۔ اس سے پیشتر جو دیہات ملے تھے، ان کے مکانوں کی چھتیں مسطح تھیں۔ لیکن اب پھر ایسے مکان نظر آنے لگے جو اگرچہ مٹی کے بنے ہوئے تھے لیکن ان کی چھتیں شہد کے چھتوں کی طرح مخروطی تھیں، اسی طرح فوج دوبارہ پہاڑ پر پہنچ گئی اور اتنی بلندی پر چلی گئی جہاں پہاڑیوں کے دامن میں دیودار کے درخت کھڑے تھے جگہ جگہ چٹانوں میں سے ندی نالے بہہ رہے تھے یہاں ہوا ٹھنڈی ہو گئی پانی بلندیوں سے نشیب کی طرف تیزی کے ساتھ گرتا تھا اور سپاہیوں کو یقین تھا کہ ان پہاڑوں میں کسی دشمن سے سابقہ نہ پڑے گا لہٰذا وہ اطمینان سے کوچ کر رہے تھے بعض سال خوردہ سپاہیوں نے اندازہ کر لیا کہ وہ دوبارہ گارڈیم کی سطح مرتفع پر پہنچ گئے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے وہاں کے پہاڑوں کا تذکرہ بھی چھیڑ دیا۔ ان پہاڑوں پر پہنچ جانا ان کے لئے بڑی تسلی کا باعث ہوا جب انہوں نے ایک تیز رو دریا کو عبور کیا جس کا پانی گدلا تھا تو وہ اور بھی مطمئن ہو گئے سرویروں نے انہیں بتا دیا کہ یہ دریائے دجلہ کا وہ مقام ہے جس کے قریب اس کا منبع واقع ہے۔ بہرحال فوج نے دریائے دجلہ کو عبور کیا یہ دوآبہ عراق کا دوسرا دریا تھا لیکن ایشیائی فوج انہیں کہیں نظر نہ آئی۔ عین عبور دریا کے وقت چاند گرہن کے باعث بالکل سیاہ ہو گیا۔ یہ اس امر کا نشان تھا کہ بہت نازک صورتحال سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ انجینئروں میں فونیقی بھی تھے ان کے نزدیک چاند کے سیاہ ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ عالم اسفل کی ملکہ نمودار ہونے والی ہے اسٹرائی اس کا نام ہے اور دو دریاؤں کی درمیانی

زمین پر اسے بڑا اقتدار حاصل ہے۔ تین دنیاؤں کے وحوش اس کے خدمت گزار ہیں اول آسمان کی دنیا دوم زمین کی دنیا سوم عالم اسفل ۔۔۔۔۔۔ ممکن ہے وہ کسی دیو پیکر جانور یا شیر بہت بڑے اژدھے پر شوار ہو کر آجائے ۔۔۔۔۔ بہر حال اس کی نمود مصیبت کا سامان ہو گی یہ فونیقی جو اپنی بندرگاہوں سے دور آگئے تھے اس ملکہ کے نمودار ہونے سے بہت ڈر رہے تھے۔

دریائے دجلہ کو بہ حفاظت عبور کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر تک فوج کے تمام دستے دریا کے ساتھ ساتھ اکٹھے جنوب کی طرف چلتے رہے پھر دریا کا کنارا چھوڑ کر کھلی وادی میں چلنے لگے۔ جہاں بادلوں اور کہر نے اردگرد کی بلندیوں کو چھپا رکھا تھا۔ وہ بادلوں کی بھی سطح سے نیچے اتر آئے۔ تو سیاہی مائل بھینسے ملے جنہیں صرف بے ضرر اور قوی ہونے کے لحاظ سے بیلوں کے ساتھ مشابہت تھی ممکن ہے سرسی 1 نے یا اس ملکہ وحوش نے بیلوں کی شکل بدل کر بھینسے بنا دیئے نیچے سیاہی مائل میدان نظر آیا جو طلایہ گرد سوار اس کا چکر لگا کر آئے انہوں نے نئے عجائبات کی کہانیاں سنائیں طلایہ گرد سواروں کو پتھر کے بہت بڑے بڑے وحوش ملے جن کے پر اور سم تھے البتہ سر بادشاہوں کے سے تھے یہ پہرے دار دیو پیکر ایک خالی شہر کے دروازے کے دونوں جانب کھڑے تھے وہاں مسلح جوان اور خواجہ سرا بھی کھڑے نظر آئے، لیکن ان میں جان نہ تھی۔ ان کے کچھ حصے دیواروں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور سب کے چہروں سے نمایاں ہو رہا تھا کہ کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

طلایہ گرد سواروں نے ایک پختہ نہر دیکھی جو بالکل خشک تھی۔ یہ ایک سنگ بست راستے پر بنی ہوئی تھی اور پہاڑوں میں غائب ہو جاتی تھی۔ اگلے روز فوج ایک ٹیلے کے پاس سے گزری جس پر دیو پیکر بادشاہوں یا دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں تجربہ کار فونیقوں نے ایسی کندہ تصویروں پر چنداں توجہ نہ کی۔ محض یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ یہ اشوری بادشاہ اور دیوتا ہیں۔ مدت ہوئی مر چکے ہیں اب نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں۔

جب طلایہ گردسواروں کو نیچے میدان میں پہلا اجنبی رسالہ نظر آیا تو فوراً سوار بھیجے گئے کہ اس کے متعلق خبر لائیں جو قیدی پکڑے گئے ان سے معلوم ہوا کہ شہنشاہ ایران کی فوج اس مقام پر جمع ہے جہاں پہاڑ کے دامن سے ملا ہوا کھلا میدان شروع ہوتا ہے۔اس میں شہنشاہ کی محافظ فوج بھی ہے اور نیزہ بردار بھی جنہیں غیر فانی کا لقب دے دیا گیا ہے۔ مسلح رسالے بھی ہیں، تیر انداز سوار بھی۔ جو اندرون **ملک** سے آئے ہیں، یعنی ستھی اور باختری۔۔۔فوج میں سوار زیادہ ہیں اور پیادے کم 2

اب سکندر کو سواروں کی ایک بہت بڑی قوت سے کھلے میدان میں مقابلہ درپیش تھا وہ تین روز تک پہاڑوں کے آخری حصے میں ٹھہرا رہا۔مقصد یہ تھا کہ فوج کو ستانے کا موقع مل جائے۔ ممکن ہے یہ امید بھی ہو کہ شاید ایرانی فوج بلندی پر چڑھ کر حملہ کرے۔پھر اس نے رات کی تاریکی میں کوچ حکم دے دیا اور تیزی سے چلاتے ہوئے طلوع آفتاب کے وقت پوری فوج کو اس ٹیلے پر لے آیا جہاں سے دشمن کے لشکر کا ایک ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔مقدونیوں کو امید تھی کہ معاً فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔تاکہ صف بندی کر کے جلد حملہ کر دیا جائے لیکن سکندر نے سب کو ٹھہرنے کا حکم دے دیا۔صف بندی ہو چکی اور سب آرام کرنے لگے۔انجینئروں نے فوج کے پیچھے کیمپ کا بندوبست کیا جسے چاروں طرف سے مورچوں کے ذریعے مستحکم کر لیا گیا تھا۔افسر دن بھر موقع اور محل نیز فوج غنیم کی ترتیب کا معائنہ کرتے رہے۔واقعہ یہ ہے کہ اب تک کسی مقدونوی نے سواروں کا اتنا بڑا ہجوم نہ دیکھا تھا جو اب ان کے مقابلے پر گاگامیلہ۳ کے گاؤں کے پاس جمع تھا۔

کوچ کے دوران میں اہل مقدونیہ پر جو خوف طاری ہوا تھا وہ اس دن بہت بڑھ گیا تھا اور شام کے وقت اس میں اور اضافہ ہو گیا۔اس لیے رات کی تاریکی میں انہیں اپنے سامنے شعلوں اور الاؤ کی بہت لمبی قطار نظر آ رہی تھی۔جس سے غیر مشتبہ طور پر واضح ہو جاتا تھا کہ تعداد بہت زیادہ ہے۔جب روبہ زوال چاند طلوع ہوا تو زمین پر سائے پھیلے

ہوئے نظر آئے ہوا کی لہریں جھاڑیوں کو جنبش میں لے آئیں تو پہرے داروں کو محسوس ہونے لگا کہ زمین پر دشمن قوتیں متحریک ہو رہی ہیں۔ رات ان کے لیے دہشت کا سامان بن گئی۔ افسر بھی سہمے ہوئے تھے اور انہوں نے دفاعی تدبیریں اختیار کر لیں۔ کیمپ کے اردگرد مزید استحکامات کر لیے گئے لیکن ظاہر ہے کہ اگر مقدونوی فوج کی ترتیب میں خلل پڑتا تو کیمپ کے استحکامات قطعاً اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتے۔ یہ خطرہ موجود تھا کہ غنیم کی فوج کہیں چکر کاٹ کر مقدونوی فوج کو نرغے میں نہ لے لے۔ اس سے بچاؤ کے لیے افسروں نے انتظامات کر لیے۔ چنانچہ پیادہ فوج کے عقبی حصے کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ایسی ترتیب میں کھڑی ہو جس میں رخ پھیر کر کامیاب مقابلہ کیا جا سکے۔

پارمینیو اور دوسرے بڑے افسروں کے قلوب بھی خوفزدہ تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ فوج کو حرکت کا حکم دیا جائے اور رات کی تاریکی میں دشمن پر حملہ کر دیا جائے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ سواروں کے مقابلے میں پیادہ فوج رات کی تاریکی میں بے تکلف حملہ کر دے گی۔ ممکن ہے کہ اس چال سے مقدونوی فوج کے لیے کامیابی کے مواقع بڑھ جائیں اور اس بے درد ہجوم سے نجات مل جائے جو ہمیں تباہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے لیکن سکندر نے شبخون مارنے کا حکم دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ رات کی نقل و حرکت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن کے کیمپ میں مشعلیں جل رہی ہیں۔ اس کی روشنی ہمارے آدمیوں کی آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ جب اس پر واضح کر دیا گیا کہ ایرانی فوج جنگی ترتیب میں کھڑی ہے اور جا بجا مشعلیں جل رہی ہیں تو اس نے افسروں کو حکم دے دیا کہ آرام و استراحت کا جتنا موقع ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اگلے دن جو جنگ ہوگی وہ آخری جنگ ہوگی اسی دن فیصلہ ہو جائے گا کہ ایشیا پر مقدونوی حکمران ہوں گے یا ایرانی رہیں گے افسروں کو یہ بھی تاکید کر دی گئی کہ ہر حکم کی تعمیل فوراً کر دینے کا خاص خیال رکھا جائے ذرا سی تاخیر بھی شدید خطرات کا باعث ہوگی۔

سکندر کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے گردوپیش خوف موجود ہے جو رات کو تاریکی میں

انسانی قلوب کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے اور اس کا دباؤ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے تشویش ظاہر ہوافسر آئندہ لڑائی کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ سکندر اطمینان کے ساتھ اپنے چھوٹے سے خیمے میں پہنچا اور بے فکر ہو گیا۔ جن لوگوں کو رات بھر نیند نہ آئی تھی وہ صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی اس کے خیمے کے پاس جمع ہو گئے لیکن سکندر مزے سے سو رہا تھا۔ پارمینیو بھی آپہنچا تو سکندر بدستور سویا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے معمول سے زیادہ نیند لے لی تھی۔ جب سورج کی کرنیں مشرقی جانب سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر نمودار ہوئیں تو پارمینیو نے حکم دے دیا کہ سپاہی کھانا کھا لیں۔ پہاڑیوں کے نیچے اسنے گردوغبار کا پردہ دیکھا اور خود اندر جا کر سکندر کو جگایا اس سلسلے میں دو مرتبہ اس کا نام لیا۔ اس نے گردوپیش پر نظر ڈالی۔ ہلکی نمدے کی صدری پہنی جو اسوس میں اس کے ہاتھ آئی تھی جلا کیے ہوئے لوہے کی پتلی چادر کا ہلکا خود سر پر رکھا۔

سیاہ جنگی گھوڑا بیوسی فالس خیمے کے دروازے پر موجود تھا۔ لیکن آدمیوں نے دیکھا کہ سکندر اس کے بجائے دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اگرچہ وہ لڑائیوں میں عموماً بیوسی فالس ہی پر سوار ہوتا تھا۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لڑائی کو ٹالنا چاہتا ہے۔ اگرچہ گزشتہ موسم بہار اور موسم سرما کے دوران میں اس کے لیے تمام ممکن تیاریاں ہوتی رہی تھیں مقدونوی یقیناً ڈرے ہوئے تھے اور فوج جب اپنی اور دشمن کے درمیان زمین میں بڑھتی ہے تو یقیناً ہر آدمی پر یہ خوف طاری ہوتا ہے کہ شاید وہ مارا جائے یا ہڈی پسلی ٹوٹ جائے یا اس کی بینائی ضائع ہو جائے۔ فوجی اس لیے آگے بڑھتے ہیں کہ بڑھنے کا حکم دے دیا جاتا ہے اور ہر لڑائی میں آگے بڑھنا ان کا کام ہے۔ جب مدمقابل آگے بڑھ رہا ہو تو پیچھے ہٹنے کا کسی کو خیال نہیں آسکتا۔ جیسے جیسے درمیانی فاصلہ گھٹتا جاتا ہے۔ خوف زائل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دل قوت پا کر فوجیوں کو حرب وقتال پر آمادہ کرتا ہے اور وہ خطرے سے بالکل بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

کچھ دیر گزر گئی تو سکندر بیوسی فالس پر سوار ہو کر بھاری ہتھیاروں والی رجمنٹ کے

ساتھ آگے بڑھا۔ اس کا دستور یہی تھا اور رسالہ بھی اسی مقصد کے لیے ترتیب پا چکا تھا۔ ان کے سامنے جو بے پناہ ہجوم کھڑا تھا اس میں کوئی خلا پیدا نہ ہوا تھا۔ دو مرتبہ سکندر کے پاس پیغام پہنچا کہ کمک بھیجی جائے۔ دشمن مقدونوی صفوں کو توڑتا ہوا عقبی کیمپ کے پاس جا پہنچا تھا۔ سکندر کی فوج کا بایاں بازو ٹوٹ چکا تھا اور پارمینو نے ذاتی طور پر کمک کی التجائیں کی تھیں۔ رسالہ خاص منتظر کھڑا تھا۔ چند قدم آگے بڑھا۔ پھر ٹھہر گیا۔ فوج ک جو یونٹ ان کے دائیں بائیں جانت تھے وہ نرغے میں آ گئے۔ بری طرح جھنجھوڑ دیے گئے اور انہیں اٹھا کر پیچھے پھینک دیا گیا۔ رسالہ خاص اس کے سوا کچھ نہ کر سکتا تھا کہ اس وقت کا انتظار کرے جب لمبے نیزے والے مقدونوی سپاہی جنگی ترتیب میں قدم بقدم آگے بڑھیں اور ان کا سب سے اگلا حصہ دشمن کے ہجوم میں پہنچ جائے۔ اگر پانی سوار اور ٹریس کے سوار خانے کے دوسرے حصے کو آگے لے گئے۔ یکایک انہوں نے دیکھا کہ سامنے انسانوں کا جو سمندر موجزن ہے اس میں حرکت پیدا ہوئی۔ سواروں کا ایک گروہ اپنی جگہ سے چلا اور اس نے چکر کھا کر دائیں جانب کا رخ کیا۔ یوں ایک خلا پیدا ہو گیا تو رسالہ خاص نے بجلی کی تیزی سے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ایرانی سواروں کی خالی کی ہوئی جگہ میں جا پہنچے اور آس پاس کی فوج کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے عقب سے حملہ آور ہوئے جہاں بادشاہ کی خاص گارڈ اور غیر فانی نیزہ بردار کھڑے تھے۔ اس تیز حملے نے گارڈ کو درہم برہم کر ڈالا۔

ساتھ ہی شہنشاہ دارا کے دل پر بے اندازہ خود طاری ہو گیا۔ وہ یقیناً بزدل تھا' اپنے جنگی رتھ میں بیٹھا ہوا یونانی حملہ آوروں کے راستے میں جما نہ رہ سکا۔ یوں وہ دوسری دفعہ میدان جنگ سے بھاگا اور یونانی سواروں سے بچتا ہوا نکل گیا۔ شروع میں اس کے فرار نے فوج کے بڑے حصے کی تربیت پر کچھ زیادہ اثر نہ ڈالا۔ البتہ جو آدمی اس کی گارڈ میں شامل تھے وہ تتر بتر ہو گئے۔ اس کا اثر فوج کے قلب تک جا پہنچا۔

وہ فوج اس لیے گاگا میلہ میں جمع ہوئی تھی کہ شہنشاہ کا حکم یہی تھا۔ اس کے بعض حصے

بابل سے آئے تھے بعد کردستان اور آرمینیا کے پہاڑوں سے اور بعض باختر' سغد اور ستھیا سے اس لیے کہ شہنشاہ نے تمام صوبوں کے حاملوں کے نام یہی پیغام بھیجا تھا۔ ارمنوں اور کردوں کے سوا یہ مختلف جنگی گروہ پہلی مرتبہ ایک میدان میں جمع ہوئے تھے۔ ان کے دل میں اجنبی مقدونویوں کے خلاف نہ نفرت کا کوئی خاص جذبہ موجزن تھا اور نہ وہ ان کی مزاحمت ضروری سمجھتے تھے۔ وہ صرف اپنے افسروں کے ساتھ ادھر آ گئے تھے۔ جب سلطنت ایران کی فوج کے ایک حصے میں دارا کے فرار کی خبر پہنچ گئی تو پوری فوج کو اکٹھا رکھنے کا کوئی مرکزی سلسلہ باقی نہ رہا۔ چنانچہ پوری فوج درہم برہم ہوگئی اور ہر افسر اپنے آدمیوں کو خطرے کے مقام سے باہر لے گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس فوج کی شکست ہوئی۔ کہنا چاہیے کہ فوج باقی ہی نہ رہی۔

سکندر نے جب غنیم کی فوج میں شکست کے آثار دیکھے تو وہ اپنے رسالے کے ساتھ پارمینیو کے پاس پہنچ گیا جس کی فوج خاصی تکلیفیں اٹھا چکی تھی۔ وہاں اس نے تھسلی کے سواروں کو کمک پہنچائی جو زبردست ضربیں لگ جانے کے باوجود اپنے جگہ جمے کھڑے تھے۔ اس وقت تک ایرانی لشکر نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ وہ لوسوار تھے۔ اس لیے جلد سے جلد رخصت ہو گئے۔

گاگامیلہ کی یہ لڑائی جسے مدت تک ارسیلہ کی لڑائی کہا جاتا رہا رومی مورخوں نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے لیکن یہ تفصیل اصل واقع کے بہت دیر بعد معرض ترتیب میں آئی رومی مورخ کہتے ہیں خہ اس لڑائی میں کم تعداد والی فوج نے جو زیادہ تر پیادوں پر مشتمل تھی۔ بہت بڑی تعداد والی فوج پر جس میں سوار زیادہ تھے کھلے میدان میں حملہ کر دیا اور فتح پائی۔ اس لحاظ سے گاگامیلہ کی لڑائی کی مثالی حیثیت کو حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مقدونوی فوج کی اعلیٰ تنظیم اور سکندر کی فقید المثال قیادت کا کرشمہ تھا لیکن وہ اس خوف کا قطعاً تذکرہ نہیں کرتے جو مقدونیوں کو ایرانی لشکر کی طرف کشاں کشاں لے گیا حالانکہ جنگ کے آغاز میں ان پر بہت کم ہراس طاری تھا۔ مقدونوی فوج گاگامیلہ سے

پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ اس کے لیے صرف ایک راستہ تھا کہ بکھر جاتی اور مد مقابل کے سواروں سے بہت دور ہو جاتی۔ اسی طرح وہ بچ سکتی تھی ۴ اس کے برعکس ایرانی سوار چنداں نقصان اٹھائے بغیر پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اہل مقدونیہ کے لیے دشمن کی صفوں کو بہت بری طرح اور کاملاً توڑے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ خوف نے ان کے اتحاد نظم ونسق اور ترتیب میں زیادہ قوت پیدا کر دی۔ سکندر کی شخصیت کے محرک جذبے نے اس قوت میں اضافہ کر دیا۔ ایک رومی نے بعد کے دور میں اپنے سپاہیوں کے متعلق کہا تھا کہ جب ان پر ہراس طاری ہو تو ان سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے۔ یہی قول مقدونوی فوج پر بھی صادق آتا تھا۔

اس روز مقدونیوں کے ہاتھ نہایت عجیب اور حد درجہ قیمتی مال غنیمت آیا تھا جس میں بکتر بند ہاتھی بھی تھے اور سینکڑوں رتھ بھی جن کے پہیوں کے ساتھ تیز تلواروں کے پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ برچھیاں بھی تھیں جن پر سونے کا ملمع پھرا ہوا تھا۔ بہت سے فوجی ہاتھ آئے ان میں پہاڑی لوگ بھی تھے جو عجیب وغریب زبان بولتے تھے یعنی آرمن...... اور اعلیٰ درجے کے سوار بھی تھے جنہوں نے ڈھیلے پاجامے اور طرے دار پگڑیاں باندھ رکھی تھیں یعنی کرد۔

جب پارمینیو کی فوج غنیم کے دباؤ سے محفوظ ہوگئی تو سکندر نے ان سواروں کو جمع کیا جنہیں جنگ میں زیادہ مشقت نہ اٹھانی پڑی تھی اور وہ غنیم کے تعاقب میں انتہائی تیزی سے جنوبی شاہراہ پر روانہ ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ بڑے بڑے شہر اسی حصے میں واقعہ ہیں اور یہ شبہ بھی تھا کہ دارا بھاگ کر اسی سمت گیا ہے۔ اس نے صرف اس لیے توقف کیا کہ زخمیوں کو گاڑیوں پر سوار کر دے۔ نیز قیمتی مال غنیمت یعنی اسلحہ اور سونا ساتھ لے لے۔ اس فتح کی یادگار میں کوئی جشن نہ منایا گیا۔ تاخیر کا موقع ہی نہ تھا۔ آفتاب غروب ہو گیا تو سکندر نے ایک ندی کے کنارے ٹھہر جان کا حکم دیا۔ پانچ گھنٹے تک اپنے سپاہیوں کو اارام کا موقع دے دیا۔ پھر تعاقب میں چل پڑا۔ چالیس گھنٹے میں ساٹھ میل ۵ کا فاصلہ طے کر

کے وہ اربیل کے پہاڑی قلعے میں پہنچ گیا۔ جو ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس بلندی سے اسے دور دور تک میدان نظر آ رہا تھا۔ جو ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ کہیں کہیں گرد وغبار کے طوفان اٹھ رہے تھے جو اس امر کی شہادت دے رہے تھے کہ دارا کی فوج کے مختلف حصے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ بظاہر وہ جنوب اور مشرق کی سمت میں پہاڑیوں کے اندر پناہ گزیں ہو رہے تھے۔

اربیل میں بھی اسے دارا کا سنہری رتھ اور سنہری ترکش ملا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ دارا باختری سواروں، تنخواہ دار یونانی فوجیوں اور اپنے خاص نیزہ برداروں کے ساتھ ایک پہاڑی راستے سے مشرقی سمت چلا گیا۔ سکندر ان پہاڑوں میں اس کا تعاقب جاری نہ رکھ سکتا تھا۔

اربیل پہنچ کر سکندر کو اس عجیب وغریب اور پریشان کن صورتحال کا اندازہ ہوا جو مشرقی عراق کے میدانی علاقے میں داخلے سے اسے پیش آ گئی تھی۔ گاگامیلہ کی لڑائی نے جنگی نقطہ نگاہ سے کسی بھی امر کا فیصلہ نہ کرنا تھا۔ غنیم کی فوج جنوب اور مشرق میں بدستور موجود تھی۔ گاگامیلہ میں وہ فوج منتشر ضرور ہو چکی تھی لیکن اسے تباہ نہ کیا گیا تھا۔

اس نے سابقہ حالات میں غور کیا تو واضح ہو گیا کہ دریائے گرینی کس کی کش مکش میں جو فوج اس کے مقابلے پر آئی تھی اس میں رسالے کے چند افسروں کے سوا کوئی بھی جیش اسوس کی جنگ میں موجود نہ تھا اور گاگامیلہ میں جس فوج سے سابقہ پڑا وہ تنخواہ دار یونانیوں یا چند بابلی حبشیوں کے سوا اسوس کی جگ میں موجود نہ تھی۔ اس سے جو نتیجہ نکلا وہ بالکل غیر مشتبہ تھا۔ وہ اپنے تیس ہزار فوجیوں کو لاکھوں آدمیوں کے مقابلے پر لیے جا رہا تھا۔ یہ آدمی میدانوں میں پہاڑیوں کی چوٹیوں اور صحرائی علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ بحیرہ روم کا ساحلی علاقہ ان کے مقابلے میں بہت تنگ تھا۔ اگر وہ اسی طرح بڑھتا گیا اور اس کے مقابلے میں نئی فوجیں آتی رہیں تو اسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہر جنگ میں اس کی فوج گھٹتی جائے گی اور نئے علاقوں سے تازہ دم ایشیاء رنگروٹ فراہم ہوتے

رہیں گے۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ ایشیا کہ سرزمینوں سے نئے لشکر بھی تیار کیے جاتے ہیں جو ہتھیاروں سے بخوبی لیس ہوں اور خطرناک رسالے بھی ترتیب دیے جاتے ہیں اور ہر دن کا سفر مقدونیوں کو بحیرہ روم کے مرکز سے دور لے جا رہا تھا۔

ہفا اسشن نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک عجیب الخلقت وجود سے لڑ رہے ہیں۔ اس کا ایک سر کاٹ دیا جائے تو دوسرا حملہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے جس درندے کے متعدد سر ہوں اس سے نجات پانے کی صورت صرف یہ ہے کہ آخری سر کاٹ دیا جائے۔ بطلیموس نے کہا کہ ہم عجیب الخلقت وجود سے نہیں لڑ رہے بلکہ ایک ایسے دیو سے لڑ رہے ہیں جس کا ایک ہی سر ہے ارہ وہ شہنشاہ ایران ہے۔ البتہ اس کے جسم بہت ہیں۔ زمانہ قدیم میں بہادروں میں سے کسی کو ایسے دیو سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ یہ صورت حال بالکل غیر طبعی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی شے ہمیشہ کے لیے غیر طبعی نہیں رہ سکتی۔ جب گردوپیش کی حالت کا پورا اندازہ ہو جائے تو شر کے خفیہ امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ سکندر نے اپنے نوجوان ساتھیوں کو پاس بٹھا کر صورت حال کا جائزہ لیا تا کہ فیصلہ کیا جا سکے۔ فائدے کے پہلو کیا کیا ہیں۔

فائدے کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ جوں جوں آگے بڑھے گا دشمن کی قوت کے متعلق اسے زیادہ سے زیادہ صحیح حالات معلوم ہوتے رہیں گے۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ دشمن نے اپنے پیچھے محفوظ قوت کس قدر جمع کر رکھی ہے۔ یہ بھی یقین تھا کہ سکندر کی فتح مندیوں کے حالات جگہ جگہ گہرا اثر پیدا کریں گے۔ جو ایشیائی فوج مقدونیوں کے خوفناک حملے کا تجربہ کر چکی تھی امید نہ تھی کہ وہ دوبارہ کوئی ایسا خطرہ مول لے گی۔ کم از کم یہ حقیقت سب پر آشکار ہو چکی کہ مقابلہ تنخواہ دار یونانیوں سے نہ تھا۔ جنہوں نے پیسے لے کر ایک فریق یا دوسرے فریق کی حمایت کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ گاگامیلہ میں ایرانیوں پر جو معجز نما کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس نے اطراف ملک پر فالج کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ یونانیوں کے نقطہ نگاہ سے یہ اثر کم از کم مہینے دو مہینے تو باقی رہے گا۔ اس کے بعد نئے معجزے کا

انتظام کرلیا جائے گا۔ یا زینوفن کے دس ہزار فوجیوں کی پیروی کرتے ہوئے ساحل کی طرف مراجعت اختیار کرلی جائے گی۔

مقدونویوں کو دارا پر ایک لحاظ سے غیر معمولی فوقیت حاصل تھی اور وہ یہ کہ بے پناہ ایشیائی فوجوں کا سپہ سالار اعظم محض بزدل ہی نہ تھا بلکہ جو جرنیل اس کے ماتحت تھے ان میں سے کسی کے بھی دل میں اس کا چنداں احترام نہ تھا۔ اور اس کی بزدلی یونانیوں کے مقابلے میں ہچکچاتی تھی اور یوں کسی متحدہ اقدام کا سروسامان نہ ہوسکتا تھا۔

یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ایشیائی جتھے اس لیے دارا کی فرمانبرداری نہیں کرتے کہ اسے محترم سمجھتے ہیں۔ محض اس لیے اس کا حکم مان رہے ہیں کہ شہنشاہ اعظم مالک ممالک روئے ارض، دارائے اول اور زرکسیز کے جانشین کے لیے ان کے دل میں احترام ہے۔ جس نے اشوری باشندوں کا طرز حکومت اختیار کیا وہی اشوری بادشاہ جن کی تصویریں چٹانوں یا محل کی سنگی دیواروں پر کندہ تھیں۔ وہ اس انسانی وجود کے وفادار تھے جو شہنشاہ تھا اور جسے الوہی قوت کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ یوں مقدونویوں کا مقابلہ اس دارا سے نہ تھا جو انسان تھا...... یہ مقابلہ ان کے لیے بے حد فائدہ مند تھا...... اصل مقابلہ اس تصور سے تھا جو تخت پر بیٹھنے والے حاکم کے لیے ایشیائی لوگوں کے قلوب میں جاگزیں تھا۔

یہ حقیقت واضح ہوگئی تو سکندر نے فوراً اس پر عمل شروع کردیا۔ اس بہت تھوڑے وقت میں بڑی وسیع سرزمین کا چکر لگانا تھا۔ لہٰذا وہ انتہائی تیزی سے روانہ ہوا۔ اس کے ایک طرف دریائے دجلہ تھا اور دوسری طرف پہاڑی دیوار...... اب وہ اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ خود مال غنیمت کے ایک رتھ میں سوار ہوگیا۔ شیروں والا خود سر پر تھا سفید ریشمی لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اسیران جنگ کے وسیع گروہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے جلوس کا یہ منظر ہر شخص کے دل پر خاص اثر پیدا کرتا تھا۔

اس نے اپنے دو افسروں کو حکم دیا کہ تیزی سے قریب ترین دارالحکومتوں میں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ ایک بابل چلا گیا اور دوسرا اشوش ۶ ان افسروں نے جا کر اطلاع دے دی کہ سکندر آرہا

ہے وہ دشمن نہیں بلکہ دوآبے کا نیا حاکم ہے۔ قدرت نے اسے مغرور دارا کا مطلوب نہیں بلکہ تمہیں نئے شہنشاہ کا استقبال کرنا چاہیے جو مندروں میں عبادت کی آزادی دے دے گا۔ کسی صوبائی حکومت میں ردوبدل نہ کرے گا اور نہ کسی شخصی جائیداد پر ہاتھ ڈالے گا۔

بہر حال سکندر بابل کے قریب پہنچا تو اس نے حفاظت کی تمام تدبیریں کر رکھی تھیں۔ وہ گھنے زرخیز باغوں میں سے گزرا جنہیں پانی کی ایک وسیع نہر سیراب کر رہی تھی۔ راستے میں کھجوروں کے جھنڈ نیز نیبو اور سنگتروں کے بے شمار درخت دیکھے جو سڑک کے اردگرد کھڑے تھے۔ پروہتوں اور سرکاری افسروں کے ایک جلوس نے اس کا استقبال کیا وہ اپنے ساتھ جواہرات' سونا اور کامدار پارچے لائے۔ سکندر نے ان کا خیر مقدم کیا اور بڑی نہر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس نے کنارے پر بہت اونچی دیواریں دیکھیں جو منزل بہ منزل اوپر اٹھی ہوئی تھیں اور مستحکم چھتوں پر درجہ بہ درجہ باغ لگے ہوئے تھے۔

بہر حال وہ جلوس کی شکل میں محرابوں کے طویل حلقے میں سے گزرتا ہوا باب اشتر پر پہنچ گیا۔ جس کے برج اتنے عظیم الشان تھے کہ ممفس کے مندر بھی ان کے سامنے بے حقیقت معلوم ہوتے تھے۔ وہ محل تک چلا گیا اسے ہر طرف اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ نیچے سبز درختوں کے جھنڈ تھے اور سورج کی روشنی مندروں کے برجوں پر پڑتی تو ان کے سنہرے سیاہ اور فیروزہ گوں رنگوں میں چمک پیدا کر دیتی وہ اس مقام پر جنگی رتھ سے اترا جہاں پہرے دار کھڑے ہوتے تھے یوں مقدونیہ کا سکندر اپنے دارالحکومت بابل میں پہنچ گیا۔

بابل نے مقدونیوں پر حد درجہ گہرا اثر ڈالا۔ یہ شہر اجنبی ہاتھوں نے بنایا تھا۔ حد درجہ عظیم الشان پائیداری اور استحکام میں بے مثال نظر آتا تھا یہاں یونانیت کی کوئی جھلک نہ پائی جاتی تھی۔ بت تراش لسی پس مختلف گیلریوں میں سے گزرا اسے کہیں کوئی بت نظر نہ آیا لیکن ہر جگہ خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی تھیں اور عجیب وغریب جانوروں کے جلاسوں کی تصویریں نظر آتی تھیں دروازہ کی پیشانی پر ملکہ وحوش کا نشان یعنی ہلال ہر مقام پر موجود تھا۔ لسی پس کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بابل کی عظیم الشان دیواریں اور اونچی عمارتیں

مٹی سے بنائی گئی تھیں۔ غلاموں نے اینٹوں کے سانچے تیار کیے پھر یا تو انہیں بھٹوں میں پکا لیا گیا یا دھوپ میں خشک کر لیا گیا۔ آرائشی ٹائلیں بھی متی سے بنائی گئی تھیں اور ہنر مندی کے ذریعے سے ان میں جلا پیدا کر دی گئی۔ کلدانیہ کے عالموں نے سکندر کو مٹی کی تختیوں کا ایک کتب خانہ دکھایا۔ مٹی کی سبک مربع تختیوں پر نوک دار خط میں کچھ لکھ کر خشک کر لیا گیا تھا۔ اور زمانے کی کوئی گردش اس خط کو مٹا نہ سکتی تھی۔ ان تختیوں پر صدیوں پہلے کی شادیوں قرضوں اور تحفوں کا ذکر تھا۔ نچلی دیواروں کی اینٹوں پر بخت نصر کی مہر لگی ہوئی تھی۔

مٹی سے عمارتیں بنا کر اہل بابل میں نے یہ کوشش کی تھی کہ اپنے آپ کو سطح ارض سے بلند کر لیں اور خنک تر ہوا میں پہنچ جائیں ایسی ہی ایک تعمیر کا نام برج بابل رکھا گیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہودی دریائے بابل کے کنارے آباد تھے اور کوہ صیہون کے سفر کا انتظار کر رہے تھے۔

ارسطو بھی اس خطے کی زرخیزی دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ یہاں دھوپ خاصی تیز تھی۔ نہروں کے ذریعے زمین کی آبیاری ہوتی تھی۔ ایک ایک چپے پر درخت اگے ہوئے تھے یا لوگ آباد تھے۔ غذائی اجناس کی افراط تھی۔ مقدونویوں کو زمین کے ان پانیوں پر بہت حیرت ہوئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ بابل کے یہ معلق باغ ہیل کارنیس میں مسولس کے مقبری یا دریائے نیل کے کنارے کے اہرام سے بڑھ کر دنیا کا عجوبہ ہے۔

سکندر نے صوبہ بابل کی حکومت کا انتظام انتہائی تیزی سے کر دیا۔ اس نے اپنے وعدے کے مطابق بیل اور مردوخ کے مندر از سر نو کھول دیے اور ان کی افتتاح کی رسم میں خود شریک ہوا دارا کے اہل و عیال کو محل میں ٹھہرایا۔ ایرانی شہنشاہ کی حسین و جمیل بیگم دوران سفر بحالت زچگی فوت ہو چکی تھی۔ وہ اسوس کی جنگ کے بعد گرفتار ہوئی تھی تو امید کی حالت میں تھی۔ سکندر نے شاہی آداب کے ساتھ اسے دفن کرایا۔

شہر بابل کے بیچ میں سے جو تنگ نہر گزرتی تھی اس میں کشتیاں چلنے کا معائنہ کیا۔ یہ نہر دارالحکومت کو دریائے دجلہ سے ملاتی تھی۔ وہ اپنے ناظروں کو لے کر رات کے اوقات

میں دیر تک بیٹھا رہتا اور کارندوں سے بابل کے نظام یا مالگزاری کی کیفیت کو سنتا۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری زمینیں بڑی خلیج یا سمندر تک پھیلی ہوئی ہیں اور سڑکیں مشرقی سمت میں پہاڑی دیواروں کے اندر تک چلی گئی ہیں۔

بابلیوں نے یہ بھی بتایا کہ ان پہاڑیوں سے آگے سلطنت کے تین اور دارالحکومت ملیں گے جن میں شاہی خزانے رکھے جاتے ہیں۔ ایک شوش دوسرا پرسی پولس ۸ اور تیسرا ا یکتانا ۹ سکندر کے یونانی سیکرٹری نے تینوں نام لکھ لیے۔

بابل میں شاہی خزانہ تھا اسے قبضے میں لے لیا گیا۔ نظم ونسق کا فیصلہ چند لفظوں میں کر دیا۔ وائسرائے کے نائب کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ ایک مقدونوی افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں متعین کر دیا۔ دارالحکومت میں جو رسم گاہیں اور مندر تھے یا عشر یا خیرات کے جو انتظامات پہلے سے چلے آتے تھے بدستور باقی رکھے۔ گاگامیلہ میں جو مال غنیمت ملا تھا اسے نیز فوج کے بھاری سازوسامان اور عورتوں کو بابل ہی میں چھوڑ دیا۔ ایتھنز کی تھائس کو بھی وہیں رہنے کا حکم مل گیا جو بطلیموس کی رفیقہ تھی۔ پھر فرمان جاری کر دیا کہ جلد سے جلد روانگی کی تیاری کر لی جائے۔

گرم راتوں میں سرکاری کام ختم ہو جاتا تو سکندر کپڑے اتار ڈالتا اور دریا میں تیرتا رہتا پھر جسم کو خشک کر کے کسی اونچے ڈھلوان چبوترے پر جا بیٹھتا۔ بلند عمارتوں کی روشوں پر اس کی نظر ہوتی اور ترجمان اسے بتاتے کہ کلدانیوں نے ستاروں کے متعلق اپنے نقشے کن اصولوں کے مطابق تیار کیے تھے۔ وہ شراب بہت کم پیتا۔ حالانکہ اس کے افسر پی پی کر مدہوش ہو جاتے اصل بات یہ ہے کہ افسر موسم سرما کی آمد کے ساتھ پہاڑیوں میں سے کوچ کے اتنے مشتاق نہ تھے جتنا کہ سکندر مشتاق تھا۔ انہیں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ مشرقی سمت میں وہ بلند دیواریں موجود ہیں جو معلوم دنیا کا آخری کنارا ہیں۔

جس شخص کو بابال کا حکم بنایا گیا تھا اس کی نظر ہر لحظہ سکندر پر رہتی جو دارا کی رتھ میں بیٹھ کر آیا تھا اور شاہی محل میں رہنے لگا تھا۔ مقدونوی افسر اس بات کا مذاق اڑاتے کہ سکندر

کس طرح شہنشاہ ایران کے طور ایران کے طور طریقے اختیار کر رہا ہے۔

جب وہ باب اشتر کے راستے سے نکلے اور مشرقی شاہراہ پر پہاڑوں کی طرف جا رہے تھے تو وہ افسر آمال جسے پہلے شوش بھیجا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شوش سکندر کی پیشوائی کے لیے تیار ہے اور شہر میں شاہی خزانے یا توشہ خانے میں جو کچھ موجود اس پر مہریں لگا دی گئی ہیں جو سکندر کو پہنچنے پر کھلیں گی۔ شوش کو پہاڑوں میں وہی حیثیت حاصل تھی جو ایتھنز میں بالا حصار کو حاصل تھی۔ یہاں کا بالا حصار پہاڑیوں سے محصور تھا۔ اور اس کے اطراف دریا تک پھیلے ہوئے تھے۔ دارا کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ بہار اور خزاں کا موسم وہ نہیں گزارتا۔ سردی کا موسم آتا تو بابل چلا جاتا۔ یہاں کے خزانے سے پچاس ہزار ٹیلانٹ نکلے۔ یہ رقم اتنی بڑی تھی کہ مقدونیہ کی کانوں سے پچاس سال سے اتنا سونا چاندی نکلتا۔١٠ اسی مقام پر وہ بت مل گئے جو زر کسیز نسلوں پیشتر ایتھنز سے اٹھالایا تھا۔ یہ ہارموڈیس ١١ اور ارسٹو جیشن ١٢ کے کانسی کے بت تھے۔ سکندر نے انہیں ایتھنز بھیج دیا۔

اہل مقدونیہ کو ان بتوں کا ملنا بہت نیک شگون معلوم ہوا۔ لی پس انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ سکندر نے انہیں اجازت دے دی کہ یہاں جشن مناؤ کھیلوں سے دل بہلاؤ اور مشعلوں کی روشنی میں گھڑ دوڑ کا انتظام کرو۔ فوجی چاہتے تھے کہ موسم سرما میں بھی آگے بڑھتے جائیں اور انہیں اس بات کا کوئی خیال نہ رہا تھا کہ آگے بڑھیں گے تو دور افتادہ ساحل کی طرف مراجعت کا آخری راستہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ شوش میں اگرچہ موسم خزاں تھا لیکن گرمی اتنی زیادہ تھی کہ مقدونیہ کے پہاڑی لوگوں کو خوشگوار معلوم نہ ہوئی (شوش موجودہ شہر اہواز سے شمال میں زیادہ دور واقع نہ تھا) وہ کہتے تھے کہ جو چیز سایے میں نہ ہو اسے سورج کی حدت پکا دیتی ہے۔ گرگٹ گلیوں میں سے گزرتے ہیں تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے سے پیشتر جل جاتے ہیں۔ ہمیں یہاں کھانے کی چیزیں پکانے کی ضرورت نہیں۔ انہیں صرف پتھروں پر پھیلا دینا کافی ہے۔

☆☆☆

تیرھواں باب :: پرسی پولس

شہنشاہ ایران کے چار دارالحکومت دراصل زمانہ ماضی میں چار مختلف قومی حکومتوں کے مرکز تھے۔ ان میں شوش غالباً سب سے زیادہ پرانا تھا۔ یہ عیلامیوں کا نہایت اہم مرکز تھا۔ ایکتبانہ (موجودہ ہمدان) مادی قبیلے کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بابل نوبالیوں کا مرکز تھا۔ جو اشوریوں کی طاقت تباہ ہونے کے بعد مادیوں کے ساتھ ساتھ بروئے کار آئے۔

پرسی پولس یعنی شہر ایرانیاں شہنشاہ ایرن نے خود اپنے وطن یعنی سطح مرتفع پر تعمیر کیا تھا۔

اب مقدونوی فوج انتہائی تیزی سے قلب ایران کی طرف بڑھ رہی تھی اور اسے امید تھی کہ دارا کوئی فوجیں فراہم کر لینے کا موقع دیے بغیر اس پر جا پڑیں گے۔ شوش کے اردگرد جو نشیبی پہاڑیاں تھیں ان سے گزر کر وہ فوج پہاڑی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک لمبی وادی میں داخل ہوگئی۔ یہ راستہ چڑھائی کا تھا اور فوج کا رخ جنوبی اور مشرقی جانب تھا۔ اس اثنا میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ پہاڑی علاقوں کے خود مختار قبیلوں کا گزارا بھیڑ بکریوں اور مویشی کی پرورش پر تھا۔ وہ ان تمام بڑے بڑے آدمیوں سے راہداری وصول کرتے تھے۔ جنہیں ان کے علاقے میں سے گزرنے کی ضرورت پیش آ جاتی تھی۔ ان میں سے ایک قبیلہ ہوزیا تھا۔ وہ لوگ اس علاقے کے دوسرے باشندوں کی طرح بیرونی دنیا کے حالات اور سیاسی تغیرات میں سے چنداں آگاہ نہ تھے۔ اور اپنے قدیم حقوق و مراسم کی پابندی میں کوئی خلل گوارا نہ کرتے تھے۔ انہوں نے سکندر کے پاس پیغام بھیجا کہ گزرکی اجازت اس وقت تک نہ دی جائے گی جب تک راہداری کی رقم ادا نہ کی جائے گی۔ شہنشاہ ایران خود باقاعدہ یہ رقم ادا کرتا تھا۔ سکندر نے پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ تم لوگ بلندیوں سے اتر کر وادی میں آجاؤ اور اپنی رقم لے جاؤ وہ لوگ بڑے اطمینان سے سڑک پر جمع ہوئے۔ ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مقدونوی فوج عجلت میں کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اگلے روز صبح کے وقت ان کی آنکھیں کھلیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ مقدونوی فوج کے دستے سڑک کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ کھڑے ہیں اور سڑک کے آس

پاس قبیلے کے جتنے دیہات ہیں ان سب پر مقدونوی قابض ہیں گویا راتوں رات وہ بے چارے نرغے میں آ گئے۔

بعد ازاں افراتفری کی جو حالت پیدا ہوئی اس میں زیادہ خونریزی کی نوبت تو نہ آئی البتہ بھاگ دوڑ بہت ہوئی۔ قبیلے کے لوگ گرتے پڑتے دور افتادہ بلند چوٹیوں پر پہنچ گئے اور بچے کھچے ریوڑ بھی ساتھ لے گئے۔ آڑیان ان بچے کھچے ریوڑوں کو سکندر کے تحائف احترام قرار دیتا ہے۔ دارا کی والدہ ہر مناسب موقع پر سکندر کو مخلصانہ مشورے دیتی رہتی اور ان کی نفسیات واضح کرتے ہوئے سکندر کو بتایا کہ وہ مخالف نہ تھے بلکہ ان کا گزارا ایسی ہی چیزوں پر ہے۔ سکندر نے انہیں مملوکہ زمینوں پر آباد ہونے کی اجازت دے دی لیکن یہ شرط لگائی کہ ہر سال ایک سو گھوڑے' پانچ سو مویشی اور تیس ہزار بھیڑیں بطور خراج دیا کریں۔ ان کے پاس نہ روپیہ تھا' نہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے لہٰذا خراج جانوروں کی صورت میں لیے بغیر چارہ نہ تھا۔ وہ بے چارے اس امر پر حیرت زدہ ہو گئے کہ یہ عجیب شیطانی شہنشاہ ہے جو روپیہ ادا کرنے کے بجائے جانور لیتا ہے۔

اہل مقدونیہ پر واضح ہو گیا کہ سکندر مشرقی حصوں میں قیام امن کے لیے خاص جدوجہد کر رہا ہے۔ ہوزہا قبیلے اور شوش کے رہبروں سے مشورے کے بعد اس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ سارا ساز و سامان گاڑیوں میں سوار کرا کے پارمینیو کے حوالے کر دیا کہ وہ بڑی فوج کے ساتھ چکر کھاتا ہوا سڑک پر سے آہستہ آہستہ آئے۔ خود فوج کے منتخب دستے لے کر بلند راستے سے پرسی لوس کی جانب روانہ ہوا۔

راستے میں پھر مزاحمت کی صورت پیش آ گئی لیکن مقدونویوں نے اس سے بھی بہت جلد چھٹکارا حاصل کر لیا۔ یہ مزاحمت اس فوج کو پیش آئی تھی جو براہ راست سکندر کی کمان میں جا رہی تھی۔ راستے میں ایک تنگ کھائی آ گئی جس سے گزر کر درے میں پہنچنا تھا۔ اس گھاٹی کو مزاحمت کرنے والوں نے بند سے مسدود کر دیا اور مقابلے پر فوج بٹھا دیا۔ مقدونویوں نے بند پر حملہ کیا لیکن پہلے دن انہیں پسپا ہونا پڑا۔ لہٰذا وہ ہٹ کر قیام گزیں ہو

گئے تا کہ صورت حال پر غور کر کے تدبیر نکالیں۔ چند قیدی ان ک ہاتھ میں آ گئے تھے۔ ان س معلوم ہو گیا کہ پہاڑوں کے دائیں بازو سے ایک راستہ گزرتا ہے جو درے کے اس پار دریا پر پہنچا دیتا ہے۔ سکندر نے منتخب مقدونوی جیشوں کو ساتھ لے کر یہی راستے اختیار کر لیا۔ قیدی رہبری کا فرض انجام دے رہے تھے۔ جو کیمپ وادی میں تھا اسے بدستور چھوڑ دیا گیا اور کریٹرس ۲ کو اس کا کماندار مقرر کر دیا گیا۔ یہ نیا سالار تھا جسے لوگوں کو رام کر لینے میں اک گونہ مقناطیسی قوت حاصل تھی۔ یہ دبلا پتلا کماندار اپنی خوش گفتاری سے فوجیوں کو خوش رکھتا اور جہاں چاہتا لے جاتا۔ اگرچہ وہ کماندر تھا لیکن اپنے ماتحتوں سے بات چیت اس طرح کرتا گویا حکم نہیں دے رہا بلکہ مشورے دے رہا ہے اور تمام فوجیوں کو یقین دلاتا کہ ہم جنگ میں سب سے بڑھ کر عزت و احترام حاصل کریں گے۔

سکندر خود راتوں رات بارہ میل کا فاصلہ طے کر گیا۔ کریٹرس کے پاس تھوڑی سی فوج چھوڑ دی، اسے یقین تھا کہ مزاحمت کرنے والے ایرانی آگے بڑھ کر کیمپ پر حملہ کرنے کی جرات نہ کریں گے۔ پہاڑوں کی بلندی پر پہنچ کر سکندر ایک روز ٹھہرا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ راستے کا باقی حصہ بھی رات کی تاریکی ہی میں طے کرے۔ دن کے وقت چلتا تو اندیشہ تھا کہ ایرانی اسے دیکھ لیں گے شام کے وقت اس نے فلوٹس اور کوئنس ۳ کو سواروں اور انجینئروں کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ وہ دریا پر پہنچ کر عبور کرنے کے لیے پل تعمیر کریں۔

اب دونوں فریقین مقدونویوں کو صاف نظر آ رہی تھیں۔ چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ سپاہیوں نے ایک چوتی کا نام ایشیائی اولمپس رکھا اور در کو ابواب ایران قرار دیا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ شگون بڑا اچھا ہے۔ عجیب امر یہ ہے کہ جو شخص ان کی رہبری کر رہا تھا اس کا نام ایرانی زبان میں بھیڑیا ہے۔ انہیں یہ پیش گوئی یاد آ گئی ک بھیڑیا سکندر کو فتح دلائے گا۔ چنانچہ وہ نیچے کی طرف اترے اور درے پر پہنچے تو فتح نے ان کے پاؤں چومے۔ درے کے پاس ایرانی پہرے داروں کی تین قطاریں کھڑی تھیں۔ یہ سب گرفتار ہو گئے اور جو ایرانی فوج نیچے کیمپ میں مقیم تھی اسے خبر تک نہ لگ سکی۔ دن کی روشنی نمودار

ہونے سے پیشتر یونانی فوج کیمپ کے عقب میں پہنچ چکی تھی۔ یکایک تریاں بجیں۔ کریٹیرس کو سمجھا دیا گیا کہ جیسے ہی تریوں کی آواز کانوں میں پہنچے راستے کے بند پر حملہ کر دینا۔ ایک طرف سے کریٹیرس دوسری طرف سے سکندر نے ایرانیوں کو بری طرح مارا۔ وہ بھاگے اور دریا پر پہنچے تو وہاں یونانی فوج کے مزید دستے کھڑے تھے۔ آریاں لکھتا ہے کہ ان کے فرار نے بے حد خوفناک صورت اختیار کر لی بعض آدمیوں نے اپنے آپ کو چٹانوں سے نیچے گرا دیا۔

اب سکندر ذرا بھی آرام کیے بغیر دریا کی جانب بڑھا۔ جہاں پل تیار ہو چکے تھے۔ عبور دریا کے بعد اترائی شروع ہو گئی۔ پرسی لوس وہاں سے صرف ۴۵ میل تھا۔ نیچے اتر آئے تو گھنے جنگل شروع ہو گئے۔ پھر غلے کے کھیت آ گئے۔ جہاں ہر گاؤں کے پاس سے کوئی نہ کوئی ندی نالہ بہتا تھا۔ سکندر سواروں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میدانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اس علاقے کے کھیتوں میں غلام بھینسوں کے ذریعے سے کھیتی باڑی کر رہے تھے۔ اس زرخیز اور ہری بھری وادی کے سامنے پرسی لوس تھا جس کی پتھریلی دیواریں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اپنی آمد کی خبر سے پہلے وہ اس شہر کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

چار مرکزی شہروں میں سے جہاں شاہ خزانہ رہتا تھا پرسی لوس سب سے زیادہ دولت مند سمجھا جاتا تھا۔ یہی شہنشاہ ایران کا محفوظ ترین مقام تھا۔ یونانی بلندیوں سے اتر کر اس انداز میں پرسی لوس پہنچے گویا میراتھان کی دوڑ کی آخری منزل آ رہی تھی۔ انہیں جا بجا پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں عبور کرنی پڑیں جن سے گیا اس کے باغ سیراب ہوتے تھے۔ پھر ہو اس راستے پر پہنچ گئے جس میں بھاری پتھر بچھے ہوئے تھے اور ایرانیوں کے مخفی بالا حصار کا یہی راستہ تھا۔ انہوں نے دوڑنا شروع کیا کہ جلد سے جلد موقع پر پہنچ کر اشرفیوں سونے کے ورقوں، ارغوانی رنگ، خوشبوؤں اور دوسری قیمتی چیزوں پر قبضہ کر لیں اور ایرانی افسروں کو یہ چیزیں ادھر ادھر کر دینے کی مہلت نہ دیں۔

ایران کے مشہور رمانچی راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ یونانیوں نے انہیں چند لمحوں میں تتر بتر کر دیا۔ وہ تکان سے چور تھے با ایں ہمہ جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ قہقہے مار رہے تھے۔ بہرحال وہ باب زاکیسز کے بند ہونے سے پیشتر اندر پہنچ گئے۔ انہوں نے صد ستون ایوان کے دروازے توڑ ڈالے ان کے سامنے دہشت زدہ خدام کی ایک جماعت کھڑی تھی اور وہ محل میں سے پھر نکلے جس کی چمکدار روپہلی چھت کو لکڑی کے بھاری ستونوں نے تھام رکھا تھا۔

اب ان کی یہ کیفیت تھی جیسے شکاری کتے خرگوشوں کے جنگل میں پہنچ جائیں۔ انہوں نے دارا کے محلات اور اردشیر کی چھوٹی سی عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ انہیں احساس تھا کہ دوڑ میں کامیاب ہو چکے ہیں اور پرسی لوس کی پوری دولت ان کے ہاتھ آ گئی ہے۔ وہ ایوان کی خنک فضا میں بے ڈر شراب پینے لگے جس کے خم بھرے رکھے تھے۔

مشعلیں جل گئیں تو اس وقت بھی دولت کی تلاش جاری تھی۔ یکا یک ایک مشعل سے زرکیسز کے تخت گاہ کے پردوں کو آگ لگ گئی اور شعلے تیزی سے آس پاس کی بارکوں اور زنان خانے تک پہنچ گئے۔ آگ بجھانے کا انتظام شروع ہونے سے پیشتر تخت گاہ جل چکی تھی اور آگ کے شعلے اوپر اٹھ رہے تھے۔ دروازوں اور چھتوں پر چاندی کے جو خول چڑھے ہوئے تھے وہ پگھل کر ندی کی شکل میں بہہ نکلے۔ سکندر بھی آگ بجھانے والوں میں چکر لگا رہا تھا اس نے ایک پتھر کی سل دیکھی جس پر زرکسیز کی تصویر بنی ہوئی تھی اور وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ تصویر الٹ گئی تھی۔ سکندر اس کے سامنے ٹھہر گیا اور پوچھا یہ کس کی تصویر ہے۔ تھوڑی دیر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ سب کو علم تھا کہ یہ اسی شہنشاہ کی تصویر ہے جس نے چند نسل پیشتر ایتھنز کو برباد کیا تھا۔ سکندر نے پوچھا آیا اسے سیدھا کر دیا جائے؟ پھر اس سل کو اسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

دوسرے روز فارس کا حاکم سکندر سے ملنے کے لیے آیا تو اس نے اردشیر کے تخت پر بیٹھ کر ملاقات کی۔ جس پر دارا بیٹھا کرتا تھا۔ بعض سال خوردہ مقدونویوں کی آنکھوں میں

خوشی کے آنسو اُمڈ آئے یا سمجھ لینا چاہیے کہ شراب کی خوشبو ابھی تک ان پر اثر انداز تھی۔ کارنتھ کے ایک بوڑھے آدمی نے آنسو پونچھے اور کہا کہ آج ہمارا سالار ایران کے تخت پر بیٹھا ہے تو ہمیں ان مقدونیوں اور ایرانیوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ جنہوں نے ہم سے پہلے جانیں دیں۔ سال خوردہ لوگوں کے نزدیک یہ جنگ اور لامتناہی نقل وحرکت کا اختتام تھا۔

یہ روایت اب تک بدستور چلی آرہی ہے کہ سکندر نے پرسی لوس کو نذر آتش کرا دیا ایران میں سے گزریں تو ہر جگہ یہ روایت سننے میں آتی ہے۔ سب لوگ اسے دہراتے ہیں اور بار بار کے اعادے سے یہ ایسی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ گویا سکندر کی زندگی کے اس واقعے پر ساری دنیا متفق ہے لیکن سکندر کی موجودگی میں جو کچھ پیش آیا اس سکندر کا فعل قرار دے لینا ایک خطرناک مفروضہ ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہ کہ اگر سکندر نے پرسی لوس کے محلات جلانے کا حکم دیا تو یہ حکم کیوں دیا؟ یقیناً بابل یا شوش اور بعدازاں ایکبتانہ یں اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوا تھا (اگر چہ اس نے آگے چل کر مشرق میں تباہی کے حکم دیے خصوصاً ان خطوں میں جو آج کل ترکستان اور ہندوستان کہلاتے ہیں) یونانی اور بعدازاں رومی وقائع نگاروں نے اس آتش زنی کی کئی روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے جو روایات خاص رومانی حیثیت رکھتی ہیں ان میں تھائس کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ روایات پلوٹارک نے خوب بیان کی ہے جسے لڑائیوں کی کیفیت بیانکرنے کے مقابلے میں انسانی روح کی سرگرمیوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔

پلوٹارک لکھتا ہے کہ دارا کا تعاقب دوبارہ شروع کرنے سے پہلے سکندر نے فوجی افسروں کو شراب نوشی کی دعوت دی۔ یہ اجازت بھی دے دی کہ ہر ایک افسر اپنی داشتہ کو پہلو میں بٹھالے۔ ان میں ممتاز ترین ہستی تھائس کی تھی۔ اس کا وطن ایتھنز تھا۔ اور وہ بطلیموس کی محبوبہ تھی جو بعد میں مصر کا بادشاہ بنا۔ تھائس نے اس دعوت میں بڑی بے باکی سے اس سے گفتگو کی۔ اگرچہ یہ بے باکی قابل معافی تھی۔ اس یے کہ ایتھنز اس کا وطن تھا۔ اس نے کہا کہ فوج کے ساتھ ساتھ ایشیا آنے میں جو مشقتیں مجھے اٹھانی پڑیں ان کا

کچھ بدلہ آج مل گیا میں ایرانی بادشاہوں کے محل میں بیٹھی شراب پی رہی ہوں لیکن مزا جب ہے کہ مشعل اٹھاؤں اور زرکسیز کے ایوان کو آگ لگا دوں۔جس نے اپنے عہد حکومت میں ایتھنز کو آگ لگائی تھی۔مجلس میں سے ہر ایک نے تھائس کے اس خیال کی تحسین کی۔بادشاہ نے خود ایک ہار اپنے سر پر باندھا اور مشعل ہاتھ میں لے لی۔وہ ہال میں پہنچا اور پردوں کو آگ لگا دی۔جو مقدونوی ایوان کے باہر بیٹھے تھے۔انہیں اندر کے حالات کا علم ہوا تو وہ بھی مشعلیں لے کر دوڑے ہوئے آئے۔ان پر انتہائی خوشی طاری تھی۔محلات کی بربادی سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ سکندر ان بربریوں کے درمیان رہنے کا عادی نہیں بلکہ اپنے وطن واپس جانا چاہتا ہے۔

اس منظر نے شاعروں اور ڈرامہ نگاروں کو صدیوں تک مسحور رکھا۔تاہم یہ بالکل غیر اغلب ہے کہ اگر تھائس پرسی پولس پہنچی تھی۔تو اس نے سکندر کے لشکر کے ساتھ بلندیاں عبور کی تھیں اور اگر سکندر نے ایک محل تھائس کو خوش کرنے کے لیے برباد کیا تو ہم جانتے ہیں کہ اپنے پورے دائرہ حیات میں وہ ایسے کسی فعل کا مرتکب نہ ہوا۔

دوسرے لوگوں نے اسے معقول بنانے کی کوشش کی۔وہ کہتے ہیں: سکندر نے پرسی پولس کو اس لیے جلایا کہ ایرانیوں کے ہاتھوں یونان کو جو نقصان پہنچا تھا اس کا بدلا لے کر یا پرسی پولس کو اس لیے جلایا گیا کہ اس سے ایشیائیوں پر اچھا اخلاقی اثر پڑے گا۔یا سکندر کے نزدیک ایرانی بادشاہی کے خاتمے کا اعلان کرنے کی موثر صورت یہی تھی اور وہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ اب پرانے شاہی خاندان کی طرف نہیں بلکہ نئے بادشاہ کی طرف دیکھنا چاہیے۔آرّیاں کہتا ہے کہ پارمینیو نے پرسی لوس کو جلانے کی تجویز سے اختلاف کیا تھا۔وہ کہتا تھا کہ اگر سکندر ایشیا کے اندرونی علاقے میں رہنے کا خواہاں ہے تو شہر کو جلانا ہرگز مناسب نہ ہوگا۔حالانکہ تاریخی حقیقت اس کے خلاف ہے۔پارمینیو اندرون ملک میں جانے کا خواہاں ہی نہ تھا۔اس کے نزدیک صرف مغربی حصے پر قبضہ کر لینا کافی تھا۔

علاوہ بریں ہمارے سامنے واضح آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زرکسیز کی

تخت گاہ اس افراتفری میں جلی جو مقدونیوں کی بھاگ دوڑ سے پیدا ہوئی تھی آگ نے ایوان میں سونے چاندی کی تمام تزئنات تباہ کر دیں۔ بظاہر سکندر اور اس کے افسروں نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔ بہر حال آگ سے صرف محلات کا مرکزی حصہ تباہ ہوا۔ سارے محلات تباہ نہ ہوئے اور یہ یقینی امر ہے کہ سکندر نے بعد ازاں کوروش ۴ کے مقربے کو محفوظ رکھنے کی انتہائی کوشش کی۔ جو پرسی پولس میں واقع تھا۔ اغلب ہے کہ آگ اتفاقیہ لگی ہو اور جس قدر جلد ممکن تھا اسے بجھا دیا گیا۔

مقدونوی فوج پرسی پولس میں ایک یا دو مہینے ٹھہری رہی۔ اس اثنا میں موسم سرما ختم ہو گیا اور برف پگھل جانے کے باعث دروں میں سے گزرنے کی شکل نکل آئی۔ پارمینو بھی سامان کی گاڑیاں اور فوج لے کر پہنچ گیا۔ رسد کا سامان اردگرد کے علاقے سے حاصل کیا جاتا تھا۔ وہ اس وجہ سے بھی اطمینان سے بیٹھے رہے کہ اطلاع مل چکی تھی' دارا مادہ کے پہاڑوں میں بیٹھا ہے اور برف پڑ جانے کے باعث کہیں جا نہیں سکتا۔ نیز چوتھی مرتبہ فوج فراہم کرنے میں اسے مشکلات پیش آ رہی ہوں گی۔ مقدونوی سپاہیوں کے نزدیک استراحت کا یہ موقعہ ضرورت کی بنا پر پیش آ گیا اور انہیں مہم کو ختم کرنے کے لیے آخری قدم لازماً اٹھانا پڑا تھا۔ پرسی پولس میں جو دولت ہاتھ آئی اس نے ہوش و حواس گم کر دیے۔ شوش کے مال غنیمت کے بعد انہوں نے اپنے دل میں جو تصور قائم کیا تھا۔ یہ دولت اس سے کہیں بڑھی ہوئی تھی ۵۔

فوج کے ساتھ جو سروئیر آ رہے تھے ان کے نقشوں سے ایک نئی حیرت انگیز حقیقت آشکارا ہوئی۔ گزشتہ دس مہینوں میں فوج بہت بڑے علاقے سے گزر چکی تھی جس کا رقبہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مربع میل سے کم نہ تھا۔ سرزمین مشرق کے ان وسیع علاقوں میں آئی اونیا کا ساحل جزیرے مصر اور لیبیا شامل کیے گئے تو یہ اندازہ ہوا کہ مقدونیہ جیسے بارہ ملک ان علاقوں کے اندر سما سکیں گے لیکن سروئیروں کو روئے زمین پر اپنی پوزیشن کے متعلق کچھ یقین نہ تھا۔ ان کے سامنے ایسی متعارف خبریں نہ تھیں جن سے شناسائی ہو۔ البتہ

میکاٹائس نے زمین کا جو نقشہ بنا رکھا تھا اس کی غلطیاں واضح ہو گئیں تھیں اور سرویئر ان غلطیوں کی تصحیح کر رہے تھے۔

جو افسر باقاعدہ روزنامچے لکھ رہے تھے مثلاً لگوس کا بیٹا بطلیموس وہ بھی تشویشات میں مبتلا تھے۔ وہ کہتے تھے کہ فوج نے نو مفتوحہ علاقے میں سرکاری جاگیریں ضبط کر لیں، دولت سمیٹ لی جگہ جگہ کے لیے خراج مقرر کر دیے۔ سڑکوں کی حفاظت کا بندوبست ہو گیا۔ بڑے بڑے شہروں اور تجارتی مرکزوں میں فوج کے دستے مقرر کر دیے گئے۔ گویا تمام ذمہ داریاں اٹھا لی گئیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اصل مقصد کیا ہے؟ سکندر کے آدمی اگرچہ خاصے تجربہ کار تھے لیکن نظم و نسق کا کام بڑا ہی مصیبت خیز تھا۔ فوج غیر محسوس طور پر بہت بڑھ گئی تھی۔ جن عورتوں کو بابل میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ باربرداری کی گاڑیوں میں بیٹھ کر پراسرار طریقے پر پرسی پولس پہنچ گئیں تھیں۔ اسکس ۲ بڑا ہر دل عزیز ایکٹر تھا وہ بھی چلا آیا اور اس نے پرسی پولس کے پاس کی پہاڑی پر چاندنی راتوں میں تماشے دکھانے شروع کر دیے۔ ملازموں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ فوج کے ساتھ ساتھ پہلوان اور گوئے ہی نہیں محبوب انگوروں کی جڑیں بھی سفر کرتی آ رہی تھیں مقدونیہ کے کاشتکار جہاں پہنچتے اور زمین کو نم آلود پاتے تو وہاں انگوروں کی جڑیں لگا دیتے حالانکہ یہ سب کچھ کسی اذن کے بغیر ہو رہا تھا۔ غرض پرسی پولس میں بھی وہ سب کچھ پیش آیا جو ممفس میں پیش آ چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فوج کے ساتھ بعض مادی متعلقات وابستہ ہیں جنہیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان متعلقات میں اب اضافہ ہو چکا تھا۔ مثال کے طور پر جنہیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان متعلقات میں اب بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ مثال کے طور پر روپے ہی کو لیجیے۔ سپاہی اپنا روپیہ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگرچہ انہیں یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ روپیہ تمہارے لیے محفوظ رہے گا۔ ایک مرتبہ کوچ کے دوران میں سکندر نے ایک شخص کو دیکھا جس نے خچر پر بھاری گٹھے لاد رکھے تھے اور خچر بوجھ کے نیچے دبا جا رہا تھا۔ سکندر نے یہ پوچھا کہ یہ کیا لاد رکھا ہے؟ آدمی نے جواب دیا کہ یہ آپ کی قیمتی چیزیں

ہیں۔ سکندر بولا تم انہیں کیمپ میں پہنچا دو۔

سکندر کیمپ میں پہنچا تو گٹھے کھول کر ہر چیز اسی آدمی کے حوالے کر دی جو خچر ہانک رہا تھا۔ یعنی ذاتی طور پر سکندر کو اس نئی دولت کا قطعاً کوئی خیال نہ تھا۔ جو دولت آتی اس کے متعلق سوچے سمجھے بغیر فیصل کرتا جاتا۔ البتہ خاص خاص لوگوں کو تحفے بھیجنے کا خیال ضرور رکھتا بہر حال اتنی دولت ہاتھ آ گئی تھی کہ ہر شخص اس سے من مانا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

لوگوں نے اندازہ کر لیا کہ سکندر سے عطیے مانے جائیں تو بہت خوش ہوتا ہے۔ ایک ایکٹر نے شام کے وقت تماشا دکھایا تو بعد میں بڑے پرتاثیر طریقے سے عرض کیا کہ مستحق تمثیل نگاروں کو رقم دی جائے۔ سکندر ہنس پڑا اور رقم دے دی۔ ایک نوجوان افسر ادائے فرائض کے سلسلے میں ہر وقت سکندر سے قریب رہتا تھا۔ اس نے کبھی کچھ نہ مانگا۔ سکندر نے ایک مرتبہ پوچھا تم کیوں کچھ نہیں مانگتے؟ افسر نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ شام کے وقت وہ گیند اچھال اچھال کر کھیل رہے تھے۔ افسر سب آدمیوں کی طرف گیند پھینکتا تھا۔ سکندر کی طرف ایک گیند نہ پھینکی۔ جب سکندر نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو افسر نے جواب دیا آپ نے مانگی نہ تھی۔ سکندر بے اختیار ہنس پڑا اور فوراً اسے خاصی رقم عطا کی۔

بے شک وہ روپے کے معاملے میں بے پروا ہو گیا تھا۔ لیکن نظم و نسق میں ڈھیل نہ پیدا ہونے دی۔ وہ حتی الامکان فیصلے خود کرتا۔ لوگ کہتے تھے کہ مقدمات سنتے وقت وہ ایک کان پر انگلی رکھ لیتا۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ اسے دلیلیں نہ سننی چاہئیں۔ صرف انصاف پر نظر رکھنی چاہیے۔ ایک مرتبہ اس نے سنا ایک مقامی مجرم بھاگ کر ایک مندر میں پہنچ گیا ہے جو ایرانیوں کے نزدیک مقدس ہے۔ یونانی اسے گرفتار کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ سکندر نے یونانیوں کو تاکید کر دی کہ تم ٹھہرے رہنا اور کسی تدبیر سے کام لے کر اس آدمی کو مقدس مقام سے باہر نکال لینا۔ اہل مقدونیہ کا خیال تھا کہ مقامی مراسم کا یہ احترام سراسر غیر ضروری ہے اور وہ وقتاً فوقتاً بخامنشیوں اور عقاب کے پروں پر الزام دھرتے رہتے تھے۔

پر عقاب کے تھے۔ جو مقبروں کے سنگ ہائے در پر کندہ کر دیے گئے تھے۔ مصر میں بھی ایسے ہی پر دیکھے گئے تھے جنہیں سورج دیوتا اور زریں کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ بابل میں بھی یہ پر بھیانک دیوتا مردوخ کے کندھوں پر بنے ہوتے تھے۔ ایران میں یہ پر اہورا کے سر سے جاتا تھا۔ اگر اہورا نے قرص خورشید میں اپنے سہارے کے لیے ایک خیالی عقاب کے پر لے لیے تھے تو یونانی سپاہیوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ایرانی بادشاہوں نے کیوں سورج دیوتا اور عقاب کے پروں سے خاص انتساب پیدا کیا۔

جب اسے معلوم ہوا کہ ایران میں مندر نہیں البتہ اونچے مقامات پر پتھر کے ستون بنے ہوئے ہیں جن پر آگ جلتی رہتی ہے تو اس نے آگ کے رہنے والے زرتشتیوں سے اس کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ عقاب بہتر بڑا جانور ہے۔ جو سورج کے قریب رہتا ہے وہی انسان اور آسمان کے درمیان اتصالی کڑی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سیمرغ عقاب کی روح ہے جو انسانوں کی امداد کے لیے پہاڑی کی چوٹیوں سے اترتی ہے۔

ان زردشتیوں کی رائے یہ تھی کہ انسانوں کی قسمت کا فیصلہ پہلے سے نہیں ہوا اور اس کا راز ستاروں کی گردش سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ بابلیوں کا دعویٰ تھا۔ زرتشتی کہتے تھے کہ انسانی روح کو دوام حاصل ہے۔ وہ اندھیرے میں روشنی کی طرف آنے کے لیے جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ جب وہ شر کے تصرف میں آ جاتی ہے تو اپنی قوت کھو بیٹھتی ہے۔ خیر کی طرف پیش قدمی کرتی ہے تو اس کی قوت عود کر آتی ہے۔ سامیوں کے ایہوایا دانشمند بابل کے بیل کے خلاف زرتشتیوں کے اہورا کو جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ صرف شر کے خلاف جدوجہد میں الجھا ہوا تھا۔ اس اعتبار سے اہورا یونانیوں سے بڑے دیوتا زیوس سے مختلف تھا۔ سپاہیوں نے زرتشتیوں کے متعلق کہا کہ آسمان اس کا زیوس ہے۔

زرتشتیوں میں ایک افسانہ چلا آتا تھا کہ آسمان سے ایک دیوی زمین پر اتری۔ اس کا نام متھرا تھا۔ وہ اعتدال شتائی کی ایک رات میں ایک غار کے اندر پیدا ہوئی جو ثور اور جوزا کے درمیان واقع تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب رات کے وقت آسمان پر سنبلہ کا

طلوع ہو رہا تھا۔ بالکل اسی طرح دیونی سوس دیوتا پیدا ہوا تھا گویا متھرا دیونی سوس کی توام تھی۔ سکندر کو ایسا معلوم ہوا کہ ایران زرتشتیوں نے بھی اسی سرچشمے سے علم حاصل کیا جس سے قدیم یونانیوں نے حاصل کیا تھا۔ یونانی انہیں مجوسی یا جادوگر کہتے تھے۔ غرض دیوتاؤں کے سلسلے میں صرف ناموں کا فرق تھا۔ سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایرانیوں کی قدیم کتاب ژند کا اسلوم یونان سے مشابہ ہے اور شہنشاہان ایران کا خاندان ہنحامنشی تھا نہ کہ ایکائی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمانہ قدیم میں یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک رشتہ تھا' لیکن سوال یہ تھا کہ ایرانی کہاں سے آئے۔

زرتشتی کہتے تھے کہ شمال مشرق کی سمت سے آئے۔ ان کا پہلا وطن ایران جس کی حیثیت فردوس کی تھی۔ وہ اب فردوس گم شدہ ہے۔ یہاں سے بہت دور برفانی علاقوں میں وہ رہتے تھے۔ اور الوہی طاقتوں سے انہیں بہت قرب حاصل تھا۔ وہاں سے نکلے تو وہ گھوڑے پالتے تھے اور گھوڑوں ہی پر سوار ہوتے تھے۔ اس قدیم نسل کا نسل کا نام انہوں نے نسائی رکھا تھا۔ نیز وہ وہ دھاتوں سے کام لیتے تھے۔ یہ قدیم ایرانی قبائل اپنے گمشدہ فردوس سے نکلتے ہیں تو سغد باختر اور پارتھیا میں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور زمین میں وہ آباد ہوئے اس کا نام پارس رکھا۔ وہاں سطح مرتفع پر بڑی اچھی گھاس پیدا ہوتی تھی۔ اس میں وہ گھوڑوں کے گلے چراتے تھے۔ اس پارسی قبیلے کی قیادت کا منصب ہنحامنشی قبیلے کو حاصل تھا۔

ہنحامنشی قبیلے سے ممتاز ترین حیثیت کوروش ے کو حاصل ہوئی۔ جسے یونانی سائرس کہتے ہیں۔ اس نے پہاڑی علاقے میں مادیوں پر غلبہ پایا اور اپنے سواروں کے ساتھ فتح کے پھریرے اڑاتا ہوا مغربی سمت میں بحیرہ روم تک چلا گیا۔ صرف دو صدی پیشتر کوروش سمندر پر حکمران تھا۔ اس نے اپنے ماتحت تمام قوموں کو متحد کر لیا تھا۔ بحیرہ روم کے ساحل پر لیڈیا کے بادشاہ کروسس نے جو سونا جمع کر رکھا تھا۔ کوروش نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اپنے اسپ سواروں اور شتر سواروں کے ساتھ لیڈیا کو پامال کر ڈالا۔

کوروش یونانی شہریوں کے طور طریقوں کی ہنسی اڑاتا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں جس کا نام انہوں نے منڈی رکھ چھوڑا ہے۔ وہاں سے خوراک لیتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ بحثیں کریں اور جو کچھ کھاتے پیتے ہیں اس کی قیمت دیں۔ یوں قوم میں خوراک دی جاتی ہے۔ فروخت نہیں کی جاتی۔ اس کوروش کا مقبرہ پہاڑیوں کے اندر برہنہ درختوں کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی پر ہے۔ یہ بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر ہوا تھا۔ سورج کی حدت سے جلتے رہنے اور کہنہ و بوسیدہ ہو جانے سے اس نے سنہری رنگ اختیار کر لیا ہے۔

کوروش کے لیے سکندر کے دل میں احترام پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ کوروش کی قبر دیکھنے کے لیے گیا۔ یہ قبر ایک چبوترے پر واقع تھی۔ سکندر اس چبوترے پر چڑھ کر سب سے اونچے درخت پر بیٹھ گیا۔ تابوت والا کمرہ اس کے پاس تھا اور اس کی چھت مخروطی تھی وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر دیوان دیکھنے لگا تو اسے کھبوں کے پار وسیع زینے نظر آئے جو کوروش اول کے تعمیر کیے ہوئے اور متعلقہ عمارتوں تک جاتے تھے۔ اس مقام کا نام پارساگرد ۸ رکھا گیا تھا۔

سکندر پارساگرد بھی گیا لیکن وہاں کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ جس جگہ ایوان تعمیر ہوا تھا وہ پہاڑ کے پہلو میں تھا اور اب اسے خوب ہموار کر لیا گیا تھا۔ وہاں دفاعی استحکامات کوئی نہ تھے۔ چوڑے زینے کے پہلو میں تھا سے اوپر چڑھتے ہوئے آدمی سایے میں پہنچ جاتا تھا۔ وہاں پہ کھیتوں کا منظر بڑا اچھا تھا جو سر سبز ہو رہے تھے۔ گھوڑوں کی پرورش کے لیے یہ خطہ بہت موزوں تھا۔ صرف چند زرتشتی اس کوروش کی قبر پر موجود تھے۔ جس نے اپنے ماتحت مغربی ایشیا کو یکجا کر لیا تھا۔ لوگ متحد ہو گئے تھے لیکن کوروش نے انہیں پوری آزادی دے رکھی تھی۔ سکندر نے زرتشتیوں کو تاکید کر دی کہ قبر پر پہرہ دیتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس کی بے حرمتی کا مرتکب ہو۔ سکندر کو محسوس ہو رہا تھا۔ چرنے والے گلوں کے درمیان سفید رنگ کے اس تنہا مقبرے کی تعمیر میں کوئی خاص راز ہے۔ یہ راز اس کی سمجھ میں نہیں

آتا تھا لیکن اس کا دل اسے محسوس کر رہا تھا۔

پرسی پولس واپس ہوتے ہوئے جہاں سڑک مڑی تھی وہاں سکندر نے دوسرے ہخامنشی حکمرانوں کے مقبرے دیکھے جو چٹانیں کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ مثلاً وزرائے اعظم اور رہا سیورس کے مقبرے آخر الذکر کو یونانی زرکسیز کہتے ہیں ان سب کے مقبروں کے دروازوں پر عقاب کے پروں اور قرص خورشید کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ لیکن پاس کوئی شہر آباد نہ تھا۔ البتہ ایک جگہ پر آگ جل رہی تھی۔

سکندر کو یقین ہو گیا کہ پرسی پولس بھی ایک شہر کی حیثیت سے آباد نہ کیا گیا تھا بلکہ ایک محل تھا جس کے گرد متعلقہ خدام کی عمارتیں بن گئیں۔ ستون ایسے نظر آتے تھے جیسے جنگل میں درخت ہوں۔ ان پر سائبان کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی جہاں نورد نے رات بھر کے بسیرے کے لیے خیمہ نصب کر لیا ہے۔ شروع میں ہخامنشیوں نے اس محل میں رہتے تھے۔ لیکن جب ان کی حکومت کا دائرہ بہت پھیل گیا تو نظم و نسق کے تقاضے انہیں کھینچ کھینچ کر باہر لے جاتے رہے اور شاذ ہی انہیں اپنے اس اصلی وطن میں آنے کی مہلت ملتی تھی۔ وہ دنیا کی پہلی عظیم الشان سلطنت کے شہنشاہ تھے۔ زرتشتی بتاتے تھے کہ دو صدیوں تک اس مقام کے آس پاس کبھی کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ اس لحاظ سے ہخامنشیوں نے اپنے وطن کو قدیم آریاؤں کے ایران کی حیثیت دے دی تھی۔

سکندر کا خیال تھا کہ ایران؟ یعنی گم شدہ مقدس مشرقی سمت میں پارتھیا، باختر اور سعد سے آگے فرفستانوں کے قریب ہوگا۔ یونانیوں کے علم میں وہ مقام نہ آیا تھا۔ سکندر کو اس کا راستہ بھی یاد تھا اور وہ ایسی تمام چیزوں کو خوب یاد رکھتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق مشرقی سمت کے آخری گوشے میں دیوتاؤں کا وطن تھا۔ اس کے خیال کے مطابق مشرقی سمت کے آخری گوشے میں دیوتاؤں کا وطن تھا۔ بہت سی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئی تھیں۔ لہٰذا اس نے ارسطو کو لکھا کہ خود نہ آسکو تو اپنے کسی شاگرد کو اس نئے خطے میں بھیج دو ارسطو خود تو نہ آیا مگر اپنے بھتیجے کیلستھینز 9 کو بھیج دیا۔

پہاڑوں پر برف پگھل گئی تو ۳۳۰ ق م کے موسم بہار میں مقدونیہ کی فوج نے از سر نو ایران کے شہنشاہ دارا کا تعاقب شروع کیا۔ وہ پہلے ان چٹانوں کے پاس سے گزرے جن میں سکندر نے مقبرے دیکھے تھے۔ پھر شمالی و مغربی سمت میں اونچے پہاڑوں پر چڑھے اور اتنی بلندی پر پہنچ گئے جتنی بلندی پر بادل چلے جاتے ہیں وہاں گھوڑوں کے چرنے کے لیے تازہ گھاس تھی۔ پس سمجھنا چاہیے کہ وہ لوگ موسم خزاں میں جس راستے سے آئے تھے اسے ایک حد تک دوبارہ طے کیا۔ البتہ وہ زردہ کوہ کی مشرقی سمت میں رہے اور وہاں جو قبیلے رہتے تھے ان سے غذائی اجناس بہ افراط ملتی رہیں۔ سکندر نے چلتے چلتے ان پہاڑی علاقوں کے نظم و نسق کا بندوبست بھی کر دیا پھر فوج نے رفتار تیز کر دی اور وہ اس وادی میں چلی گئی جو ایکتبانہ جاتی تھی۔ پرسی پولس سے قریباً فاصلہ چھ سو میل ہوگا۔

ایکتبانہ کے پاس پہنچے تو مقدونیوں کو صورت حال بدلتی ہوئی نظر آئی۔ جو جنگجو قبیلے مقدونیہ کی قوت کے کرشمے گاگامیلہ میں دیکھ چکے تھے وہ دارا کی حمایت کے لیے دوبارہ اٹھنے پر مائل نہ تھے۔ اس کے برعکس مادی اور کرد قبیلے شرائط مصالحت طے کرنے کے لیے سکندر کے پاس پہنچ گئے چنانچہ مقدونوی بڑے اطمینان سے ایکتبانہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سپہ سالار نے سلطنت ایران کے نصف مغربی حصے کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ ایکتبانہ ایرانیوں کے چار دار الحکومتوں میں سے آخری تھا۔

دارا مقدونویوں کی پیش قدمی کی خبر ملتے ہی بھاگ نکلا تھا۔ اب اس کے ساتھ دو ہزار تنخواہ دار یونانیوں اور معمولی سواروں کے سوا کوئی جمعیت نہ تھی۔ وہ ایران کی سطح مرتفع سے گزرتا ہوا مشرقی سمت میں چلا گیا تاکہ اپنی جان بچا سکے۔ اور ممکن ہو تو نئی فوج بھرتی کر سکے۔ ایکتبانہ سے دارا کے تعاقب کی آخری منزل شروع ہوئی۔ سکندر مشرق کی جانب روانہ ہوا تو اس کے ساتھ تھوڑی سی فوج تھی۔ یعنی رسالہ خاص مقدونوی پیادے۔ تیر انداز اور سوار نیزہ اگریانی۔

یہاں سے تعاقب جفاکشی و تیز رفتار کا معیار امتحان بن گیا۔ ایکتبانہ کے پہاڑی

علاقے سے اترنے کے بعد سکندر گیارہ دن میں تین سو میل نکل گیا۔ جو مجوسی ساتھ تھے وہ رستہ بتا رہے تھے کہ اب وہ اسی راستے پر جا رہا ہے جس سے ایرانی زمانہ قدیم سے اپنے وطن سے نکل کر ایران پہنچے تھے۔ وہ شمالی سمت میں انہیں وہ پہاڑ نظر آیا جسے مجوسی کوہ ارزق (وماوند) کہتے تھے اس کی چوٹی برف پوش تھی تیز ہوا نے چوٹی سے کچھ برف اڑائی جو فضا میں لاپید ہو گئی۔

دماند کے پاس قدیم شہر کی فصیل کے اندر سکندر نے قیام کیا' اسے اطلاع ملی کہ دارا کئی روز بیشتر وہاں سے گزر چکا ہے۔ وہ اس گھاٹی سے گزرا تھا جسے باب قزوین ۱۰ کہتے ہیں۔ کوئی نس کو پہلے ہی سے روانہ کر دیا گیا تھا کہ رسد کا انتظام کرے۔ سکندر ان دستوں کا انتظار کرتا رہا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے پہنچنے اور کوئی نس کے واپس آنے سے پیشتر نئی اطلاع ملی اور وہ یہ کہ دارا کو اس کے ایک ماتحت حاکم نے گرفتار کر لیا ہے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی رسالے اور قوی الجثہ پیادہ دستوں کو اپنے ساتھ لیا اور دو روز کا راتب لے کر تیزی سے روانہ ہوا۔ کوئیرس کو رے میں چھوڑ گیا تا کہ سلسلہ روابط قائم رکھے۔

تعاقب کرنے والی فوج رات بھی چلتی رہی۔ طلوع آفتاب کے بعد باب قزوین کی سیاہ دیواروں سے گزر گئی۔ دو پہر کے وقت ایک ندی پر قیام کیا کہ آدمی ستالیں اور چند گھنٹے سو لیں۔ وہ رات بھر چلتے رہے تھے۔ آدمی تھک گئے بعض گھوڑے تکان کے باعث گر کر مر چکے تھے۔ اس طرح وہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں ڈیڑھ دن بیشتر ایرانی شہنشاہ نے قیام کیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ حاکم نے مقابلہ کرنے والی فوج کی کمان سنبھال لی ہے۔ اور اس کا قصد یہ ہے کہ شہنشاہ کے ساتھ مشرقی سمت ہٹ جائے اور باختر پہنچ کر نئی فوج تیار کرے۔

سکندر تین چار گھنٹے سو چکنے کے بعد پھر روانہ ہوا۔ ایک دن اور ایک رات کہیں نہ ٹھہرا۔ یوں ہی بجلی کی رفتار سے چلتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں مفرورین بیس گھنٹے پیشتر موجود تھے۔ اب تک وہ اس راستے پر چلے جا رہے تھے۔ جس سے تجارتی قافلے جاتے آتے تھے۔ یہ

دامن کوہ کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔صحراان کو دائیں ہاتھ تھا۔اب سکندر کو معلوم ہوا کہ ایک راستہ سیدھا صحرا میں سے جاتا ہے جو قریب تر ہے البتہ اس میں پانی نہیں ملتا۔جو فوجی اس کے ساتھ تھے انہیں خوب دیکھا۔پانسو سوار بالکل تھکے ہوئے تھے انہیں گھوڑوں سے اتار دیا اور ان کی جگہ قومی پیادوں کو سوار کرلیا۔باقی سب کو وہیں چھوڑا اور چاندکی رات میں صحرا کا راستہ اختیار کرلیا۔

اب ٹھہرنے کا سوال خارج از بحث تھا دن کے سفر میں جیش کے اندر کمی ہونے لگی۔ دوپہر کی تیز دھوپ میں وہ سکندر کے ساتھ بندھے جا رہے تھے۔پانی ان کے پاس باقی نہ رہا تھا۔بعض طلایہ گرد سوار چمڑے کے کسی مشکیزے یا اپنے خود میں چٹانوں سے پانی تلاش کر کے لائے اور سکندر کی خدمت میں پیش کیا۔

سکندر نے پوچھا یہ تم کس کے لیے لائے؟

آدمی ''آپ کے لیے''۔

سکندر نے آس پاس سینکڑوں آدمی کھڑے تھے اور ان کی نظریں پانی پر جمی ہوئی تھیں کسی نے کچھ نہ کہا۔سکندر نے پانی ریت پر گرا دیا۔اور کہا ''تنہا ایک آدمی کا پانی پی جانا قطعاً مناسب نہیں''۔

عصر کے وقت انہیں دو پہاڑوں کے پاس سڑک پر گرد وغبار اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ مفرورین کا نشان تھا۔صحرائی سفر میں سینتالیس گھنٹے گزر چکے تھے۔فوجی اس حالت میں نہ تھے کہ لڑائی شروع کر سکیں لیکن سکندر انہیں آگے بڑھاتا گیا۔یہاں تک کہ مفرورین کے پس اندہ آدمیوں اور چھوڑی ہوئی گاڑیوں سے بھی وہ آگے نکل گئے۔(تنخواہ دار یونانی اس سے پیشتر ہی دارا کا ساتھ چھوڑ کر ادھر ادھر کے پہاڑوں میں جا چھپے تھے)۔حاکم بچ کر نکلا اور ایک ندی میں جا چھپا۔جو آدمی میدان میں رہ گئے تھے وہ اتنے تھکے ماندے تھے کہ چنداں مزاحمت نہ کر سکے۔اور جیسے ہی مقدونوی ان کے پاس پہنچے وہ زمین پر گر گئے یعنی اطاعت قبول کرلی لیکن دارا کا کوئی سراغ نہ ملا ایک گاڑی کو دو خچر کھینچ رہے تھے۔

بظاہر اس میں کوئی سوار نہ تھا۔ پیاسے جانوروں کو پانی کی خوشبو آ گئی تھی۔ اور وہ چشمے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دن نکلنے سے پیشتر ہی اسی گاڑی سے دارا کی لاش ملی۔ اسے خود اس کے افسروں نے قتل کر دیا تھا۔ سکندر کے اپنا سفید لبادہ مقتول شہنشاہ کی لاش پر ڈال دیا۔۱۱

☆☆☆

چودھواں باب :: عقاب، آفتاب اور سلطنت

اپنے ایک ملازم کے خنجر سے دارا کی یہ ذلت خیز موت چنداں اہم نہ تھی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ یہ شخص شہنشاہی کا تاج اور دوشالہ پہنے ہوئے تھا اور اب کی اس باقیات ختم ہو چکی تھیں۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ دارا نے خود اپنے پیش رو کو قتل کر کے تخت سنبھالا تھا جو بخامنشی خاندان کا آخری فرد تھا۔ پرسی پولس پہنچنے کے وقت سے سکندر کو مقدونیہ کی مغربی سرزمینوں پر اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور ایکتبانہ میں داخل ہوتے ہی اس نے فرمانروائی کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

ایکتبانہ طبعی اور مادی لحاظ سے سکندر کے نزدیک زیادہ موزوں تھا۔ اس کے اردگرد سات فصیلیں تھیں جو شاہراہ سے شروع ہو کر اندر تک جاتی تھیں اور ساتوں کے رنگ الگ الگ تھے۔ بالا حصار پر سنہری رنگ پھرا ہوا تھا اور وہ خوب چمکتا تھا۔ اس کی ہوا ویسی ہی خنک تھی جیسی کہ پیلا کی تھی اور اس کا طرز تعمیر یونانیوں کے فن تعمیر سے مشابہ تھا۔ سکندر نے دیکھا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ ایتھنز تباہی کی آغوش سے اٹھ کر از سر نو کھڑا ہو گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایکتبانہ کے پاس سے بلند پہاڑوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا تھا جس کے سامنے یونان کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بالکل بے حقیقت نظر آتی تھیں۔ شمالی سمت میں اراراٹ پہاڑ موجود تھا جو نظر نہ آتا تھا۔ تاہم اس کی چوٹیاں برف پوش تھیں۔ اراراٹ کی جانب سے آرمن آئے اور انہوں نے سکندر کو بتایا کہ ہمارے پہاڑوں میں اتنی بڑی جھلیں موجود ہیں کہ جو زمین بند سمندروں سے مشابہ ہیں۔ نیز کانیں ہیں جن سے اب تک دھاتیں نہیں نکالی گئیں۔ یہ آرمن ان پر جلال شہنشاہوں کی اطاعت قبول کر چکے تھے جن کے عہد حکومت لڑائیوں سے بالکل پاک رہے۔ وہ لڑائیوں کو بالکل پسند ن بھی نہ کرتے تھے۔ یہ زرتشت کے امن پسندانہ طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ جوان جھیلوں کے پاس چھوٹی سے جھونپڑی میں رہتا تھا۔ یہ پہاڑی لوگ یونی ارمن اور کرد قبیلے زرتشت کا مذہب قبول کر چکے تھے اور انہوں نے بلند ترین مقامات پر آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے۔

یقین ہے کہ ان حالات نے سکندر کے ذہن پر میزا کے اندر پڑھے ہوئے سبق تازہ کر دیے ہوں گے۔ ارسطو اوہام پرستی کا دشمن تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انسانوں کے مختلف گروہ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنا لیتے ہیں اور اسی جدوجہد میں ان کی روح اعلیٰ مدراج طے کر لیتی ہے ان زرتشتیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اس جدوجہد میں لگے ہوئے تھے اور اسلسلے میں وہ کسی دیوتا کی مورتی کے سامنے نہیں جھکتے۔ یہ آریائی جب معمولی چیزوں یعنی آگ پانی اور زندگی کے متعلق بھی بات کرتے ہیں تو سکندر ان کے مطلب سے آگاہ ہو جاتا اس لیے کہ ان کے الفاظ سے یونانی روشناس تھے۔ ان لوگوں کی لوک کہانیوں میں یہ ذکر بھی موجود تھا کہ کوہستان ارارات کے اردگرد ایک بہت بڑا طوفان آیا اور یہ لوگ اس میں بچے رہے۔ ان کا یہ عیقدہ بھی تھا کہ ایک دمدار تارہ کسی وقت زمین سے ٹکرائے گا اور آگ کا طوفان ہر طرف پھیل جائے گا۔ یہ اس میں محفوظ رہیں گے۔ کچھ بہ اطمینان دائمی بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔

انہوں نے سکندر کو ایک ایسی جگہ دکھائی جہاں ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ زمین کے شگافوں سے سیاہ رنگ کا ایک سیال مادہ ابل رہا تھا اور پانی کی طرح بہہ کر ایک چشمے میں جا گرتا تھا جہاں مسلسل آگ شعلہ زن رہتی۔ وہ کہتے تھے کہ چٹانوں کے درمیان ایک ایسی آگ چمکتی ہے اور اس میں سے دھواں نکلتا ہے مقدونوی سائنس دانوں کا خیال یہ تھا کہ یہ ایک نیا عنصر دریافت ہوا ہے۔ غلظ اور رال دونوں سے مشابہ تھا۔ اگر جلتی ہوئی مشعل اس کے قریب لاتے تو اس میں فوراً ہی اشتعال پیدا ہو جاتا۔ بھاپ اور سیال کے اس آتش گیر مرکب سے اہل مقدونیہ نے جو تجربات کیے وہ پٹرول کے امتحان کا دنیا میں پہلے ریکارڈ تھے:

> ”بربریوں نے اس مادے کی قوت کا تماشا دکھانے کی تدبیر یہ سوچی کہ سکندر اعظم کی قیام گاہ کے سامنے جو بازار تھا اس میں یہ سیال مادہ چھڑک دیا رات ہوئی تو وہ بازار کے آخری حصے میں مشعلیں لے کر

کھڑے ہو گئے۔ نم آلود زمین سے مشعل چھوئی تو پورے بازار میں اتنی تیزی سے شعلے بھڑکے کہ انسانوں کے خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی۔ فوراً پورا بازار آتش زار بن گیا''۔

ایک اور تجربہ کیا گیا۔ ایک یونانی نے کہا کہ اس عجائب خیز شعلے کو میں قابو میں لا سکتا ہوں اور مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا چنانچہ اس نے اپنے جسم پر اس سیال مادے کی مالش کر لی اور ساتھیوں سے کہا کہ اب آگ میرے پاس لاؤ اور تجربے کا انجام قطعاً خوش گوار نہ ہوا۔ جب جسم جل اٹھا تو اس پر پے در پے پانی ڈالا گیا۔ آگ بجھنے تک اس بیچارے کے جسم کا خاصا حصہ جل چکا تھا۔ دیاوس اور دوسرے انجینئر اس نئی قوت کے عجائبات سے مسحور ہو گئے۔ سکندر کو پرسی پولس میں ایک حد تک اور ایکتبانہ میں واضح طور پر کوروش کے جانشین بخامنشی کی حکمرانی میں مختلف قسم کی ایک نئی قوت نظر آئی۔ اب اس کے دل میں بخامنشیوں کا احترام پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مقدونیوں کی طرح کوروش کے ایرانی بھی گھوڑے کی سواری پسند کرتے ہیں اور آزادی سے انہیں محبت تھی۔ وہ اکھڑ سے لوگ تھے۔ ان کی عورتیں باہر پھرتیں اور برسر عام تمام کام انجام دیتیں لیکن ان شاہنشاہوں نے وہ کام انجام دیا جو ان سے پہلے کبھی انجام نہ پایا تھا۔ ان میں حکمرانی کا خاص جوہر موجود تھا اور وہ اپنی سلطنت میں انہوں نے اقوام کی ایک دولت متحدہ قائم کر لی۔

سکندر کو ایرانیوں کردوں، ارمنوں اور مجوسیوں نے بتایا کہ بخامنشیوں سے پیشتر حکمرانی کے طور طریقے کیا تھے مثلاً بابلیوں نے ایک شہری ریاست قائم کی۔ یہ بہت عظیم الشان تھی لیکن دراصل ایک شہر تمام شہروں پر حکومت کرتا تھا۔ اشوریوں نے مختلف قوموں کو فتح کر لیا اور سب کو اشوری سلطنت کی رعایا بنا لیا۔ ان کے برعکس ایرانی بخامنشیوں نے دوسری قوموں پر حکمرانی کا انتظام ضرور کیا تاہم ان کو قوموں کی حیثیت میں محفوظ رکھا۔ گویا انہوں نے ''اجزاء'' کو محفوظ رکھتے ہوئے ایک ''کل'' تیار کر لیا۔

ہر حصے کے لیے ایک گورنر مقرر تھا۔ انہوں نے نہروں کے ذریعے سے دریاؤں کو

سمندروں کے ساتھ ملایا۔ شہروں کو سمندروں سے قریب لانے کے لیے سڑکیں تعمیر کیں ان ہی سڑکوں پر سے طارس کی کانوں سے چاندی لاتے تاکہ پرسی پولس کے محلات کی چھتیں بنائیں۔ عرب سے خوشبوئیں آئیں تاکہ کمروں کی فضا معطر رہے۔ ان شہنشاہوں سے جو واقعی روئے زمین کے فرمانروا تھے اپنی سلطنت میں بخامنشی امن کا قانون جاری کیا۔ انہوں نے پہلے عالی شان سوار تیر اندازوں سے کام لے کر سب کو دائرہ امن سے داخل کیا۔ جو درہ دانیال سے شروع ہو کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔

نظر بظاہر کوروش کے زمانے سے آخری دارا کے زمانے تک بخامنشیوں کی حیثیت میں تبدیلی آ چکی تھی لیکن مشرق کے دانش مند لوگ اطمینان بخش طریق پر بتا نہ سکتے تھے کہ تبدیلی کیا تھی؟ مثال کے طور پر کوروش نے ابتداء میں بابل کے مندروں پر کوئی توجہ نہ کی تھی لیکن جب اسے بابلیوں کا عقیدہ معلوم ہوا کہ بادشاہ ان کے دیوتا مردوخ کی قوت سے حکمرانی کرتا ہے تو اس نے مدردوخ کے مندر کو بند کر دینے کا حکم دیا۔ اسی طرح دارائے اول نے مصر میں آمن رع کے مندر بند کرا دیے تھے۔

تدریجاً بخامنشیوں اور ایرانیوں میں تبدیلی آتی گئی۔ شروع میں وہ حکمرانی کے فرائض انجام دینے کے لیے ضرورت کے مطابق شہر بہ شہر جاتے تھے۔ جب حکومت کا دائرہ بہت پھیل گیا تو جگہ جگہ دورے کا طریقہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کے پاس بہت سی دولت جمع ہو گئی اور وہ اپنی حفاظت کے لیے اس کا محافظ فوج پر انحصار کرنے لگے جس کا نام ''غیر فانی'' رکھا گیا۔ ضرورت پڑتی تو امراء سے روپے وصول کر لیتے انہیں تنخواہ دار یونانی فوجیوں یا فونیقی بیڑوں سے کام لینے میں بہت سہولت نظر آئی۔ ابتدائی شہنشاہ اپنے کل کی تمام قوموں کا انتظام خود کرتے تھے۔ بعد کے شہنشاہوں کا طریقہ یہ نہ رہا بے شک مختلف قومیں ان کی حمایت کرتی تھیں۔ لیکن خود ان کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی تھی جن کے گرد و پیش سازشوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ البتہ کوروش نے جو نظام قائم کر دیا تھا۔ وہ بدستور باقی رہا۔ اس لیے کہ اندرون ملک مین امن قائم تھا۔ مقدونیوں کی آمد تک کسی قوم

کو ان شہنشاہوں کے مقابلے پر کھڑے ہونے کا حوصلہ نہ ہوا۔

سکندر نے ایکتبانہ کے پہاڑوں میں کوروش کے نظام پر غور کیا تو اپنی زودفہمی سے اس کی انتہائی اہمیت کا اندازہ کر لیا۔ اس نے سوچا کہ مختلف قوموں کی یہ متحدہ دولت جو ایک مرتبہ کامیاب ہو چکی ہے۔ مغربی دنیا کی تمام قوموں کو شامل کر کے بدستور جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اس کے سامنے اس نظام کو چلانے کے لیے صوبے داروں اور مشیروں کا پرانا طریقہ موجود تھا۔ اس نے صرف ایک تبدیلی کی اور وہ یہ کہ سیاسی نظم و نسق میں صوبے داروں کے اختیارات محدود کر دیے اور بیت المال کے لیے جگہ جگہ مستقل عمارت تعمیر کی دی اس نے ہرپالوس کو ایکتبانہ بلایا اور وہاں پارمینیو کی سرکردگی میں زبردست لشکر متعین کر دیا۔ (ہرپالوس بیماری کی حالت میں آیا تو ان تمام پودوں کی قلمیں اور بیج اپنے ساتھ لایا جو مقدونیہ میں پیدا ہوتے تھے۔ صرف عشق پیچاں مشرقی سرزمین میں فروغ نہ پا سکا)۔

سکندر نے امن و نظم کی نگرانی کا کام سال خوردہ مقدونوی فوجیوں کا سونپنے کا نظام تیار کر لیا تھا۔ سڑکوں کی پیمائشیں ہو چکی تھیں مختلف علاقوں کے ابتدائی نقشے بن چکے تھے۔ نیارکس نے ساحلی علاقوں میں خاکے بنا لیے تھے۔ اس دولت متحدہ میں ایتھنز سپارٹا سے الگ رہ سکتا تھا۔ اور سپارٹا میں زندگی کے جو عجیب و غریب طریقے رائج تھے ان میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کل کی حکمرانی میں شاید یونانیوں کی تباہی خیز گروہ بندی بھی ختم کی جا سکتی تھی۔ اس لیے کہ وہ بے سود رہ جاتی۔ وہ سوچتا تھا کہ آہستہ آہستہ خانہ جنگیوں کی وبا بھی ختم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ سب پر ایسی جنگوں کی بے منفعتی واضح ہو جائے گی۔ البتہ یہ بتانا مشکل ہے کہ اس منصوبے میں سکندر کی اپنی عقل و دانش کا کتنا حصہ تھا۔ اور کردش کے ابتدائی نظام حکومت کے بارے میں بات چیت سے اس نے کیا حاصل کیا۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اس نے ایک عالمی سلطنت کے امکان کا تصور قائم کر لیا۔ جو تمام انسانوں کی کائنات پر مشتمل ہوتی۔ اس میں عورتیں بھی شریک کی جا سکتی تھیں۔ اور

تمام حصوں کی آزادی کے درمیان توازن قائم رکھا جا سکتا تھا۔ یوں ربع مسکوں کو ایک کل کی شکل دی جا سکتی تھی۔

اہل مقدونیہ زمان و مکان کے متعلق اپنے تصورات میں ترمیم کر چکے تھے۔ یہاں پیغامات تیزی سے جا بجا پہنچانے کے لیے یہ دستور قائم تھا کہ راستے کے مختلف مقامات پر تازہ دم گھوڑے موجود رہتے اور قاصد ہر مقام سے نئے گھوڑے پر سوار ہو جاتے۔ مقدونوی شاہراہ کی طرح یہاں بھی ایک سرحد سے دوسری سرحد تک سڑکیں موجود تھیں۔ اور ان کی دیکھ بھال کا انتظام بخوبی ہوتا تھا۔ ان میں ایسی سڑکیں بھی تھیں جو اندرون ملک میں سے بھی گزر کے انتظامات کیے گئے تھے۔ (مقدونیہ کی سڑکیں بہت معمولی حالت میں تھیں۔ وہ دراصل گاڑیاں چلنے کے راستے تھے جو چکر کھاتے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے۔ دیہاتیوں نے خود یہ راستے بنا لیے تھے اور وہی ان سے کام لیتے تھے۔ سرزمین مشرق میں اہل مقدونیہ نے گزشتہ آٹھ مہینے میں اتنا راستہ طے کیا تھا جو ان کی وطن کی چوڑائی سے دس گنا تھا)۔

سکندر کے قبضے میں اب جو کچھ آیا تھا وہ کورش کے قبضے میں کبھی نہ آیا تھا یعنی سمندروں کا کنٹرول اور جہاز رانی...... سمندروں سے مراد بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم ہیں۔ سکندر اپنے ساتھ جہاز رانی کے تمام فنی اوزار لے کر آیا تھا تاکہ ان سمندروں میں جہاز چلانے کا بندوبست کرے جن میں پہلے جہاز نہ چلتے تھے۔ اس کے ساتھ جہاز ساز تھے۔ ملاح تھے اور جہاز راں اس کی آرزو تھی کہ ان غیر معلوم سمندروں کے کنارے سے جلد سے جلد پہنچ جائے۔ قوموں کے درمیان مخابرت کا ذریعہ اس کے پاس موجود تھا۔ یعنی یونانی زبان...... جس نے ہمہ گیر تجارت کے سلسلے میں ایک مل جلی زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اور وہ بابل تک تمام علاقوں میں پھیل گئی تھی بابل سے مشرقی جانب ایرانی زبان سرکاری دفتروں عدالتوں اور تجارتی مرکزوں میں ذریعہ مخابرت بن سکتی تھی۔ فوج کے ساتھ جو اہل علم آئے تھے انہوں نے دونوں زبانوں میں مشابہت معلوم کر لی تھی۔

بڑے بڑے مقدونوی افسر بات چیت میں یونانی زبان ہی استعمال کرتے تھے۔ لیکن نوجوان افسروں نے بہت جلد فارسی زبان سیکھ لی۔ وہ اوستاؤں کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ جوژند کے مقدس خط میں لکھی ہوئی تھی یعنی قدیم فارسی زبان میں۔ اوستاؤں کا بیان یہ تھا کہ خیر اور شر نیکی اور بدی کی دو قوتوں کے درمیان ایک ہمہ گیر کشمکش جاری ہے جس میں ہر فرد اپنے نجات کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔

ایکتبانہ میں سکندر کے پاس تھوڑے سے دانش مند لوگ موجود تھے جو نیا نظام حکومت تخلیق کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یونانی اہل علم نے اب کلدانیہ کے ریاضی دانوں اور مجوسیوں کے موبدوں سے مشورے شروع کیے۔ ان اہل مشرق کو اتنا وسیع علم حاصل تھا کہ فلسفی یونانی بھی ان کے سامنے کم حیثیت نظر آتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم و دانش کے نئے معیار کے مطابق وہ واقعی کم حیثیت تھے لیکن وہ اس اعتراف کے لیے تیار نہ تھے۔ ایکتبانہ میں سکندر نے پہلی مرتبہ مشرقیوں کو اجازت دی کہ اسے شہنشاہ بہت سے بادشاہوں اور روئے زمین کا فرمانروا قرار دیں۔ کسی نے اسے بتایا کہ ایکتبانہ سے تھوڑے فاصلے پر خطاب دارائے اول نے ژند کی عالم گیر زبان می بے ستون پر کندہ کرا رکھا ہے۔

بطلیموس جیسے لوگوں نے فوراً اس نئے لقب پر اعتراض کیا۔ وہ کہتے تھے کہ سکندر مقدونیہ کا بادشاہ ہے لہٰذا نہ وہ فرعون بن سکتا ہے اور نہ ایشیا کا مطلق العنان فرمانروا بے شک اسے مصر پر حکومت کا موقع مل گیا۔ اب ایشیا بھی اس کے زیر نگیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مقدونی کا بادشاہ نہ رہا یا اسے بطلیموس کا سوتیلا بھائی نہ سمجھنا چاہیے۔ بطلیموس نے کہا کہ اگر میں اپنے وطن خط بھیجوں اور سکندر کو شہنشاہ قرار دوں تو لوگ ہنسی اڑائیں گے اور ہنسی اڑانے میں وہ بالکل حق بجانب ہوں گے۔

بوڑھا پیش گو ایرسٹانڈر ڈلفی کے پجاریوں سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ اسے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ بابل میں بیل اور مردوخ کے مندر از سر نو کھول دیے گئے اور اب لوگ پر دار

شیطان مردوخ کی قوت کے سامنے جھکنے لگیں گے۔ سکندر کو اس پر تعجب ہوا اور بولا اگر وہ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ ایر سٹانڈر نے جواب دیا اعتراض کیوں نہ ہو؟ بابلیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو چکا ہے کہ تمہیں اقتدار مردوخ سے حاصل ہوا۔

سکندر بے تاب ہو کر بولا ''بابلی لوگوں کے خیالات سے مجھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ان کے خیالات میری فطرت نہیں بدل سکتے''۔

ایر سٹانڈر: لوگ جو خیالات قائم کر لیتے ہیں ان کی خاصی اہمیت ہوتی ہے۔

سکندر: وہ ہمارا شکریہ ادا کر چکے ہیں اور ہماری تعریف کرتے ہیں۔

ایر سٹانڈر: ہاں مگر الفاظ کی حد تک جو خیالات الفاظ کا جامہ پہن کر زبان پر نہیں آتے ان کے معنی بہت گہرے ہوتے ہیں۔

سکندر نے خفگی کی حالت میں بوڑھے کو رخصت کیا۔ ایر سٹانڈر نے محسوس کر لیا کہ سکندر پہلے کی طرح ان شگونوں کی اہمیت کا قائل نہیں رہا جو الوہی قوتوں کے رجحانات کا نشان ہوتے ہیں اور مجھے صرف اس لیے ساتھ رکھتا ہے کہ لوگوں کے اوہام کی تسکین ہوتی ہے۔ ہفاسشن اس پر مسکرایا اور سکندر کو مطلق العنان کہہ کر اس خیال کی تلخی مٹا دینے کی کوشش کی۔ دوسرے لوگوں کی طرح ہفاسشن بھی جانتا تھا کہ سکندر نئے اوزاروں اور نئے دستوروں کا تجربہ کرنے کا کس درجہ مشتاق ہے۔ اس کے علم کے مطابق سکندر میزا میں ارسطو سے سن چکا تھا کہ افلاطون نے اپنی کتاب مُس جمہوریت میں جس مثالی حکومت کا نقشہ کھینچا تھا وہ ابھی قائم نہیں ہوئی لہذا قائم ہو نہیں سکتی۔ محض خوش آئند خیالات کے ذریعے ایسی حکومت تخلیق نہیں پا سکتی۔ البتہ انسانی ضرورتوں کے مطابق نشوونما پا کر ایک اچھی حکومت بن سکتی ہے۔ اور سکندر چند مہینے دو مہینے نئے ہسپتالوں یا نئے دواؤں کے انتظام کا شاید بیڑوں کی تعمیر کے منصوبے سوچتا رہے گا۔ بشرطیکہ اسے کہیں سمندر مل جائے۔ ہفاسشن کا یہ استدلال صحیح بھی تھا اور غلط بھی۔ سکندر ان انتظامات کے متعلق یقیناً غور و فکر کرتا رہا لیکن اس نے نئے عقیدے پر کبھی دست کشی اختیار نہیں کی کہ اور وہ یہ تھا کہ

ربع مسکوں کی تمام قوموں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔

لسی پس چاندی کے نئے سکوں کے لیے سکندر کے چہرے کا خاکہ تیار کر رہا تھا۔ اسے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ مشرقی سرزمینوں میں بت سازی کا فن کسی کو نہیں آتا۔ ایرانیوں میں انسان کی تصویر بنانے کی صلاحیت مفقود ہے۔ وہ چٹانوں یا پتھر کی تختیوں پر آرائشی یا افسانوی منظر تو کندہ کر لیتے ہیں لیکن انسانی تصویر نہیں بنا سکتے۔ وہ تزئین و آرائش کے لیے جانوروں کی ایک ہی شکل کے نمونے بار بار دہراتے جاتے ہیں۔ مثلاً دوڑتے ہوئے ہرنوں یا عقابوں کی اڑتی ہوئی قطاریں سکندر کے نزدیک یہ امر قطعاً موجب شکایت نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ یہاں کے اہل فن دراصل صنعت گر ہیں۔ وہ عمارتوں کی دیواروں پر تزئین کے لیے اس غرض سے نقش و نگار بناتے ہیں کہ انسانی آنکھیں انہیں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہ پہاڑوں کے دامن میں ایسی موزوں عمارتوں کے نقشے تیار کرتے ہیں کہ یقین ہو جائے کہ اس سے موزوں تر کوئی نقشہ نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایسے سائبان بناتے ہیں جن میں لوگ جمع ہوں اور گرمی سے محفوظ رہیں۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ عمارت کے سامنے ایک چھوٹا سا روکار بن جائے۔

بہر حال سکندر کے سر کا نقشہ تیار ہو کر سامنے آیا تو لسی پس نے اس پر شیر کی گردن کی طرح لمبے لمبے بال بنا دیے تھے اور ٹھوڑی کے نیچے شیر کے پنجے کی شکل تھی سکندر اس قسم کا نقشہ بنوانا چاہتا تھا لیکن فیصلہ کیا کہ فی الحال یہ نئے سکوں پر استعمال نہ ہونا چاہیے۔

ایکتبانہ میں ایک نیا توجہ طلب مسئلہ پیدا ہو چکا تھا اور وہ ان سپاہیوں کا مسئلہ تھا جنہیں مقدونیہ کے ساحل سے روانہ ہوئے چار سال گزر چکے تھے۔ سکندر ان سے وعدہ کر چکا تھا کہ گاگامیلہ کی جنگ آخری جنگ ہے۔ سوال یہ تھا کہ اب ان آدمیوں سے کیا کہا جاتا۔

جن آدمیوں نے اس کے ساتھ دردانیال کو عبور کیا تھا۔ ان میں سے غالباً نصف بھی یہ سوال پیدا ہونے کے وقت ایکتبانہ میں موجود نہ تھے۔ کچھ مر چکے تھے کچھ زخمی ہو چکے تھے ۔ کچھ بیماری کے باعث واپس بھیجے جا چکے تھے۔ بہت سی کمپنیاں راستے میں مختلف

مقامات پر متعین کر دی گئی تھیں۔ اور وہ وطن سے جو رنگروٹ تیسرے سال آئے وہ شوش میں بڑی فوج سے آ ملے تھے۔ اور خود مشرقی سر زمین سے بھی بہت سے جیش بھرتی ہو چکے تے۔ لیکن سکندر وعدہ کر چکا تھا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہچکچاہٹ کا روادار نہ تھا۔ ایکتبانہ شہنشاہ ایران کے چار دارالحکومتوں میں سے آخر تھا جس پر قبضہ ہوا۔ سپاہی اور افسر جانتے تھے کہ جنگ میں آخری کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ سکندر نے یہ مسئلہ یوں حل کیا کہ جو جیش گھر واپس جانے کے لیے تیار ہو وہ چلا جائے۔ اس کے کچھ آدمی ایشیا میں رہنے کے لیے تیار ہو تو وہ دوسرے جیشوں میں شامل ہو جائیں (بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پرانے مقدونوی لشکروں کو ایسی اجازت نہ دی اور اجازت دے بھی دیتا تو وہ چھوڑ کر نہ جا سکتے تھے) تھسلی کے سواروں اور مقدونیہ سے باہر کے یونانی لشکروں نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

ان کی تنخواہیں ادا کر دی گئیں۔ اور یہ انتظام کر دیا گیا کہ ساحل پر پہنچ کر گھوڑے فروخت کر دیں اور نئے جہازوں میں بیٹھ کر یونان چلے جائیں۔ سکندر نے دو ہزار ٹیلنٹ (جو آج کل کی قوت خرید کے مطابق دو کروڑ ڈالر بنتے ہیں) اپنے ذاتی روپے میں سے بطور انعام دے دیے۔ دوسرے جیشوں کو ایکتبانہ میں ٹھہرنے کی اجازت مل گئی لیکن اس وقت تک سکندر مشرقی جانب حرکت کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اسی لیے اس نے کلائٹس کو حکم بھیج دیا کہ اپنے سواروں کو لے کر پارتھیا میں فوج کے ساتھ شامل ہو جائے وہ بیماری کے باعث پرسی پولس میں ٹھہرا ہوا تھا۔

بعض آدمیوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اب کسی مقصد کے بغیر آگے بڑھنا پاگل پن ہے۔ لیکن سکندر کی روز افزوں کامیابیوں سے فائدہ اٹھانے والوں کے پرجوش نعروں میں ان کی شکایت دب گئی۔ بعض افسروں نے شکایت کی کہ مقدونوی فوج کی ہیئت بدل کر اسے فوجی آبادکاروں کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ رسالہ خاص کا بریگیڈیئر فلوٹس باہر نکلتا تو بڑی شاندار وردی پہن لیتا اور دھوم دھام سے اپنا جلوس نکلواتا۔ اس کے باپ

پارمینیو نے اسے متنبہ کر دیا کہ تم سکندر سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہو۔

خزانے میں جتنی رقم جمع ہو چکی تھی اس کا حساب کیا گیا تو خاص کارکنوں کی توقع سے بھی بہت زیادہ نکلی۔ یہ رقم جس میں سکے، سونا چاندی، بیش قیمت جواہرات یا مال اسباب ہر چیز شامل تھی ایک لاکھ اسی ہزار ٹیلنٹ تھی۔ مقدونیہ میں چار سال پیشتر دولت کے اس انبار کا کسی کو خیال تک نہ ہو سکتا تھا۔ اسے محفوظ طریق پر وطن پہنچا دیا جاتا تو مقدونیہ کی چھ لاکھ آبادی دو پشتوں تک فارغ البالی سے زندگی گزار سکتی تھی اور ہر کنبہ دولت مند بن جاتا۔

اصل سوال اسے وطن پہنچانے اور روپے کے طور پر استعمال کرنے کا تھا۔ اہل مقدونیہ کے مطابق یہ خزانہ ربع مسکوں کی دولت کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اس کا ایک جز بھی سکوں کی شکل اختیار کر لیتا تو مغربی دنیا کی تمام منڈیوں میں دولت کا طوفان آ جاتا اور دوسرے لوگوں کے علاوہ یونان کے تجارت پیشہ شہروں کا بھی دیوالہ پٹ جاتا۔ اس دولت کو استعمال کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

مشرق میں یہ انبار ایران کی زوال پذیر حکومت نے زر محفوظ کے طور پر رکھ چھوڑا تھا۔ سکندر اسے بدستور محفوظ کرنا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اس سے نظام حکمرانی کی نئی ترتیب میں کام لے۔ اس نے انعامات جنگ تقسیم کر دیے افسروں اور سال خوردہ سپاہیوں کو بھی تحفے دے دیے لیکن انبار کا صرف ایک معمولی سا جزو خرچ ہوا۔ پورا انبار قلعہ ایکتبانہ کے خزانے میں رکھ دیا گیا تھا جس کا انتظام پارمینیو کے سپرد تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے ایکتبانہ میں بیٹھے بیٹھے چند روز کے اندر یہ سارے انتظامات کر دیے۔

اب اسے بہت سے غیر محسوس رشتے مشرق کی طرف کھینچ رہے تھے۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ خزانے کا سب سے قیمتی حصہ سونے کے وہ ذرات تھے جو دریائے سندھ کی سرزمینوں سے حاصل ہوئے تھے۔ سکندر جانتا تھا کہ یہ سرزمینیں ربع مسکوں کے آخری مشرقی حصے میں واقعہ ہیں جہاں دریائے سندھ پہاڑوں سے نکل کر بہتا ہے۔ وہی

مقام اب اس کے افکار و خیالات کا نصب العین تھا۔ وہی غیر معلوم خطہ جو آخری پہاڑی سرحد کے پار واقع تھا ای خطہ ان زرد پہاڑوں سے بدرجہا زیادہ وسیع تھا۔ جن سے وہ گزر کر آیا تھا۔ مجوسی کہتے تھے کہ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ دوسرے آریائی قبیلے رہتے ہیں۔ اس طرف راستے میں باب قزوین کے اوپر ایک زمین بند سمندر پھیلا ہوا ہے اور کسی ایک مقام پر جس کا علم آدمیوں کو نہیں پانی کا ایک ناپید کنارا خطہ واقع ہے۔ جس نے کرہ ارض کو گھیر رکھا ہے۔

یہ تمام رشتے مل گئے اور سکندر کے دل میں یہ کشش پیدا کر دی کہ اسے خطے کا سراغ لگانا چاہیے جو لوگ اس کے گرد و پیش جمع تھے انہوں نے دانستہ سکندر کے اشتیاق کے لیے تازیانوں کا کام دیا۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ سکندر ایران میں رہ کر اپنے مجوزہ منصوبے کو پورا نہ کرے بلکہ نئے علاقوں کی دولت سمیٹنے پر متوجہ ہو جائے۔ وہ ایکتبانہ سے اس عجلت کے ساتھ نکلا کہ نئی حکومت کا جو نظام مقدونوی افسر اور ایرانی کارندے سنبھالے بیٹھے تھے وہ بھی پوری طرح تشکیل پذیر نہ ہوا تھا اور نہ اسے عمل میں لایا جا سکا تھا۔ چنانچہ اس کا رخصت ہونا ہی بڑھتے ہوئے اختلال اور مشکلات کا پیغام بن گیا۔ ۳۳۰ ق م کے موسم بہار میں اس ارادے کے ساتھ دارا کے تعاقب کے لیے روانہ ہوا تھا کہ ایک یا دو سال میں واپس آ جائے گا لیکن واپسی میں سات سال سے بھی زیادہ مدت گزر گئی۔

☆☆☆

پندرھواں باب :: عیش وعشرت کی تباہ کاری

اس تباہ کاری کا آغاز چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہوا۔ مثلاً ذاتی عیش وعشرت کا سامان' تفریحی مشغلے اور ملازمین یہ غیر محسوس طور پر بڑھی اور اس نے شخصیتوں کے درمیان کشاکش کی شکل اختیار کرلی۔ اغلب ہے کہ اس کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ یعنی ایشیائی مہم کے ابتدائی دور میں لیکن زیادہ نمایاں مغربی ایشیا کے سہ ماہی تصرف کے زمانے میں ہوئی۔

مقدونیہ کے فوجی پیادوں سے کمانداروں تک بڑے تجربہ کار مہم باز تھے یعنی وہ اپنے آرام وآسائش کے انتظامات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ مزید براں ایشیائی یونانیوں یعنی اہل آئی اونیا نیز مصری اور یونانی امرا کے مقابل میں بہت کم تہذیب یافتہ تھے۔ اپنے وطن میں انہوں نے صرف دو پیشوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ ایک رزم و پیکار دوم کھیتی باڑی اب انہیں تجارت اور کاروبار سیکھنے کا موقع ملا تھا ان میں سے تھوڑے سے افراد تھے جو اہل ایشیا کی ذہنیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً سکندر ہفا اسشن اور پیوسس اتاس۔ لیکن ہر منزل پر انہیں آرام وآسائش کے جن سامانوں سے سابقہ پڑتا رہا ان سے سب سے سب بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ متصرفہ علاقوں میں کھیتی باڑی اتنی محنت اور مشقت کی متقاضی نہ تھی۔ جو انہیں مقدونیہ کے پہاڑی علاقوں میں برداشت کرنی پڑتی تھی۔ وہ بیج مہیا کردیتے' نہروں سے پانی مل جاتا' غلام مزدوروں کی افراط تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فصلیں جادو کے ذریعے سے تیار ہو جاتی ہیں۔

سکندر کی دولت بخشی نے مقدونوی معیاروں کے مطابق فوج کے چھوٹے چھوٹے افسروں کو بھی دولت مند بنا دیا تھا۔ ایک رجمنٹ کے کماندار کے پاس بھی اتنا روپیہ جمع ہو گیا تھا کہ جس سے وہ ایک پورا گاؤں خرید سکتا تھا یا دریائی کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کرلیتا اور سکندر نئی سرزمین میں اس طرح روپیہ لگانے کی کھلم کھلا حوصلہ افزائی کرتا تھا لیکن سپاہیوں کے دوسرے افکار و اعمال سے وہ خوش نہ تھا مثلاً ان میں مشرقی خوشبوؤں یا

حماموں کا ذوق ترقی پا رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ سادہ تیل کے بجائے مصری ابٹنا ان کے جسم پر ملا جائے۔ جو وہ چاندی کے برتن پسند کرتے تھے اور شام کے ماہر فن مالشیوں سے مالش کا کام لیتے تھے۔ سکندر نے ایک فوجی افسر کو دیکھا جو اپنی چپلوں میں چاندی کے کیل لگواتا۔ ایک اور افسر ایک خاص سفوف اپنے جسم پر ملواتا جو ممفس سے اونٹوں پر لد کر آتا تھا۔

فلوٹس شکار کے لیے نکلتا تو سیکرٹریوں اور خادموں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے ساتھ ہوتی۔ اس نے بطور خاص ایسے جال بنا رکھے تھے جو نصب میل گھیر لیتے۔ ہرنوں بھیڑیوں یا سوروں کو گھیر کر اس طرف لے جاتے اور بہت زیادہ شکار مار کر لاتے۔ شکار کے بعد وہ شاہ پیمانے پر دعوتوں کا انتظام کرتا اور مہمانوں کو وہ شراب پلاتا جو برف ڈال کر ٹھنڈی کی جاتی۔ سکندر کے پاس بھی مجوسیوں، ترجمانوں اور جغرافیہ دانوں کی ایک بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے اس کے دستر خوان کا خرچ بڑھ گیا تھا لیکن وہ سب کو سادہ غذا کھلاتا اور اپنے باورچی خانے کا خرچ حدود کے اندر رکھتا۔

اولمپیاس کی طرف سے خطوط کا سیل برابر آتا رہتا۔ اس نے ایک خط میں سخت شکایت کی کہ سکندر خود بہت کم روپیہ لیتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو حد درجہ دولت مند بنا رہا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار وہ مفلس رہ جائے گا اور ساتھی بادشاہوں کا سا درجہ حاصل کر لیں گے۔ سکندر اس نصیحت پر تو متوجہ نہ ہوا لیکن وہ اپنے ان سپاہیوں کی مذمت ضرور کرتا تھا۔ جنہوں نے اپنے ساز و سامان کی صفائی اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے نوکر مقرر کر لیے تھے وہ پوچھتا تھا کہ جو سپاہی ذاتی ضرورتیں اپنے ہاتھ سے پوری نہیں کر سکتا کیا وہ سپاہی سمجھے جانے کے قابل ہے۔

جب فوج شہروں میں ٹھہری ہوتی تو مختلف افراد سے ملازموں کے ہجوم کو الگ کرنا آسان نہ تھا۔ فوج کسی جگہ قیام پذیر ہو جاتی تو نوکروں چاکروں کے لشکر اسی جگہ جمع ہو جاتے۔ جس طرح اچھی چراگاہوں میں مویشیوں کے ریوڑ جمع ہو جاتے ہیں۔ عورتیں بچے پیدا کرتیں۔ ترجمان اپنے بوڑھے والدین کو ساتھ لے لیتے جن کی دیکھ بھال ان

کے لیے ضروری تھی اور رہبر مختلف لوگوں سے برادری کا رشتہ پیدا کر لیا۔ پھر ایک مصیبت یہ آئی کہ جن ایرانیوں کو ساتھ لیا گیا تھا ان میں سے ہر ایک کے پاس فنی معاونوں کی ایک جماعت ہوتی۔ پارھیا اور ہرکنیا کے گورنر نئے بادشاہ کے رسمی سلام کے لیے حاضر ہوتے تو مشیروں طبیبوں اصطبل کے منتظموں محاسبوں اور قاصدوں کی بڑی بڑی جماعتیں ان کے ساتھ آتیں۔ ان کی بیویوں کے حاشیہ نشینوں کی جماعتیں اس سے الگ ہوتیں۔

اہل ایشیا صدیوں سے اپنے شہنشاہ کے پاس آنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اسی عادت کے مطابق وہ سکندر کے پاس آتے تھے جس سے وہ ڈرتے بھی تھے اور اس کا احترام بھی کرتے تھے۔ وہ اسے سکندر شاہ اور فرستادہ خدا کہتے اور انہیں روکا نہ جات تو سکندر کو دیکھتے ہی زمین بوس ہو جاتے۔ شہنشاہ کے روبرو سجدہ عجز و تذلذل کا فعل نہ تھا بلکہ احترام کا فعل تھا اس لیے وہ یہ سمجھتے تھے کہ شہنشاہ کو خدا نے خاص قوت عطا کر رکھی ہے۔ وہ سورج دیوتا اہورا کے شکوہ وجلال اور کوروش کی یاد میں جھکتے۔ اس عمل سے انہیں روکنا آسان نہ تھا۔ فلوٹس ہمیشہ اس روش کا مذاق اڑاتا رہتا۔

سکندر اپنے ساتھیوں کے پاس ملازموں کی فوج دیکھتا تو ان کی ہنسی اڑاتا۔ وہ کہتا کیا ان لوگوں کو اس لیے رکھ چھوڑا ہے کہ تمہارے لیے غور و فکر بھی یہی کریں گے اور تمہارے سارے کام بھی یہی انجام دیں گے؟ اگر یوں اپنا کام دوسروں پر رکھ چھوڑو گے تو ظاہر کہ ہے نہ تمہاری تندرستی بحال رہے گی اور نہ تم پہلے کی طرح گہری نیند سو سکو گے۔ لیکن اس قسم ک انتباہات چنداں موثر نہ تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سکندر کے پاس نئے ایرانی معلمون اور ہفااسشن کے مجوسیوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ ہفااسشن بھی سکندر کی طرح ایرانیوں کے ساتھ دوستانہ روابط پیدا کرنے میں لگا رہتا تھا۔ وہ کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا تاکہ ان کے طور طریقوں میں مشاقی بہم پہنچا لے۔ فلوٹس اور کریٹرس جیسے کماندار کا طریقہ یہ تھا کہ ایرانیوں کو مفتوح سمجھ کر برابری کا درجہ نہ دیتے اور بالا دست مقدونوی حکمرانوں کی اطرح ان سے برتاؤ کرتے۔۲

کرائیٹرس ہمیشہ ہفاسشن پر چوٹیں کرتا رہتا۔ وہ کہتا کہ ہفاسشن ایرانیت کا محب وطن بن گیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو گرا لیا ہے۔ سکندر اس قسم کے ذاتی جھگڑوں پر متوجہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ اس نے کہا ہفاسشن سکندر کا دوست ہے کرائیٹرس بادشاہ کا دوست ہے۔ دونوں یکساں وفادار ہیں۔ اس سلسلے میں فلوٹس کا ذکر قطعاً نہ کیا۔

جب نئے علاقوں کی طرف فوج کے کوچ کی نوبت آئی تو سکندر کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے ساتھ لاؤ لشکر کتنا وسیع ہو چکا ہے وہ ایسے ساتھیوں سے یہ تو نہ کہتا کہ ملازموں کو چھوڑ دو لیکن کوچ کے دوران جگہ جگہ ان تمام افراد کو الگ کرتا جاتا۔ جن کی ضرورت نہ ہوتی۔ راستے کے مختلف مقامات پر برہمنوں کو بھی چھوڑنا پڑتا تا کہ وہ پہاڑی سلسلوں کو کاٹ کر راستے بنائیں اور گردو پیش کے علاقوں کی چھان بین کریں لیکن وہ بھی جانتا تھا کہ اور فوج بھی جانتی تھی کہ اب کوچ کے لیے کوئی فوجی ضرورت باقی نہ رہی۔

سکندر اپنے افسروں کو زیادہ خطرناک شکار کرنے کے لیے اکساتا۔ ایشیائیوں کو ایسے خطرناک مشاغل سے بڑی دلچسپی تھی۔ خود سکندر گھوڑے سے اتر کر اور ایک چھوٹی برچھی لے کر شیروں کے پیچھے نکل جاتا۔ ظاہر ہے کہ شکار کا یہ طریقہ ہرگز حفاظت کی مصلحتوں کے مطابق نہ تھا۔ سپارٹا کا ایک یرغمال بھی اس کے ساتھ تھا۔ جسے اہل سپارٹا نے شہنشاہ ایران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے شکار کے ایک موقع پر سکندر کو خطرہ مول لیتے ہوئے دیکھا تو تعریض کے طور پر کہا میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں وحشیوں میں سے زیادہ شاندار کون ہے یعنی شیر یا سکندر۔

سکندر کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ اسے اپنے افسروں کے شخصی معاملات میں پہلے کی طرح زیادہ تعلق نہیں رہا۔ صرف ان رجمنٹوں کو چھوڑ کر جو ہر وقت سکندر کے ساتھ تھیں۔ مقدونوی فوج کے عناصر ساڑھے چھ لاکھ مربع میل کے عناصر ہیں۔ سوائل حمل و نقل پر جگہ جگہ بکھرے پڑے ہیں۔ اگرچہ قاصدوں کے نظام کو نئے اصول پر مرتب کر لیا گیا تھا۔ لیکن سکندر کی پیش قدمی کے مرکز سے مصر میں سکندریہ تک خط پہنچتے پہنچتے قریباً دو

مہینے لگ جاتے۔ بلند پایہ فوجی افسر دور افتادہ مرکزوں میں بٹ گئے تھے۔ مثلاً صور بابل ایکتباناہ اور رے۔ سکندر نے ان کے ساتھ قاصدوں کے فیصلے سے تعلق قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن ظاہر ہے کہ فاصلہ بہت زیادہ تھا اور گہرا تعلق قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔ جیسے جیسے وہ مشرق کی طرف بڑھتا گیا اسے خود ہی تمام معاملات کے فیصلے کی نوبت آتی رہی۔ گویا ذمہ داری کا پورا بوجھ صرف ایک آدمی پر آپڑا تھا۔ ایک اہم معاملہ یہ تھا کہ فوج کو رسد کیوں کر ملے' اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لازم تھا کہ وہ ان تمام مقامات میں موسمی پیداوار کا پورا اندازہ کرلے جو پیچھے چھوڑ رہا تھا اور جن کی طرف سے پیش قدمی جاری تھی۔ پیداوار میں غلہ اور چارہ دونوں شامل تھے۔ وسیع صوبوں کے انتظامات میں دوعملی نے لاانتہا پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس نے ایرانی گورنروں کو بحال رکھا تھا اور ان کے ساتھ مقدونوی افسر بطور مشیر لگا دیے تھے۔ ضروری تھا کہ دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہتے۔ لیکن اختلافات ناگزیر طور پر رونما ہوتے رہتے تھے۔ سکندر کو انہیں دور کرنا پڑا۔ فلوٹس کو یہ اعتراض تھا کہ جن علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر آرہے ہیں ان میں نظم و نسق کے ذمہ داروں کو فوجی حاکموں کے برابر درجہ دے دیا گیا ہے۔ وہ اسے ایک بہت بڑی مصیبت سمجھتا تھا اور خود اس نے تجارتی شاہراہوں کی حفاظت کے سلسلے میں دیوانی حاکم کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ان زمینوں کے حکمران ہیں۔ لوگوں کے خدمت گار نہیں۔

سکندر غیر مساوی آزادی کی حفاظت کے معاملے پر کسی اختلاف کا روادار نہ تھا۔ وہ بار بار سمجھاتا تھا کہ یہاں معاملہ فتح و تسخیر کا نہیں بلکہ ایک عالمی نظام حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے دارا کی لاش پرسی میں دفن کرنے کا حکم دیا تو تمام آداب ملحوظ رکھنے کے متعلق تفصیلی احکام جاری کیے۔ دارا کے نوجوان بیٹوں کو اپنے ساتھ رکھا اور دارا کی والدہ کے مشورے سے ان کی تعلیم کا انتظام کیا۔ انہیں یونانی زبان بھی سکھائی اور فوجی تربیت بھی دی۔

نئے فوجی مرکزوں سے کوچ کے احکام اور معمولی رپورٹیں آتیں تو انہیں پڑھنے میں گھنٹوں صرف ہو جاتے ۔ بہ ایں ہمہ سکندر یہ کام بھی انجام دیتا۔ ایک حکم اس کی نظر سے گزرا جس میں آئی گائی کے یوری لوچس ۳ کے متعلق لکھا تھا کہ اسے جسمانی اعتبار سے نا اہل قرار دے کر گھر جانے کی اجازت دے دی جائے سکندر نے سبب پوچھا تو واضح ہوا کہ یوری لوچس کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں البتہ وہ واپس جانا چاہتا ہے۔ سکندر نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ جیوری لوچس نے اقرار کیا کہ میری صحت اچھی ہے ۔ بیماری پر رخصت لے کر اس لے جانا چاہتا ہوں کہ بندرگاہ پر میں ایک محبوبہ کو چھوڑ آیا ہوں۔ سکندر نے پوچھا تم اسے چھوڑ آئے ہو تو اب وہ کس کے پاس ہے؟ یوری لوچس نے جواب دیا کسی کے پاس نہیں ایک آزاد طوائف ہے لیکن میرے ساتھ یونان جائے گی۔ سکندر نے لکھ دیا کہ اگر وہ طوائف یوری لوچس کے ساتھ جائے تو اسے مقدونیہ جانے کی اجازت دے دی جائے۔ ساتھ نہ جائے تو یوری لوچس کو واپس کر دیا جائے ۔

سکندر کی پختہ رائے تھی کہ ایشیائی عورتوں سے مقدونوی عورتوں کا سا سلوک کرنا چاہیے۔ ہفاسشن اور پ:یوسیں ٹس جیسے افسر سکندر کی اس رائے سے متفق تھے۔ مقدونویوں کو یونانی عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے ضوابط کا پورا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیویوں کو مردوں سے الگ رہنا چاہیے ارگھر کا کام کاج کرنا چاہیے۔ البتہ طوائفیں ہر آنے جانے والے سے آزادانہ میل جول رکھ سکتی ہیں ۔ لیکن ایشیا میں جو عورتیں باہر پھرتی تھیں وہ صرف نچلے درجے کی تھیں جباقی تمام عورتوں کے ساتھ بیویوں اور بیٹیوں جیسا سلوک ہوتا تھا۔ اگر مقدونوی افسر بھی ان سے نامناسب برتاؤ کرتے تو وہ شکایتوں کے مجاز تھیں ۔ سکندر اس کی پابندی کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اہل مقدونیہ کو یہاں رہنا ہے تو ان پر لازم ہے کہ عورتوں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا حملے سے بیشتر ہو رہا تھا۔

مشغولیتوں کی فراوانی نے اس کی طبیعت پر خاصا اثر ڈالا تھا۔ مثلاً اس کی نیند گھٹ گئی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دیر تک بیٹھا رہتا اور شراب پیتا رہتا۔ پھر طلوع آفتاب کے ساتھ

رسمی عبادت کرتا۔ ناشتے میں بھی مشوروں کا سلسلہ جاری رہتا۔ سو جاتا تو چھتیس چھتیس گھنٹے بے خبر لیٹا رہتا۔ شراب پی چکنے کے بعد اکثر نہا لیتا۔ عام کاروبار میں وہ کسی غفلت اور تساہل کا روادار نہ تھا۔ صحت پر اثر پڑا تو اس کے مزاج میں زود رنجی پیدا ہو گئی۔ افسروں کو جو کچھ کہنا ہوتا وہ مختصر مختصر لفظوں میں کہتے۔ اگر کوئی شخص اس کی بات میں اختلاف کرتا تو اسے سختی سے روک دیتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اس کے مشیروں میں داخل تھے وہ صرف ایسی باتیں کہتے جن سے وہ خوش ہوتا۔ اختلافی بات قطعاً زبان پر نہ لاتے اس لیے کہ وہ خفا ہو جاتا۔ مطلب یہ نہیں کہ وہ خوشامد پسند ہو گیا تھا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کی مدح و ستائش بڑے ذوق و شوق سے سنتا اور جو لوگ دیانت دارانہ نکتہ چینی کرتے تھے وہ خاموش رہتے۔ اس وجہ سے سکندر کو پہلے کی طرح نہ صحیح حالات معلوم ہو سکتے تھے۔ اور نہ کسی معاملے کے تمام پہلو اس پر واضح ہوتے۔

اب پارمینیو سکندر سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ لہٰذا اس کی رائے سے بھی محرومی ہو گئی تھی۔ اور دوسرے پرانے فوجی افسر بھی ادھر ادھر بکھر گئے۔ ہفاسشن بڑا اچھا نائب السلطنت تھا۔ ایرانیوں نے اسے وزیر کا لقب دے دیا تھا۔ کریٹرس گوڈویژن کا بہترین کماندار تھا لیکن ان دونوں جیسے افسر ان آدمیوں کی پختہ کاری کا بدل نہ بن سکتے تھے۔ جنہوں نے فیلقوس کی آنکھیں دیکھی تھیں اور جو فوج کو مقدونیہ سے صور تک بڑے اطمینان کے ساتھ لے آئے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سکندر کے دل میں حکمرانی کا جو نیا تصور پیدا ہو چکا تھا اس میں پرانے فوجی افسروں کے لیے موزوں جگہ بھی باقی نہ رہی تھی۔

فلوٹس کے قتل کے متعلق بہت سی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں اسے ایک طوائف مل گئی تھی جس کا نام اینٹی گون ۲۴ تھا اور وہ پدنا ۵ کی رہنے والی تھی ممفس کے قیام کے زمانے میں فلوٹس کے متعلق مبالغہ آمیز باتیں کہنی شروع کر دی تھیں۔ مثلاً یہ کہ فلوٹس نے بتایا مقدونیہ کی فتح مندیاں میری اور میرے والد (پارمینیو) کہ ہمت و

کامرانی کا نتیجہ ہیں۔ نوجوان اور ناتجربہ کار سکندر ایسے کارنامے انجام نہ دے سکتا تھا۔ سکندر نے یہ سنا تو اینٹی گون کو بلوایا اور اس سے استفسار کرتا رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ باتیں اس نے بھلا دی ہیں۔

بلاشبہ فلوٹس بڑا سرکش اور متمرد آدمی تھا۔ وہ سکندر کی طرح روپیہ اور خلعت بے پروایانہ دیتا رہتا تھا اور انتہائی حماقت سے ذاتی معاملات میں برابر سکندر کی مخالفت کرتا۔ چونکہ وہ منتخب فوج خاص کا کماندار تھا۔ اس لیے فوج میں اس سکندر کے برابر اثر و رسوخ حاصل تھا۔

اس اثنا میں اطلاع ملی کہ ایک لڑکے نے سکندر کے خلاف سازش کی کہانی سنی اور فوراً فلوٹس کو جا کر سنا دی۔ فلوٹس نے اس کے بارے میں سکندر سے کوئی ذکر نہ کیا۔ جب اسے غفلت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تو اس نے کہا کہ میرے نزدیک یہ کہانی نا قابل اعتماد تھی۔ بس اس واقعے پر سکندر کا غصہ بھڑک اٹھا۔ حقیقت یہی ہے کہ سکندر نے غصے کے جنون میں فوج خاص کے سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ فلوٹس کو برچھیاں مار مار کر قتل کر دے۔ ساتھ ہی تین افسروں کو انتہائی تیزی سے ایکتبانہ بھیج دیا گیا تاکہ پارمینیو سے کمانداری کا منصب لے لیا جائے اور اسے کسی پرسش یا مقدمے کے بغیر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ آریاں لکھتا ہے کہ فلوٹس کو قتل کرا چکنے کے بعد سکندر کو غالباً یہ ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ پارمینیو کو ایسے اہم مرکز میں فوج کا کماندار اور خزانے کا محافظ نہ رکھنا چاہیے۔ پارمینو کے دو بیٹے اس سے قبل مختلف لڑائیوں میں مارے جا چکے تھے۔

سابق سپہ سالار اور فوج کے خاص کماندار سے اس درجہ بے رحمانہ سلوک کے لیے سکندر نے کوئی معذرت پیش نہ کی۔ بلاشبہ اس فعل کا ارتکاب غصے کی حالت میں ہوا لیکن اس سے پہلے وہ مدت تک اس پر غور و فکر کر چکا تھا۔ اس واقعے نے دوسرے افسروں کے دل میں حد درجہ دہشت پیدا کر دی۔ ایکتبانہ کا انتظام دو افسروں کے درمیان تقسیم کر چکنے کے بعد سکندر نے فوج خاص کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کی کمان ہفاسشن کو

دے دی اور دوسرے کی کلائنٹس کو جو بیماری سے صحت یاب ہو چکا تھا۔ یہ دونوں کماندار بے چون و چرا سکندر کے حکم کی تعمیل کرتے اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے سوا انہیں کوئی کام نہ تھا۔

پھر سکندر نے ایشیائیوں کے نمونے پر سواروں کی ایک رجمنٹ ترتیب دی۔ جن کے پاس ہلکے ہتھیار رہتے۔ مقدونوی رسالے کے لمبے لمبے نیزے نہ ہوتے تھے۔ تھسلی کے جن سواروں نے ایشیاء میں ٹھہرے رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی وہ اس رجمنٹ میں شامل تھے۔ ایرانی افسر بھی اس میں بھرتی کے لیے اس طرح فوجی کونسل کی وہ ہئیت بھی تبدیل ہوگئی جو ابتدا سے مقدونیہ کے خاص افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی۔ غرض آہستہ آہستہ مقدونیہ کہ وہ فوج جو جاگیرداری کے نظام پر مبنی تھی' تبدیل ہو کر مفتوحہ علاقے میں انتظامی پولیس کی حیثیت اختیار کر گئی تھی اور تنہا سکندر کو آمر و حاکم کی حیثیت حاصل تھی۔ عام سپاہ کا انحصار بھی صرف سکندر پر رہ گیا اور اب اسے سکندر کے سوا کوئی واپس بھی نہ لے جا سکتا تھا۔

اس اثنا میں مقدونوی فوج کا وہ حصہ جو سکندر کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ فوج کو یہ معلوم تھا کہ وہ سطح ارض پر کہاں ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ خود وہ مقام کس جگہ ہے جس نقشے کے مطابق وہ لوگ کوچ کرتے آ رہے تھے اس کی آخری حد ختم ہو چکی تھی اور اب وہ ایسے حصے میں سفر کر رہے تھے جو ابھی تک نقشے پر نہ آیا تھا۔ سروئیر روزانہ کوچ کا فاصلہ لکھتے جاتے تھے۔ صحرائی علاقوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ پیائش غالباً چھڑی کے سایے کی بنا پر ہوتی تھی۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد وہ سایے کی پیائش کر لیتے۔ سب سے چھوٹا سایہ دوپہر کے وقت ہوتا تھا۔ اس طرح وہ دن بھر کے طے کردہ فاصلے کا اندازہ کر لیتے تھے۔ اب مصر اور کلدانیہ ک ہئیت دان بھی فوج کے ساتھ تھے اور ان کی امداد سے زیادہ صحیح اندازہ کر لینا مشکل نہ تھا۔ یہ ستاروں کو پرسی پولس یا ایکتبانہ یا قدیم شہر دے کر پاس دمانوند پہاڑ کے تعلق میں تو اپنے مقام کا اندازہ ہو سکتا تھا لیکن

یونانیوں کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق زمین کے متعلق جو اندازہ ان کے سامنے تھا وہ بابل دجلہ اور فرات پر ختم ہو چکا تھا۔ ارسطو اور یونانیوں کے اندازے کے متعلق ربع مسکون کی مشرقی حد دوآبے پر ختم ہوتی تھی۔ گویا اہل مقدونیہ صور یا جبل الشیخ یا دہانہ نیل کے تعلق میں اپنے مقام کا اندازہ نہ کر سکتے تھے اور ایرانی سائنس دان بھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنے سے قاصر تھے۔ دارا کے تعاقب میں انہیں ان امور کے غور و فکر کا نہ موقع مل سکا اور نہ مہلت۔

دارا مر چکا تھا تو اہل مقدونیہ کو یہ سوچنا پڑا کہ وہ کہاں ہیں؟ وہ اب مشرق و مغرب کے درمیان اس بڑی تجارتی شاہراہ پر جا رہے تھے جس کے کنارے ایک ایک دن کی مسافرت پر گاؤں بکھرے ہوئے تھے۔ جنوبی سمت میں صحرائی میدان واقع تھا جہاں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں خیالی شہر نظر آتے اور غروب آفتاب کے ساتھ وہ غائب ہو جاتے۔ شمالی سمت میں دماوند کی پہاڑی دیوار کھڑی تھی۔ یہ وہی دیوار تھی جو ایکتبانہ سے نظر آ رہی تھی اور جسے وہ باب سلیشا پر چھوڑ کر سرخ رنگ کے گرم میدان میں داخل ہوئے تھے۔ باب سلیشا پر انہیں بتایا گیا تھا کہ اس سلسلہ کوہ کا نام طارس ہے وہ سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک وہ طارس کے سامنے موجود ہیں لیکن ایرانیوں کو ایسے کسی نام کا علم نہ تھا۔

پھر وہ ایک خم دار ندی پر نمودار ہوئے جس کا پانی حد درجہ ٹھنڈا تھا۔ اور اس کے کنارے پر بہت بڑے بڑے درخت تھے سمجھا جاتا ہے کہ وہ ندی پر پہنچ گئے تھے جو چاشگیر ان نام گاؤں کے پاس سے گزرتی تھی۔ دامغاں نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ دامغاں کا پرانا نام ہیکاٹوم فی لائی یعنی سو دروازے تھا) اس ندی کے ساتھ ساتھ شمالی جانب مڑے تو مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس پہاڑی دیوار سے گزر کر وہ اس بڑے زمین بند سمندر پر پہنچ جائیں گے جو خدا جانے شمالی سمت میں کہاں تک پھیلا ہوا ہے اس سمندر کے کنارے تک چار منزلیں تھیں۔

سکندر تجارتی شاہراہ کو چھوڑ کر فوراً غیر معلوم سمندر کی طرف گیا۔ فوج چیڑ کے جنگلوں میں سے گزری جہاں کے جنگلی باشندے بلند پہاڑیوں پر کھڑے حیرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اسی طرح وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ جہاں کا پانی میٹھا تھا اس لیے کہ بہت سی ندیاں اس مقام پر سمندر میں گرتی تھیں۔ یہاں بحری پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ موجود تھے اور ماہی گیری کے لیے چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں۔ دراصل یہ بحریہ قزوین کا جنوبی کنارہ تھا لیکن اہل مقدونیہ کے پاس اس کا صحیح نام معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ماہی گیر اسے پرندوں کا سمندر یا بحیرہ گیلاں یا بحیرہ پارتھیا قرار دیتے تھے۔ لیکن اس سے اصل مسئلہ حل نہ ہوا۔ بلاشبہ کنارا بڑا بارونق اور زرخیز تھا۔ اور سمندر بہت بڑا معلوم ہوتا تھا اب یونانی نقشے کے عالموں اور سرویئروں کے درمیان بحث کا سلسلہ گرم ہو گیا۔ نقشے کے عالم کہتے تھے کہ مشرقی سمت میں سمندروں کا ایک زنجیرہ پھیلا ہوا ہے۔ پہلے بحیرہ روم ہے۔ پھر بحیرہ اسود پھر ایک چھوٹا سا سمندر ہے (جسے آج کل بحیرہ کریمیا ۶ کہتے ہیں) یہ بھی سمجھا جاتا تھا اس آخری سمندر کے کھڑے پانیوں اور نمکین تہ میں بے شمار سانپ پھر رہے ہیں ودریائے تنائس ۷ اسی میں گرتا ہے اور اس کے آگے وہ سطح مرتفع ہے جو سرزمین ۸ تاریکی کے آخری کنارے تک چلی جاتی ہے۔ جہاں دیونیاں رہتی ہیں یونانی نقشے پر یہ آخری سمندر تھا۔ البتہ بتا دیا گیا تھا۔ اس نے آگے مشرقی سمت میں ایک بڑی جھیل پھیلی ہے لیکن کو صحیح اتا پتا نہ بتایا گیا تھا۔ غرض نقشے کے عالم کہتے تھے کہ ہم کوہ قفقاز کو عبور کر کے بحیرہ میوٹڈ ۹ کے کنارے پہنچ ہیں۔ جہاں سے دریائے تنائس قریب ہے جو سمندر سامنے تھا اس کا پانی میٹھا تھا مگر سانپ وہاں نظر نہ آتے تھے لیکن اس کے برعکس سرویئر اور ایرانیوں کی رائے دوسری تھی۔ وہ کہتے تھے ہم طارس کے بڑے سلسلے سے گزر چکے ہیں۔ جسے زمین میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور اب نیم افسانوی مشرقی سمندر کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ جو شمالی جانب کے سمندر سے ملا ہوا ہے اور اس آخری سمندر نے زمین کو گھیر رکھا ہے۔

سکندر نے ابتدا میں نقشے کے عالموں سے اتفاق کیا۔ پھر اسے یقین ہو گیا کہ سرویئروں کی رائے درست ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ وہ مشرق کی طرف بہت آگے نکل آئے ہیں اور ربع مسکوں یونانیوں یا ارسطو کے اندازے سے کہیں آگے مطلع آفتاب کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔

اس امر سے سکندر کے دل پر بہت خوشگوار اثر پڑا لیکن فوج کے اکثر آدمیوں میں تشویش پھیل گئی۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ قفقاز کی بلندی پر پرومیتھیس کو زنجیروں سے باندھا گیا تھا اور اس کے پاس ہی سے بہادر ارگوناٹ واپس ہوئے تھے۔ اگرچہ شجاعت کا دیوتا ہرقل ان کے ساتھ تھا جن کا مقابلہ کوئی نہ کر سکتا تھا اور ساحرہ میڈیا بھی اپنے جادو کے کرشمے دکھانے کے لیے موجود تھی۔ تھریس کا عامی سے عامی گھوڑے پال بھی جانتا تھا کہ ارگوناٹ والوں نے سنہری اون لے لی تھی۔ پھر وہ بھاگ کر دریائے تنائس میں داخل ہو گئے تھے پس اگر فوج قفقاز کو پیچھے چھوڑ آئی تھی تو وہ غیر معلوم مشرقی سمندر کے پیچھے پہنچی ہوئی تھی اور زمین کے آخری حصے کے قریب آ گئی تھی۔ اس کے بعد تاریکی کا پردہ چھایا ہوا تھا یا وہ بھوت پریت رہتے تھے جنہیں انسانوں کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ ممکن ہے دیونیاں بھی وہیں رہتی ہوں۔

بطلیموس نے کہا کہ ہم اتنی فوجوں کو شکست دے چکے ہیں اب دیونیوں سے ڈرنے کی کون سی وجہ ہے۔ جن افسروں نے یونانی کتابوں میں ارگوناٹ کے کارنامے پڑھے تھے۔ انہوں نے کہا یہ سمندر تو زمین کے آخری کنارے سے مشابہ ہے۔ اس کے اردگرد درختوں کے جھنڈ کھڑے ہیں جہاں خاموشی کبھی نہیں چھا سکتی۔ لہروں کا شور مسلسل جاری رہتا ہے دریائے آشیرون کے اوپر سے ہوائیں آتی ہیں اور یہ دریا مشرقی سمندر میں گرتا ہے۔

وہیں انہیں ایک شہر نظر آیا جہاں کے سادہ لوح باشندے بڑے عمدہ برتن اور سونے کے پتروں کے پیالے بناتے تھے۔ ان لوگوں نے فوج کبھی نہ دیکھی تھی۔ اہل مقدونیہ نے

اس کا نام درہ کارنا ۱۰ (موواد ہ استرا باد یا جرجان) رکھا۔ وہ زمین کی زرخیزی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پاس ایک پہاڑ لامتناہی مرغزاروں سے بہتا آ رہا تھا۔ وہاں انگوروں کی کاشت نہ ہی تھی۔ جہاں شراب بنائی جاتی تھی لیکن مقدونوی کاشتکار جانتے تھے کہ یہ خطہ انگوروں کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہے۔

وہ کچھ دور آگے گئے تا کہ مرغزاروں کیا معائنہ کر لیں جہاں لمبی لمبی گھاس کھڑی تھی۔ ہوا چلتی تو اس گھاس کا رنگ بدلتا رہتا۔ مقدونیہ کی جنگ وادیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں یہ وسیع میدان بہت غیر طبعی معلوم ہوتا تھا۔ ایسے ہی معائنوں کے دوران میں خانہ بدوش بربری ایک گھوڑا چرا کر لے گئے اور سائسوں کو بھی ساتھ پکڑ کر لے گئے۔ یہ گھوڑا سکندر کا بیوسی فالس تھا۔ اس نے فوراً اردگرد پیغامات بھیج دیے کہ اگر گھوڑا واپس نہ ہوا تو تمام خانہ بدوشوں کے خیمے جلا دیے جائیں گے لیکن گھوڑا بہت جلد واپس کر دیا گیا۔ اور امن قائم ہو گیا لیکن سکندر نے دریا کے ساتھ مستقل گارڈ مقرر کر دی تا کہ پھر حملہ نہ ہو سکے۔ (پہاڑی سلسلے کے ساتھ ایک دیوار بنائی گئی تھی جسے بعد کے زمانے میں سد سکندر .....سکندر کی دیوار اور آج کل کے ترکمان قبیلوں نے اس کا نام سرخ سانپ رکھا ہے۔ اس لیے کہ وہ سرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ اور ترکمان سطح مرتفع کے جنوبی ڈھلوان پر خم کھاتی ہوئی آئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بحیرہ قزوین کے دوسرے کنارے پر شہر دربند کے نزدیک بھی ایک دیوار بنی ہوئی ہے۔ جس کا نام سد سکندری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے یہ دیوار تاہ کار یا فوج ور ماجوج ۱۱ کو روکنے کے لیے بنائی تھی۔

سکندر نے فوج کو ٹھہر کر ستانے کی اجازت دے دی اور اس اثنا میں مشرقی سرزمینوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا۔ جو اطلاعات ملیں ان سے دل میں آگے بڑھنے کا جوش پیدا ہو گیا۔ یہاں بحیرہ روم یا مغربی خطوں کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ تھا (لوگ اہل مقدونیہ کو یونانی کہتے تھے) اب ان کا رخ مشرقی سمت میں اشکانیوں کی طرف تھا یعنی ستھیا کے گھوڑے پالنے والے قبیلے جو مشرقی مرغزاروں میں رہتے تھے اور زبردست

نسائی گھوڑے پالتے تھے لوگوں نے بتایا کہ اب سکندر آگے بڑھے گا تو اس کے راستے میں جائے گا جہاں سے آریا سرزمین آفتاب یا سرزمین کردش کی جانب آئے تھے۔ اسی طرح وہ ان دو دریاؤں پر پہنچ جائے گا جو بہشت سے نکلے۔ ایک دریائے ریگ اور دوسرا دریائے بحر...... جس طرح وہ دجلہ و فرات سے گزر کر آیا تھا اسی طرح بڑھتا چلا گیا تو عظیم الشان پہاڑوں کے سلسلے پر پہنچ جائے گا۔ جن کی چوٹیاں درختوں سے لبریز ہیں۔ وہاں پرندے نہیں ملتے اور زدرہ کارنا کی پہاڑیاں اسکے سامنے ہیچ ہیں۔ سکندر اسی جانب جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ مصلحت اور احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ایکتبانہ واپس جا کر اپنے نظام حکومت کو مکمل کرتا یونانی عالموں نے اپنے نقشے ایک طرف رکھ دیے سائنس دان غیر معلوم خطے کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لگ گئے۔ ایرانی افسروں کو بھی زورہ کارنا کے آگے صرف مبہم معلومات حاصل تھیں۔ فوراً رے اور ایکتبانہ کی طرف احکامات بھیج دیے گئے کہ کمکی فوجیں مشرقی جانب روانہ کی جائیں اور اس لیے کہ سکندر دنیا کے آخری حصے کی طرف روانہ ہو گیا ہے فوجیوں کے نزدیک یہ عمل سراسر دیوانگی پر مبنی تھا۔

عام سپاہی بھی ان باتوں کو سمجھ رہے تھے کہ جو فلسفیوں کو بھی سکھائی نہ گئی تھیں۔ انہیں آگے جانے کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آتی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سکندر اپنے دل میں ان حالات پر قابو پالینے کا جذبہ محسوس کر رہا ہے جس پر آج تک کوئی انسانی قائد قابو نہ پا سکا۔ یہاں سرحدیں گم ہو چکی تھیں اور یونان کی طرح انہیں کسی سرزمین کے حدود قائم شدہ دکھائی نہ دیتے تھے۔ بے شک تجارتی شاہراہ مشرق کی طرف جا رہی تھی اور ان سرخ پہاڑوں کے درمیان وہ پیچ و خم کھاتی ہوئی نظر آتی تھی جس پر کوئی روئیدگی نہ تھی اور اس کا نام انہوں نے طارس رکھا تھا۔ یہ طارس آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور فوجی دن بھر کے کوچ کے بعد بھی یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ وہ قریب تر آ گئے ہیں۔ اب وہ متعارف نشان نظر نہ آ رہے تھے بلکہ کہیں اجڑا ہوا مندر یا اگتی ہوئی بیل دیکھتے تھے۔ ہوا برفستانی تھی۔ اس میں سے گزرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ سکندر ان میں سے آگے یہاں پہنچا ہوا

ہے اور اس کی منزل مقصود کیا ہے خنکی آئی گائی کے موسم سرما سے بھی کچھ بڑھ گئی تھی۔ ہرکارے کہتے ہیں کہ سکندر اپنے نام پر مزید شہر آباد کرنے کا خواہاں ہے۔

وہاں عجیب وغریب نمونے آئے جنہیں فوراً ساحلی علاقے کی طرف بھیج دیا گیا ہے تاکہ انہیں یونان پہنچا دیا جائے مثلاً تارپین کا درخت جس کی چھال میں شگاف کر دینے سے مہکیلا رس بہہ نکلتا تھا (تارپین کا تیل) سلفیم جس کی خوشبو تارپین سے بھی تیز تھی۔ ان درختوں کے رس سے طبیب مرہم بناتے تھے۔ پتھروں کی مہین اور شفاف سلیں بھی آئیں۔ جنہیں انگلیوں سے پھاڑا جا سکتا ہے۔ اور ایسی بکریاں بھی جن کے بال ریشم کی طرح ملائم تھے تجارتی شاہراہ پر محافظ فوج کے جو دستے جابجا تھے تھے وہ ہرکاروں سے پوچھتے کہ سکندر کیا کر رہا ہے۔ انہیں بتایا جاتا کہ کھانا کھانے کے وقت وہ ایک سنہری پلنگ پر استراحت پذیر ہوتا ہے۔ اس نے اپنے خود کے اوپر دو سفید پر لگا لیے ہیں جو عقاب کے پروں سے مشابہ ہیں اس نے ایک بے رئیس قبیلے کو اس بنا پر احترام کے قابل سمجھا کہ اس قبیلے نے ایک سابق شہنشاہ کروش کو مدد دی تھی۔ اور جب وہ تنہا ہوتا تو اپنے خیمے میں خوشبوئیں جلاتا ہے۔

جب وہ بلندیوں پر پہنچ گئے تو رسد تھڑ گئی۔ اس لیے کہ سردی کا زمانہ تھا۔ ۲۹۔۳۰ ق م کا موسم سرما...... ان بلندیوں پر کھانے پینے کی چیزیں نہ ملتی تھیں سپاہی سمجھ رہے تھے کہ زمین کا سب سے اونچا حصہ ہے۔ اب وہ جو اور پنیر نیز خچروں کے گوشت اور سلفیم پر گزارا کرنے لگے۔ مہم کے دوران انہیں پہلی بار بھوک سے سابقہ پڑا تھا (وہ اس وقت افغانستان کی شمالی سرحد کے قریب تھے) وہ اٹل فرنگی جلاتے تھے اور تیز ہوا سے بچنے کے لیے چٹانوں کی پناہ لیتے تھے۔ وہاں انہوں نے نیا چاند دیکھا۔ وہ سمجھتے اس نئے چاند کی گاڑی میں ملکہ وحوش سوار چلی جا رہی ہے۔ گرد وغبار اور سوکھا ہوا گوبر ان کے اردگرد موجود تھا۔ یہ چیزیں انہیں پسند نہ تھیں آدمی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ شہر اور باشندے مویشی اور کتے ان کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ کبھی کبھی روشنیاں نظر آتیں وہ سمجھتے کہ جن نظر آ

رہے ہیں۔ جب وہ مشعلیں لے کر ان کے تعاقب میں دوڑتے تو تنگ گھاٹیوں میں گر جاتے۔

غرض اوپر نیچے بدشگونیوں کا ہی زور تھا۔ کریٹیرس نے ایک ہٹ بڑے گرگٹ کا تعاقب کرتے ہوئے ران میں زخم کھایا۔ جن آدمیوں نے اس حادثے کا مشاہدہ کیا تھا انہوں نے بتایا کہ گرگٹ دراصل ایک اژدھا تھا۔ ممکن ہے وہ ملکہ وحوش کا خدمت گار ہو اس لیے کہ جب کریٹیرس کے زخم لگا تو یہ اژدھا فوراً غائب ہو گیا۔ سپاہی یہ خبر سن کر اداس ہو گئے۔ وہ کریٹیرس کو بہت چاہنے لگے تھے۔

اب سکندر غیر محسوس طور پر سپاہیوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں کریٹیرس ہی سے کام لیتا۔ اس یے کہ اس خود اسے میل جول کا زیادہ موقع نہ ملتا تھا۔ اور سالخوردہ سپاہی کریٹیرس کو اس کام کے لیے پسند بھی کرتے تھے کہ اس نے مقدونوی عادات و خصائل برقرار رکھے تھے اور ایشیائیوں کے طور طریقے اختیار کرنے پر راضی نہ ہوا تھا۔ ہفا اسشن نے ایرانی طریقے بڑے شوق سے اپنا لیے تھے اور سکندر اسے ایشیائی عناصر کے تعلق میں کام لیتا جن کی تعداد روز افزوں تھی۔

ان حالات میں کریٹیرس اور ہفا اسشن کے درمیان کشمکش کے اسباب پیدا کر دیے اور وہ روزانہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے یعنی کیمپ کہاں لگے چارے کا انتظام کیا ہو؟ ایرانی مردہ جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اور مقدونیوں کو بھیڑوں کے گوشت کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ ملتا تھا۔ جب رسد میں کمی آئی تو طبیعتوں کی تیزی میں اضافہ ہو گا ایک مرتبہ فوج خاص کے دونوں کماندار آپس میں جھگڑ پڑے۔ سکندر موقع پر آ پہنچا۔ اس نے ہفا اسشن کو ڈانٹ پلائی اور کریٹیرس کو ایک طرف لے جا کر سمجھایا۔ ساتھ ہی آمن رع کی قسم کھا کر کہا کہ اگر پھر کبھی ایسا جھگڑا ہوا تو دونوں کو فوجیوں کو سامنے قتل کرا دوں گا۔ یا کم از کم اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا جو جھگڑا شروع کرنے کا مجرم ٹھہرے گا۔ پھر ان کے درمیان جھگڑے کی نوبت نہ آئی۔ وہ دونوں بڑی احتیاط

برتتے تھے۔ نیز دوسرے زیادہ توجہ طلب مسائل سامنے آ گئے تھے یعنی فوج پر حملے شروع ہو گئے تھے۔

دنیا کے اس انتہائی بالائی حصے کی ہوا کی طرح حملے بھی بڑے ہی تیز تھے۔ کم از کم اس قسم کے حملوں کا تجربہ یونانیوں کو مغربی حصوں میں نہ ہوا تھا۔ حملہ آور ندی نالوں کی گہرائیوں سے اچانک گھوڑوں پر نمودار ہوتے اور نقصان پہنچا کر انتہائی تیزی سے رفو چکر ہو جاتے۔ سڑک پر جو چوکیاں قائم کی جاتیں۔ رات کے وقت ان پر حملے ہوتے اور پہرے دار ختم کر دیے جاتے۔ جب فوج کو انتقامی اور تادیبی کارروائیوں کے لیے پہاڑوں میں بھیجا جاتا تو آدمیوں یا مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کے گلوں کا کوئی نشان نہ ملتا۔ البتہ زمین پر آدمیوں کے چلنے کے نشان ضرور ہوتے۔ سکندر کے فوجیوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خود پہاڑوں نے اپنے آپ کو مقابلے کے لیے مسلح کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اب خود مقامی باشندوں نے مزاحمت شروع کر دی تھی۔ یہاں وہی آریا رہتے تھے۔ جنہوں نے مقدونویوں کی طرح کبھی کسی فوجی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ وہ مقدونویوں کو فرنگی اجنبی اور کافر سمجھتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رے سے جو شرقی سمت میں سلطنت ایران کا آخری بڑا شہر تھا کوئی ایک ہزار میل آگے آ چکے تھے۔ سکندر یہ چاہتا تھا کہ ان قبائل کو اپنی شیرینی گفتار سے رام کرے لیکن مصیبت یہ درپیش تھی کہ انہیں جمع نہیں کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی ان سے بات چیت کا موقع پیدا ہوتا تھا۔ جن دو گورنروں نے دارا کو قتل کیا تھا۔ وہ بھی بھاگ کر یہیں آ پہنچے۔ ان میں سے ایک گورنر پکڑا گیا۔ سکندر رتھ پر سوار جا رہا تھا گرفتار شدہ گورنر نے پوچھا کہ تم نے شہنشاہ کو کیوں قتل کیا۔ اس نے جواب دیا کہ صرف میں نے نہیں قتل کیا۔ سکندر تھوڑی دیر تامل میں پڑا رہا۔ پھر حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور گاڑی کا جوا اس کے کندھوں پر باندھ دیا جائے۔ اس طرح اسے ایک جگہ جگہ پھرایا گیا۔ جب اس کا ساتھی پکڑا گیا تو اس کا چمڑا اتروا دیا۔ پھر پہلے اسیر کو سزا دی۔

اب ایک تیز رو دریا پر پہنچے جس کا پانی گدلے رنگ کا تھا۔ رہبروں نے بتایا کہ اس کا نام پرندوں کا دریا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ ام البلاد (مرد) کی طرف جاتا ہے۔۱۲ دریا کے کنارے بھی برف کی گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔ پگ ڈنڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ انہیں پر سے گھوڑے اور آدمی گزرتے رہے۔ جاندار کی ہر شکل ہرگز نظر نہ آئی۔ یہاں پہنچ کر سکندر پیچھے کی طرف مڑا۔ تیز رو دریا کے معانوں نے اس کی فوج کو گزارنا آسان نہ تھا۔ جبکہ دشمن کی طرف حملے ہو رہے تھے۔ اس کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ اور اب مغرب کی جانب مڑ گیا تا کہ موسم سرما کی برف سے لدی ہوئی چوٹیوں کو ایک طرف چھوڑ سکے۔

پہلے وہ صرف چھان بین کے لیے جنوب کی طرف چلا تا کہ معلوم ہو سکے فوج کو کہاں سے رسد مل سکے گی۔ گھوڑوں کو دانہ چارہ پورا نہ ملا تو وہ مرنے لگے۔ ان کی حفاظت کے لیے لازم تھا کہ چارے کے ذخیروں یا عمدہ چراگاہوں پر پہنچتے۔ پھر مقدونویوں نے اس نئے دشمن کے خلاف موثر کارروائی کا گر معلوم کر لیا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ پیش نظر خطے کو چھوٹے چھوٹے ٹکروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور ایک ایک کو تدریجاً صاف کرتے جائیں۔ یوں آریائی قبیلے پیچھے ہٹتے جائیں گے۔ جو مقامات جنگی نقطہ نگاہ سے اہم ہوں گے۔ وہاں شہر آباد کر دیں گے۔ ان کے اردگرد فصیلیں بنا دیں گے۔ ارو ہر مقام پر فوج متعین کر دیں گے۔ شہروں کے اس زنجیرے سے حسب ضرورت ایک دم فوجیں ابل پڑیں گی۔ ان شہروں میں جو لوگ آباد ہوں گے وہ فوج کی حفاظت میں کھیتی باڑی کریں گے۔ اس طرح ہر جگہ غلے اور چارے کے ذخیرے جمع ہوتے جائیں گے۔

سکندر نے ابتداً اس تو نہ بتایا لیکن آگے چل کر کہا کہ جو لوگ بیمار یا بوڑھے ہوں گے انہیں ان شہروں میں آباد کیا جا سکے گا۔ وہ تاجر بھی کہیں نہ کہیں بسا دیے جائیں گے جو فوج کے ساتھ آ رہے تھے۔ محکوموں اور مفتوحوں میں سے قابل اعتماد بھی اس غرض سے چن لیے جائیں گے۔ اس طرح مقدونویوں فوجی افسروں اور غیر فوجی ایرانیوں کی مدد سے ہر شہر میں مخلوط آبادی بس جائے گی اور اس کی حیثیت بین الاقوامی ہو جائے گی' یہ قبض و

تصرف کا نہایت سخت گیرانہ نقشہ تھا۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہو گئیں۔ اول یہ کہ یہاں مقدونیوں کے لیے مقامی نظام حکومت کو بحال رکھنے کی کوئی شکل نہ تھی جیسا کہ انہوں نے مصر میں کیا تھا اور پورے علاقے کو فوجی اعتبار سے فتح کرنا لازم تھا۔ دوم یہ کہ سکندر ان آزاد اور بے چین گروہوں کے مستقل نظام حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور سکندر کو معلوم ہو چکا تھا کہ کوروش اسی کوشش میں مارا گیا تھا۔ اسے اشکانیوں یا ستھیوں نے شمال وشرقی ایشیا کے قلب میں مارا تھا۔

یہ کہہ لینا آسان ہے کہ خیال پرست اور بے باک سکندر نے کوروش کی پیروی کرنی چاہی اور مدعا اس کا یہ تھا کہ سابقہ ایرانی سلطنت کے تمام علاقے اپنے قبضے میں لے آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ تمام قوموں پر یوریشیائی دولت متحدہ کا نظام عاید کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مختلف قوموں کو ملا دے اور بخامنشی کوروش کی طرح امن ورواداری کی بنیادوں پر ایک پائیدار اتحاد قائم کر دے۔ اس نے ایشیائے کوچک میں ایرانی سلطنت کے قدیم حدود پر ایک پائدار اتحاد قائم کرے۔ اس نے ایشیائے کوچک میں ایرانی سلطنت کے قدیم حدود بحال کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ ستھیا اور شمالی ہندوستان کی طرف آیا تھا تو ان حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ اس نے ایشیا کے پرانے شہروں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنے کے بجائے نئے شہروں کی بنیاد ایسے مقامات پر رکھی تھی جہاں ان کی ضرورت محسوس کی اور ان میں بالکل نئے انداز پر آبادیوں کا انتظام کیا۔ اسے یونان کے اقبال مند شہروں کا تجربہ فراموش نہ ہوا تھا۔ وہ ان زرخیز زمینوں میں ایشیائی ایتھنز تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ خواہش نہ تھی کہ ایشیا میں یونانی پیلایا ایتھنز کو ان کی اصل شکل میں زندہ کرے۔ سپارٹا کا اسے خیال بھی نہ آ سکتا تھا بہر حال اس نے ستر سے زیادہ شہروں کی آبادی کا حکم دیا۔

جب اس نے بلندیوں کا چکر کاٹ کر جنوب کا رخ کیا تو ایک وادی کے کنارے سب سے پہلا شرقی سکندریہ بنایا۔ یہاں ایک پرانا شہر ہرائی کے نام سے مشہور تھا۔ (ہرات)

ان کے ساتھ ہی تاجر آباد تھے یہاں اس نے فوج کے اپاہج آدمیوں کی خاصی تعداد چھوڑی۔ان کے ساتھ ہی تاجر اور ایرانی فن کار بھی تھے۔مختلف قسم کی عورتیں، صراف اور طبیب بھی تھے۔ عارضی حفاظت کے لیے مٹی کی فصیل کھڑی کر لی گئی۔شہر میں پتھر کی عمارتیں بھی تھیں۔گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بھی اور بعض لوگوں نے خیمے بھی لگا رکھے تھے۔

برف پگھل گئی تو اس نے جنوب کا رخ کیا اور ہلمند جھیل پر پہنچا۔ جہاں سے گھوڑوں کے نئے گلے پکڑے۔ یہاں مقدونویوں کو ایک تجارتی شاہراہ ملی جو دریائے سندھ سے پرسی پولس جاتی تھی۔سکندر نے تو اسے اختیار نہ کیا لیکن یہ اس کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوئی کئی سال بعد اس نے کریٹرس کو اسی شاہراہ سے ہلمند واپس بھیجا تھا۔موسم بہار میں گھاس اگ آئی اور چارے کے بارے میں کوئی تشویش نہ رہی تو سکندر پھر پہاڑی علاقے کے قلب کی طرف پلٹا۔اس نے مزاحمت کو توڑا اور جگہ جگہ نوآبادیاں قائم کیں۔تسخیر کے اس کام میں دو سال لگ گئے۔ یہ کشمکش اس کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھی۔اسے نہ ان بلندیوں کا پہلے سے کوئی اندازہ تھا۔اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان میں کتنے لوگ آباد ہیں (حقیقت میں وہ موجودہ بلوچستان کی شمالی سرحد سے چال اور افغانستان کے بیچ میں سے ہوتا ہوا شورائیہ راس کی جمہوریہ ترکمان اور جمہوریہ روزبک سے گزر کر اس خطے میں پہنچا۔ جس کا نام نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ سفر ہو چکا تو بلند پہاڑوں کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے درہ خیبر سے گزر کر وادی سندھ میں پہنچنے تک اس کی فوج نے تین ہزار نو سو میل کا فاصلہ طے کر چکی تھی۔)

☆☆☆

سولھواں باب :: دریائے بحر اور دریائے ریگ

کلیستھنز کے لیے مصیبت یہ تھی کہ اس میں عقل و دانش کے علاوہ وہ لطافت ذوق کا جوہر تھا۔ سکندر ارسطو کے اس بھتیجے اور وطنی درس گاہ کے اس فارغ البال طالب علم کا بڑے اشتیاق سے انتظار کر رہا تھا وہ آیا تو ظاہر ہوا کہ رنگ رلیوں سے اسے کوئی ذوق نہیں۔ البتہ لطیفہ بازیوں سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے۔ کم گو ہے اور ذہن بالکل صاف اور مجلّا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ارسطو کی تازہ تصنیف کے نسخے لایا جو مابعد الطبیعیات و طبیعیات سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ایک غیر پیشہ ور فلسفی بھی آیا جس کا نام انگزارکس تھا۔

سکندر کے ساتھ مقدونوی رفقاء کی جو جماعت تھی' اس میں مذاق اور لطیفہ بازی کی ہمت نہ رہی تھی۔ وہ پانچ سال سے خاصی تلخ حقیقتوں کے ساتھ دست و گریبان تھے اور فلسفیانہ آرا کی پیروی بالکل چھوڑ چکے تھے۔ کلیستھنز اپنے ساتھ درس گاہ کے نئے افکار لایا تھا اور مسکراتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ ایتھنز کے دانش مند لوگ ضدی ڈیماستھنز کے لیے سنہری تاج تیار کرانا چاہتے ہیں۔ اہل مقدونیہ کے دل پر اس سے کوئی اچھا اثر نہ پڑا۔ انہیں ابتدا میں صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ کلیستھنز فلسفی ہے یا اس کا تعلق کلبی فرقے سے ہے۔ انجام کار اسے سوفسطائی کہنے لگے۔ (ارسطو نے بعد ازاں کلیستھنز کے متعلق کہا کہ اس کا فہم بڑا اچھا تھا۔ باتیں بھی خوب کرتا تھا لیکن اس میں قوت فیصلہ کی کمی تھی)۔

سکندر نے اپنے اطالیق کی نئی کتابیں بڑے شوق سے پڑھیں۔ ان میں بہت سے اہم مسائل پر بحث تھی۔ مثلاً خدا کا وجود جسے قبل ازیں ارسطو پر اسرار شئے قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے لیے اونچے درجے کا فہم درکار ہے۔ اور اس پر چند منتخب آدمی گفتگو کرتے ہیں۔ کلیستھنز نے کہا کہ ارسطو کا اسلوب خاصا مشکل رہا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اسے عام آدمی نہیں سمجھ سکتے لیکن سکندر کو یہ برابر احساس تھا کہ جو موضوع عام آدمیوں کے لیے نہ تھا اس کے بارے میں یوں لکھا گیا تھا لہٰذا اس نے ارسطو کو خط لکھوایا۔

سکندر کی طرف سے ارسطو کے نام

سلام قبول ہو' جو مسئلہ صرف حقیقت شناس افراد کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے بارے میں ایسی کتاب کے اندر بحث کرنا جو سب کے لیے لکھی گئی ہرگز مناسب نہ تھا۔

پانچ سال دونوں کو الگ ہوئے ہو چکے تھے اور ان کے نقطہ ہائے نگاہ میں خاصا تغیر پیدا ہو چکا تھا۔ فلسفی کی خواہش تھی کہ اب اپنی تعلیمات وسیع تر حلقے میں پہنچائے۔ بادشاہ کو اپنے مخصوص حق کی حفاظت کا خیال تھا۔

کلیستھنز نے دوران سفر کے جو حالات بتائے سکندر سن کر بہت خوش ہوا۔ کلیستھنز نے بتایا کہ یونان کے فن کار سنگتراش' جوہری' گلدان ساز موسیقی اور زبان کے معلم تعداد کثیر جہازوں پر سوار ہو کر مشرق کی نئی دنیا میں پہنچ رہے ہیں۔ مصر کی بندرگاہ سکندریہ میں بھی جہاز یونانی شرابیں اور تیل لے کر جا رہے ہیں۔ جزیروں میں جنگ ختم ہو چکی ہے اور غلاموں کی تجارت دوگنی ہو گئی ہے۔ دوآبہ دجلہ و فرات میں جو یونانی کاشتکار آئے تھے انہوں نے اپنے گھر بنا لیے ہیں اور بابل کے باب اشتر سے تھوڑے فاصلے پر ایک یونانی تھیٹر زیر تعمیر ہے۔ راستوں میں جو قافلہ سالار ملے ان کی جیبوں میں بھی نئے سکوں کی جھنکار سنی جا رہی تھی۔ لسی پس نے سکندر کا جو بت بنایا تھا وہ چوک کے مندر میں رکھا گیا تھا اور لوگ اس کی عبادت کر رہے ہیں۔

یہ باتیں سن کر مقدونیوں کو کوئی خوشی نہ ہوئی۔ یہ سوفسطائی جو سکندر کے پاس رہتا تھا شراب پی کر مدہوش نہ ہوتا تھا۔ دسترخوان پر بیٹھتا تو عموماً چپ رہتا گویا اس پسند نہ تھا کہ مقدونیوں کو اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ کلیستھنز کے لیے ان کی باتیں کس قدر عجیب ہیں اور وہ کس طرح بار بار ایک ہی معاملے کو زیر بحث لاتے رہتے ہیں۔ پرانے سوالات کچھ اس طرح کے ہوتے تھے کہ کیا یونان کے مقابلے میں یہاں سردی زیادہ ہے؟ کلیستھنز مسکرا کر جواب دیتا کہ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ مقدونیہ میں ایک سوتی لبادہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور یہاں تین تین قیمتی پوستینوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

کلیستھنز نے ایک سادہ سا چغہ پہن رکھا تھا اور کلائٹس کے پاس دوہرا لبادہ تھا جس

کے کنارے قراقلی چمڑے سے آراستہ تھے۔ اس قسم کے لبادے بہت عام ہو گئے تھے۔ ایک روز کلیستھنز نے مقدونویوں کے شاندار کارنامے کی بہت تعریف کی۔ سکندر نے ٹوکتے ہوئے پوری پائیڈیز کے یہ الفاظ سنائے ''کچھ تعجب نہیں کہ تم ایک انتہائی اچھے الفاظ استعمال کر رہے ہو جب تم اچھے مضامین پر توجہ کرتے ہو''۔ ساتھ ہی اس سے پوچھا کہ بتاؤ حقیقت میں تمہاری رائے کیا ہے۔ کلیستھنز نے کہا کہ اہل مقدونیہ نے مواقع سے حیرت انگیز طور پر فائدہ اٹھایا لیکن وہ اتنی تیزی سے جا بجا پھرتے رہے کہ اپنے پیچھے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ ساتھ ہی کسی کا قوم پیش کیا کہ جب بدامنی ہو تو ایک دہقان بھی بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

سکندر نے غصے سے کہا کہ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ اگر تمہارا قول درست ہے تو تم یہاں دہقانوں میں کیوں رہتے ہو؟ اور تمہارے آنے کی غرض کیا تھی؟

کلیستھنز نے جواب میں کہہ سکتا تھا کہ میرا آنا آپ کے بلاوے پر موقوف تھا لیکن اس نے سوچ کر جواب دیا کہ میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ میرے ملک کی آبادی گھٹ گئی ہے اور میں جلاوطنوں کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ سکندر کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور وہ بولا جلاوطن...... جلاوطن......!! تمہاری مراد کیا ہے؟ میں نے تمام لوگوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ایتھنز کے تنخواہ دار بھی چلے گئے اب کون جلاوطن ہے؟

کلیستھنز: مقدونوی۔

یہ سنتے ہی سکندر کچھ دیر اسے گھورتا رہا پھر کچھ کہے بغیر دستر خوان سے اٹھ گیا اور شراب بھی نہ پی اور بھی کوئی نہ بولا۔ کلائٹس نے اپنی پوستین چپ چاپ اتار دی اور بیٹھا رہا۔ ہفااسشن نے بعد میں کلیستھنز کو سمجھایا کہ سکندر ایک بھی تحقیر لفظ کو نہیں بھولتا خواہ وہ کتنا ہی سچا ہو۔ آپ کو جلاوطنی کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے تھا۔

سکندر نے بظاہر دوبارہ اس معاملے کا ذکر نہ کیا۔ بعض اوقات وہ کلیستھنز کو غور سے دیکھتا رہتا اور کچھ نہ کہتا۔ ایک مرتبہ کلیستھنز نے بڑے اچھے انداز سے باتیں کرتے ہوئے

ڈیماستھنز کی تعریف کی جس نے ایتھنز کی آزادی کے لیے کام کیا۔ سکندر نے اپنا پیالہ میز پر توڑا اور چیخ کر کہا تم ایک شہری ریاست کو شہری احساسات کی حدود سے باہر نہیں نکال سکتے۔ ایتھنز نے خودکشی کر لی۔ اپنے آپ کو طوائف بنا لیا۔ وہ معمولی زیوروں سے آراستہ ہو کر آنے والے کی رفاقت پر آمادہ ہوتی رہی۔ اس کی سلطنت اتنی ہی پھیل سکتی تھی جتنی کہ انسانوں کی خواہشیں پھیل سکتی تھیں۔ طوائف کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اس میں خیر و خوبی نہیں پیدا کر سکتے"۔ ساتھ ہی کہا کہ پریکلیز کے ایتھنز میں ہے اب کون سی چیز باقی ہے؟

کلیستھنز: شاید یہ احساس کہ کیا ہونا چاہیے۔

بہر حال سکندر نے اپنی تجاویز کے متعلق کلیستھنز سے کبھی مشورہ نہیں کیا خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ مشرقی مسائل کو سمجھ ہی نہیں سکتا تھا خواہ یہ ہو کہ سکندر اس کی رائے کو پسند نہ کرتا تھا لیکن یہ واقع ہے کہ کچھ مدت بعد کلیستھنز نے اپنے سفر کے متعلق ایک کتاب لکھنا شروع کی جس کا نام سکندر کی پیش قدمی رکھا۔

مشرقی سمت کے پہاڑی علاقوں کی تسخیر کا سلسلہ خوشگوار صورت اختیار نہ کر سکا۔ سکندر نے تیسرے سکندریہ کی بنیاد وہاں رکھی جہاں آج کل قندھار واقع ہے۔ اور چوتھے سکندریہ کی تعمیر وہاں شروع ہوئی جس جگہ آج کل کابل ہے۔ پھر اس نے شمال کا رخ کر لیا۔ گرمی کا موسم تھا اور مقدونوی چلتے چلتے دو دریاؤں میں سے پہلے پر پہنچے۔ انہیں یقین تھا کہ اس دریا کا سرچشمہ دنیا کی بلند ترین چوٹیوں پر واقع ہے۔ یہ بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اور دریائے نیل سے اس کا عرض زیادہ تھا لہٰذا اسے تیر کر عبور نہ کیا جا سکتا تھا۔ سکندر نے حکم دیا کہ ڈھالوں کے ساتھ اس سے گزر جاؤ لیکن یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ آخر بلیوں پر چمڑا منڈھا گیا اور اس کے اندر گھاس پھونس بھری گئی۔ ان پر بیٹھ کر دریا سے گزرے لیکن دشمن نے گھات میں بیٹھ کر گھوڑے چرانے والوں کی بڑی تعداد میں بیٹھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب مقدونیہ کے ایک رسالے کو دشمن کے تعاقب میں بھیجا گیا تو اس کو مار کر

پیچھے ہٹادیا گیا۔تیسرے سکندر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ دیر تک لنگڑاتا رہا۔پھر ایک نیا خطرہ نمودار ہوا...... یہ جلاوطنوں کا خطرہ تھا۔ہوا یہ کہ پہلے دریا کو جسے دریائے بحرا کہنا چاہیے۔مقدونویوں کے سامنے ایک عجیب حیرت انگیز منظر آیا انہیں معلوم نہ تھا کہ ان کے آگے صورتحال کیا ہے؟ طلایہ گرد دستے وحشیوں کے ایک گروہ کے پاس پہنچے جن کے ہاتھوں میں شاخیں پکڑی ہوئی تھیں اور سبز پتوں سے انہوں نے ہار بنا رکھے تھے۔وہ ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان بول رہے تھے۔انہوں نے کہا کہ ہم جلاوطن ہیں۔وہ بالکل وحشی نظر آ رہے تھے۔گھروں میں کتی ہوئی اون اور چمڑے کے لباس پہن رکھے تھے اور دیوانوں کی طرح اچھل کود رہے تھے۔آخر یہ معلوم ہوا کہ وہ سب یونانی ہیں۔میراتھان اور سلیمس کی جنگوں میں ایرانی یونانیوں کو قیدی بنا کر لے آئے تھے۔وہ ان کے برخلاف ہیں سکندر ان کے پاس گیا۔کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا۔پھر ان سب کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

کچھ معلوم نہیں کہ سکندر نے انہیں غصے اور غیظ کے عالم میں قتل کرا دیا اور اس پر ایسی حالت اب اکثر طاری ہوتی رہتی تھی یا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان وحشیوں کو اپنی فوج میں شامل ہونے کا موقع دے، لیکن یہ حد درجہ بے رحمانہ فعل تھا۔یقیناً یہ قتل پارمینیو اور فلوٹس کے قتل سے بھی زیادہ برا تھا۔(آریاں نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن کونٹس کرٹس ۲ روفس نے کیا ہے) سکندر کے مداحوں نے اس واقع کے سلسلے میں یہ معذرت پیش کی کہ یہ یونانی ایشیائی دشمنوں سے مل گئے تھے۔اس لیے سزائے قتل ہی کے مستحق تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ معذرت سراسر مہمل تھی کلیستھنز بھی اس پر خاموش رہا۔

کسی نے نہیں بتایا کہ اس واقعہ قتل کے بارے میں فوج کا کیا تاثر تھا۔لیکن یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس سال سکندر نے کئی مرتبہ فوج کو جنگ کا حکم دیا اور ایک سے زیادہ مرتبہ خود اس کی قیادت کرنی پڑی۔شہر کوروش کی فصیل پتھر کی تھی۔منجنیقیں اس فصیل کے خلاف کام نہ دے سکتی تھیں۔سکندر اور کریٹرس کو اس دریا کے بہاؤ میں سے ہو کر حملہ کرنا تھا۔جو شہر کے پاس سے بہتا تھا۔اور موسم گرما کے شباب میں پایاب ہو جاتا تھا۔

یہاں ایک بھاری پتھر سکندر کے سر پر لگا جس سے بہت زخم آیا۔ بعد ازاں اس کی بینائی پہلی حالت پر باقی نہ رہی۔ کریٹرس ایک تیر سے زخمی ہوا۔

یہاں مقدونویوں کو ایک کھلا میدانی علاقہ نظر آیا۔ جہاں سے تجارتی شاہراہ بحیرہ قزوین کی طرف جاتی تھی نیز یہاں ان کا مقابلہ باختر اور سغد کے پارتھیوں سے تھا۔ جو گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑی قادر اندازی سے تیر چلاتے تھے۔ مزاحمت کے باعث مقدونوی فوج کئی مہینے تک آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے میں جو جنگیں پیش آئی تھیں پارتھیوں کے ساتھ لڑائیاں ان سے بالکل مختلف تھیں یہ موت و حیات کی بے رحمانہ جنگ تھی شمالی ایشیا کے تیر انداز اتنی تیزی سے نکل جاتے تھے کہ مقدونوی ان کا تعاقب نہ کر سکتے تھے۔ انہیں عجیب تدبیروں سے کام لینا پڑتا۔ مثلاً ظاہر یہ کرتے کہ فلاں شہر کا محاصرہ کر رہے ہیں لیکن رات کی تاریکی میں چھاپے دوسری جگہ مارتے۔ سکندر نے کئی مرتبہ مختلف شہروں کو فتح کر کے اندر کی پوری آبادی قتل کرا دی لیکن اس طرح مفتوحہ علاقوں پر قبضہ جمائے رکھنے میں کوئی سہولت پیدا نہ ہوئی۔ سکندر کا منصوبہ یہ تھا کہ ہر نو آبادی کی حفاظت کے لیے فوج متعین کر دے۔ یہ منصوبہ منظم مزاحمت کے مقابلے میں کامیاب ہوتا نظر نہ آیا۔ اسے کامیاب بنانے کے لیے ضروری تھا کہ مقابل کی مسلح فوجوں کو تباہ کیا جاتا۔

اس کامیاب مزاحمت کا روح رواں ایک مادی امیر تھا جو ایرانی فوج میں سالار رہ چکا تھا۔ اس کا نام سپٹاماس تھا جس نے سطح مرتفع کی جنگی قوت اپنے گرد جمع کر لی تھی۔ وہ مزید شمالی علاقوں میں سے ستھیوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھوڑی مدت کے لیے سپٹاما نے خود مقدونویوں کی تدبیروں سے کام لے کر انہیں ناکام بنائے رکھا۔ سکندر نے اپنے سواروں کا بھاری ساز و سامان رکھوا لیا تاکہ وہ زیادہ ہلکے پھلکے ہو کر ان باختریوں کی یورشوں سے عہدہ برا ہو سکیں۔ لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر اس نے میدانی علاقے کی آبادیوں کو اپنے آباد کیے ہوئے شہروں میں جا بسنے کی ترغیب دی۔

انہیں خوش کرنے کے لیے ویسا ہی لمبا اور ڈھیلا ڈھالا چغہ پہننا شروع کیا جو ایرانی شہنشاہ پہنتے تھے۔ جاسوس بتاتے تھے کہ سپٹاماوہ شاہی تاج پہنتا ہے جو دارائے اول پہنتا تھا۔

غرض مقدونوی جو بھی تدبیر اختیار کرتے سپٹامااس کا موثر توڑ کر لیتا۔ جب سکندر کا زخم اچھا ہوا۔ اس کی صحت بحال ہوگئی تو اس نے دیکھا کہ مقدونوی وقت کس طرح ضائع ہو رہی ہے تو خود ستھیوں کے علاقے میں پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ سیاہ رنگ کی ریت کے صحرا سے ہوتا ہوا اس خطے می پہنچا۔ جس کی مٹی زردی مائل چکنی تھی۔ اور وہاں سرخ رنگ کے تودے کھڑے تھے۔ گویا انسانوں نے ہاتھ سے بنائے تھے۔ ان پر روئیدگی کا نشان تک نہ تھا۔ ہوا کا معمولی جھونکا بھی آتا تو گرد وغبار کا طوفان اٹھتا۔ غروب آفتاب کے وقت پورا خطہ خون کا رنگ اختیار کر لیتا۔ ۴ ایرسٹانڈر کو یہ منظر اچھا معلوم نہ ہوا۔

میدان سواروں کی یورشوں سے بچنے کی خاطر سکندر مشرقی سمت کی پہاڑیوں میں چلا آیا جہاں پہاڑیوں کے دامن کوہ میں ایک دریا ملا۔ اس کے کنارے میوہ اور درخت کھڑے تھے یہاں شہر مرکنڈ (موجودہ سمرقند) کے سنگی قلعے میں اس نے ایک فوج بٹھائی اور خود ستھیوں کے تعاقب میں مزید آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ عام طور پر سمجھا جا رہا تھا کہ کوروش سمرقند سے آگے بڑھا تھا تو ستھیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ لیکن سکندر بے پروا آگے بڑھتا گیا۔ چلتے چلتے وہ دوسرے دریا کے کنارے پہنچ گیا جسے دریائے رگیک ۵ قرار دیا گیا ہے۔ وہ اب زمین کے انتہائی بلند حصے سے قدرے شمالی جانب تھے۔ جسے لوگ ہندی گوگ کوگ ۶ یا ہندوستان کا پہاڑ کہتے تھے۔ مطلع صاف ہوتا تو یہاں انہیں اپنے عقب میں اور دائیں بائیں جانب بلند چوٹیاں صاف نظر آتیں۔

یہاں دریائے رگیک کے کنارے اس نے سکندریہ کی بنیاد رکھی گئی جو اس نام کا آخری شمالی شہر تھا چونہ اس جگہ متواتر حملے ہوتے رہتے تھے اس لیے استحکامات کا خاص خیال رکھا گیا۔ دریا کے پار سے دہشت انگیز ستھیوں کی چوکیاں صاف نظر آ رہی تھیں ستھی سواروں

کی تلواریں بہت لمبی اور مانین عجیب طریقے پر خمیدہ تھیں۔ وہ دریا پار اپنے گھوڑے چراتے ساتھ ساتھ مقدونیوں کی ہنسی اڑاتے۔ آہستہ آہستہ ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ مقدونویوں کا خیال نہ تھا کہ یہی موعود دریا ہے جو بہشت سے نکلا ہے۔عین اس موقع پر اطلاع ملی کہ مرکنڈ میں جو فوج متعین کی گئی تھی اس پر سپٹاما نے حملہ کر دیا اور فوج کو قلعے میں محصور ہونا پڑا۔

اگر سکندر جنوب کی جانب مڑتا تو سِتھی سوار دریا عبور کر کے تعاقب میں نکل پڑتے۔ دریا کو عبور کر کے سِتھیوں کی طرف بڑھتے تو اس فوج سے دور ہو جاتا جو اب سپٹاما کے رحم و کرم پر رہ گئی تھی۔ گویا وہ ایک عجیب مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا۔فوج کے افسر اب یہ سوچنے لگے کہ وسیع خطوط رسد کی حفاظت کے لیے صرف کہیں کہیں فوج معین ہیں اور ان پر کسی وقت بھی حملے ہو سکتے ہیں۔ اس پر جتنا سوچتے تشویش بڑھتی جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک دھاگا پکڑ کر بھول بھلیاں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اگر وہ دھاگا ٹوٹ گیا تو ...... انہیں ہی بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ سِتھیوں کی حیثیت عجیب الخلقت افسانوی مخلوق کی سی ہے۔ جو پہاڑوں اور صحراؤں کی بھول بھلیاں میں ان پر ہلہ بول دینے کے انتظار میں بیٹھے ہیں انہیں یاد آ رہا تھا کہ سِتھی جنہیں وہ سکوتھی کہتے تھے۔ ایشیائی اقوام میں سب سے بڑھ کر طاقت ور ہیں۔ یہ لوگ اس سیاہی مائل سطح مرتفع پر گھومتے رہتے ہیں جن کی حد بلقان کے قریب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور بحیرہ اسود کے یونانی فن کاروں سے اپنی عورتوں کے لیے سنہری زیور اور جواہرات لاتے۔ یونان پر حملے کے پیشتر دارائے اول نے ان پر حملہ کیا اور ذلت خیز شکست کھائی۔ اس دریا کے آس پاس بلند مرتبہ کوروش ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ یہ اپنے لمبے لمبے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے جاموں میں وحشی معلوم ہوتے تھے۔ بہر حال صورت حال میں امید کی کوئی جھلک نہ دکھائی دیتی تھی۔

انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ سکندر فی الحال کسی فوج کی قیادت کے قابل نہیں۔ اس کے سر پر پتھر کی بھاری ضرب لگی تھی۔ اس نے کئی روز تک اس کے دماغ کو منجمد رکھا۔ اب اس کی

بینائی درست ہو گئی تھی لیکن وقتاً فوقتاً دردِ سر کے دورے ہوتے رہتے تھے اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ شراب کا آخری ذخیرہ ختم کر رہا تھا۔ شراب یا دریا کے گدلے پانی کے باعث پیچش شروع ہوئی اور وہ بہت کمزور ہو گیا۔ خود سکندر ان سے کچھ نہ کہتا۔ البتہ یہ تاکید کرتا رہتا کہ اس نئے شہر کو خوب مستحکم کر لو جو آخری چوکی کا کام دے گا اور اس کے ذریعے خانہ بدوشوں کی یورشیں روکی جاسکیں گی۔ بظاہر وہ مایوس سا ہو گیا تھا وہ انتہائی مشقتیں اٹھا کر دریائے ریگ پر اس جگہ پہنچا تھا۔ جہاں کے قریب سے یہ نکلتا ہے۔ امید تھی کہ اس کے ساتھ وہ منبع کا سراغ لگاتا ہوا ہندکوہ کے پہاڑوں میں پہنچ جائے گا لیکن اب صاف نظر آرہا تھا کہ دریا کا منبع غیر معلوم بلندیوں پر واقع ہے۔

اس شمالی سرزمین کی کوئی بھی شے شناسا معلوم نہ ہوتی تھی۔ کسی کو یاد نہ آتا تھا کہ دیونی سوس مین سے کوئی اس خطے میں کبھی آیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ارگونات جس جگہ پہنچے تھے وہ یہاں سے مغرب کی جانب بہت دور بنی ہوئی تھی۔ ادھر سِتھی لوگ دریا کے کنارے روز بہ روز زیادہ ہوتے جا رہے تھے۔ نئے سکندریہ کی سنگین دیوار آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی دیاوس کے انجینئر اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اور مرکنڈ (سمرقند) کی محصور فوج کے لیے کمک کا انتظام بہر حال ضروری تھا۔

سکندر نے اپنی فوج میں سے پیادوں اور سواروں کی دو رجمنٹیں الگ کیں۔ یہ کوئی دو ہزار چار سو آدمی ہوں گے۔ اور انہیں کرینوس کی قیادت میں دے دیا۔ اریسٹانڈر نے کہا کہ اب عبورِ دریا کے لیے شگون دیکھو۔ اس نے ایک بھیڑ ذبح کی اور اس کا جگر دیکھ کر کہا کہ فوج اگر ایک طبعی رکاوٹ میں سے گزری تو اسے شدید نقصان ہوگا۔ سکندر نے یہ سنا تو سخت خفا ہوا لیکن خاموش رہا۔ پھر حکم دیا کہ دوبارہ شگون دیکھا جائے۔ اریسٹانڈر نے گھبرا کر کہا کہ میری بات پر یقین نہیں تو کسی اور سے پوچھ لو۔ سکندر نے کہا نہیں دوبارہ دیکھو۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر بھیڑ ذبح کی گئی اب کہ یہ بتایا کہ فوج دریا تو عبور کر جائے گی لیکن سکندر کو گزند پہنچے گا۔ اس نے کہا کہ میں ہر مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار

ہوں لیکن یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ یہاں بیٹھا ہوا بریویوں کی خندہ زنی کا ہدف بنوں۔ ایرسٹانڈر نے کہا کہ بہر حال احتیاط کرنی چاہیے۔ یہ دیوتاؤں کے نشان ہیں اور دیوتا کسی کی خواہش کے مطابق اپنے ارادے نہیں بدلا کرتے۔

اس اثنا میں سیتھی حیران تھے کہ مقدونوی آئندہ کیا کریں گے۔ جب شہر کے استحکامات ایک خاص منزل تک پہنچ گئے اور مناسب حفاظت کی جگہ نکل آئی تو سکندر نے بیماروں اور اطراف کے کاشتکاروں کو اندر بھیج دیا۔ انجینئروں نے دریا عبور کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ بڑی بڑی کمانیں دریا کے کنارے لگا دی گئیں تا کہ عبور کے وقت ان سے فوج کی حفاظت کا کام لیا جا سکے۔ سیتھی تیر انداز آتے اور دور سے تیر پھینک کر چلے جاتے۔ درمیانی فاصلہ اتنا تھا کہ ان کے تیروں سے کسی کو نقصان نہ پہنچتا پھر سکندر نے یا تو اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یا سیتھیوں کو حیران کرنے کے لیے ایک عجیب تماشا کیا۔ اس نے دریا میں چڑھاوے کی شراب ڈالی۔ فوجیوں سے کہا کہ کھیلیں شروع کرو۔ نیز شہر اور دریا کے درمیان جو میدان ہے اس میں گھڑ دوڑ ہونی چاہیے اور خوب باجے بجائے جائیں تا کہ سیتھی یہ تماشا دیکھنے کے لیے دوسرے کنارے پر آ گئے جو میدان سے زیادہ دور نہ تھا۔

اب سکندر نے ایک طرف حکم دیا کہ بڑی کمانوں سے تیر اندازی شروع کی جائے دوسری طرف فوج کو دریا عبور کرنے کے لیے کہہ دیا گیا۔ ان کمانوں سے جو تیر نکلے وہ سیتھیوں کی ڈھالوں کو بھی چھیدتے ہوئے چلے گئے۔ وہ فوراً کنارا چھوڑ کر بھاگے اور سکندر کی فوج دریا سے گزرنے لگی۔ آریان لکھتا ہے۔

> ”دور مار تیروں نے سیتھیوں میں کھلبلی ڈال دی تو سکندر نے حکم دیا کہ باجے پورے زور سے بجتے رہیں۔ وہ سب سے پہلے لشکر میں دریا سے گزرا۔ اگلے کنارے پر پہنچتے ہی تیر اندازوں اور نیزہ اندوزوں سے کہا کہ آگے بڑھ کر سیتھیوں کو ہراساں کرو۔ اور انہیں دریا سے

گزرنے والے پیادوں پر تیر چلانے کی مہلت نہ دو۔ اسی طرح پیادے اور سوار سب بہ اطمینان پار کر گئے''۔

مقدونوں نے اس سے پہلے یا بعد کبھی اپنے آپ کو اتنی خطرناک پوزیشن میں نہیں ڈالا تھا۔ سکندر کو سوار تیر اندازوں کے خطرناک طریقوں کا تجربہ نہیں تھا یہیں اسے یہ تجربہ ہوا اور بہت جلد اس کا فائدہ اٹھا لیا گیا۔ غرض دریا کے کنارے لڑائی کی صف بندی کر کے کوئی دو ہزار آدمیوں کو آگے بھیجا۔ سیتھیوں نے اسے نرغے میں لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ جب بڑی فوج آگے بڑھی تو سیتھیوں نے پہلی والی ہی تدبیر دہرائی اور تیر چلا کر تیزی سے نکل گئے۔ اور مقدونیوں کو ٹھہرنا پڑا حملے کے اس طریقے پر عموماً عمل کیا جاتا تھا وہ یہاں کام نہ دے سکتا تھا اس لیے کہ سیتھی سامنے نہ تھے بلکہ چکر لگا کر عقب میں آ گئے تھے۔ وہ اتنے تیز چل رہے تھے کہ مقدونوی رسالہ ان کا تعاقب نہ کر سکتا تھا۔ پیادوں کو مربعے کی شکل میں بڑھانا صریح حماقت سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ پیادے خود بے بس سے تھے۔ اس لیے کہ میدان جنگ بالکل سپاٹ تھا اور پیادے اوٹ نہ لے سکتے تھے۔

سکندر نے فوراً ایک تجویز سوچ لی اور اسی پر عمل کیا۔ اس نے رسالے کو غنیم کے ایک بازو کی طرف بھیجا۔ ان کے پیچھے دوسرا رسالہ بھیجا تا کہ غنیم پہلے کو نرغے میں لے لے اس کا کام یہ نہ تھا کہ سیتھیوں سے لڑے۔ صرف یہی مقصد تھا کہ انہیں ایک طرف روک لے۔ پھر اس نے پیچھے ہٹ کر اپنی خاص فوج کی کمان سنبھالی اور اسے پہلے متحرک جیش کے متوازی چکر دے کر حلقہ سا بنا لیا۔ اس طرح سیتھی مقدونوی فوج کے دو پاٹوں میں آ گئے۔ اور دونوں طرف ان پر موت و ہلاکت کی بارش ہونے لگی۔ سیتھی بھرا کر پیچھے ہٹے دو جیشوں نے ان کا پیچھا کیا۔ بس اسی چال نے سیتھیوں کا ستیاناس کر ڈالا۔ وہ ایک ہزار کے قریب مارے گئے۔ مقتولین میں ان کا ایک بہت بڑا سردار بھی تھا۔ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب اسیر ہوئے۔ بظاہر مقدونویوں کا نقصان زیادہ ہوا لیکن کامیابی انہیں کو حاصل ہوئی۔ سیتھیوں کو مزید لڑائی کا حوصلہ نہ رہا۔ البتہ سپاما کے ساتھ ان کا اتحاد قائم تھا۔ پھر

سکندر آگے بڑھا اور شہر مگین (تاشقند) میں پہنچ گیا۔ سِتھیوں کو یقین ہو گیا کہ سکندر جانا نہیں چاہتا بلکہ مستقل طور پر وہاں ٹھہرنے کا خواہاں ہے۔ چنانچہ انہوں نے سفیر بھیج کر صلح کر لی۔

سکندر کو تعاقب کی تگ و دو نے تھکا دیا تھا۔ پھر اسے پیچش ہو گئی۔ جس نے بے حد کمزور کر دیا۔ چنانچہ اسے پالکی پر ڈال کر دریا پر لائے۔ اس طرح ایرسٹانڈر کی پیش گوئی پوری ہو گئی کہ فوج دریا سے کامیابی سے گزر جائے گی لیکن سالار اعظم کو گزند پہنچے گا۔ اس اثنا میں یہ خبر ملی کہ مرکنڈ والی فوج کی کمک کے لیے جو فوج کرینس کے ماتحت بھیجی گئی تھی وہ پوری کی پوری تباہ کر دی گئی۔ یہ کام سپتاما کا تھا جسے سِتھیوں نے مدد دی تھی جب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس فوج کے افسر سِتھی سواروں کی چال کا اندازہ نہ کر سکے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی نہایت تیز رفتار سوار منتخب کیے اور انہیں لے کر مرکنڈ کی طرف روانہ ہوا۔ تیزی کا یہ عالم تھا کہ آرّیاں کے قول کے مطابق ایک سو پینتیس میل کا فاصلہ تین دن اور تین رات میں طے کر لیا۔ چوتھے دن صبح کے وقت وہ وادی میں اترا اور باغیوں کے احاطے میں سے مرکنڈ کا قلع صاف نظر آ رہا تھا۔ محاصرین کو سکندر کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اس کے پہنچنے سے پیشتر ہی سپتاما کے ماتحت بھاگ گئے۔ سکندر نے اس کے یونانی مقتولین کو دفن کرایا۔ اب موسم سرما آ گیا تھا اور اونچے پہاڑی درے برف نے بند کر دیے تھے۔ یہ ۳۲۹۔۳۲ ق م کا موسم سرما تھا۔

سپتاما کی چالوں اور قابو میں نہ آنے والے وحشی سواروں کی مزاحمت نے سکندر کو بڑا پریشان کیا۔ اب وہ خود اونچی سطح کے علاقوں میں پھرنے لگا۔ اور اس کے تباہ کاری کے طریقے اختیار کر لیے۔ مثلاً دیہات کے دیہات ویران کر ڈالتا۔ باشندوں کو مجبور کرتا کہ ڈھلوانوں کو چھوڑ کر چوٹیوں پر جا بیٹھیں جہاں ان کے جانوروں کو چارہ نہ مل سکتا تھا۔ جانور مجبور ہو کر نیچے آ جاتے اس طرح مقدونیوں کو حسب دلخواہ خوراک مل جاتی اور جانوروں کے مالک چوٹیوں پر بھوکوں مرتے۔ مقدونوی سپاہی ریوڑوں کے ریوڑ ہانک

کر اپنی نو آبادیوں میں لے آتے اور عام لوگوں کے کھانے کے لیے کچھ نہ ملتا۔ پھر اس نے بہت سی کمکی فوجیں بلا لیں۔ پیلا سے نئے رنگروٹوں کی وہ جمعیت بھی آ پہنچی جو ہر سال آ جاتی تھی۔ ان کے ساتھ تنخواہ دار بھی آ گئے دو سال پہلے بھی سکندر نے تنخواہ داروں کو بھرتی کرنا ترک کر دیا تھا۔ اب آبادکاروں کی ضرورت تھی لہذا انہیں رکھ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ باختر اور سعد کی آبادیاں زیادہ تر یونانیوں سے ہی لبریز ہوئیں۔

نیارکس اور بعض دوسرے افسر اپنے ساتھ وہ کمک لائے جس کے متعلق مورخ کا بیان ہے کہ وہ سمندر کے راستے سے آئی تھی چونکہ سکندر نے ابھی تک کوئی بحری راستہ نہ کھولا تھا ۔اس لیے خیال ہے کہ یہ کمکی لشکر ان سامی ملاحوں پر مشتمل ہوگا کہ جو بحیرہ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان کے علاوہ زوراکارٹا کے مرکزس بھی فوج آ پہنچی تھی مشرقی جھیل کی جانب سے پندرہ سو کے قریب اتحادی لشکر بھی آ گیا۔ یہ جھیل وہی تھی جس میں دریائے بحر اور دریائے ریگ گرتے تھے۔ (مراد ہے کہ بحیرہ خوارزم شاہی) ان اتحادیوں کا سردار اپنے آپ کو خوارزمی کہتا تھا۔ یہ لوگ شمالی سطح مرتفع کے متعلق جو کہانیاں سناتے تھے جن سے یونانی جغرافیہ دانوں اور...... سکندر کو ان باتوں سے بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ سردار نے سکندر سے کہا کہ میں آپ کو جھیل تک لے چلتا ہوں۔ وہاں دیونیاں بھی دکھاؤں گا۔ جو اسپ سواری کی ماہر ہیں اور بڑی پھرتی سے تیر چلاتی ہیں۔ اگر کسی خوارزمی دلہن کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام بھی ہو سکتا ہے لیکن سکندر نے معذرت کر دی۔ اب ایشیا کے اس حصے میں اس کے ساتھ تنخواہ داروں اور ملازموں کو شامل کرتے ہوئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی ہو گئے تھے۔

اب اس نے سپتاما کا فیصلہ کر دینے کی تدبیریں اختیار کیں۔ لیکن یہ کام چالوں کا نہ تھا۔ بلکہ دہشت انگیزی کا تھا۔ باشندوں پر واضح ہو گیا کہ جب تک وہ آبادکاروں کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے بے خور و خواب رہیں گے اور مارے جائیں گے تو آبادیوں میں انہیں ہر ضروری سامان ملتا تھا۔ دو سال پیشتر ملک سکندر کے خلاف تھا۔ اب سارا

ملک سپتاما کا دشمن بن گیا۔

سکندر کا یہی خاصا رہا تھا کہ جب مشکلات پیش آتیں تو انہیں ختم کیے بغیر چین سے نہ لیتا۔ اسے ناکامی اور پسپائی دونوں سے نفرت تھی۔ اس کی خواہش ہوتی کہ ہندی کوہ کی بلندیوں پر سے گزرتا ہوا وادی سند میں پہنچ جائے۔ اس غرض سے باختر اور سغد کی سطح مرتفع کو مسخر کرنا ضروری تھا۔ گویا سوانح نگاروں کا یہ خیال صحیح تھا کہ ہرقل یا سیمی ریس کے افسانوی کارناموں سے درخشاں تر کارنامے انجام دینے کی خواہش نے اس پر آمادہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے یہاں کے آدمیوں کے طور طریقے اختیار کر لیے تھے۔ پرسی لوس میں ایرانیوں کے طریقے اپنا لیے تھے۔ یہاں سطح مرتفع کی بے تکلف زندگی اپنا لی تھی۔ وہ گھوڑے پر لوگوں کے ساتھ دور دور پھر آتا۔ ڈھول اور تری کی آواز پر ناچتا۔ ان لوگوں میں ضرب المثل تھی کہ جو آدمی گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہے وہی آزاد ہے جو گھر میں بیٹھے گا وہ غلام بن جائے گا۔ سکندر نے سواری میں باختر وستھیا کے جنگجوؤں کو بھی مات کر دیا۔

دو سال کی جنگوں نے فوج کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ بہت سے مارے گئے تھے۔ بہت سے بیمار پڑے گئے یا زخمی ہوئے۔ اس پر لوگوں میں تلخی پیدا ہوئی لیکن وہ مزید مشقتیں اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جو بلندیوں کو عبور کر کے آئے ان میں نفرت و برداشت دونوں کو صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ مقدونوی فوج اب پانچ لشکروں میں تقسیم تھی۔ ہر ایک لشکر کے کماندار الگ تھے۔ مثلاً ہفا اسشن بطلیموس پڑوکاس کوئی تھس اور خود سکندر۔ سرما میں یہ پانچوں لشکر سپتاما کے تعاقب میں لگے رہے اور اسے کہیں دم نہ لینے یا نئے آدمی بھرتی کرنے کا موقع نہ دیا۔

سپتاما نے ایک آبادی پر اچانک حملہ کر کے اسے لوٹا۔ اس اثنا میں کوئی نس نے اسے نرغے میں لے لیا۔ سپتاما کو خود اس کے آدمیوں نے قتل کر کے سر کاٹا اور صلح کی پیش کش کے ساتھ پیش کر دیا۔ اس کے ساتھیوں کو علم ہو چکا تھا کہ سکندر خود آ رہا ہے اور وہ بہت ڈر گئے تھے۔ اس پر مزاحمت ختم نہ ہوئی۔ آریاں کہتا ہے کہ یہ بربری ہر وقت جنگ کے لیے

تیار رہتے تھے اس لیے کہ افلاس کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ نہ ان کے ہاں شہر ہیں اور نہ مستقل گھر۔ ایسی کوئی چیز ان کی عناں گیر نہیں ہو سکتی اور نہ انہیں کسی قسم کا خوف ہوتا ہے۔

سپٹا ما کے خاتمے کے بعد مقدونیوں نے مقامی باشندوں کی دلداری شروع کر دی۔ صرف ایک قصبہ تھا جو بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ خیال تھا کہ اسے مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ مقدونوی میخیں ٹھونکتے ہوئے اوپر چڑھ گئے اور اپنے لیے قینچی اور سیڑھی بنا لی۔ لہٰذا وہ قصبہ بھی حوالگی پر مجبور ہو گیا۔

☆☆☆

سترھواں باب :: روشنک

سردی کا موسم تھا جب سکندر کی ملاقات اپنی آئندہ رفیقہ حیات سے ہوئی۔ اس کی فوج مخالفین کے گروہ کا تعاقب کرتی ہوئی ایک ایسے قلعے میں پہنچ گئی جو ایک بلند چٹان پر برج کی طرح کھڑا تھا اور لوگ اسے صحرائے سغد کہتے تھے۔ مدافعین اس بلند قلعے میں داخل ہو گئے تھے جس میں سامان رسد بہ افراط جمع تھا۔ مقام کے قدرتی استحکامات کے سرسری معائنے سے اہل مقدونیہ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس پر نہ یورش ہو سکتی تھی اور نہ اسے فتح کیا جا سکتا تھا۔ چٹان کی چوٹی پر برف موجود تھی جس سے باختریوں کو ضرورت کے مطابق پانی مل جاتا تھا۔ سکندر نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ اپنے مکانوں میں واپس آجاؤ تو کامل معافی دے دی جائے گی۔ باختریوں نے اس پیش کش کا مذاق اڑایا اور چیخ کر جواب دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ ایسی سپاہ ساتھ لاؤ جس کے پر لگے ہوئے ہوں۔ اس صورت میں ممکن ہے اڑ کر ہمارے تک پہنچ جاؤ۔

سکندر نے سن لیا تھا کہ باختر کا ایک سردار اپنے کنبے کو لے کر صحرائے سغد میں پناہ گزیں ہو گیا ہے اور اسے فتح نہیں کیا جا سکتا مدافعین کے عزم مقابلہ نے اسے بڑا غصہ دلایا۔ ساتھ ہی اس کے دل میں ایک عجیب و غریب تدبیر آئی۔ اس نے اپنے اگریانی سواروں کو بلایا جو چٹانوں پر چڑھنے کے بڑے مشاق تھے اور ان کے سامنے یہ پیش کش کی کہ جو شخص سب سے پہلے اس چوٹی پر پہنچے اسے بارہ ٹیلنٹ انعام دیا جائے گا۔ اور آخری آدمی کو بھی ضرور چند اشرفیاں ملیں گی۔ میری تجویز یہ ہے کہ رات کے وقت ٹیلے پر اس طرف سے چڑھو جس طرف سے یہ بالکل سیدھا کھڑا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اس طرف سے چڑھنا ممکن نہیں۔ صبح تک اوپر چڑھ کر اس مقام پر پہنچ جاؤ جو قلعہ سے بلند ہے۔ چونکہ چٹان کے اس حصے پر چڑھنا ناممکن سمجھا جاتا ہے اس لیے اس طرف کوئی حفاظتی تدبیر بھی اختیار نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ پہرے دار تک موجود نہ تھا۔ تین سو تجربہ کار کوہ نوردوں نے اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کر دیں انہوں نے چٹان کے اس حصے کا

گہرا معائنہ کیا۔ اپنے ساتھ خیموں کی آہنی میخیں اور سن کے لچکیلے رسے لے لیے۔ سکندر نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک پرچم دے دیا جہاں مناسب سمجھتے میخیں ٹھونک لیتے۔ جہاں ممکن ہوتا رسے باندھ لیتے۔ تیس آدمی رات کی تاریکی میں نیچے گر گئے اور اگلے دن ان کی لاشیں تلاش کر گئیں تو نہ مل سکیں۔ باقی تمام آدمی طلوع آفتاب کے بعد چوٹی پر پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اشاروں سے اپنی کامیابی کا اعلان کر دیا۔ افسروں نے فوراً باختریوں سے کہاں۔ پہاڑی لوگو وہ دیکھو ہمیں پردار سپاہی مل گئے۔ وہ تمہارے سروں پر کھڑے ہیں۔ خوب غور سے دیکھ لو۔

باختریوں نے مسلح سپاہیوں کو بلندی پر پرچم لہراتے دیکھا تو سمجھ لیا کہ واقعی پردار سپاہی پہنچ گئے ہیں چنانچہ تدبیر کامیاب ہوئی اور سغد کے اس نہایت مستحکم قلعے کا سردار حوالگی کے لیے مجبور ہو گیا۔ سکندر نے ایک شام بیشتر پہاڑ پر چڑھنے والوں کو اوپر چڑھنے اور پرچم لہرانے کی مشق خوب کرا دی تھی۔ پہاڑی لوگوں کے لیے یہ آخری پناہ گاہ تھی۔ سکندر خود معائنے کے لیے اوپر پہنچ گیا۔ باختری سرداروں نے بادل نخواستہ اسے راستہ دے دیا۔

وہ پھرتا پھراتا قلع کے ایک حصے میں پہنچا تو ایک مکان میں سے ایک لڑکی نکل آئی۔ قاعدے کے مطابق وہ سکندر کے سامنے جھکی نہیں۔ تنہا اطمیان سے کھڑی رہی تاکہ جو کچھ سکندر کو کہنا ہے کہہ ڈالے۔ اس کے گیسو دونوں جانب گندم کی نئی بالیں کے انداز میں گندھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ حسین اتنی تھی کہ ایک مرتبہ نظر اس کے چہرے پر پڑ جاتی تو ہٹائی نہ جا سکتی تھی۔ وہ ایک حد تک ہراس زدہ ضرور تھی۔ لیکن پیچھے نہ ہٹی۔ سورج کی روشنی میں اس کے سر کے بال چمک رہے تھے۔ سکندر نے اس کا نام پوچھا تو جواب ملا روشنک (رخسانہ) یعنی دختر نور۔

باختری سردار کی ہی قرۃ العین یونانی زبان بالکل نہ جانتی تھی۔ لیکن سکندر کے دل میں اس نے کوئی پرانی یاد تازہ کر دی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے دل میں کسی باختری خاندان میں

شادی کر لینے کا خیال ہو چنانچہ روشنک کو اس نے پسند کر لیا۔ فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ پیچھے نہ ہٹی اس لیے کہ قواعد جنگ کے مطابق وہ اپنے آپ کو فاتح کا مال سمجھتی تھی اور تیار ہو چکی تھی کہ اس کے متعلق جو فیصلہ چاہے کر دے سکندر نے اپنی کلائی سے ایک کڑا اتارا۔ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر روشنک کے بازو میں پہنا دیا۔ ساتھ ہی کہا کہ اسے پہنے رہو۔ اس لیے کہ میں تم سے شادی کروں گا۔

روشنک اس کے ساتھ ہندوستان گئی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بلاشبہ وہ برسین جیسی تعلیم یافتہ اور مہذب نہ تھی لیکن اس کے خیالات دو باتوں پر مرتکز تھے۔ اول مذاہب دوم شوہر۔ وہ حقیقی معنی میں سکندر کی بیوی بن گئی۔ اگرچہ فوج نے اس باختری شادی کو پسند نہ کیا۔

نو آمدہ آدمیوں میں سے ایک کا نام اونیسی کریٹس تھا۔ اسے عام طور پر سر ملاح کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ نیارکس کی طرح اس کا تعلق بھی بحریات سے تھا۔ اور بحری فوج کو خاص کام اس وقت تک نہ کرنا پڑا تھا۔ عام رواج کے مطابق اس نے بھی اپنا روزنامچہ لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے روزنامچے میں سنسنی پیدا کرنے والے واقعات بھی لکھنے شروع کیے۔ سکندر اور سال خوردہ مقدونویوں کی رائے یہ تھی کہ اسے سر ملاح نہیں بلکہ جھوٹوں کا سردار کہنا چاہیے۔

اونیسی کریٹس نے خوارزمی سردار اور بربری روشنک سے شادی کے واقعات سامنے رکھ کر ان کے اردگرد ایک ایسا افسانہ بن دیا۔ اس نے لکھا کہ سکندر کی شہرت ایشیا کی وسیع تر سطح مرتفع میں خوب پھیل گئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت دیونیوں کی ملکہ کے کان تک پہنچ گئی۔ جو بڑی تند خو اور جنگجو تھی اور مردوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ سکندر کی شہرت سنتے ہی مغرور ملکہ نے سکندر کے پاس قاصد بھیجے کہ میں سرحد پر ایک رات کے لیے آؤں گی۔ وہاں مجھ سے ملو اور ایک رات میرے پاس رہو تاکہ میں ایک بچہ جن سکوں۔ سکندر کا افسانہ جن عجائب خیز داستانوں سے مزین ہے۔ ان میں غالباً یہ پہلی داستان تھی۔

تیز فکر ایرانیوں کو بھی مشاہیر کی کہانیوں اوران کی مدح وستائش سے بڑی دلچسپی تھی انہوں نے سکندر کے کارناموں کا رشتہ کروش اور نیا گاں کی کہانیوں سے جوڑنا شروع کیا۔ جوان کا مورث اعلیٰ تھا۔ اس طرح سکندر اپنے بزرگوں کے درمیان ایسی مشابہت پیدا کردی کہ آنے والی نسلیں سمجھیں انہوں نے ایک ایرانی بہادر کی خدمت کی نہ کہ ایک بربری حملہ آور کو تقویت پہنچائی اس بنا پر انہوں نے سطح مرتفع میں بہادر سکندر کے سفر کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں لکھ دیں کہ اس کے خود پر عقاب کے دو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ ایک تاریک سرزمین میں پھنس گیا تھا۔ جہاں تیس دن تک سفر جاری رہا۔ کوہ فردوس میں پہنچ گیا جو سورج کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ نیا گاں اس سفر میں سکندر کا محافظ رہا۔ بعد ازاں اس داستان میں یہ اضافہ کردیا گیا کہ سکندر راہورامزا کی روح سے بات چیت کرنے کے لیے اس پہاڑ پر گیا تھا۔ پھر افسانے میں ایک اور ارغوانی پیوند لگا دیا گیا کہ اس سفر میں سکندر نے ایک بڑی دیوار تعمیر کروائی اور اسے تیل سے تر کر دیا۔ پھر آگ لگا دی۔ اس آتشیں دیوار کی تعمیر سے سکندر کا مدعا یہ تھا کہ یاجوج وماجوج کی تباہ کاریاں شمالی سمت ہی میں محدود رہیں۔ (مزید زمانہ گزر گیا اور ایرانیوں نے اسلام قبول کرلیا تو بعد کے سکندر ناموں میں نیا گاں کی جگہ حضرت خضر کو دے دی گئی اور راہورامزدا جبریل بن گیا۔)

قیام باختر کے دوران سکندر کو تیل بھی ملا۔ ایک صبح وہ سوکر اٹھا تو دیکھا کہ خیمے اُس ایک چشمے کے کنارے لگے ہوئے ہیں اور چشمے میں نیم شفاف سیال مادہ بھرا ہوا ہے۔ ایک جگہ سے یہ مادہ پانی کی طرح ابل ابل کر نکل رہا تھا۔ یہ مٹی کا تیل تھا۔ ایرانی اور کاہنوں نے اسے نیک شگون سمجھا۔

مسلسل مشقتیں اٹھاتے ہوئے تین سال گزر چکے تھے۔ زخموں نے ان مشقتوں میں اضافہ کردیا تھا۔ بایں ہمہ شاہ مقدونیہ میں دماغی تکان کا کوئی نشان نظر نہ آیا تھا۔ تیسرے سال موسم سرما کے اختتام پر باختر اور سغد فتح ہو چکے تھے۔ شمالی سرحدوں پر امن قائم ہو گیا تھا۔ نئے شہر بن گئے تھے اور حمل ونقل کے سلسلے قائم ہو گئے تھے۔ اب اسے تکان محسوس

ہوئی۔ پہلا نشان یہ تھا کہ اسے نیند نہ آتی تھی۔ وہ رات کا بڑا حصہ نئے نظام حکومت کے متعلق رپورٹیں سننے میں گزار دیتا۔ رپورٹیں ختم ہو جاتی تو وہ میوے اور شراب لے کر میز پر لیٹ جاتا اس کے خاص رفیق پاس ہوتے تھے۔ کبھی ان کی باتیں سنتا۔ کبھی خود کوئی بات سنانے لگ جاتا۔ شراب کے نشے میں چور ہو جاتا۔ اسی طرح صبح ہو جاتی۔ زیادہ شراب پینے کے باعث اس پر مدہوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس اثناء میں محافظ فوج کے سپاہی اور طبیب اس کے پاس بیٹھے رہتے۔۔

ایرانی بڑے مصلحت شناس تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دماغی تکان کے مرحلے پر مدح و ستائش سے سکندر کو کیوں کر خوش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فلسفیانہ مزاج اور اکھڑ مقدونویوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی صحبت کو ترجیح دینے لگا۔ مقدونویوں پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ ابتدائی دور میں جو لوگ سکندر کے قریب تر رہتے تھے نئے دور میں وہ انہیں دیکھ کر چڑ جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سکندر نہ بدلا تھا' مگر اس کے مزاج میں تیزی آ گئی تھی۔ اسے خطرے کا زیادہ احساس ہو چکا تھا' لیکن وہ وہیں پہنچتا جہاں خطرہ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اس کے غصے میں ہلاکت خیزی کا انداز پیدا ہو چکا تھا۔ وہ صرف ان لوگوں کو اعتماد میں لینا پسند کرتا تھا جو اس کے ساتھ احترام کا سلوک کرتے تا گرچہ اسے سمجھتے نہ تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ ان یونانی تنخواہ داروں اور ایشیائیوں کو بہت پسند کرنے لگا۔ جن کے ساتھ ابتدائی مہمات میں اس نے کبھی میل جول پیدا نہ کیا تھا۔

کلیستھنز سے وہ شاید ہی بات کرتا۔ فلسفی بھی عموماً چپ ہی رہتا۔ سکندر کو اب یہ بھی منظور نہ تھا کہ ضروری امور کے متعلق بات چیت کی جائے یا وطن کا کاروبار اسے یاد دلایا جائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں ان مقدونویوں کا مخالف بن گیا تھا جو وطن میں بیٹھے تھے۔ بایں ہمہ انٹی پیٹر یا دوسرے ہم وطنوں کو برابر خط بھیجتا رہتا تھا۔ گویا وہ ان کے سامنے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ پرانے مقدونوی اس کی روش کو دیکھ کر عموماً کہتے کہ اس کے دوست دشمن بن گئے ہیں اور دشمن

دوست۔

سیاہ فام کلائٹس اب ایک رجمنٹ کا کماندار تھا۔ وہ لینیس ۲ کا بھائی تھا۔ جو بچپن میں سکندر کی اناریا چکی تھی۔ گویا کلائٹس کے ساتھ ایک گونہ دودھ بھائی کی نسبت تھی۔

چونکہ لینیس کے اپنے بیٹے ابتدائی مہموں میں مارے جا چکے تھے لہذا کلائٹس کے سوا اس کا کوئی سہارا نہ تھا۔ پھر یہی کلائٹس تھا جس نے دریائے گرینی کس کی جنگ میں سکندر کی جان بچائی تھی۔ وہ زیادہ تیز فہم نہ تھا۔ اور ایرانیوں کے لباس یا طور طریقوں سے اسے نفرت تھی۔ ایک موقع پر اس نے کہا سکندر اس کے سوا کیا ہے کہ فیلقوس شاہ مقدونیہ کا بیٹا ہے۔

ایک شام یا صبح کو سکندر نے زیوس کے بیٹوں کی قربانی کا حکم دیا۔ جن کے متعلق یہ عام عقیدہ تھا کہ وہ انسانوں کی مدد کرتے ہیں۔ خوشامدوں کا جو گروہ اس کے اردگرد جمع ہو گیا تھا۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمارا سکندر بھی تو زیوس کے جواں مرد بیٹوں کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجلس میں سے کسی نے شراب کے نشے میں کہا مغرب برا ہے اور مشرق بہترین ہے۔ جو یونانی نئے نئے آئے تھے ان میں سے ایک بولا کہ پرانے مقدونوی کمانداروں نے مغرب میں بڑے اعلیٰ کارنامے انجام دیے تھے۔ لیکن یہاں باختت میں وہ بے چارے بری طرح پلٹے سکندر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کی نگاہیں کلائٹس کو تلاش کرنے لگیں۔ وہ میز پر موجود نہ تھا۔ ایک محافظ نے بتایا کہ وہ بھیڑ کے دو بچے زیوس کے دو بیٹوں کے لیے قربان کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

سکندر نے کہا اسے فوراً بلاؤ چنانچہ چند منٹوں میں کلائٹس آ گیا۔ بھیڑ کے بچے اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے اور ان کے سروں پر قربانی کا تیل ملا ہوا تھا۔ کلائٹس نیم مدہوش سا تھا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بھیڑے کے بچے اس کے ساتھ ساتھ چلے آئے ہیں آتے ہی بولا لو سکندر میں آ گیا ہوں۔ جتنے آدمی وہاں بیٹھے تھے حیران رہ گئے کہ بھیڑ کے بچوں کو

تو ساتھ نہ لانا چاہیے تھا۔

سکندر کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوئے۔اس نے کلائٹس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کسی نے پھر صدا لگائی کہ مغرب برا ہے اور مشرق بہترین ہے۔کلائٹس کو پہال مرتبہ یہ سنا کہ باختریوں کے روبرو فرار اختیار کر لینے کے باعث مقدونویوں کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے۔اس نے غصے سے اپنا پیالہ زمین پر دے مارا اور کہا جن لوگوں نے ان پہاڑیوں میں جانیں قربان کیں وہ ان سے بدرجہا بہتر تھے جو یہاں ان کی ہنسی اڑا رہے ہیں ایک شخص نے بلند آواز سے پکار کر کہا کلائٹس ہوش کی بات کرو جانتے ہو تم کن کی مذمت کر رہے ہو؟۔

کلائٹس نے پھر ایک بھرا ہوا پیالہ اٹھایا اور پیتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔حقیقت یہ ہے کہ اس کے دماغ میں اس وقت ایک ہی خیال آ سکتا تھا وہ بولا ''میں بہترین آدمیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ میں ان کا ذکر کر رہا ہوں جنہوں نے فیلقوس کے سر پر فتوحات کا تاج رکھا میں اپنی پرانی فوج کا ذکر کر رہا ہوں ہاں میں کائی رونیا اور تھیبز کی فتوحات کا ذکر کر رہا ہوں'' پھر اس نے ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے سکندر سے پوچھا ''بتاؤ تم ان لوگوں کو بزدل کہہ رہے ہو؟'' سکندر چیخ کر بولا ''زبان بند کرو'' ساتھ ہی محفل پر سکوت چھا گیا۔صرف کلائٹس بیٹھی ہوئی آواز میں بولا ''ہاں......ہم جو آزاد پیدا ہوئے اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ سکتے۔ہاں اب ہم فیلقوس کے سامنے زبان بھی نہیں کھول سکتے''۔

محفل میں جو بزرگ بیٹھے ہوئے تھے وہ کلائٹس کے گرد جمع ہو گئے اور اسے پکڑ کر ہلایا۔وہ کھڑا ہو گیا۔اس کا جو بازو زخمی تھا آستین سے باہر نکل آیا۔اس نے کہا ''پیچھے ہٹ جاؤ'' اور سکندر کی طرف اشارہ کیا جو غصے سے آگ بنا بیٹھا تھا۔ ''یہ بازو ہے جس نے دریائے گرینی کس میں فیلقوس کے بیٹے کی جان بچائی تھی اور اب؟ اب کلائٹس اس سے بات بھی نہیں کر سکتا۔سکندر بولا ''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو تمہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی'' کلائٹس نے اپنے سر کو جنبش دی اور دوسرے افسروں کو پیچھے ہٹا کر کہا ''آہ ہم

مقدونوی لوگ ایرانی افسروں کی اجازت لیے بغیر زبان بھی نہیں ہلا سکتے ہم تمہارے چمکیلے سفید کمر بند کے سامنے جھکے بغیر کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ نہیں نہیں...... ہمیں جو سزا مل چکی ہے اس سے زیادہ کیا سزا دو گے؟"

سکندر یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اچھلا اور تلوار سنبھالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا بطلیموس اس کے شمشیر بردار کو شامیانے سے باہر لے گیا۔ سکندر نے مقدونوی زبان میں تری بجانے والے کو پکارا۔ تری بجانے والا بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ سکندر نے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔ آدمی کلائٹس کو پکڑ کر شامیانے کے دروازے سے باہر تاریکی میں لے گیے۔ لیکن سکندر زور زور سے پکار رہا تھا "کلائٹس! کلائٹس!!" یہ آواز سنتے ہی کلائٹس ایک دم لوٹا اور خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر آ گیا۔ اگرچہ وہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا لیکن اس نے بادشاہ کی آواز سن لی تھی۔ "لو سکندر کلائٹس آ گیا" سکندر نے ایک سپاہی سے برچھی چھینی اور اس زور سے کلائٹس کے ماری کہ وہ آر پار نکل گئی۔ کلائٹس فرش پر گر گیا۔ سکندر نے برچھی کا دستہ پکڑ لیا۔ تمام افسر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے سب کی زبانیں بند تھیں۔ اب سکندر کی نظر اپنے رفیق پر پڑی تو گھٹنوں کے بل جھک کر برچھی کھینچنے کی کوشش کی۔ افسروں نے خود برچھی پکڑ لی۔ انہیں ڈر پیدا ہو گیا کہ شاید سکندر اسے مار کر خودکشی کر لے ایک لمحے کے بعد سکندر اٹھا اور شامیانے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا اپنے خیمے میں پہنچا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

دیر تک کسی کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہ پڑی۔ انہ اس نے کھانا طلب کیا نہ پانی۔ دوسرے دن انگزارکس خوفزدگی کی حالت میں ایرسٹانڈر کو لے کر خیمے کے اندر پہنچا۔ سکندر نے رات کے وقت جو لباس پہن رکھا تھا۔ اسی لباس میں وہ بیٹھا تھا۔ آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات بھر روتا رہا ہے وہ کھانا اور پانی لائے۔ سکندر نے کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ایرسٹانڈر ٹھہرا یا ہو بولا "جو کچھ ہوتا ہے انسانی ارادوں کے مطابق نہیں دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ کلائٹس کی موت بھی

دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق ہوئی۔ سکندر نے نگاہیں اوپر اٹھائیں اور کہا لینیس کا کوئی بیٹا باقی رہا تھا۔ اب اس کا بھائی بھی موت کی آغوش میں پہنچ گیا...... تھیبز میں ایک عورت تھی ......"

انکزارکس نے تیزی سے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا "سکندر شاہ مقدونیہ اور شہنشاہ ایشیا بیٹھا ہوا ایک غلام کی طرح رو رہا ہے" اس طنز آمیز آواز نے سکندر کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گیا۔ سر اپنے بازوؤں میں چھپا رکھا تھا۔ گویا وہ بےبسی کے عالم میں اپنے سر کو سہارا دیے ہوئے تھا۔

جب انسان تنہا ہوتا ہے تو انسانوں سے گہری وابستگی پیدا کر لیتا ہے گہری افسردگی کے عالم میں سکندر جرم کے احساس سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ بالکل یہی کیفیت اس پر کلائٹس کے قتل کے بعد طاری ہوئی تھی۔ وہ ان لوگوں کو قتل کر چکا تھا جو اس کے قریب ترین رفیق تھے۔ تھیبز کو تباہی کے بعد جلا چکا تھا۔ وہ کسی آسیب کا شکار نہ تھا بلکہ شدت اور ہلاکت کی خیالی صورتیں اس کے فکر و خیال کے لیے اذیت کا باعث بنی ہوئی تھیں ایسے اوقات میں وہ اپنے آپ پر اور اپنے اعمال پر نظر ڈالتا تو اپنے اوپر تاسف کی دھندلاہٹ میں نہیں بلکہ حافظے کی خوفناک تازگی میں ڈالتا۔ زمانہ ماضی کے یہ بھوت پریت اس کے دل و دماغ پر چھا جاتے تو وہ معذرت کا کوئی بھی پہلو اپنے سامنے نہ لا سکتا۔ وہ کثرت سے شراب پیتا لیکن شراب میں اندوہ رہا نہ تھی وہ بھی اسکا غم غلط نہ کرتی۔ ایسے وقت میں روشنک اور ہفاسشن کی روحیں بھی ان خیالی صورتوں کے درمیان حائل نہ ہو سکتی تھیں۔

سکندر پر دلی اذیت کی جو کیفیت گزر رہی تھی۔ وہ رومی مورخ آریان کے خشک الفاظ سے بھی صاف نمایاں ہے جس کا تعلق کلبی فرقے سے تھا:

> "یقیناً سکندر سے سخت غلطیاں سرزد ہوئیں۔ خواہ یہ اسکے تحیر کا نتیجہ ہو خواہ غصے کا۔ میرے نزدیک یہ غلطیاں تعجب خیز نہیں۔ وہ نوجوان تھا اور خوش نصیبی کی لہر بہر نے اسے انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ یہ امر بھی

تعجب انگیز نہیں کہ اس نے غیر متناسب انداز میں ایرانی شہنشاہوں کے سے طریقے اختیار کر لیے تھے"۔

"باقی رہے وہ لوگ جو اس کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے تو بادشاہوں کو ہمیشہ ایسے رفیقوں کی ضرورت پیش آتی ہے ایسے رفیق ہمیشہ بادشاہوں کو غلطیوں پر اکساتے رہتے تھے۔ ان کے اہم مفاد کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے تھے لیکن مجھے یقین ہے کہ زمانہ قدیم کے بادشاہوں سے سکندر کے سوا کوئی بھی نہیں جسے اپنی غلطیوں پر اس درجہ پشیمانی ہو۔ بہت سے آدمی پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں جو کوئی گناہ کر گزرتے ہیں تو اسے صحیح عمل قرار دے کر چھپانے کی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سکندر تنہا ہے جس نے ایسی کوئی بات کبھی نہ کی"۔

یہاں آریاں معذرت پیش کر رہا ہے۔ بہ ایں ہمہ صاف ظاہر ہے کہ سکندر نے اپنے آپ کو نیچا گرانے کے لیے جو کچھ کیا اس کی اہمیت کو وہ سمجھ چکا تھا۔ بظاہر سکندر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ قربانیاں کسی کے دامن سے خون کے دھبے دھو سکتی ہیں، لیکن کلائٹس بھیڑ کے جن دو بچوں کو قربانی کے لیے وقف کر چکا تھا وہ زیوس کے بیٹوں کے لیے نہیں بلکہ جنگ کے دیوتا دیونی سس کے لیے قربان کیے گئے۔

اب سکندر ایرانیوں کی گم شدہ بہشت یعنی ایران ونج کا راستہ پانے کی امید کھو چکا تھا۔ یہ ربع مسکوں کا وہ انتہائی شمالی گوشہ تھا۔ جہاں سے کروش نکلا تھا۔ سکندر نے مرکنڈ تک کروش کا راستہ طے کیا۔ کلائٹس غالباً اسی مقام پر مارا گیا تھا۔ اب وہ ان پہاڑوں میں سے گزر رہا تھا جن کی چوٹیاں بہت بلند تھیں اور بربری لوگ ان پہاڑوں میں آباد تھے۔ لیکن ربع مسکوں کے ابتدائی تصور میں وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ یونانی جغرافیہ دانوں کے خیال سے ربع مسکوں مشرق کی جانب زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔ جس مقام پر انتہائی شمالی سکندریہ تعمیر ہوا (غالباً اسی مقام پر آج کل لینن آباد موجود ہے) اس نے سیتھیوں سے

ایک سرزمین کا ذکر سنا تھا جو یونانیوں کو معلوم نہ تھی یہ سطح مرتفع سے آگے تھی ۸ اور اس کا نام سغد بتایا جاتا ہے۔ سکندر کو اب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ دریائے سندران پہاڑوں سے مشرق جانب خاصی دور واقع ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ دریائے سندھ اور وادی سندھ کے آگے کیا ہ۔ سمجھا جاتا تھا کہ اسے ربع مسکوں کی آخری حد یا یوریشیا کی حد کا آخری کنارہ سمجھنا چاہیے۔ آگے سمندر کے سوا کچھ نہ ہونا چاہیے۔

سمجھا جاتا تھا کہ وہیں دریائے نیل اور دریائے سندھ کا پراسرار منبع ملے گا۔ یونانیوں میں روایت چلی آ رہی تھی کہ انتہائے مشرق میں سورج کے چشموں سے دریائے اتھیوپ نکلتا ہے۔ یہ دریائے نیل کے جھرنوں کو پانی پہنچاتا ہے۔

سکندر یا اس کے سرویئروں کو جنوب یا مشرق کی سمت میں زمین کی شکل کا کچھ علم نہ تھا۔ ارسطو سمجھے بیٹھا تھا کہ زمین جنوبی مصر سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی ہے اور نیل کا منبع دریائے سندھ کے منبع کے قریب واقع ہے اور یہ انتہائے مشرق میں واقع ہے۔ مقدونویوں میں سے کچھ لوگ یقیناً بحیرہ قلزم کے شمالی گوشے اور بحیرہ ایران ۳ کو دیکھ چکے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ آیا یہ پانی سمندر کی شاخیں ہیں جس نے ربع مسکوں کو گھیر رکھا ہے یا کسی زمین بند سمندر کے حصے ہیں۔ سکندر کا خیال تھا کہ یہ بڑے سمندر کی شاخیں ہین ل بہت سے آدمی انہیں زمین بند سمندر سمجھتے تھے۔ آخری صورت میں ظاہر تھا کہ زمین بالائی نیل سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور غالباً نیل زمین کی سطح سے نیچے نیچے بہتا ہوا مصر میں نمایاں ہو گیا تھا۔ یونان میں وہ ایسے زمین دوز دریاؤں کا ذکر عام طور پر سن چکے تھے۔ انہیں میں سے ایک دریا کا نام اسٹکس ۴ تھا۔

اس اثنا میں ایک معاملہ طے ہو چکا تھا۔ یعنی وہ بحیرہ فٹینڈ اور دریائے تنائس کے قریب نہ پہنچ سکے تھے۔ جہاں سے تھوڑا سا چکر کاٹ کر وہ آسانی مقدونیہ واپس جا سکتے تھے۔ اس صورت میں انہیں آرگوناٹوں کے نقشے پر چلنا پڑتا۔ ہر سپاہی مشرقی سمت میں بہت لمبا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ اور سب کو یقین تھا کہ اب وہ غیر معلوم خطے میں پھر رہے ہیں جو بحیرہ

قزوین سے آگے ہے اور بابل سے بہت دور مشرق میں ہے۔ بہر حال ساتھ ہی جغرافیہ دان زمین کی حقیقی ہیئت کے متعلق ایک نتیجے پر پہنچ چکے تھے اور وہ یہ کہ کوہستان طارس مغرب کی جانب جاتا ہے اور وہ بحیرہ قزوین کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا ایک نہایت بلند سلسلہ کوہ سے مل جاتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ کوہ سے آگے کا علم نہیں علم کچھ نہ تھا۔ صرف یہ معلوم تھا کہ آگے دریائے سندھ ملے گا۔ کلیستھینز نے بتا دیا تھا کہ دریائے سندھ کے آس پاس زمین کی حیثیت ایک چھوٹے جزیرہ نما کی ہے اور اس کے آگے سمندر ہے۔

بہر حال سکندر کے نزدیک ایک امر یقینی ہو گیا تھا کہ مشرقی سمت میں زمین کیسی بھی ہو وہ اس کی آخری حد تک پہنچ جائے گا۔ اسی آخری حد کو اب اس نے اپنی منزل مقصود بنا لیا تھا۔ فوجیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس نے پرانے افسانوں سے بھی کام لیا تھا یعنی بتایا تھا کہ ہرقل اور دیونی سس ایسے افراد جنہیں دیوتاؤں کی حیثیت حاصل ہوئی۔ مشرقی حدود میں پھر چکے تھے اور ان کے سر پر فتح و عظمت کے تاج رکھے گئے تھے۔ ہمیں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے غیر فانی زندگی حاصل کرنی چاہیے۔

بعض مقدونیوں نے یہ سنتے ہی کہا کہ صرف غیر فانی لوگ ہی اتنی دور پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں ایرانی فوجوں سے سخت نفرت تھی۔ جو مختلف مرکزوں میں بیٹھی تھیں اور بعض اوقات پہرے بھی دیتی تھیں۔ ایرانی فوجیں درحقیقت نیزے نہیں بلکہ تیر چلاتی تھیں۔ یونانی انہیں ایک سنہرہ سیب والے نیزہ بردار کہہ کر پکارتے تھے۔ اس لیے کہ ان کی برچھیوں کی انی کے نیچے چمکدار گولے لگے ہوتے تھے۔ ۳۲۷ ق م کے موسم بہار میں نقل و حرکت شروع ہوئی تو باختر اور ستھیا کے نئے رسالے بھی فوج میں شامل ہو گئے۔ اب کیمپوں میں جو لا متناہی ہجوم جمع ہو گیا تھا اس کے متعلق سکندر بھی تردد میں پڑ گیا۔ ہر فوج کے ساتھ کاہن پروہت اور صراف تھے۔ سپاہیوں کے ساتھ ساتھ بہت سی عورتیں تھیں اور عورتوں کے ساتھ بچوں کی خاصی تعداد تھی۔ ہر فوج ایک متحرک نو آبادی بن گئی باقی رہا سامان

......

سکندر نے اپنی فوجوں کے سازو سامان کی گاڑیاں اور باربرداروں کے جانور دیکھے تو فوجوں کو تلقین کی کہ اس طرح بے شمار چیزیں ساتھ ساتھ اٹھائے لیے پھرنا بہت برا ہے۔ بھاری سامان کو آگ کی نذر کر دینا چاہیے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سامان کے ڈھیر کو آگ لگا دی گئی اور سڑکوں میں دور دور تک الاؤ جلنے لگے۔ سکندر نے اپنے بہادروں سے کہا ''کیا ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمہیں فتوحات کرنی چاہئیں اور وہ مصیبتیں اپنے اوپر نہ لینی چاہئیں جوان لوگوں نے اٹھا رکھی ہیں جنہیں تم مسخر کر رہے ہو''۔

لوگوں کے سامنے اچھی مثال پیش کرنے کے لیے سکندر نے اپنے سارا سازو سامان چھوڑ دیا۔ اسے شبہ ہوا کہ ایک (مورخوں نے اس بڑے افسر کا نام ہرپالوس بتایا ہے لیکن ہرپالوس غالباً بابل اور ایکتبانہ ہی میں رہ گیا تھا) بہت سا سونا چاندی صندوق میں بھر کر رکھا ہے اور صندوق اس کے خیمے میں ہے۔ پوچھا گیا تو افسر نے انکار کر دیا۔ سکندر نے تلاشی مناسب نہ سمجھی ۔ لیکن اپنا شبہ دور کرنے کے لیے اسے ایک عجیب تدبیر سوجھی یعنی اپنے پہرے داروں کو خفیہ حکم دے دیا کہ اس کے خیمے کو آگ لگا دو۔ آگ لگتے ہی خیمہ جل اٹھا۔ اور اس کے پردے، قیمتی پوشاکیں خوشبوئیں جواہرات غرض ہر چیز شعلے کی نذر ہو گئی ۔ بے شک سونا چاندی چھپا ہوا موجود تھا لیکن اس کا ثبوت نہ مل سکا۔ افسر کا جتنا نقصان ہوا تھا معذرت کر کے اپنے پاس سے دے دیا۔

اگرچہ فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی لیکن تجربہ کار مقدونوی افسر گھٹ گئے تھے۔ کیوں کہ اکثر مقامات پر کاروبار حکومت چلانے کی غرض سے ایشیائیوں کی مدد کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے۔ ایک ایک کمانڈر/ایک ایک شہر کا فوجی گورنر پانچ لاکھ کی آبادی کے علاقے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ سکندر کو دوعملی پر اصرار تھا کہ اس کے لیے کہ جس یوریشیائی سلطنت کا نظام وہ تیار کر رہا تھا اس میں کسی ثقافت یا قوم کو مقتدر بنا دینا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ فوجی کنٹرول بھی مناسب حدود سے تجاوز نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ کسی فوجی افسر کو خزانہ

عامہ پر اقتدار حاصل نہ تھا اور خزانہ عامہ میں جو روپیہ آتا تھا وہ نشو و ارتقا کے منصوبوں پر خرچ ہوتا۔ ان منصوبوں میں یونانیوں جیسے تھیٹر اور دارالعلوم قائم کرنا بھی شامل تھا۔ نیز پہاڑی علاقوں میں سڑکیں بنانا' شفا خانے تعمیر کرنا' بیڑوں' بندرگاہوں کا انتظام وغیرہ کرنا اس میں سے کوئی بھی کام مقدونویوں کو پسند نہ تھا۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ہر عمل کے لیے ایشیائی افسروں سے اجازت لیں یا اپنی رسد کے لیے روپے درکار ہوں تو شامی یا مصری خزانچیوں کے سامنے دست طلب پھیلائیں انہیں ان کے نام بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتے تھے۔ وہ کہتے "یہ کیسے عجیب و غریب نام ہیں" امیر بحر' فرزند صداقت یا خورشید...... ان کے ساتھ جو مخروطی مہریں ہوتی تھیں ان سے ہلال یا ملکہ وحوش یا پر دار سر کے نشان بنتے تھے۔ مقدونویوں کے دل میں ان کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ان سے کبھی خوشگوار نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

سکندر نظم و نسق چلانے کے روز افزوں مصیبتیں برداشت کر رہا تھا۔ کوئی افسر بیمار ہو جاتا تو پوچھتا کہ کیوں پہلے اطلاع نہ دی گئی۔ کوئی شخص کسی ایشیائی عورت سے شادی کرتا تو اس کے لیے تحفے بھیجتا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ ایسے کاموں کو پسند کرتا تھا۔ نئے افسروں کو معلوم ہو چکا تھا کہ سکندر کے ذاتی فیصلوں کے خلاف کہیں اپیل نہیں کی جا سکتی اور جب وہ معلوم ربع مسکوں کی حدیں گزر کر انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکا تو اس سے فیصلے حاصل کرنا آسان نہ رہا تھا۔ افسروں کے دل میں طبعاً سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اگر وہ واپس نہ آیا تو کیا بنے گا۔ باختر اور سغد میں جو تکلیفیں اور خطرے پیش آ چکے تھے۔ انہیں مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان سے زندہ واپس جانے کا امکان کم تھا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے افسر جو گورنری پر تھے اپنی جائیدادیں بنانے اور مستقل حکومت کی داغ بیل ڈالنے لگے اس سلسلے میں مقدونویوں کا جرم ایشیائیوں سے بہت زیادہ تھا۔ دراصل ایشیائی لوگ انتہائی وفاداری کے مسلک پر قائم تھے۔ سکندر نے یہ وفاداری بڑی قیمت دے کر خریدی تھی۔ اس نے ایشیائی ذہنیت کا اندازہ حیرت انگیز تیزی سے کر لیا تھا۔ وہ ایشیائیوں میں ان سے

اطاعت کا طالب گار ہوتا۔ یہ جانشینی حقیقت میں آسمانی اختیار کی دستاویز تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ایشیائی لباس پہنتا دراصل سکندر کے لیے لازم ہو گیا تھا کہ وہ نہ محض ایشیائیوں کو مطیع و فرمانبردار رکھے گا بلکہ ان کا احترام بھی کرے گا۔ مقدونیوں نے اسے پہلی مرتبہ تخت پر بیٹھے اور تاج پہنے دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑے اور بولے ''سکندر یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے؟''

سکندر اس پر غصے میں آ گیا۔ وہ کھانے کے وقت سنہری کرسی پر بیٹھتا اور اردگرد خوشبوئیں جلتی رہتیں۔ ایشیائی لوگ یہ دیکھ کر خوش ہوتے تھے ورنہ ان پر حیرت سی طاری ہو جاتی اس دوگونہ کردار کو پورا کرنے کے لیے اسے بڑی مشقتیں اٹھانی پڑی۔ کبھی وہ آزادی پسند مغربیوں کا بادشاہ ہوتا کبھی مشرقیوں کا مطلق العنان شہنشاہ۔ مغربیوں نے مطلق العنانی کبھی دیکھی نہ تھی اور وہ اس سے نفرت کرتے تھے۔ جب وہ باہر نکلتا تو مشرقی کمال احترام میں اس کے سامنے جھک جاتے تو مغربی اور مشرقی تصورات میں کشمکش بپا ہو جاتی۔ مشرقیوں کے خیال میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ سکندر کی ذات آسمانی قوت سے خالی ہے۔ وہ اسے دیکھتے تو ہاتھ منہ پر رکھ لیتے اور گھٹنوں کے بل جھک جاتے۔

ایسے ہی ایک واقعہ نے کلیستھنز کا خاتمہ کر دیا۔ یہ فلسفی جو ارسطو کا شاگرد تھا بارہا کھلم کھلا سکندر کو تنبیہ کر چکا تھا۔ انگزارکس اور دوسرے لوگوں کو معلوم تھا کہ کلیستھنز مقدونیہ کی تاریخ لکھ رہا ہے۔ انہوں نے سکندر سے کہا تھا کہ فلسفی کہتا ہے کہ میری تاریخ حکمران کو ہمیشہ کے لیے نامور بنا دے گی (اصل میں کلیستھنز نے کہا تھا کہ سکندر نہ دیوتا ہے نہ زیوس کا بیٹا ہے جو اولمپیاس کے بطن سے پیدا ہوا۔ صرف زندگی میں سکندر کے کارنامے ہی اس کی اچھی بری شہرت کے ذمہ دار ہوں گے۔

انگزارکس سے فلسفی نے شاید یہ کہا ہو کہ سکندر بظاہر ہی نہیں حقیقتاً حد درجہ جواں مردان ہے۔ بادشاہوں میں اسے ایک بڑا بادشاہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ سپہ سالاروں میں سب سے بڑھ کر قابل۔ انگزارکس نے اعتراف کیا کہ صرف موت کے بعد ہی انسان

آسمانی اعزاز کا مرجع بنتا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت میں دینی سس تھیبز کا بادشاہ تھا اور ہرقل آرجیا کا۔ لیکن وہ زندگیاں پوری کر کے اس دنیا سے جا چکے تو انہیں دیوتا سمجھا جانے لگا۔ یقین ہے کہ سکندر کو بھی موت کے بعد دیوتا مانا جائے گا۔ اور اس کی مورتی کے سامنے قربانیاں کی جائیں گی۔ پھر کیا یہ عین قرین انصاف نہیں کہ ہم زندگی ہی میں اسے انتہائی اعزاز کا مستحق سمجھیں؟

کلیستھنز: پھر سوچو کہ سکندر فانی ہو کر دیوتاؤں کے سے اعزاز و احترام کا مالک بننے کی کوشش کرے گا تو دیوتا اس کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھیں گے؟

انگزارکس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن بعد ازاں کلیستھنز سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ سکندر دیوتا بننا چاہے گا تو ممکن ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ مقدونویوں نے طبعاً کلیستھنز کی اس رائے کو مستحسن سمجھا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سکندر پرانی رسمیں چھوڑ رہا ہے اور وہ مشرقی طور طریقوں کو پسند کرنے لگا ہے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ اس طرح اس کی فطرت بھی بدل سکتی ہے۔ اور وہ اپنے پرانے ساتھیوں اور ہم وطنوں سے بے پروا ہو کر واقعی ایشیا کا مالک بن سکتا ہے۔ گویا سکندر سے محبت اور وفاداری ہی مقدونویوں کے لیے غصے کا باعث بن گئی۔

ایک شام ایک تقریب میں مقدونوی اور ایرانی دونوں یکجا تھے۔ مقدونوی سکندر سے ملتے تو معمول کے مطابق بغل گیر ہوتے۔ ایرانی کورنش بجالاتے۔ شراب پی جا رہی تھی۔ اور ہر آدمی شراب پینے کے قابل بادشاہ کو سلام کرتا۔ مشرقیوں کی پیروی کرتے ہوئے مقدونوی چپ چاپ ذرا جھکتے پھر آگے بڑھ کر سکندر کے رخسار پر بوسہ دیتے۔ کلیستھنز آگے بڑھا تو سکندر ہفاسشن سے باتیں کر رہا تھا اس لیے کلیستھنز کے متعلق اس کو علم نہ ہوا۔ ایک ساتھی نے سکندر کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا "دیکھیے آپ کے سامنے آ کر فلسفی نے جھکنا گوارا نہ کیا۔ سکندر نے اردگرد نظر ڈالی اور کلیستھنز کا سلام قبول کیے بغیر اسے واپس جانے کا اشارہ کر دیا۔

اس کے بعد ایک خوفناک سازش کا الزام تیار ہوا۔ سکندر نے ایشیائی اور مقدونوی بچوں کو مشترکہ تعلیم دلانے کی کوشش کی تھی۔ کوئی پچاس ہزار مشرقی بچے فوجی معلموں سے تعلیم پا رہے تھے۔ انہیں یونانی زبان سکھائی جاتی تھی اور یونانی ہتھیار استعمال کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ مقدونوی بچوں میں سے زیادہ تر بڑے بڑے امیروں یا فوجی افسروں کے بیٹے تھے جو عموماً بادشاہ کے خیمے پر پہرہ دیتے۔ خصوصاً رات کے وقت نیز شکار کے آلات ان کے پاس رہتے ہو بچے فوجی گارڈ میں آجاتے وہ بے تکلف ہتھیاروں تک پہنچ سکتے۔ ان کی وفاداری پر کبھی کسی کو شبہ نہ ہوا۔ ایک افسر نے سب سے پہلے سازش کا اشارہ کیا۔ اور اس کا علم بطلیموس کو ہو گیا۔ افواہ یہ تھی کہ بچے اس بات پر خفا ہیں کہ ایانی بچوں کو بھی خاص تعلیم و تربیت میں ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب سکندر اپنے خیمے میں رات کے وقت تنہا رہ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس میں سے ایک نوجوان کا نام ہرمولاس ۵ تھا۔ کلیستھنز نے فلسفہ پڑھتا تھا۔ اور اکثر اس سے باتیں کیا کرتا تھا یہ افواہ بطلیموس نے سکندر تک پہنچائی۔ سکندر نے اس افواہ کو اپنی مقرر کی ہوئی ایک کونسل کے حوالے کر دیا تاکہ اس بارے میں چھان بین کی جائے۔ کونسل نے تعذیب کا طریقہ استعمال کیا دو یا تین بچوں نے تعذیب سے ڈر کر سازش کا اقرار کر لیا۔ ہرمولاس نے اقرار کیا کہ ہمیں پارمینیو، فلوٹس اور کلائٹس کی موت پر سخت رنج ہے۔ نیز ہم مشرقی لباس اور کورنش کو پسند نہیں کرتے لیکن سازش کوئی نہیں کی گئی تھی۔ اور نہ اس بات کا اقرار کیا کہ کلیستھنز کا کسی سازش میں کوئی حصہ ہے۔

لیکن افسروں نے تمام بچوں کو موت کی سزا دے دی اور کلیستھنز کو بیڑیاں پہنا دیں گئیں ایک روایت ہے کہ اس پر سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا اور کچھ دیر بعد ہی وہ مر گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ سکندر نے خود جو خط اینٹی پیٹر کو مقدونیہ بھیجا اس میں لکھا کہ بچوں کو افسروں نے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا لیکن کلیستھنز کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ اور ان لوگوں کا بھی فیصلہ کروں گا جنہوں نے اسے بھیجا۔ د بہ ہر حال اس کے بعد

کورنش کی رسم ترک کردی گئی۔

خیال یہ ہے کہ کلیستھنز کو ۳۲۷ ق م کے موسم بہار میں بمقام باختر بیڑیاں پہنائی گئیں۔ پھر سکندر نے فالتو سازو سامان کو آگ لگوائی اور تیزی سے پہاڑوں کو عبور کر گیا۔ اسے اس ملعون سرزمین سے بڑی نفرت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ جلد وہاں سے بچ کر نکل جائے۔ اس موقعہ پر اس نے نہ شگون نکلوائے نہ کونسل سے مشورہ کیا۔ صرف ایک مقام پر اتنی دیر ٹھہرا کہ انتہائی مشرقی سکندریہ کی بنیاد رکھ دے۔ جب وہ دریائے کابل اور مشرقی تجارتی شاہراہ پر پہنچا تو فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ سرگرمی عمل شک وشبہ اور سازش کی فضا پیدا ہی نہ ہونے دیتی تھی۔ سکندر کے حد درجہ مصروف دماغ کو اک گونہ اطمینان مل گیا اور اس کے کماندار کام میں لگ گئے۔

ہفاسشن اور پرڈیکاس کو درہ خیبر کے راستے وادی سندھ جانے کا حکم ملا۔ منجنیقیں اور سازو سامان انہیں کے ساتھ گیا۔ اب فوج مقدونوی نہ رہی تھی۔ اگرچہ اس کے بڑے بڑے افسر مقدونوی تھے۔ ایرانی امراء نے ایک خاص رسالہ تیار کیا تھا جسے فوج خاص کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ ان کی ڈھالیں چاندی کی تھیں۔ بعض پرانی فوجیں ختم ہو چکی تھیں۔ کریٹ کے مشتاق تیر اندازوں میں سے جو باقی رہ گئے تھے انہیں نیارکس کی فوج میں شامل کر دیا گیا۔ معاون دستے صدر مقامات میں متعین کر دیے گئے۔ مقدونیہ کی پیادہ فوج جیسی تھی ویسی ہی رہی۔ سکندر اسے برباد کرنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔

اب کم از کم نصب فوج اسپ سوار تھی نئے ایشیائی حلیفوں کے نزدیک صرف سواروں ہی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں تمام جنگجو گھوڑے بھی طبعاً شکایت کا موقع ملا۔ انہیں اپنا سازو سامان اور ہتھیار اٹھا کر ایشیائی رسالوں کے ساتھ ساتھ گردوغبار پھانکتے ہوئے پیدل چلنا منظور نہ تھا۔ سکندر نے ان میں سے بعض رجمنٹوں کے لیے سواری کا انتظام کر دیا' جو بدستور پیادہ رہے۔ ان کا سامان گاڑیوں پر لد کر جانے لگا۔ دریائے کابل پر جو آخری سکندریہ آباد ہوا تھا۔ اس میں پندرہ ہزار فوجی متعین کیے گئے تھے۔ یہ

ہندوستان میں پیش قدمی کا مرکز تھا۔ خود سکندر کے ساتھ کوئی چالیس ہزار فوجی تھے۔ غیر مضافاتی آبادی کی تعداد معلوم نہیں۔ گرینی کس کی جنگ میں اس کے پاس جتنی فوج تھی اب اس سے تین چار گنا ہو چکی تھی لیکن یہ فوج قومی نہ تھی بلکہ بین الاقوامی تھی۔

اتنی بڑی فوج کو متحد رکھنا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اور سکندر اس فوج کو قبض و تصرف کے لیے نہیں بلکہ دریائے سندھ کے آریائی لوگوں کے ہم نوا بنانے کے لیے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اس نے خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وادی سندھ کے لوگ اس کی پیشوائی کے لیے تیار ہیں۔ رسد کے تحفے لائیں گے اور وہ عجیب و غریب قوی ہیکل جانور پیش کریں گے۔ جسے ہاتھی کہتے ہیں۔ چند سال سے وہ لوگ سکندر کے متعلق بہت کچھ سن چکے تھے اور ایشیا کے شہنشاہ کو اپنے وطن سے امن پسندانہ گزارنے پر بالکل آمادہ تھے۔ حقیقت میں سکندر خود بھی جنگ کا وہ بوجھ خواہ مخواہ برداشت نہ کرنا چاہتا تھا جس میں گزشتہ اڑھائی سال کی مدت گزار چکا تھا۔

مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس نے معمول کے مطابق فوج کے مختلف حصے کر لیے اور ہر حصے کے الگ الگ کمانڈر بنا دیے۔ بطلیموس کو اپنا نائب بنایا۔ نقل و حرکت کا کام کریٹرس کے حوالے کیا۔ وہ خود شمالی مشرق کی طرف مڑا۔ فوج کے نہایت تجربہ کار دستے کے ساتھ تھے اور انجینئر ان منجنیقوں کو ساتھ لے جا رہے تھے جو پہاڑوں میں کام دے سکتی تھیں۔ اس طرح وہ اس بلند درے کی طرف بڑھا جہاں ہندی کوہ ہمالیہ کے عظیم الشان سلسلے سے مل جاتا ہے۔ اردگرد سے کوئی فوج نہ گزر سکتی تھی۔

☆☆☆

اٹھارہواں باب :: ہاتھی اور آخری دریا

سوال یہ ہے کہ سکندر نے کیوں ایک نا قابل گزر درے کا رخ کیا؟ اس سے پیشتر وہ تین مرتبہ اپنا رخ شمالی جانب پھیر چکا تھا۔ اول گاگامیلہ سے پیشتر گارڈیم کے سلسلہ کوہ کی طرف دوم بحیرہ قزوین کے کنارے کی طرف' سوم دریائے رگ کے کنارے پر یعنی ستھیوں کے علاقے میں تینوں موقعوں پر اس نے معروف راستے چھوڑے اور غیر معروف شمال میں جست لگائی بلاشبہ آب وہوا اور جانوروں کے لیے چارے کے مسائل بھی اس سلسلے میں ایک حد تک اثر انداز ہوئے ہوں گے۔ سٹریبو کا بیان ہے کہ شمالی قوس کا راستہ اس نے دو وجہ سے اختیار کیا۔ اول یہ کہ اس راستے پہاڑوں میں سے گزرتے ہوئے وہ زرخیز زمینوں کے قریب رہتا اور چارے یا رسد کی دقت پیش نہ ہوتی۔ ہندوستان کے بڑے دریاؤں کو ان کے نقطہ آغاز کے قریب عبور کرنے کا موقع ملتا جہاں سے عبور سہل تھا۔ یقیناً درست ہے کہ مقدونوی موسم گرما میں بلند پہاڑی علاقوں کے اندر رہنا پسند کرتے تھے اور پہاڑوں پر چڑھنا ان کے لیے دقت خیز نہ تھا۔

یہ حقائق اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کو اس سلسلے میں فوجی نقل وحمل کی سہولتوں کے علاوہ بھی کوئی مقصد اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ ستھیا اور ہمالیہ میں سے کوچ حد درجہ خطرناک تھا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ سکندر اس سلسلے میں اکتشاف کا خواہاں تھا۔ وہ زمین بند سمندروں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ سطح مرتفع کے کنارے معلوم ہو جائیں اور نئی پہاڑی دیواروں کو پھاندے۔ وہ زمین کی وضع ہیئت کے متعلق آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا جو یونانی عالموں کے افکار سے بالکل مختلف معلوم ہوتی تھی۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا آخری حد پر واقعی سمندر واقع ہے اور طلوع آفتاب کے مقام پر آسمانی قوت کی کوئی شہادت موجود ہے۔ کیا واقعی وہاں لافانی عقل ودانش کے آدمی رہتے ہیں' جو نخل علم کا میوہ کھا چکے تھے اور آب حیات پی چکے تھے؟ کہا جاتا ہے کہ سکندر کو اس کی تقدیر لیے جاتی تھی ممکن ہے کہ یہ سفر اسی لیے کیا ہو کہ آیا تقدیر کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ یعنی کیا روئے زمین

پر دیوتاؤں کے وجود کا کوئی ثبوت موجود تھا یا نہیں تھا؟ کیا انسان اپنے ارادوں سے بلند تر ارادے کے تابع تھے؟ کیا غیر متحریک محرک جو دور افتادہ اور نادیدہ تھا واقعی کائنات کی قوت اور جوہری عملیات کا سرچشمہ تھا؟ کیا عالم انسانیت اپنی کوششوں سے علم وتہذیب کی روشنی یا وحشت وبہیمت کی تاریکی کی طرف جاتا ہے؟

یقیناً ربع مسکوں کی شمالی سمت میں ذہنیتوں کی پستی کے شواہد ملے۔ خصوصاً ان لوگوں کے درمیان جو آخری کناروں پر رہتے تھے۔ مثلاً دریائے ڈینیوب کے پار رہنے والے وحشی سلٹ یا قزوین کے پہاڑی علاقے کے قزاق۔ یا دریاے ریگ کے پار کے ستھی۔ صاف ظاہر تھا کہ علم وتہذیب کا مرکز مشرقی جانب تھا کہ شمالی جانب۔

اس موسم بہار کے آغاز میں خوش نصیبی نے سکندر کا ساتھ دیا۔ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے اس کے فوجیوں نے نیک شگون سمجھا اور ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ یعنی انہیں عشق پیچاں کے پودے مل گئے اور عشق پیچاں کے ساتھ ایک افسانہ وابستہ تھا۔ یونانیوں کے طریقہ تسمیہ کے مطابق نیسا کے شہر میں پہاڑ کے ڈھلوان پر باشندوں نے حقیقی عشق پیچاں کے پودے دکھائے۔ یہ پودے درہ دانیال کے اس طرف کہیں بھی نہ ملے تھے۔ مزید برآں یہاں کے باشندوں کو عشق پیچاں کا یونانی نام بھی معلوم تھا بلکہ وہ یونانی زبان کے بہت سے اور لفظ بھی جانتے تھے۔

آہستہ آہستہ پوری کہانی معلوم ہوگئی۔ اہل نیسا اپنے آپ کو ان یونانی بہادروں کے اخلاف جو دیونی سوس کے زیر علم پھرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے جو آدمی جنگ کے قابل نہ رہے تھے۔ انہیں ایک مقام پر بسا دیا گیا تاکہ دیوتا کی عبادت میں عیش وعشرت کی مجلسیں ہمیشہ کے لیے گرم رہیں۔ انہوں نے پاس کی ایک چوٹی کی طرف اشارہ بھی کیا۔ جس کا نام کوہ میروتھا اور بتایا کہ یہ یزمان کے پہاڑ نیرونی کی بدلی ہوئی شکل ہیں۔ آریاں لکھتا ہے کہ یہ واقعہ سکندر کی خواہش کے عین مطابق پیش آیا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ دیونی سوس کی سیر وگردش کا افسانہ خوب پھیلے چنانچہ وہ پیادوں اور سواروں کی جمعیت

کے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھا، جس کے ڈھلوانوں پر عشق پیچاں ہی کے پودے نظر آتے تھے۔ وہاں سایہ دار درخت مقامات پر عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ اور وحشی حیوانات آزادانہ پھرتے تھے۔ عشق پیچاں کو دیکھ کر مقدونوی بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے اس کے ہار بنا کر پہنے۔ تاج بنا کا سر پر رکھے ناچتے گاتے رہے۔ سکندر نے دیونی سوس کے نام پر قربانی کی اور اپنے رفیقوں کے ہمراہ جشن منایا۔

عشق پیچاں کی اس مبارک نمود نے مقدونویوں کی ہمت دوچند کر دی۔ اگر خدائی طاقت ہمیں نیسا نہیں لاتی تو کم از کم یہ پتہ تو چل جاتا کہ ہم سے پہلے بھی یونانی یہاں آ چکے ہیں اور آگے بڑھے تو انہیں سدا بہار گلاب بھی مل گیا۔ نیز پہاڑی درختوں کے جنگ نظر آئے یہاں انہوں نے لمبے سینگوں والے نہایت قوی بیل دیکھے۔ اور ان کا ایک ریوڑ پکڑ کر مقدونیہ بھیج دیا۔ نیسا کے بعد انہیں جشن منانے کے مواقع بہت کم ملے۔ ایشیائے کوچک اور سغد کے پہاڑوں کی طرح شمالی ہند کے پہاڑوں میں بھی انہیں بہت سے وحشی لوگوں سے سابقہ پڑا۔ یہ لوگ فوج دیکھ کر اپنے پہاڑی قلعوں میں چلے جاتے جو بلند چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ سکندر نے ان کے تعاقب میں چوٹیوں پر چڑھنے یا انہیں رام کرنے یا تباہ کرنے پر سخت اصرار کیا لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مقدونویوں کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہو سکی۔ سکندر اور بطلیموس دونوں زخمی ہوئے۔ فوجیوں نے بعض مقامات پر بڑی بے دردی کا اظہار کیا۔ ایک مقام کے باشندوں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ ان میں سے تمام مرد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

جیسے جیسے وہ بلند ہوتے گئے چیز کے ایسے درخت ملے جو زیادہ لمبے نہ تھے۔ وادیاں تنگ ہوتی گئیں۔ ان میں سے ندیاں شور کرتی ہوئی بہتیں۔ سکندر نے فوج کو پیچھے چھوڑا ار منتخب سواروں کو لے کر آگے نکل گیا۔ ہوا بہت ہلکی ہو گئی جس میں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ راستے میں برف کے تودے پڑے ہوئے تھے۔ بڑی مشقت اٹھا کر وہ ان پر سے گزرے۔ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں چیر کر رکھ دے

گی۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کا بازو پکڑ کر چلتے تھے۔ برفستانوں سے گزرے تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے ہیں جو بادلوں سے بھی اوپر ہے۔ انہیں ایک سفید رنگ کی بہت اونچی چوٹی نظر آئی۔ جو پہرے دار کی طرح کھڑی تھی۔ سرویئروں نے اپنے حساب کے مطابق اس کی بلندی کا اندازہ کیا اور کہا کہ یہ کرہ ہوا سے اوپر اٹھ کر عرش تک پہنچی ہوئی ہے۔ رہبروں نے بتایا کہ اس کے آگے وہ بلندیاں ہیں جن کی حفاظت اندر دیوتا کر رہا ہے۔ وہ بلند تر فضا میں آندھیوں اور طوفانوں کے درمیان رہتا ہے۔ بہر حال سکندر کو ایسی چوٹیاں نظر آرہی تھیں جیسی پہلے اس نے نہ دیکھی تھیں۔ اس راستے سے کوئی فوج نہ گزر سکتی تھی۔ نہ نیک اور پارسا لوگ یہاں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ وہ پیچھے لوٹا اور دریائے سندھ کی جانب نیچے اتر آیا۔ جہاں ہفاسشن اور پرڈیکاس عبور کرنے کے لیے پل تعمیر کر رہے تھے۔ وہ اپنی مرضی سے جنوب کی طرف مڑا تھا تاکہ فوج سے مل جائے۔ لیکن اس وقت تک اس کے اور فوج کے تعلقات میں کافی تغیر پیدا ہو چکا تھا۔ سکندر کو اس تغیر کا کوئی علم نہ تھا۔ لیکن فوج پوری طرح آگاہ تھی۔ فوجیوں کا خیال تھا کہ ان کا قائد مطلق العنان حاکم بننا چاہتا ہے اور مقدونویوں کے دل میں یہ احساس بھی پیدا ہو چکا تھا کہ وہ سمجھتا ہے۔ میرے ہاتھ میں آسمانی قوت اور راستے میں جو بھی مشکل آئے گی۔ اس پر قابو پالوں گا۔ لہٰذا سمجھ لینا چاہیے کہ سکندر دیوانہ ہو گیا ہے۔

کلیستھنز کے نامکمل روزنامچے نے اس عقیدے کو تقویت پہنچائی۔ اس نے لکھا تھا کہ سکندر اب فانی نہیں رہا۔ زیوس کی عقل اس میں حلول کر گئی ہے۔ اور خدائی قوت اسے تقدیر کے راستے پر لے جا رہی ہے۔ اس سے خوشامد کی بو آتی تھی۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ سکندر کی روح مر جائے۔ سکندر نے جب یہ پڑھا تو اسے کلیستھنز کا یہ قول ضرور یاد آ گیا ہو گا کہ وہ سکندر کی شہرت کو غیر فانی بنا دے گا۔ آریاں لکھتا ہے کہ یہ مسودہ پڑھ چکنے کے بعد سکندر کو کلیستھنز کے خیال سے بھی نفرت ہو گی۔ جب وہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں سے گزر رہا تھا تو اس کے پاس ارسطو کی ایک کتاب ''خطابیات'' بھی تھی جس میں سکندر سے خطاب

کیا گیا تھا۔ لکھنے کا انداز عمومی تھا اور مضمون یہ تھا کہ جھوٹی شہادت سے ہمیشہ بچے رہنا چاہیے اور نظری بحثوں کے بجائے اکتشاف اور دریافت کی قدر و قیمت زیادہ سمجھنی چاہیے۔ اس میں زمانہ گزشتہ کے یونانیوں کی خیال آرائیوں پر بھی حملہ کیا گیا تھا۔ ایسی ہی خیال آرائیوں کے سلسلے میں افلاطون نے اپنی جمہوریت کا نقشہ تیار کیا تھا تاکہ مثالی خبر کو مجسم صورت میں پیش کر دے۔ بطلیموس نے کہا کہ اب تک تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جو چیز آپ کے لیے منفعت بخش ہے وہ دوسرے کے لیے منفعت بخش نہیں ہو سکتی۔ پھر آپ کیوں اس شے سے وابستگی پیدا نہیں کر لیتے جو آپ کے لیے فائدہ مند ہے؟ سکندر نے پوچھا وہ کیا ہے۔ بطلیموس نے جواب دیا ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ ایکتبانہ بال میں بھی ٹھہرنا نہ چاہیے۔ ہماری اصلی جگہ اپنا سمندر ہے اور مصر کا سکندریہ بطلیموس نے اضافہ کیا کہ میری محبوبہ تھائیس مصر کی یاد میں تڑپ رہی ہے۔

سکندر ایسی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ اور بطلیموس دونوں شدید زخموں کے باعث کمزور ہو چکے تھے۔ لیکن بطلیموس کے اصرار نے سکندر کو آزردہ کر دیا۔ ہمالیہ میں اس واقعہ کے باعث کے بعد بطلیموس نے شاذ ہی سکندر کو کوئی مشورہ دیا۔

ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کا مطالعہ کرتے ہوئے سکندر پر واضح ہوا کہ اس کا استاد فطرت اللہ پر نظری بحثوں میں بہت دور چلا گیا ہ۔ وہ کہتا ہ کہ خدا اس زمین پر نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دور افتادہ ستاروں کی دنیا میں رہتا ہے۔ جو قوت اور ثوابت کو زمین کے گرد گردش میں رکھتی ہے۔ اسی سے تمام چیزوں میں حرکت کا وجود ہے۔ وقت کے تعینات سے باہر یہی حرکت زمین کی طرف آتی ہے زندگی پیدا ہوتی ہے اور وقت کے تعینات میں قائم رہتی ہے۔ اس سے آگے خدا کا کوئی وجود نہیں ہے..... سکندر نے سوچا کہ اگر یہ درست ہے تو پھر سفر میں مجھے طبعی اشیاء کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ساتھ ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ استاد اور شاگرد کے خیالات بالعکس منقلب ہو گئے ہیں۔ استاد پہلے علم سے زیادہ عمل اور استدلال سے زیادہ انکشاف پر زور دیتا تھا لیکن اب وہ نظریات کا شارح بن

گیا ہے۔ اس کے برعکس سکندر مشاہدے اور اکتشاف پر تلا ہوا تھا۔ اس تلاش میں وہ تنہا تھا۔ اس وقت سے زیادہ تنہا جب وہ میزا میں زیر تعلیم تھا۔ ارسطو ڈیماستھنز سے بھی زیادہ اس کا مخالف بن گیا۔ بطلیموس کو صرف ایک خیال تھا کہ وہ مصر واپس چلا جائے۔ جو فلسفی وط میں تھے وہ کلیستھنز کے روزنامچہ پڑھ چکنے کے بعد سمجھ رہے تھے کہ اس کی کامیابیاں خوبیِ تقدیر کا کرشمہ ہیں جب تقدیر اس کا ساتھ چھوڑ دے گی تو اس کا انجام نہایت دردناک ہوگا۔ وفادار تیجنٹی پیٹر اہل وطن کے فکار سے غیر متاثر رہا اور اس نے سکندر کی مخالفت شروع کر دی۔

دریائے سندر پر کشتیوں کا پل بن چکا تھا۔ سکندر موسم بہار میں اس پر پہنچا تو نظارہ اس درجہ اثر انگیز تھا کہ سکندر کی خیال آرائیوں کا کوئی شکوہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ آیا تو پہل پر تختہ بندی کے لیے جنگل سے بے شمار درخت ساتھ لایا۔ اس کی فوج خاص کی روپہلی ڈھالیں سورج کی روشنی میں درخشاں تھیں۔ ستھی سواروں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ یہ روشنک کے جلو میں چل رہے تھے اور انکی تریاں بج رہی تھیں۔ عین اس موقعے پر شمالی ہند کے راجا کی طرف سے بے شمار تحفے آئے۔ چاندی کے انبار گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے۔ ہزاروں بیل اور بھیڑیں غذا اور قربان کے لیے بھیجی گئی تھیں۔ سانولے رنگ کے ہندوستان سواروں کا ایک لشکر اور جھولوں والے تیس ہاتھیوں کی ایک قطار سکندر کی خدمت کے لیے بھیجی گئی تھی۔

وہ پہاڑیوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی روشنک ایشیائی دربار کی شان و شوکت کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے شامیانے کے اردگرد احاطہ کھینچ دیا جاتا ہے جس ہاتھی پر وہ سوار ہوتی ہے اس کے ساتھ خواجہ سراؤں کی ایک جماعت بطور محافظ چلتی ہے۔ وہ ایسا بت نظر آتی تھی جسے جواہرات پہنا دیے ہوں۔ اس کے پردہ دار ہودے کو ہاتھی کی پشت پر باندھ دیا جاتا تھا۔ روشنک خود بے پردہ گھوڑے پر سوار ہونے کی عادی تھی لیکن ہندوستان میں ایسی سواری کو خلاف وقار سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ روشنک

نے اس نئی شان وشوکت کے مطابق پیدا کر لی تھیاوروہ بعدازاں ہاتھی کے سوا کسی چیز پر سوار نہ ہوتی تھی۔لیکن اسے اپنی یہ تنہائی پسند نہ تھی۔وہ اپنے وطن کی خنک سطح مرتفع پر بہت خوش تھی۔ جہاں مہموں کے دوران میں خیمے کے اندر رہتی اور اپنے سخابی پارچے ایک طرف رکھ کر سکندر کے پاس آگ کے سامنے بیٹھ جاتی۔ یہاں کیمپ کی حیثیت ایک متحریک شہر کی تھی۔اسے زربفت کے لباس پہننے پڑتے اور موتیوں کے ہار گلے میں ہوتے۔وہ اس بات پر متاسف تھی کہ ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور کچھ معلوم نہیں کہ سکندر کے وقتی رجحانات اسے کہاں لے جائیں گے۔

یکا یک سکندر کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہاتھیوں کا شکار کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ مقدونوی افسروں کو لے کر ہندوستانیوں کی رہبری میں شکار کے لیے نکلا اور ایک گلے پر جا پڑا تو گرفتار ہاتھیوں کو رسوں سے باندھ کر لے آیا۔مقدونوی اس قوی ہیکل جانور کی سمجھ بوجھ اور قوت سے بے حد متاثر ہوئے۔ جسے ایک لڑکا یا بوڑھا بھ جہاں چاہتا لے جاتا۔ انہوں نے پالتو ہاتھیوں کو رقص کرتے ہوئے دیکھا۔ان میں سے ایک ایسا تھا جس کی دونوں اگلی ٹانگوں پر دو جھانجھ بندھے ہوئے تھے اور ایک جھانجھ سونڈ سے پکڑ کر بجاتا اور دوسرے ٹانگیں اٹھا اٹھا کر رقص کرتے۔

سیلوکس نیکاٹور ۲ نے بتایا کہ اگر جنگ میں مہاوت زخمی ہو جائے تو ہاتھی اس کی حفاظت کے لیے اوپر کھڑا ہو جاتا ہے۔جن کمانداروں کو اس زمانے میں سکندر کا خاص قرب حاصل ہوا تھا۔ان میں سے ایک سیلوکس بھی تھا۔وہ بڑا قوی ہیکل آدمی تھا۔زور کا یہ عالم تھا کہ بیل کو سینگوں سے پکڑ کر ان کی گردن مروڑتا اور نیچے گرا دیتا۔لیکن طبیعت پر کبھی اعتراض نہ کیا۔ہاتھیوں کی قوت کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے فیصلہ کرلیا کہ ایک ریوڑ پال لینا چاہیے۔نیارکس نے پوچھا پالنے میں کتنا وقت لگے گا؟ سیلوکس نے جواب دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو۔نیارکس بولا ایک ہتھنی سولہ مہینے کے بعد بچہ دیتی ہے اور گھوڑی کی طرح اس کے صرف ایک ہی بچہ ہوتا ہے۔ بچہ آٹھ سال تک ماں کا دودھ پیتا ہے۔اب سوچو

ایک ریوڑ پالنے میں کتنا وقت لگے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ہندوستان کے اس عجیب وغریب جانور کے حالات کا بغور مطالعہ کر چکے تھے۔ جو زمین دریائے سندھ سے سیراب ہوتی تھی اس کا نام انہوں نے ہند رکھا اور باشندوں کو ہندی کہتے تھے۔ نیارکس نے اک چتکبرا سانپ پکڑنے کی کوشش کی جو چوبیس فٹ لمبا تھا لیکن سانپ اتنی تیزی سے نکل گیا کہ پکڑا نہ جا سکا۔ پھر اس نے طوطے پکڑوائے جو آدمی کی طرح بولتے تھے۔ اگرچہ یونانی زبان نہ جانتے تھے۔ انہیں کریٹس نے قسم کھا کر بتایا کہ میں نے لومڑی جتنی ایک چیونٹی دیکھی ہے وہ زمین کھود کھود کر سونا نکال رہی تھی۔

سکندر کو معلوم ہوا کہ جسے پھنیر سانپ ڈس لیتا ہے وہ بچتا نہیں۔ اس سانپ کی شکل ویسی ہی تھی جس کی تصویر فراعنہ مصر کے تاج سے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ اس نے سانپوں کا علاج کرنے والے ہندوستانیوں کو اپنے پاس بلا لیا اور انہیں ایک خیمے میں ٹھہرایا۔ ساتھ ہی حکم دے دیا کہ جیسے سانپ ڈس جائے اسے ان لوگوں کے پاس بلا دینا چاہیے۔ پیوسس ٹس نے بتایا کہ میں نے جنگل میں بہت چھوٹے چھوٹے آدمی دیکھے ہیں۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا کہ اچانک درختوں پر سے سنگ باری شروع ہوئی۔ میں نے اپنے آدمیوں کو ادھر ادھر پھیل جانے کا حکم دیا لیکن ان پ رگٹھلیاں اور فروٹ برابر برستے رہے۔ اچھوٹے آدمیوں نے گرمی کے باوجود پوستین پہن رکھی تھی۔ نیارکس نے بتایا کہ وہ آدمی نہیں بلکہ خوبصورت جانور ہیں جو آدمیوں کی نقالی کرتےہیں اور جو کچھ انہوں ے پہن رکھا ہے پوستین نہیں بلکہ ان کا اپنا چمڑا ہے۔ پیوسس ٹس مدت تک نیارکس کی یہ بات نہ مان سکا اور اسے یقین نہ آیا کہ اپنے فوجیوں کو لڑائی کا حکم آدمیون خے خلاف نہیں بلکہ بندروں کے خلاف دیا تھا۔ نیارکس نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے بندر پکڑ منگوائے۔ سکندر نے سلیوکس ار ملاجان کریٹ کو حکم دے دی اتھا کہ ملک کے اندر گھس جاؤ آدمیوں اور جانوروں کے جتنے نمونے ملیں اہیں ساتھ لے آؤ۔ ہاتھیوں کے لیے خاص

تاکید کی گئی تھی۔ نیارکس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر چھوٹے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کر لیا۔ جن میں بعض کو چلانے کے لیے تیس تیس چپو استعمال کیے جاتے تھے۔ وہ دریا ہی میں سے چلتے ہوئے اکتشافات کرنا چاہتا تھا۔ (سکندر نے پرانے مقدونوی لشکروں کی کمان ان آدمیوں کے سپرد کر دی تھی جو خود سپہ گری کے فن سے واقف نہ تھے لیکن بادشاہ کے احکام کی تعمیل خوب کرا لیتے تھے۔ اب ہفااسشن بہترین محافظ فوج کا کماندر تھا۔ سیلوکس معاون فوج کا اور نیارکس کی کمان میں اگریانیوں کا لشکر دے دیا گیا تھا) سکندر نے نیا بڑا دیکھا تو سخت خفا ہوا اور پوچھا کہ کیا جہاز سازوں نے یہ سمجھ رکھا ہے ہماری فوج ان پر سوار ہو کر خشکی میں پھرے گی۔ کریٹ کے ملاحوں نے جواب دیا۔ فوج ان جہازوں میں سوار ہو کر مشرق میں پھرے گی۔ کریٹ کے ملاحوں نے جواب دیا فون ان جہازوں میں سوار ہو کر مشرق کی جانب نہ جائے گی بلکہ ان جہازوں کے ٹکڑے گاڑیوں میں لد کا ساتھ جائیں گے۔ جہاں ضرورت پیش آئے گی انہیں جوڑ کر گہرے پانی میں سے گزرنے کا بندوبست کیا جائے گا۔ ساتھ ہی کہا کہ آپ ہی نے تو کشتیوں کا پل بنانے کا حکم دیا تھا سکندر بولا بے شک دریائے سندھ پر پل بن جانا چاہیے۔

مقدونویوں کو پہلے خیال تھا کہ سندھ پر پہنچتے ہی دریائے یل کا منبع مل جائے گا اور نیل کی طرح سندھ میں بھی کسی واضح سبب کے بغیر طغیانی آ جاتی تھی۔ کلیستھنز اور ارسطو دونوں کا عقیدہ تھا کہ نیل کا پانی سندھ ہی سے آتا ہے۔ ہیروڈوٹس نے مصر کو نیل کا عطیہ قرار دیا یعنی وہ کہتا تھا کہ نیل سالانہ طغیانیوں میں غیر معلوم خطوں میں جو ذرات لاتا تھا وہ چھوڑتا جاتا تھا۔ اس طرح زمین بنتی گئی۔ اگر یہ درست تھا تو ہندوستان کو بھی مصر کی طرح ایک تنگ اور لمبوتری زمین کی شکل میں سمندر تک جانا چاہیے تھا لیکن نیارکس چھان بین کے بعد صحیح نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ سندھ میں طیانیاں آتی ہیں ان کا ایک سبب یہ ہے کہ پہاڑوں سے برف پگھلتی ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ بلندیوں پر کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ اسے قیاس کر لیا گیا کہ نیل میں طغیانیاں بھی ان پہاڑوں پر بارش کی وجہ سے

آتی ہیں جو دور افتادہ حبشہ کے غیر معلوم خطے میں واقع ہیں۔

سندھ کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف نہ تھا بلکہ یہ جنوبی سمت میں بہتا ہوا سمندر میں گرتا تھا۔ نیارکس نے بتایا کہ دریائے سندھ کا منبع دور مشرق کی جانب ہے۔ بربری لوگ بتاتے ہین کہ منبع یہاں سے چھ ہزار سٹیڈیا ۳ کے فاصلے پر ہوگا۔

ان حقائق سے ثابت ہو گیا کہ سندھ کو نیل سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیل اور سندھ کے درمیان خشکیوں صحراؤں اور خلیجوں کی ایک وسیع دنیا حائل ہے۔ جس کا تصور بھی یونانیوں کو نہیں ہوا تھا اور فوجیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ ممکن نہیں۔ وہ یہاں سے جہازوں پر سوار ہو کر پانی کے راستے سے ممفس اور سکندریہ پہنچ جائیں گے۔ جہاں سے بحیرہ روم کا نیلا پانی نظر آتا تھا اس پانی کو دیکھنے کی انہیں تمنا تھی۔ نیارکس ملاحوں اور جہاز سازوں نے اس نتیجہ پر پہنچتے ہی باربرداری کے لیے ایک بیڑا تیار کرنا شروع کر دیا۔ انہیں امید تھی کہ سکندر مشرق جانب پیش قدمی کو روک کر جہازوں پر سوار ہو کر دریائے سندھ کے راستے واپس روانہ ہو جائے گا لیکن سکندر نے ایسی کوئی بات سننے کے لیے...... تیار نہ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اپنی کشتیاں اور پل لے کر مشرق کی طرف چلو۔

ملاحوں نے اسے بتایا کہ سندھ سے آگے بڑھیں گے تو چار اور بڑے دریا راستے میں آئیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہندوستان زمین کا تنگ خطہ نہیں بلکہ مشرق کی طرف بہت پھیلا ہوا ہے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ چوتھے دریا کے آگے کیا ہے۔ ملاح کہتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ آگے سمندر ہو۔ سکندر اس بارے میں یقینی علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال فوج جہازوں کو کشتیوں پر رکھ کر بادل ناخواستہ مشرق کی جانب روانہ ہوئی۔ وہ اب چپ چاپ چلی جا رہی تھی۔ گویا سکندر کی پیش قدمی اسے ہرگز پسند نہ تھی۔ انجام کار اس نے بغاوت اختیار کر لی اسی اثنا میں بارشیں شروع ہو گئیں۔ آسمان گرم زمین پر پھوٹ پڑے جہاں کیمپ لگا ہوا تھا وہ زمین راتوں رات میں پانی سے جل تھل ہو گئی۔ ٹرائے کے بعد سے انہوں نے اس قسم کا طوفان نہ دیکھا تھا لینک بارش سے بھی بڑھ کر

انہیں راجہ امبھی کے خلاف شکایت تھی۔ راجہ امبھی کے ساتھ عزیز دوست کا سا سلوک کیا گیا تھا۔ اس نے یونانیوں کا خیر مقدم کیا۔ تحفے دیے ارقا پنے پورے ملک کے وسائل ان کی نذر کر دیے لیکن سکندر نے امبھی سے جتنی چاندی وصول کی تھی اس سے کہیں زیادہ سونا اسے دے دیا تھا اور ملک بھی اسی کے حوالے کر دیا تھا۔ ہفا اسشن نے سڑک کے ساتھ ساتھ معمول کے مطابق مستحکم چوکیاں بنالیں جنمیں بیمار سپاہیوں کو رکھا جاتا تھا۔ آس پاس جو مکان بنے ان میں پناہ گیر رہنے لگے۔ سکندر نے راجہ کے ساتھ ہمسر کا سا سلوک کیا۔ فوج کو یہ حکم دے دیا کہ اس علاقے میں لوٹ مار قطعاً نہ کی جائے فوجیوں کو یہ شکایت تھی کہ اسے سے پیشتر مشرق کے کسی حاکم کو یہ عزت نہ دی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر ہندوستانیوں سے بہت خوش ہوا تھا۔ وہ تلشلا (ٹیکسلا) پہنچا تو کھیلوں کا انتظام کیا۔ ہندوستانیوں کے ساتھ دوستی کی خوشی میں قربانیاں کیں۔ یہ لوگ بھی آریہ تھے جو شمالی سمت کے میدانوں سے قبیلوں کی شکل میں آئے تھے۔ ایرانیوں کی طرح وہ بھی مویشی پالتے تھے صرف ایک بیوی رکھتے۔ آگ کی پوجا کرتے۔ اور اندر دیوتا کے آگے جھکتے۔ انمیں سے جن لوگوں کا درجہ سب سے اونچا تھا وہ بھی مقدونیوں کی طرح جنگجو تھے۔ انہیں چھتری کہا جاتا تھا۔ برہمن ان کے پجاری تھے جو یہ تعلیم دیتے تھے کہ کسی کی جان لینا یا دوسروں کو دھوکا دینا یا جائیداد کے لیے لڑنا گناہ ہے۔ کوروش کے پجاریوں نے بھی ایرانیوں کو یہی تعلیم دی تھی۔ چھتری اور برہمن سرزمین کے اصل سیاہ فام باشندوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ سکندر نے اعلیٰ جاتیوں کے آدمیوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا۔ راجہ امبھی کے سواروں کو اپنے فوج خاص کے ہمراہ رکھا۔ ہندوستانیوں نے سکندر کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ وہ اسے یورپی شہنشاہ کہتے۔ مقدونوی انہیں گلہ بان کہہ کر پکارتے۔ تو سکندر سخت خفا ہوتا۔

اب مختلف اقوام کا جتھا مشرق کی طرف بڑھا۔ فکر و خیال کے اعتبار سے ان میں اختلاف تھا لیکن ایک آدمی کی شخصیت ان سب کو اتحاد کے رشتے میں جکڑ لیا تھا۔ سکندر کا

تازیانہ ہی مقدونویوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ مشرقی سرحد پر انہیں ایک اور حکمران خاندان کی قوت سے مقابلہ پیش آ گیا۔ یہ پورداراجاؤں کا خاندان تھا جو امبھی کے مخالف تھے سکندر نے امبھی کو قول دے دیا تھا کہ میں پوردار راجا کی قوت توڑے بغیر دم نہ لوں گا۔ سکندر کو امید نہ تھی کہ اس مرحلے پر کوئی فوج مقدونویوں کے مقابلے پر میدان جنگ میں اترنے کی جرات کرے گی۔ اور ظاہر ہے کہ کسی فوج کے کامیاب ہونے کی امید نہ تھی۔ اس لیے انے مختلف عناصر کو ملا کر جو قوت پیدا کر لی تھی۔ وہ بڑی زبردست تھی۔ لیک پوردا خاندان کا راجہ جس کی حکومت دریائے جہلم کے بارتھی بارش میں مقابلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے لشکر میں کئی سو ہاتھی تھے۔ مقدونویوں کو اب تک ہاتھیوں سے مقابلہ پیش نہ آیا تھا اور وہ دریا پر پل بھی نہ بنا سکے جس کا پانی روزانہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ قوی ہیکل ہاتھی اور بے پناہ بارش ان کے اصل دشمن ہیں۔ پورداراجہ کو وہ چنداں طاقت ور نہ سمجھتے تھے۔ یہ ان کے اندازے کی غلطی تھی۔ جہلم کو عبور کرنا سکندر کے لیے آخری جنگ بن گیا۔

بلاشہ سکندر بارشوں کے تھمنے اور دریا کے اترنے کا انتظار کر سکتا تھا لیکن وہ انتظار کے لیے تیار نہ ہوا۔ مقدونویوں کو اس مسئلے کی اہمیت کا احساس ہی نہ تھا۔ اب ان کے پاس سوار ضرورت سے زیادہ تھے۔ لیکن ان پر واضح ہو گیا کہ گھوڑے ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ مقابلہ کے کنارے پر ہاتھی قطار در قطار کھڑے ہوں اور گھوڑے دریا میں تیر ہوئے پار ہو کر کنارے پر چڑھیں۔ صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد سکندر کے فوجی مشیروں نے سواروں کو ان کے مقامات پر بھیج دیا جہاں ہاتھیوں سے مقابلہ نہ تھا۔ اس طرح انہوں نے پورس راجہ کے لیے سوچ بچار کا مسئلہ پیش کر دیا۔ آریاں لکھتا ہے کہ اس قسم کا تجربہ انہیں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

”سکندر نے مناسب یہ سمجھا کہ پورس کو حیران کرنے کے لیے ہر سمت نقل و حرکت شروع کر دے اور کچھ پتا چلنے نہ دے کہ وہ کیا کرنا

چاہتا ہے۔اس نے اپنے لشکر کو چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں تقسیم کرلیا اور مختلف افسروں کے ماتحت یہ حکم دے کر پھیلا دیا کہ دشمن کے علاقوں کو لوٹتے رہو اور یہ معلوم کرتے رہو کہ دریا کہاں کہاں سے قابل عبور ہے۔غرض اس تدبیر کے مطابق ہر طرف سے غلہ فراہم ہونے لگا۔ اور پورس کو خیال ہو گیا کہ سکندر بارشیں تھمنے اور دریا کے اترنے تک انتظار کرنا چاہتا ہے۔یوں پورس کو آرام وراحت کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس لیے جب وہ دیکھتا تھا کہ کشتیاں دریا میں پھر رہی ہیں تو اور مشکیزے تیار کرکے دریا میں سے گزرنے کے انتظامات کیے جارہے ہیں جب وہ اپنی فوج کو دفاع کے لیے ایک جگہ جمع کرتا تو دوسری جانب سرگرمیاں شروع ہو جاتیں۔خصوصاً رات کے وقت مقدونوی جن جن مقامات پر جنگ کا نعرہ بلند کرتے یا ہنگامہ بپا کرتے پورس کو ہاتھی لے کر اسی طرف متوجہ ہونا پڑتا۔سکندر کی تدبیروں نے ہاتھیوں کے ساتھ دن رات نقل وحرکت کو پورس کا عام مشغلہ بنا دیا۔جب وہ بار بار تگ و دو کے بعد دیکھ چکا کہ جدھر جاتا ہے جنگ کی صداؤں کے سوا کچھ نہیں ملتا تو کیمپ جما کر بیٹھ گیا لیکن اس کے طلایہ دستے دریا کے کنارے پھرتے رہے جس سکندر کو یقین ہو گیا کہ پورس جنگ کی طرف سے بے پرواہو گیا ہے تو اس نے عبور دریا کا ایک عجیب وغریب منصوبہ تیار کیا اس نے کریٹرس کی فوج کے بڑے حصے کی کمان سپرد کی اور اسے کو کیمپ میں چھوڑ دیا الاؤ جل رہے تھے اور شور وہاں سے اٹھ رہا تھا۔کریٹرس کو یہ بھی تاکید کر دی گئی کہ جب تک راجا حرکت نہ کرے اور جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر نہ جائے اس وقت تک دریا عبور نہ کرنا۔اگر راجہ ہاتھیوں کا صرف ایک حصہ لے کر اپنے ساتھ لے جائے تو اسی

جگہ ٹھہرے رہنا۔ لیکن اگر وہ تمام ہاتھیوں کو لے کر میرے مقابلے پر نکل آئے تو فوراً تیزی سے دریا عبور کر لینا اس لیے کہ ہاتھیوں کے سوا سواروں کو روکنے والی کوئی چیز نہیں''۔

رات کے وقت سکندر نے عبور دریا کا فیصلہ کیا۔ اس نے مختلف لشکروں میں سے دستے چن لیے۔ ہفاسشن، بطلیموس، سیلکوس، کوئینس، اور پرڈیکاس ان دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ وہ دریا کی بالائی سمت میں اٹھارہ میل چلا گیا۔ اس مقام اور کیمپ کے درمیان سنتریوں کا زنجیرہ قائم کر دیا گیا تا کہ احکام تیزی سے پہنچتے رہیں۔ کشتیوں اور مشکیزوں پر بندھی ہوئی بلیوں کو چھپا کر اس مقام پر پہنچا دیا گیا تھا۔

''یہاں خشکی کا ایک حصہ اندر کی طرف بڑھا ہوا تھا اور دریا نے خم کھایا تھا۔ ہر قسم کے درخت اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سامنے ایک جزیرہ تھا وہ بھی روئیدگی سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن اس پر آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ اب جزیرے نے سکندر کی حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کو چھپائے رکھا۔ کریٹرس نے کیمپ میں حسب معمول الاؤ کا انتظام کیے رکھا۔ اس اثنا میں سخت بارش ہوئی۔ بجلی کی کڑک میں ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ کم ہو گئی نقل و حرکت یا افسروں کے احکام کی صدا بھی سنی جا سکتی تھی۔ طلوع آفتاب سے پیشتر بارش بند ہو گئی۔ ہوا بھی تھم گئی۔ جزیرے کے بالمقابل کشتیاں دریا میں ڈال دی گئیں۔ گھوڑوں کو ان تختوں پر سوار کر دیا گیا جن کے نیچے مشکیزے بندھے تھے۔ پیادہ فوج کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرے کا چکر کاٹتی ہوئی آگے بڑھی سکندر نے تیس چپوؤں والے جہاز میں دریا عبور کیا۔ سلیوکس اور بطلیموس اس کے ساتھ تھے۔ وہ چپ چاپ دوسرے کنارے پر اترے جو سوار پہلے پہنچ گئے تھے انہیں حکم دیا گیا کہ اترنے والی پیادہ فوج کی حفاظت کا

انتظام کریں''۔

یہاں تک منصوبے کے مطابق کامیابی سے عمل ہوا۔ سکندر اپنے رسالے کو آگے بڑھانے کی تیاری کر رہا تھا کہ پہلی مرتبہ رکاوٹ پیش آئی۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ دریا کے پار نہیں پہنچے بلکہ ایک اور جزیرے پر اتر گئے ہیں۔ یہ جزیرہ بہت بڑا تھا اور بظاہر کنارے سے ملا ہوا تھا۔ لیکن حقیقت میں الگ تھا۔ جزیرے اور کنارے کے بیچ میں سے پانی کا تیز دھارا رواں تھا۔ وہ کنارے کے سامنے کیچڑ میں دھنسے ہوئے تھے۔ دشمن کے پہرے داروں نے انہیں دیکھ لیا۔ اس اثنا میں حملہ آور دستے کشتیوں میں سے اتر کر ان کے پیچھے جمع ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں انہیں ایک گھاٹ کا پتا مل گیا۔ اس میں سے گزرنے لگے تو پانی آدمیوں کی بغلوں اور گھوڑوں کی گردنوں تک تھا۔ انجام کار سوار کنارے پر پہنچ گئے۔ زمین کیچڑ کا سمندر معلوم ہوتی تھی بس اس کے بعد وہ منصوبہ بالکل درہم برہم ہو گیا جو بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا تھا۔

وہ ابھی کیچڑ سے باہر نہ نکل سکے تھے کہ دشمن کی پہلی فوج سامنے آ گئی۔ سکندر نے سوار تیر اندازوں کو آگے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہیں۔ اس کے ساتھ رتھ بھی ہیں اور سوار بھی۔ سکندر رسالہ لے کر آگے بڑھا۔ دشمن کا لشکر یا تو کیچڑ میں پھنس گیا یا یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور اسی جگہ لڑتے ہوئے تباہ ہو گیا۔ اس چپقلش نے پیش قدمی خاصی دیر تک روکے رکھی۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ پورس کی فوج کیا کر رہی ہے۔ سکندر نے سواروں کو لے کر جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ پیادوں کو اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے آنے کا حکم دیا ایک گھنٹے میں وہ اتنی دور نکل گیا کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پیادے کیچڑ میں دھنستے ہوئے بمشکل چلے جا رہے تھے۔

جب دشمن کی بڑی فوج سے مقابلہ پیش آیا تو سکندر کے ساتھ صرف سوار تھے اور راجہ کی فوج تیتلی بلند زمین پر صفیں باندھے کھڑی تھی۔ جس پر جم کر لڑنا سہل تھا۔ بکتر بند ہاتھی فوج کے آگے تھے۔ ان کی تعداد دو سو ہوگی۔ ہر ہاتھی کے درمیان ایک ایک سو فٹ کا فصل

تھا۔ ہر خلا میں تیر انداز کھڑے تھے جن کی کمانیں ایسی زبردست تھیں کہ تیر چلاتے وقت ان کے گوشے زمین پر رکھنے پڑتے تھے۔ نیزی بردار اور شمشیر زن تیر اندازوں کی مدد پر کھڑے تھے۔

سکندر اسی صف بندی کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ ٹھہر کر انتظار کرنے لگا۔ کریٹرس آ جائے۔ اس کا کوئی نشان نہ تھا۔ (کریٹرس تعمیل حکم میں اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ اس لیے کہ راجہ ہاتھیوں کی ایک تعداد اور کچھ فوج کیمپ میں چھوڑ کر باہر نکلا تھا) کئی گھنٹے گزر گئے تو پیادہ فوج پہنچی۔ سکندر نے اسے تھوڑی دیر سستانے کا موقع دیا۔ جب پیادے صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے تو سکندر نے رسالے کا بڑا حصہ ان کے دائیں بازو پر پہنچا دیا۔ مقدونویوں کی یہ عام جنگی ترتیب تھی۔ اب اس کے ساتھ سوار تیر انداز بھی تھے۔ یعنی باختری اور ستھی قوت کے اس بے پناہ ذخیرے کے ساتھ اس نے کامیابی کے مختلف تجربے کیے۔ مثلاً پہلے اپنی فوج خاص کے ساتھ پیچھے کی طرف ہٹا۔ یہ دراصل ایک چال تھی۔ دشمن کے رسالے نے اس کا تعاقب کیا۔ فوج کو دوسرے جیش لمبا چکر کاٹ کر تعاقب کرنے والے رسالے کے عقب میں پہنچ گئے۔ خود سکندر بھی بیوسی فالس پر سوار تھا اور گھمسان کے رن میں وہ اسی پر سوار ہوتا تھا۔ یکایک بیوسی فالس گرا حالانکہ اسے کوئی زخم نہ لگا تھا معلوم ہوتا تھا کہ تکان نے بوڑھے گھوڑے کا دم توڑ دیا ہے۔ وہ گرتے ہی مر گیا۔

مقدونوی سواروں نے ہندوستانی رسالے کو دونوں جانب سے نرغے میں لے لیا۔ رسالہ اگرچہ بے بس ہو چکا تھا۔ لیکن وہ بڑی مردانگی سے لڑا۔ سکندر تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر رن میں گھس گیا۔ وہ پیادوں سے بالکل بے پرواہ ہو چکا تھا جو ہاتھیوں اور تیر اندازوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ان کی تعداد چھ ہزار ہو گی۔ سلیوکس اور پرڈیکاس نہیں آگے بڑھا رہے تھے۔ لیکن ہاتھیوں کے مقابلے کے لیے انہیں کوئی تدبیر نہ بتائی گئی تھی۔ ان قوی ہیکل جانوروں نے بھی آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ

پیادوں ن ان کا مقابلہ کس طرح کیال ہم فقط یہ جانتے ہیں کہ مقابلہ کیا اور رو کے رکھا۔ آڑیاں کہتا ہے کہ ایسی جنگ کا تجربہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ہاتھی جب آگے بڑھتے تو پیادوں میں گھس جاتے جو ایک جگہ جمے کھڑے تھے۔ پیادوں نے کسی نہ کسی طور ہاتھیوں کو رو کے رکھا۔ پھر ہاتھی پلٹ پڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیادوں نے مہاوتوں کو مار ڈالا تھا۔

اب پورا مقدونوی رسالہ سکندر کے حکم کے مطابق نہیں بلکہ اتفاقات جنگ کے مطابق ایک جگہ جمع ہو چکا تھا۔ راجہ پورس کے ہاتھی پلٹے تو راجہ کے سواروں سے بھڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو بھی اتنا ہی نقصان پہنچایا جتنا کہ دشمن کو۔ ان میں سے زیادہ تر ایسے تھے جو اپنی جگہ کھڑے نہ رہ سکتے تھے۔ اس لیے کہ خود ان کے زخم لگے یا ان کے مہاوت مارے گئے جب وہ تھک گئے اور حملے کے قابل نہ رہے تو وہ آہستہ سے پیچھے ہٹنے لگے...... جو ہاتھی مارے نہ گئے وہ سب پکڑے گئے۔

اس زدوکشت میں سے ہوتا ہوا سکندر اپنی پیادہ فوج کے پاس پہنچا اور اس کی از سر نو صف بندی کر کے حکم دیا کہ اپنی ڈھالوں کو اپنی پشتوں کے طور پر استعمال کرو اس وقت کریٹرس کی فوج بھی دریا عبور کر کے ساحل پر آ گئی۔ اس نے بچی کھچی دشمن فوج کا تعاقب کیا۔ خود سکندر کی فوج اتنی تھک چکی تھی کہ ہل بھی نہ سکتی تھی۔ اس دن کی جنگ کے بعد مقدونیہ کی پیادہ فوج اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکی۔

میدان جنگ سے ہٹنے والوں میں راجہ پورس غالباً سب سے آخری شخص تھا۔ وہ جنگی ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھی اور سوار بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ سکندر نے اسے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ راجہ امبھی کی فوج کے افسروں کو پیچھے بھیجا کہ اسے حوالگی پر راضی کر لیں راجہ نے انکار کر دیا۔ آخر سکندر نے اپنے ایک افسر کو پیغام خاص دے کر بھیجا۔ اس وقت پورس ہاتھی سے اترنے پر راضی ہوا اور سکندر کا انتظار کرنے لگا۔ سکندر اس کے پاس پہنچا تو بات کرنے سے پہلے گھوڑے سے اتر گیا۔ پورس کے قد و قامت اور طرز و اسلوب سے وہ بہت متاثر ہوا۔ پہلے اس کی خدمت میں پانی کا گلاس پیش کیا گیا۔ پھر وہ خود سکندر کی طرف

آیا:

''تم کس قسم کے سلوک کے طلب گار ہو؟'' فاتح نے پوچھا۔

''جیسا سلوک بادشاہ بادشاہوں سے کرتے ہیں''۔

صاف معلوم ہوتا تھا کہ پورس نے یہ بات بڑے بے پروایانہ انداز میں کہی تھی۔

سکندر: ''بالکل بجا لیکن اور کیا چاہتے ہو؟''

راجہ: ''میرے پہلے جواب میں سب کچھ آ گیا''

فاتح اور مفتوح کے درمیان یہ بات چیت ایک افسانے کے طور پر مشہور ہے۔ اور یہ افسانہ ایشیا کی بہت سی زبانوں میں آ گیا ہے۔ سکندر اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور اس کی رعایا کو کامل معافی دے دی گئی۔ جہلم کے خون آلود ریت پر اس نے دو شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ ایک کا نام ٹیکائی ۴ رکھا اور دوسرے کا نام بیوسی فالا ۵۔ آخری شہر اس گھوڑے کی یادگار میں بنا جس نے سترہ سال سکندر کی رفاقت کی تھی اور اسے یہیں دفن کیا گیا۔

عبور جہلم نے سلیوکس کے دل پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔ یہیں اسے ہاتھیوں کی قوت کا صحیح اندازہ ہا۔ چند سال بعد وہ مغربی ایشیاء کا بادشاہ بنا تو اس نے اسی اہتمام سے ہاتھی فراہم کیے۔ جس اہتمام سے بطلیموس نے جواہرات اور عورتیں جمع کی تھیں۔ سلیوکس نے پورا ایک صوبہ ہاتھیوں کے ایک گلے کی قیمت میں دے دیا تھا۔ مقدونوی بہادروں پر جنگ جہلم میں جو زخم لگ چکے تھے انہیں جشن یا شہروں کی تعمیر کے تحفے مندمل نہ کر سکتے تھے۔

پانچویں دریا میں پہنچ کر فوج نے بغاوت کر دی۔ یہ بیاس تھا جسے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے آخری سمجھنا چاہیے۔ ۶ جہلم سے بیاس تک مقدونویوں نے اڑتیس پہاڑی شہروں پر قبضہ جمایا۔ وہ بارشوں میں کوچ کرتے رہے۔ سکندر کشمیر کے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ سانگلا کے قلعے پر حملے کے وقت بارہ سو آدمی زخمی ہوئے۔ جو وہ شمالی ہند کی سرزمینوں میں سے گزرے۔ اس سے آگے کے متعلق راجا پورس یا راجا ابھی

کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ آخری دریا کے پار مقدونویوں کو ہاتھیوں اور کوہ ہمالیہ کی ہر لحظہ بلند ہوتی ہوئی دیواروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ سر ویروں نے بتایا کہ اس سے آگے اس دریا کی غیر معروف زمینیں ہیں جس کا نام گنگا ہے وہ سندھ اور نیل سے بھی بڑا ہے۔ مقدونوی سپاہیوں نے بیاس پر پہنچ کر اپنے خیموں میں مشورے کیے۔ اور سب متفق ہو گئے کہ اب وہ ایک سمت چلیں گے یعنی گھر کی طرف۔

جب افسروں نے فوجیوں کے احساسات سکندر کے سامنے پیش کیے تو اس نے مختلف لشکروں کے سالاروں کو جمع کیا۔ وہ پہلے اس قسم کی نافرمانیوں کو ختم کر چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب بھی فوجیوں کو راضی کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اگر لشکروں کے کماندار فرمانبرداری پر تیار ہو جاتے تو فوجی ساتھ دیتے۔ خواہ انہیں کتنی ہی شکایتیں ہوتیں۔ کمانداروں نے اسے بتایا کہ فوجیوں کو رزم و پیکار کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔ سکندر نے جواب دیا کہ بہادروں کی محنت و مشقت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ محنت و مشقت ختم ہو جاتی ہے۔ کیا تم آگے بڑھنے سے اس لیے ڈرتے ہو کہ اور بربری لوگ تمہارے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے؟ اگر ہم اب واپس چلے گئے تو یہ خوف ہے کہ جن قوموں کو ہم نے مطیع کر لیا ہے غیر مطیع قومیں انہیں مقابل پر آمادہ کر لیں گی۔ اگر تم لوگ ختم جنگ کا وقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو میں بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر دریائے گنگا بہتا ہے اور اس سے ذرا آگے سمندر ہے بس وہاں پہنچ کر جنگ ختم ہو جائے گی۔

اس نے اپنے خیال کے مطابق مشرقی دنیا کا نقشہ پیش کر دیا اور بتایا کہ سمندر کے پاس پہنچ کر بیڑا تعمیر کریں گے اور ہندوستان کے اوپر سے گزر کر مصر پہنچ جائیں گے۔ پھر لیبیا کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہرقل کے ستونوں تک جائیں گے (جبل الطارق) اس نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے محنت و مشقت سے کتنی بڑی دنیا فتح کر لی ہے۔ آئی رونیا کا ساحلہ علاقہ ایشیائے کوچک' فونیقیہ کا ساحلی علاقہ' مصر' لیبیا' عرب کے مختلف حصے' شام کا میدان' دوآبہ' دجلہ وفرات کی سرزمین' بابل' شوش' مادہ اور ایران کی سرزمین باب قزوین کے آگے

کی سرزمین سطح مرتفع تک سھتیا اور ہندوستان ۔فوجیوں کے استقلال کی بدولت یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے ۔تھوڑا سا اور استقلال دکھائیں گے ۔تو مزید فائدے حاصل ہوں گے ۔اس نے کہا کہ ہم نے مل جل کر محنت کی ۔ میں تمہارے ساتھ تکلیفیں اٹھاتا رہا اور جو کچھ حاصل ہوا اس سے ہم ایک ساتھ فائدے اٹھائیں گے ۔ ہمت نہ ہارو۔ہم واپس جا کر کیا کریں گے؟ مقدونیہ میں بیٹھ کر الیریا اور تھریس کے قبیلوں سے لڑیں گے؟ جو جانا چاہتا ہے واپس چلا جائے ۔لیکن میں قسم کھاتا ہوں کہ جو میرے ساتھ رہیں گے وہ اہل وطن کے لیے رشک کا باعث بنیں گے کیا اب تک میں نے اپنا کوئی وعدہ توڑا ہے؟

وہ سمجھتا تھا کہ اس کا جواب ایک ہی ملے گا اور وہ یہ کہ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔اس نے غصے سے کہا کہ جسے یہ باتیں منظور نہیں وہ صاف صاف بتا دے تمہیں اپنا دل میرے سامنے کھول دینا چاہیے۔کوئنس نے کہا ''میں فوج کے بڑے حصے کا ترجمان ہوں اے ہمارے سپہ سالار میں آپ کا بھی ترجمان ہوں'' سکندر نے حرت کی نگاہوں سے اسے دیکھا کوئنس نے کہا ''میں آپ کو یا فوجیوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا لیکن فوج کی پختہ رائے یہ ہے کہ اس کی محنت و مشقت اور خطرات کا کہیں نہ کہیں خاتمہ ہونا چاہیے تاکہ جو کچھ حاصل ہو چکا ہے اسے قبضے میں رکھ سکیں ۔فوج بری طرح تباہ ہو چکی ہے ۔آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ جو مقدونوی یونانی ہامرے ساتھ چلے تھے۔ان میں سے صرف چند رہ گئے ہیں باقی یا تو جنگوں میں مارے گئے یا زخمی ہو کر کام کے قابل نہ رہے ۔یا بیمار پڑے گئے یا نئے آباد کردہ شہروں میں مرضی کے خلاف چھوڑ دیے گئے ۔ بیماری بہت بڑے حصے کو تباہ کر چکی ہے ۔ان لوگوں کا معائنہ کیجیے جو خدمات انجام دینے کے بعد اب تک زندہ ہیں۔ان کی حالت خراب ہے اور اصل بات یہ ہے کہ وہ ہمت ہار چکے ہیں ۔آپ نے اہل تھسلی کو واپس وطن بھیج دیا اچھا کیا۔اس لیے کہ وہ ساتھ چلنے کو تیار نہ تھے ۔

سکندر نے بے اختیار ہو کر پوچھا خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ کوئنس نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ''کیا چاہتے ہیں؟ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے

ماں باپ کی زیارت کے لیے مضطرب ہیں دوسرے اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے کے خواہاں ہی سکنز اب ہمیں ہماری رائے کے خلاف آگے نہ لے جا۔اس لیے کہ ہم وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔اگر اب ہمیں وطن واپس لے چلو گے تو دوبارہ ستھیوں اور قرطاجنوں کے خلاف تمہارے ساتھ آنے پر تیار ہو جائیں گے۔۔ تمہیں بہت سے مقدونوی سپاہی مل جائیں گے جو انعامات کے لیے تمہارا ساتھ دیں گے اور جنگ میں ان کے لیے خوف کا باعث نہ ہوگی۔اس لیے کہ انہوں نے خطرات نہ دیکھے ہوں گے......"۔سب نے ان الفاظ کی تائید کی۔سکندر غصے سے بھرا ہوا مجلس سے اٹھ گیا اور اپنے شامیانے میں جا بیٹھا۔ کسی کو ملاقات کی اجازت نہ دی۔صرف ملازم اس کے پاس کھانا لے جاتے۔تجربے سے وہ اپنی جان چکا تھا کہ لوگ آپس میں بات چیت کر کے ارادہ تبدیل کر لیں گے۔لیکن اب اس کے سپاہی چپ بیٹھے رہے اور اس کے قریب نہ گئے۔اسنے سپاہ کے نام حکم بھیجا کہ میں تو آگے جا رہا ہوں جو میرے ساتھ چلنا چاہے وہ چلے۔اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ فوج ہٹنے کے لیے تیار نہ تھی۔وہ صرف ایک بات کی خواہاں تھی کہ سکندر انہیں واپس لے جائے۔

تین دن تک کشمکش کا یہ سلسلہ جاری رہا۔پھر سکندر نے بوڑھے مقدونوی افسروں کو اپنے خیمے میں بلایا اور خیمہ بہ خیمہ کانا پھوسی ہوتی رہی۔وہی افسر بلائے گئے تھے۔جو وطن کی بہبود کے سب سے بڑھ کر خواہاں تھے۔کچھ معلوم نہیں کہ ان کے اور سکندر کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔لیکن جب خیمے میں سے باہر نکلے تو یہ حکم لے کر آئے کہ عبور دریا کے لیے نیک شگون نکالے جائیں۔اگر شگون نیک نکلے تو فوج کو واپسی کا حکم مل جائے گا۔ افسروں نے ایرسٹانڈر کو بلایا وہ اپنی پیش گوئیوں سے صحیح یا غلط سمجھے جانے کے بارے میں بے پرواہ ہو چکا تھا۔اب بیس ہزار آدمی اسے اپنی امیدوں کا مرکز بنائے بیٹھے تھے بطلیموس نے یاد دلایا کہ اب تک جتنی پیش گوئیاں کر چکے ہو یہ سب سے بڑھ کر ناسازگار ہونی چاہیے۔

چنانچہ بھیڑ ذبح کی گئی اور اس کا جگر دیکھا گیا۔ ایرسٹانڈر نے بتایا کہ بیاس کو عبور کیا تو بہت بڑی آفت نازل ہوگی۔ یہ سنتے ہی لوگ چھلانگیں مارتے اور خوشیاں مناتے ہوئے سکندر کے خیمے کی طرف گئے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر انہوں نے دعا کی وہ سمجھ رہے تھے کہ اب مقدونیہ پہنچیں گے۔ سکندر نے بارہ ستون بیاس کے کنارے کھڑے کرنے کا حکم دیا تھا جنہیں وہ اپنی مراجعت کا نشان بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے جہلم اور جہازوں کی طرف پلٹ پڑا جہاں ہفاسشن کی یادگار میں نیا شہر بنوا رہا تھا۔

☆☆☆

انیسواں باب :: مغرب کی جانب مراجعت

سکندر مشرق سے واپس ہوا تو جو کچھ وہ چھوڑ آیا تھا فوجیوں کو اس کا پورا اندازہ نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاں پہنچا ہوا ہے وہاں ربع مسکوں کی حد بہت قریب ہے۔ اور اس سے آگے مشرقی سمندر واقع ہے۔ محض فتوحات یا شان و شکوہ کی کشش اسے اتنی دور نہ لائی تھی۔ وہ صرف اس لیے آ گیا تھا کہ زمین کے آخری اسرار معلوم کر لے۔ مزید برآں وہ اپنی خیالی دنیا کی شان و شوکت سے دست بردار ہو رہا تھا۔ جہاں پرناسس کی بلندیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور جہاں ایسے وجود آباد تھے جو حیوانوں سے بہت بالا تھے۔ اور ان میں الوہیت کے اجزاء پائے جاتے تھے۔ وہ برسوں تک کتابوں کے مطالعے میں جو عجیب و غریب خواب دیکھتا رہا تھا۔ انہیں پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ اس کا استقلال اور اس کی بے پناہ قوت ارادہ اس تلاش سے وابستہ تھے اور وہ خود آخری راز تک پہنچنے کا خواہاں تھا۔ (وہ بحر الکاہل تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ جو اس کے تخمینے سے بہت دور مشرق میں واقع تھا۔ یہ بھی ایک غیر معمولی واقع تھا کہ وہ بیاس تک پہنچ گیا۔ رومی لشکر اس مقام سے اٹھارہ سو میل پیچھے تک بمشکل داخل ہو سکے تھے۔ اور مغربی ملاح دو ہزار سال بعد فوج کے ساتھ شمالی ہند میں داخل ہوئے)۔

سکندر آٹھ سال تک مشرق کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اب اس پیش قدمی میں سے دست بردار ہوتے ہی اس کی طبیعت بدل گئی۔ اس میں جو دل خوش کن اعتماد قدم قدم پر پایا جاتا تھا وہ ختم ہو گئی اور اس کی جگہ اک گونہ آزردی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجہ نے لے لی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب اپنے گھر کو منظم کر دینا چاہتا ہے۔ غالباً اسے یہ احساس بھی تھا کہ فوج نے وفاداری کا حق ادا نہ کیا۔ یقیناً جس فوج کو وہ مشرق کی طرف لایا تھا اسے زیادہ مشکل راستے سے واپس لے گیا اس لیے کہ آمد و رفت کے نئے ذریعے دریافت کرنا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ اسنے کہا تھا کہ میں کسی مقدونوی کو اس کی مرضی کے خالف جانے پر مجبور نہ کروں گا لیکن وہ ان مقامات پر گیا جہاں چند ہی مقدونوی جانا پسند

کر سکتے تھے۔

واپسی کا سفر دریا کے راستے شروع ہونے سے بیشتر کوئنس بخار سے بیمار ہو کر مر گیا۔ اور اسے نکائیا میں دفن کیا گیا۔ یہ شہر نیا بنا تھا اور بارشوں میں اسے نقصان پہنچ چکا تھا۔ سکندر نے شمالی ہند کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام لشتم پشتم کیا۔ تمام علاقے دیسی حکمرانوں کے حوالے کر دیے جو علاقے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھے ان کا انتظام مقدونوی افسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ بیماروں اور بعض دوسرے آدمیوں کو نئے شہروں میں بسایا۔ دیسی فوجیں توڑ کر سب کو انعامات دیے۔ پھر وہ دریائے جہلم کے راستے سندھ اور جنوبی سمندر کی طرف روانہ ہوا۔ جہاز کے اگلے حصے میں کھڑے ہو کر سنہری صراحی سے چڑھاوے کی شراب ہرقل آئن اور دوسرے دیوتاؤں کے نام لنڈھائی۔ پھر تریوں کے ذریعے سے روانگی کا حکم دے گیا۔ آہستہ آہستہ جہاز روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت ایسا شور و غل کبھی نہ سنا گیا تھا۔ سپاہی نعرے لگا رہے تھے۔ ملاح گا رہے تھے۔ دریا کے کنارے جہازوں سے اونچے تھے۔ اس لیے آوازیں کناروں سے ٹکرا کر گونجتی تھیں۔ جو ہندوستانی سکندر کی فرمانبرداری قبول کر چکے تھے‘ وہ حیران رہ گئے اور گاتے ہوئے کنارے کنارے جہازوں کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ انہیں گانا بجانا بہت پسند تھا۔

یہ پرجوش خوشیاں اس وقت تک قائم رہیں جب تک اس مقام پر نہ پہنچ گئے جہاں دریائے سندھ دریائے جہلم سے ملتا تھا۔ یہاں پانی بہت تیز تھا جن جہازوں کے پیندے بہت بڑے تھے ان کو تو زیادہ نقصان نہ پہنچا۔ یہ جہاز نیارکس کی نگرانی میں فرنیقی قبرصی اور مصری جہاز سازوں نے بنائے تھے لیکن جو جہاز اتھلے تھے۔ ان پر پانی پھر گیا۔ سکندر نے یہاں اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان کے وسطی میدان میں سے ہوتی ہوئی آگے بڑھے۔

روانگی کے وقت یہ انتظام کیا گیا کہ دریائے جہلم کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ

باربرداری کی گاڑیاں چلیں۔ ایک جانب کمان ہفاسشن کے سپرد تھی۔ دوسری کی کریٹیرس کے ساس طرح یہ فائدہ تھی ہوا کہ دونوں سالاروں میں کشاکش کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ اس نے ایک فوج آس پاس کے علاقے میں بھیج دی تاکہ جو لوگ لڑائی کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ انہیں منتشر کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ صحرائے تھر کے کنارے کے قریب علاقہ ملی میں پہنچ گئے۔ آریاں لکھتا ہے کہ اس حصے کے لوگ بہت بہادر تھے۔ ان میں سے تھوڑے ہی حوالگی پر آمادہ ہوئے۔

ایک مقام کو فتح کر کے آگے بڑھتے تو دوسرے مقام پر مزاحمت شروع ہو جاتی۔ اس مسلسل مزاحمت نے ان مقدونویوں کے دل میں تلخی پیدا کر دی جو جنگ سے تنگ آ چکے تھے۔ نئی مشکلات نے ان کے غصے کی آگ بھڑکا دی اور تاخیر نے انہیں اپنے سوا ہر ایک کی تکلیف سے بے پروا بنا دیا۔ چنانچہ وہ مقابلہ کرنے والوں کو گاؤں گاؤں دوڑائے پھرتے اور اسی طرح صحرا میں پہنچا دیا۔ جو ہاتھ آتا اسے آناً فاناً قتل کر دیتے۔ روزنامچہ نویسوں نے یہاں پہنچ کر مختلف آبادیوں میں قتل عام کا ذکر کیا ہے۔ سکندر کی عجیب حالت تھی۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہو چکا تھا کہ جہاں سے گزرے مزاحمت کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑنا چاہیے۔ بعض اوقات وہ خود حملہ آور فوج کو لے کر نکلتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر اسے سخت گزند پہنچا۔ جس سے فوج میں ایک خوف کی لہر دوڑ گئی۔

وہ ایک قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ سکندر نے بے صبری کے عالم میں خود دیوار کے ساتھ سیڑھی لگوائی اور اوپر چڑھ گیا۔ پیوسس ٹس اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ سکندر کا خاص پہرے دار جو ٹرائے والی ڈھال لیے ساتھ تھا وہ پیوسس ٹس کے پیچھے چڑھا۔ ایک اور بہادر نے اس کا ساتھ دیا۔ اردگرد کے برجوں سے آتش بازی ہو رہی تھی۔ لیکن یہ چاروں دیوار پر پہنچ گئے۔ پھر سپاہیوں کا ریلا سیڑھی کی طرف بڑھا تو وہ ٹوٹ گئی۔ سکندر نے دیوار کے اوپر بیٹھے بیٹھے آتش بازی کا ہدف بننا پسند نہ کیا اور وہ اندر کی طرف کود پڑا۔ تینوں رفیقوں نے اس کی پیروی کی۔ دیوار سے پشت لگا کر وہ حملہ آوروں کا

مقابلہ کرنے لگے۔ ڈھالوں کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ کر رہے تھے اسی اثناء میں ایک ساتھی مارا گیا اور ایک تیر سکندر کے پھیپھڑے میں جا لگا جس نے اسے زچ کر دیا۔ وہ بے بس ہو کر گرا تو پیوسس ٹس اور خاص پہرے دار نے اس کے جسم کے روبرو اپنے جسموں کو ڈھال بنا لیا۔ وہ بھی بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ اس نازک وقت میں وہ دوسرے مقدونوی سپاہی دیوار پر سے کودے دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔

سکندر کو اٹھا کر باہر لاتے ہوئے اس کے زخم سے باہر نکل رہی تھی۔ افواہ پھیل گئی کہ وہ مارا جا چکا ہے:

''جس کیمپ سے وہ نکلا تھا وہاں لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ پھر وہ حوصلے ہار بیٹھے۔ حیران تھے کہ اب فوج کی قیادت کون کرے گا۔ اور وہ اپنے وطن واپس کیوں کر جائیں گے۔ قوی اندیشہ تھا کہ سکندر کے خوف سے آزاد ہونے کی خبر پھیلتے ہی تمام جنگجو قومیں بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گی۔ پھر وہ اجنبی گاؤں سے گھرے بیٹھے تھے اور سکندر کے سوا ان کی واپسی کا نقشہ کوئی تیار نہ کر سکتا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے تو انہیں اندیشہ تھا کہ فوج محافظ اور جرنیلوں نے خود خط تیار کر لیا ہے۔ جب سکندر تمام حالات کا جائزہ لینے کے قابل ہوا اور فوج کی کیفیت اسے بتائی گئی تو اندیشہ ہوا کہ کہیں فوج بغاوت نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ مجھے اٹھا کر کشتی پر پہنچاؤ۔ کشتی پر اپنی نشست اس جگہ سے اتنی اونچی بنوائی کی ارد گرد جو فوج کیمپ میں پڑی تھی تھی اسے خوب نظر آ جائے۔ پھر بھی اس کے دل میں شبہ رہا کہ شاید لوگ اس مردہ سمجھیں چنانچہ جیسے جیسے کشتی چلتی تھی وہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھاتا تھا تا کہ فوج کو اس کے زندہ ہونے کا یقین ہو جائے''۔

اسی طرح سکندر کے زدہ ہونے کا غیر مشتبہ ثبوت مل گیا تو لوگ کیمپ چھوڑ کر کنارے پر

پہنچ گئے۔ کشتی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور پھولو کا ہار بنا کر سکندر کی طرف پھینکنے لگے۔ کشتی کنارے لگی تو سکندر نے حکم دیا کہ گھوڑا لاؤ۔ افسروں کی التجاؤں کے خلاف وہ انتہائی کوشش کر کے گھوڑے پر سوار ہوا اور آہستہ آہستہ فوج میں سے گزرتا ہوا اپنے خیمے میں پہنچا۔

جب سکندر کی حالت نازک تھی اور فوج کی پیش قدمی رک گئی تھی تو نیارکس نے مزید جہاز بنانے کا حکم دے دیا تھا۔ اس نے سکندر کے طرز عمل سے سخت اختلاف کیا اور کہا اپ کی حالت اس آدمی جیسی ہے جس پر شراب کا نشہ غالب آچکا ہو۔ آپ لڑائی میں سخت خطرے میں گھس جانے میں بھی متامل نہیں کرتے حالانکہ آپ کو عام سپاہیوں کی طرح خطرے میں نہ پڑنا چاہیے۔ سکندر کو یہ کتہ چینی پسند نہ آئی۔ پاس ہی ایک مقدونوی بہادر کھڑا تھا اس نے سکندر کے چہرے پر جب خفگی کے آثار دیکھے تو وطنی زبان میں کہا "بہادروں کو بلند پایہ کارنامے انجام دینے میں تکلیفیں اٹھانی ہی پڑتی ہیں" سکندر نے یقیناً یہ زخم اٹھا کر بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

دیر تک وہ کمزور پڑا رہا۔ جہاز میں بیٹھ کر سفر کرتا۔ دریا کے کناروں پر جو سردار رہتے تھے انہوں نے وفاداری کے حلف اٹھائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مقامی حکمرانوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرنا چاہتا ہے۔ جب اس نے مغرب کی جانب مراجعت کا فیصلہ کر لیا۔ نیز پھیپھڑے میں سخت زخم لگ چکا تھا تو نظام حکومت ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کے لیے بنا رہا تھا۔ اس سے بھی چنداں دلچسپی باقی نہ رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دریائی راستے کا افتتاح کر رہا تھا۔ جہاں مقام ہوتا انجینئر کوئیں کھود لیتے اور پانی کی نالیاں بنا لیتے۔ دریاؤں کے مقام اتصال پر انہوں نے جہاز سازی کے کارخانے قائم کر دیے۔ یونانی بت تراشوں نے ہندوستان کے فن تعمیر کا مطالعہ کیا اور دستکاری کے نمونے یہاں چھوڑ گئے انسانی جسم اور چہرے کے عمدہ نمونوں کی پیروی ہندوستانی فن کاروں میں نسل در نسل جاری رہی۔ یہاں تک کہ بودھوں کے آخری دور میں یہ نمونے ایک خاص شکل

اختیار کر گئے اور وہی نمونے وسط ایشیا سے مشرقی جانب پھیل گئے۔فوج کے ساتھ جو سائنس دان تھے انہوں نے نئی غذائی اجناس' کھانڈ' زعفران اور چاول کے متعلق حالات معلوم کر لیے۔ ہیئت دانوں نے ایسے مشاہدات کا مقابلہ ہندوستانی ستارہ شناسوں کی مشاورت سے کیا۔طبیبوں نے ایک دوسرے سے بخار اور طاعون کے علاج کے طریقے سیکھے۔

وہ دریائے سندھ پر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں اس کی چوڑائی میلوں تک تھی۔ یہاں انہوں نے دریا کے دیوتا آمن رع' اہورا اور سورج دیوتا کے نام پر قربانی کی۔ پانی اور سورج سالہا سال سے ان کے سامنے رہا تھا۔اور وہ صحرا بھی جس میں پانی بالکل نہ تھا اور سورج کی حدت نے اسے جلا رکھا تھا نوجوان مقدونوی اور طبعی قوتوں سے مقابلہ کرتے رہے تھے۔ یونانیوں نے مدت سے اتھینا کی سنہری مورتی نہ دیکھی تھی۔ ایشیا جیسے وسیع ملک میں جو انسانوں سے بھرا پڑا تھا۔سنگ مرمر کے زنانہ مجسمے کی یاد بالکل لغو معلوم ہوتی تھی جو برچھی لیے پارتھینان کی سیڑھی پر کھڑی تھی جو عورتیں ان یونانیوں کے ساتھ آ رہی تھیں۔ انہیں اتھینا کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ چلتے چلتے صحرا کی جگہ جنگل نمودار ہو گیا۔سکندر اپنے جہاز میں پلنگ پر لیٹا رہتا۔اسے کبوتر اور گدھ نظر آتے۔ یہاں اسے یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ زیوس ہی اس زمین اور ان لوگوں کا خالق ہے۔یہاں کے لوگوں کے خیالات پر صحرائے مصر کے آمن رع بابل برجوں کے مروج اور مقابر پرسی پوس کے اہورا مسلط تھے ان مشرقی صحراؤں ہمیشہ جلتی ہوئی آگ اور سورج کی گرمی سے عظیم الشان دیوتا پیدا ہوئے۔جن کے بیٹے بار بار قربان ہوتے رہے۔لیکن وہ مرے نہ تھے۔ ان ایشیائی دیوتاؤں میں عقاب کے پر ایک نشان تھے۔یہ پر زمین کی سطح سے اٹھ کر عرش پر پہنچتے تھے۔

سکندر نے یہاں پرناسس تو نہ دیکھا تھا اور زندگی کے غیر مرئی محرک کا بھی اسے کوئی نشان نہ ملا تھا لیکن اس سفر کے ذریعے سے اس نے ایک ایسی حرکت پیدا کر دی تھی کہ جس

کا اسے خیال نہ تھا۔ اس کی آمد سے پہلے مذاہب ایک دوسرے سے بے تعلق تھے۔ زیوس کے مندر یونانی نوآبادیوں سے آگے نہ بڑھے تھے۔ آمن رع کے مندر وادی نیل تک محدود تھے۔ اہورا کے آتش کدے کوروش کی سرزمین میں صرف پہاڑوں کی چوٹیوں پر پائے جاتے تھے۔ مقدونویوں کی آمد نے ان مذاہب کے درمیان ربط ضبط پیدا کر لیا۔ مندروں اور خانقاہوں کے درمیان جو دیواریں حائل تھیں وہ ٹوٹ گئیں جس طرح قوموں کی درمیانی حدیں ٹوٹی تھیں۔ اسی طرح مذاہب کے درمیان خیالات کی حدیں ٹوٹ گئیں۔ خیال بدلے نہ تھے، لیکن نئے تصورات نے ان میں وسعت پیدا کر دی تھی۔ مغرب کے پرانے تصورات مشرق ہی سے حاصل کیے گئے تھے لیکن ان کے وسائل و ذرائع فراموش ہو چکے تھے۔ اب مغربی قلوب وافکار نے مشرق سے براہ راست رابطہ پیدا کر لیا تھا۔ اور خیالات کی وسعت عالمگیری اختیار کر چکی تھی۔

دریائے سندھ پر جو بیڑا جنوب کی طرف جا رہا تھا اس پر یونانی فلسفی زیادہ تعداد میں سوار نہ تھے۔ کلیستھنز کے واقعہ کے بعد ان کی گنتی گھٹ گئی تھی۔ البتہ تھیئز ک ریاضی دان بابل کے ستارہ شناس اور مجوسی موجود تھے۔ اب ان میں ہندوستانی جوگی بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان جوگیوں میں سے ایک جس کا نام مقدونیوں نے کیلی ناس ابتایا ہے۔ سکندر نے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کی یہ بوڑھا آدمی تھا اور کھانے کے ایک برتن اور چٹائی کے سوا اسکے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ چٹائی پر بیٹھ جاتا اور جب کھانے کی ضرورت پیش آتی تو برتن سامنے رکھ لیتا تا کہ اس میں کھانا ڈال دیا جائے۔ یہ ضرورت بہت کم پیش آتی۔ پھر اس کی خواہش یہی ہوتی کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ البتہ سکندر اس کے پاس آتا تو اس سے بات چیت کر لیتا۔ ایسے موقعوں پر وہ شاذ ہی مقدونویوں کی تعریف کرتا تھا ایک مرتبہ سکندر سے کہا تم نے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور بہت کچھ تباہ کیا۔ دیکھو تم نے کیا پہن رکھا ہے۔ اپنے متعلق ڈرتے رہو۔ یاد رکھو یہ ہتھیار یہ دولت، یا یہ قبضے میں لائے ہوئے جانور تمہیں زندگی نہ دے سکیں گے۔

مقدونویوں کا احساس یہ تھا کہ کیلی ناس جسے مشیر کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ بدشگونی کی باتیں کہتا تھا۔ بے شک وہ بدھی (الہام) کا دعوےدار تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ انسان دوبارہ پیدا ہوسکتا ہے۔ موت کے بعد بھی زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ اگرچہ ان باتوں پر مقدونویوں کا یقین نہ تھا۔ کیلی ناس یہ بھی بتاتا تھا کہ مردوں کے سایے اس تاریک خطے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرے رہتے جو موت اور زندگی کے درمیان واقع ہے۔

ایک مرتبہ سکندر نے کیلی ناس سے پوچھا ''بھلا تم ہمارے ساتھ کیوں آئے ہو؟'' کیلی ناس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں اور جواب دیا ''بتاؤ تم یہاں کیوں آئے؟ تمہیں چاہیے تھا کہ اپنی سلطنت میں ٹھہرے رہتے اور لوٹ مار کے لیے اس کی حدوں پر نہ دوڑے پھرتے''

کیلی ناس کا خیال تھا کہ سکندر مقدونیہ اپنی مرضی سے نقل و حرکت نہیں کررہا۔ یونانی فلسفی بتاتے ہیں کہ یہ تو تقدیر کا نظریہ پیش کررہا ہے۔ لیک سکندر یہ دیکھتا تھا کہ خود کیلی ناس تقدیر سے بالکل نہیں ڈرتا۔ فوج کا یہ عام خیال تھا کہ یہ ہندوستانی جوگی ایک قسم کی بولتی ہوئی ممی یا ہڈیوں کا ایک دھانچہ ہے لیک وہ کیلی ناس پر متعجب ضرور تھے۔

چلتے چلتے وہ توقع سے بیشتر سمندر کے کنارے پر پہنچ گئے۔ مقدونوی اگرچہ سفروں کی مشکلات کے عادی ہو چکے تھے لیکن سمندر نے ان پر ایک نئی دہشت پیدا کردی۔ وہ دریائے سندھ کے ڈیلٹا میں خاصا وقت گزار چکے تھے۔ جہاں دریا کئی شاخوں میں بٹ کر سمندر میں داخل ہوتا تھا۔ ہفااسشن نے پٹالا ۲ کے مقام پر ایک مستقل بحری مرکز بنانا شروع کیا۔ سکندر کی صحت اب اچھی ہوچکی تھی۔ چنانچہ وہ بڑے جہازوں کا ایک بیڑا لے کر دریا کی ایک شاخ کے حالات معلوم کرنے کے لیے نکل پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیلٹا کی زمینوں میں صرف بربری قبیلے آباد تھے۔ بیڑے میں نہ تجربہ کار ملاح موجود تھے اور نہ یہ علم تھا کہ اپنے آپ کو امیر البحر کہتا ہے۔ اسے ہرگز معلوم نہ تھا کہ سمندر کے پاس پہنچ کر لہریں بہت زوردار ہوجائیں گی۔ چنانچہ دریا کے دہانے پر بیڑا پانی کی نذر ہونے والا تھا۔

مقدونویوں کو ایسا معلوم ہوا کہ بہت بڑی لہر تیزی سے ان کی طرف آئی ہے اور یہ کسی طبعی حرکت کا نتیجہ نہیں۔ جب وہ حالات کی دیکھ بھال کے لیے لنگر انداز ہوئے تو جزر کا دور شروع ہو گیا اور ان کے جہاز کیچڑ میں پھنس کر رہ گئے۔

مقدونوی ابھی اپنے آپ کو حالات کے مطابق نہ بنا سکے تھے..... بحیرہ روم میں انہیں اس قسم کی لہروں کا تجربہ نہ ہوا تھا..... کہ مد شروع ہوا اور لہروں نے لنگر انداز جہازوں کو تھپیڑے مار کر اندر کی طرف دھکیل دیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سمندر ان کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے لیکن مقامی باشندوں نے بتایا کہ لہروں کا مدوجزر انسانوں سے بے پرواہ ہو کر مسلسل اسی طرح جاری رہتا ہے۔ سمندر کے دھانے پر انہوں نے اتنی بڑی بڑی مچھلیاں دیکھیں جو پہلے ان کی نظروں سے نہ گزری تھیں۔

سکندر اپنا جہاز لے کر سمندر میں پہنچ گیا۔ شاید اس کے دل میں یہ خیال تھا کہ کہہ سکے۔ اس نے جہاز میں جہازرانی کی یا ممکن ہے وہ ساحل کا معائنہ کرنے کا خواہاں ہو۔ وہاں اسے تازہ اطلاع ملی۔ مطلع صاف تھا۔ دونوں چیزیں برکت کا نشان تھیں۔ چنانچہ اس نے سمندری دیوتاؤں کے نام چڑھاوے چڑھائے۔ سنہری برتن پانی میں پھینکے تاکہ اس کا بیڑا سفر میں کامیاب ہو۔ وہ پہلے طے کر چکا تھا کہ پرسی پولس واپس جاتے ہوئے ومندر کے اس غیر معلوم ساحل کی تفتیش کرے گا۔ اور یہ ارادہ بالکل طبعی تھا۔ وہ جنوبی سمت میں سمندر پر پہنچا تھا اور کوئی ہندوستانی ملاح اسے بتا نہ سکا تھا کہ مغربی جانب کیا ہے۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ عربوں کے جہاز وقتاً فوقتاً دریائے سندھ کے دھانے پر آتے ہیں اور اپنے ساتھ مسالے ہاتھی دانت اور موتی لاتے ہیں۔ یہ واضح تھا کہ مغربی جانب دجلہ اور فرات کے پانی بھی کسی جگہ میں سمندر میں گرتے ہوں گے۔ ان سے آگے عرب واقع ہوگا۔ اور آگے بڑھیں گے تو مصر کا سرخ ساحل آ جائے گا۔ چنانچہ اسنے طے کر لیا کہ بیڑا ساحل کے ساتھ ساتھ دجلہ کے دہانے تک جائے گا۔ لیکن سب لوگ بتاتے تھے کہ ساحلی علاقہ سراسر بنجر ہے اور صحرائی ہے اور مقدونوی جہازوں پر صرف تین روز کے لیے

پانی اور کھانا رکھا جاتا تھا۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی طوفان میں بیڑا تباہ ہو جائے گا تو ملاحوں کو بنجر ساحل پر اترنا پڑے گا۔

مقدونویوں نے پہلے کبھی سمندر میں سفر کا تجربہ نہ کیا تھا اور غیر معلوم ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز رانی کے تذبذب میں نیلے پانی پر پانی کے طبعی اثرات نے اضافہ کر دیا تھا لیکن سکندر اپنے دل میں ارادے کو پورا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ربع مسکوں کے جنوبی کنارے شکل کے متعلق یقین حاصل ہو جائے اور نیارکس سے اس نے کہا کہ جہازوں کی کمانداری کے لیے کسی کو نامزد کر دیا جائے۔ نیارکس نے غور و فکر کے بعد کہا: ''ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں جہازوں کا مجھ سے زیادہ علم ہے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو زیادہ تجربہ کار قائد ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس بیڑے کی کمان مجھے ہی سنبھالنی چاہیے۔ سکندر کچھ دیر تذبذب میں پڑا رہا۔ پھر اس تجویز سے اتفاق کر لیا اور نیارکس سے کہا کہ اس مشکل کام کو سر انجام کرنے کے لیے کوئی ایسا آدمی نہیں جس پر تم سے بڑھ کر بھروسا کیا جا سکے۔

یہ بڑا اچھا انتخاب تھا یونانی تخیل نے جتنے خطرات اس بحری سفر کے سلسلے میں پیش کیے تھے ان کے پیش نظر کریٹ کے اس جہاز ران کو کمان سونپنا بہت اچھا تھا۔ جو ہر قسم کے افکار سے آزاد تھا۔ سکندر کو بڑھیں ہانکنے والے اینٹسی کریٹس پر بھروسا نہ رہا تھا۔ اس سفر کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور طے ہو گیا کہ بیڑے کے ساتھ ساتھ فوج کنارے کنارے خشکی پر چلے چونکہ مختلف اقوام کا وہ ہجوم عظیم جو اس کے ساتھ تھا اکٹھا صحرائی علاقے میں سے گزر سکتا تھا۔ لہذا سکندر نے فوج کا ایک بڑا حصہ نیز بار برداری کی گاڑیاں اور افسروں کے کنبوں کو سہل راستے سے بھیج دیا جو جھیل ہلمند کے پاس سے جاتا تھا اور باختر کے جنوب میں پہاڑیوں میں سے گزرتا تھا۔ کریٹرس کو اس کی کمان سونپی اور یہ بھی کہہ دیا کہ کہیں ضرورت پڑ جائے تو فصلیں کاشت کرا لے اور ریوڑوں کو چراتا ہوا ایرانی سطح مرتفع کے جنوب میں آ ملے (حقیقت یہ ہے کہ کریٹرس نے بڑا لمبا چکر لگایا لیکن وہ صحرائی علاقے

سے بچتا ہوا نکل گیا اور مقرر مقام پر سکندر سے جا ملا۔

جو لشکر ساحل کے ساتھ ساتھ جانے کے لیے تجویز ہوا اس کی تعداد سکندر نے بارہ ہزار سے چودہ ہزار تک رکھی۔ اگر پانی اور سوار تیر انداز نیز سکندر کی محافظ فوج وغیرہ اجزاء اس میں شامل تھے۔ اسے گدروسیا (مکران) کے صحرا میں سے گزرنا تھا اور سکندر خود اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ مکران میں سے سکندر کے گزرنے کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ افسانوی رئیس کے سوا کسی نے یہ کارنامہ انجام نہ دیا اور سکندر یہ کارنامہ انجام دینا چاہتا تھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس نے بیڑے کو ایک خاص مقصد کے لیے بھیجا تھا اور صحرا میں سے فوج گزارنا اس وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ بیڑے کو مدد ملتی جائے۔ یقیناً اسے مکران میں سے گزرنے کے خطرات کا ایک حد تک علم ہو گیا تھا لیکن پورا علم قطعاً نہ تھا۔ ایک سپاہی نے بہت صحیح کہا کہ سکندر نے ایشیا میں جتنی بھی تکلیفیں جا بجا اٹھائیں ان میں سے کوئی بھی تکلیف مکران میں سے گزرنے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

سکندر کے ساتھ رہبر بھی تھے اور اس نے رسد کا انتظام کر لیا تھا۔ جب جہازوں کی روانگی کے لیے ہوا موافق ہو گئی اور وہ خود بھی ٹپالہ سے چلا تو معلوم ہوا کہ عورتوں نومولود بچوں، پنگوؤں، کاہنوں بساطیوں اور طالع آزماؤں کا ایک مستقل لشکر اس کے ساتھ ہے۔ اس موقع پر اس نے غیر مضافاتی آبادی کو الگ کرنے کی کوشش نہ کی۔ ایک مہینے کے اندر اندر وہ سب مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ بربری قبائل نے حملے شروع کر دیے۔ اور جو گاؤں انہیں جا بجا راستے میں ملے ان میں خوراک کا کوئی انتظام ن تھا۔ انہوں نے کناروں پ رچند کنوئیں کھودے۔ نیز غلے اور سوکھے ہوئے گوشت کے ذخیرے جا بجا رکھ دئے۔ ان سب کچھ نیارکس اور ملاحوں نے کیا تھا۔ ایک دریا کے دہانے پر نیا سکندر یہ بھی تعمیر کیا گیا۔ لیکن جو لوگ لشکر کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ وہ تمام ذخیروں کو چٹ کر گئے۔ اگر چہ موسم گرما نہ تھا تاہم جس منطقے میں وہ پہنچے تھے۔ وہ سراسر گرتھا اور جانوروں کے لیے چارے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

مکران اگرچہ بنجر تھا نہ اس میں سڑک تھی اور نہ شہر' تاہم اس کی فضا ایک نادیدہ خوشبو سے لبریز تھی:

''انہیں جابجا ایلوے کے درخت ملے اور جو فونیقی کے ساتھ تھے وہ بال چھڑ کی جڑیں اکٹھی کرنے لگے ج میں سے نہایت دلپسند خوشبو آتی تھی۔ان جڑوں پر چلنے والے کا پاؤں پڑتا اور وہ ذرا کچلی جاتیں تو ہوا خوشبو سے بھر جاتی۔تیج پات کے درختوں میں پھول نکلے ہوئے تھے۔ جو سفید بنفشے کے پھولوں جیسے تھے ایک جھاڑی لی جس میں سخت اور تیز کانٹے تھے سوار کا دامن ان کانٹوں سے الجھ جاتا تو وہ گھوڑے سے نیچے آگرتا''۔

اس برہنہ میدان میں سے گزرتے ہوئے ریت کے ٹیلے آگئے جن پر چڑھنا مشکل تھا۔سپاہیوں ں ے ان کا نام مٹی کے تودے رکھا۔دن کی گرمی سے بچنے کے لیے رات کے وقت کوچ کیا جاتا۔سرف یہ امید انہیں آگے لے جاتی کہ صبح کے وقت پانی کے کسی ذخیرے پر پہنچ جائیں گے۔اس مصیبت خیز سفر میں ایک مرتبہ پھر فوج سکندر سے بگڑ بیٹھی۔بعض دستوں کو غلیل کے بورے دے کر ساح پر بیجا گیا تا کہ بیڑے کو ان کی ضرورت ہو گی۔لیکن سپاہی مہرین توڑ لیتے۔رات کے وقت باربرداروں کی گاڑیاں توڑ ڈالتے اور کہہ دیتے کہ چلتے چلتے ٹوٹ گئیں گاڑیوں میں کھانے کی جو چیزیں ہوتیں کھا لیتے اور لکڑی سے ایندھن کا کام لیتے۔پھر انہوں ں ے گاڑیاں کھینچنے والے جانوروں کو کھانا شروع کیا۔حالانکہ اس طرح وہ اپنے ہی گزر اوقات کا سامان برباد کررہے تھے۔ سکندر کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اس نے سرکاری طور پر نوٹس لینا مناسب نہ سمجھا۔اس صحرائی علاقے میں سے عبور سپہ سالار اور فوج کے درمیان قوت ارادی کا امتحان بن گیا تھا۔سپہ سالار ہرگز رجعت کے لیے تیار نہ تھا اور فوج نے اسے مراجعت پر مجبور کر دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ساحل کے ساتھ ساتھ رسد کے ذخیرے محفوظ کر دینے میں وہ ناکام

رہا تھا اور نیارکس کے بارے میں اسے کوئی خبر بھی نہ ملی۔ کریٹیرس سینکڑوں میل دور تھا لیکن جس خطے میں سے وہ گزر رہا تھا اس کے زرخیز ہونے میں شبہ نہ تھا' بہر حال سکندر نے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھا۔ پھر سامنے ایک پہاڑ آ گیا جس کے متعلق اسے علم نہ تھا۔ اور وہ ساحل سے ہٹ کر ملک کے اندر کی طرف مڑنے کے لیے مجبور ہو گیا۔

ایک روز وہ لوگ ایک نالے میں ٹھہرے۔ یکا یک پہاڑوں پر خوفناک بارش شروع ہو گئی۔ نالہ پانی سے بھر گیا۔ اس طغیانی میں بہت سی عورتیں اور نوکر چاکر ڈوب گئے۔ سامان بھی بہہ گیا۔ بیشتر سپاہی اسلحہ کے ساتھ ڈھلوان کناروں پر چڑھ گئے لیکن اگے روز خاصی تعداد میں مر گئے۔ اس لیے کہ دیر تک پیاسے رہنے کے بعد وہ گدلا پانی کثرت سے پی گئے تھے۔ بیماروں کے لیے سواری کا انتظام ممکن ہو گیا اس لیے کہ سواریاں ہی باقی نہ رہی تھیں:

> ''چنانچہ بہت سے لوگوں کو راستے میں جا بجا چھوڑنا پڑا۔ وہ یا تو اتنے بیمار تھے کہ ساتھ نہ جا سکتے تھے یا حد درجہ تھک گئے تھے یا گرمی اور پیاس نے ان پر غلبہ پا لیا تھا۔ ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لیے بھی کسی کو چھوڑا نہ جا سکتا تھا۔ اس لیے فوج ٹھہر نہ سکی تھی۔ خواہ پیچھے رہنے والوں کا حشر کچھ ہوتا چونکہ سفر عموماً رات کے وقت ہوتے تھے۔ اس وجہ سے جو لوگ نیند سے مجبور ہو کر راستے میں سو جاتے اور اٹھتے تو صحیح راستہ نہ پاتے اور ان کی وہی حالت ہوتی جیسے کوئی جہاز سمندر میں اپنا راستہ کھو بیٹھے''۔

اب رہبروں کو بھی راستے کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ سمندر سے دور ہٹ چکے تھے۔ ہندوستان واپس جانے کا سوال خارج از بحث تھا۔ افسر اپنی سمت و جہت کا فیصلہ رات کے وقت دب اکبر کو دیکھ کر کرتے تھے۔ اس طرح سمت تو متعین ہو جاتی لیکن معلوم نہ ہوتا کہ انہیں جانا کس طرف ہے۔ سکندر نے فیصلہ کیا کہ بائیں جانب رخ کرنا چاہیے کہ

مکران کوتلاش کیا جا سکے۔ اسے ہر وقت بیڑے ہی کا خیال رہتا تھا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مکران سے گزرتے وقت سکندر دوسرے آدمیوں کے ساتھ پیدل چلتا اور جتنا وہ کھاتے پیتے اتنا ہی وہ خود کھاتا پیتا۔ جب وہ دوبارہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو انہوں نے کنارے کے قریب کنوئیں کھودے لیکن کیمپ کنوئیں سے دور لگوایا اور اس پر پہرے کھڑے کر دیے۔ مبادا آدمی پیاس سے بے تاب ہو کر اتنا پانی نہ پی جائیں کہ مر جائیں یا پانی گدلا کر دیں۔ جو پینے کے قابل نہ رہے۔ سمندر پر پہنچ کر ان کے حوصلے بڑھ گئے لیکن ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا ممکن نہ تھا۔ پھر وہ ملک اندر ایک شہر میں پہنچے جس کا نام پورا ۱۳ وہاں انہیں غلہ بھی ملا' گوشت بھی اور کھجوریں بھی' پھر جنوبی ایران میں اس مقام پر پہنچ گئے جو اجتماع کے لیے پہلے سے مقرر ہو چکا تھا۔ یعنی گلاس کردہ۱۴

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شہر میں داخل ہوئے وگاڑیوں میں بیٹھے ہوئے گلدستے ہلا رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ دیونی سوس کے اعزاز میں کر رہے ہیں۔ جس نے استہ دکھایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فوج زخم کھاتی ہوئی پہنچی تھی اور اس کی تعداد گھٹ گئی تھی۔ شہر میں شراب ملی تو سپاہی پی کر بدمستیاں کرنے لگے۔ سکندر کی حالت بھی یہی ہوئی۔ کریٹرس بڑی شان سے پہنچا۔ ہاتھیوں کی قطار ساتھ تھی۔ وہاں ٹھہر کر دوسرے آنے والوں کا انتظام کرنے لگے لیکن نیارکس اور اس کے بیڑے کے متعلق مایوس ہو چکے تھے۔ فوج محض اتفاق کی بنا پر پہنچی تھی۔ سب کو یقین تھا کہ نیارکس کو کھانے پینے کا سامان نہ ملا ہو گا تو اس کے ساتھی زندہ کیوں کر رہے ہوں گے۔ بیڑے کے نقصان نے سکندر کو سخت غمزدہ کر دیا اور وہ گلاس کرد چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ مہینے گزر گئے۔

ایک مرتبہ بیڑے کے دیکھے جانے کی افواہ پھیلی لیکن کوئی ایسا شخص نہ ملا جو بتا سکتا کہ اس نے جہاز دیکھے ہیں۔ سکندر کو جہازوں کے متعلق پہلی خبر اس وقت ملی جب دو گاڑیاں اس کے مستقر پر پہنچیں۔ اور ان میں نصب درجن آدمی مفرور تھے۔ گاڑیاں چلانے

والوں نے بتایا کہ یہ آدمی سڑک پر گھوم رہے تھے۔ چونکہ یہ یونانی بولتے تھے اور سکندر کا نام لے رہے تھے۔ اس لیے ہم انہیں یہاں لے آئے۔ وہ صرف ہڈیوں کے ڈھانچے رہ گئے تھے۔ سکندر کا کھارا پانی پیتے رہے۔ تھے اور بال چہروں پر فرش کی طرح بچھے ہوئے تھے۔ گاڑی والوں نے بتایا کہ ہم نیارکس کا پتا لگا رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں سکندر کے پاس پہنچاؤ اور ہم انہیں لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈھانچہ بولا ''میں نیارکس ہوں اور میں آپ کو بیڑے کا حال سناؤں گا۔ پرھ ساتھ کے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا یہ آدکیاس ہے

سکندر کو چند لمحے بعد یقین آیا پھر وہ بولا ''نیارکس میں شکر ادا کرتا ہوں کہ تم لوگ زندہ رہے اب بتا جہازوں اور دوسرے لوگوں پر کیا گزری؟ نیارکس نے بڑی مشکل سے سوال کو سمجھا اور بولا: ''تمام جہاز اور ملاح دریا پر کھڑے انتظار کر رہے ہیں اور جہازوں کی مرمت ہو رہی ہے ہمیں آپ کا کوئی سراغ نہ مل سکا''۔

اس رات سکندر نے تمام دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں کیں فوج مشعلیں لے کر نکلی نیارکس سب سے آگے تھا۔ اسے ہار پہنا رکھے تھے۔ لڑکیاں پھول لے کر اس کے اردگرد رقص کر رہی تھیں۔ بانسریاں بج رہی تھیں۔ اور قہقہے لگ رہے تھے۔ سکندر اس وقت تک نہ سویا جب تک جنوبی سمندر میں سے راستے کے تمام حالات نیارکس سے سن نہ لیے۔ نیارکس زیادہ باتیں کرنے کا خوگر نہ تھا اس وجہ سے سکندر کو ہر بات کے متعلق اس سے پوچھنا پڑتا تھا۔ نیارکس سوالوں کے جواب بے تکلفی سے دیتا جاتا تھا اور اس نے جو فاصلہ طے کیا تھا۔ اس کا پورا ریکارڈ اپنے پاس رکھا تھا۔ جو ستارے رات کو دیکھے تھے۔ ان کے بارے مں سب کچھ لکھ لیا تھا بلکہ روزانہ دوپہر کے وقت سایے کی لمبائی بھی قلمبند کر لی جاتی تھی۔ راستے میں جو راسیں یا جزیرے یا بندرگاہیں آئیں ان کے نام بھی درج کر لیے تھے۔ اس قسم کی تمام تفصیلات سکندر کو بتا دیں۔ اسے ساحل کے تمام حالات کا معائنہ کر لینے کا حکم ملا تھا اور اس حکم کو اس نے پورا کر دیا تھا۔ سکندر نے پوچھا کہ راستے

میں غذا بھی ملی؟ نیارکس نے جواب دیا روانگی کے بعد صرف ایک جگہ غلے کی خاصی مقدار مل گئی تھی۔ اور روٹیاں بھی موجود تھیں پھر پوچھا کہ آدمیوں کی کیا کیفیت رہی؟ انہوں نے سمندر کا سفر تو کبھی کیا نہ تھا۔ نیارکس نے جواب دیا وہ لوگ بہت ڈر گئے تھے انہیں کنارے پر اتار دیا۔ پھر جب اندیشہ ہوا کہ لوگ کہیں بھاگ نہ جائیں تو میں جہازوں کو کنارے سے بہت دور ٹھہراتا۔ ملاح بھوک کے باعث کمزور ہو گئے تھے تو انہیں خوراک کے سوا کوئی خیال ہی نہ رہ سکتا تھا۔

اب سوال یہ ہوا کہ اتنی مدت تک غذا کے بغیر گزارا کیوں کر ممکن ہوا؟ نیارکس نے بتایا کہ جو ذخیرہ ہمیں مل گیا تھا وہ ختم ہو گیا اور ہم وقتاً فوقتاً کنارے کے قریب جاتے اور بالوں والے گھر رومیوں کے دیہات سے روٹی، کھجوریں اور میوے حاصل کرتے۔ ان جنسوں کے لیے ہمیں لڑنا پڑتا۔ پھر ماہی خوروں کا ساحل آ گیا جو ایک ہزار ایک سو چھہتر میل لمبا تھا۔ وہاں ہم نے لوگوں کو خشک مچھلی غذا کے طور پر استعمال کرتے دیکھا۔ ہم نے بھی اس کی نقالی کی اور مچھلیوں کے علاوہ بحری چوہوں، بحری صدفیوں، کیکڑوں اور گھونگھوں سے کام لیتے رہے۔ جب جزر کا وقت آتا تو سمندر کے کنارے جہاں جہاں پانے کے جوہڑ رہ جاتے ہم ان میں سے مچھلیاں پکڑ لیتے۔ پھر ہم گوبھی کی قسم کی ایک چیز کھانے لگے جو تاڑ کے درختوں کی چوٹیوں پر نظر آتی تھی۔ البتہ پانی ہمیں اکثر نہ ملتا لیکن اگر کنارے پر کنوئیں نہ کھودتے تو ملک کے اندر چلے جاتے اور کہیں نہ کہیں سے تھوڑا بہت پانی مل ہی جاتا۔

خطرات کے متعلق سوال ہوا تو نیارکس نے بتایا سب سے بڑی مصیبت یہ آئی کہ اچھی لکڑی کے بغیر جہازوں کی مرمت نہ ہو سکتی تھی پھر جزیرہ نزیدہ کے پس پہنچے۔ ہمیں بتایا گیا تھا ک جو آدمی اس جزیرے میں اترتا ہے وہاں کی ملکہ اسے اپنے پھندے میں پھانس لیتی ہے۔ اس سے تمتع حاصل کرتی ہے۔ پھر مچھلی بنا کر سمندر میں پھینک دیتی ہے۔ وہاں سے گزرے تو ایک جہاز غائب ہو گیا۔ ایک ملاح کا خیال تھا کہ گم شدہ جہاز

شاید اس جزیرے میں جا پہنچا ہے اور اسکے آدمی زرید کے فریب کا شکار ہو گئے لیکن میں (نیارکس) ایک کشتی لے کر کنارے پر گیا۔ جہاز کو بہت ڈھونڈا لیکن وہاں زرید کا کوئی سراغ نہ ملا۔ کچھ دیر بعد گم شدہ جہاز ہمارے ساتھ آملا۔ نیارکس نے یہ بھی بتایا کہ ہمیں بحری عفریتوں سے سابقہ پڑا۔ صبح کا وقت تھا میں نے دیکھا کہ سمندر کا پانی کئی مقامات سے اچھل رہا ہے لیکن یہ پانی وہ عفریت اچھال رہے تھے جنہوں نے سطح سے نیچے ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ ملاح یہ کیفیت دیکھ کر اس قدر ہراس زدہ ہو گئے کہ انہوں نے چپو ہاتھ سے رکھ دیے۔ میں خود ان کے پاس جا پہنچا انہیں حوصلہ دلایا اور حکم دیا کہ جہاز ایک قطار میں رکھ دیے۔ جس طرح جنگ میں صف بندی کر لی جاتی ہے۔ پھر ہم ان عفریتوں کی طرف بڑھے۔ ان کے رنگ سیاہ تھے اور قد اتنے بڑے تھے جیسے بارہ چپوؤں والا جہاز۔ جب ہم قریب پہنچے تو خوب شور مچایا ڈھول بجائے ترئیاں بجائیں یہ شور وغل سن کر عفریت نیچے تہ میں چلے گئے۔ جب ہم بہت آگے نکل گئے تو وہاں پھر نمودار ہوئے۔

مقدونویوں نے یہاں پہلی مرتبہ وہیل مچھلیاں دیکھی تھیں پھر انہوں نے ماہی خوروں کے گھر دیکھے جو وہیل کی ہڈیوں سے بنائے گئے تھے۔

سکندر کی تلاش کے لیے بیڑے کو ٹھہرانے سے بیشتر جنوبی و مغربی سمت میں ایک راس نظر آئی جو سمندر میں آگے بنی ہوئی تھی۔ نیسی کریٹس کا خیال تھا کہ وہاں اتر کر خشکی پر سے گزرنا چاہیے لیکن نیارکس نے کہا کہ یہ صحرائی علاقہ ہے اراغلب ہے کہ عرب کا کوئی حصہ ہو (دراصل یہ راس سندھ کی تھی جو خلیج فارس کے دہانے پر ہے) وہاں پہنچ کر نیارکس کو یقین ہو گیا کہ وہ کھلے سمندر سے باہر نکل آئے ہیں اور خلیج فارس ان کے سامنے تھی۔ جو دریائے دجلہ کے دہانے تک چلی جاتی تھی۔

سکندر نے یہ سارے حالات سن لیے تو کہا کہ اب تمہیں کمانداروں کی ذمہ داریوں سے فارغ کیا جاتا ہے تا کہ دلجمعی سے آرام لے کر لیکن نیارکس نے اصرار کیا کہ مجھے بدستور بیڑے کے ساتھ دجلہ کے کنارے جانے کی اجازت دی جائے۔ سکدرن نے

اس کی یہ خواہش پوری کر دی۔ ساتھ ہی نیارکس کو ایک سنہری ہار دیا کیونکہ اس نے کھلے سمندر کو مسخر کر لیا تھا۔

سکندر اور یونانی جغرافیہ دان اب زمین کے مختلف ٹکروں کو جوڑ کر جو نقشہ تیار کر رہے تھے اس میں سرزمین عرب ٹھیک موقع پر بیٹھی تو جس کی ایک جھلک کا ذکر نیارکس نے کیا تھا (ٹرائے سے اس وقت تک پہلا موقع تھا کہ سکندر کے سروئری روز روز کے طے کردہ فاصلوں اور سفر کی سمتوں کا ریکارڈ نہ رکھ سکتے تھے۔ دشت مکران میں سے گزرتے وقت جن خوفناک مصائب سے سابقہ پڑا۔ ان میں ریکارڈ رکھا ہی نہ جا سکتا تھا البتہ فوج کا حوصلہ قائم رہا)۔

اب نیارکس ثابت کر چکا تھا کہ ساحلی علاقے کے ساتھ بیڑا اپنی حفاظت کا انتظام کر سکتا ہے لہذا سکندر نے فیصلہ کر لیا کہ اب عرب کے گھیرے کی خوب چھان بین کر لینی چاہیے تا کہ حبشہ تک کا راستہ مل جائے۔ اور سکندر نیل کے اس حصے میں پہنچ جائے جہاں سے یہ دریا نکلتا ہے۔ حبشہ سے آگے لیبیا (افریقہ) تھا جس کے اردگرد کسی نے چکر نہ لگایا تھا اگر سکندر کے جہاز وہاں تک جا سکتے تو وہ مغرب بعید کو مشرقی سمت میں دریائے سندھ کے دہانے سے ملا دیتے۔ یوں ربع مسکوں کے جنوبی حصے کی سمت بھی متعین ہو جاتی۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ نیارکس نے جن بحری عفریتوں کا ذکر کیا تھا انہیں چھوڑ کر اور کوئی مافوق الفطرت قوت نظر نہ اتی تھی۔ جو کھلے سمندروں کی حدود کی محافظ ہوتی۔

آریاں کہتا ہے:

> ''سوال یہ ہے کہ سکندر کا نقشہ عمل کیا تھا؟ اس کے متعلق صرف قیاس ہی سے کام لیا جا سکتا ہے لیکن اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے جو بھی نقشہ بنایا تھا۔ وہ نہ معمولی تھا اور نہ فرومایہ۔ اس لیے جن سرزمینوں کو وہ مسخر کر چکا تھا ان کے علاوہ ہی کسی غیر معلوم سرزمین تک پہنچنے کا اس کا مقصد کر رکھا ہوگا۔''

اکتشاف کے منصوبے کو تھوڑی دیر تک ملتوی کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ سکندر کو یوریشیا کے قلب سے نکلے ہوئے لمبی مدت گزر چکی تھی۔ گزشتہ چار سال میں دو مرتبہ اس کی وفات کی خبر چوکیوں اور شاہراہوں کے ذریعے سے مغربی علاقوں تک پہنچ چکی تھی۔ جب یہ اطلاع پھیلی کہ سکندر مختلف اقوام کی فوج کے ساتھ پرسی پولس کے پاس کی پہاڑیوں میں آ گیا ہے تو جن گورنروں کے ہاتھ میں وہ انتظام چھوڑ کر گیا تھا ان میں سے اکثر حیرت زدہ رہ گئے۔

☆☆☆

بیسواں باب :: دولت کا تیزاب

جو کچھ پیش آیا تھا وہ خاص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سکندر کے لیے تعجب انگیز نہ تھا۔ وہ چار سال پیشتر ایکتبانہ سے روانہ ہوا تھا پھر حکومت کے کاموں سے ذاتی طور پر اسے کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ اور معلوم ہے کہ اس نے جو بھی انتظامات کیے تھے وہ بڑی عجلت سے کیے تھے ان وجوہ سے بہت سے معاملات بگڑ گئے تھے جن مقدونویوں کو وہ اختیارات سونپ کر گیا تھا انہوں نے اپنا دائرہ اثر بڑھا لیا تھا۔ ایک مصیبت یہ تھی کہ نقصان کی وسعت کے متعلق صحیح اطلاعات مرکز تک پہنچنے میں خاصی دیر ہو گئی۔ پرسی پولس پہنچتے ہی تنظیم کاروبارت کی وسعت کے متعلق اسے جو اطلاعات ملیں تھیں وہ صحیح نہ تھیں۔ لیکن ایرانیوں نے آہستہ آہستہ سارے معاملات کھول کر بیان کر دیے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقدونوی فوجی گورنروں نے اکثر معاملات میں ایشیائی نائبوں کے ساتھ تعاون نہ کیا تھا اور وہ اپنے ملک کے لیے دولت جمع کرنے میں لگ گئے تھے حالانکہ سکندر نے زراندوزی روکنے کی کوشش کی تھی۔ ایران میں مذہبی عبادت گاہوں کو لوٹا گیا تھا اور دیسی سرداروں کے قتل کی سزائیں دی گئیں۔ سکندر نے پیوسس ٹس کو ایران کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ سکندر ہندوستان میں ایک مرتبہ سخت زخمی ہوا تھا تو پیوسس ٹس ہی نے ڈھال کے ذریعے سے اس کی حفاظت کی تھی۔ دوسرے مقامات پر سکندر نے مجرموں کو بڑی سخت سزائیں دیں۔ بعض فوجی افسروں اور سرکاری کارداروں وک پھانسی پر لٹکایا۔ پرسی پولس کے پایہ بہ پایہ شاہی راستے پر جس ہجوم نے اس کا احاطہ کر لیا تھا اسے دیکھ کر رہ حیران رہ گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں ایوان زرکسیز کے ستون میناروں ی طرح کھڑے تھے۔ اس ہجوم میں لوگ دور دور سے آئے تھے۔ کسی گروہ نے خبریں بہم پہنچائیں کوئی درخواستیں لے کر آیا۔ کسی نے کارداروں پر الزامات لگائے۔ کسی نے ان کے فیصلوں کے خلاف اپیل کی ارارات ٹرائے اور بابل سے بھی لوگ آئے تا کہ سکندر جس کام کو ادھورا چھوڑ کر گیا تھا۔ اس پر دوبارہ توجہ دے۔ تنہا وہی ناظم اعلیٰ اور فیصلوں میں ردوبدل کا آخری

مجاز تھا۔ وہی تمام فیصلے بدل سکتا تھا۔ اس نے یورپی افسروں کو سختی سے الگ کیا۔ اس سے ایشیائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور شہنشاہ کے پاس اپیلیں کرنے لگے۔

چار سال میں جو تغیرات ہو چکے تھے' اس کا حیرت انگیز نقشہ سکندر کے سامنے آیا۔ سکندریہ مصر کی نئی درس گاہ میں تعلیم کا دور پہلا پورا ہو چکا تھا۔ لیڈیا کے سکندریہ سے تاجر یہ شکایت لے کر آئے کہ مصر کے جہاز رانوں نے ایکا کر کے اس کے غلے کو اترا نے نہ دیا جو بحیرہ روم سے جہازوں میں لد کر آیا تھا (سکندر کو اب یاد آیا کہ یہ سکندریہ اسوس کے میدان جنگ سے صرف ایک دن کی مسافت پر بنایا گیا تھا۔) اس کے برعکس مصر کے تاجروں نے اصرار کیا کہ ممفص میں غلے کی قیمت بحال رکھنے کے لیے محصول لگانا ضروری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پہلے مصر بیرونی دنیا سے منقطع تھا۔ اب سکندریہ میں جہازوں کی آمدورفت بڑھ گئی ہے۔ ایتھنز اور قرطاجنہ کے لوگ باہر سے مصر غلہ لا رہے ہیں۔ اس طرح دارا کے جانشین پر واضح ہو گیا کہ اس نے پرانی سرحدوں کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہاں نئے حلقے اور نئے مرکز بن رہے ہیں تاکہ اپنی دولت محفوظ رکھیں ان پھیلتے ہوئے تجارتی مرکزوں میں مختلف افراد نفع اندوزی کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یورپ اور مغرب کی طرف سے انسانی لہروں کا رخ مشرق کی طرف پھر گیا ہ تاجروں طالع آزماؤں تباہ حال کسانوں اور سابق سپاہیوں کا طوفان مشرق کی نو آبادیوں کی جانب آ رہا ہے۔

باختر سغد اور ہندوستان میں داخلے کے باعث براعظم ایشیا کے تجارتی راستے ساحلی بندگاہوں سے مل گئے تھے۔ اس وجہ سے صیدا کی منڈیاں راحت وعشرت کے سامانوں سے بھر گئی تھی کاروانوں کے مرکزوں میں نئے محصول وصول کیے جا رہے تھے۔ جیسے الرقیم اجو سرخی مائل چٹانوں پر تعمیر ہوا تھا۔ سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قبطیوں نے الرقیم کی بہت توسیع کر لی ہے لیکن اسے یاد نہ آیا کہ نبطی کون ہیں۔ اس نے سمجھا کہ شاید عرب ہوں گے۔ یروشلم کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا درخواست لے کر آیا کہ ہماری حفاظت کی

جائے اور شہنشاہ ایران کرش نے بھی ہماری حفاظت کا بندوبست کر دیا تھا۔ سکندر نے پوچھا حفاظت؟ اگر امن قائم رہے تو یہ سب حفاظت کا بندوبست نہ ہوگا؟ کیا سات سال میں جنگ ہوئی ہے یا کسی نے ایک مقام پر بھی چھاپا مارا ہے؟ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ تم سب محفوظ ہو۔

آئی اونیا کے بردہ فروش آئے اور شکایت کی کہ نئے سنہری سکوں نے ایتھنز کے روپہلی سکوں کی قیمت گھٹا دی ہے۔ اور ہم غلاموں کی قیمت روپہلی سکوں میں لیتے ہیں۔ یہ ڈیلوس ۲ اور لیبوس ۳ سے بچے پکڑ کر لاتے تھے۔ اور غلام بنا کر بیچتے تھے۔ سکندر نے خود شرح تبادلہ مقرر کی تھی لیکن عام لوگ سونے چاندی کو ترجیح دیتے تھے۔ عورتیں زیورات پسند کرتی تھیں۔ وہ سنہری سکوں کو رشتوں میں پرو کر ہار بنا لیتیں۔ پہلے زمانے میں کی طرح چاندی کی جھانجھریں نہ پہنچتیں۔ اس وجہ سے بردہ فروش نے جو چاندی جمع کر رکھی تھی اس کی قیمت گر گئی۔ سکندر اس امر پر مجبور ہو گیا کہ دیر تک بیٹھ کر مقدمے سنے اور رات کے وقت حساب کتاب کرے۔ ترجمانوں کا ایک گروہ اس کے پاس رہتا۔

اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ یونانی زبان صرف سیاسی خط و کتابت میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اس ایک چیز کو چھوڑ کر عام لوگ اپنی بول چال میں بات کرنا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے پاس جو درخواستیں آتیں وہ آرامی، عبرانی، عربی اور ہٹی زبانوں میں ہوتیں۔ وہ متعجب تھا کہ آیا یہ لوگ محض تجارت کی غرض سے ملتے جلتے ہیں یا واقعی مشرق و مغرب کے اتصال سے صحیح فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ کیا ان کے خیالات و عزائم میں بھی اشتراکیت پیدا ہو رہا ہے؟ وہ چاہتا تھا کہ ایشیائی سے بھی لوگوں کے ہجوم بحیرہ روم کی طرف جائیں تاکہ اتحاد جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچ جائے اور مغربیوں کے نقل و وطن میں توازن پیدا ہو جائے یعنی جتنے لوگ مغرب سے مشرق کی طرف آتے ہیں اتنے ہی مشرق سے مغرب کی طرف جائیں۔

ایک موقع پر سکندر نے دیکھا کہ کورش کے مقبرے پر جو موبد مقرر تھا اسے روزانہ ایک

بھیڑ، آٹا اور شراب دی جاتی تھی۔ اس کی غیر حاضری میں یہ چیزیں بند کر دی گئیں۔ سکندر نے اس کا سبب پوچھا تو سیکرٹری کچھ بتا نہ سکا۔ چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ یہ چیزیں مقبرے پر پہرہ دینے والوں کو دی جاتی ہیں اور اب وہاں کوئی پہرے دار موجود نہیں۔ پوچھا ''کیوں نہیں؟'' بتایا گیا کہ وہ قید میں ہیں۔ سکندر نے پوچھا کہ مقبرے پر کون پہرہ دے رہے ہیں؟ جواب ملا کوئی نہیں لہٰذا بھیڑ......؟ سکندر نے کہا بھیڑ کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں۔ یہ پوچھ رہا ہوں کہ پہرے دار مقبرے سے کیوں ہٹائے گئے؟

سکندر سخت غصے میں آ گیا۔ آخر ایک افسر نے بتایا کہ شہنشاہ ایران کے مقبرے میں جو قیمتی چیزیں تھیں وہ سب اٹھالی گئیں۔ صرف معمولی چیزیں باقی رہ گئی ہیں جن کی زیادہ قیمت نہیں۔ چنانچہ جو آدمی وہاں رہتا ہے اسے قید کرنا پڑا۔ یہ سنتے ہی سکندر نے اصطبل سے گھوڑا منگایا چنانچہ نسائی نسل سے سفید رنگ کا گھوڑا اس کے لیے لائے۔ سوار ہو کر تنہا نکل پڑا۔ محافظ فوج کے سوار پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ سکندر پار ساگرد کی پہاڑی پر پہنچا اور اسنالے پر اتر گیا۔ جس کے کنارے کوروش کا مقبرہ بنا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ واقعہ قبر میں ایک شگاف پڑا ہوا ہے جسے ایک خالی پیپے سے بند کیا گیا ہے اصل تابوس خالص سونے کا تھا اور اس پر بڑے قیمتی تحفے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب غائب ہو چکے ہیں اور کوروش کی نعش باقی ہے۔ سکندر نے قبر پر ہاتھ پھیرا تو اسے وہ الفاظ محسوس ہوئے جو زبانی یاد تھے یعنی:

> ''اے جانے والے جان لے کہ میں کوروش ہوں جس نے ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی اور ایشیا کو ایک مملکت بنایا۔ امید ہے تو میرے اس مقام استراحت میں خلل ڈالنا گوارا نہ کرے گا''۔

چونکہ تابوت سونے کا تھا اس لے چور خلل ڈالنے سے باز نہ رہ سکے۔ سکندر کو یقین ہو گیا کہ مجوسیو نے یہ کام نہیں کیا جو صدیوں سے مقبرے کے محافظ چلے آ رہے تھے۔ یہ کسی مقدونوی کا کام ہوگا۔ چنانچہ دیر تک مرمریں سیڑھیوں پر بیٹھا سوچتا رہا۔ سورج کی روشنی

درختوں کی شاخوں سے چھن چھن کر پہاڑیوں پر نمودار ہو رہی تھی۔ درخت پتوں سے خالی تھے۔ اس لیے کہ سردی کا موسم تھا۔ پھر اس کی توجہ ان بوڑھے آدمیوں کی طرف پھر گئی جو اس انتظار میں نیچے کھڑے تھے۔ انہوں نے سفید لباس پر سرخ رنگ کے پٹکے باندھ رکھے تھے۔ اسے خیال ہوا کہ ی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں کہنے کی اجازت نہیں۔ وہ تین آدمی تھے۔ انہوں نے کہا:

''اے انسان چونکہ اب تو یہاں ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ تو اس کا جانشین ہے جو جا چکا جانشینی کا یہ سلسلہ نیا گاں کے زمانے سے بادشاہوں میں چلا آ رہا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ منصب کیس کو نہیں ملتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نالائقوں کو وراثت نہیں پہنچتی۔ اس پر زور اور قوت سے قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی کو ملتی ہے تو اسے مخفی نہیں رکھا جا سکتا۔ بہت سے بادشاہوں کی عظمت کا دور گزر چکا ہے۔ ان کے نام بھی فراموش کر دیے گئے۔ یہ وراثت کوروش سے تمہیں ملی ہے۔ یہ نہ پوچھنا عظمت کہاں سے آتی ہے''۔

سکندر بوڑھے آدمیوں کے چہروں پر نظریں جمائے بیٹھا رہا جن پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ آداب بجا لا رہے تھے۔ انہیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے تو اشارہ کیا ذرا نیچے آؤ۔ وہ نیچے پہنچا تو اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ پھیلائے۔ ان کے ہاتھوں میں پتوں میں لپٹی ہوئی انجیریں اور چاندی کے پیالوں میں چھاچھ تھی۔ انہوں نے کہا یہ ہم چیزیں آپ کے ناشتے کے لیے لائے ہیں۔ خود انہوں نے بھی بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ پھر ندی سے پانی لائے تاکہ ہاتھ دھو لیے جائیں۔ پانی بڑا ٹھنڈا تھا۔ پھر انہوں نے کہا جیسے بندگان خدا کا بادشاہ چن لیا جاتا ہے اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ کہتے ہی سر جھکائے اور چلے گئے۔ محافظ فوج کے آدمیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جو اس نظارے پر حیران تھے۔ سپاہی سمجھتے تھے کہ سکندر کے لیے جو ناشتہ لایا گیا وہ بہت معمولی تھا۔

سکندر نے وہ تمام چیزیں کھالی تھیں کہ بوڑھے آدمیوں کی یہی خواہش تھی۔ اسے مجوسیوں کے آنے نے کیلی ناس کی باتیں یاد دلا دیں۔ کیلی ناس نے کہا تھا کہ تم نے روئے زمین کو تہہ و بالا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن حقیقت میں تم اتنے ہی زمین کے مالک ہو جس میں موت کے بعد دفن ہو گے کیلی ناس نے یہ آخری بات کہی تھی۔ اور وہ بیمار تھا چونکہ وہ اپنے وطن سے دور آ چکا تھا۔ اس لے زیادہ دیر زندہ رہنے کا خواہاں بھی نہ تھا اس نے وصیت کی کہ مجھے جلا دیا جئے۔ سکندر کو ابتدا میں اس بات کا یقین نہ آیا تھا۔ لیکن جوگی نے چتا بنوائی اور اس پر بیٹھ کر جلنے تک کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر سکندر نے اس کی خواہش پوری کرنے کا حکم دے دیا۔ ایک عمدہ گھوڑا اور بہت سے سنہری برتن قربانی کے لیے پیش کیے۔ کیلی ناس کو یہ قربانی پسند آئی۔ اس نے گھوڑا اور برتن مقدونیوں کے حوالے کر دیے اور چپ چاپ چتا پر لیٹ گیا اور اردگرد آگ بھڑکنی شروع ہو گئی۔ سکندر نے حکم دیا کہ زور زور سے باجے بجائے جائیں اور ہاتھی چنگھاڑ کر سلامی دی جائے۔ اس لیے کہ ہندوستانی جوگی کی مردانگی واقعی احترام کی مستحق تھی۔ فوج کو ایسا معلوم ہوا کہ ایک طلسم ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ کیل ناس جلنے پر اصرار نہ کرتا۔

مشرق میں جو افراتفری پھیلی تھی وہ مغرب تک پہنچ گئی۔ جب لوگوں نے سنا کہ سکندر سفر سے واپس آ گیا ہے اور بہت سے کارداروں کو سزا دی ہے تو ہرپالوس بابل اور سارڈس کے خزانے لے کر بھاگ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بہت سی دولت جمع کر لی تھی۔ اور تنخواہ داروں کی فوج بھی بہم پہنچا لی تھی۔ چنانچہ وہ یہ فوج لے کر اور خزانے کو لے کر جہاز میں سوار ہوا اور ایتھنز کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ یہ اس کا دوسرا فرار تھا۔ یونان پہنچتے ہی اس نے کہا حب وطن کا تقاضا ہے کہ ہم بغاوت کریں۔ ایتھنز کی گردن سے مقدونیہ کا جوا اتار پھینکیں اور اس شہر کی پرانی عظمت بحال کر دیں۔ انتہا پسند سیاست دان اس کے ساتھ ہوئے۔ دوسرے لوگوں کو روپیہ دے کر ساتھ ملا لیا۔ ڈیما ستھنز اس کی ہم نوائی کے لیے تیار نہ ہوا حالانکہ ہرپالوس ڈیماستھنز ہی کو اس بغاوت کی روح رواں بنانا

چاہتا تھا۔ شہرہ آفاق خطیب نے صاف صاف کہہ دیا کہ سکندر سے جنگ دیوانگی ہے۔ اس میں ایتھنز تباہ ہو جائے گا۔

سکندر کی طرف سے جو افسر مالیہ وصول کرنے کے لیے مقرر تھا وہ شہر سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ گیا۔ ڈیما ستھنز پر یہ الزام لگایا گیا کہ سکندر کے کارندے رشوت لے لی۔ پارتھینیا میں جو روپیہ ہرپالوس نے رکھا تھا۔ اسے دیکھا گیا تو نصف سے زیادہ غائب ہو چکا تھا۔ جو لوگ جنگ کے حامی تھے۔ انہوں نے ڈیما ستھنز پر یہ الزام لگایا کہ اس نے ہماری جنگی سکیم دشمن کو بتا دی ہے اور روپیہ اٹھوانے میں مدد دی۔ اہل ایتھنز بڑے ناقدرے اور حق ناشناس تھے ان میں جو فرد تنہا دیانت دار تھا اسی پر رشوت کا الزام لگایا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ڈیما ستھنز نے سکندر کے متعلق اپنی رائے بدل لی تھی؟ کیا سکندر ڈیما ستھنز کی خطابت سے خوفزدہ نہ رہا تھا؟ یقین ہے کہ دونوں شخص (سکندر اور ڈیما ستھنز) جو کائی رونیا کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل تھے اب اس امید پر باہم شریک ہو گئے تھے کہ مقدونوی دولت متحدہ کے ماتحت دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

یونان کی بدامنی ہرپالوس کے چرائے ہوئے خزانے پر ہنگامے اور مقدونیہ میں مختلف گروہوں کی کشمکش کے باعث سکندر نے مناسب سمجھا کہ اینٹی پیٹر کی جگہ کریٹرس کو مقرر کر دے جو نہایت قابل ناظم تھا۔ اینٹی پیٹر نے تمام احکام کی تعمیل کی نہایت وفاداری سے کی تھی۔ لیکن اس کی رائے میں یونانی باغی تھے۔ سکندر کو ضرورت محسوس کرتا تھا کہ کوئی جوان آدمی یونان کا نظم و نسق سنبھال لے خصوصاً اس لیے کہ اس کی ماں المپیاس اپنی ایک پارٹی بنا رہی تھی۔ کریٹرس بخار کے باعث کمزور بھی ہو گیا تھا اور سکندر نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بہترین افسر کی زندگی خطرے میں پڑی رہے۔

چنانچہ اینٹی پیٹر سے نظم و نسق لے لیا گیا تھا تو اس کا بیٹا کیسنڈر احتجاج کی غرض سے سکندر کے پاس ایشیا آیا۔ اس نے کہا۔ جن لوگوں نے میرے باپ پر الزامات لگائے۔ انہوں نے بڑی دور بیٹھے ہوئے یہ الزام وضع کیے۔ گویا کیسنڈر نے دل کی بات تو کہہ دی

تھی۔ اگرچہ سکندر پر براہ راست الزام عائد کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ سکندر نے جواب دیا کہ یہ تو ارسطو کے استدلال کی سی بات ہے۔ اگر تم اور تمہارا باپ مجرم ٹھہرے تو ضرور سزا دی جائے گی لیکن ابھی مجھے معلوم نہیں کہ آیا تم مجرم ہو۔

کیسنڈر پر واضح ہو گیا کہ سکندر بالکل بدل چکا ہے اور اسے اپنے دوستوں پر بھروسا نہیں رہا۔ نہ ان دیوتاؤں پر اعتقاد رہا ہے جن کے لیے وہ پہلے قربانیاں دیا کرتا تھا۔ اس نے سکندر اور دوسرے مقدونویوں کو دس سال کے بعد دیکھا تھا۔ لیکن اس تغیر کی اسے امید نہ تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ بے حد ڈر گیا تھا۔ یہاں تک کہ سکندر مر گیا۔ کیسنڈر اس وقت بھی سکندر کے کسی مجسمے کے پاس سے گزرتا تو اس پر رعشہ طاری ہو جاتا۔

بہرحال سکندر پرسی پولس کے مقدس مقام سے شوش کے سلسلہ کوہ کو طے کرنے کے لیے تیار ہو گیا تاکہ اپنی مملکت کے مغربی حصے سے قریب تر تعلق قائم کر سکے۔ اس کی مراجعت کا اثر ڈینوب سے نیل تک محسوس ہونے لگا۔ مقدونوی فتوحات کی داستانیں ممفس، ایتھنز اور پیلا میں بیان ہونے لگیں جو بظاہر قرین یقین نہ تھیں۔ یونانی عالموں نے اس عظیم الشان کارنامے کی تفصیلات سمجھنے میں مشکلات پیش آتیں۔ اور وہ واقعی اس کے بعد اجزاء سراسر ناقابل یقین تھے۔ مثلاً ستر نئے شہروں کی تعمیر، بیس ہزار سٹیڈیا سے آنے والے تجارتی قافلے جو جنوبی سمندر میں جہازرانی دنیا کا یہ وسیع تک تصور ان کے لیے مسحور کن بھی تھا اور خلل انگیز بھی، انہیں ایسے وسائل مل گئے تھے جن کے روبرو یونانی شہروں کے وسائل بے حقیقت رہ گئے تھے اور اتنی بڑی آبادی ان کے ماتحت آگئی تھی کہ جس میں یونان کی آبادی ایک چھوٹی سی اقلیت کی حیثیت رکھتی تھی جو ربع مسکوں کے مشرقی گوشے میں تھی۔

اب سکندر جہاں جاتا حکومت کا نظام اس کے ساتھ چلتا۔ نظم و نسق کی ضرورت نے اب اسے سلطنت کے مرکز میں پہنچا دیا تھا۔ کیلی ناس نے بھی اسے یہی نصیحت کی تھی۔ لیکن وہ نظام حکومت کیا تھا؟ اس کے متعلق بے یقینی کا سلسلہ قائم تھا۔ معاصر شہادتوں سے

کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ سکندر کا نقشہ مستقبل کے متعلق کیا تھا۔ بعض مبصر کہتے تھے کہ اس کے سامنے کوئی نقشہ ہی نہ تھا۔ بطلیموس کی رائے یہی تھی۔ یقیناً سکندر نے بھی کوئی واضح بات نہ کہی تھی۔ ارسطو اس مثالی حکومت کو رد کر چکا تھا۔ جو افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں پیش کی تھی۔ سکندر نے ارسطو کی سکیم رد کر دی تھی۔ جو کہتا تھا کہ نظم حکومت تعلیم یافتہ افراد کی ایک چھوٹی سی جماعت میں رہنا چاہیے۔ پھر اس کی سلطنت اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ ایک شہر یا ایک مخصوص جماعت اس کا انتظام سنبھال ہی نہ سکتی تھی۔

روشنک اب امیدواری سے تھی لیکن سکندر نے کبھی یہ نہ کہا کہ اس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوگا اسے میرا جانشین سمجھا جائے۔ مقدونیہ میں اس کے جو قریبی رشتے دار موجود تھے ان کے بارے میں بھی وہ کچھ سوچنے اور وقت ضائع کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایشیائی عورت سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کے ساتھ رشتہ دار کیا سلوک کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر وہ ایرانی سلطنت کے خدوخال کرنا چاہتا تھا۔ یقیناً اسے کروش کے طرز حکومت نے بہت متاثر کیا تھا۔ اس لیے اس حکومت سے امن قائم ہو گیا تھا۔ لیکن وہ خود کہتا تھا کہ مقدونوی فتوحات ایرانی حکومت کے دائرے سے آگے نکل گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک رعایا پر حکمران نہیں سمجھتا تھا بلکہ اسے یہ احساس تھا کہ ایک بہت بڑا مقصد لے کر آیا ہے جسے پورا ہونا چاہیے۔ فوج سے اپنی نئی حکومت کے متعلق بات چیت کرتا تو کہتا کہ یہ مقدونوی دولت متحدہ ہے۔

بطلیموس نے اس کے خطابات کی جو فہرست تیار کی تھی اس میں عجیب وغریب اضافے ہو چکے تھے‘ مثلاً خطابات کی مکمل فہرست ملاحظہ فرمائیے:

”سکندر سوم‘ شاہ مقدونیہ‘ یونانی شہروں کا نیم ملکوتی مشروط آقا‘ مصر کا فرعون‘ جسے خدا کا اوتار سمجھنا چاہیے‘ آئی اونیا کی بندرگاہوں کا حلیف اور آقا‘ فونیقی شہروں اور بیڑوں کا مالک ومختار یہودیہ کے مذہبی پیشوا کا محافظ‘ ایرانی مجوسیوں کا شہنشاہ‘ ہندوستان کے راجاؤں کا دوست اور

باقی ہندوستان کے لیے ایک ایسا فرمانروا جس کے منصب کا تعین نہ ہوا تھا''۔

بطلیموس کو معلوم تھا کہ سکندر القابات و خطابات سے بالکل بے پرواہ ہے لیکن بطلیموس کو یہ بھی یقین تھا کہ سکندر جب تک زندہ ہے اس اپنی اس نومولود عالمگیر سلطنت پر قبض و تصرف بحال رکھے گا۔ یونانی بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے چنانچہ جب ڈلفی کے مندر سے اعلان ہوا کہ سکندر انسانوں سے اٹھ کر زندگی ہی میں دیوتا کی حیثیت اختیار کر چکا تھا تو بطلیموس کو اس پر بالکل تعجب نہ ہوا۔ سکندر اس پر نہ خوش ہوا نہ ناراض۔ ڈلفی کی طرف سے یہ اعلان بھی ہو چکا تھا کہ سکندر کی مورتی کے سامنے قربانیاں ہونی چاہئیں اور اس کے اعزاز میں کھیلوں کا انتظام ہونا چاہیے۔ ممکن ہے سکندر کی دیوتائی کا سلسلہ اس لیے شروع کیا گیا ہو کہ یونانیوں کو اس کے عجیب وغریب تسلط قانونی اعتبار سے تسلیم کرنے میں عذر نہ رہے۔ اس لیے کہ دیوتا کے سامنے جھکنا یا اس کی عزت کرنا باعث ذلت نہ سمجھا جاتا تھا۔

سکندر کے ذہن میں جو بھی نقشہ ہو یہ امر یقینی ہے کہ یوریشیا کا شہنشاہ ایک خاص مقصد کی بنا پر سب کچھ کر رہا تھا۔ سکندر نے بھی نظام حکومت کے متعلق کسی سے اس طرح بحث نہ کی تھی کہ جس طرح وہ ابتدائی دور میں ہر معاملے کے متعلق جنگی کونسل میں بحث کیا کرتا تھا۔ وہ شوش میں بھی غالباً کچھ مدت ٹھہرا رہا۔ حکومت کے مسائل وہاں بھی مسلسل اس کے سامنے رہے۔ وہ اپنے ماتحتوں سے بھی غیر متوقع کوششوں کا طالب گار تھا۔ اسے ایشیا کی سرزمینوں میں قحط اور پانی کے مسائل بڑے پریشان کر رہے تھے۔ اس لیے فصلوں کو انحصار بارشوں ہی پر تھا۔ اس مشکل حل کے لیے اس نے دریاؤں سے نہریں نکالنے کا سلسلہ جاری کیا۔ نو آبادیاں قائم کرنے کا عمل حیرت انگیز طریقے سے بار آور ہوا۔ دنیائے قدیم نے اتنی تھوڑی مدت مین اتنے شہر آباد ہوتے کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعد میں بھی ایسا نظارہ اس وقت تک نہ دیکھا گیا جب تک دو ہزار سال بعد امریکا میں آباد کاری شروع نہ

ہوئی۔ چند ہی دنوں میں پختہ اینٹوں کی دیواریں کھڑی ہو جاتیں۔ چھت کے بغیر تھیٹر بنا لیے جاتے۔ پہاڑوں کے دامن میں یا صحرائی میدانوں میں کھیلوں کے لیے زمین تیار کر لی جاتی۔ ہر نو آبادی میں تعلیم اور تفریح کا پورا انتظام ہوتا۔

ان نو آبادیوں میں طرح طرح کے لوگ بس جاتے۔ تاجر باہر سے چیزیں لانے کا انتظام کرتے دیہات کے لوگ روپے اور سامان کے لیے آ بستے۔ مثال کے طور پر تدمر ۵ پرانا تجارتی شہر تھا۔ جب اسمیں رومی پہنچے تو وہاں عرب، آرامی، یونانی، یہودی، اور شامی آباد تھے۔ تدمر اور الرقیم میں سے جو تجارتی قافلے گزرکران سے محصول لیا کرتے تھے تجارت کی ترقی نے نئے شہروں کی آبادی بھی بہت بڑھا دیں بہت سی ایسی آبادیاں بھی تھیں جو تجارت کے بل پر ترقی نہ کر سکیں۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ آباد تھے جو ایک زمانے میں فوجی کام انجام دے چکے تھے یا مقامی باشندوں نے وہاں اپنے لیے مکان بنا رکھے تھے۔

وجہ معلوم نہیں لیکن سکندر نے مشرقی جانب کی فوجی چوکیوں سے تمام تنخواہ داروں یونانی فوجیوں کو بلایا اور انہیں وطن واپس بھیج دیا۔ اسی زمانے میں اسے یہ معلوم ہوا کہ ایکبانہ میں تین ہزار یونانی ایکٹر گویے اور فن کار مشرق کی طرف جانے کا انتظار میں بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوجی قوت کو توڑ رہا تھا اور غیر مضافی آبادکاروں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا سپاہی مختلف مقامات پر تکلیف کا باعث بن رہے تھے یا سکندر نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔

شوش میں وہ خود فوج کا انتظام سنبھالے رہا۔ بیاس کے کنارے فوج نے جو بغاوت کی تھی اسے وہ بھولا نہ تھا۔ مقدونویوں کی تعداد فوج میں اگرچہ بہت کم رہ گئی تھی مگر ان کے اور سکندر کے درمیان قوت عزم کا امتحان بدستور جاری تھا۔ اب سکندر محسوس کر رہا تھا کہ اسے آبادکاروں کی ضرورت ہے۔ جو بوقت ضرورت فوجی خدمات بھی سرانجام دے سکیں۔ وسیع میدانی فوج کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ایشیائی اقوام کے سروں

پر مقدونوی تلواروں کو زیادہ دیر تک معلق رکھنا پسند نہ کرتا تھا۔تیس ہزار ایشیائی رنگروٹوں کو یورپی قواعد سکھائی جا چکی تھی۔اور اب سکندر انہیں مختلف کمانداروں کے ماتحت مقرر کیا جا رہا تھا، حتیٰ کہ بعض مقامات پر فوج کی ایک رجمنٹ میں مقدونیوں کی صرف ایک کمپنی رہ گئی تھی۔اس نے ایک ایرانی باختری اور ستھی افسروں کو اونچے منصب دے دیے بلکہ اپنے رفیقوں میں شامل کر لیا۔نئی سلطنت کے لیے یوریشیائی فوج ہی درکار تھی۔وہ مقدونوی فوج موزوں نہ رہی تھی جو مہموں میں کام دیتی۔ساتھ ہی تکلیفیں بھی پیدا کرتی۔خود مقدونویوں کا خیال تھا کہ سکندر کو ہماری خدمات کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اب ہم سے پیچھا چھڑانے کے درپے ہے۔

☆☆☆

اکیسواں باب :: فوج کا خاتمہ

شوش پہنچ کر سکندر نے ایک بہت بڑے جشن کا انتظام کیا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ لمبے کوچ کے بعد اب ہم رات و آرام کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ اپنے ہم قوموں کو ایشیائیوں کے ساتھ شادیاں کرنے پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ ایرانی زبان سیکھ چکے تھے یا انہوں نے مشرقی رسوم اختیار کر لیے تھے۔ مثلاً پیوسس ٹس، سکندر نے انہیں بہت اچھا سمجھتا تھا۔ اب اس نے تمام افسروں کو بلا کر کہا کہ ایشیائی عورتوں سے شادی کر لو۔ چنانچہ خود اس نے دارا کی سب سے بڑی لڑکی کو دوسری بیوی کے طور پر منتخب کیا۔ دوسری بیٹی ہفا اسشن کے عقد میں دے دی کریٹرس اس وقت تک یونان روانہ نہ ہوا تھا۔ اس کی شادی روشنک کی چھوٹی بہن سے کی۔ نیارکس موقع پر موجود نہ تھا بلکہ اپنے بیڑے کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس لیے برسین اور میٹرا کی بیٹی تجویز کی۔ سلیوکس نے سپاما کی بیٹی منتخب کر لی۔ بطلیموس پرڈیکاس اور دوسرے افسروں نے ایرانی امراء کی بیٹیاں چن لیں۔ غرض سکندر کے ۸۰ رفقاء نے اس موقعے پر شادیاں کیں۔

آریاں لکھتا ہے:

> ''سکندر کی یہ تجویز بہت ہر دل عزیز ہوئی۔ ان سب نے اس موقعے پر ایرانی اور مادی لباس پہنے۔ شادیاں ایشیائی طریقے سے ہوئیں۔ پہلے پر تکلف دعوت آراستہ کی گئی۔ پھر دلہنیں آئیں ار ہر ایک اپنے مجوزہ شوہر کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ہر شخص نے اپنی اپنی دلہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے بوسہ دیا۔ سکندر نے یہ کام سب سے پہلے کیا۔ پھر ہر ایک اپنی بیوی کو لے کر چلا گیا''۔

ان شادیوں کی حوصلہ افزاء کے لیے سکندر نے اعلان کر دیا تھا کہ مقدونوی رفیقوں کی طرح اب ایشیائی رفیق بھی میرے عزیز اور رشتے دار سمجھے جائیں گے۔ اس نے تمام دلہنوں کے لیے اپنے پاس سے جہیز دیا۔ دس ہزار سپاہیوں نے شادیاں کر لیں اور انہیں

سکندر کی طرف سے جہیز ملے۔ نیز ان کے نام ایک خاص رجسٹر میں لکھے گئے۔

مقدونیہ کے سال خوردہ سپاہی مشرقی لباس اور دلہنوں کے طور طریقوں کی ہنسی اڑاتے تھے۔ لیکن انہیں اصل غصہ اس بات پر آیا تھا کہ سکندر کو اب پرانی فوج کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی بادشاہوں کی طرح مطلق العنان بن چکا ہے۔ بابل کے راستے پر کشمکش آخری منزل پر پہنچ گئی۔ سکندر نے معلوم کر لیا تھا کہ شوش مشرقی پہاڑوں کے اندر فاصلے پر واقع ہے۔ لہذا اسے دارالحکومت نہیں بنایا جا سکتا۔ بابل سب سے بڑی شاہراہ پر واقع تھا اور فرات کے ذریعے آبی راستہ سمندر تک جاتا تھا۔ اس لیے اسے موزوں مرکز حکومت سمجھا گیا۔ ممکن ہے دریا کے قریب نے سکندر سے یہ فیصلہ کرایا ہو۔ اس لیے سمندر کی چھان بین اب اس کے خیالات پر بہت چھائی ہوئی تھی۔

اسے بے خوابی کی بیماری ہو گئی تھی۔ پھیپھڑے میں جو زخم لگا تھا اس کا علاج ٹھیک نہ ہو سکا تھا۔ لہذا وقتاً فوقتاً بخار آ جاتا۔ وہ جب تک سفر میں رہتا بڑا خوش رہتا۔ چلتے چلتے اس نے اصرار کیا کہ دلدلوں میں سے چکر لگاتے ہوئے اس خاص مقام پر پہنچنا چاہیے جہاں نیارکس کے ٹھہرنے کی توقع تھی۔ پھر دجلہ پر کشتیوں کے ذریعے سفر شروع ہوا اور اس نے وہ تمام بند منہدم کرا دیے جو ایرانیوں نے جا بجا بنا رکھے تھے۔ سکندر کی خواہش تھی کہ دجلہ میں سے کشتی رانی کے لیے کوئی بھی رکاوٹ باقی نہ رہنی چاہیے۔ اس نے کہا ہمیں کسی دشمن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور جہاز خود ہمارے ہیں"۔

دجلہ پر جاتے جاتے سکندر کے کان میں یہ آواز پہنچی کہ مقدونیہ والے شاکی ہیں چنانچہ اس نے سب کو بلایا اور کہا جن کی عمر زیادہ ہو چکی ہے یا زخموں کے باعث جنگی خدمات انجام نہیں دے سکتے وہ واپس چلے جائیں۔ انہیں رخصت کے وقت ایسے انعامات دیے جائیں گے جن کی وجہ سے وہ اہل مقدونیہ کے لیے رشک کا باعث بن جائیں گے۔ اس سلسلے میں اسے اپنا وعدہ یاد تھا جو اس نے فوج سے بغاوت کے وقت کیا تھا۔ جن لوگوں نے فوج میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ان کے لیے سنہری ہار تجویز کیے گئے (وہ

لوگ دوسروں کے مقابلے میں دوگنی تنخواہیں لے رہے تھے)۔

یہ بات مقدونویوں کو مطمئن نہ کر سکی۔ انہوں نے اپنے افسروں کو بتایا کہ ہم پر سود خواروں یا ہم طعاموں کا قرضہ ہو چکا ہے۔ جو روپیہ ہمیں ملے گا ممکن ہے وہ ہمارے قرضوں میں وضع کر لیا جائے۔ سکندر نے کہا کہ تمام قرضے سرکاری خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔ لیکن ہر آدمی کو اپنا نام اور قرضے کی مقدار لکھوا دینی چاہیے۔ مقدونویوں کو اسے سچ سمجھنے میں تامل ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں کوئی فریب ہے۔ وہ جانتے تھے کہ بہت بڑی تنخواہ لے رہے ہیں ارو مقروض ہو جانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے وہ جن لوگوں کے پاس زیادہ املاک تھے انہیں کو زیادہ روپے کی ضرورت تھی۔ یہ پیش کش غور و بحث کے بعد رد کر دی گئی۔ پھر سکندر نے کہا کہ نام لکھوانے کی ضرورت نہیں۔ ہر آدمی زبانی جتنا قرضہ بتائے گا وہ ادا کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ حقیقی وجہ شکایت نہ تھی۔ مقدونوی دیکھ چکے تھے کہ پارتھیوں اور باختریوں کو خاص محافظ فوج میں شامل کر لیا گیا تھا اور ان کی ایک رجمنٹ پر روشنک کے بھائی کو سردار بنا دیا گیا تھا۔ ان کے دل میں حسد پیدا ہو چکا تھا۔ روپے کا انہیں چنداں خیال نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اب سکندر غیروں کو عزیز قرار دے کر ان سے معانقے کرتا ہے اور ہماری اسے پروا نہیں۔ پھر کیوں نہ ہم سب کو الگ کر دے تا کہ وطن واپس چلے جائیں۔

دجلہ کے نچلے حصے میں جگہ جگہ دلدلی زمینیں تھیں اور گرمی بہت زیادہ تھی۔ مقدونویوں نے سمجھا کہ سالہا سال کی لڑائیوں کے بعد ہمیں یہاں چھوڑ دیا گیا ہے اور ہم سے بے تعلقی اختیار کر لی گئی ہے۔ اب وہ سکندر سے بحث کے لیے تیار نہ تھے اور کوئی ایسی کونسل موجود نہ تھی جو ان کی شکائتیں سن لیتی۔ سکندر نے جب اپنے قاصد بھیجے تو انہوں ں ے پکار کر کہا کہ یا تو ہم سب کو وطن واپس جائیں گے یا کوئی نہیں جائے گا۔ ہمارے بعد سکندر ایشیائیوں کو لے کر جنگ کر لیے جو اس کے پاؤں پر گرتے ہیں۔ اہاہا اب اس کا باپ آمن جنگ میں فتح دے گا" سکندر نے یہ سب باتیں سنیں تو اپنے افسروں کے ساتھ ان

کے کیمپ میں پہنچا۔محافظ فوج پیچھے پیچھے تھی ۔وہ ایک گاڑی پر چڑھ گیا اور مقدونویوں کو اشارے سے قریب بلایا۔پھر کہا جہاں تک میرا تعلق ہے تم سب جب چاہو چلے جاؤ۔

ایک لمحے تک مجمع پر خاموشی طاری رہی۔پھر مقدونویوں نے کہا تم نے ہمیں آدمی کہا ہم آدمی نہیں رہے۔حادثے ہمیں تباہ کر رہے ہیں۔۔ہم محض روحیں رہ گئے ہیں۔ہم کوئی حکم سننے کے لیے تیار نہیں۔

سکندر یہ سنتے ہی گاڑی سے نیچے اترا۔وہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔جن لوگوں نے یہ الفاظ کہے تھے انہیں پکڑ کر اپنی محافظ فوج کی طرف دھکیل دیا جو پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔اور حکم دے دیا کہ ان تیرہ آدمیوں کو ابھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔پھر وہ ٹھہر گیا اس لیے کہ سپاہی چپ ہو گئے تھے۔اور یوں مخاطب ہوا:

جانے سے پہلے مجھے یہ بتاتے جاؤ کہ تم کس قسم کے آدمی رہ چکے ہو۔تم چمڑہ پہنتے تھے۔اور بربری قبیلے جب تم پر حملہ کرتے تھے تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھپ جاتے تھے میرے باپ نے تمہارے لیے لبادے مہیا کیے اور تمہیں شہروں کے آباد کار بنایا۔اس نے مقدونیہ کی دولت متحدہ کو یونان دلایا۔ہم جب وطن سے نکلے تھے تو تمہارے پاس گزارے کا کوئی سامان نہ تھا۔میرے پاس سونے چاندی کے کچھ پیالے تھے اور ساٹھ ٹیلنٹ کے قریب نقد روپیہ تھا۔مجھ پر پانسو ٹیلنٹ کا قرض تھا۔مین نے تمہارے لیے ساز و سامان کے لے آٹھ سو ٹیلنٹ مزید قرض لیا۔میں نے تمہیں ہیلس پلونٹ (درہ دانیال) سے بخیر و عافیت گزارا اگرچہ اس وقت ایشیائی لوگ سمندروں کے مالک تھے۔

میں نے جو سرزمینیں فتح کیں وہ تمہارے لیے فتح کیاں اور تمہیں دولت سمیٹنے کا پورا موقع دیا۔لیڈیا' ایران اور ہندوستان کی دولت ہمیں

ملی تھی۔ میں نے تمہیں اس میں حصے دار بنایا۔ میں نے تمہارے ساتھ پیدل چل کر تکلیفیں اٹھائیں اب بیرونی سمندر بھی ہمارے قبضے میں ہیں۔ جو خوراک تم کھاتے تھے وہی میں نے کھائی اور کم سے کم نیند لی۔ تم میں سے کون ہے جس نے میرے لیے اتنی تکلیف اٹھائی ہو جتنی تکلیف میں نے تم سب کے لیے اٹھائی؟ اگر ایسا ہے کوئی تو سامنے آئے۔ ہاں ہاں وہ سامنے آئے اور اپنے زخم دکھائے میں اپنے زخم دکھاؤں گا۔ تم جانتے ہو کہ کوئی ہتھیار اب تک ایجاد نہ ہوا جس کے زخم کا نشان میرے جسم پر موجود نہیں''۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ آدمی متوجہ تھے اور گہری سانسیں لے رہے تھے۔ گویا آہیں بھرنے لگے تھے۔ کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔ پھر سکندر نے کہا۔

''میں اب بھی تمہارا سردار ہوں اور میری وجہ سے تمہیں فاتحوں کی حیثیت ملی ہے۔ میں نے اپنی شادی میں تمہاری شادیوں کا بھی جشن منایا۔ ایشیا میں تمہارے جتنے بچے ہوئے ان کی دیکھ بھال کا انتظام کیا۔ میں نے تمہارے قرضے بے باق کر دیے اور کبھی نہ پوچھا کہ مقروض کیوں ہوئے۔ تم میں سے جنہوں نے جانیں دیں انہیں بہادروں کے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ میری قیادت میں تمہارا ایک آدمی بھی بھاگتا ہوا مارا نہ گیا۔ میں تمہیں دریائے سندھ کے پار لے گیا اور اگر پیٹھ نہ موڑتے تو دریائے بیاس سے بھی آگے لے جاتا۔ تم نے میرے ہاتھوں سے سنہری ہار لیے اب اگر واپس جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ...... سب چلے جاؤ اور وطن جا کر کہو کہ ہم اپنے بادشاہ سکندر کو مفتوح اجنبیوں میں چھوڑ کر چلے آئے ہیں جاؤ چلے جاؤ''۔

پھر وہ ہجوم میں راستہ پیدا کرتا ہوا اپنے خیمے میں چلا گیا اور اعلان کر دیا کہ میں اب کسی سے ملاقات نہیں کروں گا۔ سپاہی اپنی جگہ ٹھہرے رہے آہستہ آہستہ بات چیت کر کے سکندر کے فیصلے پر بحث کی۔ ہر ایک سمجھتا تھا کہ اسے جادو بھری زبان عطا ہوئی تھی۔ اور اس سے بھی پہلے وہ ایسی باتوں سے سب کے دل مسخر کر چکا تھا۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ سکندر اپنی بات پوری کر کے رہے گا۔ ہم سب کو انعام دے دے گا اور رخصت کر دے گا۔ خود نہ جائے گا۔ اور ہم جب مقدونیہ پہنچیں گے تو ہمارے متعلق کیا کہا جائے گا۔ دوسرے دن بھی یہ بحث جاری رہی انہیں یہ معلوم ہوا کہ ایرانی فوجیوں کو اعلیٰ عہدے دے دیے گئے ہیں۔ ایشیائی رجمنٹوں کو محافظ بنالیا گیا ہے اور انہیں رفیقان خاص کی طرح روپہلی ڈھالیں دے دی گئی ہیں۔ تیسرے دن مقدونوی فوج پر ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بڑے بڑے افسر ہجوم کر کے سکندر کے خیمے پر پہنچے۔ ہتھیار خیمے کے دروازے پر رکھ دیے اور پیغام بھیج دیا کہ جب تک ہماری بات نہ سنو گے دن ہو یا رات ہم یہاں سے نہ ہلیں گے۔ یہ حلف بھی اٹھالای کہ جن لوگوں نے ہمیں برافروختہ کیا ہے انہیں حوالے کر دیں گے۔

سکندر باہر نکلا۔ تو انہوں نے آگے بڑھ کر اسکے ہاتھ پکڑ لیے۔ اس کا دامن تھام لیا اور مجر والحاح کرنے لگے۔ سکندر کچھ نہ بول سکا۔ اس یے کہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ ایک سردار نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہمیں سب سے زیادہ شکایت اس بات پر ہوئی کہ تم نے ایرانیوں کو عزیز بنالیا اور ہمیں یہ عزت کبھی نہ دی۔ سکندر صرف اتنا کہہ سکا ''تم میرے عزیز ہو تم سب عزیز ہو''۔ آدمیوں نے فوراً ہتھیار اٹھالیے اور نعرے لگاتے ہوئے اس کے آس پاس اچھلنے کودنے لگے۔ یہاں تک کہ اس نے وعدہ کرلیا کہ ہم اکٹھے جشن منائیں گے۔ اس نے پرانے طریقے کے مطابق ایک دعوت کا اہتمام کیا۔ جس میں مقدونوی افسروں کو اپنے قریب بٹھایا اور ایرانیوں کو دور بیٹھنے کا حک دیا۔ جب شراب کا دور شروع ہوا تا سکندر نے اپنے آدمیوں کے ساتھ شراب پی۔ یونانی کاہن اور ایرانی

موبد شکرانے کی اس مجلس میں اکٹھے تھے۔ سکندر نے شراب پی کر دونوں قوموں کی متحدہ دولت کے لیے دعا کی۔ سکندر اور اس کی فوج کے درمیان مدت سے جو کشمکش چلی آ رہی تھی دریائے دجلہ کے اس جشن پر ختم ہو گئی۔ سکندر نے حسب معمول اپنی مرضی منوالی۔ اس نے دریا کے کنارے پر تقریر کی تھی۔ اس نے جراح کے نشتر کی طرح لوگوں کے دل پر اثر کیا۔ وہ ان کی ذہنیت کو خوب سمجھتا تھا۔

ایشیا میں اس نے یونانی اور شامی جوانوں کو ایک خاص انداز کی تربیت دے دی تھی۔ لیکن مقدونویوں پر وہ قابو نہ پا سکا تھا۔ اس کے نقطہ نگاہ میں بہت کم تبدیلی ہوئی۔ ہندوستانی مہم کے بہادر ویسے ہی رہے جیسے کائیرونیا سے پیشتر تھے۔ خود رائے دہقان ضدی سونے کے حریص۔ اچھی زمینوں' گاڑیوں اور مویشی کے متمنی۔ علاوہ بریں انہیں اپنی شاندار خدمات پر فخر تھا وہ مطمئن تھے کہ اپنے سے زیادہ عقل مند ایشیائیوں پر تسلط حاصل کیا اور سکندر ان کا رفیق ہے جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔

سکندر نے ان کی ان خصوصیتوں سے پورا فائدہ اٹھایا۔ انہیں فاتح قرار دیا۔ اپنے لیے صرف ان سرزمینوں کی تسخیر کا اعزاز مخصوص رکھا اور جو جنگ کے بعد فتح ہوئی تھیں۔ جنگوں کی مصیبتوں میں بھی وہ ان کے ساتھ رہا تھا۔ یہ دعوے بالکل سچے تھے۔ وہ اپنے بہادروں کی وفاداری کا سچا قدردان تھا۔ آخری دو سال میں مقدونوی سپاہی اس کے لیے اضطراب کا بڑا باعث رہے تھے۔ بعض بڑے بڑے افسروں نے مشرقی طور طریقے اختیار کر لیے تھے اور وہ سکندر کے نئے نقطہ نگاہ سے متفق ہو گئے تھے۔ مثلاً ہفااسشن اور پیوسس ٹاس۔ ممکن ہے ہزاروں سپاہیوں نے بھی یہی کیا ہو اور ایشیائی عورتوں سے شادی کر کے آبادکاروں کی طرح نئی دنیا میں رہنے کے لیے تیار ہو گئے ہوں لیکن سکندر اور ان مقدونویوں کے درمیان اختلاف رفع نہ ہو سکا۔ جو گھر جانے کے لیے ترس رہے تھے۔

چنانچہ یہ معاملہ سپاہیوں اور جمعیتوں پر چھوڑ دیا گیا۔ دس ہزار نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں تنخواہیں دے دی گئیں۔ واپسی کے سفر کی مدت بھی ملازمت میں شامل کر لی

گئی ہر ایک آدمی کو ایک ایک ٹیلنٹ انعام دیا گیا (یہ رقم عام حساب کے مطابق ایک ہزار ڈالر کے مساوی سمجھی گئی لیکن حقیقتاً پندرہ ہزار ڈالر کے مساوی تھی) جو سپاہی ادائے حق میں جاں بحق ہوئے تھے ان کے کنبوں کو تمام ٹیکسوں سے آزاد کر دیا گیا اور ایسے حقوق دیے گئے کہ وہ اپنا گزارہ بخوبی کر سکیں۔ سکندر نے صرف ایک شرط پیش کی اور وہ یہ کہ فوجی خدمت سے الگ ہونے والے سپاہیوں کے جو بچے ایشیائی عورتوں کے بطن سے تھے ان کے ساتھ نہ جائیں گے اور اپنی طرف سے وعدہ کر لیا کہ ان سب کو مغربی پیانے پر تعلیم دی جائے گی۔ جو سپاہی واپس گئے ان کی قیادت کریٹرس کے حوالے کی گئی۔ ساتھ ہی پرانی پیادہ فوج اور پرانے رسالے کے جیش ختم ہو گئے۔

سکندر کی زندگی کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ جو فوج اس کے باپ نے تیار کی تھی اور جو سکندر کی کامیابی کا سب سے پہلا وسیلہ تھی' اسے اس نے برباد کر دیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے سے رخصت ہونے کے بعد پھر مقدونوی فوج کسی میدان جنگ میں نہ اتری۔ جو مقدونوی جنگجو باقی رہ گئے تھے وہ اپنی سابقہ عظمت کا محض ایک سایہ تھے۔

فیلقوس نے تھسلی اگریانا اور مقدونی کے آدمیوں سے ایک شہری فوج تیار کی تھی۔ جو بڑی بلند حوصلہ تھی۔ یہ قومی فوج یوروشیائی سکیم میں کام کرنے کے لیے موزوں نہ رہی تھی۔ جو فوج سکندر کے پاس باقی رہ گئی تھی۔ وہ قوم کی نہیں بلکہ اقوام کی فوج تھی۔ سکندر نے مقدونوی جنگجوؤں کو اپنی دولت میں شریک کرنے کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ سچ یہ ہے کہ اس نے ہر اک کو اپنے کارناموں میں حقیقتاً حصے دار بنا لیا تھا۔

اپنی نئی مسلح فوج کو وہ صرف اپنی شخصیت کے بل پر رکھ رہا تھا۔ رضاکار یا بھرتی کیے ہوئے آدمی جن میں ترکستان کے پہاڑی علاقوں کے سرکش باشندے اور شمالی ہند کے لوگ شریک تھے' صرف اس کی بے پناہ شخصیت کے سامنے جھک گئے تھے۔ وہ صرف اپنے سپہ سالار کا حکم مانتے تھے۔ جس طرح بعد میں ہینی بال کی ملی جلی افریقی فوجیں

صرف اپنے سپہ سالار کا حکم مانتی تھیں۔ ہنی بال کی فوجوں کے برعکس اس ایشیائی فوج میں تنخواہ دار کوئی نہ تھے۔ سکندر ان سب کو رخصت کر چکا تھا۔ دراصل اس نئی فوج کی حیثیت پولیس کی تھی۔ دریائے نیل سے دریائے سندھ تک جنگ یا کشمکش کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا۔

☆☆☆

بائیسواں باب :: بابل کے پانی

سکندر نے زیر نگیں بہت سی قومیں آ چکی تھیں عجیب امر یہ ہے کہ ان میں سے جس قوم کا کنٹرول اس کے لیے سب سے مشکل ہو گیا وہ خود مقدونوی قوم تھی۔ مشرق میں قریباً امن تھا۔ اپنی واپسی کے وقت سکندر نے قیام امن میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھی تھی۔۔ مصر حسب معمول فرعون کے ماتحت بالکل سکون کی حالت میں تھا۔ مجوسیوں نے سکندر کو اسابق ایرانی شہنشاہوں کا سچا وارث تسلیم کر لیا تھا۔ ہیکل یروشلم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا نے سکندر کو کورش کی طرح اپنا محافظ بنانے کی التجا کی تھی۔ بابل کے پروہت اپنے دیوتا مردوج کے مندر از سر نو بنا رہے تھے اور سکندر کی مراجعت کا انتظار کر رہے تھے۔

یونانی شہروں سے بھی قاصد اور سفیر چلے آ رہے تھے۔ وہ سکندر کے پاس آتے ہی اسے ہار پہناتے اور دیوتا کی طرح اس کا احترام کرتے (وہ عموماً اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتا اور یونانی شہروں سے گئے ہوئے جتنے بت اور مجسمے اسے ملے تھے وہ یونانیوں کے حوالے کر دیتا) ایتھنز میں کاتھینز کے ساتھیوں کو اگر سکندر کا دوست نہ سمجھا جائے تو کم از کم وہ غیر جانبدار ضرور بن چکے تھے۔ سپارٹا سکندر اور اس کے باپ کی مخالفت میں بڑی سرگرمی دکھا چکا تھا۔ لیکن تسخیر ایشیا کے بعد اس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ بحیرہ ایجہ اور بحیرہ قلزم میں حلیفوں کے بیڑے گردش کر رہے تھے۔

لیکن مقدونیہ کے ہم خاندان کے ہر بیرے سے بے پروہ تھے۔۔ پیلا کے پہاڑی باشندے اہل قرطاجنہ کی طرح تجارتی کاروبار نہ کر سکتے تھے۔ بے شک ایشیا سے انہیں غلام بھی مل گئے تھے اور سونا بھی۔ مگر ایشیا پر انہیں حکمونایکا موقع نہ ملا۔ پھر پھر کی تسخیر ان کے نزدیک کیا حیثیت رکھتی تھی۔ سکندر نے انہیں دوسرے انعامات تو بہت دیے لیکن حکمرانی کا اختیار دینے کے لیے وہ تیار نہ ہوا۔ آریاں لکھتا ہے کہ وہ خود تو کسی چیز کا خواہاں نہ تھا لیکن جو لوگ اس سے وابستہ تھے انہیں بے اندازہ دولت دے دی۔ اس سال کی علیحدگی نے سکندر اور اس کے ہم قوموں کے درمیان اجنبیت پیدا کر دی تھی۔ سکندر کے

لیے اولمپیاس کی جذباتیت' اینٹی پیٹر کی سخت گیر حکومت اور کلوپیٹرا کی سازشیں اور ہرپالوس کی چوری کے واقعات بہت کم حیثیت اور دور افتادہ واقعات بن چکے تھے۔اس نے ارسطو سے خط و کتابت بھی ترک کر دی تھی۔ اور ارسطو مشائی فلسفیوں میں استاد کی حیثیت میں کتابوں کے انبار کے اندر بیٹھا رہتا تھا۔مشائیوں کی تعلیم یہ تھی کہ سکندر خوبی بخت سے کامیاب ہوا لیکن وہ اپنے تجاوزات ہی کے باعث مصائب میں مبتلا ہو جائے گا۔سکندر نے یہ سنا تو کہا جو لوگ میرے خلاف سازش کرنے والوں کو پناہ دیتے ہیں انہیں ضرور سزا دی جائے گی۔

یونانی اور مقدونوی دنیا کے اکابر کے نزدیک ایشیا کے فاتح کی حیثیت سے ایک دیوانے کی سی تھی۔ وہ بہ طور خود مشرقی سمت میں غائب ہو گیا تھا۔وطن کے نوجوانوں کو بھی کھینچ کر باہر لے گیا تھا۔انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا اسے کوئی احساس نہ تھا۔ دیوانگی کا حملہ اس پر ہوا دیوتاؤں کی بلدن حثیت سے اس نے انکار کر دیا۔وہ اجنبی معبودوں کے سامنے جھکتا رہا اس نے بربریوں کے درمیان سنہری پلنگ پر استراحت پسند کی۔ خوشبوئیں اس کے سامنے جلتی رہتی تھیں۔ اسے قت کے نشے نے مدہوش کر دیا تھا۔۳۲۳ ق م کے موسم بہار میں کیسنڈر اور ہرپالوس وطن لوٹے تو انہوں نے ایسی ہی باتیں پھیلائیں۔

وہ بابل میں دربار منعقد کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ اسے یہ پسند تھا کہ شہر کے اہرام نما برجوں پر افسروں اور درخواست گزاروں کی قطاریں اس کے انتظار میں بیٹھی رہیں۔جن پہاڑوں سے اسے محبت تھی بابل کے متعلق باغ ان کا اچھا بدل نہ تھے۔اس کے برعکس وہ قزوین کے زمین بند سمندر (بحیرہ قزوین) کی چھان بین کے لیے سکیمیں تیار کرنے میں لگ گیا۔اس نے کہا کہ اس سمندر کے کنارے لکڑی کی کمی نہیں اس سے بیڑا تیار کیا جا سکتا ہے...... بلکہ فونیقی اور کریتی فن کاروں کو حکم دیا کہ جہاز سازی کا کارخانہ قائم کرنے کے لیے فوراً روانہ ہو جائیں...... پھر سمندر کا چکر لگا کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آیا یہ بحیرہ

اسود سے ملتا ہے یا اس کا اتصال شمالی سمندر سے ہے۔ اگر آخری بات درست ثابت ہوگئی تو پھر ہمارے جہاز ربع مسکوں کے شمالی کنارے پر بھی جا پہنچیں گے۔ یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ آیا دریائے بحر اور دریائے ریگ دونوں بحیرہ قزوین ہی میں گرتے ہیں؟ اس طرح ستھیوں کے وطن تک بہ آسانی پہنچنا ممکن ہو جائے گا۔

سکندر کو پرناسس کے ملنے کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ اس نے ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں دیکھ لی تھیں جو زمین کی آخری بڑی فصیل تھا۔ وہ عقابوں کی پرواز دیکھ چکا تھا۔ اس کے قدم مکران کے ایک ریگ زار کی پیائش کر چکے تھے۔ اور اسے بیرونی سمندر کے مدوجزر کا تجربہ بھی ہو چکا تھا وہ دارا کے تخت پر نہیں بلکہ اپنے تخیل کی شان وشکوہ کے تخت پر بیٹھ کر اس دنیا یعنی طبعیات کی دنیا میں سیروگردش کرتا رہتا تھا زمین کے متعلق اس کے تصورات واضح ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں ہفااسشن کے انتقال کی خبر ملی تھی۔ اس سے سکندر کو سخت صدمہ پہنچا۔ ہفااسشن صرف سات روز بخار میں مبتلا رہا تھا۔ طبیب اس کا علاج نہ کر سکے تھے۔ کلائٹس کو سکندر خود مار چکا تھا۔ اب ہفااسشن بھی بچھڑ گیا تو سکندر نے سمجھا کہ اس کی ذاتی چیز چھن گئی ہے۔ ماتم کے جوش میں اس نے حکم بھیجا کہ ہفااسشن کے اعزاز میں ایکتبانہ کے اندر کھیلیں جاری رہنی چاہئیں اور جتنے لوگ ان میں حصہ لیں وہ مرنے والے عزیز دوست کی یاد میں قربانیاں کریں۔

جو یونانی نقل وطن کر کے آئے تھے ان میں سے سکندر کو ایک خوش فکر فن کار مل گیا جس کا نام سٹاسی کریٹز اتھا وہ ہفااسشن کی قبر کا بڑا اچھا نقشہ بنا سکتا تھا۔ فیصلہ ہوا کہ صندل ار دیودار کی لکڑی استعمال کی جائے جسے ایلوے اور دوسری خوشبوؤں میں بسا دیا جائے۔ اس کی وضع قطع مندر کی سی ہو اور ایکتبانہ کے خزانے سے دس ہزار ٹیلنٹ کی رقم اس پر صرف کی جائے سکندر نہیں چاہتا تھا کہ یہ یادگاہ نذر آتش ہونے پائے مگر یہ نذر آتش ہوئی۔ سکندر کی تجاویز کی عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سٹاسی کریٹز نے خود اکی خوشنودی حاصل کرنی چاہی۔ اور اس کی یادار کا ایک عجیب نقشہ بنا رکھا تھا جس کے سامنے مصر کے اہرام

بھی بے حقیقت رہ جاتے اس نے کہا کہ میں کوہ ایتھوس ۲ کی چٹان کو کاٹ کر سکندر کا مجسمہ تیار کر سکتا ہوں۔ دس ہزر باشندوں کا شہر اس کے بائیں جانب ہوگا اور دریا اس کے دائیں جانب بہتا ہوا سمندر میں گرے گا۔ یہ مجسمہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ سٹاسی کریٹیز نے قسم کھا کر کہا کہ اسی قسم کا مجسمہ سکندر کے شایان شان ہوسکتا ہے۔

لیکن سکندر ایسی باتیں سننے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ وہ اکتبانہ سے یہ کہہ کر نکلا کہ ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ بطلیموس کو ساتھ لے لیا۔ وہی اس کے پرانے دوستوں میں سے باقی تھا۔ اور جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے نہایت کٹھن پہاڑی راستہ اختیار کیا جسے لوگ چھوڑ چکے تھے۔ بعض اوقات برف پوش چوٹیوں کے قریب پہنچ جاتا۔ اشوری بادشاہوں نے پہرے داری کے لیے جابجا برج بنا رکھے تھے۔ جب اسے خبر ملی کہ نیارکس بابل پہنچ گیا ہے تو وہ بھی پہاڑوں کو چھوڑ کر میدان میں اتر پڑا۔ جہاں ہرکاروں کی سڑک واقع تھی۔ لوگ اس کے سلام کے لیے ہجوم کی شکل میں جابجا جمع تھے۔ چند سال بیشتر وہ گاگامیلہ کی جنگ کے لیے اسی سڑک سے گزرا تھا۔ بربری قبیلوں کے قاصد دور دور سے اس کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔ وہ افریقہ کے لیبری کے علاوہ اڑمسکنوں کی طرف سے بھی تحائف اور پیغامات خیر مقدم لائے جو یونان کے مغربی حصے میں رہتے تھے۔

راستے میں اسے مردوج کے پروہتوں کا ایک گروہ ملا جس نے کہا ''خداوند باب بابل کے اندر نہ جائیے۔ اگر آپ دوبارہ اندر جائیں گے تو آپ پر آفت نازل ہوگی''۔

سکندر: پیش گوئی ایک قیاس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی۔

ساتھیوں نے کہا کہ اس انتباہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کلازید کے ہیئت دانوں کو یانونیوں کے مقابلے میں انسانوں کی تقدیر کے متعلق بہتر علم حاصل ہے۔ جن لوگوں نے اس قسم کی باتوں پر اعتقاد نہ کیا تھا۔ وہ بولے کہ یہ پروہت مروج کے مندر دوبارہ بن جانے کے باعث بے حد دولت مند ہوگئے ہیں اور انہیں چاہیے کہ سکندر شہر میں پہنچے اور ان کے حسابات کی جانچ پڑتال کرے۔ سکندر کو یاد آیا کہ ایرسٹانڈر نے جو مر چکا

تھا اسے متنبہ کیا تھا کہ مندر دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔ سکنر نے اس انتباہ کا کچھ خیال نہ کیا۔ وہ تو بابل کو اپنی وسیع مملکت کا مرکز حکومت بنانا چاہتا تھا اور نیارکس وہاں اس کا منتظر تھا۔

وہ شاہی محل کی چھت پر چلا گیا جہاں رات کے وقت ٹھنڈی ہوا چلتی تھی اور نیچے بازاروں میں مشعلوں کی روشنی ایسے نظر آتی تھی جیسے جگنو چمک رہے ہوں وہاں نیارکس کے ساتھ عرب میں مہم بھیجنے کی سکیم پر بحث وغور کیا کرتا تھا۔ جہاں سے خوشبوئیں آتی تھیں سکندر نے کہا کہ آرکیاس بھی واپس آ گیا ہے۔ اس نے مغربی ساحل پر ایک جزیرے تک دیکھ لیا اور جیسا کہ تمہارا (نیارکس کا) خیال تھا۔ سمندر نے وہاں ایک خلیج کی سی صورت اختیار کر لی تھ۔ میں نے اس جزیرے کا نام اکاروس۳ رکھا ہے۔

نیارکس کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اسے یہ بھی علم تھا کہ سکندر اکتشافات کے متعلق اس طرح گفتگو کیا کرتا ہے جیسے وہ خود موقع پر موجود تھا اور خود احکام جاری کر رہا تھا۔ امیر بحر (نیارکس) نے بتایا کہ ''ہیرون۴ ساحل کے ساتھ خلیج کے اندر تک چلا گیا۔ پھر لوٹا اور کنارے سے جہاز لگا تو اس نے دیکھا کہ ہر طرف صحرا ہی صحرا ہے۔''

سکندر: ''وہ لوٹ کیوں آیا؟

نیارکس: '' آگے جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔

سکندر نے قہقہہ لگایا۔ اسے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ کوئی شخص صرف ڈر کے مارے لوٹ آئے۔ نیارکس نے بتایا کہ ہیرون کے اندازے کے مطابق عرب کی سرزمین ہندوستان جتنی بڑی تو ضرور ہوگی۔ سکندر یہ سن کر بہت خوش ہوا اور فیصلہ کر لیا کہ عرب کے اردگرد جہازوں کا چکر ضرور لگائے گا۔ میں خود ایک مہم خشکی کے راستے لے جاؤں گا۔ نیارکس ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز لے کر چلے گا۔ اس طرح ہم دونوں سرزمین نیل میں پہنچ جائیں گے اور صحراؤں میں جن اسرار سے اب تک پردہ نہیں ہٹا انہیں بے پردہ کر کے رہیں گے۔

بابل میں جہاز سازی شروع ہوگئی۔ دس دس اور تیس تیس چپوؤں والے جہاز بننے لگے۔ سکندر ایک نئے جہاز پر سوار وہ کر امتحان کی غرض سے دریا کی جنوبی سمت میں گیا۔ اس طرح وہ نہروں کا نظام بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر آبی راستے ہی دوبارہ بابل میں داخل ہوا۔ پرستاس نئی فوج لے کر ایران سے آ گیا تھا۔ سلیوکس اپنے ساتھ ہاتھیوں کی ایک قطار لایا۔ اس رات سکندر صبح تک شراب پیتا رہا۔ بے چینی میں اسے نیند نہ آتی تھی۔

جب اسے نیند نہ آتی تو طریقہ یہ تھا کہ صبح کی قربانی کے بعد وہ دریا پر پہنچ جاتا تیرتا اور اس پار سے اس پار چلا جاتا۔ دوسرے کنارے پر حوض کے پاس شامیانہ لگا ہوا تھا۔ وہاں لیٹ جاتا اور دن کی گرمی سے محفوظ ہو جاتا۔ یکایک اسے محسوس ہوا کہ بخار آ رہا ہے۔ اس نے دوبارہ چشمے میں غسل کیا اور سونے کی کوشش کی۔ افسروں کو حکم دیا کہ سورج نکلنے پر حاضر ہوں۔ آریان لکھتا ہے:

> ”رات کے وقت بخار تیز ہوگیا۔ اس نے معمول کے مطابق قربانی کی اور نیارکس کو حکم دیا کہ جہاز تیسرے دن روانہ ہو جانا چاہئیں۔ اگلے دن قربانی کے وقت وہ بخار کی شدت کے باعث خاموش نہ رہ سکا۔ افسروں سے برابر باتیں کرتا رہا کہ بیڑے کی روانگی کے لیے انہیں ہر چیز تیار رکھنی چاہیے۔
>
> تیسرے دن وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ قربانی کے لیے پالکی میں بٹھا کر لائے۔ اسی حالت میں اسے واپس لے گئے۔ جرنیل اور دیوانی کے افسر محل کے دروازے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ لوگ اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو انہیں پہچان تو رہا تھا لیکن بول نہ سکتا تھا۔ دو دن اور دو رات بخار تیز سے تیز تر ہوتا رہا۔
>
> سپاہیوں کو یہ خبر ملی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ سکندر کہیں مر نہ گیا ہو اور راز دار افسر اس حقیقت کو چھپا رہے ہوں۔ ان میں سے بعض محل

میں پہنچے وہ رو رہے تھے اور زبردستی اس کے کمرے میں گھس گئے۔ ایک ایک کر کے اس کے سامنے سے گزرے۔ وہ اب بھی بول نہ سکتا تھا۔ البتہ اپنے دائیں ہاتھ سے ان کے سلام کا جواب دیتا تھا اور بہ مشکل اپنا سر اٹھاتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ عالم بقا کو سدھارا۔ صرف بتیس سال اور آٹھ مہینے کی عمر پائی۔

☆☆☆

تیئسواں باب :: سکندر کے بعد

سکندر مقدونیہ کی وفات بخت نصر کے محل میں اچانک ہوئی جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ غالباً وہ ملیریا کا شکار ہوا۔ اس کی فوج کا ہر معمولی سپاہی بیماری کے اس حملے سے جانبر ہوسکتا تھا لیکن سکندر نے محنت ومشقت سے اپنے جسم کو گھلا دیا تھا اور آخری سٹیج میں اس کے قلب و روح بھی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ غالباً اس کی موت زیادہ تر بخار سے نہیں ہوئی تھی بلکہ جسمانی تکان و زخموں کے باعث ہوئی تھی۔

وہ جوانی ہی میں چل بسا تھا اور سلطنت کا جو خواب اس نے دیکھا تھا اس کی تعبیر ادھوری رہ گئی۔ طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ تعبیر پوری ہوسکتی تھی؟ دور حاضر کے بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ جو کام اس نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ وہ انسانی طاقت سے باہر تھا۔ سکندر کو خوش نصیب سمجھنا چاہیے کہ وہ اس نظام کی برہمی کا رنج اٹھانے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ گیا۔ حقیقت حال کے معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

جو کچھ اس نے کیا وہ ہمیں معلوم ہے اور فارے اٹھیک کہتا ہے کہ یہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم وہ ہے جس کے لیے اس نے کوشش کی۔ اس بارے میں بھی ہمارے سامنے کوئی واضح شہادت موجود نہیں۔ جو حالات اسے پیش آئے ان سے عہدہ برا ہونے کا بندوبست کرلیا گیا۔ جن مشکلات سے سابقہ پڑ رہا تھا انہیں راستے سے ہٹاتا گیا۔ وہ مشکلات پر اتنا مضطرب نہ تھا جتنا اپنے ساتھیوں کی بے یقینی پر مضطرب تھا۔ آخری مہینین میں اس نے تمام قومون کو تہذیب کے نئے راستے پر اتنی قوت سے آگے بڑھا دیا تھا کہ وہ پرانے طور طریقوں پر واپس نہ جاسکتے تھے۔ اس نے انسانیت سے بالا قوت وطاقت استعمال کرکے اپنے زمانے کے تمام معیار درہم برہم کر ڈالے تھے۔ اور اس طرح ان قوتوں کو حرکت میں لے آیا تھا جنہیں آگے بڑھنے سے روکا نہ جاسکتا تھا۔ سکندر کے احوال وظروف میں جو عجائبات پیش آئے تھے انمیں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس زندگی کے اثرات موت کے پیشتر ٹھیک ٹھیک نمایاں نہ ہوسکے۔ جن قوتوں کے پاؤں سے اس نے زنجیریں اتار دی تھی

وہ مدت تک انسانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالتی رہتی ہیں۔ یہ اثر ہم اب بھی واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

مقدونیہ

سکندر کی عالم گیر سلطنت کے خلاف جو جنین کی حالت میں تھی پہلا ردعمل اس کے وطن مقدونیہ میں ہوا۔ جو اس کی توجہ سے زیادہ تر محروم رہا۔ وہ کوئی قطعی لقب اختیار کرنے سے پیشتر مر گیا۔ اس کے وطن کے اکثر پہاڑی لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ سکندر ایشیا پہنچ کر یا تو دیوانہ ہو چکا ہے یا اس نے مطلق العنان فرمانبرداری کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ کریٹرس اس وقت تک یونان نہ پہنچا تھا اختیارات کی باگ اینٹی پیٹر کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے فوجی قوت سے کام لے کر پورے یونان پر قبضہ کر لیا' حالانکہ سکندر نے اپنی زندگی میں ایسے اقدام کی اجازت نہ دی تھی۔

ڈیماستھنز نے یونان کی آزادی کو بچانے کے لیے آخری کوشش کی۔ وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تو جان بچا کر آئی جینا۲ بھاگ گیا۔ مقدونیہ کے طلایہ گرد دستے اس کی تلاش میں آئی جینا پہنچے تو ڈیماستھنز نے ایک مندر میں پناہ لے لی اور قید ہونے کی بجائے خودکشی کر لی۔ ارسطو پر لامذہبی کا الزام لگا کر اور وہ وطن چھوڑ کر چیلس ۳ چلا گیا۔ جہاں ایک سال بعد وفات پائی۔ اس طرح اس دور کی تین زبردست ہستیاں ختم ہو گئیں یعنی سکندر' ڈیماستھنز اور ارسطو تینوں اپنے اپنے دائروں میں اتنی بلند حیثیت کے مالک تھے کہ بعد کی نسلوں میں سے کوئی ان کی برابر نہ پہنچ سکا۔

خود یونان میں سکندر کو دیوتا سمجھا جاتا تھا اور آخری دور کے ہرقل یا اپالو کی حیثیت میں اس کی پوجا کی جاتی تھی۔۔ اس کے لیے قربانیاں دی جاتی تھیں۔ مورتیاں بنائی جاتیں۔ اور لوگ ان کے سامنے جھکتے۔ سکندر پرستی کا یہ آغاز تھا۔ یہ سب کچھ رسمی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن اس سے اس تبدیلی کی شہادت کی ضرور ملتی ہے جو پیش آ چکی تھی۔ ایتھنز والوں کے نزدیک سکندر مقدونیہ کا بادشاہ نہ رہا تھا۔ ایک خاص مدت کے لیے اس نے ایتھنز کے

ہاتھ سے فکر ونظر کی قیادت چھین لی جاتی تھی اورغوروخوض کے ایسے نئے میدان کھول دیے جاتے ہیں جواہل علم کے لیے تحیر کا باعث تھے یونانیوں نے اس مسئلے کو یوں طے کی کہ سکندر کو دیوتا مان لیا اور درس گاہوں میں حسب معمول اپنی بحثوں پر متوجہ ہو گئے۔

مقدونیہ کی تقریباً نصب آبادی مشرق کی طرف جا چکی تھی یا قتل ہو چکی تھی۔ جاگیردار امراء کی تعداد خاصی گھٹ گئی تھی۔ کسانوں میں شعور پیدا ہو چکا تھا۔ اورانہوں نے شاہی خاندان یا اولمپیاس کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان داخلی جھگڑوں کے علاوہ ایشائے کوچک میں مسلسل کشمکش شروع ہو گئی۔ جہاں یک چشم اینٹی گونس مالک ومختار بن گیا تھا۔ یونانیوں نے فن کار مزدوروں کے کام سنبھال لیے اورفوج کی حیثیت پرانے زمانے کے پیشہ وروں کی سی رہ گئی۔ ان میں سے کوئی چیز بعدازاں بربری رومی لشکر سیل کی طرح آئے تو ان کو بھی پیچھے نہ ہٹایا جاسکا۔ اور دوصدی سے بھی کم مدت میں بربری رومی لشکر سیل کی طرح اائے تو ان کو بھی پیچھے نہ ہٹایا جاسکا۔

جانشین

جب سکندر نے بابل کے محل میں وفات پائی تو بطلیموس' سلیوکس پرڈکاس' پیوسٹاس اور نیارکس اس کے پاس موجود تھے۔ یہ طاقتورترتن رفیق جو کچھ ضروری سمجھتے تھے وہ غوروفکر کا محتاج نہیں تھا ان کا یہ فیصلہ تھا کہ یوروایشیائی سلطنت کو فلیقوس اور سکندر کے وارثوں کے لیے محفوظ کیا جائے۔ وارث دو تھے۔ ایک فاترالعقل روہی ڈائس جواب سن کہولت کو پہنچ چکا تھا۔ وہ صاحب عزم سپاہی تھا اور شاہی خاندان سے اس کی رشتہ داری تھی۔ موقع شناس بطلیموس نے یہ پسند کیا کہ اسے مصر کا گورنر بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ مصر کا آرزومند تھا۔ سلیوکس نے ان تمام علاقوں کا انتظام سنبھال لیا جو بابل کے مشرق میں تھے اورانہیں کو دراصل مشرقی علاقے سمجھتا تھا۔

مناسب یہ تھا کہ سکندر کا تابوت مقدونیہ بھیجا جاتا لیکن بطلیموس نے یہ تابوت مصر لے جانے کا بندوبست کر لیا۔ اس طرح اپنا اقتدار بہت بڑھا لیا۔ آگے چل کر اس نے تھائیس

سے شادی کر لی۔ ممفس اور سکندریہ میں بطلیموس نے ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد رکھ دی۔ جیسا کہ امید کی جا سکتی تھی' مشقت پسند سلیوکس کے مقابلے میں بطلیموس نے بادشاہی کے لطف زیادہ اٹھائے۔ سلیوکس اپنے آپ کو پوری سلطنت کا محافظ سمجھتا تھا۔ انہیں دونوں کے متعلق دانیال ہی کی پیش گوئی میں ذکر آیا ہے۔

جنوب کا بادشاہ بہت طاقت ور ہو گا لیکن اس کا ایک سپہ سالار طاقت میں اور بھی بڑھ جائے گا اور وہ سلطنت کا مالک بن جائے گا۔

بطلیموس نے سکندریہ میں ایک کتب خانہ تعمیر کرایا جہاں اس کا سوتیلا بھائی نظر بند تھا۔ تھائیس ممفس میں ملکہ کے فرائض انجام دیتی رہی اور اس کے تین بچے ہوئے۔

سکندر جو تاج اور ایرانی لباس پہنتا تھا اسے پہننے کی جانشینوں میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی۔ یا یہ کہہ لیجیے کہ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی توجہ نہ کی۔ انہوں نے دوسرے ہی شاہی لباس پر قناعت کی۔ یعنی مرصع سربند' ارغوانی لبادہ' سرخ رنگ کے بوٹ اور مقدونوی لباس جسے ایشیائی وضع دے دی گئی تھی۔ اس لباس کو بعد ازاں بیزنطینی شہنشاہوں نے استعمال کیا (سکندر داڑھی مونچھ دونوں منڈواتا تھا۔ جانشینوں کا بھی آقا کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ یونانیوں میں داڑھی کا رواج نہ رہا اور غالباً انہیں کی یہ رسم رومہ پہنچی)۔

سکندر نے ان جانشینوں کے لیے حکومت کا واضح نقشہ چھوڑا تھا۔ وہ صرف سکندر کی مثال اور اس کا مقصد سامنے رکھ سکتے تھے۔ یہ کام ان سے نہ ہو سکا۔ انہوں نے بہت کچھ کیا لیکن جیسا کہ اولمپیاس بار بار شکایت کر چکی تھی۔ وہ بار بار بادشاہوں کی برابری حاصل کر چکے تھے فوجی اختیارات اور ملکی نظم و نسق کے صیغوں کو وہ الگ الگ نہ رکھ سکے اور انجام کار پرانے زمانے کی طرح ٹیکس جمع کرنے والوں پر ان کا انحصار رہ گیا۔ سلیوکس ان علاقوں کو جو انتہائے مشرق میں واقع تھے یکجا نہ رکھ سکا۔ جو یونانی بیرونی باختر یا سغد میں آباد ہو گئے تھے سکندر کی موت کی خبر سن کر انہوں نے بغاوت کر دی اور وطن کا راستہ لیا۔

ہندوستان کے مفتوحہ علاقے سلیوکس چندر گپت کو دے کر ہاتھیوں کی قطار لے لی۔

انہوں نے مقدونوی بولی کی جگہ یونانی کو سرکاری زبان بنا لیا۔ تجارت میں ملی جلی بولی استعمال ہوتی تھی رفتہ رفتہ یہ جانشین الگ الگ ریاستوں کے بادشاہ بن گئے۔ صرف یونانی ثقافت انہیں ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے تھی۔ جسے ایشیائیوں پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ سکندر نے مقدونیہ اور ایران کی تہذیب کو ملانے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں غیر محسوس طریقے سے یونانی اور ایشیائی معاشرے کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہی معاشرہ پھر یونانی دنیا کے نام سے مشہور رہا جن امرا کو مقدونیہ کے شاہی دربار میں مصاحبوں کا درجہ حاصل تھا وہ نئی سلطنت میں بکھرے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ قوی ہوتے گئے اور اپنے آپ کو بادشاہ کے حلیف کہنے لگے۔ انہوں نے سپہ گری کو پیشہ بنا لیا۔ چاندی کی ڈھالیں استعمال کرتے اور جو سپہ سالار انہیں زیادہ تنخواہ دینے پر آمادہ ہوتا۔ اس کی خدمت گزاری کے لیے تیار رہتے۔

جو آدمی سکندر کی یاد قائم رکھنے کے دل سے خواہاں تھے۔ ان میں یہ تغیرات بالکل ناگزیر تھے۔ اصل تفرقہ اس خانہ جنگی سے پیدا ہوا۔ جو مقدونیہ میں شروع ہوئی تھی۔ اس کی ذمہ دار خود پرست اولمپیاس تھی جس نے سکندر کی وفات کے چھ سال بعد ہی ارہی ڈائس کو زہر دلا کر مروا دیا۔ اس طرح روشنک کا بیٹا پوری سلطنت کا وارث رہ گیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اولمپیاس نے سکندر کے ان جانشینوں کو جو مشرق میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس امر پر آمادہ کر لیا تھا کہ باختری شہزادی اراس کے بیٹے کو پیلا بھیج دیا جائے) پرڈکاس اور اینٹی پیٹر دونوں مر گئے۔ جب ایشیائے کوچک اور مقدونیہ کے درمیان کھلم کھلا جنگ شروع ہوگئی تو کیسنڈر نے جو سکندر کا مجسمہ دیکھ کر کانپ اٹھا تھا۔ مقدونیہ کے شاہی خاندان کے خلاف اینٹی گونس کے خاندان کا ساتھ دیا۔ اس طرح اینٹی پیٹر کے بیٹے کیسنڈر نے جو سکندر کا دشمن تھا۔ مقدونوی شاہی خاندان کی تباہی کا کام شروع کیا۔

۳۱۰ ق م میں کیسنڈر نے اولمپیاس روشنک اور سکندر کے دوازدہ سالہ بیٹے کو گرفتار کر

لیا۔ اس نے ہر چند کوشش کی کہ لیکن سپاہیوں میں سے کوئی بھی اولمپیاس یا روشنک یا سکندر کے بیٹے پر تلوار اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ وہ خاصی بوڑھی ہو چکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس شیخ کی ماں بیوی اور بیٹے کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ جسے دیوتا سمجھ رہے تھے۔ کیسنڈر نے خود اولمپیاس روشنک اور سکندر کے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور انہیں ڈبو کر مار دیا۔ اس طرح فیلقوس اور سکندر کا آخری انسانی رشتہ بھی ختم ہو گیا اور مقدونیہ کے سپہ سالار اپنے کاموں میں آزاد ہو گئے۔ یوریشیا کی سلطنت کا والی وارث کوئی نہ تھا۔ چار سال بعد اینٹی گوئس نے اپنے آپ کو سلطنت کا تنہا وارث قرار دیا۔ یہ وراثت اسی صورت میں عمل پذیر ہو سکتی تھی کہ مقدونوی فوج اس پر راضی ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ خانہ جنگی کے باعث سکندر کی عالم گیر سلطنت چار حصوں میں بٹ گئی۔ مقدونیہ اور ایشیائے کوچک اینٹی گوئس نے سنبھال لیے۔ مصر پر بطلیموس قابض ہو گئے۔ شام سے ہندوکش تک کا علاقہ سلیوکس کے قبضے میں آ گیا۔ سرحدی علاقوں کے متعلق یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے آرمینیا نے آزادی حاصل کر لی۔ یہودیوں نے فلسطین میں ایک آزاد حکومت کی طرح ڈال دی۔ ان سب کے درمیان اشتراک کی رشتہ صرف ثقافت کا تھا' لیکن یہ سیاسی تفرقہ یا ہنگامی جنگیں اس تنظیم و ترکیب کو روک نہ سکیں جو درباروں سے باہر معرض عمل میں آ چکی تھیں۔

محرک قوتیں

حقیقت یہ ہے کہ یونانی دنیا میں وہ تحریکیں بروئے کار آ چکی تھیں۔ جنہیں نئے شاہی قانون یا فوجی قوتیں قابو میں نہ رکھ سکتی تھیں۔ یونانی شہر آزاد رہے تھے۔ اگر چہ کمزور تھے ان میں بیرونی دنیا کے ساتھ تعلق کی خواہش ترقی پانے لگی۔۔ پرانی داخلی جنگوں کے بارے میں دلوں پر ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ فلسفیوں نے اپنے تصورات کو چھوٹے چھوٹے شہروں میں سے اٹھا کر انسانوں کی وسیع دنیا پر پہنچا دیا۔ لذتیوں ۴ کی محدود نفاست اور شائستگی یا منتخب افراد کی مختاری کی تلقین افلاطون اور ارسطو کے پیرو کر رہے تھے۔ اب سب سے بڑی نیکی معلوم نہ ہوتی تھی۔ افلاطون یا ارسطو میں سے کسی نے بھی اپنے منتخب

گروہوں سے باہر رنے والے انسانوں کا خیال نہ رکھا تھا۔ ان کے تصورات کچھ اس قسمکے تھے کہ تہذیب وشائستگی کے اس دائرے سے جولوگ باہر رہ جائیں گے انہیں یا تو غلام سمجھنا چاہیے یا دشمن ۔ جو لوگ نئے خیالات سے متاثر ہو کر بروئے کار آتے وہ رواقوں میں تعلیم دیتے تھے۔ اس وجہ سے رواقی ۵ کہلائے ۔

ان لوگوں کے نزدیک چھوٹے چھوٹے یا قدیم یونان کے مندر اور گھر بار اتنے اہم نہ تھے ۔ جتنا کہ تصورات کا عالم گیر مرکز رہا تھا۔ رواقیوں خصوصاً ان کے لیڈر زینو نے جو اصول پیش کیے تھے سکندر کی علاقائی توسیع اور مزعومہ یوریشیائی سلطنت کے بعد جو تمام یونانیوں کے افکار وخیالات میں رچ چکے تھے۔ پرانی قومیں درہم برہم ہوگئیں مختلف قوموں میں امتزاج پیدا ہو گیا عالم گیر زبان پیدا ہوئی اور انسانوں میں نئی رفاقت کا جذبہ ابھر آیا۔ مخلوط انسانیت کی راہوں میں نئے عالمگیر مذہب کے پیشوا نمودار ہونے والے تھے ۔ یہ عالم گیر مذہب مسیحیت ۶ تھا۔

مشرق کی طرف نقل وطن کی جو تحریک سکندر نے پیدا کر دی تھی وہ اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ اسے روکا نہ جا سکتا تھا۔ مشرق میں نئے انکشافات نے طالع آزماؤں کے مختلف گروہوں کو بحیرہ روم کے جزیروں اور کناروں سے اٹھا کر ایشیا کے زرمال اور وسیع مزرعوں میں پہنچا دیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کولمبس کے ہاتھوں نئی دنیا کی دریافت کے بعد سولہویں اور سترھویں صدی میں یورپ سے ہمتورہ غیر مطمئن اور مذہبی اختلافات کے مارے ہوئے لوگ امریکہ پہنچ گئے تھے۔

سکندر نے جو نیا سکہ جاری کیا تھا اس پر اس کے سر کا نقش تھا۔ ساتھ شیر کی یال بنی ہوئی تھی ۔ یہ نقشہ لسی پس نے بنایا تھا۔ یہی سکہ یونانی دنیا میں تبادلے کا معیار بن گیا۔ سکندر کی وفات کے بعد ایکتبانہ کے خزانے میں صرف پچاس ہزار ٹیلانٹ رہ گئے تھے۔ اس کے پیشرو ایرانی شہنشاہوں نے سونے کے جن انباروں کو اپنے خزانوں میں بند کر رکھا تھا۔ سکندر نے انہیں باہر نکال کر عام رواج دے دیا اور سونے کا سیل ہر طرف بہہ نکلا۔

تاجروں اور سپاہیوں کے ذریعے سے یہ سونا دور افتادہ حدود کی نو آبادیوں تک عام لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ ساتھ ہی ایشیائی اپنے نسلی تعصبات سے آزاد ہونے لگے اور نئے مرکزوں میں مغربی دنیا کے جو لوگ آباد ہو گئے تھے ان کے ساتھ میل جول شروع ہوا۔

غیر محسوس طریقے پر ثقافت اور سرگرمیوں کے مرکز بھی مشرق کی طرف حرکت کرنے لگے۔ نئے سکے کے رواج نے ایتھنز کے درہم کی قیمت نصف کر دی لہذا ایتھنز کو بحیرہ روم کی تجارتی ملکہ ہونے کا جو منصب حاصل تھا وہ بھی چھن گیا۔ ایشیائی ساحل کے قریب جزیرہ روڈز نے ایتھنز سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ ایشیائی ساحل پر نئے نئے شہر بنتے گئے جن میں جدید افکار اور اوضاع نمایاں تھے۔ مثلاً پرگیم کی گلیاں پختہ تھیں۔ درس گاہوں کے روکار سنگ مرمر کے ستونوں سے آراستہ تھے۔ عوام کے اجتماع کے لیے بڑے بڑے ہال موجود تھے۔ تیرنے کے لیے حوض اور چھت کے بغیر تھیٹر تھے۔ پرگیمم کے جنوب یں انطاکیہ نے عظیم الشان حیثیت حاصل کر لی۔ یہ شہر ایسی وادی میں تھا جہاں دوآبہ دجلہ وفرات سے تین تجارتی شاہراہیں آ کر ملتی تھیں یہاں مشہور سرکس اور باغات تھے۔ بعد میں انطاکیہ تھکے ہوئے رومی تاجروں کی رہائش گاہ رہا اور نصرانیوں کے ابتدائی مرکزوں میں سے ایک مرکز تھا۔

یہ نئے شہر دریائے نیل کے مشہور شہر سکندریہ کی طرح پرانے یورپی شہروں کے اوضاع سے بالکل مختلف تھے' پرانے یورپی شہروں کی گلیاں تنگ ہوتی تھیں اور وہ حصار اور مندر کے اردگرد بنائے جاتے تھے۔ ایتھنز بھی اسی طرح اپنے بالا حصار کے گرد آباد ہوا تھا۔ رومہ بھی اپنے فورم یعنی منڈی اور مریخ کے مندر کے اردگرد سات پہاڑیوں پر آباد ہوا تھا۔ گویا یہ گینم اور انطاکیہ کے یونانی مرکزوں کے برعکس رومہ بھی زیادہ جدید وضع کا شہر نہ تھا۔ نئے شہروں نے یو پیائی کے ایک نمونے کا کام دیا۔ وہاں کوشک بھی بنے حمام بھی اور تفریح کے باغات بھی۔ ان شہروں کے وسط میں تفریح پارک ہوتے تھے نیز کالج' بین الاقوامی ایوان تھیٹر اور شفاخانے۔ ان کے اردگرد نئے معاشرتی نظام نے فروغ پایا۔ یہ

رومی حکومت کے زمانے میں بھی بدستور قائم رہے اور ان میں معیشت کا پیانہ بہت بلند تھا۔اس تہذیب یافتہ مشرق ادنیٰ یا یوریشیا میں مغرب سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے تا کہ زرخیز خطوں میں زندگی بسر کریں جہاں سور کی روشنی خوب ہوتی تھی ۔فرصت کے اوقات میں گانے سنے جاتے تھے اور دور تک پھیلی ہوئی کاروانی شاہراہیں آباد کاروں کو سیاحی کی دعوت دیتی تھیں۔

یونانی ثقافت یونانیوں سے نکلی تھی لیکن یوریشیا کے دروازے سکندر نے کھولے تھے اور اس کے روابط ایشیا تک پہنچا دیے۔سکندر سے پیشتر مغربی لوگ پناہ گیروں یا تنخواہ داروں کی حیثیت میں ایشیا آئے اور آئی اونیا کے تنگ ساحلی خطے سے آگے بڑھتے ۔سکندر کے بعد مغرب کے لوگ شہریوں کی حیثیت میں آنے لگے۔انہیں زمینوں کی تلاش ہوتی یا مشغولیت کے مواقع ڈھونڈھتے لوگ جہازوں میں سوار ہوئے بحیرہ ایجہ کے نیلے پانی سے گزر کر مشرق کی طرف آتے جن بندرگاہوں پر اترتے وہاں سے انہیں جانوروں کی سواریاں مل جاتیں۔ مثلاً گدھے' گھوڑے' اونٹ اور وہ منزل بہ منزل امرکنڈ یا بابل یا سکندر کے نام پر آباد شدہ شہروں میں سے کسی ایک میں پہنچ جاتے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سکندر نے سلطنت مشرق تک پھیلا لی تھی ۔یہ کہنا چاہیے کہ انسانوں کے لیے مشرقی سمت کا راستہ کھول دیا تھا۔سکندر جو کسی بھی کام کو غیر ممکن نہ سمجھتا تھا۔مغرب کو جسماً مشرق میں لے گیا تھا اور وہاں ٹھہرادیا۔مقدونوی آباد کاروں کے خلاف ہندکوہ کے سفید کافروں کے درمیان اپنی جسمانی خصوصیتیں چھوڑ گئے اور حال ہی کا واقعہ ہے کہ سمرقند میں لال جھنڈے کو مقامی لوگ سکندر اعظم کا جھنڈا سمجھتے تھے۔

کاروانی شہر

سکندر نے یا اس کے جانشینوں نے جو تجارتی شہر یا بندرگاہیں یا علم کے مرکز قائم کیے وہ کسی تر نگ یا ضبط کا نتیجہ نہ تھے۔انطاکیہ نے اس لیے فروغ پایا کہ وہ تین تجارتی شاہراہوں کے اتصال پر واقع تھا۔سلوکیہ سمندر کے قریب تھا۔اسے سلوکی خاندان کی

تفریح گاہ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہاں اطالیہ کی بڑھتی ہوئی دولت تجارت کے لیے بندرگاہ کی حیثیت میں ضروری تھا۔ (میں سکندر کے طے کردہ راستے پر سفر کر چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہر مبصر کو ایک واقعہ خاص طور پر نمایاں نظر آئے گا وہ یہ کہ سکندر کے عہد میں یا اس کے فوراً بعد جو تعمیریں ہوئیں ان کا نشان تک باقی نہ رہا۔ حالانکہ اس کے بیشتر کے شہروں مثلاً بابل اور ایتھنز کے بہت سے آثار باقی ہیں۔ یا کم از کم ی آثار کھود کر نکال لیے گئے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ مقدونویوں کی تعمیرات کچی اینٹوں اور لکڑی کی ہوتی تھیں، جو مرور زمانہ کا مقابلہ نہ کر سکیں یا یہ سمجھنا چاہیے کہ مقدونوی سلطنت جاری رہی تو ہو مرکز ترک کر دیے گئے۔ بعض مقامات میں مثلاً طارس کے سلسلہ کوہ یا افغانستان کی پہاڑیوں میں پتھر اب بھی پائے جاتے ہیں اور پہلے بھی پائے جاتے تھے۔ لہٰذا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ پرانی تعمیرات کے کچھ نہ کچھ نشانات باقی رہ گئے ہوں لیکن دریائے نیل کے دہانے پر سکندریہ میں روشنی کا جو مینار تھا وہ غائب ہو چکا ہے اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ برطانیہ کے ماہرین آثار قدیمہ ان بارہ یادگاری ستونوں سے مقام کا قطعی تعین نہ کر سکے جو سکندر نے واپس جاتے ہوئے دریائے بیاس کے کنارے تعمیر کرائے تھے۔ عمارتی باقیات کے اس طرح محو ہو جانے کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے...... ممکن ہے کہ اسے غیر معمولی سمجھا جائے لیکن یہ ہے بالکل طبعی...... اور وہ یہ کہ جو شہر فروغ پا گئے۔ ۸ دو ہزار سال میں ان پر بار بار تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا اور ابتدائی تعمیرات کے تمام نشانات نئی عمارتوں کے نیچے دب گئے۔ سکندر کا نام نہاد تابوت بھی غالباً بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ دنیائے قدیم کے عظیم الشان شہنشاہوں میں سے تنہا سکندر ہی ہے جس نے اپنی محسوس یادگار کوئی نہ چھوڑی۔ البتہ فن کاری نئے مشاغل یا نئے افکار ہی اس کی میراث رہ گئے)۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یونانی حکمرانوں نے بڑے پیمانے پر عمارتیں نہ بنوائیں۔ ان کے سامنے ایک خاص مقصد ہوتا تھا۔ سکندریہ میں روشنی کا جو مینار بنا تھا وہ بندرگاہ کے دروازے کا نشان تھا۔ اس سے آگے حد افق تک جہاز نظر آتے تھے۔ روڈز کی فروغ پذیر

بندرگاہ میں کلوسس کے نام سے جو عمارت بنائی گئی تھی وہ بھی اسی مقصد کے لیے تھی۔ اس زمانے میں سیر و سیاحت بہت ترقی کر چکی تھی اور انسانوں نے بڑی بڑی عمارتوں کو دنیا کے سات عجائبات میں شامل کر لیا تھا۔ یونانی عہد میں پیشتر جو عمارتیں بنیں وہ یا تو انفرادی یادگاریں تھیں یا مقبرے مثلاً یونان میں زیوس کا بت یا مسوس کا مقبرہ یا افی سوس میں آرٹیمس کا مندر یا دریائے نیل کے کنارے اہرام جو فرعونوں کے مقبرے تھے یا بابل کے معلق باغ جو کسی رئیس نے اپنے آرام کے لیے بنائے یا نہ بنائے۔

جہاز رانی عام ہو چکی تھی تا کہ آمد و رفت کی نئی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے۔ خصوصاً زیادہ مشرقی نقاط میں جیسے روڈز' سکندریہ' بیروت ...... بحیرہ ایجہ میں سے گزرنے والے بعض جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ان میں ایک ہزار مسافر بیٹھ جاتے تھے۔ سکندر جن سمندری راستوں کی چھان بین کا خواہاں تھا ان میں سے ایک کا افتتاح بطلیموسیوں نے کر دیا۔ انہوں نے عرب کے اردگرد جہاز رانی کا سلسلہ قائم کر دیا اور یمن میں اپنا مال اسباب ہندوستانی جہازوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ انہوں نے دریائے نیل سے ایک نہر نکال کر بحیرہ قلزم میں پہنچا دی تھی اور وہاں بندرگاہیں قائم کر دی تھیں۔ جن میں سے ایک کا نام بطلیموس کی والدہ کے نام پر آرسی نوئی رکھا گیا (مقدونوی عورتیں اپنے مردوں کی زندگیوں میں پوری شریک رہتی تھیں۔ سکندر کے جانشینوں کی بیویوں نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ خصوصاً مصر میں جہاں کلوپیٹرا کا نام حکمران خاندان میں عام ہو گیا تھا۔ یہ خاندان مصری رسم کی پیروی میں شاہی کنبے کے بھائیوں کی شادیاں بہنوں سے کر دیتا تھا۔ نئے یوریشیا کی عورتیں قدیم یونانی گھروں کی علیحدگی سے آزادی حاصل کر چکی تھیں۔ قدیم یونان میں بیویوں کا وظیفہ صرف اتنا تھا کہ وہ بچے پیدا کرتی رہیں)۔

سکندر کی تجویز کے مطابق یہ کوشش بھی کی گئی تھی کہ افریقہ کا چکر لگا کر مغربی سمندر تک پہنچا دیے۔ سکندر کے جانشینوں نے بھی سکندر کی طرح معلوم کر لیا تھا کہ آباد یوریشیائی حلقے سے ادھر ادھر جہاں بھی پیش قدمی کی جائے۔ غیر مہذب لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔

سکندر کے سائنس دانوں کا قیاس تھا کہ اور اس کے جانشینوں نے معلوم کر لیا کہ جہاز ران دنیا کے کناروں کے قریب پہنچ چکے ہیں۔) حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے ربع مسکوں کا بڑا حصہ طے نہ کیا تھا اور کیال یہی تھا کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں اس پر بھی یہ حقیقت آشکار ہو چکی تھی۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جن ملکوں میں کسی نہ کسی درجے کی ثقافت موجود تھی۔ ان ملکوں میں زیادہ تر میں وہ ھر چکا تھا۔ البتہ چین باہر رہ گیا تھا۔ نیز وہ وادی گنگا یا عرب کے لوگوں تک نہ پہنچ سکا مغربی بحیرہ روم کے بکھرے ہوئے شہروں تک بھی اس کی رسائی نہ ہوئی مثلاً قرطاجبہ' سائرا کیوز قاوس..... فوج کی بغاوت اور اس کی موت نے اسے مزید کوششوں سے باز رکھا۔ شاید دور افتادہ آبادیوں کے متعلق وہ خاصی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ جن کا ہمیں اندازہ نہیں۔ اس کی خواہش یہ نہ تھی کہ زمین کی آخری حد تک پہنچے بلکہ وہ ان حصوں میں جانا چاہتا تھا کہ جہاں عقیل وفہیم انسان آباد تھے۔ جو لاطینی جزیرے نمائے اٹلی میں بند تھے ان کے متعلق سکندر کے خیالات کا ہمیں علم نہیں)۔

نئے بحری راستوں اور تجارتی شاہراہوں کے ذریعے سے مشرق کی قیمتی چیزیں آتی تھیں۔ مثلاً مسالے' شیشے کے برتن' ریشم' ہاتھی دانت' کھانڈ' موتی' تیل' اور سونا۔ جو لوگ یورپ سے آکر ایشیا میں آباد ہوئے تھے اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور نئے شہروں کی تجارت فروغ پاتی۔ یہ قیمتی چیزیں عام شہریوں کے ہاتھوں تک پہنچنے لگیں۔ خصوصاً عورتوں میں ہمیشہ ان کی مانگ رہتی۔ رومیوں کے عہد میں اور قرون وسطیٰ کی دنیا میں مسالوں اور مشرق کی راحت بخش چیزوں کی طلب بدستور قائم رہ۔ یہی طلب تھی کہ جس نے ایک ہزار بعد بحری اکتشافات کو مسالوں کے جزیروں اور خطا ۹ تک پہنچا دیا۔ ان حالات میں سکندریہ نے اپنے موقع ومحل سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ بحیرہ قلزم کی تجارت اسی مقام پر بحیرہ روم کے جہازوں کے حوالے ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ مقام یونانی سرگرمیوں کا نقطہ ماسکہ بن گیا۔ یہاں سنگ مرمر کے جمنازیم بن گئے۔ سنگ سلیمانی اور یشب کے برتن نیز نفیس مٹی کے برتن تیار ہونے لگے۔ جن سے مغربیوں کو عشرت نو کا مزا ملا۔ مصر کا

بطلیموس اول مصنف تھا یا کہ لکھیے کہ سکندر کے حکم کے مطابق اس نے اپنا روزنامچہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اس نے سکندریہ میں جو کتب خانہ بنایا تھا۔ وہ نئے علمی اکتشافات کا مرکز بن گیا۔ ارسطو کی تاریخ طبیعات سامنے رکھ کر جغرافیہ دانوں نے نئی معلومات کا ذخیرہ مرتب کیا۔ ریاضی دانوں نے نئے نئے آلات تیار کیے ان میں سے ارشمیدس نے بڑی ناموری حاصل کی۔ زمین کی پیائش اور ستاروں کی گردش کے نقشے تیار ہوئے آرسٹو تھینز نے زمین کی پیائش کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ پیش کیا۔ اقلیدس نے علم مساحت کو ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ ایک مفید علم کے طور پر پیش کیا۔ قریباً ایک سو سال تک پرانے یونانیوں کے نظریات انسانی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے استعمال ہوتے رہے۔ گویا یہ وسیع تجربات کا دور تھا۔

سکندریہ میں محض یونانی ہی نہ رہتے تھے۔ روشز بیزنٹین یا بابل سے طالب علم اور لائبریرین بھی آجاتے تھے۔ فن کار اس غرض سے وہاں فراہم ہو گئے کہ بڑے صناعوں کے لیے کام کریں مثلاً عمارتوں کی آرائش شراب کے خوبصورت برتن بنانا عوام کو مطالعے کا شوق پیدا ہو گیا تو نقل و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ فن کم از کم تھوڑی دیر کے لیے عوام کی ملکیت بن گیا۔ تہذیب یا مشرقیوں کا اثر مغرب میں دور تک چلا گیا۔ ارسطو کی تصانیف عربی میں ترجمہ ہو کر محفوظ رہیں۔ حالانکہ رومہ کے زوال کے بعد یورپ نے صدیوں تک ان تصانیف کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔

یونانیوں کے ابتدائی دور میں جو تصورات قائم تھے ایشیائی تصرف نے ان میں تیزی اور حرارت پیدا کر دی ایرانی فکر نے انسانوں کو دوام کی حقیقت پر غور و خوض کی طرف متوجہ کر دیا۔ مجوسیوں کے اثر نے یونانیوں کے تصورات سے کہیں زیادہ یہودیت اور عیسائیت کی تشکیل میں حصہ لیا۔ سکندر کے سفر نے لوگوں کو دوسرے مذاہب سے آشنا کر دیا تھا اور ان کے خیالات کی تنگ حدیں ٹوٹ گئیں۔ بعد ازاں انسان تقدیر کو ناگریز قبول کرنے کی طرف راغب نہ رہے اگرچہ اوہام بڑھتے گئے اور مختلف قسم کی اکسیروں مثلاً ستارہ

شناسی کی طلب جاری رہی۔ مغرب کے تاریک ترین حصوں......سلیٹوں، ٹیوٹنوں اور گالوں......کے سوا یہ احساس پیدا ہو گیا کہ انسان کسی نہ کسی تقدیر سے کالے کر دیوتاؤں کے غیض و غضب سے بچ سکتے ہیں۔

اگر یونانیات کے احیاء میں یونانی زبان کو تقدم حاصل تھا۔ اور یونانی خیال اس کا محرک تھا لیکن اس کی روح ایرانی نہیں بلکہ یوریشیائی تھی۔ فن پارتھیناں کی بت تراشی سے انہیں بلکہ ایشیا کے نمونوں سے پیدا ہوا۔ حقیقت یہ ہے ہ پرسی پولس کی شان و شوکت سفر کر کے مغرب میں پہنچ گئی۔ اور انسانوں نے نئے معیاروں سے اس کا اندازہ کیا۔ ایرانی ثقافت نے یونانی دنیا کی تشکیل کی اور یونانی ثقافت نے رومی دنیا کی شان و شوکت بڑھائی۔

اس میراث کو لے کر رومیوں نے فوجی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور سکندر کی وفات سے دو سو سال بعد وہ جس طرف گئے پختہ سڑکیں بناتے گئے۔ ان سے پہلے ایران پر ایک مقامی خاندان قابض ہو چکا تھا یعنی پارتھی تمام کوششوں کے باوجود رومی دریائے فرات سے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہی وہ حد تھی کہ جو دارا نے سکندر کے سامنے پیش کی تھی۔ باقی ایشیا ایشیائیوں کے ہی قبضے میں رہا رومیوں اور پارتھیوں کے درمیان جو حد قائم ہو چکی تھی وہ باقی رہی۔ مذاہب اور زبانوں کے بڑھتے ہوئے اختلاف نے اس حد کو زیادہ پختہ کر دیا۔ جنگجو اور مادہ پرست رومہ یوریشیا کے درمیانی خطے کی روشنی سے مستفیز ہوتا رہا۔ جب داخلی خرابیوں کے باعث مغرب میں رومی قوت کا شیرازہ بکھر گیا تو رومی عظمت مشرق میں ایک ہزار سال تک بیزنطینی سلطنت کی شکل میں قائم رہی۔ لیکن یونان نے جو عالمی ثقافت پیدا کر لی تھی وہ ابتدائی دور ہی میں تباہ ہو گئی۔ اس وقت سے حال کے زمانے تک مغرب و مشرق کے درمیان مفاہمت کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ صرف شمال میں جہاں مقدونوی نہ پہنچ سکے تھے روس نے تدریجی اور مشقت خیز توسیع کے ذریعے سے ایک یوریشیائی مملکت قائم کی۔

شہنشاہ اور اس کے القاب

عجیب بات یہ ہے کہ جن کروڑوں انسانوں کے دل میں سکندر کی یاد تازہ تھی ۔ وہ اس کے لیے کوئی واضح لقب تجویز نہ کر سکے ۔ اس صدی کے قریب زمانہ گزر گیا تو اسے سکندر اعظم کہا جانے لگا۔ ممکن ہے کہ وہ تنہا نہ ہو جسے ایک قوم نہیں بلکہ بہت سی قوموں نے اس لقب سے نوازا لیکن غالباً یہ لقب حاصل کرنے والا پہلا بادشاہ ہے ۔ بعد میں اس کا نام مختلف خاندانوں نے اختیار کر لیا مثلاً بلقان کے بادشاہوں سکاٹ لینڈ کے سرداروں اور روس کے زاروں میں سکندر کا نام کے کئی شخص گزرے ہیں اور پاپان روم میں سے آٹھ کا نام سکندر تھا۔

سکندر نے ایک ایسا نقشہ پیش کر دیا تھا کہ طاقت ور یورپیوں کے لیے اسے نظر انداز کرنا مشکل تھا ۔ ان کا تصور یہ تھا کہ وہ چند سال تک عالم گیر سلطنت کا مختار مطلق رہا ۔ وہ اسے فاتح سمجھتے تھے ۔ ان کا یہ خیال تھا کہ سکندر نے دنیا کو ایک سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی حالانکہ اس نے ایسا کبھی نہ کیا تھا۔ غرض جس بادشاہ نے کبھی کوئی لقب اختیار نہ کیا تھا یا کم از کم اسے ایک قب کبھی حاصل نہ ہوا۔ اس نے اپنے بعد عظیم الشان بادشاہوں کے لیے ایک نمونہ قائم کر دیا۔ رومی شہنشاہ بھی دنیا کی حکومت کے مدعی تھے ۔ سکندر کا یہ عقیدہ تھا کہ تمام قوموں کو متحد کر دینا ممکن ہے لہذا رومی شہنشاہوں نے فرض کر لیا کہ یہ اتحاد ان کے ماتحت پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے ۔ شہنشاہی کا یہ تصور کہ ایک شخص خدا کے حکم سے دنیا کے تمام لوگوں پر حکمران ہے ۔ دور حاضر تک بھی کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا ۔ آخری دور میں اس حکمرانی کو خدا کی مرضی کے مطابق سمجھ لیا گیا ۔ اگسٹس رومیوں کا پہلا شہنشاہ تھا اس نے سکندر کے دیوتاؤں کے سے اعزازات تجویز کیے ۔ بازنطینی کے بادشاہوں میں سے بیوی لیوس بھی اپنے آپ کو انسانوں پر ظل اللہ سمجھتا تھا۔ شارلیمین اور مقدس رومی سلطنت کے دوسرے بادشاہوں نے بھی مشرقی سیاسی اصول کی یہ روایت قائم رکھی ۔ ان کے ہاتھ میں ایک سنہری کیرہ رہتا تھا جو زمین کا بدل تھا اور اس پر صلیب نصب ہوتی تھی ۔ اسے مختاری کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ حقیقت میں نہیں تو کم از کم لقب کے

اعتبار پر یہ لوگ اپنے آپ کو حکمران عرش کا جانشین سمجھتے تھے۔

عجیب واقعہ ہے کہ حکومت عرش کے اس تصور کے ساتھ افسانوی ایشیائی پرندے کا تصور بھی مشتبہ ذرائع سے یورپ پہنچ گیا۔ یعنی مجوسیوں کا بڑے چہروں والا عقاب جو آسمانوں میں بیٹھے ہوئے دیوتاؤں اور زمین پر بسنے والی مخلوق کے مابین ذریعہ ربط وضبط تھا۔ یہ واقع ہے کہ عقاب زیوس کا محبوب پرندہ تھا۔ اور رومی لشکروں ے پرچموں پر اسی کی شکل بنائی گئی تھی۔ لیکن ایشیا کے افسانوی پرندے مرغ کی شکل اژدھے سے ملتی جلتی تھی۔ اسے ایرانیوں نے آسمانی قوت کا نشان بنالیا تھا۔ بازنطینی بادشاہوں نے بھی اسی کو نشان مقرر کرلیا۔ مقدس رومی سلطنت کے بادشاہوں کی ڈھالوں اور پرچموں پر بھی جو شکل بنائی جاتی تھی وہ اژدھے ہی سے ملتی جلتی تھی اور یہی شکل جرمنی کے شہنشاہوں پولینڈ کے بادشاہوں اور روس کے زاروں کے جنگی سامانوں پر بھی قائم رہی۔

غیر معروف ہندوستان پر سکندر کا سفر کا اثر بالکل مختلف پڑا۔ غیر معروف اس لیے کہ ہندوستان کے متعلق قدیم ترین بیانات وہی ہیں جو سکندر کے محرروں یا سلیوکس کے سفیروں نے پیش کیے۔ سکندر کے بعد ہندوستان میں ایک متحدہ سلطنت ظہور پذیر ہوئی۔ ایک شخص چندرگپت کچھ مدت سکندر کے ساتھ گزر چکا تھا۔ مقدونیوں کے آنے کے بعد جو افراتفری پیداہوئی اس سے فائدہ اٹھا کر چندرگپت نے شمالی ہند کے باشندوں کو پہلی مرتبہ متحد کر دیا۔ اس طرح مہاراج اشوک کی مشہور حکمرانی کا راستہ صاف ہوا۔ یہ عجیب سلطنت تھ جس پر بدھ مت کا پیرو اشوک فوجی قوت کے بل بوتے پرنہیں بلکہ انسانیت کے دوست تدابیر سے حکمرانی کرتا رہا۔ اس زمانے میں مغربی رومیوں کو یہ طریقہ معلوم نہ تھا۔ اشوک کے خزانے لٹا دیے۔ آبیاری کے لیے نہریں تیار کرائیں۔ ان پودوں کی کاشت کرائی جو دواؤں میں استعمال ہوتے تھے۔ اور عمومی حیثیت میں اپنے آپ کو اختیار کے مال ومختارنہیں بلکہ کارندے کی حیثیت میں پیش کیا۔ لہٰذا سکندر کے بعد اگرچہ اس کی وجہ سے نہیں۔ اشوک نے مشرق میں اور رواقی زینو نے مغرب میں اپنے تصورات پوری

کائنات انسانیت پر پھیلا دیے۔ ایک صلح کل تھا دوسرا بدھ۔ دونوں کا نصب العین ایک تھا۔ سکندر کے بعد اس قسم کے تصورات بدلے۔

افسانے

اس بات پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ ایشیائیوں نے مغربیوں سے بڑھ کر سکندر کی یاد تازہ رکھی یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ اس یاد نے افسانوں کی صورت اختیار کی اور وہ افسانے مختلف اقوام کی میراث کا جز رہیں۔ ہر خطے نے اس کی یاد مختلف طریقے پر تازہ رکھی ار ہر خطے نے اسے اپنالیا۔ یہ ضرور بتا دینا چاہیے کہ ان افسانوں کی بافت سے پیشتر وہ لوگ اپنے بیانات مکمل کر چکے تھے جو سکندر کے ساتھ آئے تھے۔

بہت سے عینی شاہدوں نے اس کے سفر کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ کلیستھنز کی کہانی تو مسخ شدہ خوشامد کے سوا کچھ نہ تھی۔ لگوس کے بیٹے اور تھائیس کے شوہر بطلیموس نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مدح وستائش کی تھی۔ یہ کیفیت ارسٹو بیولس ۱۰ کی تحریرات کی تھی نیارکس نے بحری سفروں کے صحیح حالات مرتب کر دیے تھے۔ ایسی کریٹس نے جو کچھ لکھا تھا وہ دیونیوں اور عجائبات کا مرقع تھا۔ بیٹن ۱۱ اور ڈائجینز ۱۲ جیسے سرویروں نے جغرافیائی اور مقامی نقشے تیار کر لیے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے یہ کہانی ترتیب دی۔ بلاشبہ ہر بیان میں ذاتی ذوق کا رنگ موجود تھا۔ لیکن سب میں سکندر کے بجائے سفر کے حالات زیادہ پیش نظر رکھے گئے تھے۔ کہانیوں کے جو اجزا ہمارے ہاتھوں تک پہنچے ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ سکندر کیا سوچتا تھا۔ اس نے کیا کچھ کہا اور کس قسم کے نقشے اس کے پیش نظر تھے۔ ان دستاویزوں میں سے جو یونانی میں لکھی گئی تھیں بہت سی ضائع ہو گئیں۔ البتہ رومی مصنفوں نے بعد میں جو کچھ لکھا وہ پورے کا پورا ہمیں مل گیا۔ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں سکندر پر کتابیں لکھنا ایک فیشن بنا گیا تھا اس کا اصل سبب تو معلوم نہیں۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ رومی قوت مشرق کی طرف حرکت کرتی ہوئی سرزمین خاور کی دہلیز پر پہنچ چکی تھی۔ سٹریبو پہلا تاریخی جغرافیہ دان تھا اور وہ خود مشرق کا باشندہ تھا۔

اس نے سکندر کے متعلق سفر ناموں سے بہت استفادہ کیا نیز اس نے ارسطو اور سکندر کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے دریاؤں کے بہاؤ اور پہاڑوں کے سلسلوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے زمین کی ہیئت کا نقشہ تیار کیا۔ وہ کہتا تھا کہ زمینوں کا جغرافیہ تیار کرنے کی یہی صورت ہے۔ سٹریبو کچھ مدت تک سکندریہ میں مصروف کار رہا۔ اس طرح پولیبس ۱۳ اور سکندر کے سفر ناموں کا حال بیان کرنے والے دوسرے لوگوں سے مشورے کرتا رہا۔ سٹریبو کچھ مدت بعد مشہور جغرافیہ دان بطلیموس ۱۴ نے دنیا اور اس کی مختلف خطوں کی آب و ہوا کے حالات بیان کیے۔ لیکن سٹریبو اور بطلیموس کو ایشیا کے حالات مشرقی سمت میں صرف دریائے ریگ (سہ دریا یا سیحون) تک معلوم تھے۔ جہاں سے سکندریہ لوٹ پڑا تھا۔ بایں ہمہ واضح رہنا چاہیے کہ پولیبس سٹریبو اور بطلیموس کے جغرافیے اس وقت ت علم کا معیار بنے رہے جب تک پرتگیزوں اور ہسپانویوں نے اکتشافات کا دوسرا دور شروع نہ کر دیا۔

خود سکندر کے متعلق کوئنس کرٹیس نے ضرورت حالات لکھ دیے اور یونانی سوانح نگار پلوٹارک نے بھی اپنی سوانح کی کتاب میں سکندر کو شامل کر لیا۔ آغاز میں کہا:

> ''میں نے تاریخ نہیں سوانح لکھنے کا قصد کیا ہے۔ انسان جو کارنامے انجام دیتا ہے ان سے ہمیشہ اس کی نیکی یا بدی واضح نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ایک معمولی جملہ یا ایک مذاقیہ کلمہ نہایت مشہور واقعات کے مقابلے میں انسانوں کی سیرت بڑے بہتر طریقے سے واضح کر دیتا ہے۔ میرا مدعا یہی ہے کہ انسانی قلوب کے ان مظاہر پر خاص توجہ مبذول رکھوں''۔

سکندر کے سوانح نگروں میں سے آخری آریاں ہے۔ وہ بھی نسلاً یونانی تھا اور ایشیائے کوچک میں گورنری کے فرائض انجام دے چکا تھا اس کی کتاب سکندر کے سفروں کی مکمل سرگزشت ہے اور اس نے بطلیموس ولگوس اور ارسٹو بیولس کے مہیا کردہ مواد سے استفادہ

کیا۔ آریاں فکر ونظر کے اعتبار سے سپاہی تھا۔ اس نے سکندر کو ایک مثالی لیڈر قرار دیا ہے۔ جس میں بہت کم فروگزاشتیں تھیں۔ اور جتنے ماخذ اسے مل سکے ان میں سے حقائق بجائے مدح وستائش چننے کا خیال رکھا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ سکندر کے متعلق رائیں بہت مختلف ہیں۔ بعض اسے دیوتا قرار دیتے ہیں اور بعض دیوان۔

"جتنا سکندر کے لیے لکھا گیا ہے اتنا کسی دوسرے آدمی کے لیے نہیں لکھا گیا۔ لیکن بیانات میں اختلاف بہت ہے"۔

اس سے قبل ایشیا کی زبان بھی کھل چکی تھی۔ سکندر نے ایشیا کی تاریخ پر نہیں لیکن ایشیائیوں کے خیالات وافکار پر ہمیشہ ایک چھاپ لگا دی تھی۔ مصریوں نے اسے اپنایا اور یہ کہا کہ وہ آخری فرعون کا ناجائز بیٹا تھا۔

انسانی فطرت کی حالت بڑی عجیب ہے۔ مصری افسانے نے بہت جلد سکندر کے وصیت نامے کی شکل اختیار کر لی۔ اور اہل یورپ نے اسے رومی مورخوں کے واقعات و حقائق سے زیادہ پسندیدہ سمجھا۔ بعد کے مصنفوں نے اس افسانے میں عجائبات کی آمیزش کر دی اور کہانی کی شکل دیہ بن گی کہ آخری فرعون جس کا نام نکطائی بوس ۱۵ تھا حکمران ہونے کے علاوہ اونچے درجے کا ساحر بھی تھا۔ وہ ستارہ شناس کے بھیس میں سکندر کی والدہ اولمپیاس ک پاس پہنچا اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ خود زیوس ایک اژدھا کی شکل اختیار کر کے اس سے تمتع حاصل کرے گا۔ اولمپیاس کی رضامندی کے بعد نکطائی بوس نے دوسرا بھیس بدلا اور اژدھا بن گیا۔ اس طرح سکندر پیدا ہوا۔ اگر چہ اس کا قد چھوٹا تھا ارو کسی حد تک لنگڑا تا بھی تھا لیکن اس کی شجاعت ومردانگی اور فہم وذکاوت کی کوئی حد نہ تھی۔ اس بچے کو بھی نکطائی بوس کی ساحری سے حصہ ملا تھا۔ اس نے اپنے باپ کو مارا۔ دیونیوں کے ساتھ میل جول پیدا کیا۔ چین کے علاقے چھان ڈالے اور عجائبات کے چہرے سے پردہ اٹھایا۔ ایرانیوں نے بھی سکندر کے متعلق ایک افسانہ تیار کر لیا اور اسے ایرانی ظاہر کیا۔ اس افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہخامنشی کوروش کے شاہی محل کا جو

آخری فرد تھا۔ سکندر اس کا جائز بیٹا تھا نہ کہ فلیقوس کا اس نے ایرانیوں کے بہت سی مقدس کتابیں چرا لیں اور ان کے ترجمے کیے لیکن موبدوں کی شہادت یہ تھی کہ شاہی عظمت اسی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ اس کہانی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ کہا گیا کہ سکندر نے معجزے دکھائے۔ مثلاً وہ سرزمین ظلمات میں داخل ہوا اور فغفور چین کے مقابلے کے لیے نکلا۔ ایرانیوں نے اس افسانے کا نام سکندر نامہ رکھا اور اسے وقت آنے پر فردوسی [16] کے شاہنامے میں بھی جگہ مل گئی۔ بہرحال سمجھا یہ گیا کہ سکندر بہت بڑا بہادر تھا۔ اس نے دیووں اور دوسرے خطرات پر قابو پایا تاکہ اپنے لوگوں کے لیے روشنی کا بندوبست کرے۔ یہ کہانی آج قریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ایرانی بوڑھے اور بچے اسے شوق سے بیان کرتے اور سنتے ہیں۔ انہیں حقیقی سکندر کے متعلق اس کے سوا کچھ علم نہیں کہ اس نے پرسی پولس کو جلا دیا تھا۔

غالباً ایرانی افسانہ نہایت ہی دلچسپ طریقے سے اسرائیلوں کی ابتدائی روایتوں میں شامل ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوروش، اہورا یا مردوخ کا نہیں بلکہ اسرائیلوں کے خدا یہودہ کا خدمت گزار تھا۔ یہودہ نے اس سے کہا کہ تو میرا گڈریا ہے۔ اس طرح سکندر نے حکمران یسوع مسیح کی حیثیت اختیار کر لی جس کا تعلق حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے سے تھا۔

سکندر صحراؤں میں رہنے والے عرب قبیلوں کے افکار و خیالات پر بھی چھایا رہا۔ انہوں نے اسے سکندر ذوالقرنین قرار دیا یعنی دو سینگوں والا سکندر اور اسے اسلام کا سردار ولی تسلیم کیا گیا، جس نے کافر قوموں کے عجیب و غریب اور مخالف دیوتاؤں کی مورتیاں توڑیں۔ حبش والوں نے بحیرہ قلزم کی دوسری جانب اس پراسرار شخصیت کو معجزے کا لباس پہنا دیا ان کے افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ سکندر شہید فیلقوس کا بیٹا و مسیحی رسول تھا۔ وہ سفر پر روانہ ہوا اور بیماروں کو حیرت انگیز طریق پر درست کر دیتا تھا۔ ارمنوں اور شامیوں نے بھی اس افسانے سے کچھ اجزا لے لیے جو عالم گیر روایت کی حیثیت اختیار کر

گئے۔ تھے۔ بزنطینیوں نے سکندر کو ایک جواں مرد بادشاہ کی حیثیت میں اپنا لیا جس نے چین سے ریشم لانے کا راستہ کھولا تھا۔ (ریشم کے کیڑے کے متعلق مغرب کی پہلی تحریر ارسطو کی ہے غالباً سکندر کی رپورٹوں سے اس کا علم ہوا لیکن یہ تحریر زیادہ واضح نہیں)۔

صلیبی جنگجو مشرق اولیٰ میں پہنچے تو انہوں نے ایوانوں میں یہ افسانے مطربوں سے بازاروں میں داستان گوؤں سے سنے اور وہ واپس گ ءتو یہی افسانہ ساتھ لے گئے۔ اس وقت تک سکندر زمان و مکان کے قیود سے آزادہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے افسانے کو یہ شکل دے دی کہ سکندر ایک بہادر مسیحی سردار تھا۔ جو صلیبیوں سے بیشتر ابتدائی دور میں مشرق پہنچا اور بہت دور آگے بڑھ گیا جہاں تک صلیبی نہ پہنچ سکے۔ اس نے زمین بند سمندر کو عبور کرنے کے لیے جہاز بنائے اور یاجوج ماجوج کا داخلہ بند کرنے کے لیے پیتل یا لوہے کا دروازہ بنایا تا کہ یہ وحشی قبیلے مشرقی سمت میں ہی بند رہیں۔ اسی موقعے پر اس نے دیونیوں کی حسین مگر تباہ کار ملکہ سے تمتع حاصل کیا جو دائی ظلمات میں رہتی تھی اسے آب حیات بھی مل گیا تھا (بہت سے سیاہ جنہوں نے یہ کہانی سن رکھی تھی اپنے ساتھ نمک لگا کر خشک کی ہوئی مچھلی لے جاتے اور اسے راستے میں ندیوں اور چشموں کے پانی میں دھوتے۔ ان کا عقیدہ، یہ تھا کہ جو پانی اس مچھلی کو زندہ کر دے گا وہی آب حیات ہوگا۔ شاید ان صلیبیوں نے ایران کے شاعر فردوسی کے یہ الفاظ کسی سے سن لیے تھے کہ سکندر نے ان چیزوں کی تلاش کی جن کی تلاش کبھی کسی نے نہ کی تھی۔ اس کی کہای اب تک افق بہ افق پھیلی ہوی ءہے۔ قرون وسطیٰ کے یورپ کا تخیل کارفرما ہوا تو سکندر کو ایک رومانی کہانی کا بہادر بنا دیا جو زمین کے خانے سے پروا یا نہ لٹاتا رہتا تھا۔ کسی نے کہا کہ سکندر بہشت کا راستہ تلاش کر رہا ہے کسی نے کہا کہ سکندر اعظم نے رومہ کو زوال کی منزل تک پہنچایا۔ اور وہ تمام قوموں کو فتح کرتا ہوا نکل گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے سکاٹ لینڈ کو انگلینڈ کے حوالے کر دیا۔ سمندر کے پار ان خطوں میں جو سکندر کے پامال کیے ہوئے علاقوں سے زیادہ پر اسرار تھے۔ اس بہادر کے متعلق مشہور ہوا کہ وہ آدم خوروں اور

ایسے لوگوں کے ساتھ رہا جن کے سر کتوں جیسے تھے۔ اسے راستے میں ایسے درخت ملے جن کی شاخیں سونے کی تھیں اور میوے کے بجائے ان میں جواہرات لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے جواہرات چن لیے۔ پھر وہ وسیع صحراؤں میں سے ہوتا ہوا ایشیا ک پیریسٹر جان ؁ کے دربار میں پہنچا۔ بعد ازاں وہ ایک پنجرے میں بیٹھا جسے اڑنے والے اژدھے اٹھائے پھرتے تھے۔ چنانچہ اس نے آسمانوں کی سیر کی اور تمام پرندوں نے اس کی اطاعت کر لی۔ وہ اس پر مطمئن نہ ہوا بلور کا ایک گیند بنا کر سمندروں میں چلا گیا۔ اور ہر قسم کی مچھلیوں کو اپنی رعایا بنایا۔ جب کتابیں چھپنے لگیں تو معلوم ہوا کہ سکندر کا رومان تمام قوموں میں سب سے زیادہ بکا۔

سترہ صدیاں گزر جانے کے بعد دنیا کے افکار میں سکندر کی شکل یہ بن گئی کہ اس کا کوئی وطن نہ تھا۔ اس نے بڑے زبردست سفر کیے اور ان خطرات کا مقابلہ کیا جن کے متعلق عام طور پر کسی کو علم نہ تھا۔ اس نے مشرق کے آخری راز معلوم کر لیے وہی انسانوں کی امید گاہ ہے۔ اس کے گرد و پیش خیالی دنیا آباد ہو گئی۔

آئندہ نسلوں کی رائے

تیئس صدیوں کی مدت بہت لمبی ہے اور ہم سکندر کی دنیا سے حد درجہ دور چلے گئے ہیں۔ اگر چہ زیادہ ترقی نہیں کی جو معیار آج کل رائج ہیں وہ اچھے ہوں یا برے سکندر کے زمانے میں رائج نہ تھے۔ لہٰذا دور حاضر کے تصورات کے مطابق سکندر کے کردار کا اندازہ کرنا خطرناک ہو گا اور غالباً بے سود بھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بہت بڑا فاتح تھا؟ فنون جنگ کا ماہر مدبر مکتشف یا سائنس دان فلسفی...... حقیقت یہ ہے کہ یہ اصلاحات سکندر کے لیے موزوں نظر نہیں آتیں۔ کیا ہم فاتحیت میں اس کا مقابلہ چنگیز خاں سے کر سکتے ہیں؟ دونوں کے محرکات اور نصب العین بالکل مختلف تھے۔ چنگیز خان کا نصب العین واضح ہے سکندر کا مبہم پلوٹارک مدبری میں اس کا مقابلہ جولیس سیزر سے کرتا ہے اور سوانح ہمہ گیر مصنف کو یہ بہترین مثال مل سکی۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ سکندر کو ارسطو کے فلسفے سے حصہ

ملا تھا۔؟ جواب یہ ہے کہ ارسطو کا شاگرد اپنی تھوڑی سی عمر کے درمیان حصے میں فکر و نظر کے نئے دائروں کی طرف مڑ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے کرہ ارض کے بہت بڑے مکتشفوں میں سے ایک تھا۔ اس کا یہی وصف اکثر نظر انداز ہوتا رہا ہے۔ دوسرے اعتبار سے آئندہ نسلوں کی رائے سکندر کے متعلق انصاف پر مبنی نہیں مدت تک سمجھا جاتا رہا کہ اسے فیلقوس سی انتظامی حیثیت حاصل نہ تھی۔ فیلقوس اس کے لیے مقدونیہ اور یونان کی جو منظم میراث چھوڑ گیا تھا۔ اسے ترک کر کے تسخیر ایشیا کی مجنونانہ کوشش میں لگ گیا۔ غور سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ فیلقوس کی قومی مملکت کچھ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ فیلقوس کا عہد جوانی تھیسیز میں گزرا تھا لیکن وہ اس شہر کو نہ راضی کر سکا اور نہ اس پر قبضہ جما سکا۔ یہ کام سکندر نے انجام دیا۔ فیلقوس کی موت پر خزانہ خالی ہو چکا تھا اور اس نے متحدہ یونان کا سپہ سالار بننے کی جو حیثیت حاصل کی تھی وہ حد درجہ متزلزل تھی۔ ارسطو کی فیلقوس کی مملکت سازی کی کمزوریوں کا علم تھا۔ وہ حد درجہ متزلزل تھی۔ ارسطو کو فیلقوس کی مملکت سازی کی کمزوریوں کا علم تھا۔ اور اس نے سکندر کو اس حقیقت سے خبردار کر دیا تھا۔ فیلقوس فتوحات تو کرتا رہا لیکن حکومت کرنے کا ڈھنگ اسے نہ آیا۔ سکندر نے جن اجنبی ایشیائی اقوام کو فتح کیا۔ ان پر حکمران کی نہایت بلند قابلیت کا اظہار کر دیا۔ اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب کو اپنے ساتھ وابستہ کر لینے کا خواہاں ہے۔ ڈیوڈ ہوگارڈ ۱۸ کے قول کے مطابق ان لوگون کے درمیان اس طرح زندگی بسر کرتا رہا گویا طفلی کا عہد انہیں میں گزرا تھا۔

باقی رہا ایشیا میں پھر نکلنے کا مسئلہ تو یاد رکھنا چاہیے کہ اسے جو تعلیم دی گئی تھی اس میں ربع مسکوں کی بہت چھوٹی دکھائی گئی تھی۔ جب دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے سلوں اسے اور سطح مرتفع میں سیتھیوں سے یا جنوبی صحراؤں سے حبشیوں اور عربی سے ملا تو یونانی تصورات کے مطابق وہ ربع مسکوں کی شمالی اور جنوبی حدوں پر پہنچ گیا۔ اور مشرقی سمت میں دریائے

سندھ سے تھوڑی دور آگے مشرقی سرحد رہ گئی تھی۔

شاید بعد کے دور کی تاریخوں میں سکندر کے متعلق اس لیے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ یونانی اور رومی مورخوں ے جو صرف معلوم واقعات سے آگاہ تھے۔ اپنی داستانوں میں سکندر کے صرف ابتدائی دور پر زیادہ توجہ کی جو اس نے مقدونیہ اور ایران میں گزارا تھا اور جہاں اس نے صرف ڈیڑھ سال حکومت کی تھی۔ اس اثنا میں وہ زیادہ کام انجام نہ دے سکا۔ ایشیا میں بارہ سال کے اندر اس نے جو حد درجہ عظیم الشان کارنامے انجام دیے یونانیوں اور رومیوں کو ان کے پورے حالات معلوم نہ تھے۔ اور ان پر توجہ بھی نہ کی گئی۔ پلوٹارک نے اس کے متعلق جو کہانیاں سنائیں وہ بھی قریباً سب کی سب عہد طفلی سے تعلق رکھتی ہیں یا اس دور حکومت سے جب وہ مصر سے مشرق کی جانب روانہ ہوا۔ مصر سے روانگی کے ساتھ ہی سکندر اس فضا سے نکل گیا جس کا علم یونانیو کو تھا۔ بعد میں جو واقعات پیش آئے وہ زیادہ تر پردے ہی میں رہے۔ البتہ آریاں کوتس کرٹیس کے اجنبی ناموں اور مقاموں کے دھندلکے میں تفصیل کی کچھ کرنیں نمایاں ہیں۔

مقابلہ کرنا چاہیں تو مشرق کے دو بادشاہ مختلف اعتبارات سے سکندر کے ساتھ مشابہ ہین۔ ایک اشورہ نبی پال یعنی وہ عظیم الشان اشوری بادشاہ جس نے نینوی میں ایک کتب خانہ تعمیر کیا اور مادی سلطنت کو اٹھا کر زیادہ انسانیت دوست بنانے کی کوشش کی۔ دوسرا کوروش (سائیرس اعظم) جس نے پہلی عالم گیر سلطنت کی بنیاد رکھی لیکن اشوری بنی پال ایک تاریخی دور کے اواخر مس ظہور پذیر ہوا۔ اور کوروش نے اسی تہذیب پر نئے معیار قائم کر دیے۔ سکندر نے خود ایک دور پیدا کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ زمانوں کے معیاروں کے مطابق دو لحاظ سے سکندر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اول فنون جنگ پر عبور دوم صحت دماغ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ یگانہ فوجی کمانڈر تھا؟ یا وہ جنگ مقدونوی فوج اور اس کے سپہ سالاروں کے درمیان محض ایک نمائشی حیثیت رکھتا تھا؟ آخری خیال کے رد کے لیے

یہی کہہ دینا کافی ہے کہ ایکتبانہ سے مشرق کی طرف جاتے ہوئے وہ تمام پرانے مقدونوی سالاروں کو پیچھے چھوڑ چکا تھا (پارمینیو' اینٹی گونس' اینٹی پیٹر' فلوٹس وغیرہ) اس کے باوجود اس کے کاروبار پر کوئی برا اثر نہ پڑا۔ پھر اس نے فوج کو ازسر نو منظم کیا۔ سوار تیر انداز اس میں شامل کیے۔ لمبے لمبے نیزوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے نیزے پھینکنے والے آدمی ملازم رکھے اور زیادہ بھاری اسلحہ والے عناصر شامل کیے۔ مثلاً پیادوں سے سواروں تک فوج بالکل بدل چکی تھی۔ ترکستان میں اسے سواروں کی نئی نقل وحرکت سے سابقہ پڑا اور اس کے موثر مقابلے کا اس نے فوراً بندوبست کر لیا۔ بعد ازاں اسی کام کے سرانجام میں پانچ رومی شہنشاہ اور بے شمار رومی سپاہی مر گئے یا گرفتار ہو گئے۔ افغانستان کے پہاڑوں میں مقدونویوں کو سب سے بڑھ کر مشکلات پیش آئیں۔ اس موقع پر سکندر نے جنگ کا نیا طریقہ وضع کر لیا۔ یونانی اور رومی مورخوں کو ایشیا کے مشرقی حصوں کی ان مہموں کے متعلق پورا اندازہ نہیں کہ ان کے متعلق معلومات کم تھیں۔ گرینی کس کی خوں ریز جنگ اور اسوس کی حیرت انگیز فتح سے وہ بخوبی واقف تھے۔

آریاں نے سکندر کے متعلق کہا کہ اس نے جس فوجی مہم کا بیڑا اٹھایا اس میں کامیاب ہوا۔ تاریخ جن بڑے بڑے سپہ سالاروں سے آگاہ ہے ان میں سے کسی کے متعلق بھی لفظ نہیں کہے جا سکتے۔

ڈبلیو ڈبلیو ٹارن ہمیں یاد دلاتا ہے:

> ''مقدونویوں نے فنون جنگ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اصل تبدیلی یہ نہ تھی کہ اس کے ہتھیار یا چالوں میں خاص تغیر پیدا ہو گیا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں اعلیٰ قیادت حاصل تھی۔ انقلاب یہ تھا کہ ان میں نئی روح پیدا کر دی' گاگا میلہ کی جنگ کے بعد سکندر نے جب مدمقابل کی قوت کو معطل کر دینے کے لیے تدبیریں اختیار کیں تو یہ وہی اقدام تھا کہ جو نیلسن کے پیش نظر تھا' جب اس نے کہا تھا کہ فتح اس

وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک دشمن کا ایک بھی جنگی جہاز تباہی سے بچ جائے گا۔ اس نئی روح کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پیشہ ور پیشہ ور بن گئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم محسوس کرتے ہیں گویا قدیم دنیا اپنی جگہ چھوڑ کر نئی دنیا میں پہنچ گئی۔

مقدونویوں کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے انتہائی جوش اور ہمہ گیری پیدا کر دی۔ ان کے سامنے کوئی مثال نہ تھی لیکن وہ اصول کو سمجھتے تھے۔ اگر تمہیں جنگ کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم ہر طرف سے بے پرواہ ہو کر لڑتے ہو اور ہر ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ مقدونوی ظلم و جور کے عادی نہ تھے موازنہ کیا جائے تو یونانیوں یا رومیوں کے مقابلے میں ان کا طریقہ جنگ زیادہ انسانیت دوست تھا۔...... اگر تمہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ غیر معمولی طریقوں سے کام لینا زیادہ مفید ہو گا کسی جگہ انقلاب پیدا کر دینے سے فوجی کاروائیوں کو تقویت پہنچے گی۔ یا پروپیگنڈا ایک ایسا اتحاد پیدا کرنے میں معاون ہو گا جو اپی رس سے ہندوستان تک پھیلا ہوا ہو تو یقیناً یہ سب کام تم معمول کے مطابق انجام دو گے۔ اینٹی گونس گوناٹس سے جب کسی نے سوال کیا کہ تم دشمن پر حملہ کیونکر کرو گے تو اس نے جواب میں کہا کہ وہ طریق مجھے زیادہ کارآمد نظر آئے گا۔ ۱۹؎''

مقدونویوں سے پہلے فوجوں کا یہ دستور تھا کہ موسم سرما میں اور اکثر فصلیں پک جانے کے زمانے میں اناکاروبار ترک کر دیتے تھے۔ مقدونوی موسم سرما میں کام کاج کو پسند کرتے تھے۔ پرانے یونانیوں کے نزدیک محاصروں کی حیثیت یہ تھی کہ دو فریق ایک دوسرے کے مقابلے میں بیٹھ جاتے اور ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی کہ دوسرے کو تھکا کر زچ کر دے۔ فیلقوس خصوصاً سکندر نے مستحکم مقامات کو توڑ کر جلد فتح کر لینے کے طریقے

ایجاد کیے۔ رہا یہ سوال کہ سکندر نے ان نئے سائنٹفک فنون جنگ میں کیا اضافہ کیا تو ہم اس کا جواب مختلف حالات کو سامنے رکھ کر حاصل کر سکیں گے۔ اس نے مقدونیوں کو بحر پیمائی پر لگایا۔ وہ سکندر سے پیشتر بھی تیز اقدامات کے عادی تھے۔ سکندر کے ماتحت انہوں نے فاصلوں اور طبعی مشکلوں کو ختم کر کے رکھ دیا۔ وہ پہلا سپہ سالار تھا جو لڑاء کے بعد اپنی فوجوں کو دشمن کے تعاقب میں لے کر گیا۔ گاگامیلہ کی جنگ کے بعد وہ کئی روز تک دارا کا تعاقب کرتا رہا۔ اس میں یہ صلاحیت بھی تھی کہ لڑائی میں انقلابی موقع کا بروقت اندازہ کر لیتا تھا اور اسی موقع پر آخری فیصلہ کن حملہ کرتا۔ فنون جنگ کے ماہر کی حیثیت میں بعض خصوصیتوں سے سکندر مرحوم تھا۔ بعض اوقات مقابلے کے جوش میں مصلحتوں کا خیال نہ رکھتا مثلاً تھیشیز میں یا دریائے گرینی کس پر یا اورنوس ۲۰ کی پہاڑی پر یا دریائے جہلم کے عبور میں اس نے بارہا اپنے تمام وسائل قمار باز کی حیثیت میں لگا دیے لیکن ہر مرتبہ کامیاب ہوا۔ اس نے خبر رسانی کا بڑا اچھا انتظام کیا تھا اور وہ زیادہ بڑے مقاصد کے لیے زیادہ بڑے خطرناک اقدامات کرتا رہا۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ ہنی بال ویسے بڑے کارنامے کا حوصلہ کر سکتا تھا جیسے سکندر نے انجام دیے تھے۔ حالانکہ وہ بھی سکندر کی فوج جیسی ملی جلی فوج کا سپہ سالار تھا جو صرف اس کی شخصیت سے وابستہ تھی۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ پیلا اور تھیبز سے صورتک کاروبار میں سبقت کا درجہ مقدونوی سپہ سالاروں کو حاصل رہا۔ بلکہ مصر سے واپسی تک بھی معاملات کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی۔ اس دور میں سکندر کے آدمیوں نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی۔ اگر ہم دیاوس کا یہ قوم نظر انداز کر دیں کہ صور کو اس کی ہنرمندی نے سکندر کی مدد سے فتح کیا تو ہمیں یہ حقیقت بھولنا نہ چاہیے کہ محاصرے کے دوران میں سکندر زیادہ وقت اردگرد کے علاقے کی دیکھ بھال میں صرف کرتا رہا اور ایک موقع پر اس کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ (کرٹیس لکھتا ہے کہ سکندر مقدونوی سنگ تراشوں اور لکڑی لانے والوں کو عرب قبیلے کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے ملک کے اندر لے کر گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ سپہ

سالارِ اعظم مختلف ضمنی کام انجام دینے والے گروہوں کی حفاظت کا فرض عموماً انجام نہیں دیا کرتے)۔

پھر ایک معاملہ ی بھی ہے کہ سکندر نے فوجی معاملات کے متعلق غیر معمولی خاموشی اختیار کر رکھی اس نے نہ کسی جنگ پر تبصرہ کیا نہ کسی لڑائی سے پہلے اس کے نقشے کا کوئی سراغ ملتا ہ۔ ہمیں امید ہو سکتی تھی کہ اس رومی مورخ (خصوصاً آریاں) اس غیر معمولی فوجی قائد کی کوئی رائے یا کوئی اصول بتائیں گے۔ فیلقوس نے کائی رونیا کی جنگ کے بعد ہجو آمیز باتیں کہی تھیں۔ اور پارمینیو نے گرینی کس کی جنگ میں سکندر کی غلطیوں کو بڑی سختی سے واضح کیا تھا۔ ساحلی علاقے میں ملیٹیس کے مقام پر پارمینیو نے بیڑے کے جنگی فوائد بتائے تھے۔ اور گاگامیلہ کی لڑائی سے پیشتر پارمینیو اور دوسرے افسروں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ یا شبخون مارا جائے گا یا دفاعی جنگ کے لیے سخت استحکامات کیے جائیں گے۔ سکندر یہ یہ سب کچھ سن کر اطمینان سے سو گیا اور اس لڑائی سے ایک رات پہلے وہ معمول سے زیادہ سویا۔

اس کے جو احکام ہمارے پاس پہنچے ہیں وہ یا تو راستوں سے تعلق رکھتے ہیں یا پلوں کی تعمیر سے یا فوجوں کی نقل و حرکت سے اور طبی امداد سے یا متصرفہ علاقوں میں افسروں کے طرزِ عمل سے یا سپاہیوں یا قیدیوں کے معاملات سے۔

عام طور پر یہ مسئلے زیرِ بحث رہتے تھے کہ ہاتھیوں کی خصوصیات کیا ہیں دریاؤں کے بہاؤ کی رفتار کا کیا حال ہے۔ جہازوں کے لے بادبان کیسے ہونے چاہئیں۔ لڑائی سے پہلے وہ اپنے آدمیوں سے گفتگو کے دوران کچھ ایسے کلمے کہہ جاتا جس سے ظاہر ہوتا تھا ک فوجی نقطۂ نگاہ سے اسے موقع اور محل کا پورا اندازہ ہے۔ مثلاً اسوس سے پیشتر اس نے بتا دی ا کہ ایرانیوں کی پوری قوت مقابلے پر آ گئی ہے۔ ارو گاگامیلہ سے پیشتر اس نے واضح کر دیا کہ جو لوگ اسوس میں ہمارے مقابلے پر آئے تھے وہ اس میدان میں نہیں لیکن ایسی باتیں فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہی جاتی ہیں۔

لڑائیوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس نے جوجشن نائے یا جو یادگاریں قائم کیں ان کا مدعا یہ تھا کہ مقتولوں کا اعزاز پورا ہو۔ وہ مقدونیوں کو فاتح کی حیثیت میں سر بلند نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ان یادگاروں میں سے وہ ستون مستثنیٰ ہیں جو دریائے بیاس کے کنارے تعمیر ہوئے۔ وہاں کوئی لڑائی نہ ہوئی تھی۔

غیر مشتبہ طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر فوجی معاملات کے متعلق بات چیت پسند نہ کرتا تھا کامیابی کی تدبیریں اسے لڑائی میں سوجھتی تھیں۔ کوچ کے دوران میں اس نے قیادت کے ہنر سیکھے اور کوچ ہی کے دوران میں اس نے بحر پیمائی کے علاوہ دوسرے علوم میں کمال حاصل کیا۔ اکثر تفصیلات وہ اپنے فہم کی تیزی سے موقعے پر طے کر لیتا تھا۔ مثلاً ضرورت کے مطابق رسے بنانا' گھوڑوں کا علاج کرنا' سانپوں کے کاٹے کا علاج کرنا' جنگ سے تنگ آئے ہوئے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانا۔ تمام مہمات میں اسے صرف دو مرتبہ رسد کی مشکلات پیش آئیں اول موسم سرما میں ہندوکوہ کو عبور کرتے ہوئے دوم مکران کے صحرا میں۔ صرف ایک مرتبہ اسے دشمن کی نقل و حمل کے متعلق آگاہی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ واقعہ اسوس میں ساحل پر پیش آیا۔

چنگیز خان کی طرح سکندر بھی دشمن کو مارنے یا اس کی قوت مزاحمت کو توڑنے میں بے پناہ تھا۔ لیکن وہ منگولوں کی طرح فتوحات پر خوشیاں منانے کا عادی نہ تھا۔ فطرتاً اسے فنون جنگ میں مہارت حاصل نہ تھی۔ لیکن جب چاہتا اپنے فوجیوں کے ذریعے معجزے دکھا دیتا تھا۔

مقدونوی فوج سے اس نے اکتشاف اور آبادکاری کا کام لیا اس فوج کے ذریعے وہ اپنی خیالی دنیا کے متعلق مختلف مقاصد پورے کر سکا۔ اس کے ماتحت فوج نے ایک متحرک قوم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس نے قوتیں پیدا کیں جو فصل کاٹنے والی مشین کی طرح مختلف کام انجام دیتی تھیں۔ یقیناً اس نے جنگجوؤں سے وہ کام لیا جو انسانی تحمل سے باہر تھا اور خود بھی اس میں شریک رہا۔ لیکن تعجب اس امر پر ہے کہ اس کے باوجود فوج کی

فدا کاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ یقیناً قائد کی حیثیت میں اب تک کوئی اس کا ثانی نہ پیدا ہوا۔اور دوسرے معاملات میں اسے جینس کی حیثیت حاصل تھی۔

سکندر کے جانشین اپنے آقا کے طور طریقوں سے خوب آگاہ تھے۔اور ان طریقوں سے انہوں نے کام لیا لیکن جو نتیجے سکندر نے پیدا کیے تھے وہ جانشین پیدا نہ کر سکے۔ان کے پاس سونے کی افراط تھی لہذا تنخواہ دار فوجی ملازم رکھ سکتے تھے اور انہوں نے شتر سواروں اور بکتر بند ہاتھیوں پر بھی بہت بھروسا کیا۔مغربی دنیا میں مختلف بادشاہ نئی جنگی مشینوں پر بڑی رقمیں خرچ کرتے تھے۔سکندر کے سائنس دانوں نے یونانی آگ یا بحری آگ کے تجربات بھی کیے جو گندھک اور رال ملا کر بنائی جاتی تھی۔اور پانی میں بھی جلتی رہتی تھی۔سکندریہ میں بھاپ کے انجن جیسی ایک چیز بھی بنی تھی۔اور محاصرے کے لیے بھی نئی منجنیقیں تیار ہوئی۔ارشمیدس نے ایک پیچ دار پمپ بنالیا۔جس سے جنگی جہازوں کو اٹھا لیتے اور ایک بہت بڑا محدب شیشہ بنایا جس میں سورج کی کرنوں سے حرارت یکجا کی جا سکتی تھی نیز ارشمیدس نے اپنے آقا ہیرو والی سائبراکیوز کے لیے ایک ایسی مشین بنائی جو بہت بڑا بوجھ اٹھا لیتی تھی۔اس نے کہا کہ اگر مجھے پاؤں رکھنے کے لیے جگہ مل جائے تو میں زمین کو بھی اٹھا لوں۔

ایسی تباہ کار جنگی مشینوں کے ذریعہ سے مغرب کے مطلق العنان بادشاہ اپنی رعایا اور اپنے پڑوسیوں پر اقتدار بڑھاتے رہے لیکن ان تدبیروں سے کوئی قابل ذکر نتیجہ نہ نکلا۔ قرطاجنہ مشرقی تجارتوں کا مرکز بن گیا تھا۔اور اس کے لیے بڑی فوج ملازم رکھ لینا مشکل نہ تھا۔ہینی بال کی فوج ایسے ہی تنخواہ داروں پر مشتمل تھی جس سے نیومیڈیا کے سوار تیر انداز بھی تھے اور ہاتھیوں کی قطاریں بھی۔رومی جمہوریت کی فوجیں بڑی مشکل سے ہینی بال کو شکست دے سکیں۔پھر انہوں نے سائراک جنگی مشینوں اور ریڈیاکس کے ہاتھیوں سے نجات حاصل کی لیکن اس وقت تک فوجوں کی حیثیت بالکل بدل چکی تھی۔اور رومی نئے یونانی توپ خانے اور جنگی بیڑے کے مالک بن چکے تھے۔لیکن وہ ایشیاء کی روح پر

کبھی اس طرح قابو نہ پا سکے جس طرح سکندر نے قابو پا لیا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ رومیوں کی تمام تعمیرات ان بنیادوں پر اٹھائی گئیں تھیں جو سکندر نے مشرق میں رکھی تھیں لیکن رومی اس کے مقصد کو پورا نہ کر سکے۔

دیوانگی کے مراحل

بلاشبہ سکندر نے آخری چند سال میں اپنے جسم اور روح کو بالکل تھکا دیا تھا۔ پارمینیو کے قتل کے بعد وہ دیوانگی آمیز مراحل سے گزرا ان کا سراغ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کیسنڈر کی شہادت یہ ہے کہ آخری دور میں سکندر کو دیوتاؤں کی حفاظت پر کوئی عقیدہ نہ رہا تھا۔ اور اپنے پرانے دوستوں کے متعلق اس کے دل میں شبہات پیدا ہو چکے تھے۔ گویا اس کی روح گمراہی کی نذر ہو گئی تھی۔ ترکستان میں جلاوطن یونانیوں کا قتل قیدیوں کا کشت و خون' ہندوستان کے آخری دور میں مفروروں کی تباہی' نیز اپنی زندگی کو مسلسل خطرے میں ڈالے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دماغ پر اثر پڑ چکا تھا۔ اس زمانے میں رات کے وقت زیادہ شراب پینے لگا جو اس کی عادت ثانیہ بن گئی۔ کلائی ٹس اور ہفااسشن کی موت کے بعد اس پر مالیخولیے کے دورے پڑے۔ اس مرحلے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بے پناہ قوت اسے سفر پر آمادہ کر رہی تھی۔ اور وہ متعارف مناظر یا شہروں میں جانے سے ہراساں ہے اور معمولی کاروبار بھی اسے پسند نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس نے فوج کو مکران میں سے گزرنے پر اس لیے اصرار کیا ہو کہ اسے بغاوت کی سزا دے۔ ۲۱

رومی بادشاہوں میں سے کیلڈ لایانیرد کی طرح سکندر میں بڑائی کے خبط کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جو وقائع نگار اس کے ساتھ چلے۔ وہ بتاتے ہیں کہ دجلہ پہنچ جانے کے بعد جو غیر معمولی واقعات اور ناخوشگوار شگون پیش آئے ان سے وہ پریشان ہو گیا تھا۔ لیکن جب اس سے کوئی التجا کی جاتی تو بڑے معقول انداز میں اس پر غور کرتا۔ نیسا میں مقدونویوں کو عشق پیچاں کا پودا ملا جسے وہ بہت مبارک سمجھتے تھے۔ سکندر نے اس شہر کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ اپنے دانش مند اور معزز آدمیوں میں سے ایک سو حوالے کر دو جو

مقدونیوں کیساتھ جائیں نیسا کے سردار نے یہ سنتے ہی قہقہہ لگایا۔سکندر نے پوچھا کہ تمھیں ہنسی کس بات پر آئی۔ جواب ملا اگر آپ ایک سو بہترین آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے تو شہر کے انتظام کے لیے ہمارے پاس رہ کون جائیں گے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ دوسو بدترین آدمی کو لے جائیں سکندر نے سردار کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور ایک سو ممتاز شہریوں کو لے جانے کی بجائے وہ سردار کے خاندان سے دوسو آدمیوں کو بطور یرغمال ساتھ لے گیا۔

اس نے فوج کو کھیلوں یا گھڑ دوڑ یا پریڈوں کے جو حکم دیے ان کا مدعا یہ تھا کہ فوجی تکان اتار لیں اور خوش ہو جائیں۔سکندر نے رومہ کے پیش ور تیغ زنوں کی طرح اپنے آدمیوں کو وحشی جانوروں سے لڑانے کا حکم کبھی نہ دیا۔شوش میں شادیوں کے موقع پر جو جشن منایا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ ایرانیوں کے ساتھ شادیاں زیادہ ہر دل عزیزی اختیار کر لیں۔ایرانی مصنف کہتے ہیں کہ وہ شان وشکوہ اور عظمت کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔اس نے اپنے سامنے جھکنے کی رسم ترک کرا دی۔ دریائے دجلہ پر باغی فوجیوں سے مصالحت کر لی۔ سٹاسی کریٹیز نے اس کی یادگار میں کوہ ایتھوس پر جو بڑا بت بنانے کی تجویز کی تھی سکندر سے اسے منظور نہ کیا۔ نہ وہ ایسی تجویز پر خوش ہوتا۔ نئے سکے پر بھی اپنی تصویر نہ بننے دی۔ اس کی جگہ زیوس کی تصویر بنائی۔ (لسی پس استعمال کی) دریائے فرات پر آخری دور میں وہ یہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ جہاز رانی میں جو رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں انہیں دور کر دے۔یا ساحل عرب کے گرد چکر لگانے کے لیے جو نئے جہاز تیار ہوئے تھے ان کی دیکھ بھال میں لگا رہتا تھا۔

آریاں لکھتا ہے کہ وہ کیسوں کے خلاف پہاڑیوں میں جو مہم لے کر گیا تھا اس کا مدعا یہ تھا کہ ہفاسشن کی یاد میں سوختنی قربانی کرے' لیکن اس موسم میں سکندر ایکتبانہ میں تھا۔ وہاں درختوں میں تازہ پتے موجود تھے اور وہاں خنکی تھی۔ وہ ہمیشہ نئے راستوں کی دریافت میں لگا رہتا تھا اور دریائے دجلہ کے میدانوں کی گرمی سے وہ بہت خوفزدہ تھا اور

ان ذمہ داریوں سے بھی گھبرا گیا تھا جو بابل میں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

وہ مردوخ کے پروہتوں کے انتباہ اراپنی خواہش کے خلاف بابل گیا۔ نیارکس اور اس کے سالار وہاں انتظار کر رہے تھے۔ یہ طبعی امر تھا کہ جس حد تک ممکن ہوتا وہ پہاڑی علاقوں میں رہتا۔ بہانہ یہ بنایا کہ وہ قبائلیوں کو سزا دے رہا ہے اس کی کوشش میں بھی خبط کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ بلکہ اس امر کی واضح شہادت ہے کہ جو کچھ ضروری تھا اسے پورا کرنے کے لیے وہ عزم مصمم پر قائم تھا۔ البتہ یہ درست ہے کہ آدمی کی شکستگی اسے مجبور کر کے شاہی محل کی طرف لے گئی۔ بابل پہنچ کر بھی اس نے جہازوں کے ساتھ روانگی کی سرگرم کوشش کی۔ اگر سکندر اس سے پیشتر ایکتبانہ سے نئی سرزمینوں اور اجنبی لوگوں کے درمیان پہنچ جاتا تو ممکن تھا کہ وہ زندہ رہتا۔

☆☆☆

ضروری گزارش

کتاب کا بڑا حصہ ایشیا میں مرتب ہوا تھا۔ جب جنگ جاری تھی ۔ ہوا یہ کہ میں دو سال تک سکندر کے نقش قدم پر سفر کرتا رہا۔ صرف شمالی ہندوستان نہ جا سکا۔ مقدونیہ یونان اور بحیرہ ایجہ کے زیادہ تر جزیرے گزشتہ جنگ کے بعد دیکھ لیے تھے۔ پس جس حد تک سفر کا تعلق ہے میں نے تمام سرزمینیں دیکھی تھیں جن میں سے مقدونویوں کا گزر ہوا۔

یونانی ناموں یا شخصیتوں یا واقعات کے باب میں اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تو اس کے لیے میں عذرخواہ ہوں۔ مثلاً برسین کا تشخص غیر یقینی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقدونوی فوج میں دو سے زیادہ بطلیموس تھے نیز کوئنس نام کے دو افسر تھے۔ ممکن ہے واقعات کے سلسلے میں یہ نام خلط ملط ہو گئے ہوں۔

آریاں کی مفصل وطویل سرگزشت کا انگریزی ترجمہ میں نے کیا تھا۔ کوئنٹس کریٹس کا لاطینی نسخہ دوران سفر میں مل گیا تھا۔ سٹریبو کا فرانسیسی ترجمہ اور پلوٹارک کے سوانح طہران کے عجائب خانہ آثار قدیمہ میں مل گئے تھے۔ ارسطو کی تصانیف کے انگریزی اور عربی ترجمے میں نے بغداد سے لے لیے تھے۔ ایک یونانی سفیر نے ڈیماستھنز کے خطبات کا فرانسیسی ترجمہ مستعار دے دیا۔ امریکہ کے ایک ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جوزف اپٹن نے جو اس وقت طہران میں تھا۔ مجھے سر آرلی سٹائن کی وہ کتاب دیکھنے کے لیے دی جس میں سکندر کے مکرانی راستے پر تبصرہ کیا گیا تھا۔

بیروت میں امریکن یونیورسٹی کا نہایت عمدہ کتب خانہ ہے۔ مزید امداد اس سے لی گئی ہے۔ دوران سفر میں علمائے مشرق نے ایشیائی اقوام اور اس زمانے کے ثقافت کے متعلق بھی معلومات بہم پہنچائیں۔ اور مختلف شہروں کی وہ کیفیت بھی بیان کی جو سکندر کے وقت میں ہو سکتی تھی۔ مقدونویوں نے مشرق میں جو کچھ دیکھا ہوگا۔ اس کا نقشہ میں نے آثار قدیمہ کی تفصیلات کے مختلف ٹکڑے جوڑ جوڑ کر تیار کیا۔ گویا مقدونویوں نے سکندر کی قیادت میں جو سفر کیا تھا اس کتاب میں اس کی ہو بہو تصویر از سر نو پیش کرنے کی کوشش کی گئی

ہے۔ یہ تخلیق تو صرف اس حد تک تخیل کا کرشمہ ہے۔ کہ مختلف ماخذ سے حاصل کی ہوئی تفصیلات کو اصل منظر پر جوڑ دیا گیا ہے۔ اس طرح ایک ''کل'' کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ سکندر کو اسی طرح دکھانے کی سعی کی گئی ہے جب کہ وہ اپنے وقت میں تھا۔ طویل سفر میں اس نے جو کچھ دیکھا ہوگا۔ جن لوگوں اور جن مسائل سے اسے سابقہ پڑا ہوگا انہیں اصل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

دو ہزار دو سو سال کی مدت گزر چکی ہے۔ اتنے فصل پر تمام تفصیلات کی تصدیق آسان نہ تھی۔ لیکن ان معلومات کو درجہ یقین پر پہنچانا ممکن ہے۔ جو اس زمانے میں یونانیوں' مصریوں' ایرانیوں اور شامیوں کو حاصل تھیں۔ ان معلومات میں سکندر بھی حصہ دار ہوگا۔ جو نظریات سکندر کے بعد وجود پذیر ہوئے وہ اس کتاب میں جگہ نہیں پا سکے۔

☆☆☆

فٹ نوٹس

پہلا باب

۱۔ (ILIAD) یونان کے شاعر ہومر کی شہرہ آفاق نظم جس میں ایشیائے کوچک کے قدیم شہر ٹرائے کی تسخیر وتباہی کا افسانہ بڑے ہی پرتاثیر انداز سے سنایا گیا ہے۔

۲۔ (ACHILLES) یونان قدیم کا معروف ہیرو جو بہادری ومردانگی کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ٹرائے کو اسی نے فتح کیا تھا لیکن خود اس جنگ میں مارا گیا۔

۳۔ LEONIDAS

۴۔ (THEBES) یونان کا ایک قدیم شہر جو ایتھنز کا حریف بنا رہا۔۳۷۱ ق م میں سپارٹا کو شکست دے کر اس شہر نے پورے یونان میں ممتاز ترین درجہ حاصل کرلیا تھا۔ سکندر کا باپ فیلقوس بھی وہاں کچھ مدت تک بہ طور یرغمال رہا تھا اور وہیں اس نے جنگی فنون پر کمال حاصل کیا تھا۔مشہور حکمران اپی می نانڈیس (EPIMANENDES) کی وفات تھیبیز کی عظمت ماند پڑ گئی اور آہستہ آہستہ یہ مٹ گیا۔سکندر نے اسے بالکل برباد کر ڈالا۔

۵۔ ZEUS وہ دیوتا جسے رومی پیٹر کہتے تھے۔اور اسے تمام دیوتاؤں کا دیوتا مانتے تھے۔یونانیوں نے اس کا نام زیوس تھا۔یہ نام مشتری ستارے کے نام پر رکھا گیا تھا۔

۶۔ APHRODITE جس کا نام رومیوں نے وینس رکھا یعنی زہرہ جسے محبت کی دیوی مانا جاتا تھا۔

۷۔ یونانی افسانوں کے مطابق PROMETHEUS آسمانوں پر چڑھ گیا ارو سورج سے آگ چرا کر لے آیا تا کہ انسانوں کو زندگی کی حرارت سے بہرہ مند کرے۔ زیوس نے اسے سزا کے طور پر پکڑ کر قفقاز کی ایک چٹان سے باندھ دیا۔گدھ روزانہ اس کا کلیجہ کھا جاتے اور دوسرے دن پھر کلیجہ اصل حالت پر آجاتا۔

۸۔ LYSIMADHUS

۹۔ LEONIDAS

۱۰۔ ANTIPATER

۱۱۔ DEMADUS

۱۲۔ PTOLEMY عربی میں اسنے بطلیموس کی شکل اختیار کر لی جس طرح فلپ عربی میں فیلقوس بن گیا تھا۔ یہاں بطلیموس کے بجائے ٹالمی ہی لکھنا شاید مناسب ہوتا لیکن چونکہ اس شخص نے آگے چل کر مصر میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی اور اس کا خاندان ہمارے ہاں بطلیموس مشہور ہوگیا۔ اس یے میں نے عربی نام استعمال کیا۔

۱۳۔ NEARCHUS

۱۴۔ HARPALUS

۱۵۔ ARSINOE

۱۶۔ میراتھان MARATHON پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان جو ایتھنز سے بائیس میل کے فاصلے پر ہے ۴۹۰ ق م میں ایک ایرانی فوج نے یونان پر حملہ کر دیا تھا اور اسی میدان میں ٹھہری تھی۔ یونانیوں نے اسے شکست فاش دی تھی۔ ایک شخص نے میدان میں دوڑ کر ایتھنز پہنچا تاکہ فتح کی خوشخبری پہنچائے۔ اس کی یادگار میں یہ دوڑ رکھی گئی جس میں اول نمبر حاصل کرنے والے کو اعزازات دیے جاتے ہیں، یہ دوڑ چھبیس میل اور تین سو پچاس گز تھی۔

۱۷۔ پیتھو PYTHO کوہ پرناسس کے ڈھلان پر ایک مقام تھا جہاں پر چوتھے سال کھیل ہوتے تھے بعد میں اس مقام کا نام ڈلفی رکھا گیا اور وہاں ایک مندر بن گیا جس کے دیوتاؤں سے مشورہ لینے کی بڑی شہرت ہوئی۔ جب کوئی کام کرنا ہوتا تو ڈلفی کے مندر میں چلا جاتا اور پوچھتا۔ وہاں کے پجاری ایک خاص انداز میں جواب دیتے اور اس جواب سے ہر شخص اپنے مطلب کی بات پالیتا۔

۱۸۔ PELLA یہ خلیج تھسلی سے ذرا اوپر واقع تھا۔

۱۹۔ AEGAE یہ شہر پیلا کے شمال میں تھا۔

۲۰۔ CORINTH

۲۱۔ XERXES وہ ایرانی بادشاہ جس نے یونان پر حملہ کیا اور شکست کھا کر لوٹا۔

۲۲۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایرانی زین اور رکاب اس زمانے میں استعمال کرتے تھے یونانی اس سے بالکل ناآشنا تھے۔

۲۳۔ سٹیڈیم کی لمبائی کا ایک یونانی پیمانہ تھا جو دوسو دوگز ہوتا تھا یعنی فرلانگ سے اٹھارہ گز کم۔ اس حساب سے پانسو سٹیڈیم کا فاصلہ چھپن اور ستاون میل کے درمیان ہوا۔ ساٹھ ہزار قدم ایک لاکھ گز بنتے ہیں (بہ حساب پانچ فٹ فی قدم) گزوں کے میل بنائے جائیں تو چھپن ستاون ہی بنیں گے۔

۲۴۔ ارتخشت کو یونانی ARTAXERXES یعنی آرتا زرکیسز کہتے تھے۔ عربی زبان میں یہ نام اردشیر بن گیا۔ یہ اردشیر کیانی تھا۔ ساسانی خاندان میں بھی اردشیر ہوا جسے اردشیر بابکاں کہتے ہیں۔

۲۵۔ DIONYSUS یہ ایک یونانی دیوتا تھا جس کا نام دمیوں نے باکوس (BACCHUS) رکھا اور اسے بدمستیوں اور رنگ رلیوں کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔

۲۶۔ EPIRUS جغرافیہ قدیم میں یہ علاقہ یونان خاص کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شمالی یونان اور جنوبی البانیا پر مشتمل تھا۔ اب یونان کا شمالی وجنوبی حصہ ہے۔

۲۷۔ ARRHIDAEUS

۲۸۔ AMYNTAS فیلقوس کا باپ

۲۹۔ CENTAUR ایک فرضی مخلوق جا نصب آدمی اور نصف گھوڑا ہوتی ہے۔

۳۰۔ PANGAEUS

۳۱۔ یونان میں دو قسم کے ٹیلنٹ مروج تھے۔ایک سنہری اور دوسرا روپہلی۔سنہری کی قیمت ساڑھے پانچ سو سے کسی قدر کم اور روپہلی کی تین سو بیالیس۔یہ میں نے عام معیار کے مطابق عرض کر دیا۔خود مصنف نے آگے چل کر جو حساب بتایا ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں۔اول عام اندازہ۔دوم موجودہ زمانے کی قوت خرید کے حساب سے اندازہ۔اس کی تفصیل آگے معلوم ہو گی۔

۳۲۔ SAMOTHRACE ایک جزیرہ جو درہ دانیال سے ذرا اوپر گیلی پول کے سامنے ہے اسے سیموتھریک بھی کہتے ہیں۔

۳۳۔ ARISTANDER

۳۴۔ EPHESUS یہ قدیم شہر ایشیائے کوچک میں واقع تھا۔

۳۵۔ ARTEMIS

۳۶۔ SYRACUSE سسلی کا مشہور مقام۔

۳۷۔ DEIADES

۳۸۔ HERMES یہ ایک یونانی دیوتا تھا جو آسمانی پیام زمین پر لاتا تھا اور روحیں یہاں سے لے جاتا تھا۔

۳۹۔ ANTIGONUS

۴۰۔ BUCEPHALUS سکندر کا مشہور گھوڑا۔یہ یونانی زبان کے دو لفظوں کا مرکب ہے اول BOUS بہ معنی گاؤ۔دوم KEPHALE بہ معنی سر یعنی وہ گھوڑا جس کی پیشانی گائے بیل کی طرح سفید لکیر کی سی تھی۔

۴۱۔ HERCALES یونان کا قومی ہیرو جس کے متعلق افسانہ ہے کہ بچپن ہی سے غیر معمولی قوت و طاقت کا مالک تھا۔

۴۲۔ DEMOSTHENES یونان کا شہرہ آفاق خطیب ۳۸۴ ق م مین بہ مقام ایتھنز پیدا ہوا۔اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فیلقوس شاہ مقدونیہ کے خلاف اس

نے مسلسل خطبے دیے۔ فیلقوس کی وفات کے بعد وہ سکندر کے خلاف تقریریں کرتا رہا۔ اہل ایتھنز نے اسے سنہری تاج پہنایا تھا جو یونان میں خطیب کے لیے عزت کا سب سے بڑا نشان سمجھا جاتا تھا۔

۴۳۔ بہ ظاہر یہ الفاظ یونانی زبان میں اس لیے بولے گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیماستھنز نے اپنے خطبے میں استعمال کیے ہوں گے۔

۴۴۔ EURIPIDES یونان کا مشہور شاعر جس نے متعدد ڈرامے لکھے۔ ۴۸۰ ق م میں پیدا ہوا۔ پھر ایتھنز سے نکل گیا اور اپنی عمر شاہ مقدونیہ کے پاس گزار دی۔ ۴۰۲ ق م میں فوت ہوا۔

۴۵۔ ASTYANAX

۴۶۔ بحیرہ ایجہ کا ایک جزیرہ CHIOS

۴۷۔ STAGYRA ارسطو کا وطن

دوسرا باب

۱۔ ANTIPATER

۲۔ MEIZA وہ مقام جہاں پریوں کا مندر تھا اور جہاں ارسطو کی دانش گاہ قائم ہوتی تھی۔

۳۔ MEDEA یونانی افسانوں کی ایک شہزادی جس نے اپنے محبوب جیسن کو سنہری اون لانے میں مدد دی تھی۔ یوری پائیڈیز نے اس پر ایک ڈراما لکھا تھا۔

۴۔ ARISTANDER

۵۔ GORDIUS زمانہ قدیم کا ایشیائے کوچک مختلف حکومتوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن میں سے ایک علاقے کا نام فرجیا (PHRYGIA) تھا۔ گارڈیس یہیں کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنا رتھ جوپیٹر دیوتا (مشرقی ستارہ) کی نذر کر دیا تھا اور اس کا جوا چھال کے رسے کے ساتھ ایسی ہنرمندی سے گرہ دے کر باندھ دیا تھا کہ اسے کوئی کھول نہ سکتا

تھا۔مشہور تھا کہ جو کھول لے گا وہ مشرق کا بادشاہ بن جائے گا۔اسے گارڈیس کی گرہ یا GORDIUS KNOT کہتے تھے۔مصنف نے CORDUASKNOT لکھا ہے۔سکندر جب فرجیا پہنچا اور اس گرہ کا حال سنا تو تلوار سے اسے کاٹ دیا۔

۶۔ پرانے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جنگی اسیروں سے بادبانی جہازوں میں چپو چلانے کی بیگار لی جاتی تھی اور یہ بڑی ہی سخت محنت تھی۔خرید کردہ غلام بھی اس کام پر لائے جاتے تھے۔

۷۔ سمندر کے دیوتا یارب النوع بحر کے لیے دو نام تھے۔ایک پوسیڈون POSEIDON جو مصنف نے متن کتاب میں استعمال کیا اور دوسرا نپچون (NEPTUNE)۔

۸۔ CYCLADES ISLANDS یہ بہت سے جزیروں کا مجموعہ ہے۔اور یونان کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

۹۔ EUXINE SEA یہ اس سمندر کا پرانا نام تھا جسے ہم بحیرہ اسود (BLACK SEA) کہتے ہیں۔

۱۰۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ یوری پائیڈیز کا ایک ڈراما تھا جس میں ہیروئن کے کردار میڈیا نے ادا کیا۔افسانے کا خلاصہ ہے کہ میڈیا نے جادو کے ذریعے اپنے محبوب جیسن JASON کی حفاظت کی اور وہ دونوں جہاز پر بیٹھ کر سنہری اون تھسلی آ گئے۔

۱۱۔ اس آبنائے سے مراد جبل الطارق ہے۔جو بحیرہ روم کو اوقیانوس سے ملاتی ہے۔ پرانے زمانے میں اس کا نام PILLARS OF HERCULES (ہرقل کے کھمبے) تھا یعنی پانی کے ایک تنگ خطے کے دونوں طرف ستونوں کی طرح وہ پہاڑی ٹیلے کھڑے تھے اور بیچ میں آبی دروازہ بن گیا تھا۔

۱۲۔ HERODOTUS قدیم زمانے کا مشہور یونانی مورخ جو ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا۔اس نے اپنی تاریخ کے لیے مواد فراہم کرنے کے لیے طویل سفر کیے۔

۱۳۔ نام انگریزی میں DAUGHTER OF THE SUN بتایا گیا ہے۔ یہ یقیناً سیتھی زبان کے کسی لفظ کا ترجمہ ہوگا۔ قدیم زمانے میں ایرانیوں میں اس قسم کے ناموں کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً یورون دخت اغلب ہے اسل نام آفتاب دخت یا خورشید دخت ہو۔ میں نے عام فارسی میں ترجمہ کو مناسب سمجھا۔

۱۴۔ مراد یہ ہے کہ آرسی تونی مدت تک فیلقوس کی داشتہ رہی۔ اس نے بطلیموس پیدا ہوا۔ پھر فیلقوس نے اولمپیاس سے باقاعدہ شادی کی تو آرسی تونی کو اپنے ایک سردار لگوس کی بیوی بنادیا اور وہ لگوس کے گھر کی مالکہ بن گئی۔

۱۵۔ مصنف نے یہاں مائی لیشیون (MILLESIAN) کا لفظ استعمال کیا۔ یہ قدیم زمانے کے باشندے تھے۔ میں نے ترجمے میں صرف عہد قدیم کافی سمجھا۔

۱۶۔ CIMMERIANS یہ قدیم زمانے میں اسملک کا نام تھا۔ جو آج کل روس کہلاتا ہے۔

۱۷۔ بحیرہ متوسط MEDITERRANIAN SEA کا لفظی ترجمہ ہے۔ یعنی وہ سمندر جو خط ہائے عرض کے درمیان واقع ہے یعنی بحیرہ روم۔

۱۸۔ مغربی آبی دروازے سے مراد آبنائے جبل طارق ہے۔

۱۹۔ بحر محیط یعنی وہ سمندر جس نے زمین کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ الفاظ دیگر اٹلانٹک جسے عام لوگ بحرہ اوقیانوس کہتے ہیں۔ حالانکہ اوقیانوس یونانی لفظ OKEANOS کی تقریب ہ۔ بہ معنی سمندر لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ البحر ہوسکتا ہے۔ بحر اوقیانوس غالباً درست نہ ہو۔

۲۰۔ یہ اوقیانوس یا اٹلانٹک ہی کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی سطح دیکھنے والوں کو تاریک نظر آتی ہو۔ اس لیے عربوں نے اسی کا نام بحر ظلمات رکھا۔ بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے (اقبال) ممکن ہے بحر ظلمات نام اس لیے پڑا ہو کہ پرانے زمانے میں سفید تھا اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

۲۱۔ BLESSED ISLES

۲۲۔ PROMETHEEUS

۲۳۔ CASPIAN SEA

۲۴ مراد ہے آبنائے جبل طارق۔

۲۵۔ مصنف نے حقیقت واضح نہیں کی۔لیکن یونان کی جانب سے مشرق بعید کی سرزمینوں تک پہنچنے کا ایک راستہ تو خشکی کا تھا یعنی ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر انسان مشرق کی طرف جائے۔دوسرا راستہ کوہ قفقاز کے دروں میں سے بھی تھا۔جن میں دو خاص طور پر مشہور رہیں۔ایک درہ دربند جسے عربوں نے باب الابواب قرار دیا۔دوسرا درہ دانیال یہی آخری درہ تھا جہاں ایران کے شہنشاہ سائرس نے وہ سد بنائی تھی جسے عام طور پر سد سکندری قرار دیا جاتا ہے۔بحیرہ اسود میں سے قفقاز پہنچ کر ان دروں میں سے آدمی آذربائیجان پہنچ سکتا تھا لیکن درے دشوار گزار تھے خصوصاً درہ دانیال۔

۲۶۔ دنیا میں بہت سی بھول بھلیاں موجود تھیں لیکن ادب و تاریخ میں صرف چند ایک کا ذکر ہے۔ان میں سے ایک بھول بھلیاں جزیرہ کریٹ کی تھی جس میں ایک شخص کو قید کیا گیا تھا۔

۲۷۔ ایل عبرانی میں اللہ کو کہتے ہیں۔باب ایل کا مطلب ہوا باب اللہ۔

۲۸۔ ARADUS یہ مقام غالباً ساحل شام پر حمص کے سامنے تھا

۲۹۔ AECATAEUS

۳۰۔ ANAXAGORAS مشہور یونانی فلسفی جو ایشیائے کوچک میں پیدا ہوا اور ایتھنز میں توطن اختیار کر لیا۔تاریخ پیدائش ۵۰۰ ق م اور تاریخ وفات ۴۲۸ ق م۔

۳۱۔ AMYNTAS مقدونیہ کے شاہی خاندان کا بانی۔

۳۲۔ AEGAE جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آئی گائی مقدونیہ کا ابتدائی مرکز حکومت تھا۔

۳۳۔ PELLA پیلا کو فیلقوس نے مرکز بنایا تھا۔

۳۴۔ EPAMINONDAS تھیبیز کا مشہور جرنیل اور مدبر جو ۴۱۸ ق م میں پیدا ہوا اور اپنی ریاست تھوڑی مدت میں اس نے اوج کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی وفات کے ساتھ ہی تھیبیز کی عظمت کا ستارہ بھی ڈوب گیا۔

۳۵۔ ATTALUS

۳۶۔ HEPHASTION

۳۷۔ ZEUS یونانیوں کے دار الاصنام کی مرکزی شخصیت اور سب سے بڑا دیوتا۔ اس کی بیوی کا نام (HERA) تھا مشہور ہے کہ وہ زیوس پر سخت نکتہ چینی کرتی رہتی تھا۔

۳۸۔ NAUSICAA ہومر کی روایت کے مطابق ی ایک جزیرے کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جزیرہ کارفو تھا۔ یو لی سس کا جہاز ٹوٹا تھا تو وہ اس جزیرے پر پہنچا تھا اور شہزادی ناسیکا نے اسے اپنے باپ یعنی بادشاہ تک پہنچایا تھا۔

۳۹۔ MAETI

۴۰۔ EPIRUS

۴۱۔ NEOPTOLEMUS

تیسرا باب

۱۔ MARATHON ایرانیوں نے یونان پر حملہ کیا تھا۔ ۴۹۰۔ ق م میں یہ لڑائی ہوئی تھی جس میں ساڑھے چھ ہزار ایرانی مارے گئے۔ یونانیوں کا نقصان جان صرف ایک سو بانوے تھا۔ اس شاندار کامیابی نے ایرانی حملے کو ناکام بنا دیا۔

۲۔ SALAMUS یہ ایک بحری جنگ تھی جو ۴۸۰ ق م میں ہوئی۔ یونانی جہاز صرف تن سو ستر تھے ایرانیوں کا بیڑا ایک ہزار جہازوں پر مشتمل تھا۔ لیکن انہوں نے خوفناک شکست کھائی۔

۳۔ PLATAEEA یہ جنگ ۴۷۹ ق م یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان

ہوئی۔ یونانی فوج ایک لاکھ تھی اور ایرانی فوج تین لاکھ۔ فتح یونانیوں نے حاصل کی۔

۴۔ PERICLES یونان کا نہایت مشہور بہادر جرنیل ۴۹۹ ق م میں پیدا ہوا اس کے عہد میں ایتھنز نے سب سے اونچا درجہ حاصل کیا۔ ۴۳۰ ق م میں اس کے دونوں بیٹے طاعون کی نذر ہو گئے۔ ایک سال بعد اس نے بھی وفات پائی۔

۵۔ HYPASPISTS

۶۔ PHILOTAS

۷۔ CLEITUS

۸۔ یہاں یہ بتا دینا چاہیے کہ عام تاریخی بیان کے مطابق کائی رونیا کے میدان میں فیلقوس کے پاس تیس ہزار پیادے اور دو ہزار سوار تھے۔ سواروں کی سالاری سکندر کے سپرد تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور وہ پہلی مرتبہ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ اسی کے حملے نے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا تھا۔ اس میدان میں ایتھنز کو تھیبز کے چھ ہزار آدمی مارے گئے اور مقدونیہ کے دو ہزار۔

۹۔ بالا حصار سے مراد ایکروپولس (ACROPOLIS) ہے جو ایتھنز کا نہایت خوبصورت مقام ہے۔

۱۰۔ AREOPAGUS ایتھنز کے پاس ایک پہاڑی جس پر بیٹھ کر اکابر باہم مشورے کرتے تھے۔

۱۱۔ DIONYSOS پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ اسی دیوتا کا یونانی نام تھا جسے رومیوں باخوس BACCHUS کہتے تھے۔

۱۲۔ سفنکس (SPHINX) دو تھیں۔ ایک تھیبز کی اور دوسری مصر کی ایتھنز کی سفنکس ایک دیوتی تھی جس کا سر شیر تھا اور بدن عورت کا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ اس نے ایک پہیلی تیار کی تھی۔ ہر ایک سے پہیلی بجھواتی تھی جو صحیح جواب دے سکتا اسے مار ڈالتی مصر کی سفنکس کا سر آدمی کا تھا اور بدن شیر کا۔ یہ اب تک موجود ہے اور عرب اسے ابوالہول کہتے

ہیں۔

۱۳۔ LYCEUM ایتھنز کے باہر ایک مندر کے پاس درختوں کا جھنڈ تھا جہاں ارسطو اور دوسرے تلامذہ افلاطون درس دیا کرتے تھے۔

۱۴۔ LYKOS

۱۵۔ PARTHENON ایتھنز کا مشہور مندر جو بالا حصار میں واقع تھا یونانیوں سے غالباً اس سے زیادہ خوبصورت کوئی عمارت نہ بنائی۔

۱۶۔ SOPHOCLES ایتھنز کا مشہور ڈرامہ نگار ۴۹۶ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ ۴۰۵ ق م میں وفات پائی۔

۱۷۔ TROIADES

۱۸۔ LYSISTRATA

۱۹۔ THAIS مشہور یونانی طوائف کہا جاتا ہے کہ اس نے سکندر سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔ بالآخر بطلیموس سے شادی کر لی اور اس رشتے میں دولت مصر کی ملکہ بن گئی۔

۲۰۔ ISOCRATES یونانی خطیب اور فلسفی سقراط کا شاگرد تھا۔ ۴۳۶ ق م میں پیدا ہوا اور سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے ایتھنز میں خطابت کی تعلیم کے لیے ایک درس گاہ بھی قائم کی تھی۔

۲۱ TYRE شام کا مشہور ساحلی مقام جو آج کل بیروت میں شامل ہے۔

۲۲۔ CARTHABE فونیقیوں کا مشہور مرکز جس کے کنڈراب تک شمالی افریقہ میں ٹیونس کے پاس موجود ہیں۔

چوتھا باب

۱۔ PAUSANIAS

۲۔ EURYDICE

۳۔ PERDICCAS

۴۔ HAEMUS

۵۔ PHOCIS

۶۔ DIOGENES مشہور یونانی راہب جسے دیو جانس کلبی کہتے ہیں۔ وہ اس فرقے کا بانی ہوا جو زہد و تقشّف میں انتہا پسند تھا۔ اور دنیا کی شوکت و حشمت اس کے سامنے ہیچ تھی۔

پانچواں باب

۱۔ PELION

۲۔ XENOPHEN

۳۔ MILETUS

۴۔ EPHESUS مشہور ہے اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا۔ انہیں کو سات سونے والے قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ HALICARNASSUS

۶۔ میڈیا کا آخری بادشاہ جس نے سائرس سے شکست کھائی CROESUS

۷۔ MIDAS یونانی افسانوں کا ایک بادشاہ جس نے دعا کی تھی کہ میں جس چیز کو چھولوں وہ سونا بن جائے۔ دعا منظور ہوئی لیکن اس کی حرص زر نے اسے کھانے پینے سے بھی محروم کر دیا۔ غذا کی جس نوالے کو اس کا ہاتھ لگتا وہ سونا بن جاتا اور یہی حالت پانی کی تھی۔ آخر دعا کی اور اس مصیبت سے نجات پائی۔ اس افسانے کے ذریعے سے حرص زر کی مذمت کی گئی۔

۸۔ یہ امر بہ آسانی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانے میں بحیرہ روم کی دنیا تمدن کی ابتدائی حالت میں تھی۔ رومی سلطنت کے زمانے مس جو مالی نظام ارتقا پذیر ہوا وہ اس وقت موجود نہ تھا۔ بینک بھی نہ تھے۔ صرف چند چیزیں سکے دے کر خریدی جاتی تھیں۔ شہری ریاستوں کے تو ھڑے تھوڑے بجٹ تھے اور شہریوں سے کم و بیش جبراً پیسے وصول

کر کے خرچ چلایا جاتا تھا۔فوج یا بیڑوں کے سازو سامان یا کسی تھیٹر میں کھیلوں کی نمائش کے لیے شہری لوگ چندہ کرلیا کرتے تھے بڑے بڑے زمیندار تو موجود تھے لیکن مالکی کا تصور بالکل شاذ تھا۔اور لوگوں کے پاس روپیہ جمع بھی نہ ہوا تھا۔گھوڑے ہتھیار'غلہ کپڑا غلام یہ سب چیزیں اجتماعی ملکیت تھیں۔قیمتی دھاتیں مبادلے کا عام ذریعہ تھیں۔سونے چاندی یا تانبے کے کنگن یا زنجیریں یا پیالے وغیرہ وزن کی بنا پر قیمت پاتے تھے۔یونانی درہم بعد کے زمانے میں انگریزی شانگ کے برابر سمجھا گیا تھا۔لیکن جب سکندر ایشیا کی مہم پر روانہ ہوا تو اس شانگ کی قیمت انگریزی شانگ کے مقابلے میں تین گنا تھی۔اس بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ ایتھنز کی چار آدمیوں کے کنبے کو اڑھائی سو درہم سالانہ گزارنے کے لیے درکار تھے۔ٹیلنٹ کی قیمت گیارہ سو ڈالر کے برابر سمجھی جاتی تھی۔لیکن اس زمانے میں سے چالیس ہزار ڈالر کی چیزیں خریدی جا سکتی تھیں۔لبنان میں سنہری مہر چوبیس روپہلی درہم کے برابر تھی۔ایشیا میں اس کی قیمت بیس درہم کے برابر سمجھی جاتی تھی۔سکندر نے معیار زر ختم کردیا اور چاندی کو لین دین کا معیار بنایا اور سنہری مہر کی قیمت بیس روپہلی یونانی درہم مقرر کی۔

۹۔ سہ قطاری کا مطلب یہ ہے کہ چپو چلانے والے آدمیوں کی تین قطاریں ان میں بیٹھتی تھیں۔تاکہ جہاز کو زیادہ تیزی سے چلایا جا سکے۔

چھٹا باب

۱۔ PATROCLUS

۲۔ GRANICUS

۳۔ ENYALIOS

۴۔ LYSIPPUS

۵۔ ARRIAN

ساتواں باب

۱۔ TITAN یونانی افسانوں کے مطابق یہ زمین و آسمان کے بچے تھے جن میں چھ لڑکے تھے اور چھ لڑکیاں تھیں۔

۲۔ SARDANA یہ لوگ جزیرہ سارڈینیا میں آباد ہوئے جسے عرب سردانیہ کہتے تھے۔

۳۔ DARDANA ظاہر ہے کہ آبنائے درہ دانیال کا نام انہیں کے نام پر مشہور ہوا۔

۴۔ CIMMERIANS یعنی اوسی۔

۵۔ مصنف کے بیان کے مطابق یونانی توسیع آبادی کی روایتی تاریخیں یہ ہیں۔ سواحل پر اور جزیروں میں پہنچا۔۱۴۰۰ ق م سے ۱۱۰۰ ق م تک۔ اس دور کے اواخر ٹرائے کا محاصرہ پیش آیا۔ ہومر کی نظمیں غالباً آٹھ سو ق م میں لکھی گئیں۔ مغربی یونانیوں کی آباد کاری کی تاریخی توسیع ۷۵۰ ق م سے ۵۸۰ ق م تک رہی۔ ایرانیوں کے ساتھ پہلی اور دوسری جنگیں ۴۹۹ ق م سے ۴۸۹ ق م تک خانہ جنگی ۴۶۰ ق م سے ۴۰۴ ق م تک بلقان پر قبضہ جمانے مقدونیہ کے ساحل کو آزاد کرانے اور یونانی شہری ریاستوں پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے فیلقوس نے جن مہموں کا انتظام کیا تھا ان کا زمانہ ۳۵۷ ق م سے ۳۳۶ ق م تک ہے۔ سکندر درہ دانیلا کو عبور کر کے ۳۳۴ ق م میں ایشیا پہنچا۔

۶۔ AEGEAN SEA یعنی بحیرہ روم کا وہ مشرقی حصہ جو یونان اور ایشیائے کوچک کے مابین واقع ہے اور اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔

۷۔ LESBOS

۸۔ SEMIRAMIS زمانہ قدیم کی مشہور ملکہ جسے نینوی کی اشوری سلطنت کا بانی قرار دیا جاتا ہے اور اصل میں وہ بابل کی رہنے والی تھی بیالیس سال کی حکومت کے بعد اس نے سلطنت اپنے بیٹے کے حوالے کر دی۔

۹۔ GORDIUS

۱۰۔ MAUSOLEUM انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ محض مقبرہ ہے لیکن اس کی اصل یہ ہے کہ مسولس بادشاہ کا جو عالی شان مقبرہ اس کی ملکہ نے ہیلی کارنیس میں بنایا تھا وہ عہد قدیم کا سب سے بڑا عالی شان مقبرہ تھا۔ اس کا نام مسولیم رکھا گیا یعنی وہ قبر یا عمارت جس میں مسولس دفن ہو بعد میں اس سے مقبرہ مراد لیا جائے گا۔

۱۱۔ ADA

۱۲۔ COENUS

۱۳۔ PHRYGIA

۱۴۔ PISIDIA زمانہ قدیم میں ایشیائے کوچک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سے دو یہ تھیں یعنی فریجیا اور پسیڈیا۔

۱۵۔GORDIUM ایشیائے کوچک کی متعدد ریاستوں میں سے ایک ریاست تھی جو فریجیا کے مشرق میں واقع تھی گارڈیم اسی ریاست کے شمالی و مغربی گوشے میں تھا۔

آٹھواں باب

۱۔ CILICIAN GATE لفظی معنی ٹلیشیا کا دروازہ ٹلیشیا زمانہ قدیم میں ایشیائے کوچک کی اس ریاست کا نام تھا جو جزیرہ قبرص کے قریب سمندر کے کنارے باقی تھی۔ طرسوس اور استرس اسی ریاست کے شہر تھے۔ توضیع کے لیے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے ہیلس پوائنٹ پر سمندر عبور کیا اور وہ ساحلی علاقے کے ساتھ ساتھ لیسا تک آیا۔ پھر شمال کی طرف مڑ گیا اور فریجیا کی ریاست میں سے ہوتا ہوا کپاڈرشیا پہنچا۔ وہاں سے سلیشیا میں داخل ہوا۔ باب سلیشیا دونوں ریاستوں کے درمیانی علاقے میں ہونا چاہیے۔

۲۔ DAGON یہ فلسطینیوں کا قومی دیوتا تھا۔ اشدود اور غزہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔

۳۔ BALLبابل اور شام کا مشہور دیوتا دراصل اسے سورج کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔

شام میں ایک اس کی عبادت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ مقام دمشق اور بیروت کے درمیان اول الذکر سے ۳۵ میل کے فاصلے پر ہے۔

۴۔ یہ اشارہ بظاہر ایک چٹان کی طرف ہے جو الصخرا کے نام سے مشہور ہے۔ اب یہ چٹان یروشلم کے حرم شریف میں آ گئی ہے۔ اور اس پر نہایت خوبصورت قبہ بن گیا ہے۔ یہودیوں کے دور عروج میں یہ مقام ہیکل کی قربان گاہ تھا۔ قربانیوں کا خون نیچے بہتا ہوا زمین دوز راستے سے باہر نکل جاتا تھا۔ یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ اس چٹان کا رنگ ہرگز سیاہ نہیں جیسا مصنف نے لکھا ہے اور اسے شہابی پتھر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ زمین بند سمندر سے مراد بحیرہ لوط ہے جسے بحیرہ مردار بھی کہتے ہیں۔

۶۔ SARDANAPALUS یہ نینوا کا بادشاہ تھا۔

۷۔ CYDNUSUS

۸۔ MEDES

۹۔ مستند تاریخوں کا بیان ہے کہ ایرانیوں نے تین لاکھ سوار بیس ہزار پیادے دریا کے بائیں کنارے بھیج دیے تھے تاکہ یونانیوں کو پیش قدمی سے روکا جا سکے۔ ساٹھ ہزار منتخب ایرانی اور تیس ہزار تنخواہ دار یونانی دریا کے دائیں کنارے پر کھڑے تھے۔ اسے مرکزی فوج کی حیثیت حاصل تھی۔ گویا فوج کی مجموعی تعداد یونانیوں سے بہت زیادہ تھی۔

۱۰۔ جو لوگ جنگی امور و معاملات پر لکھتے رہتے تھے۔ انمیں سے اکثر نے جنگ اسوس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دارا نے اپنی تمام فوج کو ایک تنگ محاذ پر جمع کرنے میں مہلک غلطی کی۔ زمین ناہموار تھی۔ اس لیے رسالہ آسانی سے وہاں نقل و حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کے پاس آتش بازی کی بے پناہ قوت تھی۔ وہ قوت تنگ محاذ کی وجہ سے پوری طرح کارگر نہ ہو سکی۔

یہ درست ہے کہ لیکن دارا کو امید نہ ہو سکتی تھی کہ اسوس کے پاس سمندر کے کنارے اسی تنگ مقام پر بہت بڑی جنگ پیش آئے گی۔ اس کے جرنیل جن عوامل سے متاثر ہو

ئے ان کے متعلق ہیں تھوڑی سی معلومات حاصل ہیں۔ جنگ اسوس سے تین دن پیشتر یہ فیصلہ کیا گیا کہ شام کے کھلے میدانوں میں دفاعی جنگ نہ کرنی چاہیے بلکہ دشمن حملہ آور ہونا چاہیے۔ ایرانی کمانداروں نے یونانیوں کے خطوط رسل ورسائل پر بہت بڑی فوج جمع کر لینے میں ایک شاندار کارنامہ انجام دیا جسے انجام دینا سہل نہ تھا۔ وہ یونانی فوج کو تیزی سے نرغے میں لے رہے تھے۔ سکندر دفعتاً لوٹا اوران کے مقابلے پر آ گیا۔ ایرانی فوج ابھی کوچ کی حالت میں تھی۔ کہ سکندر نے اپنی ہنر مندی سے تدبیر کی اور شکست کو ایک فیصلہ کن فتح بنا دیا۔

باقی رہی یہ دلیل کہ ایرانی کمانداروں نے کھلے میدان کو چھوڑ کر کامیابی کے بہترین مواقع زائل کر دیے تو اس بارے میں صرف گاگامیلا کی جنگ کی مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے جو بعد ازاں ہوئی اس جنگ میں زمین نہ صرف کھلی تھی بلکہ رسالے کے لیے اسے خوب ہموار کیا گیا تھا۔ بایں ہمہ یونانیوں نے فتح بنا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یونانی فوج نے ڈسپلن میں نہایت اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا تھا۔ نیز کمانداری کی برتری میں اس کا کوئی مقابلہ نہ ہو سکتا تھا۔ سکندر کی قیادت سے قطع نظر کرتے ہوئے یونانیوں کے کمانداران جیش کا درجہ بہت بلند تھا۔ سکندر پہاڑیوں کے بازو میں حد درجہ مشکل نقل وحرکت بھی پوری نہ کر سکا۔ اگر پارمینیو نہایت زبردست دباؤ کے مقابلے میں استقامت کا ثبوت نہ دیتا پارمینیو کبھی اس مشکل کام سے عہدہ برا نہ ہو سکتا۔ اگر تھسلی کے سوار کھلے ساحل پر کامیاب دفاعی جنگ کا ثبوت نہ دیتے جس کی حیثیت ایک چھوٹے سے معجزے سے کم نہ تھی۔

۱۱۔ IPHICRATES

۱۲۔ ARADUS کریٹ کے پاس ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

۱۳۔ BEROE

۱۴۔ ASTARTE یہ ایک فونیقی دیوی تھی جسے زرخیزی کی دیوی مانا جاتا تھا۔ صید

اس کا مرکز تھا اور اسے معل کی زوجہ مانا جاتا تھا۔

نواں باب

۱۔ STATIRA

۲۔ LEONNATUS

۳۔ NICANOR

۴۔ یونان میں لڑکوں کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ہو جاتی تھی اور وہ چھوٹی عمر ہی میں فوجی خدمات انجام دینے لگ جاتے تھے۔ پچیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ تجربہ کار فوجی بن جاتے تھے۔ دس سال کی فوجی خدمت تجربہ کاری کے لیے بڑی کافی تھی۔ مقدونیہ سے زیادہ تر کماندار جوان تھے جو سب خاصی لمبی مدت سے خدمات انجام دیتے آ رہے تھے۔

۵۔ LYSIMACHUS

۶۔ AESCHYLUS مشہور یونانی ڈرامہ نگار۔

۷۔ ARSES

۸۔ جب یونانی فوجیں ٹرائے کو فتح نہ کر سکیں تو انہوں نے ایک چال چلی۔ لکڑی کا ایک بہت بڑا گھوڑا بنایا۔ اس کے پیٹ میں مسلح آدمی چھپا دیے۔ اور خود ادھر ادھر چھپ گئے۔ اہل ٹرائے نے گھوڑا دیکھا تو اسے ایک عجوبہ سمجھ کر کھینچتے ہوئے شہر لے گئے۔ رات کے وقت گھوڑے کے پیٹ سے یونانی سپاہی نکلے۔ انہوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ شہر کے دروازے کھول دیے۔ دوسری یونانی فوجیں بھی آ گئیں اور ٹرائے فتح ہو گیا۔ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ آخر یونانیوں نے ٹرائے کو بھی تو دھوکے ہی سے فتح کیا تھا۔

دسواں باب

۱۔ یہ بیان بڑا ہی عجیب ہے۔ شمالی عرب کا بڑا صحرا النفو دیا بادیہ شام ہے۔ یہ بحیرہ احرم کے سامنے واقع نہیں بلکہ بیچ میں آبادی کا ایک خط قائم ہے۔ اور صحرا اندرون ملک میں واقع

ہے۔

۲۔ MOUNT HERMON اس پہاڑ کا عربی نام جبل الشیخ ہے۔

۳۔ NEBUCHADNAZZAR (نیوکدنزار) بابل کا مشہور بادشاہ جس نے پہلی مرتبہ یہودیوں کے ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور یہودیوں کو قید کرا کے بابل لے آیا۔ عرب اسے بخت نصر کہتے تھے۔

۴۔ اس کا انگریزی نام بحیرہ گلیلی SEA OF GALILEE ہے۔

۵۔ اس کا نام BYBLUS ہے لیکن آج کل اسے جوبیل کہتے ہیں۔

۶۔ MAEOTIS

۷۔ HELIOPOLIS جسے آج کل عین الشمس کہتے ہیں۔ یہ قاہرہ کا ایک حصہ ہے۔

گیارہواں باب

۱۔ AMMON-RE مصریوں کے نزدیک یہ سب سے اونچا دیوتا تھا۔ وہ اسے سورج دیوتا قرار دیتے تھے۔

۲۔ OBELISK یعنی ایک ہی پتھر کے گاؤدم مینار یا رتھیں۔

۳۔ PSAMMON

۴۔ OSIRIS مصریوں کے نزدیک یہ عالم آخرت کا دیوتا تھا۔

۵۔ نخلستان سیوہ جسے آج کل واحہ سیوہ کہتے ہیں مصر کی مغربی حد پر لیبیا کے قریب واقع ہے یہاں آمن رع کا مندر تھا اور اس مقام کو یونانی الموینم کہتے تھے۔

۶۔ FIUM یہ قاہرہ کے جنوب میں دریائے نیل کے مغربی جانب ایک نہایت زرخیز خطہ ہے۔ دریائے نیل سے ایک نہر یہاں پانی لاتی ہے اور اس کا نام بحر یوسف یا نہر یوسف ہ۔ پرانے زمانے میں یہاں بہت بڑی جھیل تھی۔ اب پہلے جیسی نہیں رہی یہ فیوم سے شمال مغرب میں چند میل فاصلے پر واقع ہے۔ اسے برکنہ قارون کہتے ہیں۔ نہر

یوسف حضرت یوسف نے بنوائی تھی۔

بارہواں باب

۱۔ CIRCE یونانی افسانوں کی ایک ساحرہ جس نے اڈویس کے ساتھیوں کو تبدیل ہئیت سے سور بنا دیا تھا۔

۲۔ سمتھ نے تاریخ یونان میں بتایا ہے کہ ایران کی پیادہ فوج دس لاکھ تھی اور سوار چالیس ہزار۔اس کے مقابلے میں مقدونوی فوج چالیس ہزار پیادے تھے اور سات ہزار سوار (صفحہ ۱۹۷) اور انسائیکلو برٹانیکا نے مقدونوی فوج کی تعداد ۴۷ ہزار ہی باقی بتائی ہے۔(چالیس ہزار پیادے سات ہزار سوار) اور ایرانی فوج کی تعداد اس سے کم از کم پانچ گنا قرار دی ہے۔(جلد ۱۰صفحہ ۲۷) بہر حال یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی فوج میں سواروں کی تعداد پیادوں سے زیادہ تھی۔

۳۔ GAUGAMELA یہ اربیل یا اربیلہ (بتلفظ قدیم) سے آگے ایک گاؤں ہے جس کے لفظی معنی سمتھ نے ''خانہ شتر'' بتائے ہیں۔سمتھ کے نزدیک گاگا میلہ اربیلہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھا اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے نزدیک ۳۲ میل۔خود مصنف کتاب نے آگے چل کر فاصلہ ساٹھ میل بتایا ہے۔میرے نزدیک انسائکلو پیڈیا کا بیان کردہ قابل اعتماد ہے۔

۴۔ بعد میں چار رومی فوجوں نے مختلف اوقات میں شام کے میدانی علاقے میں ایرانی سواروں کے خلاف ناکام جنگ کرنے کی بے سود کوشش کے موقعے پیش کیے۔ مارک اینٹونی (جس کا نام قلوپطرہ کے ساتھ وابستہ ہے) اپنی فوج کے ایک حصے کو بچانے کے لیے پہاڑوں میں چلا گیا۔ایک رومی فوج کروئی کے میدان میں تباہ ہوئی۔ جہاں تین رومی حاکموں میں سے ایک یعنی کریس مارا گیا۔یہ لڑائی گاگا میلہ کے مقابلے میں ساحل کے قریب تر پیش آئی تھی۔اور ایک رومی فوج ایڈیسہ کے قریب تباہ ہوئی اور رومی شہنشاہ دلیرین دشمن کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔چوتھی رومی فوج کا سالار شہنشاہ جولیس مدائن

تک پہنچ گیا۔ پھر دجلہ کے ساتھ ساتھ مراجعت کرتے ہوئے اس نے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ راستے میں مر گیا اور اس کی فوج کا ایک بازو بالکل غائب ہو گیا۔ زینوفن اس وادی سے سمندر کی طرف واپس آیا تو اسے کسی مقام پر قابل ذکر فوج سے لڑنے کا موقع پیش نہ آیا۔ اور جب تنخواہ دار یونانی تکلیفوں اور مصیبتوں میں سے گزرتے ہوئے سمندر کے سامنے پہنچے تو اتنی خوشی ہوئی کہ ان کے آنسو نکل پڑے۔

۵۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے نزدیک گاگا میلہ اور اربیلا کا درمیانی فاصلہ ۳۲ میل سے زیادہ نہیں۔

۶۔ SUSA ایرانی اسے شوش کہتے ہیں۔

۷۔ MESOPOTAMIA دوآب سے وہ سرزمین مراد ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھی۔ میسو پوٹامیا کے لفظی معنی ہیں۔ دریاؤں کے بیچ کا علاقہ یعنی دو آبہ۔

۸۔ PERSEPOLIS اس کے لفظی معنی شہر ایران یا شہر ایرانیاں یہ موجودہ شیراز کے شمال مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔

۹۔ ECBATANA یہ ہمدان کا یونانی تلفظ ہے بعض لوگ اگمتانا لکھتے تھے۔ اسی کا موجودہ اور مشہور نام ہمدان ہے۔

۱۰۔ سمتھ نے اپنی تاریخ میں پچاس ہزار ٹیلنٹ کی رقم ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ کے برابر بتائی ہے۔

۱۱۔ HARMODIUS

۱۲۔ ARISTOGEITON

تیرھواں باب

۱۔ HUZHA

۲۔ CRATERUS

۳۔ COENUS

۴۔ سائیرس (CYRUS) کا فارسی نام اسی نام نے عربی میں خسرو کا لباس پہنا۔

۵۔ سمتھ کا بیان ہے کہ پرسی پولس سے سکندر کو ایک لاکھ بیس ہزار ٹیلانٹ ملے تھے یعنی دو کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ (صفحہ ۱۹۸)

۶۔ THESSLUS

۷۔ کوروش کے بارے میں نوٹ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ شخصوں کے نام یونانی الاصل تھے یا لاطینی الاصل مگر وہ زیادہ روشناس شکل میں لکھے گئے ہیں۔ قدیم ایرانی کورش سائرس نہیں کوروش ہی کہتے تھے اور سکندر کی دلہن کا نام روشنک تھا نہ کہ روکسانہ۔

۸۔ اسے عام طور پر پسار گڈائی یا پسار گاڑی (PASARGADAE) لکھا جاتا ہے جو ایرانی نام پارسا گرد کا بگاڑ معلوم ہوتا ہے۔ عربوں نے اس کا نام اس طرح رکھا۔

۹۔ CALLISTHENES

۱۰۔ CASPIAN GATE باب کا سپین میں نے کا سپین کا موجودہ نام قزوین استعمال کرنا مناسب سمجھا۔

۱۱۔ NEREID معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس جزیرے کا ذکر ہے اندازہ ہے کہ یہ جزیرہ خلیج فارس کے دہانے سے قریب ہوگا۔

پندرھواں باب

۱۔ PEUCESTAS

۲۔ واضح رہنا چاہیے کہ سکندر نے ایشیا میں یونانی نظام حکومت قائم نہ کیا تھا اس نظام حکومت کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقدونوی اور ایرانی نظاموں کو ملا کر اس نے ایک ایسی عالمی سلطنت بنانے کی کوشش کی تھی جس میں مقدونوی قیادت کو ایرانی تصورات کا

لباس پہنایا جا سکتا ہے۔ یہ چیز بالکل نئی تھی۔ بعض مورخین نادانستہ یہ اثر چھوڑ گئے کہ سکندر نے یونانی اصول کے مطابق کوئی نظام حکومت قائم کیا تھا اور اس کا مدعا یہ تھا کہ یونانی ثقافت کو مشرق میں پھیلائے۔ یہ صحیح نہیں سکندر میزا میں تعلیم پا رہا تھا تو اس پر یونان کے سیاسی نظام کی خرابیاں بخوشی آشکار ہو چکی تھیں۔ یہ خرابیاں سوکریٹیز کے رسالے اور فیلقوس کی مشورتوں میں بھی نمایاں ہوتی رہیں۔ پھر اس نے خد کارنتھ میں کونسلوں کے دو اجلاس دیکھے آئی رونیا کے ساحل پر یونانی قومیت قائم کرنے کی کوشش کی اور نا کام رہا۔ غرض وہ یونانیت کو ایشیا میں پھیلانے کی امید کھو چکا تھا۔ لسی پس اور دوسرے یونانی فن کار جو اس کے ساتھ آ رہے تھے سکوں پر اسی کی تصویریں بنانے کے لیے معمور تھے۔ ایرسٹانڈر یونانی نہ تھا۔ ایشیائی علاقوں کے نظم ونسق میں اس نے جو یونانی مقرر کیے تھے وہ ایشیائی یونانی تھے۔ مصر میں سکندریہ کی بنیا د رکھی تو اس کا نقشہ کارنتھ سے نہیں بلکہ ممفس اور صیدا سے مشابہ تھا۔ ایکتبانہ میں ایک نے متحدہ یونانی فوجوں کے اکثر افراد کو واپس کر دیا تھا۔ سکندریہ میں روشنی کے مینار میں ہیلی کارناسس کے برج کا نمونہ سامنے رکھا گیا تھا جس سے سکندر بہت متاثر ہوا۔ ایرانی فنون کی شان وشکوہ سے بھی اس نے بڑا اثر قبول کیا۔ اور ان فنون کے نمونے اس نے میزا پیلا اور ایتھنز بھیجے۔ غرض سکندر پر ارسطو کے اثرات بہت زیادہ مان لیے گئے ہیں لیکن سکندر اور اس کے اکتشافات نے ارسطو اور یونانی دنیا پر جو اثر ڈالے اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا گیا۔

۳۔ EURYLOCHUS

۴۔ ANTIGONI

۵۔ PIDINA

۶۔ SEA OF AZOV

۷۔ TANAIS دریائے ڈان کا پرانا نام۔

۸۔ روس

۹۔ FAITIDS SEA

۱۰۔ ZADRACARTA

۱۱۔ سکندر کبھی دربند نہ گیا اور نہ وہاں کوئی دیوار بنوائی۔ قفقاز کے وسط میں ایک بلند درہ ہے جس کا نام دانیال ہے اس درے میں تاتاری کی یورشوں کو روکنے کے لیے کوروش یا سائرس نے ایک دیوار بنوائی تھی جو حقیقت میں سد ذوالقرنین تھی۔

۱۲۔ اس سے مراد دریائے مرغاسب ہے جو جنوبی سمت سے شمالی رت میں بہتا ہوا مرد تک جاتا ہے۔

سولہواں باب

۱۔ اس سے مراد دریائے جیحوں ہے۔ جسے یونانیوں نے آکس قرار دیا۔

۲۔ QUINTUS CURT IS RUFUS

۳۔ SPITAMA

۴۔ اس سے مراد وہ صحرا ہے جسے قزل قم کہتے ہیں۔

۵۔ یعنی سر دریا یا دریائے سیحوں۔

۶۔ ندی کوہ جسے عام طور پر ہندوکش کہا جاتا ہے۔

سترھواں باب

۱۔ ONESICRITUS

۲۔ LANICE

۳۔ غالباً خلیج فارس مراد ہے۔

۴۔ STYXیونانی افسانوں میں سے اسے دریائے نفرت سمجھا جاتا تھا۔

۵۔ HERMOLAUS

اٹھارواں باب

۱۔ STRABO یونانی جغرافیہ دان کو جس کی ولادت ایشیائے کوچک میں ۶۳ ق م میں ہوئی اور ۲۰ ق م میں وفات پائی۔

۲۔ SELEUCUS NICATOR

۳۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ سٹیڈیم جس کی جمع سٹیڈیا ہے یونانی پیانے کے مطابق دوسو گز کا ہوتا تھا یا چھ ہزار سٹیڈیا قریباً سات سو میل ہوا۔

۴۔ NICAEA یونانی زبان میں اس کے معنی فتح کے ہیں۔

۵۔ BUCEPHALA

۶۔ پنجاب کا آخری دریا بیاس نہیں ستلج ہے۔ اس لیے کہ سندھ پنجاب کے پانچ دریاؤں میں شامل نہیں۔

انیسواں باب

۱۔ KALYNAS

۲۔ PATALA مصنف نے لکھا ہے کہ اسی مقام پر بعد میں حیدر آباد آباد ہوا۔ لیکن یہ دعویٰ مترجم کے نزدیک محل نظر ہے۔ اس لیے کہ دریائے سندھ بہاؤ بار بار بدلتا رہا ہے۔ اور وہ ابتدائی دور میں موجودہ حیدر آباد سے بہت دور مشرقی سمت میں بہتا تھا۔

۳۔ PURA یہ مقام جنوبی و مشرقی ایران میں تھا۔

۴۔ GULASKIRD

۵۔ NEREIO معلوم نہ ہو سکا یہ کس جزیرے کا ذکر ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ جزیرہ خلیج فارس کے دہانے سے قریب ہوگا۔

بیسواں باب

۱۔ PETRA جس کے لفظی معنی ہیں چٹان۔ یہ یونانی لفظ ہے۔ عربی میں اسے الرقیم کہتے ہیں۔ بائبل ڈکشنری میں اس کا نام ملع بھی بتایا گیا ہے۔ یہ اس وادی میں واقع ہے جو بحیرہ لوط سے بحیری قلزم کی طرف جاتی ہے۔

۲۔ DELOS

۳۔ LESBOS یہ دونوں جزیرے بحیرہ ایجہ میں واقع ہیں۔

۴۔ CASSANDER

۵۔ PALMYRA (پامیرا جو شام کے اندرونی علاقے میں ہے۔ ایک زمانے میں یہ مقام مشرق کی تجارتی شاہراہ کا مرکز تھا۔ پھر تجارت کا رخ پلٹا تو یہ مقام بھی اپنی پرانی اہمیت کھو بیٹھا۔

اکیسواں باب

۱۔ MENTOR

بائیسواں باب

۱۔ STASICRATES

۲۔ ATHOS یونان کا ایک پہاڑ جو سالونیکا سے کوئی دس میل کے فاصلے پر بحیرہ ایجہ کے نزدیک واقع ہے۔ اس کی بلندی چھ ہزار فٹ سے کم نہیں۔ ایتھوس اس خطہ زمین کا نام بھی ہے جس میں یہ پہاڑ واقع ہے۔

۳۔ ICARUS

۴۔ HEIRON

تیسواں باب

۱۔ FAURE

۲۔ AEGINA کارنتھ کے قریب ایک جزیرہ ہے جہاں ڈیماستھنز چلا گیا تھا اور وہیں فوت ہوا۔

۳۔ CHALCIS یونان کے ایک صوبے یوبویا (EUBOEA) کا ایک مقام ہے جہاں ارسطو نے وفات پائی۔

۴۔ EPICUREANS فلسفیوں کا ایک گروہ جو اپی کیورس کا معتقد تھا۔

۵۔ STOICS اسٹوئک یہ لوگ اسٹوا (STOA) یعنی رواقوں میں تعلیم دیتے تھے۔اس لیے رواقی کہلائے۔زینو (ZENO) اس طبقہ فلاسفہ کا بانی تھا۔

۶۔ مصنف نے اپنے مذہب کو جو عالم گیری درجہ دینے کی کوشش کی اس میں علم وفضل کے بجائے ذاتی رجحانات کو مقدم رکھا۔

۷۔ ANTIOCH اس شہر کی بنیاد اینٹیسا کس نے رکھی تھی۔ یہ شام کا مشہور مقام ہے۔

۸۔ سکندر کے بنائے ہوئے شہروں میں سے جو باقی رہ گئے مورخین ان کے نام یہ بتاتے ہیں۔سکندریہ (مصر)' ہرات' کابل' قندھار' غزنی (افغانستان) خجد (ترکستان) پٹالہ (ہندوستان) یقیناً وہ مقامات بھی ہوں گے۔آئی گائی اور پیلا کی بنیادوں کے صرف چند پتھر باقی رہ گئے ہیں۔حالانکہ وہ قدیم مقدونیہ کے دارالحکومت تھے۔

۹۔ CATHOY پرانے زمانے میں یہ نام چین اور مشرقی تاتار کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ہمارے ادب میں خطا کہتے ہیں۔

۱۰۔ ARISTOBILUS

۱۱۔ BAETON

۱۲۔ DIOCNETES

۱۳۔ POLY BIUS

۱۴۔ سکندریہ کا مشہور جغرافیہ دان اور ہیئت دان جو بطلیموسی خاندان میں سے تھا اور اس نے خاصی مدت سکندریہ میں گزاری۔اس کی تمام تصانیف تیرہ جلدوں میں مرتب ہوئی تھیں۔اس مجموعہ کا نام عربوں نے المسطی رکھا تھا۔اس کا مرتبہ نظام بہت مدت تک مختلف قوموں میں رائج رہا۔یہ کہتا تھا کہ زمین ایک جگہ سے ٹھہری ہوئی ہے۔سورج چاند اور ثوابت وسیار اس کے گرد مشرق سے مغرب کی طرف گھومتے ہیں۔

۱۵۔ NECTANBEUS یہ ۳۷۹ ق م میں تخت پر بیٹھا تھا۔ایرانیوں سے اس

کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یہ آخری فرعون نہ تھا۔ البتہ بڑے فرعونوں میں سے یقیناً آخری تھا۔

۱۶۔ بلا شبہ فردوسی کے شاہنامے میں سکندر کی داستان خاص تفصیل سے بیان ہوئی ہے لیکن اس کے حالات میں سکندر نامہ زیادہ مفصل کتاب مولانا نظام گنجوی نے لکھی جس نے بڑی شہرت پائی۔

۱۷۔ PRESTOR GOHN یہ بارھویں صدی کی ایک افسانوی شخصیت ہے جسے مشرق البعید کی ایک مملکت کا حکمران بتایا گیا تھا۔ پریسٹر کے معنی پادری کے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے سفرناموں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

۱۸۔ DAVID HOGATH

۱۹۔ HELLENISTIC MILITARY & DEVELOPMENT یونان کی فوجی اور بحری ترقیات)۔

۲۰۔ یعنی وہ مقام جو روشنک کا وطن تھا۔

۲۱۔ عجیب بات ہے کہ مصنف ابتدا میں خود معقول وجوہ کی بنا پر اس شعبہ کی تردید کر چکا ہے۔

☆☆☆

امیر تیمور

عرض ناشر

ہیرلڈ ولیم کی مشہور کتاب ’’ٹیمر لین‘‘ کا اردو ترجمہ جب پہلی بار شائع ہوا تو چونکہ لوگ اس مایہ ناز مورخ کو اس کے افسانوی انداز بیان کی وجہ سے ناول نگار سمجھتے تھے، اس کتاب کو بھی ایک ناول سمجھا گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ’’ٹیمر لین‘‘ کوئی ایسا ناول نہیں ہے کہ جس کے واقعات تانا بانا تیمور کے گرد بنا گیا ہو، بلکہ یہ ایک تاریخی ادب کا ایک غیر فانی شاہکار ہے۔

اس کے اوراق پر لرزندہ جہاں، صاحب قرآن، امیر تیمور گورگاں فاتح ایشیا کی قلمی تصویر ہیرلڈ ولیم نے اس قدر چابک دستی سے کھینچی ہے۔ کہ اسے ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔

انداز بیان خشک قصہ گوئی کا سا ہے۔ مگر ہر واقعہ پوری تصدیق اور چھان بین کے بعد لکھا ہے، اور سونے پر سہاگا یہ کہ اس کے ماخذ تیمور کے دور کی فارسی اور دیگر زبانوں کی تاریخیں یا تذکرے ہیں۔ یوں اس کتاب کو تیمور جیسی اہم تاریخی شخصیت کی ایک ایسی مستند سوانح حیات کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ جس میں مورخانہ انداز نگارش کی عمومی خشکی نہیں پائی جاتی۔

بریگیڈیر گلزار احمد نے اس کا ترجمہ بھی اتنا ہی شگفتہ اور دل کش کیا تھا، جتنی انگریزی کتاب ہے۔ چنانچہ یہ بے حد مقبول ہوا، اور چند سال کے اندر اندر امیر تیمور دو مرتبہ چھپی۔ مگر لیم کی کتاب منظر عام پر آنے کے بعد سے اب تک انگریزی اور اردو زبانوں میں تیمور پر کئی بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پیش نظر کتاب کو مکمل، مستند اور دل چسپ بنانے کے لئے ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اور جن مقام پر ضروری سمجھا گیا ہے، وہاں ان کی مدد سے تبدیلیاں اور اضافے کیے گئے ہیں۔ اس بناء پر اس میں بہت سی

تبدیلیاں ہوئی ہیں۔جن سے کتاب پہلے سے بھی زیادہ معلومات افزاء بن گئی ہے۔ خاص کر حواشی میں جو اضافے ہوئے ہیں،ان کی وجہ سے اس کی کشش اور دلچسپی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔چنانچہ اب یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ اردو زبان میں امیر تیمور پر سب سے زیادہ مکمل اور مستند کتاب ہے،تاہم ہمیں یہ اعتراف ہے کہ اب بھی خامیاں رہ گئی ہوں گی،مگر ان کی ذمہ داری ہم پر ہے۔جناب مترجم پر،جنہوں نے اپنی شگفتہ زبان اور دل کش انداز تحریر سے ترجمے میں جان ڈال دی ہے۔ہماری کسی فروگزاشت کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔

ناشر

آغاز

تیمورِ عزم کی ایک جھلک

اب سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شخص نے ساری دنیا کو فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس نے جس طرف رخ کیا، فتح وظفر نے آگے بڑھ کر اس کے قدم چومے۔ اس کا نام تھا تیمور

(ا) وہ وسطی ایشیا سے اٹھا۔ یہ وہی سرزمین ہے جس نے دنیا کے مشہور ترین فاتح پیدا کیے ہیں۔ اس شخص کا کل اثاثہ چند مویشی اور تھوڑی سی اراضی تھی، اور اس کا خاندان بھی کچھ ایسا عالی مرتبہ نہ تھا۔ مگر اس کم مائیگی کے باوجود اس نے اپنی ہیبت خیز فتوحات سے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اور اس کی لرزہ خیز یلغاروں نے دنیا سے منوالیا کہ وہ تاریخ عالم کے عظیم ترین فاتحوں میں سے ایک ہے۔

سکندرِ اعظم ایک بادشاہ کا بیٹا تھا، اس کی فتوحات کا انحصار اس فوج پر تھا جو اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی، چنگیز خان ایک سردارِ قبیلہ کا فرزند تھا۔ اس کے ساتھ منگولوں کے ٹڈی دل قبائل تھے، قدرت نے تیمور کو اس قسم کے اسباب کامرانی سے محروم رکھا تھا۔ مگر اس نے اپنی ہمت اور ذہانت سے ایک ایسی قوم پیدا کرلی کہ جس کا مرکز اس کی ذات تھی، اور یہ انبوہ کثیر اس کی قیادت میں آندھی کی طرح سارے ایشیا پر چھا گیا۔

اس نے نصف دنیا کی فوجوں کو یکے بعد دیگرے شکستیں دیں، وہ پے در پے بھرے پرے شہروں کو برباد کرتا اور اپنی مرضی سے اور اپنی پسند کے مطابق دوبارہ آباد کرتا رہا۔ جن شاہراؤں پر اس کا تسلط تھا، ان پر دو براعظموں کے تجارتی قافلے دن رات سرگرم عمل رہتے تھے۔ اس کے تصرف میں عظیم الشان سلطنتوں کی دولت ہاتھ آئی، اور اس نے یہ دولت اپنی مرضی کے مطابق صرف کی، وہ دشوار گزار پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایک مہینے کے اندر اندر عالی شان محلات تعمیر کرالیتا تھا۔ اور ان میں داد عیش دیتا۔ غرض اس خرابہ ہستی

پر درو بست قابو پائے اور پھر اسے اپنی منشاء کے مطابق ڈھالنے کی جتنی کامیاب کوشش اس نے چند روز زندگی کے محدود عرصے میں کی، اتنی شاید ہی کسی انسان نے کی ہو۔

یورپ تیمور کو آج بھی اس طرح ''ٹیمر لین'' کہتا ہے جیسے وہ کوئی معمولی بادشاہ تھا۔اور یورپ کی موجودہ تاریخی کتابوں میں اس کی مملکت کا نام سلطنت تیمور ہی لکھا جاتا ہے۔لیکن جو باشندگان یورپ تیمور کے ہم عصر تھے، وہ پانچ سو سال قبل اس کی سلطنت کو ملک تاتار کہتے تھے، گو ان کے ذہنوں میں تیمور کا تصور بس اتنا ہی تھا کہ یورپ کی حدود کے اس طرف ایک مطلق العنان اور ظالم بادشاہ، سنہری خیموں میں بیٹھا اپنے گردوپیش پر حکومت کر رہا ہے، اور وہ کٹے ہوئے انسانی سروں کے مینار کھڑے کرتا ہے۔جن پر راتوں کو غیبی شعلے لہراتے ہیں۔

مگر ایشیا اس سے خوب اچھی طرح واقف تھا، اہل ایشیا کو اس پر فخر بھی تھا۔اور وہ اس سے آزردہ خاطر بھی تھے۔اس کے دشمن اسے بھیڑیا سمجھتے تھے، جو دنیا کو بھنبھوڑے ڈال رہا تھا، مگر اپنوں کی نظر میں وہ شیر ژیاں تھا۔البتہ یورپ کا حال یہ تھا کہ نابینا ملٹن نے سنے سنائے حالات کی بنا پر تیمور کے کردار کا ایسا بھیانک منظر پیش کیا کہ اسے شیطان ہی بنا دیا۔

مگر شاعروں کے برعکس تاریخ نویسوں نے خاموشی اختیار کی، کیونکہ تیمور کا مقام متعین کرنا آسان نہ تھا۔وہ نہ کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، نہ کسی عظیم انسان کی نسل تھا۔ہاں خود ایک خاندان کا موسس اعلیٰ ضرور تھا۔وہ روم کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والا اٹیلا بھی نہ تھا، جسے وحشی کہا جاتا ہے۔اس نے تو صحرا کی ویرانیوں میں اپنا ایک روم تعمیر کر ڈالا، اس نے اپنے لئے تخت پیدا کیا لیکن اپنی ساری عمر گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دی، اور جب تعمیرات کی طرف توجہ کی تو کسی نمونہ تعمیر کی نقل نہیں کی، بلکہ اپنی پسند کا ایک نیا اور اچھوتا طرز تعمیر نکالا، جب اس نے دمشق کو نذر آتش کیا، شاید اس وقت وہاں کے واحد گنبد نے اس کے ذہن میں اپنے وطن کی فلک رس پہاڑی چوٹیوں اور اس گنبد کا جو مجموعی نقش

ابھارا، اس سے اس نے یہ نیا طرز تعمیر نکالا، موجودہ روس کی تمام عمارتیں اسی طرز کی ہیں اور یہی طرز تعمیر دنیا کی حسین ترین عمارت تاج محل کا بھی ہے۔ جو ایک مغل بادشاہ کے ذہن کا شاہکار اور آل تیمور کی حسن کاری کی ایک غیر فانی یادگار ہے۔

مورخوں نے تیموری عہد کے یورپ پر پوری روشنی ڈالی ہے۔ اور اس زمانے کے یقورپ کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ کس طرح ان دنوں وینس میں مجلس ارکان عشر (2) برسر اقتدار تھی۔ کس طرح دانتے کے تقریباً ایک پشت بعد برگنڈی اس زمانے کا مسولینی بننے میں کام یاب ہو گیا تھا، پیٹرارک ان دنوں تصنیف و تالیف میں مصروف تھا۔ فرانس میں صد سالہ جنگ اپنا بے برکت دور پورا کر رہی تھی، اور اورلین اور برگنڈی کے لوگ نیم دیوانہ چارلز کی غیر ملتفت نظروں کے سامنے پیرس کے قصابوں (4) سے نبرد آزما تھے۔ یورپ اس وقت اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں تھا، ازمنہ وسطی کی جہالت کا پردہ ابھی تک اس کی آنکھوں سے پوری طرح نہ ہٹا تھا۔ اور نشاط الثانیہ کی چنگاریاں بھی شعلہ افروز نہ تھیں۔

ابھی تو تہذیبی آسائشوں کے لئے بھی یورپ مشرق ہی کا دست نگر تھا۔ حریر و دیبا، چاندی، سونا، لونگ، الائچی، دارچینی، زیرہ، لوہا اور فولاد بلکہ چینی کے دیدہ زیب برتن تک مشرق سے جاتے تھے، اسی تجارت سے جو خشکی کے راستے ہوتی تھی، وینس اور جنوا کو دولت کی فراوانی سے چار چاند لگ گئے تھے۔ پھر یورپ پر مشرق کا ایک اور احسان بھی تھا، ہسپانیہ میں علم و ہنر کے مراکز اشبیلیہ اور قرطبہ عربوں نے قائم کیے تھے، اور انہیں کے ہاتھوں غرناطہ میں الحمرا جیسا عجوبہ روزگار محل تکمیل کو پہنچا تھا۔ اور تو اور قسطنطنیہ بھی جو یورپ کا ایک شہر سمجھا جاتا تھا، نیم مشرقی تھا، آج کل یورپ سے سائبریا کو جانے والی ریلوے لائن پر ایک چھوٹا سا اسٹیشن آتا ہے۔ جہاں ایک سنگی ستون نصب ہے، اس کے ایک طرف ایشیا اور دوسری طرف یورپ کندہ ہے۔ اگر تیمور کے زمانے میں کسی کو یہ ستون نصب کرنے کا خیال آیا ہوتا تو اس نے اسے وینس میں نصب کیا ہوتا۔ جو یورپ کی سرزمین

ہے۔اس زمانے میں یورپ کی حیثیت ایشیا کے ایک صوبے سے زیادہ نہ تھی، ایک صوبہ بھی ایسا جس میں چند چھوٹے چھوٹے زمین دار اور جاگیرداروں کی حکومت تھی، اور جہاں کے شہر قصبوں سے بھی کم تر تھے۔جن کے بدنصیب باشندے روتے پیٹتے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں زندگیاں بسر کیا کرتے تھے۔

تعجب ہے کہ ہم اس دور کے یورپ کے کوائف سے تو آگاہ ہیں، مگر ہمیں اس صاحب عزم انسان کے حالات کا علم نہیں جس نے تسخیر عالم کا بیڑا اٹھایا تھا، اور اس دور کے اہل یورپ جب تیمور کے کارناموں کا حال سنتے ہیں تو وہ انہیں ناممکن قرار دیتے ہیں، اور جب انہیں ان کی صحت کا یقین ہو جاتا ہے تو اسے فوق البشر قرار دے کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ جب وہ یورپ کی دہلیز پر نمودار ہوا تو وہاں کے بادشاہوں نے اسے ''امیر تاتار ٹیمر لین اعظم'' کی خدمت میں سفیر روانہ کیے۔ انگلستان کے ہنری چہارم نے جو پروشیا کے سرداروں سے جنگیں لڑ چکا تھا، تیمور کی فتوحات پر اسے مبارک باد دی، فرانس کے چارلز ششم نے ''فاتح تیمور'' کی تعریف میں قصیدے لکھوا کر بھیجے، دوراندیش اہل جنوآ نے اس کا علم قسطنطنیہ کے باہر نصب کر کے اعتراف عظمت کیا، شہنشاہ یونان مینوئل نے اس سے امداد کی درخواست کی، اور ڈان ہنری سوم ''بفضل خدا'' بادشاہ قستالیہ (اسپین) نے تیمور کے دربار میں اپنے ایک موقر سردار روئے وے دے گونزالز کلاویہو (5) کو سفیر بنا کر بھیجا، جو تیمور کی بارگاہ میں کامیابی کے لئے سمرقند تک گیا۔اور جس نے واپسی پر یورپ کو بتایا کہ تیمور کون ہے؟۔اس نے اپنے تذکرے میں لکھا،

''بادشاہ سمرقند تیمور جب مغلوں کی تمام سرزمین فتح کر چکا تو اس نے سرزمین آفتاب (خراسان) کی طرف جو ایک وسیع مملکت ہے، توجہ کی اور اسے بھی سر کیا، پھر ملک خوارزم کو بھی زیر کیا اور پورے ایران اور مازندران کو بھی فتح کیا، جن میں تبریز اور سلطانیہ بھی شامل ہیں۔اس نے ''ارض حریر'' اور ''ارض ابواب'' کو بھی فتح کر کے رکھ دیا۔اور آرمینیا، کوچک، ارض روم اور کردستان پر قبضہ کیا، جب وہ شہنشاہ ہندوستان کو شکست دے کر اس

کی وسیع مملکت پر قابض ہو چکا اور اس نے دمشق کو برباد کرنے کے بعد حلب اور بابل اور بغداد جیسے شہروں کو بھی فتح کر لیا تو بہت سے دیگر مما لک کو فتح کرنے اور بہت سی جنگوں میں کامیاب ہونے کے بعد بازید کے مقابلے پر آیا جو دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں سے تھا۔اور اس سے جنگ کر کے اسے بھی شکست دی اور اسے اپنا قیدی بنا لیا۔

یہ اس کلاویہو کا بیان ہے جو تیمور کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔اور جس نے سمر قند کے دربار میں ملک ملک کی شہزادیاں دیکھیں،اور مصر و چین تک کے سفیروں کو دست بستہ حاضر پایا،خود اسے بھی ایک فرنگی سفیر کی حیثیت سے ہی باز یابی حاصل ہوئی تھی۔اور اس کے ساتھ مشفقانہ سلوک محض اس خیال سے روا رکھا گیا تھا، کہ سمندر میں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کے لئے بھی جگہ ہوتی ہے۔

تیمور کو یورپ کے بادشاہوں میں شامل نہیں کیا گیا،اور اس بر اعظم کی تاریخ کی کتابوں میں بھی اس خوف و ہراس نیز ہیبت کی بھی ایک ہلکی سے جھلک نظر آتی ہے،جس سے اہل یورپ کے دل میں تھرتھری سی پیدا ہو جاتی تھی۔آج ساڑھے پانچ صدی بعد یورپ پر عیاں ہو رہا ہے کہ وہ دنیا کا آخری فاتح تھا،نپولین اور سمارک کی عظمت مسلم سہی،مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ نپولین کی موت ناکامی و نامرادی کی ظلمت میں ہوئی،اور سمارک کو ایک محدود ملک کی سیاسی قیادت سے زیادہ کچھ نصیب نہ ہوا،اس کے برعکس تیمور نے ایک وسیع سلطنت بنائی،جتنی جنگیں لڑیں ان میں فتح یاب ہوا،اور جو آخری سلطنت تسخیر ہونے سے رہ گئی تھی،اسے زیر کرنے کی غرض سے سفر کے دوران میں داعی اجل کو لبیک کہی،

اس کے کارناموں کی عظمت واہمیت کا اندازہ کرنے اور اس کے عزائم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے حالات پر غور کریں،اور تیمور کا مطالعہ اس نگاہ سے کریں،جس سے وہ شاہسوار اسے دیکھا کرتے تھے،جنہیں اس کی ہم رکابی کا فخر حاصل ہوتا تھا۔

ہمیں وہی کرنا چاہیئے جو کلاویہو نے کیا تھا، آیئے خوف وہراس کے پردے ہٹا کر ہول ناک کلہ میناروں کے ماوراء دیکھیں، تصور میں ایشیا کی اس عظیم شاہراہ پر جو سر زمین آفتاب (خراسان) کو جاتی ہے، سمر قند کی جانب روانہ ہو جائیں۔ اور اپنے ذہن کو ساڑھے پانچ صدی پیچھے لے جا کر 1335ء پر مرکوز کر دیں۔

لیجیئے دیکھیے!

اب ہمارے سامنے ایک دریا ہے۔

پہلا حصہ

ماوراءالنہر

کلاویہو اپنے تذکرے میں لکھتا ہے کہ

یہ دریا ان چاروں دریاؤں میں سے ہے، جو جنت سے نکلے ہیں۔اور اس دریا سے سیراب ہونے والے علاقے کے بارے میں کہتا ہے،

''یہ ملک حسین، تابناک اور خوش پوش ہے۔''

دور افق کے پس منظر پہاڑوں کے سلسلے بلند ہوتے ہوئے تخت سلیمان کی چوٹی تک پہنچ رہے ہیں۔دامن کہسار کی پست و بلند پہاڑیاں ہری ہری گھاس سے ڈھکی ہوئی ہیں۔اوران کے درمیان صاف، شفاف اور ٹھنڈے پانی کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔اس سرسبز حسین خطے میں چرواہے بھیڑیں چراتے پھرتے ہیں۔اور اس سے ذرا نیچے دیہات کے قریب جہاں گھاس زیادہ گھنی ہے، مویشیوں کے ریوڑ کے ریوڑ چر رہے ہیں۔

دریا چونے کی چٹانوں میں بل کھاتا ہوا تیز بہہ رہا ہے۔ہموار علاقے میں پہنچ کر شہتوت کے درختوں اور انگوروں کی بیلوں سے پٹی ہوئی وادی میں اس کی رفتار دھیمی پڑ جاتی ہے۔یہاں اس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں۔جو، دھان، تربوز اور جو کے کھیتوں کو سیراب کرتی ہیں، جہاں تمام رہٹ چل رہے ہیں۔اور جو اپنی روں روں سے سنسان فضا کے سکوت کو توڑتے رہتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی پانی نہروں کی سطح تک بھی پہنچاتے رہتے ہیں۔

اس دریا کو دریائے آمو کہتے ہیں۔یہ صدیوں سے ایران اور توران یعنی شمال اور جنوب کے درمیان حد فاصل ہے۔اس کے جنوب کی جانب خراسان ہے۔جس کے فارسی بولنے اور کھیتی باڑی سے گزر اوقات کرنے والے عمامہ پوش باشندے، متمدن، مہذب اور ایشیائے قدیم کے شریف طبع درویش صفت لوگ ہیں۔

دریا پار شمال کی طرف توران ہے، جس کی نامعلوم گہرائیوں سے گھوڑے اور مویشی پالنے اور خود نما ٹوپی پہننے والے خانہ بدوش ابھرے تھے۔اس دریا کے سوا اور کوئی حد فاصل نہیں ہے۔اسی لئے اس سے شمال کی طرف واقع سرزمین کو ماوراءالنہر یعنی دریا پار کا علاقہ کہتے ہیں۔

سمرقند جانے کے لئے مسافروں کو یہی دریا عبور کرنا پڑتا ہے۔دریا کے اس طرف پہلے شاہ بلوط کے گھنے جنگل میں سے گزرنا پڑتا تھا۔پھر بھر بھرے پتھر کے 600 فٹ اونچے تنگ پہاڑوں کی گھاٹی کا درہ آتا ہے، جس میں آواز کی بازگشت آواز نکالنے والے کا مضحکہ اڑاتی محسوس ہوتی ہے۔اس کا نام دربند آہنی (باب الحدید) تھا۔کیونکہ اس کے تنگ وتاریک رستے سے دو اونٹ ایک ساتھ نہیں گزر سکتے تھے۔یہاں دو مہیب پہرے دار کھڑے رہتے تھے، جو مسافروں کے چہروں کو بغور دیکھتے تھے۔

یہ پہرے دار قوی الجثہ ہوتے تھے، ان کی چھدری مونچھیں ان کی ٹھوڑیوں پر جھکی پڑتی تھیں۔''آہستگی سے بولتے اور الفاظ کو طول دے کر ادا کرتے تھے۔'' جیسے ہر لفظ سوچ سوچ کر بولا جا رہا ہے۔ان کے جسم پر باریک کڑیوں دار زرہ، اور سر پر خود اور خود پر گھوڑے کی دم کا طرہ ہوتا تھا۔یہ ماوراءالنہر کے سرحدی محافظ تھے،

باب الحدید سے گزرنے کے بعد جس جگہ پہلی سرائے آتی تھی، وہ نہایت زرخیز وشاداب تھی، وہاں ایک چھوٹا سا دریا اس طرح بہتا تھا کہ جیسے اسی خطے کے لئے مخصوص ہے۔اس کے چاروں طرف پہاڑ کھڑے تھے اور گرداگرد پانی سے بھری ہوئی خندقیں تھیں۔اس پر پہلی نظر انجیر اور خوبانی کے پھولوں سے لدے ہوئے درختوں سے گزر کر اندرون شہر کے مزاروں کے سفید گنبدوں اور نیزوں کی شکل کے میناروں پر پڑتی تھی۔جو پہرہ داری کرنے کے کام بھی آتے تھے۔

تیمور کی پیدائش اسی شہر میں ہوئی تھی، اور اسے اس شہر سے بے حد انس بھی تھا، اس کا گھر لکڑی اور کچی اینٹوں کا تھا۔چاردیواری کے اندر صحن میں ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی تھا۔

مکان کی چھت ہموار اور منڈیر دار تھی۔ جس کی اوٹ میں ایک بچہ شام کو چوری چھپے لیٹ کر کھیتوں سے لوٹتے ہوئے مویشیوں اور بھیڑوں کو دیکھ سکتا تھا، اور موذن کی صدا سن سکتا تھا۔

یہاں دراز ریش لوگ جو کھلی عبا پہنے ہوئے تھے، برابر آتے رہتے تھے، وہ اپنے غالیچے بچھا کر ان پر دراز ہو جاتے۔ اور قافلوں کی آمد و رفت اور دیگر اہم واقعات کے ذکر و اذکار کرتے رہتے، جنگ کا ذکر تو ہمیشہ ہی کرتے، کیونکہ جدال و قتال کا سایہ اس شہر پر ہر وقت پڑا رہتا تھا۔

تیمور یہ فقرہ اکثر سنا کرتا تھا، ۔۔۔ ارین مور لیکین بو (مرد کے سامنے ایک ہی راستہ ہوا کرتا ہے۔)

اسے اس عمر میں اور باتوں کی تو زیادہ سمجھ نہ تھی، لیکن بزرگوں کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اس کے لئے قانون ہوا کرتا تھا۔ مگر نوجوان بڑوں کے الفاظ سے بھی زیادہ ان کے ہتھیاروں کی طرف توجہ دیا کرتے تھے۔ ان نوخیز بہادروں کے نزدیک تلوار کی دھار کی تیزی اور نیزے کی سان رکھی ہوئی انی زیادہ قابل توجہ تھی۔

یہ لڑکے گھوڑوں کے ساتھ پل کر جوان ہوتے، سمرقند کی سڑک کے کنارے چراگاہوں اور خیابانوں میں جہاں کہیں کھلی زمین نظر آ جاتی، شہسواری کے مقابلے ہوتے، کبھی سوار سے سوار کا مقابلہ، کبھی گھوڑے سے گھوڑے کا مقابلہ، اور ”شہسوار خالی ہاتھ نہیں“ بلکہ تیر کمان سے مسلح ہوتے تھے، اور ان سے چرند پرند کا شکار بھی کر لیتے، ان کا ایک قلعہ بھی ہوا کرتا تھا۔ جو کسی چٹان کے اگلے کو نکلے ہوئے حصے کے تلے ایک کشادہ سا غار ہوتا تھا۔ اسی میں شکاروں کی یادگار چیزیں رکھا کرتے، اور اس کے گرد جنگ جنگ کھیلتے، کبھی حملہ، کبھی دفاع اور کبھی محاصرہ، جب ان کے گھوڑے چرتے اور کتے سوتے تو وہ کھیل میں محو ہو جاتے، تیمور ہمیشہ سردار بنتا تھا، یوں تو اس کی فوج تین چار ساتھیوں ہی پر مشتمل ہوتی مگر ہوتی تھی فوج ہی اور شغل بھی وہی ہوتا جو فوجوں کا ہوا کرتا ہے۔

تیمور یہ کھیل بڑی سنجیدگی سے کھیلا کرتا تھا، اور اس کی کسی بات کو کبھی ہنسی مذاق نہ سمجھتا تھا۔ اس کے گھوڑے تو اتنے اچھے نہ ہوتے جتنے اس کے ساتھی اچھے تھے۔ مگر شہسواری میں سب سے بڑھ چڑھ کر رہتا تھا۔ اور پھر جب یہ لڑکے اتنے بڑے ہوئے کہ انہیں شکار کے لئے تلواریں دی گئیں تو تیمور ان تلواروں کے استعمال میں بھی سب کا استاد بن گیا۔

اس کی سنجیدگی کا باعث شاید اس کی تنہا زندگی ہو، ماں کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، اور باپ جو قبیلہ برلاس کا سردار تھا (8) اپنا وقت ان سبز پوش بزرگوں کی صحبت میں گزارا کرتا تھا جو بیت اللہ کا حج یا مقدس مقامات کی زیارت کر کے آئے تھے۔ مگر زندگی میں تنہا ہونے کے باوجود تیمور نہ کبھی تنہا ہوتا اور نہ بے کار ہوتا تھا۔ اس کے گھوڑے، باز اور کتے اس کے ہم جولی تھے، اور وہ ان کو ساتھ لیے ہوئے ہر وقت سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا۔ یہ سب کچھ تو تھا، مگر امارت نہ تھی، گھر میں صرف دو نوکر تھے، اور گھوڑے اتنے بھی نہ تھے کہ ان سے آدھا اصطبل ہی بھر جاتا۔ اس کا باپ اپنے قبیلے کے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ مگر صاحب حکومت نہ تھا۔ وہ صاحب سیف تو تھا، مگر غریب تھا۔

نوجوان تیمور جی بھر کر سواری کرتا اور اکثر اپنے ''قلعے'' میں بیٹھا سمرقند کی اس سڑک کی طرف دیکھا کرتا، جس سے دولت مند ایرانی تاجروں کے قافلے گزرتے تھے۔ ان کی نقاب پوش عورتیں جن کے گرد محافظوں کا دستہ ہوتا تھا۔ تاتاری عورتوں سے بہت مختلف ہوتی تھیں جو بے پردہ اور بے نقاب رہتی تھیں۔ اس عظیم شاہراہ پر چھریرے بدن کے تاجر جو اپنے گھوڑوں کی باگیں تھامے پیدل چلتے نظر آتے تھے، بلاد شمال کا ابریشم اور قالین اور خطا (9) کا زربفت لے کر جاتے تھے، غلاموں کے قافلے بھی زردی مائل دھول اڑاتے ہوئے گزرا کرتے تھے۔ اور اس راہ میں ان گداگروں کی بھی کمی نہ تھی جو ہاتھ میں عصا پکڑے اور دوسرے میں کشکول لیے گلی گلی اور شہر شہر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ اس طرح کبھی کبھی کوئی یہودی بھی اپنے خچر پر سوار گزرجاتا یا کوئی ہندو بیوپاری اس دور دراز دیس میں افغان ڈاکوؤں کا رونا روتا ہوا آ نکلتا تھا۔

شام کو جب قافلے سرائے میں پہنچتے تو خیمے نصب کرنے کے بعد الاؤ اور چولھے سلگا لیے جاتے، غروب آفتاب کا وقت انسانوں کی آوازیں، اونٹوں، خچروں اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کہیں کہیں پس نقاب نقرئی قہقہے اور آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دھواں سب مل کر ایک عجیب سا منظر اور ایک نوکھی سی فضا پیدا کر دیتے تھے۔ تیمور دوزانو بیٹھ کر قافلے والوں کی داستانیں اور مختلف اشیاء کی گھٹتی بڑھتی قیمتوں پر ان کے تبصرے سنتا اور اسے سمرقند میں بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب اس کا باپ اسے قافلے والوں کے پاس بیٹھنے پر برا بھلا کہتا تو وہ سوکھا سا منہ بنا کر کہہ دیتا ''مرد کے سامنے صرف ایک راستہ ہوا کرتا ہے۔''

خود پوش جوان

ہر چند یہ پوری وادی اور جو کچھ اس میں تھا سب براس قبیلے کی میراث تھا مگر یہ کہنا کہ یہ سب کچھ ان کی ملکیت تھا اس لئے درست نہ ہوگا کہ وہ اس سرسبز و شاداب وادی میں زراعت کرتے اور مویشی پالتے رہنے کے صرف اس وقت تک مجاز تھے جب تک ان کے بازوؤں میں قوت اور ان کی آبدار تلواروں کی دھار تیز رہے۔ سلسلہ کوہ کے اس طرف جو خان اعظم حکومت کرتا تھا اس نے بہت عرصے پہلے ان کے آباؤ اجداد کو یہ وادی عطا کی تھی مگر صرف اس کا عطا کر دینا کافی نہ تھا۔ وہ اس وادی پر اپنے ذہن اور جسم کی تندرسی و توانائی نیز اپنے سرداران قبیلہ کی دور اندیشی و معاملہ فہمی کے بل پر قابض چلے آ رہے تھے۔

براس نسلاً تاتاری (10) تھے قد اونچے اونچے، جثہ مضبوط اور چوڑے چکلے، چہرے تمازت آفتاب سے جھلسے ہوئے اور ان چہروں پر ڈاڑھیاں۔ پا پیادہ بہت کم چلتے مگر جب پیدل چلنا پڑ ہی جاتا تو ان کی چال میں ایک عجیب بانک پن اور تمکنت ہوتی۔ کیا مجال جو کسی ہم قبیلہ یا ہم پلہ قبیلے کے کسی فرد کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیں۔

وہ گھوڑے پالتے جو مضبوط، جفاکش اور کوہستانی راستوں کے عادی ہوتے۔ بہت کم ایسے ہوتے جن کی مالی حالت صبا رفتار گھوڑے یا چوگان کے قابل یابو پالنے کی اجازت دیتی مگر جو اس قابل ہوتے تھے ان کے گھوڑوں کی راسوں پر چاندی کا کام ضرور ہوتا اور وہ کاٹھیوں پر کڑھے ہوئے زین پوش بھی ضرور ڈالتے۔ غریب سے غریب تاتاری کو بھی اپنے خیمے سے مسجد تک جانا ہوتا تو گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا۔

ان کی قبائلی زندگی کا آغاز خیموں کے رہن سہن سے ہوا تھا اور اب یہ طرز زندگی ان کے خون میں رچ گیا تھا۔ ان کے ہاں یہ مثل مشہور تھی کہ صرف بزدل چھپ کر رہنے کے لئے قلعے اور مینار بناتا ہے۔

ان کے گنبدوں جیسے خیمے سفید نمدے کے ہوا کرتے تھے یا پھر وہ قالین بچھے ہوئے

شامیانے یا تمبو کے تلے بسر اوقات کیا کرتے تھے عام طور پر ہر تا تاری کا شہر میں بھی ایک مکان ضرور ہوتا تھا اسمیں وہ مہمانوں کی ضیافت کرتا یا وقت ضرورت اپنے اہل وعیال کو بھیج دیتا۔ سو سال قبل تا تاری سچ مچ خانہ بدوش تھے اور چراگاہوں کی تلاش میں صحراؤں میں سرگرداں پھرا کرتے تھے ان کے آباؤ اجداد لڑ بھڑ کر ایشیا کے بیشتر حصے کے مالک بنے تھے چنانچہ وہ ہر اعتبار سے تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے تھے وہ اپنے قبیلے کی اس کہاوت کی حقیقت سے آشنا تھے کہ ''صحرا کی ریت تو ہوا کے ایک ہلکے سے جھونکے سے اڑ ہی جاتی ہے مگر انسان کی دولت اس سے بھی زیادہ ہلکے جھونکے سے اڑ سکتی ہے۔''

جب ضیافتوں میں شریک ہوتے تو خوب کھاتے پیتے شراب پیتے وقت نشے کی وجہ سے ان پر رقت طاری ہو جاتی مگر میدان جنگ میں ہنستے ہی رہتے تھے ان میں شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جس کے چہرے پر زخموں کے نشان نہ ہوں۔ چھت کے نیچے مرنا ان کا دستور نہ تھا۔ کڑیوں دار فولادی زرہ پہننا ان کی عادت میں داخل تھا اور جب باہر نکلتے تھے تو دھاری دار ریشمی جبے کے نیچے یہ فولادی زرہ ضرور پہنے ہوتے تھے۔

زمانہ امن میں اپنا سپاہیانہ جوش وخروش شکار میں نکالتے تھے یوں ان کا تیز و تند لہو گرم رہتا۔ پہاڑی لوگ انہیں باز اور شاہین دے کر ان کی بھیڑیں لے جاتے۔ باز رکھنے سے وقار میں اضافہ ہوتا تھا مگر شاہین سے تو اس کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ جب وہ ہرن پر جھپٹتا تو دیکھنے والے اس کے مالک کی تعریفیں کرتے۔ بعضوں نے سدھائے ہوئے چیتے بھی پال رکھے تھے جنہیں پنجروں میں بند کر کے رکھا جاتا تھا ان کی آنکھوں پر اندھیریاں چڑھی رہتی تھیں جب ہرن نظر آتے ہی چیتے کی آنکھوں پر سے پٹی ہٹا دی جاتی تو وہ فوراً ہرن کے پیچھے پڑ جاتا اور شہسوار اس تعاقب کا تماشا دیکھتے۔

وہ لمبی بھاری کمان سے تیر چلانے میں کمال رکھتے تھے دہرے پھل کے تیروں سے اڑتے ہوئے پرندوں کو گرا لیتے اور شیر کا شکار پیدل کرتے۔ جب وہ دستر خوان پر کھانا کھانے بیٹھتے تو سب ایک ہی برتن میں کھاتے، اس وقت ان کے باز اڈوں پر سے شور

مچاتے رہتے اور ان کے وفادار کتے ان کے پیچھے خاموش بیٹھے رہتے اور ان کی مرغوب غذا شکاری جانور کا گوشت، گھوڑے کا گوشت اور اونٹ کے پٹھے کا گوشت تھا۔

وہ عربوں کی شجاعت کے مداح تھے اور صحرا کے ان مکینوں کی طرح انہیں بھی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بغیر کل نہ آتی۔ یہ بے چینی شکار کھیلنے، جنگ میں حصہ لینے اور علم کے ساتھ ساتھ چلنے ہی سے دور ہوتی ان کا زیادہ وقت بادشاہ گر کے دربار میں گزرتا تھا۔

خاندان براس کا طنطنہ ایک جنگجو نسل کا طنطنہ تھا ان کی امارت اور سرداری شمشیر کی امارت اور سرداری تھی تاجروں اور زراعت پیشہ لوگوں میں شادی کرنا اپنی نسل برباد کرنا سمجھتے تھے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ سوداگری سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مالی طور پر تباہی کے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ یہ تاتاری بہت فیاض بلکہ ضرورت سے زیادہ فیاض ہوتے تھے معمولی معمولی ضیافتوں کے لئے جائیداد بیچ ڈالتے یا رہن رکھ دیتے، مہمان نوازکو سب سے بڑا مجلسی فریضہ سمجھتے تھے چنانچہ ان کے صحن مسافروں سے جو ان کے مہمان ہوتے بھرے رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی بھیڑیں ایک ایک کر کے دیگوں میں پہنچتی رہتی تھیں مگر اتنے ہی ظالم اور سرکش بھی تھے۔

وہ قبیلے جو شہر سبز کی وادی میں آباد تھے، قبیلہ براس سے زیادہ فائدے میں تھے وہاں کاشتکار اپنی زمینوں، کھیتوں اور آبپاشی کی نالیوں کے آس پاس بے روک ٹوک اپنے کام میں مصروف رہتے، تجارت پیشہ لوگ، جو شہروں میں آباد تھے، اپنی دکانوں پر مال کے انباروں کے پاس بیٹھے رہتے اور ایرانی امراء بھی اپنے اپنے شوق پورے کرتے رہتے، کوئی لہو ولعب میں مگن رہتا، کوئی باغوں میں داد عیش دیتا اور کوئی قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب دارین حاصل کرتا کیونکہ ایرانی اسلامی شرح کے پابند ہو گئے تھے، یہ تو خود پوش تاتاری ہی تھے جو ابھی تک چنگیز خانی قوانین کے پابند اور جنگ وجدل کے دلدادہ تھے۔

قبیلہ براس کی حالت اس وجہ سے بھی دگرگوں ہو گئی تھی کہ اس کا کوئی سردار نہ تھا۔ طراغائی جو ایک زمانے میں اس کا سردار ہوا کرتا تھا۔ نہایت نرم دل انسان تھا اس لئے

جس رنگ میں اسلام اس کے سامنے پیش کیا گیا اس کا اثر طراغائی پر یہ ہوا کہ اس نے عزلت نشینی اختیار کر لی طراغائی تیمور کا باپ تھا۔ جس سے اس نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی، بیرون شہر کا قصر سپید خالی پڑا تھا پہلے اس میں طراغائی رہا کرتا تھا۔

اس نے ایک دفعہ تیمور سے کہا تھا "یہ دنیا اس سنہری پیالے کی مانند ہے جس میں سانپ اور بچھو بھرے ہوئے ہوں میں اب اس سے بیزار ہو چکا ہوں"

مگر اس نے اپنے آباؤ اجداد کی عظمت سے بے خبر نہ رہنے دیا وہ اسے ہر مناسب موقعے پر بزرگوں کی زریں کارناموں کے حالات سناتا اور شمالی خطے میں جو صحرائے گوبی کے اوپر تھا، ان کی جو وسیع مملکت تھی اس کا برابر ذکر کرتا رہتا۔ یہ داستانیں جو عہد بربریت کے عجب وغریب کارناموں کی داستانیں ہوتی تھیں طراغائی تارک الدنیا ہونے کے باوجود فخر یہ سناتا تھا۔

یہ ان شہسواروں کی داستانیں ہوتی تھیں جن کا فرش گھاس کے سبز قالے پر بچھے ہوئے نمدے کا ہوا کرتا تھا اور جن کے سروں پر سائے کے لئے دن کو آفتاب اور رات کو ماہتاب اور ستارے ہوتے تھے۔ ان ستاروں سے انہیں عشق تھا۔ انہیں کی طرح وہ خود بھی ہر وقت حرکت میں رہتے تھے۔ گرمیوں میں جوں جوں برف پگھلتی جاتی وہ اس کے تعاقب میں بلندیوں پر چڑھتے جاتے اور موسم سرما شروع ہونے پر جب وہ نیچے اترتے آتے تو برف کے انبار ان کے عقب میں نظر آتے۔ اس آمد و رفت میں کبھی ان کے گھوڑوں کے سموں سے برف کے گالے اڑ اڑ کر ایک سفید سفوف سا بکھرنے کا سماں دکھاتے اور کبھی ریت کے تودے ان کی مشق ناز سے پامال ہوتے۔ وہ جہاں جا نکلتے مالک کل بن جاتے۔ کبھی کاروانوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے، کبھی کسی کمزور مملکت کا گلا دبوچ لیتے۔ انہوں نے قرن دار علم کے سائے میں بارہا خطا کے محاصرے کئے۔ ان محاصروں کی داستانیں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں۔ اسی طرح اس شکار کا حال بھی کچھ کم دلچسپ نہ ہوتا تھا جو پانچ سو میل اور کئی مہینے تک جاری رہتا تھا۔

طراغائی دور بربریت کی قربانیوں کا ذکر بھی کیا کرتا تھا کہ کس طرح سردار قبیلہ کی قبر پر سفید گھوڑے چڑھاتے جاتے تھے اور کس طرح وہ گھوڑے آسمان کے اس دروازے سے جنت میں داخل ہو کر روحوں کو قرار و سکون بخشتے تھے جو دنیا کی شمالی بلندیوں کی سمت، قطب شمالی کے قریب واقع ہے۔

طراغائی خطا کی ان شہزادیوں کا بھی ذکر کیا کرتا تھا جو صحراء کے خوانین کو پیش کی جایا کرتی تھیں اور جو جہیز میں حریرو کتان اور ہاتھی دانت کی نقشین چیزیں لاتعداد اونٹوں پر لاد کر اور بے شمار گاڑیوں میں بھر کر ساتھ لایا کرتی تھیں۔ وہ ان جنگوں کے کامیاب اختتام اور ان ضیافتوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتا جن میں فاتح خان اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کے مرصع سنہری پیالوں میں گھوڑیوں کا دودھ پیا کرتے تھے۔

''بیٹا یہ تھے حالات'' طراغائی کہتا ''خان بزرگ چنگیز خان کی تسخیر عالم سے پہلے، پھر وہ مر گئے۔ تقدیر میں یونہی لکھا تھا چنانچہ یونہی ہوا۔ جب موت کا فرشتہ ان کی روح قبض کرنے آیا تو انہوں نے ساری دنیا کی چار سلطنتوں میں تقسیم کر کے اپنے بیٹوں میں اور اپنے بڑے بیٹے کے بیٹوں میں، جو اس کی زندگی میں مر گیا تھا، بانٹ دی۔ منجھلے بیٹے چغتائی کو اس خطے کی سلطنت بخشی تھی جس میں ہم آباد ہیں مگر چغتائی کی اولاد مے و مینا اور سیر و شکار کی دلدادہ ہو کر تباہ ہونے لگی اور پھر شمالی پہاڑوں کی جانب چلی گئی۔ وہاں خان'' ترا'' (11) ضیافتیں کھانے کھلانے اور شکار کھیلنے میں مصروف رہتا ہے اور سمرقند، نیز جملہ ماوراءالنہر کی حکومت امیر قزغن کے حوالے کر رکھی ہے، جسے بادشاہ گر کہتے ہیں باقی حالات سے تم واقف ہی ہو!''

''مگر بیٹا'' عموماً وہ اپنی بات ان الفاظ پر ختم کرتا ''میری خواہش ہے کہ تم خدا تعالی کے احکام حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر رہ کر درویشوں اور سیدوں کی دعائیں لیتے رہو اور ہمیشہ اسلام کے چہار ارکان: نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے پابند رہو۔''

طراغائی نے تیمور کو اپنی دنیا خود بنانے کی آزادی دے دی تھی۔مگر اس اثنا میں علماء و مشائخ کی توجہ مبذول ہو چکی تھی۔ایک دن ایک سفید ریش سید بزرگ نے تیمور کو مسجد کے ایک گوشے میں قرآن کے ایک پارے کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو قریب آ کر اس سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''تیمور!''

ان بزرگ نے جھک کر قرآن شریف میں وہ مقام (12) دیکھا جس کی وہ تلاوت کر رہا تھا، پھر کچھ سوچا اور کہا: ''بیٹا! جب تک تم اسلام کا تحفظ کرتے رہو گے خود بھی حفاظت خداوندی میں رہو گے۔''

تیمور پر ان بزرگ کی اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ کچھ عرصے تک چوگان اور شطرنج سے بھی تائب رہا۔کسی بزرگ یا درویش کو راستے میں کسی درخت کے نیچے بیٹھا دیکھتا تو گھوڑے سے اتر پڑتا اور اس سے اپنے لئے دعائے خیر کا طالب ہوتا۔اسے قرآن شریف پڑھنے میں دقت ہوتی تھی اس لئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نے اپنی توجہ پہلے ہی پارے پر مرکوز رکھی اور اسے حفظ بھی کر لیا۔

اس وقت اس کا سن سترہ سال کے لگ بھگ تھا۔مسجد کے صحن میں علمائے دین کے پاس بیٹھ کر ان کے مباحث سنتا اور خطبے کے دوران میں نمازیوں کی آخری صف میں نمازیوں کے جوتوں کے قریب بیٹھتا۔اس کا وقائع نگار لکھتا ہے کہ ایک روز مشائخ میں سے ایک بزرگ مولانا زین الدین نے اسے وہاں بیٹھے دیکھ لیا اور اپنے پاس بلا کر اپنی چادر، کلاہ اور انگوٹھی عطا کی اس انگوٹھی کا نگینہ فیروزے کا تھا۔مولانا زین الدین مردم شناس، دانشمند اور رہنما قسم کے مشائخ میں سے تھے تیمور کو شاید ان کا یہ عطیہ بھی تمام عمر یاد رہا ہو مگر ان کے دل میں اتر جانے والی نظریں اور بھاری آواز تو یقیناً یاد رہی ہو گی۔

ان دنوں جو شخص قبیلہ برلاس کا سردار مانا جاتا تھا وہ تیمور کا حقیقی چچا حاجی برلاس تھا۔مگر وہ شہر سبز میں شاذ و نادر ہی نظر آتا۔اسے تیمور سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی اور یوں بھی وہ

رعونت پسند، شکی اور مردہ دل آدمی تھا چنانچہ اس کے زمانے میں قبیلے کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو گئی اور اس کے اکثر امرا اور جنگجو بہادر امیر قزغن کے دربار میں چلے گئے تیمور کے باپ نے اسے بھی وہیں پہنچ جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ تیمور نے بھی اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے ادھر ہی کا رخ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سالی سرائے کا بادشاہ گر

ان دنوں تیمور ایک ایسا شریف زادہ تھا جو کوئی کام دھندا نہ کرتا ہو، مگر جہاں تک اس کے مزاج کا تعلق تھا اس میں بیکاری کو مطلق دخل نہ تھا وہ کشادہ سینے، مضبوط اعضا اور صحت مند بدن کا قوی ہیکل نوجوان تھا۔ اس کا سر بڑا تھا اور اسے یہ سر اونچا رکھنے کا انداز بھی آتا تھا۔ پیشانی کشادہ تھی اور آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں چنانچہ جب مخاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تو اسے مسحور کر لیتا۔ اس کی رگ رگ میں زندگی تھی جو اس کے حسان دہن اور کشادہ چہرے سے ظاہر ہوتی تھی بولتا کم تھا مگر جب بولتا تو اس کی بھاری آواز پر اثر ہوتی۔ بے مصرف باتوں اور ہنسی مذاق سے اسے چڑ تھی۔ تمام عمر کسی لطیفے کی داد نہ دی۔

اس کی زندگی کی ایک جھلک اس واقعے میں نظر آتی ہے کہ ایک دفعہ موسم سرما میں ہرن کے تعاقب میں اس حالت میں گھوڑا سرپٹ دوڑائے چلا جا رہا تھا کہ سب ساتھی پیچھے رہ گئے تھے اچانک ایک گہرا پاٹ دار نالا سامنے آ گیا۔ تیمور نے گھوڑا موڑنے کی کوشش کی مگر مڑنے کے لئے جگہ نہ تھی اس لئے مڑ نہ سکا اس نے مہمیزیں گھوڑے کے پہلو میں گاڑ کر اسے نالا پھاندنے پر مجبور کیا مگر نالا گھوڑے کی جست سے زیادہ چوڑا تھا چنانچہ اس کی پچھلی ٹانگیں ادھر ہی رہ گئیں اور وہ لڑکھڑا کر نالے میں گر پڑا۔ مگر اس کے سوار نے پلک جھپکتے میں اپنے پاؤں رکاب سے آزاد کئے اور کود کر نالا پار کر گیا، پیچھے ایک خالی گھوڑا ساتھیوں کے ساتھ آ رہا تھا، مڑ کر اسے پکڑا اور اس پر سوار ہو گیا اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا سب نے گھر کا رخ کیا مگر ایک تو رات اندھیری تھی، اوپر سے بارش شروع ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گئے سردی اتنی زیادہ تھی کہ دانت سے دانت بج رہا تھا اس حال میں چلتے چلتے چند سیاہ ٹیلوں کے پاس سے گزرے تیمور کے ساتھی کہنے لگے کہ یہ ٹیلے ریت کے تودے ہیں مگر تیمور کی رائے ان سے مختلف تھی اس نے گھوڑے کی راسیں چھوڑ کر اس کی ایال پکڑ لی اور تودوں کی جانب مڑ گیا۔ معاً روشنی نمودار ہوئی جس میں کالے

کالے نمدے کے خیمے نظر آئے اور پھر ان خیموں میں سے کچھ آدمی کتوں سمیت جھپٹ کر نکلے اور قریب تھا کہ نو وارد شکاری پر حملہ کر دیں اتنے میں تیمور پکار اٹھا ''خیموں کے لوگو! میں طرغائی کا بیٹا ہوں۔''

تیمور کی یہ بات سنتے ہی ادھر شمشیریں نیاموں میں ڈال لی گئیں دیگر ہتھیار بھی الگ رکھ دیئے گئے اور اس کی ضیافت کی تیاریاں کی جانے لگیں دیگیں چڑھا دی گئیں، بھیڑیں ذبح کی جانے لگیں اور جہاں جہاں فرش سوکھا تھا وہاں مہمانوں کے لئے توشکیں بچھا دی گئیں مگر ان میں پسو تھے، تیمور کو نیند نہ آئی، بستر سے نکل کر آگ پر اور لکڑیاں ڈلوا کر اس کے قریب جا بیٹھا اور قصے سنتے سنانے لگا، اسی میں صبح ہو گئی بارش تھم چکی تھی، تیمور اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے رخصت ہوا۔ سالہا سال بعد اس نے اس رات کی میزبانی کے صلے میں سیاہ خیموں والوں کو بیش بہا تحائف بطور انعام بھیجے۔

تاتاری بڑے زبردست جہاں گرد تھے۔ تیمور، سمرقند سے خراسان تک جہاں چاہتا جاتا اور جس جگہ چاہتا رک جاتا۔ وہ ہر خیمے اور ہر صحن میں ڈیرہ ڈال سکتا تھا اور ہر جگہ اس کی خاطر مدارات ہوتی تھی، اکثر اپنے چند ساتھیوں سمیت ہزاروں میل کا سفر ایک عشرے میں طے کر لیتا۔ پہاڑوں کی دشوار گزار پگڈنڈیاں، میلوں لمبے ریگزار اور سرسبز و شاداب وادیاں، سب اس کی جولانگاہ تھیں اس کا سامان بہت مختصر ہوتا تھا۔ صرف ایک تلوار اور ایک ہلکی شکاری کمان کون تھا جو اس سے باتیں کرنے میں خط محسوس نہ کرتا۔ کاروانوں کے عرب سردار بر لاس قبیلے کے سردار کے بیٹے سے باتیں کرنا باعث عزت سمجھتے تھے اور تو اور پہاڑی علاقوں کے جو باشندے دریا کے کنارے ریت نتھار کر سونا اکٹھا کیا کرتے تھے وہ بھی تیمور سے مل کر خوشی محسوس کرتے اور اسے اپنے خاندان کے واقعات اور گھوڑوں اور غیر قبیلوں کے حالات سناتے۔ تیمور کو قبائلی سرداروں سے شطرنج کھیلنے کا بھی شوق تھا اور وہ اکثر ان کے قلعوں میں بیٹھ کر گھنٹوں اس کھیل میں مشغول رہتا۔ انہیں سرداروں میں سے ایک نے ایک مرتبہ تیمور سے کہا ''سالی سرائے کے بادشاہ

گر نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔''

تیمور جانے کو تیار ہو گیا مگر ادھر روانہ ہونے سے پہلے اسے اپنی چیزوں کا بندوبست بھی تو کرنا تھا۔ بھیڑیں چرواہوں کے سپرد کیں، دودھ مکھن اور اون کا چوتھا حصہ دیکھ بھال کر اجرت مقرر کی اور اونٹوں گھوڑوں اور بکریوں کا بھی ایسا ہی انتظام کر دیا۔ تاریخوں میں اور کسی شے کا ذکر نہیں۔

پھر اس نے بہترین گھوڑوں کا ایک دستہ اور ایک خانہ زاد لڑکا عبداللہ ساتھ لیا اور جنوب کی طرف دریائے آمو کا رخ کیا۔ اتنا ہم سفر اتنی بے سروسامانی سے شاید ہی کسی شہزادے نے کیا ہو گا۔ نرم چمڑے کا گھٹنوں تک کا جوتا، نمدے کی سفید نوک دار ٹوپی، مہین اعلیٰ قسم کے چمڑے کی نیم آستین اور کمر میں بھاری چرمی پٹکا جس پر چاندی کا کام اور فیروزے ٹکے ہوئے تھے بھلا کون سا شہزادہ یا امیر زادہ ایسے لباس میں، اور یکہ و تنہا، اپنے بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا ہو گا۔ یوں بھی وہ دنیا میں تنہا ہی تھا۔ ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ باپ گوشہ نشینی اختیار کر چکا تھا۔ ہم قوم سردار موقع ملتے ہی دشمنی کرنے پر تلے ہوئے تھے یہ تیمور ہی کی ہمت تھی کہ اس نے ایسے حالات میں ایسے خود سر شہسواروں اور شمشیر آزماؤں کے گروہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا جو طاقت کے سوا اور کسی چیز سے نہ دبتے تھے۔

سالی سرائے کے بادشاہ گر امیر قزغن نے چھوٹتے ہی کہا ''خون اور نسل کا رشتہ مذہب پر مقدم ہے'' (13)

سالی سرائے میں اس کے جوہر پرکھنے والے لاتعداد لوگ موجود تھے۔ شہسوار کس پائے کا ہے؟ تلوار کیسی چلاتا ہے؟ چھوٹی موٹی جھڑپوں ہی میں ذرا سی چوک سے آدمی کا کام تمام ہو جاتا تھا۔ اسے دربار کے حلقوں میں اس لئے بھی اہمیت دی گئی کہ وہ طراغائی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ طراغائی برلاس قبیلے کا سردار رہ چکا تھا۔

اس وقت سالی سرائے میں کم از کم دو ہزار تاتاری سردار، سپہ گر اور جوانان قوم ایک جنگل میں خیمہ زن تھے مگر کسے پڑی تھی کہ تیمور کو کچھ سکھاتا۔ اسے سب کچھ اپنی ذہانت اور

محنت ہی سے سیکھنا سکھانا تھا۔ اور وہ یہ کام کرکے رہا۔

ایک دن ایک گھڑسوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور یہ خبر دی کہ سرحد پار سے حملہ آور آئے ہیں اور گھوڑے ہنکا کر لے جارہے ہیں۔ قزغن نے تیمور کو طلب کیا اور چند نوجوان ساتھ لے جاکر گھوڑے چھین لانے کی ہدایت کی تیمور اس وقت قزغن کے سرداروں کے پاس بیٹھا تھا، فوراً اٹھا اور روانہ ہوگیا۔ شہسواری، میلوں کا سفر، حملہ آوروں کا تعاقب اور حرب و ضرب۔۔۔۔ یہ کام تو اس کا من بھاتا مشغلہ تھا!

اس نے حملہ آوروں کو جالیا۔ مغربی علاقے کے ایرانی تھے، جنہوں نے لوٹ کا سامان چرائے ہوئے گھوڑوں پر لاد رکھا تھا۔ وہ تاتاریوں کو دیکھتے ہی دو ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ایک ٹکڑی لوٹ کے سامان اور گھوڑوں کے ساتھ رہ گئی، دوسری مقابلہ کرنے کے لئے بڑھی۔ تیمور کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ سامان والی ٹکڑی پر حملہ کیا جائے۔

''نہیں!'' اس نے سختی سے کہا: ''اگر ہم نے لڑنے والی ٹکڑنے کو مارلیا تو دوسری ٹکڑی کے ایرانی خود ہی بھاگ جائیں گے۔''

لٹیرے زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کرسکے۔ ان کو تلوار کے چند ہی وار کافی تھے، بہت جلد بکھر گئے اور راہ فرار اختیار کی۔ تیمور نے تمام گھوڑے اور لوٹ مار کا سامان اکٹھا کیا اور لا کر مالکوں کے حوالے کردیا۔ قزغن بہت خوش ہوا اور اس کو ایک ترکش بطور تحفہ پیش کیا۔

تیمور کی اس کارگزاری سے بادشاہ گر قزغن کی نظروں میں اس کی وقعت بڑھ گئی اور وہ اس پر مہربان ہوگیا۔

''تم خاندان گورگان کے ایک فرد ہو'' ایک دن قزغن نے تیمور سے کہا مگر ''ترا'' نہیں ہو۔ تمہاری پیدائش سے سالہا سال قبل تمہارے جدامجد قاجولی خان نے قبل خان سے جو خاندان چنگیزی کے جد اعلیٰ تھا (14) یہ عہد نامہ کے اتھا۔ کہ فوج کے سپہ سالار قاجولی خان کی اولاد میں سے ہوا کریں گے اور قبل خان کی اولاد حکومت کرے گی۔ یہ عہد نامہ ایک فولادی تختی پر کندہ کیا گیا تھا جو چنگیزی خوانین کے پاس محفوظ ہے۔ یہ بات تمہارے

والد نے مجھے بتائی ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔

پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا ”میرے لئے ایک ہی راستہ تھا۔ میں نے جنگ و جدل کر کے لوگوں کو مطیع کیا اور آج تک کبھی حرب و ضرب سے منہ نہیں موڑا ہے۔ اب میرے نام کا ڈنکا بجتا ہے اور لوگوں نے میری قیادت قبول کر رکھی ہے کیونکہ ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں“

یہ سب باتیں تیمور بھی جانتا تھا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ چنگیز کا منجھلا بیٹا چغتائی خان اس پورے خطے پر حکومت کر چکا ہے جس میں جنوب کی جانب افغانوں کا **ملک** اور تخت سلیمان کی پشت کا کوہستانی علاقہ بھی شامل ہے مگر گزشتہ سو سال کے عرصے میں چغتائی کی اولاد کی گرفت اپنی مملکت پر ڈھیلی پڑ گئی اور تاتاری صوبیدار یکے بعد دیگرے خودمختار ہو گئے۔ چغتائی خواتین نے شراب و شکار کو کافی سمجھا تھا اور شمال میں جا بسے تھے۔ اس کے بعد سے اب تک انہوں نے شہر سبز کا رخ لوٹ مار کے سوا اور کسی مقصد سے کبھی نہیں کیا تھا گو جب کبھی آتے تھے کہتے یہی تھے کہ بغاوت فرو کرنے آئے ہیں۔

قزغن کو ایک چغتائی خان (15) نے سمرقند کا حاکم مقرر کیا تھا۔ مگر **مسلسل** لوٹ مار بھی جاری رکھی اس سے تنگ آ کر قزغن نے بغاوت کر دی۔ جنگ نے طول کھینچا مگر خان کی موت کے بعد قزغن ولایت سمرقند نیز ان علاقوں کا واحد حکمران تسلیم کر لیا گیا جن میں برلاس قبیلے کے، نیز دیگر تاتاریوں کے صوبے بھی شامل تھے اس نے چنگیزی قانون نافذ کرنے کی غرض سے ان سب سرداروں کو جمع کیا جو اس کی اطاعت قبول کرنے کے خواہاں تھے اور اس اجتماع میں خاندان چنگیز کے ایک شہزادے (16) کو جانشین نامزد کیا گیا مگر اسے اپنے قابو میں رکھ کر اس کے نام سے خود حکومت کرنے لگا۔ یہ تھی امیر قزغن کے بادشاہ گر کہلانے کی وجہ۔

تیمور کی طرح وہ بھی ”ترا“ نہیں تھا۔ مگر خوددار، عادل اور منصف مزاج انسان تھا۔ اس نے مختلف قبائل سے عہدنامے کر کے ان سے اتحاد کر لیا تھا اور سرکش تاتاریوں سے

بھی، جو کبھی چین سے نہ بیٹھتے تھے، اپنا لوہا منوالیا تھا۔ اس کی ایک آنکھ تیر سے گھائل ہو چکی تھی خان کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد وہ عام طور پر سیر وشکار میں مشغول رہا اور ضرورت پڑ جانے کے سوا کبھی لڑائی بھڑائی پر آمادہ نہ ہوا۔ اسے تاتاریوں کی طرف سے اک گونہ تشویش رہتی اور ان کے مطیع ہو جانے کا بھی یقین نہ تھا، تیمور کی جسارت اور معاملہ فہمی دیکھ کر اسے امید بندھی کی شاید اس کی مدد سے تاتاریوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا لے۔

بادشاہ گر کے دربار کے امراء غرض کے بندے تھے وہ اس کی طرف سے تخت پر بٹھائے ہوئے نام نہاد والی سمرقند کے برائے نام باج گزار تو تھے مگر چونکہ انہوں نے بھی بغاوت میں حصہ لیا تھا اسلئے خود کو قزغن سے کمتر ماننے کو تیار نہ تھے اور ان میں سے بعض تو ایسے بھی تھے جو دس ہزار جانباز اپنے جھنڈے تلے جمع کر سکتے تھے یہ قزغن کی غیر معمولی فراست ہی تھی جس کی وجہ سے اتنے طاقتور اور خود غرض سردار اس کی قیادت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

قزغن نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ تیمور نے ''بہادروں'' کا دل موہ لیا ہے یہ لقب ان جانبازوں کو دیا گیا تھا جو مختلف قبیلوں کے چنے ہوئے خونخوار اور دیوہیکل افراد تھے، بے جگری سے لڑنے میں مشہور تھے اور ایام امن میں بھی اپنے آپ کو باقی شہسواروں اور شمشیر زنوں سے علیحدہ ہی رکھتے تھے ان کے متعلق مشہور تھا کہ جنگ میں اس طرح کودتے ہیں جیسے کوئی فیاضت کھانے جا رہے ہیں۔ طراغائی کے بیٹے کو ان کی صفوں میں اس طرح جگہ مل گئی جیسے وہ سالہا سال سے ان میں شامل چلا آ رہا ہے۔ وہ ہر محاربے میں ان کے ساتھ رہتا اور قزغن کے حاشیہ نشین واپسی پر قزغن کو اس کی جانبازی اور جوانمردی کی داستانیں سناتے۔

بہت جلد لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ تیمور کو خطرے میں کود پڑنے کا ازبس اشتیاق رہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ قابل ذکر صفت اس میں یہ ہے کہ کتنے ہی گھمسان کا رن کیوں

نہ پڑ رہا ہو یا حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں مگر یہ ذرا بھی نہیں گھبراتا بلکہ تلواروں کے سائے میں بھی کچھ سوچتا ہی رہتا ہے" بہادر" اکثر کہا کرتے تھے کہ" تیمور ایک معرکہ آرا شخصیت کا مالک ہے" اس کی جسمانی قوت اور شہزوری کا یہ عالم تھا کہ لمبے سے لمبا سفر ار مشکل سے مشکل معرکہ اس کو نڈھال نہ کر سکتا تھا اس نے بڑی بڑی طویل مسافتیں گھوڑے کی پیٹھ پر ہنستے کھیلتے طے کیں اور کئی کئی راتیں جاگ جاگ کر کاٹنے کے باوجود تازہ دم رہا اسے قدرت نے قیادت کی خصوصیتیں وافر مقدار میں عطا کی تھیں اور وہ قیادت قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار بھی رہتا تھا اسے اپنے اوپر بھروسا اور اپنی طاقت پر ناز تھا چنانچہ ایک دن اس نے قزغن سے بکھرے ہوئے برلاس قبیلے سنبھالنے کی قیادت کی اجازت چاہی۔

قزغن نے قدرے ناپسندیدگی کے لہجے میں کہا" ابھی کیا جلدی ہے ایک نہ ایک دن تم ہی ان کے سردار بنو گے!"

پھر کچھ عرصے بعد قزغن کو تیمور کی شادی کر دینے کا خیال پیدا ہوا تو اس نے اپنی ایک پوتی سے، جو ایک اور برسر اقتدار قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی، تیمور کی نسبت کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

خاتون آغا

تاریخ میں لکھا ہے کہ تیمور کی دلہن حسن میں یکتائے زمانہ تھی، سروقد، سیمیں بدن صورت وشکل میں چندرے آفتاب ماہتاب گمان غالب ہے کہ شادی کے وقت اس کا سن پندرہ کا تھا کیونکہ سننے میں آیا ہے کہ شادی سے پہلے کے ساتھ شکار کو جایا کرتی تھی۔ اس کا نام الجائی تھا۔شادی کے بعد الجائی خاتون آغا رکھا گیا، یعنی آقا کی بیوی الجائی۔

ان دنوں حسن تاتار پر نقاب کی پابندی نہ تھی اور وہ حرم کی چاردیواری میں قید بھی نہ رہتا تھا۔ شکار، سیاحت، سفر، حضر، جنگ، امن، حج، زیارت سب میں تاتاری عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں، یہی نہیں فاتح قوم کی یہ بیٹیاں فتوحات اور حرب وضرب میں بھی حصہ دار ہوتی تھیں اور فتوحات سے ان کا سر افتخار بھی مردوں جتنا ہی بلند ہوتا تھا۔ کھلی فضا، صحت مند ماحول اور آزاد طبیعت، ان سب سے ان کے حسن کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ جوان عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ ساتھ پھرتی تھیں اور گھر اور گھر کے تمام اثاثے کی نگہداشت بڑی بوڑھیاں کرتی تھیں۔ دودھ دوہنے سے لے کر چمڑے کے موزے سینے تک سب کام کاج ان کے ذمے ہوا کرتے تھے۔

تیموری عہد کی تاتاری عورتیں جائیداد کی مالک بھی ہوتی تھیں۔ان کو جہیز مہر میں جو کچھ ملتا تھا وہ ان کی ذاتی املاک سمجھا جاتا تھا امراء اور بڑے بڑے سرداروں کی بیویوں کا محلات میں اپنا علیحدہ نظام ہوتا تھا، جن کے بعض حصے ان کے لئے مخصوص ہوتے اور سفر کے دوران میں منزل پر پہنچ کر ان کے خیمے علیحدہ نصب کیے جاتے جن میں انہیں کا حکم چلتا۔

اس زمانے میں یورپ میں عورتیں اپنا وقت کشیدہ کاری اور قالین بافی ہی میں گزارا کرتی تھیں مگر تاتاری خواتین شہسواروں اور جنگ آزماؤں کے دوش بدوش مہمات میں شریک ہوتی تھی ان کا کام سپاہی بچوں کی پرورش کرنا بھی تھا مگر اس کے علاوہ وہ قبیلے اور خاندان کی ہر محفل اور جشن میں بھی ہوتی تھیں اسی لئے تو جب دشمن فتح پاتے تو ان کے

مردوں کی طرح انہیں بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا۔

شہزادی الجائی خاتون اپنے میکے سے، جو شمالی علاقے میں تھا، چند رشتہ داروں اور غلاموں کے ساتھ اپنے دادا قزغن کے پاس سمرقند آئی تو یہاں اس نے اپنے ہونے والے شوہر کو پہلی بار دیکھا۔ ایک دبلا سا نوجوان تھا جس کے چہرے پر ایک چھوٹی سی ڈاڑھی بھی تھی تیمور اسی دن ایک مہم پر سے اپنے رفیقوں سمیت لوٹا تھا۔

الجائی خاتون کو انجم شناس بتا چکے تھے کہ تمہاری قسمت تمہارے ماتھے پر لکھی ہوئی ہے اور تم اسے بدل نہیں سکتیں۔

امیر قزغن اور اس کے درباریوں کے لئے تو یہ شادی محض ایک عظیم الشان ضیافت کا موقع تھا مگر قبیلہ جلایر کے طاقتور سردار کی بیٹی الجائی کے لئے یہ دن اس کے سہاگ کی زندگی کا پہلا دن تھا نکاح کے وقت وہ حسب رواج محفل میں موجود نہیں تھی نکاح کا خطبہ پڑھا گیا، دولہا اور دلہن کے نام با آواز بلند پکارے گئے۔ دولہا نے ایجاب وقبول کے فقرے دہرائے اور پھر نکاح نامے پر معتبر گواہوں کے دستخط ہوئے۔ الجائی کو اس وقت عورتوں کے خیمے میں دلہن بنایا جا رہا تھا اسے پہلے عرق گلاب میں نہلایا گیا پھر اس کے لمبے لمبے بال روغن کنجد سے دھونے کے بعد گرم گرم دودھ سے مل مل کر دھوئے گئے یہاں تک کہ ان میں ریشم کی سی نرمی آ گئی اب اس کے مرمریں بدن اور دراز بالوں کو خشک کیا گیا پھر اسے زردوزی کا سرخ عروسی جوڑا اور اس کے اوپر سنہری روپہلی کام کا جبہ زیب تن کیا گیا۔

اس وقت اس کے ریشم جیسے بال شانوں پر بکھر کر اسکے حسن کو دوبالا کر رہے تھے۔ کانوں میں آویزے تھے گلے میں زمرد کا گلوبند تھا اور سر پر طلائی ٹوپی، جس میں ریشمی پھولوں کا طرہ بھی لٹک رہا تھا۔

جب اس سج دھج سے الجائی محفل میں آئی تو سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں محفل میں اس کی آمد اس بات کی دلیل تھی کہ اس نے تیمور کی رفیقہ حیات بننے پر آمادگی ظاہر کر

دی ہے۔تھوڑی دیر محفل میں بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور زنانے خیمے میں چلی گئی، پھر دوبارہ آئی تو اب کے دوسرا جوڑا پہنے ہوئے تھی چہرے پر چاول کا آٹا اور غازہ ملا ہوا تھا جس سے اس کا گندمی مکھڑا گورا گورا نکل آیا تھا۔اور بھنوؤں کے درمیان کسی درخت کے پتوں کے عرق سے ایک سیاہی مائل نیلا خط کھنچا ہوا تھا جس سے پیشانی کی آب وتاب دوبالا ہوگئی تھی۔

مہمان شراب کے خم پر خم انڈھا رہے تھے الجائی خاموشی، سنجیدہ کچھ شرماتی، کچھ گھبراتی، ان کی صفوں میں سے گزری۔امیر قزغن مٹھیاں بھر بھر کر موتی دلہن پر نچھاور کر رہا تھا۔معاً اس نے حکم دیا کہ نقاروں پر ضرب لگائی جائے۔جشن ہو یا جنگ، تاتاریوں کے ہاں نقارے ضرور بجائے جاتے تھے۔

مولانا زین الدین نے بلند آواز سے کہا ''اس جوڑے پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو!''

جواب میں سب نے آمین کہی

اب تحفے بٹنے لگے قزغن نے حاضرین میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبے کے مطابق خلعت، تلواریں، خنجر اور بیسیوں دوسری نفیس چیزیں دیں وہ ایک قدیم تاتاری خاندان سے تھا اور تاتاری ایسے موقعوں پر کنجوسی نہیں دکھاتے۔

جشن جاری رہا۔۔۔۔مہمان قالینوں پر، اور خیموں کے باہر ہری ہری گھاس پر، دراز ہو کر مئے ناب کی تندی کا لطف اٹھا رہے تھے۔داستان گوؤں نے چھتارے پر تاتاریوں کی محبوب داستانیں چھیڑ دیں۔چھتارے کی دھیمی دھیمی جھن جھن تن تن اور داستان گوؤں کی پاٹ دار آواز، سماں بندھ گیا، اور بار ہا سنی ہوئی داستانوں کے مناظر شراب کے خمار میں حقیقت کا رنگ بھرنے لگے۔داستان گو الفاظ اور آواز کے اتار چڑھاؤ ہی سے نہیں ہاتھوں کی حرکتوں، سر کی جنبشوں اور چشم و ابرو کے اشاروں سے بھی داستانوں کو دلکش اور پرکشش بنا رہے تھے اگر کسی داستان گو کی ان حرکات میں کمی آجاتی یا وہ کوئی چبھتا ہوا فقرہ بھول جاتا تو سامعین ناک بھوں چڑھاتے اور پہلو بدلنے لگتے۔

کیونکہ یہ داستانیں جتنی داستان گووں کو یاد تھیں اتنی ہی سننے والے کو بھی آتی تھیں۔ داستان گو وقفے وقفے سے شراب کے بڑے بڑے گھونٹ بڑی بیتابی سے حلق کے نیچے اتارنے اور آداب محفل نبھانے کے خیال سے چٹخارے بھی لیتے جاتے تاکہ میزبانوں کو ان کی جانب سے یہ بدگمانی نہ ہو کہ پوری طرح خوش نہیں ہیں۔

شام ہوئی تو غلام قندیلیں اور مشعلیں لئے حاضر ہو گئے۔ درختوں کے نیچے اور دریا کے کنارے دردور تک قندیلیں روشن کر دی گئیں۔ سینیوں میں رکھ کر ماحضر پیش کیا گیا۔ بھیڑ کے بچے سالم بھنے ہوئے اور گھوڑوں کے پٹھوں کے کباب، جن سے بھاپیں اٹھ رہی تھیں، اور شہد چپڑی ہوئی جو کی موٹی موٹی روٹیاں، مہمانوں نے ان چیزوں کی خوب تعریفیں کیں اور سب کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

الجائی ایک بار پھر آئی اور خراماں خراماں چل کر مہمانوں کے درمیان سے گزر گئی مگر اب اسے پلٹ کر نہیں آنا تھا۔ تیمور اپنا عربی النسل سفید گھوڑا قالین کے فرش تک لایا جس کی زین کی ریشمی اور اونی جھالریں قالینوں کے منہ چومتی معلوم ہوتی تھیں، اس نے الجائی کو اٹھا کر اپنے آگے بٹھالیا اور عروسی خیمے میں لے گیا۔

وہاں بھی کچھ مہمان جمع تھے، ان کے علاوہ الجائی کے میکے کی عورتیں بھی تھیں۔ انہیں دلہن کو عروسی جوڑا اتارنے میں مدد دینی تھی اور الجائی کے جہیز کے سامان کے صندوق بھی انہیں کی تحویل میں تھے۔ جب انہوں نے اس کا جبہ بھی اتار دیا اور محض کھلی آستینوں کی عبا اور اس کے تا بہ کمر بال ہی اس کی ستر پوشی کرتے رہ گئے تو الجائی حیا سے لرز اٹھی مگر ان دیکھی بھالی عورتوں کے مسکرا دینے سے اس کی خود اعتمادی عود کر آئی۔

جب تیمور دبے پاؤں خیمے کے اندر داخل ہوا تو ان عورتوں نے اسے ادب سے سلام کیا اور باہر نکل گیا تیمور کے ساتھی بھی خاتون آغا کی خدمت میں آداب بجا لا کر جا چکے تھے۔

اس رات الجائی اپنے شوہر کے پہلو میں لیٹی ہوئی دریا کے بہتے ہوئے پانی کے دھیمے

نغمے اور انسانی آوازوں کے شور میں ملی ہوئی طبل جنگ کی آواز بھی سنتی رہی ۔ تیمور کے سرمایہ زندگی میں الجائی پہلی دولت بن کر شامل ہوئی وہ زیادہ عرصے زندہ نہ رہی مگر جب تک رہی تیمور نے کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

بیس سے چوبیس سال کی عمر تک تیمور کے لئے زندگی نہایت پر لطف رہی اس نے قصر سپید کے ایک حصے میں الجائی کے لئے اپنی پسند کا گھر بنایا اور اسے ان قالینوں، پردوں اور نقرئی ظروف سے آراستہ کیا جو لڑائیوں میں ہاتھ آئے تھے اس کے باپ نے اپنے تمام مویشی اور چراگاہیں پہلے ہی اسے دے دی تھیں گھر، فرحاں و خنداں رفیقہ حیات اور فارغ البالی، یہی چیزیں زندگی کو پر لطف بناتی ہیں۔

امیر قزغن نے اسے مینک باشی ۔۔۔۔ ایک ہزار سواروں کا کماندار یعنی ایک رجمنٹ کا کرنیل مقرر کیا۔ تیمور اپنے ان ایک ہزار جانبازوں میں خوش رہتا، ان کی خوراک اور طعام کا خیال رکھتا، جب کھانے بیٹھتا ان میں سے دو چار کو ضرور ساتھ کھلاتا، اور ان کے ناموں کی فہرست ہر وقت کمر کی پیٹی میں محفوظ رکھتا۔ قزغن مردم شناس حکمراں تھا اس نے تاڑ لیا کہ تیمور ایک جوہر قابل ہے اور اسے اور اس کے ایک ہزار جانبازوں کو اپنی فوج کا مقدمۃ الجیش بننے کی اجازت دے دی۔

بارہا ایسا ہوتا کہ تیمور سمرقند لوٹتے وقت اپنے دستے سے آگے نکل کر ایک دن پہلے گھر پہنچ جاتا۔ کچھ تو الجائی کی محبت کھینچ لاتی، کچھ پیچھے آنے والے سپاہیوں اور سرداروں کے لئے ایک پر تکلف ضیافت کا انتظام کرنے کے لئے ان سے پہلے پہنچتا۔ اس شہر سبز کے باغوں میں دعوتیں دینا بہت پسند تھا۔

جب الجائی کے ہاں پہلا بچہ ہوا تو بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ تیمور نے ایک شاندار دعوت کی اور اس میں امیر قزغن کے تمام امرائے دربار کو مدعو کیا اور سب تو آ گئے، دو آدمی شریک نہ ہوئے ایک اس کا چچا حاجی برلاس، دوسرا اس کی بیوی کے قبیلے کا سردار بایزید جلائیر۔ یہ دعوت اس قدر پر تکلف تھی کہ ہر مہمان تعریفیں کر رہا تھا اور سب کی زبان پر یہی

فقرہ تھا کہ کیوں نہ ہو آخر کو تیمور گورگان اعظم کی اولاد ہے۔

اور تو اور کوہستان کے قبائلیوں نے بھی شہر سبز کے سردار اس کی دلہن کی دریا دلی کے گیت جوڑے اور وہ انہیں گاتے پھرے۔

تیمور کی مدد سے، اور اس کی دلاوری کے بل پر، قزغن نے مغربی صحرا اور جنوبی وادیوں میں نئی فتوحات حاصل کیں اور ہرات کا والی (17) قید کر ایک سالی سرائے لایا گیا تیمور کی بے لوث وفاداری سے قزغن نے بہت سے فائدے اٹھائے اور یہ دونوں مل کر ابھی اور بھی فتوحات کرتے مگر قزغن اور اس کے امراء دربار کے مابین ایک نزاع سے ایک نئی مصیبت کھڑی ہوگئی جس کے نتیجے میں قزغن جان سے مارا گیا۔

جب والی ہرات قید ہو کر آیا تو امراء نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ قیدی کو قتل کر کے اس کا مال ومتاع ان میں تقسیم کیا جائے۔ قزغن اسے امان دے چکا تھا مگر قید کی امارت معروف تھی اور وہ پرانا دشمن بھی تھا اس لئے امراء اسے امان دینے پر رضامند نہ تھے۔ جب قزغن نے دیکھا کہ وہ کسی صورت نہیں مانتے تو اس نے والی ہرات کو خفیہ طور پر ان کے ارادوں سے آگاہ کر کے رہا کر دیا۔ اس وقت قزغن اور امراء جنوب میں شکار کھیل رہے تھے۔ یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا مگر وقائع نگار نے لکھا ہے کہ تیمور والی ہرات کو بحفاظت ہرات تک پہنچانے پر مامور کیا گیا تھا۔ بہر کیف جب قزغن کو قتل کیا گیا اس وقت وہ وہاں موجود نہ تھا دریائے آمو کے جنوب میں شکار کے دوران میں دو امراء نے قزغن پر قاتلانہ حملہ کیا اور تیروں سے اتنا گھائل کر دیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔

تیمور کو جوں ہی اس سانحے کی خبر ملی وہ فوراً موقع پر پہنچا اور لاش کو سالی سرائے لا کر دفن کیا تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر اس نے اپنا گھوڑا ایک بار پھر دریا میں ڈالا اور ان سرداروں کی کمک کو پہنچا جو قاتلوں کے تعاقب میں روانہ ہو چکے تھے وہ چاہتا تو پہلے اپنی جائیداد اور مال ومتاع کی حفاظت کا انتظام کرتا مگر تاتاریوں کی ایک اہم ترین روایت کے مطابق قزغن کے قاتلوں کو ہلاک کرنا مقدم تھا۔ وہ روایت یہ تھی کہ ''مرد وہ ہے جو اپنے

ہم قوم کے قاتل کے ساتھ آسمان تلے نہ سوئے'' قزغن کے دونوں قاتل زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکے تیمور اور اس کے ساتھیوں نے ان کے تعاقب میں دن رات ایک کر دیئے قاتل گھاٹیوں، وادیوں، پہاڑوں، ندیوں اور دریاؤں کو عبور کرتے، ہر گاؤں سے تازہ دم گھوڑے لے کر بھاگتے چلے گئے پھر بھی تعاقب کرنے والوں کی سرعت رفتار کا مقابلہ نہ کر سکے اور بالآخر کوہستان کی بالائی ڈھلانوں پر گھیرے میں آ گئے تلواریں بس صرف چند لمحے چمکیں، پھر دو سر بریدہ لاشے تڑپے اور ٹھنڈے ہو گئے تیمور نے اس فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوتے ہی شہر سبز کا رخ کیا مگر اب وہاں حالات کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔

وسطی ایشیا میں یہ دستور تھا کہ کسی بادشاہ کی موت کے بعد اس کے بیٹے کا وارث تخت و تاج ہونا اسی صورت میں ممکن ہوتا جب مملکت میں امن امان ہوتا اور امراء میں سے کسی ایک کو اوروں پر سبقت نہ ہوتی پھر ایک اور بات یہ بھی تھی کہ بادشاہ کا بیٹا خود بھی اس قابل ہو کہ عنان حکومت کسی اور کے ہاتھ میں نہ جانے دے ورنہ ہر سردار اور ہر امیر آقا کی مسند حکومت کا دعویدار بن جاتا اور پھر فیصلہ شمشیر ہی سے ہوتا۔ ایسے حالات میں طوائف الملوکی سے بچنے کی تنہا صورت یہ ہوتی تھی کہ جنگ آزمودہ سرداروں کی ایک مجلس نیا بادشاہ منتخب کر لے اور سب سردار اس کی وفاداری کا حلف اٹھا لیں وگرنہ تاج و تخت کے لئے جنگ شروع ہو جاتی تھی تاتاریوں میں یہ مثل مشہور تھی کہ ''وہی ہاتھ عنان حکومت سنبھال سکتے ہیں جو تلوار پکڑنی جانتے ہوں۔''

قزغن کے بیٹے (18) نے باپ کی وراثت اور سمرقند کی حکومت سنبھالنے کی کوشش تو کی مگر یہ گراں بار ذمہ داری اسے اپنے بس کی نظر نہ آئی چنانچہ جاہ و حشمت پر زندگی کو ترجیح دی اور سمرقند سے بھاگ کھڑا ہوا اس کے جاتے ہی حاجی برلاس اور قبیلہ جلایر کا سردار بایزید دونوں تاتاریوں کی قیادت کے دعویدار بن گئے۔

باقی سردار اور امیروں نے سمجھ لیا کہ اب جنگ ہو گی چنانچہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں پہنچ کر جانبازوں کو اپنے اپنے علم کے تلے جمع کرنے لگے تا کہ اپنے علاقے کی حفاظت

اور اوروں کے علاقوں کو تاراج کرسکیں تاتاریوں میں قدیم سے یہ کمزوری تھی کہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے پر غلبے کے لئے کشمکش کرتا رہتا تھا اگر کوئی ایک سردار اس قابل ہوتا کہ بزور شمشیر امن قائم کرسکتا تو سب بہ اتفاق اسے حاکم مان لیتے وگرنہ یہ کشمکش جاری رہتی قزغن اپنا جانشین مقرر کئے بغیر اچانک قتل ہو گیا تھا اور اس کے جانشین میں اس جیسا کس بل نہ تھا دیگر دعویدار حاجی برلاس اور بایزید بھی اتنے قوی نہ تھے کہ تاتاریوں جیسے سرکش انسانوں کو قابو میں رکھ سکتے۔

ادھر یہ آفت برپا تھی ادھر تیمور کے باپ طراغائی نے اپنے گوشتہ عزلت میں داعی اجل کو لبیک کہی۔ قبیلہ برلاس کے بیشتر افراد حاجی برلاس کے ساتھ سمرقند پہنچے ہوئے تھے چنانچہ شہر سبز میں تیمور کے پاس صرف چند سو سوار رہ گئے تھے۔

بلادشال کا خان اعظم (19) پہلے تو کہسار کی بلندیوں پر سے یہ حالات خاموشی سے دیکھتا رہا پھر جب اس نے حقیقت حال کا اچھی طرح اندازہ کرلیا تو حرکت میں آیا اور فوراً پہاڑوں سے اتر کر سمرقند کا رخ کیا اسے ایک نسل پہلے کی بغاوت یاد تھی اس کے دل میں غصہ تھا چنانچہ تاتاریوں پر اس طرح جھپٹا جیسے ٹڈی کے دل بادل کھڑی فصل پر ٹوٹ کر گرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

تیمور کا حسن تدبر

خان اعظم کی اس چڑھائی سے سب امیروں (20) کو یکساں خطرہ تھا مگر سر جوڑ کر بیٹھنے اور خطرے کے مقابلے کی تدبیریں سوچنے کی بجائے سب اپنی اپنی ریاستوں میں قلعہ بند ہو گئے بلکہ بایزید جلایر، جس کا شہر نجند خان اعظم کی راہ میں پڑتا تھا، اس نے فوراً نجند پہنچ کر خان اعظم کی خدمت میں بیش قیمت تحائف پیش کر کے اطاعت بھی قبول کر لی۔

حاجی برلاس پہلے تو جوش میں آ کر بہت کچھ کر گزرا تھا طراغائی کے مرتے ہی شہر سبز اور قرشی وغیرہ سے لوگوں کو بلا بھیجا تھا اور اپنی سرداری کا اعلان بھی کر دیا تھا۔۔۔مگر مغلوں کے مقابلہ پر نہ آیا اور تیمور کو کہلا بھیجا کہ میں نے پوری قوم کو لے کر جنوب میں ہرات چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

تیمور شہر سبز کو یوں بے یارو مددگار چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا۔اس نے چچا کو یہ جواب دیا کہ آپ جہاں چاہیں جائیں میں تو سیدھا خان اعظم کے پاس جاؤں گا۔وہ جانتا تھا کہ سرحد کے مغل، جو جتہ مغل کہلاتے ہیں، اپنے سردار خان اعظم کی سرکردگی میں اپنا پرانا حق تسلیم کرانے آ رہے ہیں۔اور یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ خان اعظم سمرقند کے زرخیز علاقے پر قبضہ کرنے اور اپنی حکومت منوانے کے علاوہ لوٹ مار بھی کرے گا تیمور نے الجائی اور ننھے جہانگیر کو الجائی کے میکے بھیج دیا الجائی کا بھائی (21) کابل سے شمال کی جانب کوچ کر چکا تھا تیمور چاہتا تو اسے بھی کابل میں پناہ مل سکتی تھی مگر اس طرح پناہ لینا اس کی افتاد طبع کے خلاف تھا ادھر اس کے پاس صرف چند سو سوار تھے ان سے جتہ مغلوں کے بارہ ہزار جانبازوں کا مقابلہ کرنا بھی دانشمندی کے خلاف تھا ہر چند اس کا باپ اور امیر قزغن دونوں اس سے یہی کہتے رہے تھے کہ کسی صورت بلاد شمال کے خان اعظم کی اطاعت قبول نہ کرنا کیونکہ وہ تمام تاتاری سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار کر رہے گا مگر اس کا کیا علاج تھا کہ خان اعظم بہت زیادہ طاقتور تھا اور پھر مغل تیمور کے آباؤ اجداد کے

تسلیم شدہ حکمران بھی تھے۔

ان حالات میں تیمور کر ہی کیا سکتا تھا وقائع نگار وہ بلاؤں کے نرغے میں آ گیا تھا (22) شہر سبز میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا اور شہر خالی ہونا شروع ہو گیا لوگ اپنے بیوی بچوں اور بہترین گھوڑوں سمیت سمرقند کی سڑک پر بھاگے چلے جا رہے تھے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنا مال و اسباب چھوڑ کر جانا نہ چاہتے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ تیمور کو ذرا بھی خوف و ہراس نہیں ہے تو اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے اطاعت گزاری کا یقین دلانے لگے۔انہیں یہ امید تھی کہ وہ انہیں اپنی حفاظت میں لے لے گا۔

مگر تیمور کا قول یہ تھا کہ جو لوگ اپنی ضرورت کے وقت دوست بنتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہوتے چنانچہ اس نے بیکار اور بے مصرف لوگوں سے کوئی سروکار نہ رکھا اگر وہ ایسے لوگوں کی بھیڑ اکٹھی کر لیتا تو خان اعظم کو حملے اور لوٹ مار کا بہترین بہانہ مل جاتا۔

اس نے خان کے حملے کی تیاریاں کرنے کے بجائے پہلے تو اپنے باپ کے شاہانہ اعزاز سے تجہیز و تکفین کی اور اسے شہر سبز میں علماء و مشائخ کے قبرستان میں دفن کیا پھر اپنے مرشد مولانا زین الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری رات ان سے مصروف گفتگو رہا ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں اس کا کسی کو علم نہیں، البتہ اس کے فوراً بعد تیمور نے تیز رفتار گھوڑے، چاندی کے نقشین ساز، ہر نوع کے زر و جواہر، غرض تمام قیمتی اشیاء اکٹھی کرنی شروع کر دیں ممکن ہے مولانا زین الدین نے وہ تمام دولت بھی اس کے حوالے کر دی ہو جو دینی امور سرانجام دینے کے لئے ان کے تصرف میں رہتی تھی بلاد شمالی کا خان اعظم اسلام کا پکا دشمن تھا اس لئے یقین تھا کہ اوقاف پر ضرور قبضہ کر لے گا۔

دفعتاً جتہ مغل آن پہنچے پہلے خان کے مقدمتہ الجیش کے قراول پہاڑی گھوڑوں پر سوار، لمبے لمبے چمکدار نیزے سنبھالے، لوٹ مار سے لدے ہوئے بارکش جانوروں کی باگیں تھامے، نمودار ہوئے۔ان کے بعد سواروں کے دستے آئے جو گندم کی پکی ہوئی فصلوں کو برباد کرتے اور اپنے گھوڑوں کو چراتے ہوئے آندھی کی طرح وادی پر چھا گئے۔قراول

(23) کا کماندار شہر سبز پہنچ کر سیدھا قصر سپید کی طرف بڑھا۔اس کا خیال تھا کہ طراغائی کا بیٹا مقابلے پر آئے گا مگر تیمور نے نہایت خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا اور اسے مہمان کی طرح ٹھہرایا۔پھر اس نے جتہ کماندار کے اعزاز میں ایک شاندار ضیافت کی، اور ایک شاندار جشن منا ڈالا لاتعداد جانور ذبح کیے اور خوب جی کھول کر روپیہ خرچ کیا۔جتہ سردار چکر میں پڑ گیا اسے یہ توقع نہ تھی کہ اسے مہمان کی حیثیت دی جائے گی کسی شہر میں فاتح بن کر داخل ہونا کچھ اور ہوتا ہے اور مہمان کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے وہ اپنے نوجوان میزبان کی دولت کے انباروں کو للچائی ہوئی نظروں سے تو دیکھ سکتا تھا مگر کر کچھ نہ سکتا تھا اور اس نے بیش قیمت تحائف کی فرمائش کی تو تیمور نے اس کی توقع سے زیادہ بیش بہا اشیاء بھی حاضر کر دیں۔

جب اس بن بلائے مہمان کی طمع کی آگ ٹھنڈے کر چکا تو تیمور نے خان اعظم کے دربار میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اس نے اپنے ساتھیوں کو درباری لباس پہنایا اور باقی ماندہ دولت ساتھ لے کر سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا۔سمرقند کے قریب اسے دو جتہ سردار اور ملے جو مقدمتہ الجیش کے ہمراہ تھے وہ دونوں بھی سیم و زر کے طالب ہوئے تیمور نے انہیں بھی ان کی خواہش سے زیادہ دے دیا۔

سمرقند سے گزرنے کے بعد وہ خان اعظم کے اردوئے معلی یعنی لشکر شاہی کی فرودگاہ کے قریب پہنچا وادی اونٹوں کی قطاروں، گھوڑوں کے دستوں اور سفید نمدے کے خیموں سے پٹی پڑی تھی ہوا کے جھونکوں سے علم لہرا رہے تھے اور کھاد کے ڈھیروں سے ذرے اڑا اڑا کر چاروں طرف پھیل رہے تھے خیموں کے اندر اور باہر سپاہی زرق برق لباس کی نمائش کرتے پھر رہے تھے وہ لمبے نیزے اور صحرائی کمان کے استعمال میں ماہر تھے اور جب ان ہتھیاروں سے لڑتے تھے تو قیامت برپا کر دیتے تھے۔

خان اعظم تغلق اپنے علم کے نیچے سفید نمدے کے فرش پر بیٹھا تھا چوڑا چکلا منگول چہرہ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن کی پتلیوں کو قرار نہ تھا اور چگی

ڈاڑھی وہ مزاج کا شکی، لوٹ مار میں طاق اور تلوار کا دھنی تھا اور جب لڑنے پر آجاتا تھا تو کسی طرح بس نہ کرتا تھا۔

تیمور جب نصف دائرے میں بیٹھے ہوئے امراء کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اترا تو دیکھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے انسانوں کے خط و خال تو اس کے آباؤ اجداد ہی کے سے ہیں وہ بڑے ادب سے کرناش (کورنش) بجا لایا اور کہا ''اے عالی نسب خان اعظم! اے اردوئے معلیٰ کے امیر! میں قبیلہ برلاس اور شہر سبز کا سردار تیمور ہوں''

خان پر اس کی اس بے باکی نیز فولادی کڑیوں اور نقرئی کام کی زرہ کا خاصا رعب پڑا۔

تیمور نے اپنے جس قبیلے کا سردار ہونے کا ذکر کیا تھا، اس کے اکثر افراد اسکے پاس سے بھاگ چکے تھے مگر موقع کی نزاکت کسر نفسی کی اجازت نہ دیتی تھی خان کے حضور میں اس نے جو تحائف پیش کئے وہ بھی بہت بیش بہا تھے جس سے ان صحرانشینوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ تیمور نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا ہے خان کو اس کی یہ ادا بھی پسند آئی۔

اب تیمور نے اور بھی بے باک ہو کر کہا ''خان اعظم! میں آپ کی خدمت میں اور بھی تحائف پیش کرتا اگر تین کتے، جو خود کو آپ کے امراء ظاہر کرتے ہیں، اپنی حرص کی آگ میرے زر و مال سے نہ بجھا چکے ہوئے۔''

یہ بات تیمور کو بر وقت سوجھی اور حق یہ ہے کہ خوب سوجھی۔

خان اعظم اس سوچ میں پڑ گیا کہ ان تین امیروں نے خبر نہیں کتنی دولت ہتھیا لی ہے اس نے فوراً ان کی طرف قاصد یہ حکم دے کر دوڑائے کہ جو کچھ تیمور سے لیا ہے وہ حاجی برلاس کو واپس کر دو! اگر وہ تیمور کو لوٹانے کا حکم دیتا تو اس سے لینے میں تامل کرنا پڑتا کیونکہ تیمور کے پاس اب کچھ نہ تھا مگر حاجی برلاس سے لینے میں کوئی قباحت نہ تھی۔

''وہ واقعی کتے ہیں'' خان اعظم تغلق تمور نے کہا ''مگر ہیں میرے ہی کتے چنانچہ واللہ ان کی حرص و طمع کا حال سن کر مجھے اسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے آنکھ میں پلکوں کا کوئی بال آگرا ہو یا جسم میں کہیں پھانس چبھ گئی ہو۔''

وسطی ایشیا کے یہ صحرانشین اپنے ارادوں کو نہایت خوبی سے پردہ راز میں رکھا کرتے تھے اور سیاسی چالوں میں بھی بڑے ماہر تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ جنگجو تھے مگر اتنے طویل عرصے سے جنگیں لڑتے چلے آ رہے تھے کہ اب ہر ممکن طریقے سے جنگ سے گریز کرتے اور اگر مقصد کسی چال سے پورا ہوتا نظر آتا تو شمشیر استعمال نہ کرتے تیمور نے تغلق تیمور کے دربار میں کئی دوست بنا لئے۔ سمرقند کے امیر اور سردار مغلوں کی آمد پر اس طرح منتشر ہو گئے تھے جس طرح باز کو دیکھ کر بٹیر ادھر ادھر چھپ جاتے ہیں، صرف تیمور نے سامنے آنے کی ہمت کی تھی جتہ مغلوں نے فیصلہ کیا کہ تیمور سے مصالحت کر کے اسی کے توسط سے حکومت کی جائے۔

مگر انہوں نے سر دست اس قسم کی کوئی کارروائی نہ کی کیونکہ اپنے جن سرداروں کو خان اعظم نے تیمور سے حاصل کئے ہوئے تحائف لوٹا دینے کا حکم دیا تھا وہ آپس میں مل گئے تھے انہوں نے شمالی علاقے کا رخ اس ارادے سے کیا کہ خان وطن سے غیر حاضر ہے کیوں نہ ہم وہاں پہنچ کر ایک نیا لشکر تیار کر کے بغاوت کر دیں چنانچہ راستے میں خوب لوٹ مار کی اور بلاد شمال کی سرحد تک جا پہنچے خان کو تشویش محسوس ہوئی اس نے تیمور سے مشورہ کیا تیمور اس معاملے پر پہلے بھی غور کر چکا تھا۔

''آپ اپنے ملک کو لوٹ جایئے!'' اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا وہاں آپ کو ایک ہی خطرے کا سامنا کرنا پڑے گا، یہاں رہنے سے دو دو خطرے پیدا ہو جائیں گے ایک آپ کے آگے، دوسرا عقب میں۔

تیمور کی یہ صلاح مان لی گئی خان اعظم اپنے وطن کو لوٹ گیا واپس جانے سے پہلے اس نے تیمور کو تومان باشی (دس ہزار فوج کے کماندار) کا منصب عطا کیا اور اپنی مہر دے کر ان علاقوں کا حکمران مقرر کر دیا۔ یہی منصب ایک زمانے میں مغلوں کی طرف سے اس کے آبا ؤ اجداد کو عطا ہوا تھا۔

یوں تیمور نے اپنی دادی کو تباہی اور لوٹ مار سے بچا لیا۔ اب اگر چہ سے خان کا حکم

نامہ مل گیا تھا مگر ابھی اس کے لئے اپنی قوم سے اپنا لوہا منوانے کا کام باقی تھا تاتاری امرائے حکمران تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ خان اعظم جا چکا تھا، بلا سر سے ٹل چکی تھی، تاتاری سردار پھر نمودار ہو گئے اور ایک خود ہی نہیں لوٹے ان کی خانگی رنجشیں، شورشیں اور چالبازیاں بھی لوٹ آئیں اور تین سال تک حالات کے عجیب عجیب نقشے بنتے اور بگڑتے رہے۔

حاجی برلاس اور بایزید جلایر متحد ہو گئے اور تیمور کے قتل کی سازش کی انہوں نے اسے اپنے خیمے میں اس غرض سے بلایا کہ اس کا کام تمام کر دیں مگر وہ ہتھیار بند سپاہیوں کے ہجوم اور گھٹی گھٹی فضا میں خطرہ محسوس کر کے نکسیر پھوٹنے کے بہانے اٹھ آیا اور وہاں سے نکلتے ہی اپنے ساتھیوں سمیت گھوڑوں کا رخ کیا جو تیار تھے، اور سب ان پر بیٹھ کر فوراً روانہ ہو گئے۔ بعد میں بایزید جلایر کو تو اس حرکت پر شرم بھی آئی اور اس نے تیمور سے معافی بھی مانگ لی مگر حاجی برلاس سنگدل آدمی تھا، اس نے جلد ہی شہر سبز پر چڑھائی کر دی۔

تیمور شہر اس کے حوالے کرنے کو تیار نہ ہوا کیونکہ خان اعظم کا حکم نامہ اس کے پاس تھا اور ہزاروں سپاہ بھی اس کے تحفظ کے لئے موجود تھی اس نے اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور چچا کے مقابلے کے لئے میدان میں اتر آیا۔ چچا بھتیجے کی فوجوں میں سمرقند کی سڑک پر معمولی سی ایک جھڑپ ہوئی مگر اچانک حاجی برلاس نے اپنا لشکر سمرقند کی جانب ہٹا لیا۔ تیمور فتح کے زعم میں اس کے تعاقب میں چلا مگر اگلے دن اس کے لشکر کے اکثر افراد نے اسے دھوکا دیا اور حاجی برلاس سے جا ملے جس نے انہیں یہ کہہ کر بہکا لیا تھا کہ قوم کے بیشتر افراد میرے ساتھ ہیں۔

اب تیمور کے لئے پیچھے ہٹنے کے سوا چارہ نہ تھا الجائی کا بھائی امیر حسین افغان قبائل کو ساتھ لے کر کابل سے شمال کی طرف بڑھ آیا تھا تیمور اس سے جا ملا۔ قبائل کی یہ جنگ (24) ایک عرصے تک جاری رہی اور اس وقت تک اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا جب تک خان

اعظم شمالی مہم سے فارغ ہو کر اس میں نہ کودا۔ جس طرح پرندوں کی ڈار میں پتھر گرے تو وہ تتر بتر ہو جاتے ہیں اسی طرح تغلق کی آمد سے تاتاری بکھر گئے۔

اس مرتبہ خان اعظم نے زیادہ سختی سے کام لیا وہ پورے علاقے کو زیر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا چنانچہ آتے ہی بایزید جلایر کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حاجی برلاس اپنے آدمیوں سمیت جنوب کی طرف بھاگا مگر راستے میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا۔ امیر حسین نے ہمت کر کے مغلوں کے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی تو بری طرح پٹا اور بمشکل جان بچا کر بھاگا۔

مگر خان اعظم کا وہاں مستقل قیام کا ارادہ نہ تھا اس نے اپنے بیٹے الیاس خواجہ خاں کو تاتاری ممالک کا حکمران بنایا، جتہ سپہ سالار بیک جک کو اس کی مدد کے لئے چھوڑا اور تیمور کو سمرقند کا مقامی سردار مقرر کیا مگر الیاس اور بیک جک کو اس کی مدد کے لئے چھوڑا اور تیمور کو سمرقند کا مقامی سردار مقرر کیا مگر الیاس اور بیک جک کے ماتحت کر دیا بادی النظر میں تو یہ بہت بڑا منصب تھا مگر تیمور کو یہ انتظام پسند نہ آیا اور اس نے اہل شمال کا محکوم بنائے جانے پر پر زور احتجاج کیا خان اعظم نے اسے خاندان کے دونوں بزرگوں کے عہدنامے کی طرف توجہ دلائی ''قبل خان کی اولاد حکومت کرے گی، قاجولی خان کا خاندان اس کے ماتحت رہے گا'' خاندان کے الفاظ یہ تھے کہ تمہارے جد امجد قاجولی خان اور میر بزرگ قبل خان کے درمیان یہی معاہدہ ہوا تھا تیمور بھی اپنے جد اعلیٰ کے عہدنامے پر عمل کرنا فرض سمجھتا تھا چنانچہ ناخوش ہونے کے باوجود یہ انتظام تسلیم کر لیا اور اپنے علاقے کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

مگر جتہ سپہ سالار کو حالات بہتر بنانے سے کوئی سروکار نہ تھا وہ غیر ملکی افواج کا کمانڈر تھا اور غیر ملکی افواج کے سردار ایسے کام نہیں کیا کرتے اس نے سمرقند میں لوٹ مار شروع کر دی۔ شہزادہ الیاس بھی لوٹ کے مال کے انبار دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سمرقند کی بہت سی نوعمر لڑکیاں تک غلام بنا کر بلاد شمال بھیج دی گئیں اور قابل احترام

سادات کو گرفتار کر لیا گیا۔ تیمور نے جب یہ سنا اور مولانا زین الدین نے بھی انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں شکایت کی تو اس نے بڑے غصے کے عالم میں خان کے پاس شکایت بھیجی مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تیمور نے اپنے آدمی اکٹھے کیے اور شمال کی جانب کوچ شروع کر دیا راستے میں جہاں کہیں غلام لڑکیاں ملیں انہیں رہا کرایا اور اگر ضرورت پڑی تو تلوار بھی استعمال کی خان کو تیمور کا یہ اقدام کیسے پسند آ سکتا تھا، خصوصاً جب اس سے یہ کہا گیا کہ تیمور نے بغاوت کر رکھی ہے۔ اس نے تیمور کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔

ادھر حالت یہ تھی کہ تیمور جس طرف دیکھتا بربادی کے سوا کچھ نظر نہ آتا لوٹ مار انتہا کو پہنچ چکی تھی خود اسے بھی قابل دار قرار دیا جا چکا تھا۔ اب وطن میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی اس نے سیاست پر لعنت بھیجی اور گھوڑے پر سوار ہو کر صحرا کا رخ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

صحرانورد

سرخ مٹی کا غیر آباد اور بے آب و گیاہ صحرا مغرب کی طرف دور تک پھیلا ہوا تھا اس کی زمین جس میں جا بجا درزیں اور شگاف اس طرح پڑ گئے تھے جیسے پک جانے کے بعد تڑک گئی ہے، دھوپ سے تپ کر پاؤں دھرنے کے قابل نہ تھی۔ دن بھر بگولے اٹھتے رہتے جن سے آسمان پر دھندسی چھائی رہتی تھی اور یہ دھند گرتے ہوئے ٹیلوں پر اس طرح پھیلی رہی جیسے سمندر سے جھاگ اڑاڑ کر چاروں طرف پھیل رہے ہیں صرف صبح شام کے وقت کچھ نظر آ جاتا، دوپہر کے وقت تو یہ دھند آنکھوں کو چندھیا دیتی کیونکہ چاروں طرف تنور سے دہکتے نظر آتے۔

مگر یہ صحرا کے معنوں میں صحرا بھی نہ تھا۔ بھوری بھوری چٹانوں کے درمیان سے خشک نالے ادھر ادھر بل کھاتے ہوئے دریائے آمو کی طرف نکل گئے تھے، جس نے سالی سرائے کو، جو صحرا سے چار ہزار فٹ کی بلندی پر تھا، فردوس کا نمونہ بنا رکھا تھا اس دریا کے جھنڈیا ناگ پھنی کے پیڑ ضرور تھے، کہیں آدھے آدھے ریت میں دھنسے ہوئے، کہیں جڑوں تک اس کے باہر نکلے ہوئے۔

دریا کے کنارے کہیں کہیں کنوئیں بھی تھے مگر ان کا پانی پینے کے قابل نہ تھا البتہ جانور اس پر زندہ رہ سکتے تھے جہاں پانی میٹھا ہوتا وہاں چند خیمے ضرور نظر آ جاتے جن میں مقیم صحرا نورد ترکمان بھیڑوں کے ریوڑوں کی رکھوالی کرتے رہتے مگر کہیں کوئی کارواں نظر آ جاتا تو اسے لوٹ بھی لیتے ان میں سے بعض ایسے مجرم بھی تھے جو سزائے موت سے بچنے کے لئے اس غیر آباد صحرا میں چلے آتے تھے۔

تیمور اس سپاٹ بیابان سے گزرا جسے قزل قم (25) کہتے تھے الجائی، نیز بیس کے قریب بے لوث اور وفادار ساتھی، جو اس کی رفاقت میں مصائب جھیلنے پر رضامند تھے اس کے ہمراہ تھے زائد ہتھیار اور دیگر سامان باربردار گھوڑوں پر لدا ہوا تھا کچھ ہیرے جواہرات بھی پاس تھے پانی مشکیزوں میں بھر کر ساتھ لے لیا تھا یہ چھوٹا سا قافلہ نہایت

سرعت سے صحرا میں داخل ہو گیا۔ راتوں کو گھوڑوں کو سوکھی گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دیتے اور اہل قافلہ باری باری ان کی حفاظت کرتے۔ جہاں کہیں کنواں نظر آ جاتا وہاں ٹھہر جاتے، پھر آگے بڑھ جاتے ایک مقام پر الجائی کے بھائی امیر حسین سے ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی تغلق تیمور کے خوف سے بھاگا ہوا تھا دبلا، پتلا بلند قامت اور ہٹیلا جوان تھا مگر عالی ہمت بھی تھا۔ کابل میں حکمرانی کرتا رہا تھا، اب اپنی کھوئی ہوئی حکومت دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔

امیر حسین عمر میں تیمور سے چند سال بڑا تھا، اس لئے خود کو تیمور سے فائق سمجھتا تھا مگر اس کی جنگی قابلیت اور عزم و استقلال کا مداح بھی تھا تیمور کو امیر حسین کی لالچ اور طمع کی عادت اچھی نہ لگتی تھی مگر اس وقت تو وہ ایک ساتھی مل جانے سے خوش ہی ہوا۔

ان دونوں میں الجائی کے توسط سے ایک رابطہ تھا۔ یہ حوصلہ مند خاتون صحیح معنوں میں بادشاہ گر امیر قزغن کی پوتی تھی، زیادہ سے زیادہ کڑی مصیبت میں بھی مسکرا دیتی اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی، یہی نہیں، وہ حل طلب معاملات میں تیمور کی صلاح کار بھی تھی جب کبھی ملول یا افسردہ ہوتا الجائی کی بشاشت سے اس کے دل کا غبار دھل جاتا۔

امیر حسین اپنی حسین و جمیل بیوی دلشاد آغا کو بھی ساتھ لایا تھا، جب منزل پر پہنچتے تو چاروں سر جوڑ کر بیٹھتے اور حالات کا جائزہ لیتے۔ دونوں قافلے اکٹھے ہونے کے بعد ان کے پاس کم و بیش ساٹھ ہتھیار بند گھڑ سوار ہو گئے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بحیرہ خوارزم (26) کا رخ کیا جائے۔ وہاں تجارتی راستے بھی تھے جن سے سلامتی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا تھا اور بڑے بڑے شہر بھی تھے جہاں سے سامان خوردونوش خریدا جا سکتا تھا۔

تیمور انہیں ساتھ لئے ہوئے خیوہ پہنچا مگر حاکم شہر (27) نے ان ناخواندہ مہمانوں کو پہچان لیا۔ شکار لق و دق صحرا کو عبور کر کے خود اس کے جال میں آ پھنسا تھا۔ اس نے سوچا، کیوں نہ انہیں پکڑ کر جتہ مغل خاں کے حوالے کر دے اور مفت کی دولت کا حقدار بن جائے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا تو وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور فوراً کھلے میدان کا رخ

کیا۔

حاکم خیوہ کئی سو سوار لے کر ان کے تعاقب میں نکلا۔ مقابلے کے سوا چارہ نہ تھا تیمور اپنے ساتھیوں کو ایک پہاڑی کی چوٹی پر لے گیا اور جوں ہی تعاقب کرنے والے قریب پہنچے اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ دیں اور پلٹ کر خیوہ والوں پر ہلہ بول دیا۔ دشمن ان کے اس طرح اچانک پلٹ پڑنے پر حیران و ششدر رہ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، چنانچہ پٹ کر بھاگا۔

اب سواروں میں ایک خونریز دست بدست لڑائی شروع ہوئی، جس کے تاتاری پشت ہاپشت سے عادی تھے۔ انہوں نے چھوٹی گول ڈھالیں بازوؤں پر چڑھالی تھیں ان سے دشمن کے وار روکتے اور اپنی کمانوں کے چلے کھینچتے جاتے تھے بائیں ہاتھ سے وار روک کر دائیں ہاتھ سے ترکش سے تیر نکالتے اور دشمن پر ان کی بوچھاڑ کرتے جو اس کی زرہ کے پار ہو جاتے۔ تاتاری شہسوار دونوں ہاتھوں سے کمان چلانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور اگر ضرورت پڑ جاتی تو سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ پر سے سامنے کے علاوہ عقب میں بھی تیر نشانے پر پھینکنے لگتے (28)

ان کی کمان کھلے منہ کے قربان (29) میں کمر کے ایک رخ پر لٹکی رہتی تھی اور دوسرے رخ پر ترکش کا منہ بھی ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ یہ کمان فولاد اور ہڈی سے جڑی ہوتی تھی اور ضرب میں انگلستان کی لمبی کمانوں کے ہم پلہ تھی اس قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تاتاری اتنے ہی ناقابل تسخیر ہوتے تھے جتنے گزشتہ صدی کے وہ سوار جن کے پاس تمنچے ہوا کرتے تھے وہ ایک ہاتھ سے تیر اور دوسرے سے کمان اتنی سرعت سے کھینچتے تھے کہ دونوں کام ایک ہی حرکت معلوم ہوتی تھی اور ان کے تیر حقیقت میں پستول کی گولیوں جتنی تیزی سے برستے تھے انہیں بندوقچی کی طرح بندوق بھرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی سچ یہ ہے کہ ان کے کھلے ترکش آجکل کی کارتوسوں کی پیٹی اور ان کے کہنیوں کے فولادی دستانے آجکل کے گھڑسوار کے چرمی دستانوں کی جگہ تھے (30) بازو پر بندھی ہوئی ڈھال اور چھوٹی

کمان کا فائدہ یہ تھا کہ گھوڑے کا سر تیر کی راہ میں حائل نہ ہوتا تھا۔

صبا رفتار تاتاری شہسوار، زور زور سے نعرے لگاتے اور دہرے ہو ہو کر گھوڑے دوڑاتے ہوئے خیوہ والوں کے انبوہ کثیر میں بڑی سرعت سے بار بار اس طرح گھسے او ربا ہر نکلے کہ انہیں اپنے پر چاروں طرف سے ایک کثیر لشکر کے حملہ آور ہونے کا گمان لگا۔ تاتاری بارہ پارہ کی ٹولیاں بنا کر خیوہ والوں میں گھس جاتے، ان کی صفوں میں پہنچ کرا لگ الگ ہو جاتے اور جتنی تیز رفتاری سے گھستے اتنی ہی تیزی سے نکل آتے تاتاری تیغ کبھی کبھار ہی میان سے نکالتے اور وہ بھی صرف اس وقت جب دشمن اتنا قریب ہوتا کہ کمان نہ کھینچی جا سکتی۔ مگر یہ تیغ بھی چلتی اسی سرعت سے تھی جس سرعت سے کمان کا چلہ کھینچا جاتا تھا اس کے نام سے نکلتے وقت بجلی سی کوندتی اور دشمن کا خرمن زندگی جلا ڈالنے کے بعد یہ پھر نیام میں چلی جاتی اور تیغ زن کا دایاں ہاتھ پھر ترکش پر جا پہنچتا کیونکہ تاتاریوں کا محبوب ہتھیار کمان ہی تھی۔

طرین کے گھوڑوں کی کاٹھیاں بہ سرعت خالی ہونے لگیں دونوں فوجوں کے کماندار لڑائی سے دور ہی رہے کیونکہ نرغے میں آ کر قتل ہو جانے کا خطرہ تھا جن سواروں کے گھوڑے کام آ جاتے انہیں دوڑ کر بے سوار گھوڑے پکڑنے پڑتے اور نیا گھوڑا ملتے ہی وہ پھر لڑائی میں شامل ہو جاتے جب تیمور کے ایک وفادار اور جیالے سردار ایلچی بہادر کا گھوڑا مارا گیا تو وہ پیدل ہی ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور دشمن کا مقابلہ شروع کر دیا تیمور نے جب یہ دیکھا کہ وہ بے وجہ خطرے میں پڑ رہا ہے تو گھوڑا بڑھا کر اس کی کمان کی زہ کاٹ ڈالی تا کہ مجبوراً اپنے بچاؤ کا فکر کرے۔

عین اس وقت امیر حسین خیوہ کے سپاہیوں کی صفیں چیرتا ہوا ان کے کماندار تک جا پہنچا مگر ابھی اس نے کماندار کے علم بردار ہی کا سر قلم کیا تھا کہ گھیرے میں آ گیا تیمور نے یہ حال دیکھا تو اس کی مدد کو بڑھا اسے دیکھ کر خیوہ کے سپاہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور امیر حسین ان کے نرغے سے نکل گیا تیمور نے دو دستی تلوار سے دشمن کو قریب آنے سے روکا

اتنے میں اس کی کمک پر اور تاتاری پہنچ گئے اور خیوہ والے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

اب ہلا بولنے کا وقت آ گیا تھا تیمور نے پکار پکار کر اپنے ساتھیوں کو یکجا کیا اور وہ سب اکٹھے ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ امیر حسین کے گھوڑے کے تیر لگا تو اس نے اچھل کر سوار کو گرا دیا، امیر کی بیوی دلشاد آغا دیکھ رہی تھی وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا کر آگے بڑھی، اس کے قریب پہنچ کر کود کر اتری اور گھوڑے کی باگ خاوند کے ہاتھ میں دے دی۔ امیر حسن آناً فاناً اس گھوڑے پر بیٹھ کر لڑائی میں شامل ہو گیا۔

تیمور نے خیوہ کے حاکم کو نشانہ بنا کر تیر چلایا جو کہ اس کے گال کو چیر کر نکل گیا اور وہ زمین پر گر پڑا اگلے لمحے تیمور نے اس کے سر پر پہنچ کر برچھی اس کے سینے میں گھونپ دی اپنے حاکم کے مر جانے کے بعد خیوہ کا لشکر میدان میں کیا ٹھہرتا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور تاتاری اپنے ترکش خالی ہونے تک اس پر تیر برساتے رہے۔ تیمور نے دلشاد آغا کو بھی الجائی کے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا اور عورتوں اور سامان سمیت پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ اپنے صرف سات آدمی زندہ بچے ہیں اور ان میں سے بھی بیشتر زخمی ہیں ادھر جب خیوہ والے میدان میں پہنچے تو یکجا ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے سورج ڈوبنے لگا تھا، تاتاریوں کے لئے اب وہاں رکنا ٹھیک نہیں تھا تیمور نے کوچ کا حکم دے دیا خیوہ والے تعاقب کرنے لگے مگر اندھیرے میں انہیں ڈھونڈ نہ سکے۔

تیمور کے ساتھی چاہتے تھے کہ کہیں رکا جائے مگر تیمور نے ہنستے ہوئے کہا "نہیں، ابھی نہیں ابھی سفر ختم نہیں ہوا ہے"

وہ اندھیرے میں ساری رات صحرا میں بھٹکتے پھرے آخر خوش قسمتی سے آدھی رات کے قریب ایک کنویں پر پہنچ گئے وہاں انہیں اپنے تین سپاہی مل گئے جو بلخ سے پاپیادہ بھاگ کر آئے تھے۔ کنویں کا پانی میٹھا تھا انہوں نے گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑا اور خود آرام کرنے لیٹ گئے۔ تیمور اور امیر حسین بیٹھ کر صلاح مشورہ کرتے رہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اب انہیں الگ ہو جانا چاہئے (اس طرح پہچانے جانے کا امکان کم

تھا) اور یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ دونوں بھی سو گئے۔

صبح اٹھا تو دیکھا کہ تینوں بلخ فرار ہو چکے ہیں اور تین گھوڑے بھی لے بھاگے ہیں بقیہ چار گھوڑے بانٹے گئے اور تیمور اور امیر حسین ایک دوسرے رخصت ہوئے۔ دوبارہ ملنے کے لئے امیر حسین کی مملکت کے شمال میں ایک مقام (31) مقرر کیا گیا پہلے امیر حسین روانہ ہوا جب وہ جا چکا تو دونوں گھوڑوں میں سے جو بہتر تھا اس پر الجائی کو سوار کیا گیا، اور دوسرے پر بچا ہوا سامان لادا گیا تیمور نے اپنے ساتھ صرف ایک آدمی رکھا اور پیدل چلنے لگا جب الجائی نے اسے پا پیادہ دیکھا تو کہا "میرے سرتاج اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج آپ پیدل چل رہے ہیں!"

ان کے پاس خوراک بھی نہ تھی دور کچھ بکریاں چرتی نظر آ گئیں تو گھوڑوں کی باگیں اس طرف موڑیں اور چند بکریاں خرید لیں ایک کا گوشت آگ پر بھونا اور خوش ہو ہو کر کھایا، باقی کا گوشت تپتے ہوئے پتھروں پر چٹا کر خرجیوں میں لٹکا لیا۔ پھر چرواہوں سے پوچھا کہ اس ریگستان سے باہر نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ انہوں نے شمال کی جانب اشارہ کیا اور کہا "یہ ترکمانوں کے جھونپڑوں تک جاتا ہے"

وہ اس راستے پر ہو لئے اور تھوڑی دیر میں ان جھونپڑوں تک جا پہنچے وہ خالی معلوم ہوتے تھے اس لئے تیمور ایک جھونپڑے میں داخل ہو گیا مگر سامان گھوڑے پر سے اتار کر اندر رکھا ہی تھا کہ قریب کے جھونپڑوں سے شور بلند ہوا اور ترکمانوں نے انہیں ڈاکو سمجھ کر ان پر حملہ کر دیا تیمور اپنے ایک ایک ملازم کو ساتھ لے کر دروازے پر پہنچا تیر ختم ہو چکے تھے اس لئے ترکمانوں کو ڈرانے کے لئے یہ دونوں خالی کمانیں کھینچنے لگے مگر ترکمان اس طرح کیا قابو میں آتے۔

تیمور نے جھنجھلا کر کمان پھینک دی اور تلوار سونت کر باہر نکلا مگر جب وہ دشمن کی طرف بڑھا تو ترکمان سردار (32) نے اسے پہچان لیا کیونکہ اسے شہر سبز میں بار ہا دیکھ چکا تھا اس نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر روکا اور خود نوجوان تاتاری سردار سے گلے ملنے کے لئے آگے

بڑھا۔

''واللہ!'' وہ خوش ہو کر چلایا ''آپ تو ماوراءالنہر کے امیر ہیں!''

وہی ترکمان جو پہلے تیمور سے لڑنے کو تیار تھے، اب اس کے قدموں میں تھے ان کا شک رفع ہو چکا تھا پوستین پوش ترکمان اب تیمور سے معافی مانگ رہے تھے اور تیمور جو اپنے کرناموں کی وجہ سے ان کے نزدیک داستان الف لیلہ کا شہزادہ تھا، مسکرا مسکرا کر انہیں اپنے قریب بٹھا رہا تھا ایک بھیڑ ذبح کر کے اس سے معزز مہمان کی تواضع کی گئی۔ سب نے ایک ہی رکابی میں کھایا۔ ترکمانوں کے بچے بھی آ آ کر قریب کھڑے ہو جاتے۔ اس مہمان کے کارنامے دور دور مشہور تھے اس سے تازہ ترین واقعات اور حالات معلوم کئے گئے کون کس جگہ کا بادشاہ بن گیا ہے؟ کون کس سے برسر پیکار ہے اور کن کن ملکوں میں امن و امان ہے ان بادیہ نشینوں کو چونکہ غیر متوقع بیرونی دنیا کی خبریں معلوم ہو رہی تھیں اس لئے سبھی کچھ دریافت کر لینا چاہتے تھے۔

ساری رات باتیں کرتے گزری چنانچہ تیمور صبح تک نہ سو سکا

اگلے دن تیمور نے ترکمان سردار کو ایک قیمتی لعل اور موتی جڑے دو جوڑے بطور تحائف پیش کئے ان کے بدلے میں سردار نے تیمور کو تین گھوڑے دیئے اور آگے راستہ بتانے کے لئے ایک رہبر بھی ساتھ کر دیا

انہوں نے بارہ دن میں صحرا عبور کیا خراسان کی سڑک کی جستجو میں تھے پہلا گاؤں جو راہ میں آیا ویران تھا کیونکہ اسے اجاڑ دیا گیا تھا وہ رک گئے، پانی کے لئے زمین کھودی، جانوروں کو پانی پلایا اور انہیں آرام کرانے کے لئے کھنڈروں میں مقیم رہے۔

یہاں ایک اور مصیبت پیش آئی انہیں قریب کے ایک قبیلے کے لوگوں نے دیکھ لیا اور قید کر کے اپنے سردار علی بیگ کے پاس لے گئے تیمور سا قیدی ہاتھ لگ گیا تھا، اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی! علی بیگ نے ان کا تمام مال اسباب چھین کر میاں بیوی کو کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے ایک متعفن مکان میں قید کر کے ان پر پہرہ لگا دیا۔

تیمور یہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ الجائی ایسی بری جگہ میں رہے اس نے مقابلہ کرنا چاہا مگر پورے محافظ دستے کے سامنے اکیلے آدمی کی کیا چل سکتی تھی! مجبوراً خاموش ہونا پڑا باسٹھ دن تک وہ اس مکان میں قید رہے گرمیوں کے دن تھے اور مکان تنگ و تاریک تھا جب تیمور رہا ہوا تو اس نے قسم کھائی کہ کچھ ہو کبھی کسی آدمی کو اس طرح کی قید میں نہ ڈالے گا۔

علی بیگ اس کوشش میں تھا کہ تیمور کو جتہ مغلوں کے حوالے کر کے دولت حاصل کرے، مگر اس دوران میں اس کے بھائی کو، جو ایک ایرانی قبیلے کا سردار تھا، اس کی خبر پہنچ گئی اس نے بھائی کو یہ پیغام بھیجا کہ جتہ مغلوں اور شہر سبز کے سردار کے جھگڑے میں نہ پڑنا اور تیمور کو رہا تو کر دیا مگر تحائف اپنے ہی پاس رکھے اور سفر میں سواری کے لئے ایک لاغر سا گھوڑا اور ایک مریل سا اونٹ دے دیا۔

الجائی کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو اپنے مقدر کو کوسنے لگتی، مگر وہ اب بھی مسکرا رہی تھی اس نے تیمور سے کہا: ”میرے سرتاج! ابھی سفر ختم نہیں ہوا آگے دیکھئے کیا ہو۔“

☆☆☆☆☆☆☆

صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا

خریف کی بارش شروع ہو چکی تھی امیر حسین سے ملاقات کا مقام جنوب کی جانب دریائے آمو کے اس پار تھا مگر تیمور کو جی چاہنے لگا کہ اپنے وطن کی ایک جھلک دیکھے۔ چنانچہ چکر کاٹ کر ادھر کا رخ کیا۔ یہ چکر کاٹنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ وہ بے سروسامان تھا اور امیر حسین سے بے سروسامانی کی حالت میں ملنا قرین مصلحت نہ تھا۔ دریائے آمو کے قریب اس نے ایک دوست سے، جو ایک قبیلے کا سردار تھا، چند گھوڑے اور پندرہ سوار لئے۔ اب الجائی کے لئے ایک اچھا رسا گھوڑا علیحدہ کر کے اس پر کجاوہ لگا دیا گیا، جس میں وہ آرام سے سفر کرنے لگی۔ مریل گھوڑا اور اونٹ فقیروں کو دے دیئے گئے۔

تیمور کو اپنی بیوی سے بے حد انس تھا۔ روانہ ہوتے وقت اس کا ارادہ تھا کہ سمرقند تک تنہا سفر کرے گا، اس لئے الجائی کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا تھا۔ مگر جب آمو کے گھاٹ پر پہنچا تو وہاں ہتھیار بند دستے پھرتے دیکھے۔ اس نے اپنا قافلہ روک لیا اور ساتھیوں سے کہا کہ گرمی زیادہ ہے اس لئے سفر جاری رکھنا مناسب نہیں اور دریا کنارے درختوں کے سائے میں اس وقت تک رکا رہا جب تک الجائی وہاں نہ پہنچ گئی۔

وہ تیمور کو وہاں دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔ ادھر تیمور دور گرد اٹھتی دیکھ کر گھبرایا کہ کہیں دشمن نہ ہو۔ اس نے گھوڑے کجاووں سمیت دریا میں اتار دیئے اور ان کو تیرانا شروع کر دیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچنے کے بعد الجائی خطرے سے باہر ہو گئی۔

جب تیمور سمرقند کے قریب پہنچا تو اس نے الجائی کو پاس کے ایک گاؤں میں چھپا دیا اور خود مغرب کے وقت رفیقوں سمیت سمرقند میں داخل ہو گیا۔ مغل اس کی تلاش میں تھے مگر اس کے باوجود تیمور اڑتیس دن تک وہاں دندناتا رہا۔ رات کو کارواں سراؤں میں جا بیٹھتا اور وہاں قافلوں والوں سے راستوں کے حالات سنتا رہتا۔ وہ خفیہ طور پر دوستوں کے گھروں میں بھی جاتا رہا تاکہ ان سے صلاح مشورہ کر کے یک لخت علم بغاوت بلند کر کے کئی بار اس نے مسجدوں میں نمازیوں کے ہجوم میں مل کر جتہ شہزادے کو اپنے افسروں

کے ساتھ گلیوں میں سے گزرتے بھی دیکھا۔

مگر اس کی یہ جسارت بے ثمر رہی۔ جتہ مغلوں نے ملک پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی تھی ہر چند وہ سختی سے کام لیتے اور واجبات بھی سختی کے ساتھ وصول کرتے تھے مگر بہر حال چونکہ چنگیز خانی ہیبت کے نمائندے تھے اور خود کو فاتح ثابت بھی کر چکے تھے اس لئے تا تاری امیر ان کے خلاف بغاوت کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ جنگجو ضرور تھے مگر اندھا دھند جنگ میں کودنے سے احتراز کیا کرتے تھے۔ اگر انہیں کامیابی کا کچھ بھی یقین ہوتا تو ضرور میدان میں آ جاتے مگر بنظر حالات کامیابی کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ الیاس خواجہ خاں، جلایر کے امیروں کو مطیع کر چکا تھا، امیر حسین پناہ کے لئے سرگرداں تھا اور اس کے قصر حکومت میں ایک جتہ سردار حکمراں بنا بیٹھا تھا۔ ان حالات میں تیمور کی آواز پر کون اٹھتا۔

انہیں امیروں نے ایک دن تیمور کو مطلع کیا کہ مغلوں کو اس کی موجودگی کا علم ہو چکا ہے چنانچہ ایک بار پھر تیمور کو گھوڑے پر بیٹھ کر رات کی تاریکی میں گم ہونا پڑا۔

مگر وہ تنہا نہ تھا۔ چند سر پھرے، جنگ و جدل کے دلدادہ اور رزم و پیکار کے خوگر ترکمان اور بلند ہمت عرب بھی اس کے ساتھ ہو لئے تھے وہ لشکریوں کی حیثیت سے تو خیر کار آمد نہ تھے مگر جادہ پیائی کے بڑے اچھے رفیق تھے۔

جب تیمور انہیں ساتھ لئے ہوئے شہر سبز کے قریب پہنچا تو وہ خوب ہنسے۔ ان سب نے شہر کے سفید مرمریں گنبد کے سامنے چراگاہ کی بلندیوں پر ڈیرے ڈالے۔ وہاں سے جتہ مغل اس کے محل میں گھومتے پھرتے اور گھوڑوں پر سوار ہو ہو کر اس کی تلاش میں جاتے نظر آتے تھے۔ تیمور کے ساتھیوں نے اس کے کارنامے ان امرائے برلاس کے سامنے فخریہ لہجے میں بیان کئے جو باریابی کے لئے حاضر ہوئے۔ ایلچی بہادر، وہی جس کی کمان تیمور نے چھینی تھی، اور سفید ریش جاکو برلاس بھی ملنے آئے۔

امیر قزغن کے دربار کے ان پرانے جنگ آزماؤں نے کئی بار تیمور کے ساتھ بادہ نوشی

کی۔ ایک دن کہنے لگے ”جب اللہ کی زمین اتنی وسیع ہے تو دیواروں میں بند ہو کر رہنے سے کیا حاصل! باہر نکل کر قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔“

تیمور نے کہا ”صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ یہ بتاؤ عملاً کیا کرنا ہے! کوے بن کر جتہ مغلوں کے دستر خوان کے ٹکڑے کھاتے رہو گے یا شاہین بن کر خود شکار کرو گے؟“

”واللہ! دونوں برلاس جنگجو بیک وقت بولے: ہم کوے نہیں ہیں“

جب الجائی محفل میں آئی تو انہوں نے اسے نہایت ادب سے سلام کیا۔ یہ وہ خاتون تھی جو اپنے شوہر کے ساتھ جنگوں میں شریک رہ چکی تھی سپاہی کے نزدیک ایسی خاتون قابل تعظیم ہوتی ہے۔ جب خریف کے اختتام پر تیمور امیر حسین سے ملاقات کے لئے وہاں سے روانہ ہوا تو یہ دونوں بہادر اس کے ساتھ تھے

یہ راستہ جس پر تیمور اب روانہ ہوا کوئی آسان راستہ نہ تھا چنانچہ اسے طے کر لینا کمزور انسانوں کے بس کی بات نہ تھی۔ پانچ سو میل لمبا تھا اور آسمان کو چومتی ہوئی پہاڑی چوٹیوں کے درمیان سے چکر کاٹتا اور اس افغانستان کے کوہستانوں میں سے گزرتا ہوا چلا گیا تھا جس کے پہاڑوں کی پیائش ابھی تک بھی مکمل نہیں ہو سکی ہے۔ یہ پہلے تو ایک تنگ گھاٹی کی بلندی کی طرف جاتا تھا جس کے سرے پر پہنچ کر گھنٹوں گھنٹوں برف ہٹائے بغیر کچھ نظر نہ آتا تھا کہ آگے کدھر جا رہے ہیں، پھر کہ ہندوکش کی برفانی چوٹیوں اور برف کے تودوں سے گزر کر اور بھی زیادہ بلند پہاڑوں کی طرف چلا جاتا تھا، جن سے آگے برف سے ڈھکی ہوئی سطح مرتفع تھی۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے گول خیمے نصب کیے۔ سفر دن کے وقت ہی ہو سکتا تھا، اور دن میں بھی برف کی چمک آنکھوں کو چندھیائے دیتی تھی۔ گھوڑوں کی پیٹھوں پر موٹے نمدے کے کمبل پڑے ہوئے تھے ورنہ ایک دن بھی زندہ نہ رہتے اور آدمی تو بھیڑیئے اور دیگر پوستینی جانوروں کی کھالوں کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکتے تھے۔ ہوا اس قدر خنک تھی کہ ٹھنڈک پوستینوں سے گزر کر ہڈیوں تک پہنچتی۔ راستے میں جنگل بھی پڑتے تھے، ان میں سے ایندھن کے لئے لکڑیاں کاٹ کر ساتھ لے

لیتے۔ کہیں کہیں قبائل کے قلعوں اور میناروں کے قریب سے بھی گزرنا پڑتا تھا جن کے سنتری نظروں سے تو اوجھل ہوتے مگر انہیں پکارتے ضرور۔ اور ان کی آواز پر ایک ہزار فٹ کی بلندی پر کتے بھی بھونکنا شروع کر دیتے۔

کئی باران پر افغانوں نے بھی حملہ کیا۔ مگر حملہ آوروں کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس قسم کے انسانوں پر حملہ کر رہے ہیں، چنانچہ ایسے ہر حملے کے بعد تیمور اور اس کے ساتھیوں کے پاس پہلے سے زیادہ سامان ہو جاتا۔ انہوں نے کوہ ہندوکش کا بارہ ہزار فٹ بلند درہ عبور کیا اور گرتے پڑتے وادی کابل میں پہنچ گئے۔

مگر یہ سفر اب بھی ختم نہ ہوا۔ شہروں میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہ تھا چنانچہ شہر کا چکر کاٹ کر آگے بڑھ گئے اور اس کے قرب و جوار سے سامان خورد و نوش، نئے گھوڑے اور بھیڑیں خرید کر قندھار کے راستے پر ہو لئے جس پر برف نہ ہونے کی وجہ سے سفر زیادہ آسان تھا۔ آخر اس مقام پر پہنچے جہاں امیر حسین سے ملنے کا وعدہ تھا۔ وہ اپنے لشکر سمیت وہاں موجود تھا، جو یوں تو تیمور کے لشکر جیسا ہی تھا مگر اس کی نفری کچھ زیادہ تھی۔

انہوں نے موسم سرما میں آرام کیا۔ اس کے اختتام پر قریب کی سیستانی پہاڑیوں کے ایک حاکم کا ایلچی تحائف لے کر آیا اور اس کا یہ پیغام پہنچایا کہ رعایا کی بغاوت کی وجہ سے کئی پہاڑی علاقے اس کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں، اگر تیمور اور امیر حسین یہ بغاوت فرو کرنے میں اس کی مدد کریں تو بیش بہا تحائف پیش کرے گا۔ ان دونوں نے فوراً امداد کی حامی بھر لی امیر حسین تو یہ چاہتا تھا کہ جنوبی صوبوں کا مالک بن جائے اور تیمور کے لئے جنگ میں شمولیت ہی باعث مسرت تھی۔

جوں ہی راستوں کی حالت بہتر ہوئی دونوں نے اپنے اپنے لشکروں کو کوچ کا حکم دیا اور اس حاکم سے جا ملے۔ تیمور تو ایسے موقعوں کا منتظر ہی رہتا تھا کہ رانوں تلے گھوڑا، کمر میں تیغ، دائیں ہاتھ میں نیزہ، بائیں ہاتھ میں ڈھال اور کمان کمر کے ایک رخ آویزاں ہو اور وہ جنگ میں مصروف ہو۔ اس کے لئے اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو سکتا تھا۔

وہ بہت جلد بیشتر قلعوں پر قابض ہو گئے۔ کسی پر حملہ کیا، کسی پر شب خون مارا اور کسی کے دروازے یوں ہی کھل گئے۔

اس کام کے معاوضے میں انہیں یقیناً بڑا زرو مال ملتا۔ مگر حسین نے کام بگاڑ دیا۔ وہ دیہات کو لوٹنے اور اکثر مفتوحہ مقامات پر اپنی فوجیں بٹھانے لگا۔ حسین کے اس رویئے سے سیستانی ناراض ہو گئے۔ باغیوں کو تاتاریوں کے حلیفوں میں انتشار پھیلانے کا موقع مل گیا، انہوں نے حاکم کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم تو جیسے بھی ہیں تمہارے ہی ہیں لیکن اگر ہماری جگہ تاتاریوں نے لے لی تو وہ پورے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک رات حاکم سیستان متحدہ لشکر سے خاموشی سے علیحدہ ہو کر باغیوں سے جا ملا۔ یوں بدل جانا ان کوہستانی قبائلیوں کا خاصہ تھا، خصوصاً جب نوواردوں سے واسطہ پڑتا تھا تو بہت شکی ثابت ہوتے تھے۔ انہوں نے متحد ہو کر تیمور پر حملہ کیا جسے اس نے روک لیا اور جوابی حملہ کر دیا۔ اس حملے کے دوران میں ایک مقام پر اس کے گرد صرف بارہ سپاہی تھے اور تمام سیستانی اسی کو تیروں کا ہدف بنا رہے تھے ایک تیر سے اس کے ایک بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور ایک اور تیر سے پاؤں زخمی ہو گیا۔ مگر یہ وقت زخموں کی طرف متوجہ ہونے کا نہ تھا، اس نے تیر جسم سے نکال پھینکے اور لڑائی میں مشغول ہو گیا۔ مگر بعد میں ان کے زخموں نے عرصے تک تکلیف دی اور اسے صاحب فراش ہونا پڑا۔

سیستانیوں کو شکست ہوئی اور اس فتح سے تیمور اور امیر حسین کو مزید ساتھی ملے اور خاصی دولت بھی ہاتھ آئی حسین اپنا لشکر لے کر شمال کی جانب روانہ ہو گے اور تیمور زخموں کی وجہ سے قریب کی پہاڑیوں میں رک گیا۔

یہاں الجائی بھی اس سے آ ملی اور ایک عرصے بعد اسے شوہر کے ساتھ ایک ایسی جگہ سکون سے رہنے کا موقع ملا جہاں جنگ کا نقارہ اسے فوراً تیار ہو کر لڑائی میں شامل ہونے کا پیغام نہ دے سکتا تھا ان کا خیمہ ایک فرحت افزا مقام پر تھا، اس کے گرداگرد انگور کی بیلیں تھیں اور ہر وقت خنک اور تازگی بخش ہوا چلتی رہتی تھی۔ الجائی اپنے سرتاج کی خدمت کا

موقع غنیمت جان کراس کی تیمارداری میں منہمک تھی۔ ہری ہری گھاس نے گھوڑوں کے لئے ایک شاداب چراگاہ بھی مہیا کر دی تھی۔ جب سورج غروب ہو جانے کے بعد ماہتاب طلوع ہو کر آسمان میں کھیت کرنے لگتا تو وادیوں میں پہاڑوں کے سائے چاندنی کے ساتھ ساتھ سرکتے جاتے اور تیمور اور الجائی خیمے میں قالین پر پاس پاس لیٹے یہ منظر دیکھتے رہتے۔ یہ چاند اور اس کے ماہانہ سفر کی مدت الجائی کی اپنی تھی۔ اس کا محبوب سرتاج اس کے قریب تھا اور ننھا جہانگیر ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنا رہتا تھا۔

جب زخم بھرنے لگے تو تیمور نے خیمے سے باہر نکلنا شروع کیا اور لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگا تا کہ زخمی پاؤں سیدھا پڑنے لگے۔ الجائی اسے اس طرح چلتے دیکھ کر مسکراتی مگر ساتھ ہی یہ بھی سوچتی کہ اب تیمور کے ساتھ اس کے قیام کے دن گنتی ہی کے رہ گئے ہیں اور پھر وہ دن بھی آ ہی پہنچا جب تیمور کو مکمل صحت ہوئی اور اس نے ہتھیار طلب کئے۔ الجائی نے اسے زرہ پہنائی، اس کی کمر سے تلوار باندھی اور پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے آنے والی جدائی کے غم کا تصور ذہن سے ہٹانے کی کوشش کی اس کا جھکا ہوا سر اٹھا، آنکھیں شوہر سے ملیں، پلکیں کانپیں اور اس کے منہ سے نکلا ''میرے سرتاج! خدا تمہارا محافظ ہو!!''

☆☆☆☆☆☆☆

سنگین پل پر (33)

اب شمالی میں تیمور کی ضرورت تھی امیر حسین نے جلد بازی میں قریب ترین جتہ لشکر پر حملہ کر دیا تھا اور بری طرح پٹا تھا جس کے بعد اس کی فوج منتشر ہو گئی تھی حسین کا یہ اقدام تیمور کے مشورے کے خلاف تھا اس لئے اسے ازحد غصہ آیا مگر بہر حال اسے حسین کی مدد کو پہنچنا تھا، یہی نہیں پہاڑوں کو چھان کر حسین کے ساتھیوں کو ڈھونڈ نکالنا اور ان کے علاوہ اور بھی جو کار آمد آدمی ملیں انہیں بھی اکٹھا کرنا تھا۔ ابھی اس کے ہاتھ کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا، اس لئے بیک وقت راسیں سنبھالنا اور ہتھیار استعمال کرنا مشکل ہوتا تھا۔

اس سفر پر روانگی کے وقت اس کی طبیعت بہت مکدر تھی۔ راستے میں شکار سے دل بہلاتا ہوا شمال کی طرف بڑھا۔ اس نے حسین کے انتظار میں دریائے آمو کے قریب خیمے نصب کر رکھے تھے کہ اس کے دوستوں کو اس کی وہاں موجودگی کا علم ہو گیا۔ وقائع نگار (34) نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

تیمور کے خیمے ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے پر تھے۔ دوسرے کنارے پر پہاڑیوں کا ایک چھوٹا سا سلسلہ تھا۔ اسے حسین کا انتظار کرتے کئی دن ہو چکے تھے چنانچہ طبیعت بے چین ہونے لگی تھی اور ساری ساری رات نیند نہ آتی تھی۔ ایک رات چاند نکلا ہوا تھا اور مطلع غیر معمولی طور پر صاف تھا۔ تیمور ندی کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ جب سے پاؤں میں زخم آیا تھا زخمی پاؤں پر زور دے کر چلنے کی عادت ڈال رہا تھا۔ زخم کسی طرح اچھا ہونے میں نہ آ رہا تھا مگر تیمور زخمی بنے رہنے کے لئے تیار نہ تھا۔

جب وہ پہاڑی پر واپس پہنچا تو چاندنی مدھم پڑ چکی تھی اور مشرق میں سحر کی سفیدی پھیل رہی تھی وہ نماز پڑھنے لگا فارغ ہوا تو دیکھا کہ پہاڑی کے دوسری طرف ایک تیر کے فاصلے پر ہتھیار بند سوار گزر رہے ہیں۔ بلخ کے جانب سے آتے معلوم ہوتے تھے اس وقت بلخ جتہ مغلوں کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ تیمور جلدی سے اپنے خیموں کی طرف گیا اور اپنے ملازموں کو جگا کر گھوڑا لانے کا حکم دیا۔

جب گھوڑا لایا گیا تو وہ اس پر بیٹھ کر ان سواروں کو للکارنے کے لئے اکیلا ہی چل کھڑا ہوا اسے آتا دیکھ کر وہ رک گئے اور ملگجی روشنی میں اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

تیمور نے پکار کر پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو؟ اور کہاں کا عزم ہے؟''

''ہم امیر تیمور کے سپاہی ہیں'' ان میں سے ایک نے جواب دیا ''اور آقا کو ڈھونڈنے آئے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ کھرو سے چل کر اس وادی میں آئے ہیں مگر ہم ان کا کھوج نہیں نکال سکے۔''

تیمور نہ اس آواز کو پہچانتا تھا، نہ ان سواروں کے ڈیل ڈول سے اسے کچھ اندازہ ہوا۔ اس نے مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کہا: ''میں بھی تیمور کا سپاہی ہوں اگر تم چاہو تو رہبری کر کے تمہیں تیمور تک پہنچا سکتا ہوں۔''

اس کی یہ بات سن کر ان میں سے ایک آدمی دستے سے علیحدہ ہو کر ایک جانب بڑھا اور تیمور نے اسے کسی سے کہتے سنا ''ایک رہبر مل گیا ہے جو ہمیں امیر کے پاس پہنچا سکتا ہے۔''

تیمور نے گھوڑا آگے بڑھایا تا کہ اس شخص کو پہچان سکے جس سے یہ آدمی مخاطب تھا۔ معلوم ہوا قبیلہ برلاس کے تین سردار ہیں جو اپنے ساتھ سواروں کے تین دستے لائے ہیں۔

انہوں نے اجنبی (تیمور) کو اور قریب آنے کو کہا تیمور اور قریب چلا گیا۔

''امیر تیمور!'' تینوں سردار گھوڑوں سے کود کر اترے اور انہوں نے جھک کر تیمور کی رکاب چومی۔

تیمور بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ اس ملاقات کی خوشی میں اس نے تینوں سرداروں کو تحائف دیئے۔ ایک کو خود، دوسرے کو پٹکا اور تیسرے کو زرہ، پھر حالات پر تبصرہ ہونے لگا۔ خوب باتیں ہوئیں، شکار مہیا کر کے ضیافت اڑائی گئی اور جب نووارد تیمور کے ساتھ

ایک ہی برتن میں اس کا نمک کھا چکے تو طرفین کو یقین ہو گیا کہ دلوں میں کسی قسم کی کوئی کدورت نہیں ہے۔ تیمور نے ان میں سے ایک آدمی کو دریا پار روانہ کیا تاکہ یہ معلوم کر کے آئے کہ جتہ مغل کیا کر رہے ہیں۔ اس آدمی نے آمو کو گھوڑے سمیت تیر کر عبور کرنے کی کوشش کی تو اس کا گھوڑا ڈوب گیا مگر خوش قسمتی سے وہ خود ریت کے ٹیلوں سے جا لگا اور ہاتھ پاؤں مار کر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ بیس ہزار کا جتہ لشکر شہر سبز کی سمت سے بستیوں کو جلاتا اور تباہی پھیلاتا ہوا آ رہا ہے۔ یہ آدمی اپنے گھر کے قریب سے گزرا تھا جو جتہ فوج کی راہ میں تھا مگر اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو بولا ''جب میرے امیر کا کوئی گھر نہیں تو میں اپنے گھر کس منہ سے جاتا!''

تیمور یہ خبر سن کر بے صبر سا ہو گیا۔ ادھر مغلوں نے جب یہ دیکھا کہ میدان میں ایک لشکر ان سے لڑنے کو موجود ہے تو اپنی عادت کے مطابق لوٹ مار شروع کر دی۔

اب ہر چند تاتاری منتشر تھے اور ان کا کوئی مرکز بھی نہ تھا مگر مغلوں کی اس لوٹ مار کی وجہ سے تیمور کو یہ امید بندھ گئی کہ دریا پار کے تمام قبائل مغلوں سے ناراض ہو کر اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سر دست اس کی فوج جتہ سپہ سالار بیک جک کے لشکر کے ایک چوتھائی کے برابر تھی جو اس آزمودہ کار جرنیل کی کمان میں دریا (35) کے شمالی کنارے پر پھیلا ہوا تھا اور تمام پایاب مقامات روکے بیٹھا تھا۔

ایسی حالت میں جب تمام گھاٹ دشمن کے قبضے میں تھے دریا عبور کرنا بظاہر تیمور جیسے دلیر سپہ سالار کی جسارت سے بھی بالاتر تھا مگر اس نے دریا عبور کر ہی لیا۔

پھر وہ ایک مہینے تک دریا کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس کے چڑھاؤ کے رخ بڑھتا رہا۔ ادھر جتہ سپہ سالار بھی دوسرے کنارے پر، اس کے بالکل بالمقابل، اپنے لشکر کو شمال کی طرف حرکت دیتا رہا۔ ایک جگہ دریا کا پاٹ بہت کم تھا، یہاں سنگین پل کے پاس پہنچ کر تیمور رک گیا۔ جتہ مغل ایک تو مقابلتاً طاقتور تھے، دوسرے انہیں ہر طرح کے تحفظ اور

آسانیاں بھی حاصل تھیں، اس لئے قدرتی بات تھی کہ وہ پل پار کرنا نہ چاہتے تھے۔ تیمور نے نہایت دلجمعی سے اپنا معسکر قائم کرلیا۔ اس رات اس نے پانچ سو جوانوں کو پل کی حفاظت پر متعین کیا اور ان کی کمان اپنے دو قابل ترین سرداروں کو سونپی، ایک موید ارلات تھا، جس کی وفاداری اور دلیری شبے سے بالاتر تھی، اور دوسرا، امیر موسیٰ، جو امیر حسین کے سپہ سالاروں میں قابل ترین سپاہ سالار تھا۔

تیمور نے ان پانچ سو کو معسکر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود باقی فوج سمیت جتہ فوج کے عین مقابل ایک مقام پر دریا عبور کیا مگر پار اتر کر رکا نہیں بلکہ کترا کر ان نیم دائرہ نما پہاڑیوں میں چلا گیا جو سامنے کے رخ تھیں۔

اگلے دن جتہ مغلوں نے تیموری سپاہ کے گزرنے کے نشانات دیکھے ظاہر یہی ہو رہا تھا خاصی کثیر فوج اس پار آچکی ہے مگر جب وہ تیمور کے معسکر کی طرف نگاہ کرتے تو وہاں کی فوج میں کوئی کمی معلوم نہ ہوتی تیمور کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر جتہ سپہ سالار بیک جک پل پر حملہ کرے تو موید ارلات اور موسیٰ اس کا تحفظ کریں اور میں عقب سے مغلوں پر حملہ کر دوں۔

بیک جک نے جو بڑا ہوشیار جرنیل تھا، یہ خطرہ بھانپ لیا، اس لئے تمام دن خاموش بیٹھا رہا۔ ادھر تیمور نے رات کو اپنے سپاہی اردگرد کی پہاڑیوں پر پھیلا دیئے اور انہیں حکم دے دیا کہ مغل فوجوں کے تین طرف جگہ جگہ آگ جلائیں۔ مغل بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کے عادی تھے۔ بیک جک جگہ جگہ آگ جلتی دیکھ کر گھبرا گیا، اس نے جلدی جلدی اپنا معسکر اٹھایا اور صبح ہونے سے پہلے کوچ کا حکم دے دیا۔ تیمور اسی کے انتظار میں تھا۔ اس نے اپنی پوری فوج سے مغلوں پر حملوں کر دیا۔ آج تک کوئی فوج کوچ کرتے میں اپنا مکمل دفاع نہیں کر سکی، مغل کیسے کر لیتے چنانچہ ان کے دستے بکھر گئے، لشکر منتشر ہو گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تیمور نے ان کا بڑے زور وشور سے تعاقب کیا۔

امیر حسین نے لڑائی میں تو حصہ نہ لیا تھا مگر اب تیمور سے آملا اور مشورہ دینے پر مصر ہوا،

کہنے لگا: ''شکست خوردہ فوج کا تعاقب کرنا غلط اقدام ہے۔''

تیمور نے جواب دیا: ''ابھی انہیں شکست نہیں ہوئی'' اور تعاقب جاری رکھا۔

تاتاری قبائل جو مغلوں کے کوف سے جا بجا چھپے بیٹھے تھے اب ان کے فرار کی خبر سن کر چھپنے کی جگہوں سے نکل نکل کر تیمور کے پاس آنے لگے تیمور ہر قبیلے کا جو مبارکبادی دینے آتا، خیر مقدم کرتا۔ تاتاری مرد و زن خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ سوار گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے اور امیر کو دیکھنے کے مشتاق نظر آتے تھے، عورتیں گھروں اور خیموں کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی آستینیں ہلا ہلا کر مبارکبادیں دیتیں، تیمور کو سونے تک کی فرصت نہ تھی اسے اس نئی فوج کے نئے کماندار مقرر کرنے تھے، پرانی قبائلی دشمنیوں کو دبا کر اہالیان قبائل کے آپس میں سمجھوتے کرانے تھے، مال غنیمت کو اس طرح بانٹنا تھا کہ کسی کے دل میں رنجش نہ رہے، مقتولین کے وارثوں کو مال بدل اور زخمیوں کو وظیفے دینے تھے اور مغلوں کے مسلسل تعاقب کی نگرانی بھی کرنی تھی تمام رات گھوڑے پر سوار اپنی فوج کو شمال کی طرف بڑھتے رہنے کی ہدایات دیتا رہتا اور جہاں کہیں مقابلہ سخت ہوتا وہاں خود پہنچ جاتا۔

تاتاریوں کے بے پناہ سیلاب نے جتہ فوجوں کے قدم اکھیڑ دیئے چنانچہ انہوں نے دریائے آمو اور دریائے سیر کے درمیان کا سارا علاقہ خالی کر دیا۔ شہزادہ الیاس خواجہ خان شمالی میدانوں میں پہنچ کر تاتاریوں کے مقابلے کے لئے فوجیں جمع کر رہا تھا کہ وطن سے آئے ہوئے دو سوار اس کے سامنے پیش ہوئے جنہوں نے اس کے باپ تغلق تمور خان کے مرنے کی خبر دی اور پھر اس کے گھوڑے کی باگ تھام کر اسے خیمے کے اندر لے گئے۔

الیاس اپنے شہر المالیق جانے پر مجبور ہو گیا جو خطا کی شاہراہ پر تھا ادھر بیک جک اور دو اور مغل سپہ سالار تاتاریوں کے ہاتھ آ گئے تھے۔ تیمور نے انہیں انفرادی مبارزت میں زک دے کر قید کیا تھا۔ ایک مختصر سا مقابلہ ہوا تھا، ایک لمحے کے لئے تلواریں چمکیں، اور گھوڑے ٹکرائے، پھر ماوراء النہر کا نیا بادشاہ ان پر غالب آ گیا۔

تیمور نے جشن منانے کا حکم دیا اور مغل سپہ سالاروں کی اپنے خیمے میں دعوت کی جہاں

ان کی پذیرائی ان کے مرتبے کے مطابق کی گئی جشن کے بعد تیمور نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انوہس نے خان اعظم کا حق نمک ادا کر دیا اور ان سے پوچھا کہ اب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

''اس کا فیصلہ آپ ہی کریں!'' انہوں نے نہایت سکون سے جواب دیا ''اگر ہم قتل کر دیئے گئے تو بہت سے بدلہ لینے اٹھیں گے، لیکن اگر ہمیں زندہ رہنے دیا گیا تو بہت سے آپ کی دوستی کا دم بھرنے لگیں گے جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمارے لئے تو مر جانا یا جیتے رہنا ایک ہی بات ہے، جب کمر سے تلوار باندھی اور تن پر زرہ پہنی ہے اسی وقت سے موت کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

امیر حسین نے تیمور کو مشورہ دیا کہ دشمن کے سپہ سالاروں کو رہا کرنا ٹھیک نہ ہو گا مگر نوجوان فاتح، جس نے انہیں اپنے ہاتھوں قید کیا تھا اور دعوت میں بھی شریک کر چکا تھا، انہیں رہا کرنا چاہتا تھا اس نے ان کے لئے گھوڑے منگوائے، انہیں تحفے دیئے اور قید سے رہا کر دیا۔

اس دوران میں اس نے شہر سبز بھی فتح کر لیا تھا اور یہ کام اس سادہ اور آسان حیلے سے کیا تھا جو صحرائی قبائل سے سیکھا تھا جوں ہی شہر کی دیواریں نظر آئیں اس نے اپنے سوار چاروں طرف پھیلا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ ادھر ادھر گشت شروع کر دیں اور جس قدر زیادہ گرد اڑا سکیں اڑائیں۔ کئی سرداروں نے جوش میں آکر درختوں کے تنے کاٹ لئے انہیں زمین پر ڈال کر گھسیٹنے سے اس قدر گرد اڑی کہ ہر طرف بے شمار لشکر کی موجودگی کا گمان ہونے لگا شہر کی قلعہ بند جتہ فوج ڈر گئی اور شہر خالی کر دیا۔ یوں شہر سبز محاصرے کی صعوبتوں سے بچ گیا۔

تیمور کے وقائع نگار نے خوب کہا ہے کہ ''امیر تیمور جنگ میں ہمیشہ خوش قسمت رہا۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے ایک بہت بڑی فوج کو آگ سے شکست دی اور ایک شہر پر گرد و غبار کی مدد سے قبضہ کیا۔''

اس فتح سے تا تاریوں کی جتہ مغلوں سے گلو خلاصی ہوئی اوران کے سر سے ایک بلا ٹل گئی۔مگر بے چین تا تاریوں پر جنگ کے زمانے سے زیادہ امن کا زمانہ بھاری ہوتا تھا۔امیر حسین کو تیمور کا شاہانہ انداز اور شکوہ پسند نہ تھا اوراس نے اپنے نقصانات کی تلافی کے طور پر بہت زیادہ رقم نیز حقوق بھی طلب کیے۔ادھر تیمور کے دل میں بھی اس کی طرف سے کھٹک تھی۔وہ ایک دن امیر حسین کوایک بزرگ (36) کے مزار پر لے گیا اور وہاں اس سے یہ قسم لی کہ اس کا وفادار دوست بنا رہے گا۔حسین نے قسم کھانے کو تو کھالی مگر قسم کھانے پر مجبور کیے جانے کا برا مانا۔ دونوں ہی خستگی اور تھکان کا شکار تھے اور اپنے ساتھیوں کے مسلسل جھگڑوں سے بھی تنگ آ چکے تھے،اس لئے دونوں بیمار پڑ گئے۔

وقائع نگار لکھتا ہے کہ الجائی خاتون آغا نے معسکر میں آ کران دونوں کی تیمارداری کی۔

☆☆☆☆☆☆

برسات کی لڑائی (37)

الیاس خواجہ خان کا پلٹ کر آنا لازمی تھا۔ تیمور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس راستے پر، جس سے اسے آنا تھا تقریباً آدھے فاصلے تک گیا اور دریائے سیر کے شمال کے میدان (38) تک پہنچ گیا جس میں مغل یورش شروع کرنے سے پہلے گھوڑوں کو تازہ دم کرنے، انہیں چرانے پھرانے اور ان کا ساز و سامان درست کرنے کے لئے رکا کرتے تھے۔ الیاس کے ساتھ بلاد شمال کی پوری طاقت تھی، اس کی فوج آزمودہ اور منضبط، افسر تربیت یافتہ اور گھوڑے پورے ایشیا میں بہترین تھے جن کے چرم پوش سواروں کے گنجان دستوں کے سروں پر قرنی پرچم بڑی آن بان سے لہرا رہے تھے۔

وہ تعداد میں تاتاریوں سے کم تھے مگر تیمور ان کی جنگی صلاحیت سے واقف تھا۔ وہ جنگی مخبروں کے ذریعے ان کی نقل و حرکت سے باخبر رہا۔ اور اس اثنا میں امیر حسین بھی کوہستانی قبائل سمیت اس سے آملا۔

اتنے زیادہ تاتاری قبائل تاریخ میں پہلی بار یک جا ہوئے۔ وہ اپنی پوری طاقت سے میدان جنگ میں اترے۔ قبیلہ برلاس اور صحرا کے شہسوار، امرائے جلایر، سلدوز خاندان کے تنومند جوان، امیر حسین کے غوری قبائل، کابل کے گٹھیلے جسموں کے سپاہی جن کے کانوں میں اس دور دراز علاقے میں بھی، جنگی تیاریوں کی بھنک پڑ گئی تھی، خود پوش ایرانی اور ''بہادر'' سب ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

تقریباً سبھی گھڑ سوار تھے، صرف ملازموں، چرواہوں اور نیزہ بازوں کی چند پلٹنیں پیدل تھیں، جن کے ذمے معسکر کی حفاظت کا کام تھا، جس کے گرد خندق کھود لی گئی تھی، مگر ان سواروں کا قیاس آج کل کی ہلکی سوار رجمنٹوں (39) پر نہیں کیا جا سکتا۔

تاتاری سوار ایران کی بنی ہوئی مہین مگر مضبوط آہنی زرہ پہنتے تھے۔ ان کے سروں پر کلغی دار آہنی خود اور اس کے نیچے گلوگیر یا جھلم ہوتا تھا۔ جس سے گلے کی حفاظت ہوتی تھی یہ ناک کے نیچے یا ٹھوڑی پر باندھا جاتا تھا۔ سینے اور کندھوں کی حفاظت دہری زرہ یا فولادی

تختیوں سے کی جاتی تھی بعض گھوڑوں پر چمڑے کی جھول بلکہ کڑیوں دار زرہ بھی ہوتی تھی اور بعض اوقات ان کے سر بھی ہلکے فولادی خودوں سے ڈھکے ہوتے تھے۔

ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کمان اور اس کے علاوہ ایک تیغ اور بعض کے پاس تلوار یا دورخی ایرانی شمشیر بھی ہوتی تھی ان کے نیزے عام طور پر دس فٹ لمبے اور آج کل کے بلم کی شکل کے ہوتے تھے ان کی انی بہت چھوٹی ہوتی۔ بعض سوار چھوٹا برچھا پاس رکھتے تھے جس کے سرے پر فولادی موٹھ ہوتی جو آہنی زرہ کو پاش پاش کرنے کے لئے استعمال کرتے۔ ان کی کمانوں پر بھی سینگ یا لوہے کے خول چڑھے ہوتے تھے۔ اکثر کے پاس آہنی گرز اور تیغ ضرور ہوتی۔

فوج کو چھوٹے سے چھوٹا دستہ، جس میں سو سوار ہوتے، آج کل کے اسکواڈرن کے برابر اور ہزارہ رجمنٹ کے برابر ہوتا تھا، جس کی کمان مینک باشی (کرنل) کے سپرد ہوتی۔ امیروں کو تمام صفوں پر تقسیم کر دیا جاتا تا کہ انہیں فوج کو لڑانے میں آسانی ہو۔ لڑائی کے دوران میں قیادت کی تمام ذمہ داری انہیں پر ہوتی۔ امیر تیمور اور امیر حسین کے گرد چند امیر ہر وقت موجود رہتے جنہیں تاواچی (آج کل کی اصطلاح میں ایڈی کانگ) کہتے تھے۔

تیمور نے اپنی فوج میمنہ، قلب اور میسرہ میں ترتیب دے رکھی تھی ان میں سے ہر ایک کے دو حصے تھے۔ ایک اعظم الجیش، دوسرا محفوظ سپاہ، میمنہ امیر حسین کی کمان میں تھا، اس کو تیمور نے قصداً زیادہ طاقتور رکھا تھا، میسرہ، جو کمزور تھا، تیمور نے براہ راست اپنی کمان میں رکھا اس کے ساتھ برلاس سردار، امیر جاکو اور اسکے ساتھی بھی تھے۔

تیمور بہت پر امید تھا اور نا معلوم طور پر خوش نظر آتا تھا۔ تاتاری سپاہیوں کو بھی اپنی کثرت تعداد اور شان و شوکت کی وجہ سے فتح کا یقین تھا مگر یک لخت بارش شروع ہوگئی۔ بہار کا یہ طوفان باراں اس وقت شدت سے آیا کہ جیسے قدرت نے انسانوں اور گھوڑوں کو اڑا لے جانے کی ٹھان لی ہے اور اس نے دونوں فوجوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے

جو بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک چمک سے ہو رہا تھا۔ زمین پہلے ہی نرم تھی، اب کیچڑ اور دلدل کی جھیل بن گئی، جس میں گھوڑے حرکت بھی بمشکل کر سکتے تھے، چنانچہ بار ہا پیٹ تک دھنس دھنس گئے۔ دریا (40) بھی چڑھ گیا، اس سے نشیبی علاقوں اور ندی نالوں میں پانی بھر گیا۔ سپاہیوں کی وردیاں بھیگ چکی تھیں اور ہتھیاروں کی حفاظت دشوار ہوتی جا رہی تھی وقائع نگار نے لکھا ہے کہ یہ سب جتہ مغلوں کی کارستانی تھی جن کے جادوگروں نے یدہ پتھر سے یہ حالت پیدا کی تھی (41) اور چونکہ انہیں اس کا پہلے ہی سے علم تھا اس لئے وہ نمدے، کمبل اور جھولیں ساتھ لائے تھے جن سے اپنے گھوڑوں کو برف اور بارش سے بچا سکتے تھے اس کے علاوہ انہوں نے نالیاں کھود کر پانی کے نکاس کا بھی انتظام کر رکھا تھا، اس لئے ان کا معسکر بھی دلدل نہ بنا۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بارش کی صعوبتوں سے بچ نکلے اور تیمور کے لشکروں کو یہ سب جھیلنی پڑیں غرض جتہ مغل تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے۔

تیمور بھی مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ حسب معمول پہلے شمشیر زن فرداً فرداً جنگ آزما ہوئے اور اس طرح چند جھڑپیں ہوئیں اس کے بعد تیمور نے اپنے بائیں بازو کی رجمنٹوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جتہ لشکروں نے یہ حملہ روک لیا اور تاتاریوں کو پیچھے دھکیل دیا اور خود ان کے عقب میں سیلاب کی طرح بڑھ آئے جس سے تیمور کی محفوظ سپاہ کے قدم بھی اکھڑنے لگے۔

اس اچانک اور عظیم مصیبت سے دوچار ہوتے ہی تیمور نے نقارے پر ضرب لگانے کا حکم دیا اور اپنے براس بہادروں کو لے کر آگے بڑھا مگر دلدل کے اس سمندر میں نظم قائم نہ رہ سکا اور اس کے دستے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گئے۔ جس سے گھبراہٹ، افراتفری اور بدنظمی پھیلنے لگی۔

باد و باراں کی وجہ سے کمانیں بیکار ہو گئی تھیں گھوڑے بری طرح پھسل رہے تھے زرد زرد پانی کی نالیاں خون سے سرخ ہوتی جا رہی تھیں اب فولاد ہی کا استعمال ممکن تھا

شمشیروں سے شمشیریں ٹکرانے لگیں۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹیں، تلواروں کی جھنکاریں، زخمیوں کا کراہنا اور تاتاری شہسواری کے نعرے، غرض قیامت کا سماں تھا۔

تیمور، جتہ فوج کے میمنہ کے کماندار (42) کے علم کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر تیر کا وار کیا جو اس نے اپنی ڈھال پر روکا اور رکابوں میں کھڑے ہو کر تیمور پر تلوار سے وار کیا ہی چاہتا تھا کہ جاکو نے، جو اپنے امیر کے ساتھ سائے کی طرح لگا آرہا تھا، آگے بڑھ کر نیزے کی انی مغل کماندار کے سینے کے پار کر دی۔ مغلوں کا علم سرنگوں ہو گیا۔

تیمور نے ایک بار پھر نقارے پر ضرب لگانے کا حکم دیا تاکہ دشمن کے دل دہل جائیں مغل علم گر جانے سے بددل ہو کر پسپائی کرنے لگے مگر اس دلدل میں منظم پسپائی امکان سے باہر تھی، ان کی فوج میں بدنظمی پیدا ہوئی پھر بھی تھوڑی دیر بعد، تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر صاف نکل گئے۔

تیمور نے اپنا گھوڑا ایک پہاڑی کی طرف بڑھایا اور اس پر چڑھ کر میدان جنگ کے دیگر حصوں کا جائزہ لیا حالات اچھے نہیں تھے امیر حسین کو پیچھے دھکیل دیا گیا تھا اور اس کی محفوظ فوج بڑی مشکل سے مغلوں کو روکے ہوئے تھی اور اس دوران میں دونوں فوجوں کے قلب بھی ایک دوسرے کے مقابل آچکے تھے۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو از سر نو صف بندی کا حکم دیا، مگر ایسے لشکروں کو، جو تعاقب کر رہے ہوں، اکٹھا کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور تیمور انتا صبر کرنے کے لئے تیار نہ تھا چنانچہ جتنے بھی دستے مل سکے انہیں کو لے کر حسین کے مقابل مغل لشکر کے دائیں پہلو پر حملہ کر دیا۔ وہ اس یورش میں اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ مغلوں پر اس کا حملہ ایک حد تک ان کے عقب سے تھا۔ اس اچانک حملے کی تاب نہ لا کر مغل پیچھے ہٹ گیا۔ الیاس خواجہ خان نے ابھی تک اپنی محفوظ فوج روک رکھی تھی اور ایسا نظر آرہا تھا کہ میدان چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

اس پر حملے کا اس سے بہتر موقع نہ مل سکتا تھا تیمور نے حسین کو پیغام بھیجا کہ اپنے لشکر کو

دوبارہ ترتیب دے اور جلد آگے بڑھے۔

حسین خفا ہوگیا اور بگڑ کر قاصد سے کہا: ''کیا میں بزدل ہوں جو تیمور مجھے میرے آدمیوں کے سامنے آگے بڑھنے کا حکم دے رہا ہے؟'' اور تیمور پر جو غصہ آیا تھا وہ اس کے قاصد پر اس طرح اتارا کہ اس کے منہ پر تھپڑ امارا۔

وقت ضائع ہو رہا تھا، تیمور کو غصہ تو آیا، مگر پی گیا اور دو ایسے افسر جو امیر حسین کے رشتہ دار بھی تھے، اسے یہ سمجھانے کے لئے بھیجے کہ الیاس ہار رہا ہے، اس وقت ضرورت ہے کہ ہم آگے بڑھ کر اس پر حملہ کردیں۔

''میں بھاگ تھوڑے ہی رہا ہوں''، حسین نے پھر اسی طرح خفگی سے کہا ''وہ کیوں بار بار مجھے آگے بڑھنے کو کہتا ہے (43) پہلے میں اپنے آدمی تو اکٹھے کرلوں!''

ان افسروں نے کہا ''حضور بجا ہے لیکن ذرا غور فرمائیے، امیر تیمور اس وقت دشمن کی اس فوج سے لڑ رہا ہے جو اس نے آخری مقابلے کے لئے تازہ دم رکھی ہے آپ کو تیمور کی مدد کرنی چاہئے۔''

مگر امیر حسین پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ممکن ہے حسد کی وجہ سے نہ ہوا یا شاید اس کے لئے آگے بڑھنا ممکن ہی نہ ہو۔ بہر حال تیمور کو واپس آنا پڑا۔ رات کو اس نے کھیتوں میں اپنا معسکر قائم کیا مگر اس پر افسردگی طاری تھی۔ نہ خود حسین کے پاس گیا نہ اس کے ایلچیوں کو کوئی جواب دیا۔ اس رات اس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ آئندہ حسین کے ساتھ مشترک کمان میں کبھی جنگ نہ کرے گا۔

اگلے دن پھر بارش ہوئی مگر تیمور نے، جو ابھی تک غصے میں تھا، اکیلے ہی بڑھ کر الیاس کا مقابلہ کیا مغل لشکر اس پر کئی طرف سے حملہ آور ہوئے تیمور اکیلا ان سب کا مقابلہ نہ کر سکا چنانچہ اسے پسپائی پر مجبور ہونا پڑا۔ سروں پر طوفان باد و باراں، پاؤں تلے دلدل اور کیچڑ، پسپائی بڑی ناخوشگوار رہی۔ میدان جنگ مقتول تاتاریوں سے پٹا پڑا تھا۔ ان کے غم نے اسے اور بھی غمگین کردیا۔ دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتا، خاموش چلتا رہا۔ برلاس

سرداراس کے پیچھے پیچھے سر جھکائے چل رہے تھے تیمور کو شکست فاش ہوئی تھی امیر حسین نے عین وقت پر مدد کرنے سے انکار کیا تھا یہ بات وہ ساری عمر نہ بھولا۔

امیر حسین نے کئی ایلچی روانہ کئے، ہر مرتبہ ایک نئی تجویز بھیجتا اور ہندوستان چلے جانے کا مشورہ دیتا، تیمور نے جواب میں کہلا بھیجا ''تم ہندوستان جاؤ یا جہنم میں جاؤ، مجھے کیا!''

اس نے سمرقند کی جانب پسپائی کی، وہاں محاصرے کے انتظامات کئے اور خود اپنی وادی کا رخ کیا تاکہ وہاں سے نئی فوج تیار کر کے لائے اس کا خیال تھا کہ اس عرصے میں جب جتہ مغل سمرقند کے محاصرے میں مصروف رہیں گے وہ نئی فوج لے کر آ پہنچے گا۔

مگر شہر سبز پہنچا تو معلوم ہوا کہ الجائی ابدی نیند سو چکی ہے اور اس کا جسد خاکی محل کے باغ میں دفن بھی کیا جا چکا ہے تنہائی پسند تیمور اب حقیقت میں یکہ و تنہا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو امیر

الجائی کے مر جانے سے امیر تیمور اور امیر حسین کا وہ رشتہ منقطع ہو گیا جس میں یہ دونوں اب تک منسلک رہے تھے امیر حسین نے تیمور ہی کی مدد سے پہلو تہی نہیں کی تھی اس نے اپنی بہن سے بھی اس کی زندگی میں ایک دوبار بدسلوکی کی تھی تیمور کے دل میں یہ رنجش بھی تھی غرض طبیعت پہلے ہی سے مکدر تھی، اب بیوی کی موت نے بالکل ہی افسردہ کر دیا۔ اس نے جہانگیر کو ساتھ لیا اور دریائے آمو کے جنوب میں اسی مقام پر جا پہنچا جہاں پچھلے برس گرمیوں میں الجائی کے ساتھ قیام کیا تھا۔

مولانا زین الدین نے جو تعزیت نامہ بھیجا وہ ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا ''انا للہ وانا الیہ راجعون ہر شخص کی موت کا دن اور وقت معین ہے''

مگر تیمور تقدیر کا اتنا قائل نہ تھا جو مذہبی جذبہ علمائے دین کے دلوں میں موجزن رہتا تھا وہ اس سے بے بہرہ تھا ویسے تو جس تحمل سے وہ مصائب برداشت کرتا تھا، اس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ توکل کا قائل ہے اور شریعت محمدی کے اتباع کو وسیلہ نجات سمجھتا تھا مگر اس پر نسلی اور عصبی روایات کا اثر بھی تھا اور کئی ایسے سوال اس کے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جن کا تسلی بخش جواب اسے نہ سوجھتا تھا (44) گو وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا، مسجد میں حضور قلب سے وعظ بھی سنتا تھا وہ رات کے وقت گھنٹوں تک شطرنج کھیلتا اور پیادہ و فرزین کی چالیں چلتا۔ اکثر اکیلا ہی کھیلنے لگتا مگر جب کبھی کسی کے ساتھ کھیلتا ہمیشہ جیتتا کیونکہ بڑا استاد شاطر تھا۔

اس کھیل میں تکمیل مہارت کے لئے اس نے ایک نئی بساط اختراع کی تھی جس میں عام بساط سے دگنے خانے اور مہروں کی تعداد بھی دگنی تھی اس بساط پر وہ نئی چالیں چلتا۔ ننھا جہانگیر، جس کی عمر اس وقت صرف پانچ سال کی تھی، قالین پر باپ کے پاس بیٹھا ان عجیب اور چمکتے دمکتے کھلونوں کو دیکھتا رہتا جن میں اس کا باپ محو ہوتا۔

تیمور اس قسم کے اشغال میں کھویا ہوا تھا کہ سمرقند کے علماء کا ایک وفد آیا اور اس نے

کہا ”خدا نے اپنے مومن بندوں کی مغلوں سے گلوخلاصی کر دی ہے۔ وہ سمرقند پر چڑھ آئے تھے مگر ابخارا کے مفتی نے سمرقند پہنچ کر مسلمانوں کو دفاع پر آمادہ کرلیا تا کہ دونوں امیروں کے آنے تک دشمن کو روکے رکھا جائے۔ معلون دشمن شہر کے مضافات تک آ گیا تھا، مگر اہل سمرقند نے اسے مار بھگایا۔ پھر اللہ کے حکم سے مغلوں کے گھوڑوں میں وبا پھیل گئی جس سے تین چوتھائی گھوڑے مر گئے چنانچہ ان کے پیغام رسانوں تک کو سواری ملنی مشکل ہوگئی اس مصیبت سے گھبرا کر وہ ملک خالی کر گئے واپس جاتے وقت ان کی حالت دیدنی تھی سامان اور کمانیں پیٹھوں پر باندھے، تلواریں کندھوں پر رکھے، پا پیادہ جارہے تھے دنیا نے مغلوں کی فوج کو پیدل چلتے کبھی نہ دیکھا ہوگا، مگر ہم نے دیکھا ہے۔“

علماء کے بعد تیمور کے افسر آئے جو یہ حالات بچشم خود دیکھتے رہے تھے انہوں نے بھی یہی بتایا کہ سمرقند کے شہریوں نے دشمن کو روکے رکھا تھا۔ گھوڑوں میں جو وبا پھیلی وہ واقعی بڑی شدید تھی مغلوں کا تعاقب کرنے والے تاتاری دستوں کو بعض دفعہ میلوں کا چکر اس لئے کاٹنا پڑتا تھا کہ مردہ گھوڑوں کے قریب سے نہ گزرنا پڑے۔

یہ خبر جب امیر حسین کو ملی تو وہ سمرقند پہنچ کر بڑی شان سے شہر میں داخل ہوا وہاں کے لوگ اپنی کامیابی پر بے حد خوش تھے دیواروں پر قالین لٹک رہے تھے، مسجدوں میں لوگ ہزاروں کی تعداد میں سجدہ شکر بجالا رہے تھے امیر حسین جس باغ میں جاتا، سامعہ نواز نغمے اس کا خیر مقدم کرتے۔ اب تیمور اور حسین ہندوستان کی سرحد سے لے کر بحیرہ ارال تک تمام علاقے کے مالک تھے تیمور سپہ سالار تھا، فوج اسی کی کمان میں لڑی تھی، اس کے ساتھی بھی تعداد میں زیادہ تھے مگر امیر حسین بادشاہ گر قزغن کا پوتا اور ایک حکمراں کا بیٹا تھا، اس نے چنگیز کی نسل کا ایک خان (45) نامزد کیا، اسے دستور کے مطابق شاہانہ رسوم ادا کر کے تخت پر بٹھایا اور اپنے دادا کی طرح خود حکومت کرنے لگا۔

حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ تیمور کو حسین سے کم تر درجہ قبول کرنا پڑ گیا، اس کے ذمے صرف زمین کی تقسیم، مالیہ اور دیگر واجبات کی وصولی اور دیوانی مقدمات فیصل

کرنے کے کام تھے مگر ایک بات پر وہ اڑ گیا اور وہ یہ تھی کہ وہ اپنی وادی، یعنی شہر سبز سے دریا تک کا علاقہ، کسی کو نہ دے گا۔ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہہ دیا ''دریا تک کا علاقہ میرا ہے۔''

اس کا رویہ بڑا باوقار تھا، کسی کو، اس کی فیاضی کی وجہ سے، اس سے الجھنے کا موقع نہ ملتا تھا جب امیر حسین نے قبیلہ برلاس پر ایک بھاری محصول لگایا تو تیمور نے احتجاج کیا اور کہا کہ گزشتہ جنگ میں ان کو شدید جانی و مالی نقصانات پہنچے ہیں اس لئے یہ محصول ناواجب ہے اور حسین کو محصول کی پوری رقم اپنی گرہ سے ادا کی بلکہ غصے میں آ کر الجائی کے زیورات، کانوں کی بالیاں اور موتیوں کا وہ گلوبند بھی جو اس نے شب عروسی میں پہنا تھا، حسین کے حوالے کر دیئے اور حسین نے یہ زیورات پہچان لینے کے باوجود رکھ لئے۔

ان میں آخری اختلاف چند مفسد امراء کی وجہ سے پیدا ہوا۔ امیر حسین نے خان مقرر کر کے مغلوں کو بھی اپنا مخالف بنا لیا تھا اور بعض تاتاری امیروں کو زیر کر کے بھی نئی دشمنیاں پیدا کر لی تھیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ غلطی کس کی تھی مگر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ملنا جلنا بھی ترک ہو گیا، جس کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں برآمد ہوا اوپر سے جتہ مغل بھی وقتاً فوقتاً ملک میں گھس آتے۔ چنانچہ تاتاری مملکت نے جنگی معسکر کی شکل اختیار کر لی اور چھ سال تک یہی حالت رہی کشاکش کے اس تاریک دور میں تیمور ایک ایسی روح جنگ کی طرح حرکت میں رہا جو قید جسم سے آزاد ہو اس کی دلیری، پامردی، بے خوفی اور بے مثل فراخ دلی زبان زد خلائق ہو گئی۔ راتوں کو جب قافلوں والے الاؤ جلا کر اس کے گرد بیٹھتے تو اس مافوق امیر کی کہانیاں سنتے اور سناتے۔ وہ اکثر کہتے ''تیمور بلاشک اسم بامسمی ہے۔ وہ فولاد کا بنا ہوا ہے، ایسا فولاد جسے کوئی نہیں جھکا سکتا۔''

قرشی کی فتح کا قصہ بے حد مقبول تھا، اسے بازاروں، معسکروں اور کاروان سراؤں میں بار بار دہرایا جاتا تھا۔

قرشی خراسان کے نقاب پوش ''پیغمبر'' مقنع کا مسکن تھا جو مدتوں پہلے مر کر ختم ہو چکا تھا

اس شخص نے لوگوں کو اپنے کرشموں سے مسحور کرلیا تھا۔ وہ انہیں تاریک راتوں میں، جب چاند نہ نکلا ہوتا تھا، ایک کنویں میں سے چاند نکال کر دکھاتا تھا اس شعبدے کی وجہ سے اس کا نام ''ماہ ساز'' یا ''ماہ سازندہ'' پڑ گیا تھا گو مورخ اسے ''فتنہ ساز'' ہی کہتے ہیں۔

تیمور نے یہاں ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا تھا جس پر اسے ناز تھا۔ جن دنوں کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں قرشی پر امیر حسین کی فوج قابض تھی اور اس کا قلعہ بھی اسی کے پاس تھا تیمور کے سپاہی اس بات سے پوری طرح واقف تھے کہ یہ قلعہ بے حد مضبوط ہے امیر حسین کی طرف سے امیر موسیٰ شہر کا حاکم تھا، وہی موسیٰ جس نے سنگین پل کی لڑائی میں بیک جک کے ممکنہ حملے سے پل کی حفاظت کی تھی ہر چند وہ خورد و نوش اور شراب ناب کا دلدادہ تھا اور اکثر بے پروائی بھی برت جاتا تھا مگر نازک موقعوں پر قابل اعتماد ثابت ہوتا تھا کیونکہ بہر حال ایک آزمودہ کار کمانڈر تھا۔

تیمور کے پاس اس وقت صرف دو سو چالیس سوار تھے افسروں میں سے امیر جاکو اور موید ارلات بھی موجود تھے، جو سنگین پل کی لڑائی میں شریک تھے ان کے علاوہ خطر پسند امیر داؤد بھی تھا جب تیمور نے قرشی پر حملے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ حیران رہ گئے ان دنوں شدید گرمی پڑ رہی تھی ان کے خیال میں یہ موسم اس مہم کے لئے موزوں نہیں تھا، اور پھر ان کے اہل و عیال ساتھ تھے ان کی بھی حفاظت کرنی تھی۔

تیمور نے جھنجھلا کر کہا: ''کم فہمو! میں نے کتنی بار تم سے کہا ہے کہ تمہارے اہل و عیال کی حفاظت میرے ذمے ہے''

وہ بولے: ''مگر وہ شہر پناہ کے اندر تو نہیں ہیں!''

تیمور ہنسا اور کہا: ''اگر شہر پناہ سے حفاظت ہو سکتی ہے تو قرشی کے گرداگرد فصیل ہے۔ ذرا سوچو اگر قرشی پر ہمارا قبضہ ہو جائے تو کتنا فائدہ ہو! حفاظت کا ایک مضبوط ذریعہ ہاتھ آجائے گا۔''

یہ بات تو ان کی سمجھ میں آ گئی مگر مہم کی نوعیت کی وجہ سے داؤد جیسا دلیر سردار بھی خاموش

رہا اور جاکو نے سر ہلاتے ہوئے کہا ''امیر! بات یہ ہے کہ پہلے ہمیں کافی طاقت حاصل کرنی چاہئے ہر بات کا موقع اور وقت ہوا کرتا ہے، کوئی موقع جلد بازی اور دلیری کا ہوتا ہے، اور کسی موقعے پر سوچ بچار کی ضرورت ہوتی ہے۔ موسیٰ طفل مکتب نہیں ہے اس نے نقارہ، طبل اور علم کے ساتھ عمر گزاری ہے وہ کجاوے میں بیٹھی ہوئی عورتوں کی طرح قابو میں نہیں آجائے گا۔''

''اچھا تو پھر تم عورتوں کے پاس جا کر ان سے سبق سیکھ کر آؤ'' تیمور نے بھاری بھر کم آواز سے کہا ''میں انہیں ساتھ لے لوں گا جو پل کی لڑائی میں شریک تھے موید ارلات تم! اور ایلچی تم!! کوئی اور بھی ہے؟''

کئی آوازیں آئیں کہ ہم نے آپ کے ساتھ دریا عبور کیا تھا اور جتہ مغلوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تیمور نے کہا: ''مگر اب تو تم وہیں جاؤ جہاں تمہارے بال بچے ہیں اور اپنے پچھلے کارناموں پر بازاروں اور گلیوں میں لاف زنی کرو، میں تو اپنے گھوڑے کی باگ قرشی کی جانب موڑتا ہوں۔''

لوگ جانتے تھے کہ اگر ہم نے ساتھ نہ دیا تو بھی تیمور جائے گا ضرور۔ آپس میں مشورہ رکنے لگے تیمور کو اس کے ارادے سے باز رکھنا ناممکن تھا اس کی بات اٹل ہوتی تھی حصول مقصد کے لئے اس قسم کے رویئے سے بعض اوقات جانیں ضائع ہوتی تھیں مگر تیمور کا حکم تقدیر کی طرح اٹل ہی سمجھا جاتا تھا۔

جب سردار آپس میں مشورہ کرنے کے بعد واپس آئے تو جاکو کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار تھی اس نے آگے بڑھ کر کہا: ''امیر! ہم نے اس قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے، اور یہ ہے تلوار! اگر ہم نافرمانی کریں تو آپ اس سے ہمارے سر قلم کر دیجئے گا۔''

اب وہ تیمور کے ہمنوا تھے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر موسیٰ کو قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور

کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔

''کم عقل کہیں کے!'' تیمور نے ہنستے ہوئے کہا اگر تم نے موسیٰ کو قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور بھی کر دیا تو تمہارے پاس کل دو سو چالیس جوان ہوں گے جب کہ اس کے پاس تین ہزار ہوں گے، تم اس کا کیا بگاڑ سکو گے!

داؤد نے باقی ساتھیوں کو خاموش دیکھ کر کہا

''کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم شب خون ماریں اور موسیٰ کو سوتے میں اچانک گرفتار کر لیں۔''

''بہت خوب!'' تیمور نے سنجیدگی سے کہا ''اور اسکے بعد تم موسیٰ کے تین ہزار سپاہیوں کو بھی سوتے میں گرفتار کرو گے؟''

''خدا چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے!'' داؤد نے اپنی بات رکھنے کے طور پر کہا ''موسیٰ کو ہماری موجودگی کا علم ہے جب تک ہم یہاں موجود ہیں وہ باہر نہ نکلے گا اس کے آقا نے اسے قرشی کی حفاظت پر مامور کیا ہے اور وہ اس کے حکم پر کاربند رہے گا۔''

پھر تیمور نے کہنا شروع کیا (اس طرح جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو) ''اگر میں موسیٰ کو یہ پیغام بھیجوں کہ وہ دریا کے کنارے آ کر ہری ہری گھاس پر شراب سے تشنگی بجھائے اور گرمی سے بچنے کے لئے درختوں کے تلے پناہ لے، تو کیا وہ آ جائے گا؟''

داؤد ہنسا موسم گرما شباب پر تھا وہ جہاں چاہتے خیمے لگا لیتے، پھر بھی ان کے بدن عبائیں اتار کر بیٹھنے کے باوجود پسینے سے شرابور رہتے۔ قرشی کا قلعہ موسم سرما کے لئے بنایا گیا تھا، وہ گرمیوں کے لئے موزوں نہیں تھا، ادھر موسیٰ کو جشن و طرب اور جام و مینا کا شوق تھا جو کسی کھلے میدان یا مرغزار ہی میں پورا ہو سکتا تھا۔

''معاذ اللہ!'' داؤد نے کچھ سوچ کر کہا ''موسیٰ آنا تو چاہے گا مگر آئے گا نہیں''

تیمور بولا: ''اگر یہ بات ہے تو پھر بلانا بھی نہیں چاہئے!'' اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے کچھ نہ کہا ایسا معلوم ہونے لگا جیسے قرشی کی مہم کا ارادہ ترک کر دیا ہے اس نے

والی ہرات کو تحائف بھیجے اور خراسان کی سڑک پر، جو ہرات کو جاتی تھی، چاہ اسحاق کے قریب اپنے خیمے نصب کرا لئے۔

قاصد کوئی ایک مہینے بعد واپس آیا جتنے قافلے شمال کی طرف جا رہے تھے تیمور نے انہیں روک رکھا تھا چنانچہ چاہ اسحاق کے پاس بہت سے قافلے پڑے ہوئے تھے اور لوگوں کا بڑا ہجوم تھا، قاصد جو پیغام لایا اس کا سب کو فوراً علم ہو گیا اور یہ بات ہر طرف پھیل گئی کہ تیمور ہرات جا رہا ہے والی ہرات نے تیمور کے قاصد کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے اور یہ کہلوایا تھا کہ آ کر مجھ سے ملئے۔

اگلے دن تیمور نے تمام کاروانوں کو سفر کی اجازت دے دی اور خود بھی روانگی کے انتظامات شروع کر دیئے انہوں نے راستے میں حفاظت کی درخواست کی تو تیمور نے جواب میں کہہ دیا کہ قرشی کے راستے میں ہمارا کوئی سپاہی نہیں ہے اس کے بعد نہایت عجلت میں اپنے دو سو چالیس جانبازوں کو ساتھ لے کر جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ کارواں شمال کی طرف روانہ ہوئے، انہیں دریائے آمو عبور کر کے قرشی جانا تھا۔

جب یہ کارواں قرشی پہنچے تو موسیٰ نے ان سے تیمور کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے جو دیکھا تھا بتا دیا کہ تیمور تو ہرات کا قصد کر کے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ شاید والی ہرات کے پاس پناہ لینی چاہتا ہے موسیٰ فوراً قرشی سے نکل کر ان سرسبز و شاداب میدانوں میں چلا گیا جن کا ذکر تیمور نے کیا تھا اور ایک مورخ کے الفاظ میں وہاں بساط عیش بچھا کر خم صہبائے سرمستی کے منہ کھول دیئے احتیاطاً اپنے بیٹے محمد بیگ کو چند سو جوانوں سمیت قرشی میں چھوڑ گیا۔

تیمور چاہ اسحاق سے چل کر اگلی منزل پر رک گیا اور وہاں کوئی ایک ہفتے ٹھہرا رہا تا کہ کارواں قرشی پہنچ جائیں پھر مڑ کر دریائے آمو کا رخ کیا اور ایک ہی منزل میں دریا پر پہنچ کر گھوڑا پانی میں ڈال کر تیرتا ہوا پار اتر گیا۔ صرف چالیس سوار اس کا ساتھ دے سکے، باقی کے لئے کشتیاں فراہم کی گئیں۔

جب یہ لوگ ادھر پہنچے تو تیر کر پار اترنے والوں نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ اس رات وہ کنارے ہی پر ٹھہرے، مگر سڑک سے اوجھل رہے۔ صبح کو بیس پچیس سوار قرشی کے راستے پر بھیجے گئے کہ قرشی جانے والے مسافروں کو روکنا شروع کر دیں شام کے وقت باقی آدمی سوار ہوئے اور قرشی کے مضافات میں پہنچ کر ایک کنویں کے پاس درختوں میں چھپ گئے۔ موسیٰ کے آدمیوں میں سے جو کنویں پر آتا اسے قید کر لیتے۔ تیمور نے اپنے آدمیوں اور ان قیدیوں کو سارے دن کمندیں بنانے پر لگائے رکھا۔ جب سورج غروب ہوا تو اپنے چند ایک سپاہیوں کو قیدیوں کی حفاظت پر مامور کیا اور خود باقی سواروں کو لے کر روانہ ہو گیا۔

جاکو نے کہا: ''ہم اس قدر تیز رفتار سے سفر کر رہے ہیں کہ ابھی تک ہمارے سب ساتھی یہاں نہیں پہنچ سکے ہیں۔ مہم کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ہم سنبھل سنبھل کر آگے بڑھیں اور بلاوجہ خطرے میں نہ پڑیں۔''

تیمور بولا: ''اچھا تم سب آدمیوں کو لے کر آؤ، میں گھوڑا بڑھا کر آگے جاتا ہوں اور فصیل پر کمندیں پھینکنے کے لئے جگہیں تلاش کرتا ہوں'' اور صرف دو جوان ساتھ لے کر چلا گیا۔

جب انہیں برج کی روشنی نظر آئی تو درختوں کے سائے میں گھوڑوں سے اتر پڑے تیمور نے ساتھ کے دو جوانوں میں سے ایک کو گھوڑوں کے پاس چھوڑا دوسرا اس کا خالہ زاد تھا جو اس کا ساتھ چھوڑنے پر رضامند نہ ہوا۔ اسے ساتھ لئے ہوئے تیمور خندق تک پہنچا۔ وہاں مکمل خاموشی تھی وہ دونوں خندق کے کنارے کنارے چلنے لگے اور اس جگہ پہنچے جہاں قلعے کی نہر خندق سے گزرتی تھی اس میں پانی صرف گھٹنوں گھٹنوں تھا۔ تیمور اچھل کر اس کے اندر اتر گیا اور دبے پاؤں خندق کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھا عبداللہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ جب وہ دوسرے کنارے پر پہنچے تو کود کر قلعے اور خندق کے درمیان کی زمین پر اتر گئے۔

اب تیمور عبداللہ کو ساتھ لے کر دیوار کے لگلواں لگلواں چلنے لگا آگے ایک دروازہ آیا تیمور نے اس پر رک کر تھوڑی دیر بعد، اس کے وکاڑ دھڑ دھڑائے اندر سے کوئی جواب نہ ملا معلوم ہوا کہ کواڑوں کے اس طرف دیوار چن دی گئی ہے۔

اس نے جستجو جاری رکھی آخر ایک جگہ ایسی مل ہی گئی جہاں فصیل کا بالائی حصہ ٹوٹا ہوا تھا یہاں سے اندر داخل ہونا آسان تھا اس نے عبداللہ کو یہ جگہ دکھائی اور جب یقین ہو گیا کہ وہ اسے اندھیرے میں دوبارہ ڈھونڈ لے گا تو وہاں سے لوٹ کر گھوڑوں کے پاس آیا اس وقت تک باقی آدمی بھی پہنچ چکے تھے اس نے پینتالیس آدمیوں کو گھوڑوں کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور باقی ایک سو کو ساتھ لے کر دوبارہ قلعے کا رخ کیا۔

تیمور ان سے آگے بڑھ گیا تا کہ فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصے کو ان کے آنے سے پہلے ڈھونڈ رکھے عبداللہ کو اس لئے ان کے پاس چھوڑ گیا کہ ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر نہر کے پار اتارے جب یہ سب موقع پر پہنچے تو تیمور دیوار پر بیٹھا ہوا تھا ان کے پہنچتے ہی اس نے احکام دینے شروع کر دیئے۔

سپاہیوں کی ایک ٹکڑی سنتریوں کو پکڑ کر قید کرنے کے لئے روانہ کی گئی سحر قریب تھا موسیٰ کے سب سنتری سو رہے تھے حصار پر تھوڑی سی لڑائی ہوئی تیمور نے اپنے سب سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور طلوع آفتاب کے قریب بگل بجوائے۔

قرشی کے باشندے چھتوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے کہ قصہ کیا تھا، اس لئے اس اچانک حملے سے گھبرا کر ان میں سے بیشتر اطاعت قبول کرنے تیمور کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور جب تیمور ان سے گفتگو کر چکا تو وہ اس کے ساتھ آن ملنے پر رضا مند ہو گئے صرف موسیٰ کے بیٹے نے اپنے محل پر مقابلہ کیا مگر جب روزنوں سے محل کے اندر آگ پھینکی گئی تو وہ بھی تلوار گلے میں ڈالے اطاعت قبول کرنے باہر نکل آیا۔ (46)

تیمور نے اس کی دلیری کی تعریف کی اور موسیٰ کے خاندان کو اس کے پاس جانے کی اجازت دے دی صرف اس کے بیٹے کو قرشی میں نظر بند رکھا۔

اس کامیابی کے بارے میں امیر جاکو نے بعد میں یہ الفاظ کہے کہ ''ہم نے یہ شہر اپنے امیر کے اقبال سے فتح کیا اور اس کی وجہ سے ہمارے کارناموں کو چار چاند لگ گئے۔''

مگر اس شہر کو فتح کر لینے کے بعد قبضے میں رکھنا بھی تیمور کا کمال تھا امیر حسین کے پاس ہزاروں سپاہی تھے تاتاری جوانوں کی نگاہ میں تیمور کا اتنے کثیر دشمنوں کے مقابلے میں قرشی کے دفاع میں کامیاب رہنا ایک اعجاز تھا وہ فتح اور شکست دونوں کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے مولانا زین الدین اور دیگر علماء انہیں یہی تلقین کرتے رہتے تھے۔

مگر یہ تاتاری شہسوار کچھ عجیب طبیعتوں کے لوگ تھے کبھی تو گھنٹوں تک کسی چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے درویش کے قدموں میں سرنگوں بیٹھے رہتے اور اسکی ہر بات پر ایمان لانے کو تیار ہوتے اور کبھی درویشوں کے ساتھ حقارت سے پیش آتے ان کا قول تھا کہ ''دو واعظ ایک مرد کے برابر ہوتے ہیں، اگر ایک ہو تو اسے عورت سمجھو'' (47)

وہ توہم پرست بھی تھے کوئی برا خواب دیکھ لیتے تو اسے برا شگون سمجھ کر گھوڑے پر بیٹھ کر کوسوں دور بھاگ جاتے مگر دوسری طرف موت سامنے نظر آتی تو بھی نڈر اور بے خوف رہتے عین جنگ میں خود سر سے اتار کر پھینک دیتے اور نعرے لگاتے دشمن پر ٹوٹ پڑتے تاکہ دیکھنے والوں پر ان کا رعب پڑے اور وہ ان کی مردانگی پر عش عش کر اٹھیں عزت اور وقار کے لئے جانیں دے دیتے تھے موت سے زیادہ بے آبروئی سے ڈرتے تھے اور عربوں کا یہ قول اکثر دہراتے رہتے تھے کہ ''جو فائدہ عزت گنوا کر حاصل ہو، اس کی کوئی وقعت نہیں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیمور بام دنیا پر (48)

طوائف الملوکی کے اس دور میں تیمور لوگوں کی نظروں میں روز بروز زیادہ نمایاں ہوتا چلا گیا۔ وہ اس کی دلیری کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے اور اس کے شکستوں سے بچنے اور فتوحات حاصل کرنے کے افسانے زبان زد خلائق تھے جو لوگ اس کے خلاف لڑتے تھے وہ بھی اس جرات وشجاعت کے پیکر کے حالات سننے کے مشتاق رہتے تھے بار بار بدلتے ہوئے حالات میں لوگوں کو تیمور کی حوصلہ مندی ہی اپنے پر اضطراب تصورات کی دنیا میں واحد قرار آفریں چیز نظر آتی تھی۔

بہت سے سردار امیر حسین سے بیزار ہو کر تیمور کے علم تلے آ گئے منگلی بوغا، جو مغل نسل کا ایک خانہ بدوش معمر سردار تھا، ایک دن گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور اپنا تعارف کرائے بغیر گھوڑے سے اتر کر تیمور کے سرداروں کے درمیان بیٹھ گیا۔ منگلی کسی زمانے میں تیمور کا سخت ترین دشمن تھا اس نے ایک دفعہ یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اگر مجھے چھ ہزار سوار دے دئے جائیں تو تیمور کو زندہ گرفتار کرا دوں گا مگر اب یہ کہتا تھا کہ ''میں تیمور کا نمک کھا چکا ہوں، اب کسی اور کی طرف نہ رخ کروں گا۔''

وہ وسیع مملکت جو تاریخ میں مملکت تیمور کے نام سے موسوم ہے، اس کی بنیاد ایسے ہی جاں بازوں کی وفاداری نیز تیمور کی بے مثل قیادت پر رکھی ہوئی تھی۔

اسی منگلی نے آگے چل کر اپنی حاضر دماغی سے تیمور کے لئے ایک اہم لڑائی جیتی۔ تاتاریوں کا ایک لشکر، جو سیاہ میش ترکمانوں کے سردار قرا یوسف سے برسر پیکار تھا، باقی فوج سے کٹ گیا تھا، تیمور کے سپاہی سب طرف سے گھرے ہوئے تھے اور ان پر سخت دباؤ پڑ رہا تھا خیال تھا کہ اس جنگ میں ان کو شکست ہو گی اتنے میں منگلی باقی سرداروں سے علیحدہ ہو کر کچھ ڈھونڈنے لگا آخر اس کی جستجو کامیاب ہوئی، اسے ایک ترکمان کا کٹا ہوا سر مل گیا۔

منگلی نے اس سر کو نیزے پر چڑھا کر بلند کیا اور ترکمانوں کی اگلی صفوں میں گھس کر چلا

چلا کر کہنا شروع کیا کہ قرا یوسف مارا گیا۔ اس سے تاتاریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دشمن کے سپاہی دل چھوڑ بیٹھے اور تھوڑی دیر بعد بھاگ کھڑے ہوئے۔۔۔۔۔ اور یوسف کو بھی، جو زندہ سلامت تھا، ان کے ساتھ بھاگنا پڑا۔

کئی باران وفاداری تاتاری سرداروں نے تیمور کی جان بھی بچائی تیمور کے دلیر قاصد ایلچی بہادر کا ایک واقعہ اس سلسلے میں بہت مشہور ہے۔

نپولین بونا پارٹ کے ایک افسر شہزادہ موراٹ کی طرح ایلچی بہادر کو بھی طرہ دار خود اور کامدار جوتے پہننے کا بڑا شوق تھا شاید اسی خوش پوش کی وجہ سے، یا اس کی غیر معمولی جرات کی بنا پر، اسے تیمور کی طرف سے اکثر بادشاہوں کے درباروں میں سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا مگر ایلچی بہادر اپنے طرہ دار خود اور زرکار جوتوں سمیت ہر لڑائی میں بھی موجود ہوتا تھا۔ ایک دفعہ تیمور جتہ مغلوں سے ایک مہم لڑ کر واپس ہوا تو شاہ بدخشاں کو ڈھونڈ نکالنے کی غرض سے، جو اس پر حملہ کرنے کے لئے فوجیں لے کر نکلا ہوا تھا، دریائے آمو کے کنارے پر واقع کوہستانی علاقے میں گشت کرنے لگا۔

ادھر شاہ بدخشاں تیمور کی خبر پا کر کوہستان کے اندرونی حصوں کی طرف پسپائی کرنے لگا۔ وہاں برف کے انبار لگے ہوئے تھے درختوں کا نام تک نہ تھا اور یخ کے بے پناہ تودے، سانپ کی طرح غیر محسوس رفتار سے، نیچے کی طرف پھسل رہے تھے دونوں فوجیں ایک دوسرے سے آنکھ مچولی سی کھیلنے لگیں کبھی بلندیوں کی طرف بڑھ جاتیں کبھی پھسل کر ہزاروں فٹ نیچے آ جاتیں اور کبھی سپاہی برف باری سے محفوظ رہنے کے لئے ایک دوسرے میں گھس کر بیٹھ جاتے۔

اس حال میں تیمور کو یہ پیغام ملا کہ اس کا مقدمۃ الجیش باقی سپاہ سے کٹ جانے کی وجہ سے بدخشانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہے اور اب وہ قیدیوں کو ایک اور گھاٹی کے راستے لے جا رہے ہیں۔

تاتاریوں کا ایک اٹل اصول یہ تھا کہ سپہ سالار اپنی فوج کو بچانے کی ہر ممکن سعی کرتا تھا

تیمور کے ساتھیوں کے خیال میں اس کو ان کی کم ہمتی پر بڑا غصہ آیا۔اس نے انہیں سوار ہونے کا حکم دیا اور خود قاصد کو راہبر بنا کر روانہ ہو گیا تا کہ چٹانوں کے اوپر سے کوئی ایسا راستہ تلاش کرے جو اس گھاٹی میں اترتا ہو جس میں سے بدخشانی اس وقت گزر رہے تھے۔

اس کے سپاہی گرتے پڑتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے کئی گھوڑے برف پر سے اس طرح پھسلے کہ لڑھکتے ہوئے سوار سمیت اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو گئے چنانچہ جب تیمور تیز چال سے چل کر گھاٹی میں پہنچا تو اس وقت اس کے ساتھ صرف تیرہ سپاہی تھے ادھر سے بد خشانی آرہے تھے وہ ان کو آتا دیکھ کر جلدی سے سامنے کی پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا تا کہ ان بلندیوں پر دشمن سے پہلے پہنچ جائے یہ دوڑ اس نے جیت لی اور اپنے تیرہ جوانوں سمیت چٹانوں کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا ان تیرہ میں ایلچی بہادر بھی تھا۔

سامنے سے بدخشانیوں کے صرف پچاس سوار آتے دکھائی دیئے مگر اگلے لمحے ان کے پیچھے دوسو سوار اور نظر آئے ایلچی بہادر نے جب یہ رنگ دیکھا تو آڑی کاٹ کر ان کے سامنے پہنچ گیا اس کی قاقم کی پوستین، ریچھ کی کھال کی ٹوپی اور زری کا پٹکا دیکھ کر وہ چلتے چلتے رک گئے انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سوار غیب سے نمودار ہو گیا ہے اس کا گھوڑا اعلیٰ نسل کا تھا کمان پہلو میں لٹک رہی تھی یہ کمان اس کی قربان اور تلوار کا نیام سب ہاتھی دانت کے تھے اور ان پر سنہری کام تھا اس شان سے گھوڑے پر سوار ایلچی بہادر للکارا:

''او بدنسلو! روکو اپنے گھوڑوں کو! دیکھتے نہیں سامنے کون کھڑا ہے! امیر تیمور گورگاں!''

وہ ان میں اس طرح جا شامل ہوا جیسے جنگ وجدل کا گمان تک نہیں ہے اور نہایت اطمینان سے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں تیمور کا کلغی دار خود چٹانوں میں تیروں کی بوچھاڑ کے درمیان نظر آرہا تھا۔

''ذرا سوچو تو سہی'' ایلچی کہتا رہا'' کہ اگر تم یہاں مارے گئے تو تمہارے اہل وعیال تمہیں بیوقوف سمجھیں گے یا نہیں؟ تیمور تمہارا راستہ روکے کھڑا ہے ایسی حالت میں تمہارا

آگے بڑھنا موت کے منہ میں جانا ہے ایسے موقع پر تو صلح کر لینا ہی اچھا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم قیدیوں کو یکجا کر لو اور انہیں تیمور کے حوالے کر کے اس کی خوشنودگی حاصل کرو!''

ایلچی کی اس تقریر کا جادو کام کر گیا۔ بدخشانی گھوڑوں سے اتر کر ایلچی کے سامنے تعظیم بجا لائے انہوں نے سوچا اس مقام پر ضرور تیمور کی بہت ساری فوج ہوگی ورنہ اس جیسا امیر یوں تنہا ان کے پاس ہرگز نہ آتا ایلچی بھی گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کی گردنوں کو مشفقانہ انداز سے تھپکنے لگا تیروں کی بوچھاڑ رک گئی، قیدی ایلچی کے سامنے لائے گئے ایلچی نے انہیں بغور دیکھا، پھر بدخشانیوں سے بولا: ''یہ تم کیا کر رہے ہو! تیمور کے سپاہیوں کو یوں بھیڑوں اور بکریوں کی طرح رانہ کرو گے؟ جب تم نے انہیں قید کیا تھا اس وقت ان کے پاس جو تلواریں اور دیگر ہتھیار تھے، وہ سب بھی ان کے حوالے کرو۔''

بدخشانی سراسیمہ ہو گئے سامنے امیر تیمور نظر آ رہا تھا جس کی دلیری اور فتوحات کے قصے سنتے آئے تھے اور وہ تھا بھی انہی کا منتظر، اور راستہ روکے کھڑا تھا جو بچ نکلنے کا واحد راستہ تھا۔ یہ امیر صحیح کہہ رہا تھا انہوں نے فوراً قیدیوں کو ان کی تلواریں اور چھینے ہوئے دیگر ہتھیار واپس کر دیئے۔ ایلچی بہادر نے اپنے چھ سو سپاہیوں کو ساتھ لیا اور پہاڑی پر چڑھ کر تیمور سے درخواست کی کہ بدخشانیوں کو رکاب بوسی کا شرف بخشئے۔

تیمور فوراً پہاڑی سے نیچے اتر آیا۔ بدخشانی پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے، انہوں نے اپنی قربانیوں پر ہاتھ رکھ کر آئندہ صلح رکھنے کی قسم کھائی تیمور اور ایلچی بہادر ان سے اتنی دیر تک باتیں کرتے رہے کہ تیموری سپاہ کے جو دستے پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔

اب ایلچی کہنے لگا: ''یہ بھی کوئی بیٹھنے کی جگہ ہے! نہ کچھ کھانے کو، نہ سونے کا کوئی انتظام! ہر طرف برف ہی برف ہے!'' بدخشانی سرداروں نے صلاح دی کہ دیہات میں چلنا چاہئے چنانچہ سب جشن منانے کے لئے ''بام دنیا'' سے نیچے اتر آئے۔

ایلچی بہادر کی اس داستان سے مارشل موراٹ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے کہ وہ ویانا کے پل

پر رومال ہلاتا ہوا آسٹروی فوج میں شامل ہو گیا تھا اور اس دوران میں جب اس کے ساتھی پل پر بچھی ہوئی سرنگیں ہٹا رہے تھے، اس نے دشمن کی توپ کے دہانے پر بیٹھ کر اسکے سپاہیوں کو باتوں میں لگائے رکھا تھا اس واقعے کے ایک سال بعد ایلچی بہادر گھوڑے پر بیٹھ کر دریا پار کرتے میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

یہ جاں باز تاتاری امیر جانتے تھے کہ تیمور کی ملازمت میں زندگی کے دن گنتی ہی کے ہوتے ہیں مگر انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ تیمور خود بھی اسی طرح بے دھڑک خطرے میں کود پڑتا ہے جس طرح ان سے ایسا کرنے کی توقع رکھتا ہے خود اس کے بدن پر بھی اتنے ہی زخم تھے جتنے ان کے جسموں پر نظر آتے تھے اس کے ساتھ ان کے جو دن گزرتے تھے وہ عزت وسطوت اور جبروت کے دن ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ میدان جنگ میں قدم رکھتے وقت اپنا سر فخر سے بلند رکھتے تھے۔

ایک دفعہ لڑائی شروع ہوتے وقت تیمور نے ان سے کہا تھا:

''یہ جاں بازوں کے لئے خوشی سے رقص گاہ ہے میدان جنگ، موسیقی ہے بہادروں کے نعرے اور تلواروں کی جھنکاریں اور دشمن کا خون شراب ناب ہے۔''

چھ سال کے اندر اندر بیشتر تاتاری امیروں نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی۔ گو شروع میں لوگ اسے قزاق کہا کرتے تھے، شاید اس لئے کہ وہ کسی مقام پر ایک دن سے زیادہ نہ رکتا تھا (آج بھی اس سطح مرتفع کے سپاہی ''کاسک'' کہلاتے ہیں یہ وہی پرانا لفظ قزاق ہے) مگر اب وہ حقیقی معنوں میں سالار لشکر بن گیا تھا جس کی کمان میں ایک لشکر جرار تھا اور جب موسیٰ کی قوم کے لوگ، جو جلایر کہلاتے تھے تیمور سے آن ملے تو اس کی بالادستی میں کوئی کلام ہی نہیں رہا۔ جلایر تعداد میں بہت زیادہ تھے اور اچھے خاصے بڑے ملکوں سے زیادہ سپاہی میدان جنگ میں لا سکتے تھے جلایر نیم مغل تھے، ان سے تیمور کا رشتہ بھی تھا وہ اس کے بڑے لڑکے جہانگیر کی ننھیال تھے۔

اتنی بڑی فوج اور تیمور جیسا کمان دار، امیر حسین اس کے مقابلے کی کیا تاب لاتا۔ اس

کی طاقت اس طرح زائل ہو گئی جس طرح گرمیوں میں برف پگھل جاتی ہے پہلے تو اسے دریائے آمو کی طرف بھاگنا پڑا، پھر بلخ میں محصور ہو گیا۔

مگر یہ شہر نہایت آسانی سے فتح کر لیا گیا امیر حسین کھنڈروں میں چھپ گیا اور وہاں سے تیمور سے کہلوایا کہ اگر مجھے حج کو چلا جانے دیا جائے تو پھر ملک میں واپس نہ آؤں گا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بیان میں اختلاف ہے بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ تیمور نے امیر حسین کی جاں بخشی کا وعدہ کیا مگر اس کو یقین نہ آیا اور بھیس بدل کر مسجد کے مینار میں جا چھپا جہاں اگلی صبح موذن نے اسے دیکھ لیا اور گرفتار کروا دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک سپاہی مینار پر اس لئے چڑھا کہ اپنے گم شدہ گھوڑے کی تلاش میں وہاں دوڑائے اس نے حسین کو وہاں دیکھ لیا۔

امیر حسین کی موت کے بارے میں بیانات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک بیان یہ ہے کہ جب وہ گرفتار ہو گیا اور سب سردار اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تو تیمور یہ کہہ کر اٹھ گیا کہ "امیر حسین سے میرا دوستی کا عہد و پیان ہو چکا ہے اس لئے میرے ہاتھوں اسے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔"

ایک اور بیان کے مطابق مویدارلات اور ایک اور سردار دونوں تیمور پر اپنا عندیہ ظاہر کئے بغیر مجلس سے اٹھے اور انہوں نے باہر جا کر امیر حسین کو قتل کر دیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امیر حسین سے یہ کہا تھا کہ ہم تمہیں بھاگ جانے کا موقع دے دیں گے، مگر جب وہ بھاگنے لگا تو قتل کر دیا۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ تیمور نے اس کی جان بچانے کی کوشش نہ کی مورخ لکھتا ہے کہ امیر حسین کی موت کا وقت اور مقام معین تھا اور قسمت کا لکھا ہر گز نہیں ٹلتا۔

☆☆☆☆☆☆

مولانا زین الدین کا ارشاد

تیمور بلخ میں کچھ دن تک قصداً رکا رہا اس گرم وادی سے، جہاں گنے کی کاشت عام اور تجارت با فراط تھی، خراسان سے ہندوستان جانے والے کارواں بھی گزرتے تھے اور کوہستانی سردار بھی اپنے کوہستانی مسکنوں سے یہاں اتر آیا کرتے تھے۔ اس شہر سے ہزاروں پرانی یادیں وابستہ تھیں اور صدیوں کا گردوغبار اس کی فضا میں معلق تھا۔ یہاں مٹی اور بھربھرے پتھروں کے کھنڈروں میں اس آتش کدے کے آثار بھی تھے جو آتش پرستوں نے دنیا کے ابتدائی دور میں بنایا تھا، اور اس کی گلیوں میں مہاتما بدھ کے اس مجسمے کے ریزے بھی بکھرے ہوئے تھے جو اپنے عہد میں زعفرانی چادر میں لپٹے ہوئے عبادت گزاروں کی عقیدت کا مرکز تھا۔ لوگ اس شہر کو عروس البلاد کہتے تھے سکندر اعظم اسے باکتریا کے نام سے جانتا تھا مگر اب یہ قبتہ الاسلام کہلاتا تھا چنگیز کے سپاہی اسے مٹی اور پتھروں کا ڈھیر بنا کر چھوڑ گئے تھے جس کے گرد مقبرے اور مسجدیں تعمیر ہوگئی تھیں، جن سے یہ قبرستان معلوم ہونے لگا تھا تیمور نے اسے نئے سرے سے تعمیر کر کے ایک بارونق شہر کی شکل دی تھی اور اسی شہر میں حال میں اس نے امیر حسین کو بھی سپرد خاک کیا تھا۔

حسین کی موت کے بعد تاتاریوں کو ایک نیا خان منتخب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنگیز خانی قانون کا یہی تقاضا تھا اور اس میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ ''ترا''یو

قبائلی مجلس قورلتائی (49) میں شرکت کے لئے تمام امیر اپنے اپنے کوہستانی مسکنوں سے چل کر آئے ہندوستان کے دروں سے لے کر شمالی سطح مرتفع کے مرغزاروں تک کے سرداران قبائل اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس میں عمامہ پوش ایرانی شہزادے، ائمہ، بخارا کے علماء، درسگاہوں کے شیوخ، خدام دین اور معروف مناظر بھی جوق درجوق شامل ہوئے ان میں ہادی زماں مولانا زین الدین اور ان کے درویش صفت مصاحب اور مناظر ماوراءالنہر کے مصدقہ ہادی و مرشد خواجہ بہاء الدین بھی تھے۔ غرض فوجی افسر، علماء، صوفی اور سرداران قبائل سب تیمور کے بارے میں غوروخوض کرنے

کے لئے یک جا ہوئے مگر خود تیمور الگ رہا اور اس دوران میں مجلس کی کارروائی ہو رہی تھی، جہانگیر کے ساتھ کھیلتا رہا۔

بعض امیروں نے تیمور کو خان منتخب کرنے کی مخالفت کی بدخشانیوں کی رائے یہ تھی کہ اب ہمیں چاہئے ملک کو بھائیوں کی طرح بانٹ لیں ہر امیر اپنے علاقے پر حکومت کرے اور جب کبھی باہر سے حملہ ہو، ہم متحد ہو جائیں۔

تیمور کے تجربہ کار امیروں نے اس رائے کی مخالفت کی اور اس پر عمل درآمد کے برے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ بھائیوں کے کام بھی اسی حالت میں بخیر و خوبی انجام پاتے ہیں جب ان کے سر پر ایک بڑا بھائی ہو۔ اگر تم ملک کو تقسیم کرو گے تو جتہ مغل حملے شروع کرے تم سب کو الگ الگ مغلوب کر لیں گے۔

جو امیر طاقتور ترین تھے اور جن کے قبائل کی تعداد زیادہ تھی، انہوں نے بھی تیمور کے خان منتخب کئے جانے کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ قدیم دستور حکومت بحال کرنا چاہئے ہمارے قدیم قانون میں بادشاہی کا کہیں ذکر نہیں ہے ہمیں چنگیز خان کی اولاد میں سے کسی کو حکمران مقرر کر کے تیمور کو اس کا نائب مقرر کر دینا چاہئے۔

اس پر ایک درویش خواجہ ابوالبرکات (50) نے اٹھ کر علما اور شیوخ کا نظریہ پیش کیا انہوں نے کہا: ''یہ شریعت نبوی کے صریحاً خلاف ہے کہ امت محمدی غیر مسلم (51) کے تابع ہو کر رہے چنگیز خان ایک صحرانشین وحشی تھا اور تلوار کے زور سے بہ جبر مسلمان پر مسلط ہوا تھا آج تیمور کی تلوار چنگیز کی تلوار سے کسی طرح کم نہیں۔''

خواجہ نے قلوب کو اتنا گرمایا کہ جنگجو تاتاریوں میں شدت جذبات سے گرمجوشی پیدا ہو گئی انہوں نے کہا ''تم سب امیر حسین سے خوف زدہ تھے اور صحراؤں میں پناہ لینے کی فکر میں رہتے تھے جب تیمور اٹھا اور تم نے بھی ہمت باندھی اور اپنے دور دراز مسکنوں سے باہر نکلنے پر آمادہ ہوئے اس نے نہ اس وقت تم سے مدد مانگی، نہ اب تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اب تک میں نے تمہیں تاتاری سمجھ کر مخاطب کیا ہے، اب میں تم سے بحیثیت مسلمان گفتگو

کرتا ہوں میں آل رسولؐ ہوں اور تمام شیوخ اور علماء میرے ہمنوا ہیں ہم تیمور کو نہ صرف ماوراءالنہر بلکہ ممالک توران کا بھی حکمران تسلیم کرتے ہیں۔''

یہ تھا ارباب شریعت کا نقطہ نظر، اس لئے نہیں کہ تیمور کوئی عبادت گزار اور زاہد و متقی انسان تھا بلکہ صرف اس لئے کہ تیمور اور صرف تیمور طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا قلع قمع کرنے کا اہل اور بلاد شمال کے جتہ مغلوں کے حملے روکنے کے قابل تھا جن لوگوں نے تیمور کے انتخاب کو حتمی بنا دیا وہ جنگ آزما سپاہی تھے یہ کسی اور شخص کو حکمران ماننے پر کسی صورت رضامند نہ تھے۔

اگلے دن تمام سردار اور قبائلی امیر تیمور کے خیمے پر حاضر ہو کر اس کے سامنے دوزانو ہو گئے، پھر اس کا بازو تھام کر اسے سفید نمدے کی مسند پر لے گئے مغلوں کی ایک قدیم رسم کے مطابق سفید نمدے کی مسند سردار قبیلہ اور حاکم وقت کے لئے مخصوص ہوتی تھی غرض ان خود پوش لوگوں نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی۔

تاجپوشی کی سی ایک رسم اس روز یوں ادا ہوئی کہ مولانا زین الدین نے قرآن ہاتھ میں لیا اور ہر سردار سے اس پر ہاتھ رکھوا کر تیمور کی اطاعت کا اقرار کروایا تیمور حقیقت میں تو پہلے ہی سے حکمران تھا اور اس کی طاقت اس کا حکم منوا سکتی تھی مگر اطاعت کا اظہار اس رسم کی ادائیگی کے بغیر ممکن نہ تھا، کیونکہ تاتاریوں کے لئے یہ رسم بڑی اہمیت رکھتی تھی۔

اب سے سپہ سالار تیمور کا لقب امیر تیمور (52) ہو گیا اب تاتاری اس کے نمک خوار ہو گئے آئندہ اس کی اطاعت ان کے لئے باعث عزت اور اس سے غداری ان کے، نیز ان کی اولاد کے لئے باعث شرم ہو گی۔ تیمور ہی ان کی املاک کا محافظ ہو گا اور وہی ان کے جھگڑوں کا تصفیہ کیا کرے گا اگر وہ یہ فرائض انجام دینے میں ناکام رہے گا تو تاتاری ایک اور مجلس مشاورت کر کے نیا امیر منتخب کر لیں گے۔

مولانا زین الدین نے امیر تیمور کے سامنے قالین پر کھڑے ہو کر باآواز بلند کہا'' مشیت کو یہی منظور ہے کہ آپ فاتح بنیں، آپ کی طاقت بڑھے اور آپ کے ذریعے

اسلام کو تقویت پہنچے۔"

تیمور سفید نمدے کی مسند پر آبنود کے ایک نیچے سے تخت پر بیٹھا علمائے بخارا اور سادات کی اس پرشور بحث پر مسکرا رہا تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ پر قریب ترین کس کو بیٹھنا چاہئے اس کے چہرے بدن یا لباس پر ایسا کوئی نشان نہ تھا جس سے اس کا مذہبی رجحان ظاہر ہوتا ہو وہ حسب معمول زرہ پہنے، چہار آئینہ سجائے، بازو بند اور شانہ گیر لگائے اور سر پر خود پہنے ہوئے تھا جو زریں کام سے جگمگا رہا تھا۔

اس نے جی کھول کر تحائف بانٹے اصیل گھوڑے، بیش قیمت خلعت، اسلحہ، قبا اور مرصع زین جو کچھ اس کے پاس تھا سب آن کی آن میں سرداروں میں تقسیم ہو گیا جب رات ہوئی تو اس نے ان کے خیموں میں کھانوں اور میووں کی کشتیاں بھیجیں سادات نے، جو اس کے خیمے میں مظاہرہ وفاداری کے لئے موجود تھے، اس داد و دہش پر اعتراض کیا تو تیمور نے بڑی سادگی سے کہا "اگر میں بادشاہ ہوں تو سب کی دولت میری دولت ہے اور اگر میں بادشاہ نہیں ہوں تو پھر یہ دولت، جو میرے پاس ہے، میرے کس کام کی ہے۔"

اگلے دن اس نے نئے افسروں، وزیروں اور مشیروں کا تقرر کیا۔ جو لوگ ان مناصب کے لئے چنے گئے ان میں سے بعض معروف بھی تھے امیر داؤد کو سمرقند کی حکومت کے علاوہ مجلس مشاورت کا افسر بھی مقرر کیا گیا، قبیلہ برلاس کے امیر جا کو کو، جو اب بوڑھا ہو چکا تھا، علم برداری اور نقارہ باشی نیز تاواچی (اڈی کانگ) کا منصب ملا۔

فوج کے کمانداروں میں دو نئے نام بھی نظر آئے، ایک مغل خطائی بہادر اور دوسرا عرب شیخ علی بہادر۔

ایک بات شروع ہی سے ظاہر تھی، کوئی امیر تیمور کے ارادوں اور احکام میں دخل دینے کا مجاز نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ مولانا زین الدین اور چند اور پرانے رفقائے کار اس کے خیمے میں جب چاہیں داخل ہو سکتے تھے مگر انہیں اوروں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی اور ان میں سے کوئی بھی تیمور کا منظور نظر نہ تھا۔ مشورہ دینے کی اجازت ہر شخص کو تھی مگر فیصلے میں

کسی کا دخل نہ تھا ذہن کی یہ محکمی مشرقی بادشاہوں میں بہت کم نظر آتی ہے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ تیمور اب تک اپنے نجی معاملات میں بے توجہی برتتا رہا تھا۔

وہ مخالفت کا قلع قمع کرنے میں پوری تندی اور تن دہی سے کام لیتا تھا بلخ سے دربار منتقل بھی نہ ہوا تھا کہ امیر حسین کے ہوا خواہوں پر حملہ کر دیا۔ قیدیوں کو پا بہ زنجیر کیا گیا یا ان کے سر قلم کر دیئے گئے اور ان کے گھروں کو نذر آتش یا منہدم کر دیا گیا غرض ان کا نام و نشان باقی نہ رہنے دیا۔

جتہ مغلوں کی طرف سے تیمور شروع ہی سے چوکنا رہا تھا، اب وہ ہر سال بلاد شمال کے پہاڑی علاقے پر حملہ آور ہوتا اور سپاہ کو حکم دے دیا کہ قتل و خون اور آتش زنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اسے یقین تھا کہ ملک کے دفاع کا بہترین طریقہ حملہ کرنا ہے اور مغلوں کے بارے میں اس نے تجربے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ حملہ کرتے وقت خطرناک ہوں تو ہوں دفاع کرتے وقت نہیں ہوتے۔

جب جتہ مغل قبائل کے ساتھ وہی کیا گیا جو وہ اوروں کے ساتھ کرتے تھے تو وہ سرحدی وادیاں چھوڑ کر شمال کی جانب اپنے مرکزی حصار المالیق کی طرف چلے گئے تیمور نے ان کا تعاقب اس وقت تو نہیں کیا مگر کچھ دن بعد وہاں بھی ان کو جا پکڑا۔

اس دور میں دریائے سیر اور ہندوستان کے درمیان کے خطے میں تیمور کے زیر اقتدار ایک نیا نظام تشکیل پا رہا تھا اور وہ اپنی فوجوں میں انضباط کا ایک انوکھا تصور پیدا کر رہا تھا

ایک مرتبہ ایک علاقے کے جتہ مغلوں کو سزا دینے کے لئے دو امیر شمال کی جانب روانہ کئے گئے جب وہ وہاں پہنچے تو جتہ اپنی چراگاہیں چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے تاتاری امیر یہ سمجھے کہ کام ہو گیا، چنانچہ واپس چلے آئے۔

جب وہ دریائے سیر عبور کر رہے تھے اور اس خیال میں مگن تھے کہ پار اتر کر جشن منائیں گے تو انہیں ایک اور لشکر شمال کی جانب آتا ملا جو اپنا ہی لشکر نظر آتا تھا۔ اس کے قریب آنے پر ان امیروں نے سالار لشکر سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ تو جواب ملا:

جن مغلوں کو تم نہ ڈھونڈ سکے انہیں ڈھونڈ کر سزا دیئے۔

اس بات پر ان دونوں امیروں کو پہلے تو غصہ آیا مگر پھر سوچ میں پڑ گئے اور تیمور کے پاس جانے کے بجائے شمال کو جاتے ہوئے لشکر کے ہمراہ ہو لئے۔ ایک سال بعد یہ متحدہ لشکر موسم سرما شمال کے پہاڑوں میں گزار کر، مگر اپنا فرض ادا کرنے کے بعد، سمرقند واپس آیا یہ لوگ جتہ مغلوں کا مال اسباب اور ان کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ساتھ لے آئے تھے اور ان کی بستیاں برباد کر آئے تھے تیمور نے سب کی تعریف کی اور سب کو برابر کے انعامات دیئے، اور ناکام لوٹ آنے والے امیروں کی ناکامی کا ذکر تک نہ کیا یہ ذکر چھڑتا تو وہ دونوں خجالت محسوس کرتے اور شاید ایک علیحدہ محاذ قائم کر لیتے جس کی وجہ سے خوں ریز کشمکش شروع ہو جاتی۔

بعض سردار ننگا ہو کر اپنے آبائی قلعوں میں جا بیٹھتے تھے مگر ایک ہی مہینے کے اندر اندر تیمور کی فوجیں ان کا محاصرہ کر لیتیں اور انہیں چار و ناچار قلعے سے نکلنا پڑتا۔ مگر جب وہ دست بستہ تیمور کے سامنے آتے تو انعام و اکرام سے نوازے جاتے، البتہ جنگ سے منہ موڑنے دغا کرنے والوں کو تیمور بہت ذلیل کرتا یا مروا دیتا۔ ایک مرتبہ ایک افسر میدان جنگ سے بھاگ آیا۔ اسے کافی جستجو کے بعد ڈھونڈ نکالا گیا۔ ہتھیار لے لئے گئے، گدھے کی پیٹھ پر دم کی طرف منہ کر کے بٹھایا گیا اور کئی دن تک ہنستے، اور آوازے کستے شہریوں کی تضحیک کا نشانہ بنانے کے لئے سمرقند کی گلیوں میں پھرایا گیا۔

ختلان کا شہزادہ کیخسرو ایران کے ایک معروف خاندان کا چشم و چراغ تھا ایک بار خیوہ کے صحرا میں عین جنگ کے دوران میں ساتھ چھوڑ گیا (یہیں ایلچی بہادر، شیخ علی بہادر اور خطاء بہادر کے پیچھے پیچھے دریا تیر کر پار کرتے میں ڈوبا) آخر میں فتح تیمور کی ہوئی کیخسرو کو ڈھونڈ نکالا گیا پکڑ کر سرداروں کی عدالت میں پیش کیا گیا اور فوراً سر قلم کر دیا گیا۔

تیمور کے پرانے وفادار امیر نئے حلیفوں سے ہمیشہ یہی کہتے کہ ''ہمارے امیر کا حکم مان لینے ہی میں خیریت ہوتی ہے، جو لوگ اور کچھ کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں'' (53)

ان نئے حلیفوں میں چند جتہ مغل شہزادے بھی تھے جو مقابلے کو بے سود سمجھ کر تیمور کے اطاعت گزار بن گئے تھے ان میں سے ایک بیک جک کا بیٹا بیان تھا اسے یاد تھا کہ نئے امیر نے اس کے باپ کی جاں بخشی کی تھی۔ دوسرا خطا کا امیر خطائی بہادر تھا جو ہر وقت چمڑے کا کوٹ پہنے رہتا تھا اور جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال لٹکتی رہتی تھی اس کی شیخ علی بہادر سے دوستی ہوگئی جو اسی جتنا تند خو اور غصیل تھا۔

ایک مرتبہ دونوں جتہ مغلوں کی فوج کا صحیح مقام تلاش کرتے ہوئے باقی فوج سے بہت آگے نکل گئے تھے کہ ایک دریا کے اس پار ایک مقام پر جتہ فوج نظر آئی دونوں دریا کے کنارے پر رک گئے اور دشمن پر حملے کی تدبیریں سوچنے لگے خطائی بہادر کی رائے یہ تھی کہ سوچ سمجھ کر احتیاط سے کام لیا جائے اس نے بہت سی تجویزیں پیش کیں جن کا لب لباب یہ تھا کہ دریا کو کسی ایسی جگہ سے پار کیا جائے جہاں جتہ مغلوں کو خبر نہ ہو۔

شیخ علی خاموش سنتا رہا ظاہر تھا کہ اس نے ابھی تک کوئی تجویز نہیں سوچی ہے ورنہ بول اٹھتا کہ میری رائے کچھ اور ہے خطائی بہادر سمجھا کہ شیخ علی متفق نہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہے مغل فطرتاً شکی ہوتا ہے، اس نے ذرا درشت لہجے میں پوچھا: ''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''واللہ!'' شیخ علی نے بے پروائی سے کہا: ''مغل اسی طرح لڑتے ہیں!''

بہادر مغل کا چہرہ خون کی تمتماہٹ سے سرخ ہوگیا فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ''اچھا! میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ مغل کس طرح لڑتے ہیں۔''

شیخ علی حیران ہوکر اس کا منہ تکنے لگا ادھر خطائی بہادر نے گھوڑا منگوایا اور کاٹھی لگوائے بغیر ہی اس پر بیٹھ کر دریا میں اتر گیا اور پار پہنچ کر جتہ مغلوں پر حملہ کردیا اور ان کے دو آدمیوں کو مار ڈالا جس کے بعد مغلوں نے اسے گھیر لیا اور لگے حملے کرنے۔

شیخ علی کو پہلے تعجب ہوا، پھر حیرت اور اس کے بعد بے اختیار داد دی پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا اپنا گھوڑا منگوایا اچھل کر اس پر بیٹھا اور دریا کے پار پہنچ کر مغلوں پر ٹوٹ پڑا اور جب

لڑتا بھڑتا خطائی بہادر کے قریب پہنچا تو چیخ کر اس سے کہا ''تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو!'' اس طرح لڑنا حماقت ہے چلو واپس!

''واپس جاؤ تم!'' خطائی بہادر نے پلٹ کر جواب دیا مگر دونوں کے ہاتھ تیغوں کو بجلی کی سی سرعت سے چلا رہے تھے۔

شیخ صرف اتنا کہہ سکا: ''لاحول ولاقوۃ'' اور دشمن سے لڑنے میں مشغول رہا۔

دونوں شانہ بشانہ کھڑے مغلوں کے وار روک رہے تھے اور گھیرے کو توڑنے کی کوشش میں تھے اتنے میں ان کے ساتھی وہاں آ پہنچے اور انہیں مغلوں کے نرغے سے نکال کر واپس لے آئے۔

اب دونوں پھر مشورہ کرنے بیٹھے مگر اس مرتبہ مزاجوں میں وہ تندی نہیں تھی اور نہایت دوستانہ ماحول میں حملے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صوفی اور ملک

ایسے انسانوں کو قابو میں رکھنا اوران کی کمان کرنا، یہ تھا وہ کٹھن کام جو تیمور نے انجام دیا اس کے لئے فولادی عزم اور غیر معمولی دانش مندی کی ضرورت تھی لوگ تیمور کی تعریفیں کرتے ہوئے کہتے تھے کہ "امیر تیمور عادل اور مردم شناس ہے اور مستحق آدمی کو بھر مٹھی انعام دیتا ہے۔"

اب وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے کہ تیموران سفیروں سے کس طرح پیش آتا ہے جنہیں صحرا پار کے ہمسایہ امیروں نے تیمور کو مبارک بادی دینے۔۔۔۔۔اور اس کی مخبری کرنے۔۔۔۔۔۔۔کے لئے بھیجا ہے۔

یہ امیر بڑے طاقتور تھے انہوں نے تاتاریوں کی خانہ جنگی کے ایام میں تاتاری علاقے پر حملے کر کے فائدے اٹھائے تھے والی خوارزم حسین صوفی، جو قبیلہ جلایر سے تھا اور خیوہ اور اورگنج کا حاکم تھا، ایک لحاظ سے جتہ خواتین کا اطاعت گزار تھا اور تیمور کو بادیہ پیما سمجھتا تھا جو اس کے علاقے کے سرخ ریت کے ٹیلوں میں پناہ گزین ہو چکا تھا آورگنج جو ولایت خوارزم کا دارالحکومت تھا، دریائے آمو کے دہانے پر واقع تھا اور تجارت کے فروغ کی وجہ سے دولت و ثروت کا مرکز بنا ہوا تھا۔اس کی فصیلیں بہت بلند تھیں اور صوفی بھی غرور و تکبر میں کسی سے کم نہ تھا۔

اس نے تیمور کو بیش قیمت تحائف ارسال کئے تیمور نے صوفی کے سفیر کے ہاتھ ان سے بھی زیادہ بیش قیمت تحائف بھیجے اور یہ کہلوایا کہ اپنی بیٹی خان زادہ کی شادی تیمور کے بیٹے جہانگیر سے کر دے یہ لڑکی حسن و جمال میں یکتائے زمانہ تھی تیمور کی یہ درخواست دوستانہ تھی مگر صوفی یہ سمجھا کہ تیمور جتہ مغل خان کی حدود کو اپنی حدود قرار دے کر صوفی کو اپنا باجگذار بنانا چاہتا ہے اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نے خوارزم تلوار سے لیا ہے اسے مجھ سے تلوار ہی سے چھینا جا سکتا ہے (54)

تیمور اسی وقت صحرا عبور کر کے خوارزم پر حملہ کر دیتا مگر مشائخ میں سے ایک نے مشورہ

دیا کہ ابھی حملہ نہیں کرنا چاہئے پہلے میں خوارزم جا کر صوفی کو تاتاریوں سے مفاہمت پر رضامند کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن جب یہ بزرگ صوفی کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قید میں ڈال دیا اب تیمور کا رکنا مشکل تھا۔

اس نے امیروں اور سرداروں کو پیغام بھیج بھیج کر جمع کیا۔ صحرا اس کے قدموں سے ایک بار پہلے بھی آشنا ہو چکا تھا۔ اب جن میں کیخسرو ختلانی نے ساتھ نہ دیا۔ مگر اس کے باوجود تیمور نے خیوہ منجنیقوں وغیرہ کے بغیر حملہ کیا۔ اس نے خندق کھدوا کر اسے درختوں اور جھاڑیوں سے پٹوایا اور سپاہی کمندوں سے شہر پناہ پر چڑھے (55) وقائع نگار نے لکھا ہے کہ شیخ علی بہادر پہلا شخص تھا جس کا ہاتھ سب سے پہلے فصیل کے منڈیر پر پڑا۔ اس کے پیچھے اس کا افسر تھا، وہ ماتحت کو سبقت لے جاتے نہ دیکھ سکا شیخ علی کو ٹخنا پکڑ کر سپاہی پہنچ گئے۔ خیوہ (56) سر کرنے کے بعد تیمور اور گنج پہنچا جہاں حسین صوفی قلعہ بند ہوا تھا۔ یہاں منجنیقوں اور دیگر محاصرہ شکن ہتھیاروں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی تیاری کے انتظامات شروع کر دیئے مگر ابھی یہ انتظامات ہو ہی رہے تھے کہ صوفی (57) کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ ”ہم اپنے اپنے ساتھیوں کا خون کیوں بہائیں! کیوں نہ تم اور میں ہی لڑ کر فیصلہ کر لیں۔ ہم دونوں میں سے جس کے ہاتھ دوسرے کے خون سے رنگین ہوں، وہی فاتح سمجھا جائے۔“

صوفی کے پیغام رساں نے یہ بھی کہا کہ یہ مبارزت شہر کے صدر دروازے کے سامنے والے میدان میں ہوگی اور وقت بھی بتا دیا۔

تیمور کے سرداروں اور امیروں نے یہ تجویز پسند نہ کی، خصوصاً بیک جک کے بیٹے بیان نے پر زور لہجے میں کہا: ”امیر! اب لڑنا ہمارا کام ہے۔ آپ کا مقام تخت پر اور شاہی چتر کے تلے ہے۔ آپ یہ مقام نہ چھوڑیں۔“

ہر امیر نے اس مبارزت میں تیمور کے بجائے خود لڑنے کی درخواست کی مگر اس نے ان سے کہا ”شاہ خوارزم کا پیغام ذہن میں رکھو! اس نے میرے کسی امیر کو نہیں، مجھے للکارا

ہے'' اور پیغام رساں سے کہا'' ہم وقت مقررہ پر صدر دروازے کے سامنے اکیلے پہنچ جائیں گے۔''

جب تیمور کی مبارزت کے لئے روانگی کا وقت قریب آیا تو تیمور کے امیروں کے چہروں پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ مگر تیمور ان کی طرف توجہ کئے بغیر تیاری میں مشغول رہا۔ اس نے ہلکی کڑیوں دار زرہ پہنی، پھر اس کے تیغ بردار نے اس کے بائیں بازو پر ڈھال اونچی کر کے باندھی اور تلوار پٹکے میں لگا دی۔ سیاہ رنگ کا خود تیمور نے اپنے ہاتھ سے سر پر رکھا جس کے جھلم سے گردن اور شانے ڈھک گئے۔ اب وہ لنگڑا کر گھوڑے کی طرف بڑھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ جب وہ چلنے کو تھا تو بوڑھے امیر سیف الدین سے نہ رہا گیا۔ افسروں کی صف سے نکل کر اس نے رکاب تھام لی اور اس سے درخواست کی کہ ایک معمولی سپاہی کی طرح لڑنے نہ جایئے تیمور نے جواب میں زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر تلوار نکال کر چپٹی طرف سے اس پر وار کا ۔ سیف الدین وار بچانے کی غرض سے پیچھے ہٹ گیا۔

غرض تیمور تنہا اپنے معسکر سے روانہ ہوا اور منجنیقوں اور ہزاروں سپاہیوں کے سامنے سے گزر کر، درمیانی میدان عبور کرنے کے بعد، صدر دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔

اس دروازے کے اوپر برجوں میں خیوہ والوں کا ہجوم تھا۔ تیمور نے چلا کر ان سے کہا: ''اپنے بادشاہ سے کہو تیمور تمہارا منتظر ہے!''

ایسا تھا تیمور، دلیر، نڈر، دھن کا پکا۔ ماوراء النہر کا بادشاہ بن جانے کے بعد بھی ایک معمولی سردار کی طرح لڑائی بھڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔ اسے نتیجے کی فکر نہ ہوتی تھی اور اپنی خواہش کے علاوہ اور کسی بات کی پروا نہ کرتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمیت گھوڑے پر سوار ہزاروں تیر اندازوں کا نشانہ بنا کھڑا تھا اور بادشاہ ہونے کے باوجود دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس روز لوگوں نے تیمور کے حقیقی خدوخال دیکھے وہ عظیم تھا مگر اس میں جذبات سے مغلوب ہو جانے کی کمزوری بھی تھی۔

یوسف صوفی باہر نہ نکلا۔ تیمور تنگ آ گیا اور چلا کر کہا:

''جو ایفائے عہد نہ کرے، اس کے لئے زندگی سے موت بہتر ہے'' یہ کہہ کر گھوڑے کی باگ موڑی اور اپنے معسکر کو روانہ ہو گیا۔ وہ خود تو خیر بد دل اور برہم ہی ہو گا مگر اس کے تمام امیر او رسردار خوشی خوشی استقبال کو بڑھے، لشکروں میں نعرے بلند ہوئے، نقارے پر چوٹ پڑی اور ہزاروں گھوڑے ہنہنائے۔ صاف ظاہر تھا کہ فوج نے اس واقعے سے کیا اثر قبول کیا ہے۔

تیمور نے صوفی کے بارے میں جو کچھ کہا، وہ قدرت کہلوا رہی تھی یوسف صوفی جلد ہی بیمار پڑ گیا اور اس کے مرنے کے بعد شہر کے دروازے کھول دیئے گئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ صوفی کی لڑکی خان زادہ کو فاتح کے معسکر میں جہانگیر کی دلہن بنا کر بھیج دیا جائے (58) تیمور نے خوارزم کو ایک صوبہ بنا کر اپنے بڑے لڑکے کو وہاں کا حاکم بنایا۔ یوں بادشاہ کو قزغن کی مملکت کو مغرب اور شمال کی جانب وسعت دی گئی اور غربی جلایر ماوراء النہر کے نسبی بھائیوں سے آ ملے۔

اس کے بعد جلد ہی تیمور نے جنوب کی جانب دریا پار کے پڑوسی والی ہرات پر فوج کشی کی۔ اس مرتبہ اس کے پاس فوج پہلے سے بھی زیادہ تھی کم از کم پچاس ہزار سپاہیوں کے قدموں کی صدائے بازگشت اس تنگ گھاٹی میں گونجی، جسے باب الحدید کہا جاتا تھا، ان کی باربرداری بھی انہی کی طرح شور کرتی ہوئی گاڑیوں پر ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

اب کے بھی حسب دستور کارروائی سفیروں کی آمد و رفت کے بعد شروع کی گئی۔ ہرات کا ملک ایک نوجوان غیاث الدین تھا۔ اس کے باپ نے ایک بار بادشاہ گر کے پاس پناہ لی تھی اور تیمور اپنے کو بادشاہ گر کا جائز وارث سمجھتا تھا۔ اس نے غیاث الدین کو سالانہ مجلس میں شرکت کے لئے بلایا ظاہر تھا کہ تیمور اسے اپنے باجگذار کی حیثیت سے بلا رہا ہے۔

غیاث نے سمرقند آنے کی دعوت اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ امیر سیف الدین کو اس

کے استقبال کے لئے ہرات تک بھیجا جائے۔ تیمور نے اپنے اس بزرگ ترین امیر کو ہرات روانہ کر دیا مگر وہ تنہا واپس آیا اور تیمور کو بتایا کہ ملک نے محض بہانہ بنایا تھا، وہ سمرقند آنا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس وقت ہرات کے گرد ایک نئ فصیل تعمیر کرنے میں مصروف ہے۔

تیمور نے ایک اور سفیر روانہ کیا اسے غیاث الدین نے روک لیا۔ اب تاتاری علم بلند ہوئے اور خود پوش جوان جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ دریائے آمو پر کشتیوں کا پل تعمیر کیا گیا۔ اس مرتبہ جنگ تاتاری ممالک سے باہر ہو رہی تھی، چنانچہ جوش وخروش کا اور ہی عالم تھا۔ بہار کا موسم تھا، چراگاہوں میں سبز سبز گھاس کی فراوانی تھی۔ تاتاری اپنے گھوڑوں کو چراتے ہوئے پہاڑوں کی طرف بڑھے اور دروں سے گزر کر فوشنج کی طرف ہو لئے۔ یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں غیاث الدین نے اپنی فوج بٹھا رکھی تھی تیمور نے وہاں پہنچنے کے بعد اپنی فوج کے آنے کا بھی انتظار نہ کیا اور فوراً حملے کا حکم دے دیا۔ خندوق کو لکڑی کے تختے ڈال کر عبور کیا اور تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ ہونے کے باوجود کمندیں ڈالنی شروع کر دیں۔

تیمور اپنے جوانوں کو جوش دلانے کے لئے خود بھی خود اور زرہ اتار کر اگلی صف میں شامل ہو گیا اور دو بار تیروں سے زخمی ہوا۔ کمند اندازوں میں شیخ علی بہادر، مبارک، جس نے اسے ایک سابقہ معرکے میں فصیل سے گرایا تھا۔ اور ایلچی بہادر کا بیٹا، تینوں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے طبل بج رہا تھا اور اس کی آواز پر جوش میں آکر تاتاری فصیل کے اوپر چڑھ رہے تھے۔ دفعتاً کچھ آدمیوں نے وہ نہر ڈھونڈ نکالی جو قلعے کے اندر جاتی تھی۔ چنانچہ پانی میں سے گزر کر برہنہ تلواریں لئے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس دوران میں فصیل میں بھی شگاف کر لیا گیا تھا اور دیوار کا ایک حصہ بھی دشمن سے خالی کرا لیا گیا تھا بہت جلد فوشنج میں قیامت کا نقشہ نظر آنے لگا۔ اہل شہر بے تحاشا ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اور قلعے کی فوج کا تو تاتاریوں نے بزن ہی بول دیا۔

فوشنج کے سقوط سے ہرات والوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔غیاث الدین نے جب دیکھا کہ اس کے حفاظتی دستے بھی تیمور کے مقابلے پرنہیں ٹھہر سکتے تو اس نے امان چاہی۔تیمور کا رویہ نہایت مشفقانہ تھا۔وہ اس کے ساتھ عزت سے پیش آیا مگر اسے سمرقند روانہ کر دیا۔شہر سے تاوان وصول کیا گیا،نئی فصیل کو گرا دیا گیا،اور اس کے دروازے نیز جواہرات،سونا چاندی،ہیرے اور شاہی خاندان کا قدیم زریں تخت،سب شہر سبز بھیج دیئے گئے۔

ہرات پر قبضے سے تیموری مملکت میں ایک عظیم شہر کا اضافہ ہوا جو واقعی ایک مرکزی شہر تھا اس کا گھر نو ہزار فٹ سے زیادہ تھا اور آبادی ڈھائی لاکھ تھی تاتاریوں نے شمار کیا تو معلوم ہوا کہ شہر میں کئی سو مدرسے،تین ہزار حمام اور قریب قریب دس ہزار دکانیں ہیں۔ان دنوں لندن اور پیرس میں سے کسی میں بھی ساٹھ ہزار سے زائد باشندے نہ تھے پیرس میں مکتب تو خیر تھے مگر تاریخ میں گرم حماموں کا کوئی ذکر نہیں مگر تاتاری سب سے زیادہ ان چکیوں کو دیکھ کر حیران ہوئے جو پانی کے بجائے ہوا سے چلتی تھیں۔

وقائع نگار لکھتا ہے کہ اس فتح کے بعد تیموری مملکت اس قدر محفوظ ہوئی کہ عیش وعشرت کے سوا اس کا اور کوئی دشمن نہ ہو سکتا تھا۔مگر یہ چھوٹی چھوٹی جنگیں،یعنی جتہ مغلوں کو ملک سے نکال باہر کرنا اور صوفی اور غیاث ملک کی حکومتوں کے تختے الٹ دینا،ایک لحاظ سے خانگی معاملے تھے۔ان میں جرات و دلیری اور تدابیر کا دخل تو ضرور تھا مگر ہے۔اس نے پاس پڑوس کی ان تمام طاقتوں کو زیر کرنے میں دیر نہ جو اس سے الجھ کر اسے بیکار کر دیتیں اوائل میں بادشاہ ہرات کی طاقت تیمور سے زیادہ تھی اگر چند سال پیشتر وہ حسین سے بھاگ کر ہرات میں پناہ گزیں ہو گیا ہوتا اور قرشی کا رخ نہ کرتا تو کون جانتا ہے،حالات کیا رخ اختیار کرتے۔

بہرحال اب تیمور کی شکل میں ایک ایسا عسکری قائد نمودار ہو گیا تھا جس میں ایک فاتح کی صفات تھیں اور جو اس وقت بھرپور قوت کا مالک تھا۔جب 1369ء میں وہ بلخ کے

مقام پر سفید نمدے (مسند شاہی) پر متمکن ہوا تھا، اس وقت اس کی عمر چونتیس سال کی تھی تاریخ کے اس دور میں تیمور کی مملکت کے چاروں طرف جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی اس صدی کے اوائل میں (چنگیزی سیلاب کی) جو "سیاہ وبا" ایشیا سے چل کر یورپ میں بھی پھیل گئی تھی، اس کے اثرات سے ایک عام بے چینی پھیلی ہوئی تھی قدیم حکمران خاندان مٹ رہے تھے، تاجروں کے کاروانوں نے نئے نئے راستے معلوم کر لئے تھے، لوگ مسلح فوجی مستقروں میں رہنے لگے تھے اور سرسبز و شاداب کھیت ویران ہوتے چلے جا رہے تھے۔ آئے دن شہسوار انہیں روندتے ہوئے گزرتے اور آبادبستیاں لمحہ بھر میں نذر آتش کر دیتے۔

غرض دنیا ایک وسیع تر میدان جنگ بنی ہوئی تھی تیمور اس میدان میں اترے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا حصہ

سمرقند

حالات کا تقاضا تھا کہ اب تیمور اپنا دربار سمرقند لے جائے یوں تو ماوراءالنہر میں شہر سے سبز سے زیادہ دلکش مقام اور کوئی نہ تھا مگر اب تیمور کی مملکت وسیع ہو گئی تھی اور اس کی حدود سمرقند سے ہر جانب پانچ پانچ سو میل تک بڑھ گئی تھیں۔بلاد شمال کے دروازوں کے مقابل ہونے کی وجہ سے سمرقند ہی اس کی سلطنت کا مرکزی مقام تھا۔اس وجہ سے شہر سبز کو سمرقند کے حق میں دستبردار ہونا پڑا۔

مگر تیمور نے اپنا دربار وہاں سے منتقل کرنے سے پہلے اپنے آبائی شہر کو خوش نما عمارتوں سے آراستہ کیا باپ کی قبر پر ایک مقبرہ تعمیر کرایا جس کے گنبد پر سنہری کام تھا۔وہ پرانا مٹی کا محل، جس میں الجائی کے حسن نے اس کی زندگی کو حسین و رنگین بنایا تھا، گروا کر اس کی جگہ سفید اینٹوں کا ایک عالیشان محل بنوایا جس کے کئی صحن تھے اور جس کے صدر دروازے کی محراب دور سے نظر آتی تھی تاتاریوں نے اس آق سرائے (قصر سپید) کا نام دیا۔تیمور جب کبھی ملک کے باہر مہمات میں مصروف نہ ہوتا، موسم سرما یہیں گزارتا۔ اسے اس وادی سے عشق تھا جب سبز سبز گھاس سے پٹی ہوئی چراگاہوں پر موسم سرما کا سورج چمکتا تو ان کی سبز چمکیلی سطح پر تخت سلمان کی برفانی چوٹیوں کا عکس پہاڑوں کی دھند میں تیرتا سا نظر آتا اور تیمور کی آنکھوں میں اس نظارے سے ٹھنڈی سی پڑ جاتی۔

مگر سمرقند کی تاریخی روایات تیمور کو اس کے بوسیدہ محلوں میں کھینچ لے گئیں یوں تو بخارا بھی موجود تھا اور وہاں مدرسے، مکتب، کتب خانے اور علوم مشرقی کے ماہر بھی تھے، پھر اس وقت بخارا بلحاظ وسعت سمرقند سے بڑا شہر بھی تھا مگر اسے تاریخی حیثیت حاصل نہ تھی۔ یہ سمرقند ہی تھا جہاں سکندر اعظم نے کلائی توس کا کام تمام کیا تھا اور تیمور سے ڈیڑھ سو سال قبل چنگیز خاں کے دل بادل لشکروں نے بھی یہیں قیام کیا تھا۔

ابن بطوطہ، جس نے مارکوپولو سے کہیں زیادہ ممالک کی سیاحت کی تھی، سمرقند کے متعلق لکھتا ہے:

''یہ دنیا کے عظیم ترین اور سب سے زیادہ پرشکوہ اور شاندار شہروں میں سے ایک ہے جس دریا کے کنارے پر واقع ہے اس کا نام نہر القصارین (کمھاروں کا دریا) (59) ہے۔اس پر لاتعداد پن چکیاں ہیں اور اس سے نہروں کے ذریعے پانی کھینچ کر باغات کو سیراب کیا جاتا ہے۔''

لوگ عصر کے بعد چہل قدمی کے لئے دریا کے کنارے جمع ہوتے ہیں یہاں بالا خانے اور نشست گاہیں ہیں جن کے جھروکوں سے دریا کا نظارہ کیا جا سکتا ہے، دکانیں ہیں جن پر پھل فروخت ہوتے ہیں، اور ایسی یادگاریں ہیں جن سے اس ملک کے باشندوں کی عالی ہمتی کا پتا چلتا ہے لیکن ان یادگاروں میں سے بیشتر کھنڈر ہو چکی ہیں اور اب نہ شہر پناہ موجود ہے، نہ شہر کے دروازے۔شہر کے باہر جو باغات ہوا کرتے تھے وہ بھی اب نہیں ہیں۔

غرض یہ تھا نخلستانوں اور شہتوت کے اشجار کے جھنڈوں میں بسا ہوا وہ سمرقند جہاں تیمور نے اپنا دربار منتقل کیا۔کوہستان کی گرمی، جو ناگوار نہ گزرتی تھی، شمالی علاقوں کی خنک اور ٹھنڈی ہوا، اور عظمت رفتہ کی یادیں، یہ سب سمرقند کے باشندوں کو چاق و چوبند اور خوش و خرم رکھتی تھیں زمین زرخیز تھی سال میں چار فصلیں اٹھائی جاتی تھیں نہروں میں پانی بافراط تھا اور دریا پر بند باندھ کر سطح زمین سے بلندی پر ایک جھیل بنائی تھی جس سے سیسے کے نلوں کے ذریعے ہر گھر میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔اس شہر کے باشندوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہ پڑتی تھی ان کے گھروں پر دن رات قرمز کپڑا بنا جاتا تھا، جس کی دنیا میں بڑی مانگ تھی قرمزی رنگ کا نام اسی کپڑے کے نام پر رکھا گیا۔

انگریزی زبان کا لفظ کرمزن (Crimson) اسی کپڑے کے نام سے بنا ان کی آبی

گھڑیاں ان کی اپنی ایجاد تھیں ان کا ساختہ کاغذ دنیا میں بہترین کاغذ مانا جاتا تھا دنیا جہان کے کارواں سمرقند سے گزرتے تھے کسی محراب کے قریب بیٹھے ہوئے نجومی کی چھوٹی سی دکان پر بیٹھ کر تقدیر کا حال معلوم کرنا تفریح میں شامل تھا اور دو قدم آگے چل کر مداری کی بکری کے کرتب دیکھنے میں بھی کچھ کم لطف نہ آتا تھا۔ رہے کھنڈر تو بہر حال کھنڈر ہی تھے۔ مگر لوگ کہتے تھے خدا جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔

اہالیان شہر تیمور کی پذیرائی کے لئے جوق در جوق شہر کے باہر آئے۔ مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا استقبال زیادہ سے زیادہ جوش و خروش سے کیا جائے۔ انہوں نے اسے شیر نیستان، کشور کشا اور اقبال مند کے لقب دیئے اس کی شان و شوکت نے ان کی آنکھیں کھول دیں مگر انہیں یہ بھی یاد تھا کہ صرف دس سال قبل وہ سمرقند سے ایک سائے کی طرح یوں گزر گیا تھا کہ کچھ معلوم نہ ہوا کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا۔ اور انہیں یہ بھی یاد تھا کہ انہوں نے جتہ مغلوں کو بھگایا تھا جو ان کے جانی دشمن تھے، گو اس میں وبا کا بھی ہاتھ تھا تاہم جب تیمور نے تمام محصول معاف کر دیئے تو حریر پوش سرداروں اور امراء سے لے کر زین ساز، کوزہ گر، گھوڑوں کے سوداگر اور بردہ فروش تک سب بہت خوش ہوئے۔

مگر اس نے ان سے بیگار لی اور اسے لازمی قرار دیا۔ شہر پناہ کے تمام شگاف اپنے سامنے بند کروائے اور شہر کے دروازوں سے وسط شہر کے بازار (60) تک کشادہ سڑکیں بنوائیں جن کا فرش پتھر کی سلوں کا تھا شہر کے جنوب میں پہاڑی کے تمام بوسیدہ مکان اور جھونپڑیاں گروادیں اور وہاں ایک حصار کی بنیاد رکھوائی۔

اسی طرح مضافات سمرقند میں، جہاں فوجی معسکر قائم کیا گیا تھا، شہر سے دریا تک کشادہ سڑکوں کا جال بچھا دیا، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر باغات لگوائے اور ان کے گرد دیواریں کھنچوائیں۔ دور کے نیلگوں پہاڑوں سے بھورا بھر بھرا پتھر ٹھیلوں پر لاد لاد کر لایا گیا اور ہر طرف وسیع محلوں کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور گنج اور ہرات کے فن کار اور کاریگر جوق در جوق فوجی دستوں کی حفاظت میں سمرقند آ کر وہاں آباد ہوئے۔ غیر ممالک کے سفیروں کی

سواریاں ان شاہراہوں پر جن پر دو رویہ سرو کے درخت تھے، بڑی آن بان سے نکلتی تھیں شہر کی سرائیں ہر وقت بھری رہتی تھیں۔

نیلا رنگ تاتاریوں کا محبوب اور مرغوب رنگ تھا۔ آسمان کی بے اندازہ بلندی اور سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کا رنگ، دور افق پر پہاڑوں کی لکیر اور ان میں بہتی ہوئی ندیوں کا رنگ تیمور ہرات میں وہاں کے نیلگوں گنبدوں کی آسمانی چمک دمک دیکھ کر اس سے متاثر ہوا تھا۔ اس نے سمرقند کی عمارتوں میں پرانی مٹیالے رنگ کی اینٹوں کے بجائے کاشی کی نیلی اینٹیں لگانے کا حکم دیا اس لاجوردی زمین پر سفید اور سنہری مینا کاری عجب دلکشی پیدا کرتی تھی۔

اسی لئے سمرقند کو لوگ گوگ کنڈ (نیلا شہر) کہنے لگے۔

سمرقند کے باشندوں نے محسوس کیا کہ یہ بادشاہ سابق بادشاہوں سے مختلف ہے پنجہ فولاد (تیمور) ضرب المثل بن گئی۔

جب وہ اپنے چوڑے چکلے ہاڑ اور سنہری رنگ کے گھوڑے (61) پر سوار خیابانوں سے گزرتا تو لوگ راستہ چھوڑ دیتے۔ اس کے سپہ سالار اور زیرک وزراء صبا رفتار گھوڑوں پر سوار اس کے ساتھ ہوتے۔ اڑتی ہوئی گرد کے درمیان ان کے لباسوں کی قرمزی اور نقرئی جھلکیاں دیکھنے کے قابل ہوتیں۔ جب تیمور مسجد سے نکل کر اس کی بلند محراب کے نیچے بالائی سیڑھی پر کھڑا ہوتا اور علماء اس کی تعریف وتوصیف کرتے اور گداگر اس سے بھیک مانگتے ہوتے تو سمرقند کے باشندں کی ہمت نہ پڑتی کہ دادخواہی کے لئے اس کے سامنے پیش ہوں۔ وہ جانتے تھے کہ امیر صرف ان لوگوں کی باتیں صبر وتحمل سے سنتا ہے جنہوں نے جنگی خدمات انجام دی ہوں۔ اگر ایک شہری دوسرے کے خلاف انصاف طلب ہوتا تو ان میں سے ایک کا سر آناً فاناً اڑ جاتا۔

اہل سمرقند کو تیمور کی بہو خان زادہ کے ورد سمرقند کی تقریب برسوں یاد رہی۔ اورگنج کے ترجمان بادشاہ کی بیٹی کی پذیرائی انتہائی شان وشوکت سے کی گئی تھی مغربی دروازے کا

خیابان قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا اور تیمور کے معسکر کے فرش پر کمخاب اور اطلس کے تھان بچھے ہوئے تھے اس کے استقبال کے لئے مملکت کے وزیر و امیر، تواچی اور علم بردار شاہی چتر کھولے، سجے ہوئے گھوڑوں پر سوار، دور تک گئے تھے، شہزادی سفید اونٹ پر شغاف میں بیٹھی تھی چہرے پر نقاب تھا اردگرد شہسواروں کے دستے اور گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں تھیں جن پر جہیز کا سامان لدا ہوا تھا۔

اس روز غروب آفتاب کے بعد ہوا خیموں کو لوریاں دیتی معلوم ہوتی تھی درختوں میں لٹکی ہوئی قندیلیں رنگا رنگ پھولوں کا منظر پیش کر رہی تھیں صندل کی خوشبو خیموں کی چوبوں کے قریب سے اٹھ اٹھ کر چاروں طرف پھیل رہی تھی تیمور مہمانوں کی قطاروں کے درمیان پھر رہا تھا اور اس کے غلام مہمانوں کی دستاروں پر ہیرے جواہرات نچھاور کر رہے تھے۔

وقائع نگار لکھتا ہے: "ہر شے مسرت افزا تھی غم واندوہ کا کہیں گزر نہ تھا بڑے خیمے کی چھت گیری آسمانی رنگ کی تھی جس میں ٹکے ہوئے ہیروں کی چمک دمک ستاروں کے دمکنے کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ حجلہ عروسی پر زربفت کا پردہ پڑا تھا اور اس کی سیج قاف کی شہزادی قدسیہ کی سیج سے بھی زیادہ دلکشی و رعنائی لئے ہوئے تھی۔"

خان زادہ جو جہیز اور تحائف لائی تھی، وہ حسب دستور سب کو دکھائے گئے تیمور نے متصل خیمے میں وہ تحائف بھی سجا کر رکھوائے جو جہانگیر کی طرف سے دلہن کو دیئے گئے تھے۔ زریں کمر بند، زرو جواہر، لعل و گہر، مشک و عنبر، اطلس و کمخاب، ململ کے تھان، بیش قیمت لبادے، عمدہ گھوڑے اور حسین و جمیل کنیزیں۔ وقائع نگار ان کی تفصیل پیش کرنے اور ان کی تعریف میں رطب اللساں رہنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہ تحائف تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ ان سے ہر روز ایک نیا خیمہ سجایا جاتا۔

اس رات جب تیمور نے جہانگیر اور خوارزم کی سیاہ بالوں والی حسین شہزادی کو دیکھا ہو گا تو کیا اسے وہ رات یاد نہ آئی ہو گی جب الجائی دلہن بن کر طبل اور نقاروں کی آوازوں

سے گونجتے ہوئے معسکر میں اس کے پاس پہلی بار آئی تھی اور کیا اسے یہ بھی یاد نہ آیا ہوگا کہ جب ایک روز صحرا میں وہ اس کے ساتھ پا پیادہ چل رہا تھا تو الجائی نے مسکرا کر کہا تھا: ''میرے سرتاج! اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے کہ آج آپ پیدل چل رہے ہیں۔''

مگر خان زادہ کا مقصد الجائی سے کہیں اچھا تھا وہ جہانگیر کی بیوی تھی جو ایک فاتح کا بڑا بیٹا تھا اور جس کا اپنا دربار تھا خوبرو خان زادہ تیمور کے منہ پر جو چاہتی بے دھڑک کہہ دیتی، چاہے اس کی بات پر تیمور کو غصہ ہی کیوں نہ آ جائے۔ ایک مرتبہ اس نے تیمور کی تیوری پر بل دیکھ کر کہا تھا ''اے امیر! فاتح کو چاہئے کہ شاہ و گدا سب کو بخش دے اور جب وہ کوئی غلطی کریں تو معاف کر دے، اس لئے کہ جب دشمن معافی کا خواستگار ہو تو وہ دشمن نہیں رہتا۔ اسی طرح جب فاتح کسی کو کوئی شے بخش دیا کرتا ہے تو اس سے اس کا بدلہ نہیں چاہا کرتا۔ وہ نہ کسی ایک آدمی کی دوستی کا محتاج ہوتا ہے، نہ اس کا غضب کسی ایک دشمن پر نازل ہوتا ہے، اس لئے کہ سبھی اس سے کمتر ہوتے ہیں اور اسے سب پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔''

''نہیں دختر نیک اختر'' تیمور نے جواب میں اسے اطمینان دلایا تھا ''جو تم سمجھ رہی ہو وہ بات نہیں ہے امیر، وزیر، سردار اور شہزادے تو میرے حضور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اس وقت تو ایک گدائے گوشہ نشیں کی کسی بات نے مجھے تردد میں ڈال رکھا ہے۔''

تیمور کو خان زادہ کی حاضر جوابی اور ذہانت پسند تھی، گو وہ جانتا تھا کہ شہزادی اپنے ہم قبیلہ ترکمانوں کی خطائیں بخش دینے کی سفارش کرتی رہتی ہے وہ چاہتا تھا کہ جہانگیر اور خان زادہ کی پہلی اولاد نرینہ ہو۔

خود اس نے امیر حسین کی بیوہ سرائے خانم سے شادی کر لی تھی مغلوں میں یہ پرانی رسم تھی کہ جب کوئی بادشاہ یا سردار قتل ہو جاتا تو اس کی بیوی فاتح کے حرم میں داخل ہو جاتی، اور سرائے خانم کی رگوں میں تو چنگیز خانی خون بھی تھا۔

وہ حقیقی معنوں میں اس کی شریک زندگی اور حرم سرا کی حقیقی ملکہ تھی۔ جب تیمور میدان

جنگ میں ہوتا تو دربار اسی کی تعظیم بجالاتا۔وہ سپہ گروں کے خاندان سے تھی اور اکثر شکار میں تیمور کے ساتھ ہوتی تھیں تیمور سے اس کی وفاداری مسلم تھی اور یہی وفاداری تیمور کے بیٹوں اور پوتوں کی وفاداری کی بنیاد تھی۔

تیمور سمر قند میں بہت کم نظر آتا مگر سانڈنی سواروں یا سرحدی دستوں کے قاصدوں کے ذریعے اس کی خبر دارالسلطنت میں ہر روز پہنچ جاتی تھی جب کوئی شہر یا ملک فتح ہوتا تو تاوان لانے والے دستے سمرقند پہنچ کر جنگ کے حالات بھی سناتے۔ ماوراءالنہر میں اب امن وسکون کا دور دورہ تھا۔تیمور ہر سال مغرب کی طرف،خراسان کی تاریخی شاہراہ پر، نیشاپور سے گزر کر مشہد کی زیارت گاہوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا،بحیرہ خزر کے کنارے جا پہنچتا۔ایک دفعہ سمرقند میں یہ خبر پہنچی کہ اس نے اس سرداری قوم کو نیست ونابود کر دیا جس نے عرصے سے لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔

اس کی شمالی مہم کے متعلق لوگوں کو بہت کم باتیں معلوم ہوسکی تھیں اب معلوم ہوا کہ اس مرتبہ وہ جتہ مغلوں کے صدر مقام سے بھی آگے نکل گیا ہے۔سمرقند کی کارواں سراؤں میں اس وسیع وعریض صحرا۔۔۔۔۔گوبی۔۔۔۔۔۔کے قصے سنائے جانے لگے جہاں ریت کے تودے چلتے نظر آتے تھے قمر الدین وہ آخری مغل بادشاہ تھا جسے تیمور کے مقابل رزم آرا ہونے کی ہمت ہوئی مگر تیمور نے اس کا زور توڑ دیا اور تواور اس کا گھوڑا تک چھین لیا گیا تھا اور اسے جان بچانے کے لئے پیدل بھاگنا پڑا تھا۔

تیمور نے اس فتح کے بعد جہانگیر کو کہلا بھیجا ''پہلے ہم نے صرف چنگاریاں بجھائی تھیں مگر اب کے آگ بالکل ہی سرد کر دی ہے۔''

جب وہ خطا کی شاہراہ پر ایک ہزار میل کی مسافت طے کر کے لوٹا مگر وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے اور گم سم تھے۔

امراء کی ایک جماعت سیف الدین کی پیشوائی میں تیمور کے سامنے حاضر ہوئی سب نے کپڑوں پر خاک ڈال رکھی تھی۔انہیں اس حال میں دیکھ کر تیمور نے اپنے گھوڑے کی

باگ کھینچ لی سیف الدین گھوڑے سے اتر کر سر جھائے تیمور کی طرف پا پیادہ بڑھا اور اس کی رکاب تھام لی۔

''کیا تم خوف زدہ ہو؟'' تیمور نے پوچھا، پھر کہا: ''بولو سیف الدین!''

سیف الدین نے آہستہ سے کہا: ''میں خوف زدہ تو نہیں ہوں مگر نوجوان شہزادہ، جس کی ابھی چڑھتی جوانی تھی، اس نازک پھول کی طرح آپ سے چھین لیا گیا جو بادِ تند کے جھونکوں سے ٹہنی سے گر جاتا ہے۔''

جہانگیر کی بیماری کی خبر تیمور کو نہ دی گئی تھی وہ باپ کے وطن واپس آنے سے چند ہی روز قبل مرا تھا۔ سیف الدین شہزادے کا مشیر بھی تھا، وہی امیر کو اس کی سناونی دے سکتا تھا۔

تیمور لمحہ بھر خاموش رہا، پھر سیف الدین سے کہا: ''جاؤ! اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ!''

جب بوڑھا سیف الدین اپنے گھوڑے پر بیٹھ چکا تو فوج کو روانگی کا اشارہ دیا گیا وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھی کیونکہ شہزادے کی موت کی خبر آناً فاناً پوری فوج میں پھیل گئی تھی فاتح فوج سمرقند میں یوں داخل ہوئی۔

رات کو تیمور نے جہانگیر کے طبل اور نقارے اپنے سامنے منگوا کر ٹکڑے ٹکڑے کروا دیئے تا کہ انہیں کوئی اور نہ بجا سکے۔ اس وقت ایک لمحے کے لئے تیمور کے دل میں درد کی ایک لہر اٹھی جس سے اس کے فولادی ہونٹ بھینچ گئے اسے دنیا میں جہانگیر سے زیادہ کوئی شے عزیز نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنہری غول (62)

اس دور کے واقعات کو صحیح پس منظر میں دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے سو سال قبل کے واقعات کا جائزہ لیا جائے اور قوبلائی خاں بلکہ اس کے زمانے کے مغل یا منگول (63) سلطنتوں پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

چنگیز خان نے اتنے جلد اتنا زیادہ علاقہ فتح کر ڈالا تھا کہ اسے تا دیر زیر نگیں رکھنا کسی ایک انسان کے لئے ممکن نہ تھا یہ درست ہے کہ اس کا پوتا قوبلائی خان خاقان (64) یعنی خان اعظم مانا جاتا تھا اور وہی چنگیز کی فرماں روا اولاد کا حکمران اعظم تھا مگر حقیقت میں وہ صرف خطا کا حاکم تھا اور اپنے دار السلطنت بالغ سے صحرائے گوبی، چین اور کوریا پر حکومت کرتا تھا دیگر علاقوں میں چنگیز کے اور پوتے آپس میں لڑ رہے تھے۔

یوں تو یہ جنگیں آپس کی لڑائیں تھیں مگر مسلسل جاری تھیں اور بڑی خونریزی تھیں اور اکثر و بیشتر بے نتیجہ بھی رہتی تھیں، کیونکہ مغلوں کی بیشتر سلطنتیں برقرار تھیں اور شاہ راہوں پر قافلے اور سفیر بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ شمال کی طویل شاہراہ جو ماسکو سے روم تک سطح مرتفع سے گزر کر المالیق (65) اور وہاں سے صحرا کو عبور کر کے بالغ پہنچتی تھی، اب بھی کھلی ہوئی تھی قوبلائی خان کے ایک نسل بعد مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ، جس نے مارکو پولو سے کہیں زیادہ سیاحت کی، وہاں تک پہنچا 1340ء مطابق 741ھ میں پاپائے روم بنی دکت دوازدہم کے پادری بھی خطا کے خاقان کے دربار میں حاضر ہوئے اور المالیق میں ایک عیسائی مشن بھی موجود تھا۔

مگر مغل سلطنتوں کے سلسلے کی ایک کڑی ٹوٹ چکی تھی جنوب مغرب میں ایل خانی بیت المقدس سے لے کر ہندوستان تک کے علاقے پر حاکم چلے آ رہے تھے ایل خانی بادشاہوں کے درباروں میں 1305ء مطابق 705ھ تک مغربی ممالک کے سفر آتے رہے۔ انگلستان کے ایڈورڈ اول، ارغون (اسپین) کے جیمز دوم، قسطنطنیہ کے یونانی قیصر اور آرمینیا کے حکمران کے سفیر "مغل خان اعظم" کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے

انہیں اپنے بادشاہوں کی طرف سے نذرانے پیش کیا کرتے تھے۔

مگر اس زمانے میں ایل خان عیش وعشرت میں پڑ کر کھوکھلے ہو چکے تھے وہ ایرانیوں، عربوں اور مصر کے مملوک بادشاہوں کے حملوں کی تاب نہ لا سکے چنانچہ ان کی مملکت میں طوائف الملوکی پھیل گئی انہی دنوں خطا کا مغل خاقان بھی چینیوں کے حملوں کی وجہ سے چین سے نکلنے پر مجبور ہو گیا اور بالآخر اس کے پاس صرف اس کا وطن صحرائے گوبی رہ گیا۔ چینی تہذیب نے وہاں کے مغلوں کو کمزور کر دیا تھا اور وہ جنگ کے وہ ڈھنگ بھی بھول گئے تھے جن سے فتوحات حاصل کرنے آئے تھے چنانچہ سراسیمہ ہو کر دیوار چین کی پشت تک ہٹ آئے کبھی کبھی لوٹ مار ضرور کرنے لگتے مگر وہ بات پھر کبھی نصیب نہ ہوئی کہ شاہراہوں پر فاتح بن کر دندناتے پھرتے تھے۔

مغلوں کی سب سے چھوٹی شاخ جتہ مغلوں کی تھی یہ چنگیز خاں کے منجھلے بیٹے چغتائی کی اولاد تھے امیر قزغن نے ان کی مملکت کا شمالی حصہ، جو سمرقند کے اردگرد تھا، ان سے چھین لیا تھا اب 1375ء مطابق 777ھ میں امیر تیمور نے انہیں ان کے وطن، یعنی المالیق کے اردگرد کے پہاڑوں سے بھی نکال دیا۔

اس مہم میں تیمور محض شمالی پہاڑوں کی محکم دیوار سے آگے نہیں نکل گیا بلکہ وہ ایشیا کی صدیوں پرانی اس تجارتی شاہراہ پر بھی قابض ہو گیا جس سے ایشیا کا مال تجارتی یورپ جاتا رہا تھا۔ اسے شاید معلوم بھی نہ تھا اور ممکن ہے اپنی مہم کے اس نتیجے کا شعور بھی نہ ہو کہ اس نے شمالی ایشیا سے ہونے والے حملوں کا ہمیشہ کے لئے سد باب کر دیا ہے۔ ہن، ترک اور مغل، سب اسی شمالی سطح مرتفع کے تھے اور تیمور کی رگوں میں بھی انہی کا خون تھا، گویا وہ اپنے ہم نسب قبیلوں پر غالب آیا اور چنگیز کی متمدن اولاد نے اس کی بربریت پسند اولاد کو صحرا کے اندرونی حصوں میں دھکیل دیا۔

1370ء تا 1380ء (مطابق 772ھ تا 782ھ) کے عشرے میں مغل مملکت کا تین چوتھائی حصے نقشے سے غائب ہو چکا تھا اور تجارتی راستے بھی بند ہو چکے تھے مگر جو چوتھائی

حصہ مغلوں کے پاس رہ گیا تھا، وہ ابھی تک نہایت محکم تھا۔ اسی کو سنہری غول کا علاقہ کہتے تھے اور یہ تیموری قلمرو سے شمال اور مشرق کی جانب واقع تھا۔

سنہری غول کی اس سلطنت کی ابتداء چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جوجی خاں نے کی تھی۔ اسے سنہری غول کا نام اس لئے دیا گیا کہ جوجی خاں کا بیٹا باتو خان اعظم اپنے خیمے پر سنہری کپڑا منڈھا کرتا تھا مغل خاندان کی یہ شاخ پھلتی پھولتی رہی۔ روس اور وسطی ایشیا کے وسیع ویران مرتفع علاقے اس کی جولان گاہ تھے اور یہ ان میدانوں میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتی اور اپنی روز افزوں دولت کے بل پر ڈیڑھ سو سال تک یورپ کو تنگ کرتی رہی۔

تیمور کی پیدائش کے وقت سنہری غول کی وقت انتہا کو پہنچ چکی تھی کھلے میدانوں کی زندگی، لوٹ مار اور جنگ و جدل نے ان خانہ بدوشوں کو ذہنی و جسمانی طور پر خوب مضبوط اور تندرست و توانا بنا رکھا تھا۔

یہ ٹنڈرا کے برف پوش میدانوں میں پھرتے رہتے تھے عورتیں اور بچے بند بیل گاڑیوں میں بیٹھے رہتے اور مرد گھوڑوں پر سوار ساتھ ساتھ سفر کرتے جب کسی مقام سے روانہ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ایک پورا شہر سفر میں ہے۔ چلتی گاڑیوں میں خورد و نوش کا انتظام ہوتا رہتا اور چولہے جلتے رہتے نمدے کی گنبد دار مسجدیں بھی انہی گاڑیوں پر رکھی ہوتیں یہ لوگ کبھی کبھی شمال میں بہت دور تک نکل جاتے اور ایسے علاقوں میں چوبی قلعوں میں قیام کرتے جہاں نیلے نیلے درختوں کے جنگل چراگاہوں کی حد فاصل بنے ہوتے تھے (67)

ان کا مذہب غیر واضح سا تھا کیونکہ ابھی ان میں بت پرستی باقی تھی ملاؤں کے ساتھ ساتھ لمبے بالوں والے شامان بھی بت کمر میں لٹکائے بیٹھے رہتے اور مداریوں کے ریچھ مسجدوں کی گاڑیوں کے نیچے ہی سوتے۔ ان کے پاس لاتعداد گھوڑے ہوتے تھے اور ان کی بھیڑوں کی تعداد رکھوالی کرنیوالے کتوں کی تعداد پر قیاس کی جاسکتی تھی۔

ان میں صرف حکمران خاندان مغل تھے، باقی اس شمالی علاقے کے کثیر النسل باشندے تھے جسے دنیا ''سرزمین آسیب'' کہا کرتی تھی ان کے نام بھی عجیب ہوتے تھے جسے قپچاق (صحرائی) قتقل (اونچی گاڑی)، قازق، قرغیر، مردوا، بلغار اور آلان ان میں بیرونی دنیا کے جپسی (جہاں گرد) اور جنو آئی بھی تھے، جو یورپ سے تاجر بن کر جہاں گردی کرنے نکل آئے تھے ان لوگوں کے علاوہ ان خانہ بدوشوں میں کچھ ارمنی اور روسیوں کی بہت بڑی تعداد بھی شامل تھی تاہم ترک اور تاتاری سب سے زیادہ تھے اور آسانی اسی میں ہے کہ ان سب کو سنہری غول کہہ دیا جائے۔

یہ تیموری تاتاریوں کے چچیرے بھائی تھے وہی ترچھی آنکھیں، چھدری ڈاڑھیاں، انہیں کی طرح متلون مزاج، عصبی اور قبضہ جمانے کے عادی سمور کی کھالیں اور ریشمی صدریاں پہنتے تھے اور ان کی زرہ بھی اعلیٰ قسم کی ہوتی تھی مگر بربریت میں ہم عصر روسیوں سے کم تھے سکے بھی ڈھالتے تھے مگر صرف اس لئے کہ روسی ان سکوں میں انہیں خراج ادا کرسکیں۔ روسیوں کو گننے کی کلیں بھی دیتے تھے تاکہ رقم کی صحیح ادائی ہو، اور کاغذ بھی بناتے تھے تاکہ اس پر روسی والیان ریاست سے کئے ہوئے معاہدے لکھے جاسکیں۔

یہ لوگ روس پر اپنے دوردراز ملک سے حکومت کرتے تھے جس کے سرزمین روس سے قریب ترین شہر سرائے اور راستراخان تھے جو دریائے والگا (68) کے کنارے واقع تھے۔ روسی والیان ریاست خراج اور تحائف لے کر ان شہروں میں حاضر ہوتے تھے یہ خود روس کی حدود میں صرف ان موقعوں پر داخل ہوتے جب خراج کی ادائیگی میں کوتاہی کی جاتی۔ اس وقت روس میں خون کے دریا بہتے، آگ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور جو چیز حملہ آوروں کو پسند آجاتی وہ ان کی خرجیوں میں چلی جاتی۔

جنوبی یورپ کا سیاسی توازن ان کے ہاتھ میں تھا۔ کچھ عرصہ پہلے یہ ایک خان کی قیادت میں پولینڈ کے وسط تک بھی جا پہنچے تھے اس خان نے ایک یونانی بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر رکھی تھی سرائے کے مقام پر وینس اور جنوآ کے صنعت کاروں کے گماشتے پہنچا

کرتے تھے جن کے تجارتی اڈے پوری مغل مملکت میں تھے۔

روس میں ان کی طاقت پر صرف ایک بار کاری ضرب لگائی گئی تھی یہ وہ موقع تھا جب والی ماسکو دمتری ان کے مقابلے کے لئے ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر میدان میں نکلا تھا اور اس نے دریائے ڈان کے کنارے پر سنہری غول کے سردار ممائی کے مقابل اپنے علم بلند کر کے اسے شکست دی تھی روسیوں کے لئے یہ دن بڑی خوشی کا دن تھا مگر یہ خوشی دیر پا ثابت نہ ہوئی اور بہت جلد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ''ہم جنہوں نے تلوار اٹھائی، اپنے آبا ؤاجداد سے زیادہ نقصان میں رہے، جو اپنی گردنیں جھکائے رہتے تھے۔''

ان دنوں اتفاق ایسا ہوا کہ سنہری غول کا ایک شہزادہ توقمش جو کریمیا (69) کا حکمران تھا، اپنی قوم سے خفا ہو کر اس سے علیحدہ ہو گیا اور تیمور کے پاس پناہ لی۔ اس کے پیچھے پیچھے، سفید گھوڑے پر سوار ایک مغل سردار سنہری غول کے ایلچی کی حیثیت سے سمرقند پہنچا اور اس نے تیمور سے کہا: ''اے تیمور لنگ (70) ارس خان نے، جو حاکم شرق وغرب اور ٹیلے غول اور سفید غول کا خاقان، نیز آقائے صیبر بھی ہے، یہ پیغام بھیجا ہے کہ توقمش نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے اور تمہارے پاس پناہ لی ہے۔ تم اسے میرے حوالے کر دو ورنہ میں تم سے جنگ کروں گا، جس کے لئے بہت جلد ایک میدان جنگ انتخاب کیا جائے گا۔''

تیمور تو چاہتا ہی تھا کہ جنگ ہو وہ سنہری غول کے مفتوحہ علاقوں (اور قبائل) میں سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا اس لئے تصادم ناگزیر تھا چنگیز خان کی اولاد میں سے ایک شہزادے کا اس کے دربار میں موجود ہونا اس کی خوش قسمتی تھی مگر یوں بھی تیمور کسی ایسے آدمی کو اس کے دشمن کے حوالے نہ کرتا جس نے اس کے پاس پناہ لی ہوتی اس نے سفیر کو جواب دیا کہ ''توقتمش نے میرے پاس پناہ لی ہے میں اسے تمہارے ظلم سے بچاؤں گا۔ ارس خان سے کہہ دو کہ ہم نے اس کا پیغام سن لیا ہے اور ہم جنگ کرنے کو تیار ہیں۔''

اس نے توقتمش کے اعزاز میں ایک ضیافت کی اور اسے بیٹا کہہ کے مخاطب کیا۔ پھر

شمالی سرحد کے دو قلعے اس کے حوالے کیے اور ضرورت کے مطابق افسر اور سپاہی بھی دیئے یہ دونوں قلعے مغلوں ہی سے چھینے گئے تھے اس کے علاوہ تیمور نے اسے ہتھیار، زر و جواہر، اونٹ، گھوڑے، خیمے، نقارہ، طبل اور علم بھی دے دیئے۔

توقتمش یوں کیل کانٹے سے لیس ہو کر شمال کی طرف بڑھا مگر سنہری غول نے اسے بری طرح شکست دی تیمور نے اسے دوبارہ مسلح کر کے بھیجا مگر وہ اب کے بھی بھاگنے پر مجبور ہوا اور تیمور کے خاص گھوڑے جنگ اوغلن پر بیٹھ کر جوں توں دریائے سیر عبور کر سکا۔ چونکہ زخموں سے چور تھا، جنگل میں چھپ گیا تیمور کا ایک براس سردار، جس نے اسے دیکھ لیا، توقتمش کو تیمور کے دربار تک لایا پھر یک بہ یک اس کی قسمت پلٹ گئی۔

ارس خان مر گیا۔ توقتمش نے فوراً سنہری غول کی سرداری کا دعویٰ کر دیا۔ آدھے کے قریب قبیلے اس کے طرفدار بن گئے مزید برآں اسے تیمور کی حمایت بھی حاصل تھی چنانچہ جنگ ہوئی تو وہ فتوحات حاصل کرنے لگا مگر چونکہ بڑا ظالم، سرکش اور سفاک انسان تھا، مغلوں کی مملکت پر کالی آندھی کی طرح چھایا اور انسانوں کے لئے ایک عذاب بن گیا اس نے سنہری غول کے خاقان ممائی کو سرائے سے نکال باہر کیا اور تخت پر قابض ہو گیا۔

اب اس نے روسی والیان ریاست سے خراج کا مطالبہ کیا مگر وہ دو سال قبل کی فتح کے گھمنڈ میں تھے اس لئے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ توقتمش نے انہیں زیر کیا اور جلتی ہوئی آبادیوں سے گزر کر انسانی خون سے لالہ زار بنی ہوئی زمین پر دندناتا ہوا ماسکو جا پہنچا۔ دھوکے سے شہر فتح کر لیا اور اسے نذر آتش کر کے روسی شہنشاہ کو ہاتھ ملتا چھوڑ آیا روسی والیان ریاست کے بیٹے توقتمش کے دربار میں پابجولاں لائے گئے، اور وینس اور جنوآ کے امرا تجارتی مراعات کی درخواستیں پیش کرنے حاضر ہوئے۔

اس کے بعد حالات نے ایک اور پلٹا کھایا، توقتمش نے جو سنہری غول کا خاقان بن چکا تھا، تیمور پر ہاتھ صاف کرنے کی ٹھانی۔ وہ وقت تو بھول گیا جب فرار ہو کر تیمور کے پاس پناہ لی تھی، البتہ سمرقند کی جو شان و شوکت اور تاتاریوں کے جو جگمگاتے ہوئے خیمے دیکھ گیا

تھا، ان پر رال ٹپکنے لگی۔ احسان مند ہونا تو خیر اس کی سرشت ہی میں نہ تھا مگر جنگی آداب بھی بالائے طاق رکھے اور بلا اطلاع ہی تیمور پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعض امرا نے اسے اس غلط اقدام سے روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ تیمور نے تمہاری مدد کی تھی، کیا خبر تمہارے حالات پھر خراب ہو جائیں اور تمہیں اس کی امداد کی پھر ضرورت پڑ جائے۔

مگر توقتمش کو اپنی کامیابی کا یقین تھا، وہ ان امراء کی کیوں سنتا اس کے علاوہ تیمور نے جس اور گنج پر قبضہ کر رکھا تھا وہ کسی زمانے میں سنہری غول کی مملکت سمجھا جاتا تھا۔ توقتمش یہ علاقہ بھی تیمور سے چھیننا چاہتا تھا چنانچہ اس قسم کی پوری احتیاط اور تیاریوں کے بعد جو اس کی قومی روایات میں شامل تھیں، توقتمش مملکت تاتار پر جھپٹا تیمور اس وقت بحیرہ خزر کے قریب جنگ میں مصروف تھا۔ سنہری غول کے کچھ دستے تاتار میں نمودار ہوئے تو ایک تھکا ماندہ قاصد (جو بمشکل زین میں لگے رہنے کے قابل تھا کیونکہ سمرقند سے نو سو میل کی مسافت سات دن میں طے کی تھی) تیمور کے پاس وہاں پہنچا اور یہ اطلاع دی کہ سنہری غول کی فوج کا اعظم الجیش دریائے سیر عبور کر کے ملک میں داخل ہو چکا ہے اور سمرقند سے صرف چند دن کی مسافت پر ہے۔

تیمور افوراً خراسان کی شاہراہ پر روانہ ہو گیا اور اس سرعت سے راستہ طے کیا کہ توقتمش کے سمرقند پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا یہ درست ہے کہ راہ میں اس کے بے شمار گھوڑے مرے مگر وطن کا تحفظ اس قیمت میں بہت ارزاں تھا۔

تیمور کے بہت سے قلعہ داروں نے حملہ آوروں سے لڑ کر انہیں روکنے کی کوشش کی۔ خود تیمور کا منجھلا بیٹا عمر شیخ بھی مغلوں کی راہ میں حائل ہوا مگر انتہائی بے جگری سے لڑنے کے باوجود شکست کھائی اور اس کی سپاہ منتشر ہو گئی تیمور کی آمد کی خبر پا کر مغل فوجیں تباہی پھیلانے کا کام ادھورا چھوڑ کر منتشر ہو گئیں انہوں نے بخارا کے مضافات میں ایک محل کو آگ لگائی اور پھر دریائے سیر عبور کر کے شمال کی جانب لوٹ گئیں۔

مگر ان کے واپس جانے سے یہ قضیہ ختم نہیں ہو سکتا تھا تیمور کے وطن پر حملہ کیا گیا تھا،

اس کی فصلیں روندی جا چکی تھیں اور گھوڑے اور انسان گرفتار کئے جا چکے تھے پھر مغلوں کے قرنی علم نمودار ہوتے ہی بغاوت کے کئی اور علم بھی بلند ہو گئے تھے یہ اس سرزمین کا خاصہ تھا۔ تیمور کے بائیں طرف اور گنج کے صوفی، جو خان زادہ کے رشتہ دار تھے میدان میں نکل آئے تھے اور دائیں طرف جتہ مغل قبیلے بھی گھوڑوں پر زینیں کس کر لوٹ مار میں مشغول ہو گئے تھے۔

اب وہ دور شروع ہو چکا تھا جس میں تیمور اور مغل خاقان کے درمیان حصول اقتدار کی آخری کشمکش ہونی تھی ادھر تو قتمش تھا جو چنگیز کی اولاد اور خانہ بدوشوں کا سردار تھا اور جس کی پشت پر تمام مغل اقوام تھی، ادھر تیمور تھا جو صرف ایک چھوٹے سے قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا اور جس کے ساتھ اس کے اپنے چند قبائل ہی تھے، البتہ وہ اس کی وفاداری کا حلف ضرور اٹھا چکے تھے۔

تیمور نے تو قتمش سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر تو قتمش سطح مرتفع کے وسیع میدانوں میں بڑی پھرتی سے اس طرح غائب ہو گیا جس طرح لومڑی جھاڑیوں میں غائب ہو جاتی ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آئندہ اس کا حملہ کس جگہ اور کس رخ سے ہوگا۔

تیمور نے اپنے ان تمام سرداروں کو اپنے سامنے بلایا ان میں سے جنہوں نے مغلوں کا مقابلہ کیا تھا مگر شکست کھائی تھی، پھر بھی جرات اور بہادری سے کام لیا تھا، ان کو انعامات اور تحائف دیئے۔ جنہوں نے بزدلی دکھائی تھی انہیں سزائیں دیں ایک سردار دشمن کے سامنے سے بھاگ آیا تھا اس کے بادل عورتوں جیسے بنائے گئے اور منہ پر غازہ اور سرخی مل کر زنانہ کپڑوں میں سمرقند کی گلیوں میں پھرایا گیا۔

ادھر تو قتمش جو غائب ہو گیا تھا، اچانک پھر ایک بہت بڑی فوج لے کر سیر کے علاقے پر چڑھ آیا۔ اس وقت سخت ترین سردی پڑ رہی تھی تیمور کی جگہ کوئی یورپی بادشاہ ہوتا تو دار السلطنت میں قلعہ بند ہو جاتا اور نواحی علاقوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا مگر تیمور نے کبھی ایسی تدابیر اختیار نہ کی تھیں جن سے اپنی جان بچ جائے، خواہ ملک دشمن کے ہاتھوں تباہ ہو

جائے وہ تو قرشی کے دفاع کے موقع پر بھی قلعہ بند نہ ہوا تھا۔

اس وقت اس کے ساتھ فوج کا صرف ایک حصہ تھا، باقی فوج جتہ مغلوں کو مشرقی دروں سے نکالنے کی مہم میں مصروف تھی اس بلا کی سردی میں بہتر تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ تیمور سمرقند میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ جائے اور توقتمش کی فوجوں کو سردی سے مرنے دے مگر توقتمش اور اس کے سنہری غول کو ملک میں آزاد پھرنے دینا بھی تو ملک کو تباہ کرنا تھا وہ شمال کے رہنے والے تھے، اس لئے برف و باراں کے عادی تھے، اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ صوفی اور جتہ خاں ان کے ساتھ مل جائیں گے، تیمور کے امیروں نے جنوب کی طرف پسپائی کر کے منتشر فوجیں یکجا ہونے کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔

''انتظار؟'' تیمور نے جوش میں آ کر کہا: ''کس بات کا انتظار ہے؟ یہ انتظار کرنے کا وقت نہیں ہے۔''

اس نے فوج کی کمان خود سنبھال کر اسے مختلف لکڑیوں میں بانٹا اور پھر علم بلند کر کے سیر کی طرف روانہ ہو گیا اور برف باری اور بارشوں کے باوجود بڑھتا ہی چلا گیا۔ بعض جگہ گھوڑے پیٹ تک کیچڑ اور دلدل میں دھنس دھنس گئے، مگر تیمور نے رکنے کا نام نہ لیا، اور جوں ہی سنہری غول کی بیرونی چوکیوں تک پہنچا ان پر حملہ کر دیا۔ اس کے سپاہی دشمن کے سواروں کے بیچ میں سے گزر کر اس کے قلب کے لشکروں تک جا پہنچے تیمور نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑی فوج کا مقدمۃ الجیش ہے۔

جب توقتمش نے دیکھا کہ تیمور گھیرا ڈال کر عقب سے حملہ آور ہو رہا ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ تیمور کی حملہ آور فوج کی پشت پر ایک اور بہت بڑی فوج بھی ہے۔ وہ اتنے سخت موسم میں شمالی راستوں سے منقطع نہ ہونا چاہتا تھا اس لئے اسی وقت پسپائی شروع کر دی اور تیمور نے اپنے دستوں کو تعاقب کرنے کا حکم دے کر یہ ہدایت کر دی کہ اس کا پیچھا نہ چھوڑیں۔

پھر جب موسم بہار میں سڑکیں خشک ہوئیں تو اس نے پوری فوج لے کر پیش قدمی

شروع کی سب سے پہلے مغرب کی سمت بڑھ کر صوفیوں کونشانہ بنایااورآورگنج کا محاصرہ کر لیا اس دفعہ شخصی مبارزت کا نہ کوئی موقع نہ نہ اسے اس قسم کی باتیں کرنی تھیں شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور محلات اور مریض خانوں تک کو زمین کے برابر کردیا گیا جب تیمور وہاں سے چلا اس وقت شہر کے کھنڈرے جلے ہوئے انسانی پنجروں سے پٹے پڑے تھے جو شہری زندہ بچ رہے انہیں تیمور سمرقند لے آیا۔

اب وہ جتہ مغل قبائل کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں مارتے مارتے المالیق تک پہنچا دیا تاکہ آئندہ سرحدوں پر فتنہ برپا کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔

جب تیموران دو دشمنوں کو تہس نہس کر چکا اور اس کے دائیں بائیں علاقے محفوظ ہو گئے تو اس نے توقتمش سے دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھانی، اور سنہری غول کی فوجوں کا انتظار کرنے کے بجائے خود آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔اس نے اپنی فوج کو سمرقند کے باہر میدان میں جمع کر کے اس کا معائنہ کیا اور پھر اسے بتایا کہ اس نے ارادہ کیا ہے وہ شمال کی جانب سنہری غول کے علاقے میں گھس کر توقتمش سے نبرد آزما ہونا چاہتا ہے!!!!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بالائے سطح مرتفع کا راستہ (71)

اب تیمور نے یہ فیصلہ کرنے کو تو کر لیا مگر اس پر عمل کرنا قطعی اور یقینی موت کو دعوت دینا تھا اس کے چار سو سال بعد نپولین نے جب یہی کیا تو گو وہ ماسکو تک پہنچ گیا مگر اس کی فوج، جو لشکر عظمیٰ کہلاتی تھی، پولینڈ اور روس کی برف باری کی تاب نہ لا سکی اور اس کا بیشتر حصہ ان برفانی میدانوں میں کھیت رہا۔

تیمور کو ابھی تک سنہری غول کا میدان جنگ میں مقابلہ کرنے کا اتفاق تو نہ ہوا تھا مگر اسے معلوم تھا کہ توقتمش کی فوج تعداد میں اس کی فوج سے بہت زیادہ ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ چونکہ توقتمش کے پاس بے شمار گھوڑے ہوں گے اس لئے اسے نقل وحرکت میں بھی زیادہ آسانی رہے گی پھر یہ بھی تھا کہ تیمور کی فوج اسی صورت میں زندہ رہ سکتی تھی جب گھوڑوں کے لئے چارہ اور آدمیوں کے لئے پانی ملتا رہے، مگر سنہری غول اس علاقے میں نسلوں سے رہتے سہتے آرہے تھے، اس لئے وہاں ہر حال میں زندہ رہ سکتے اور لڑ بھڑ سکتے تھے۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ تیمور ہر قدم سوچ سوچ کر اٹھائے۔

شمال میں ریت کے تودوں اور غیر آباد پہاڑیوں میں انسانی ضرورت کی کوئی شے مہیا نہ ہو سکتی تھی۔ ظاہر تھا کہ لڑائی ایسے علاقوں میں ہو گی جہاں عقب میں بنجر زمینوں کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ فوج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو تین ہی مہینے کا سامان خورد ونوش لے جایا جا سکتا تھا گویا شکست کے معنی ہوں گے مکمل تباہی، بلکہ خود تیمور کا زندہ بچ نکلنا بھی مشکل ہو گا۔

1716ء میں پیٹر اعظم نے خیوہ اور ترکمانوں پر حملے کے لئے جو روسی فوج روانہ کی اس کا سرکیشیائی سپہ سالار شہزادہ بیکووچ صحرا ہی میں مر گیا اس کی فوج کے اکثر افراد بھی یا تو مارے گئے یا بھوک پیاس سے مر گئے۔ اور باقی ماندہ غلام بنا لئے گئے اس کے سو سال بعد ایک اور فوج کاؤنٹ پیرووسکی کی کمان میں روانہ کی گئی اس کے لئے وافر پانی کی فراہمی کے پورے انتظامات کئے گئے تھے مگر اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ دس ہزار اونٹ، اتنی

ہی گاڑیاں اور بیش تر فوج اس خشک صحرا ہی میں مر گئی، اور جو زندہ بچ گئے انہیں واپس آنے میں ایک سال لگا ایشیا کے یہ غیر آباد صحرا، فوجی نقطہ نظر سے آج بھی ناقابل تسخیر ہیں۔

تیمور اس صحرا کا چکر کاٹ کر بھی نہ جا سکتا تھا البتہ مغرب کے رخ سے سنہری غول کے شہروں پر حملہ کر سکتا تھا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ابھی صحرا ہی میں ہو اور توقتمش دوسرے رخ سے بڑھ کر سمرقند پر قبضہ کر لے۔ پھر یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ جنگ کہاں کرے گا۔ سرحدی صحراؤں کے عین سرے پر یا ڈیڑھ ہزار میل دور بحیرہ اسود کے کنارے پر یا اور اوپر بحیرہ بالٹک کے ساحل پر یا طلوع آفتاب کی سمت صحرائے گوبی میں اور ہوا یہ کہ توقتمش ایک بالکل ہی غیر متوقع مقام پر نمودار رہوا اس وقت تیمور کی حالت یہ تھی کہ اس کا سامان خوردو نوش ختم ہو چکا تھا، خبر رسانی کے وسائل اس سے پہلے بیکار ہو چکے تھے اور اس کی فوج سنہری غول کے قرنی علم نمودار ہونے سے پہلے راستہ گم کر چکی تھی۔

غرض فوجی تزویرات کے تمام اصولوں کے مطابق تیمور شکست اور موت کو دعوت دے رہا تھا مگر اس کے باوجود اس کا اقدام تھا بالکل صحیح وہ غیر ضروری مردانگی کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا بلکہ انسانی فطرت کو سمجھنے کا جو ملکہ اسے حاصل تھا اس سے کام لے رہا تھا آپ کو یاد ہو گا کہ توقتمش چند سال اس کے دربار میں رہا تھا ان دنوں وہ دو بار میدان جنگ سے بھاگ آیا تھا۔ تیمور مغلوں کی فطرت نیز ان کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تاتاری، مغلوں کے مقابلے میں، جن کی گھوڑ سوار فوج دنیا میں لاثانی ہے، دفاعی جنگ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور جب تک شمال میں توقتمش طاقتور ہے سمرقند خطرے میں ہے چنانچہ سنہری غول کے علاقے میں گھس کر فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے سب کچھ خطرے میں ڈالنے پر آمادہ ہو گیا۔ ادھر توقتمش کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ ہو سکتی تھی کہ تیمور وہاں پہنچ کر جنگ لڑے گا، اور تیمور یہی چاہتا تھا کہ اسے اچانک جا لے اور دفاع پر مجبور کر دے جس میں مغل لڑائی ہار بیٹھتے تھے۔

اس سے یہ بات عیاں ہے کہ تیمور تمام زندگی تین اصولوں پر عامل رہا 1 اپنے ملک کو کبھی میدان جنگ نہ بنایا جائے 2 دفاعی جنگ سے احتراز کیا جائے 3 گھوڑوں کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سے دوڑا کر زیادہ سے زیادہ سرعت سے حملہ کیا جائے اس نے ایک بار کہا: ''صحیح مقام پر صرف دس آدمی لے کر پہنچ جانا اس سے کہیں بہتر ہوتا ہے کہ دس ہزار فوج کمان میں ہو مگر موقع پر نہ پہنچے۔''

اسی طرح اس نے ایک بار یہ بھی کہا کہ ''دشمن کے اپنی پوری طاقت جمع کرنے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر کے اس کی گردن توڑ دینی چاہئے اور جتنی فوج کی رسد کا کوچ کے دوران میں انتظام ہو سکتا ہے اس سے زائد ایک بھی آدمی ساتھ نہ لے جانا چاہئے۔''

دریائے سیر تک کا علاقہ تیموری سپاہیوں کا دیکھا بھالا علاقہ تھا وہ آہستہ آہستہ کوچ کرتے ہوئے سلسلہ کوہ قراتاغ کے قلعوں کو یکے بعد دیگرے سر کرتے چلے گئے فروری کے اواخر میں برف باری اور بارش کی شدت کی وجہ سے ایک مقام پر رک گئے یہاں تو قتمش کے ایلچی پہنچے اور نو نفیس گھوڑے اور ایک شکرا، جس کی آنکھوں پر یاقوت ٹکی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، بطور تحائف پیش کر کے کہا کہ توقتمش اپنی سابقہ غلطیوں پر نادم اور صلح کا خواہش مند ہے۔

مگر یہ سب حیلہ سازی تھی اور تیمور بھی سمجھ گیا کہ حیلہ سازی کی جا رہی ہے چنانچہ اس پیغام کو کچھ اہمیت نہ دی۔

اس نے جواب میں ایلچیوں سے کہا: ''جب تمہارا آقا زخمی ہوا اور اپنے دشمنوں سے بھاگ کر میرے پاس آیا تو سبھی جانتے ہیں کہ میں نے اسے پناہ دی اور اسے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔ پھر میں نے اسے ارس خان سے لڑنے کے لئے مدد دی۔ اس لڑائی میں میرے شہسواروں کی جانیں ضائع ہوئیں، مگر جب تمہارا آقا طاقتور ہو گیا تو میرا احسان بھول گیا۔ جب میں ایران میں تھا، اس نے دغا بازی کر کے میری عدم موجودگی میں میرے ملک کو برباد کیا اور اس کے بعد بھی ایک جرار فوج لے کر میری مملکت پر چڑھائی کی

مگر اب میں نے فوج کشی شروع کی ہے تو سزا سے بچنا چاہتا ہے وہ بار بار اپنے قول سے پھر چکا ہے اگر وہ صدق دل سے صلح کا خواہش مند ہے تو اپنے وزیر اعظم علی بے کو گفت و شنید کے لئے روانہ کرے۔"

جب علی بے نہ آیا تو تیمور نے کوچ جاری رکھا۔شاہی حرم کی مستورات کو یہاں سے ان افسروں کے ساتھ واپس کر دیا گیا جنہیں سمرقند کے دفاع پر مامور کیا گیا تھا اور تیموری فوج پہاڑوں سے نکل کر سفید ریگ کے صحرا (72) میں داخل ہوئی۔

وہ تین ہفتے تک ریت کے تودوں پر چلتی رہی طلوع آفتاب سے قبل سات فٹ لمبے کرنائے (73) بجا کر لشکروں کو تیاری کا حکم دیا جاتا اس کی آواز پر گھوڑوں کا ساز درست کر لیا جاتا اور خیمے لپیٹ کر ان گاڑیوں پر لاد دیئے جاتے جن کے پیے آدمی کے قد سے بھی اونچے ہوتے تھے بیل گاڑیوں کے علاوہ بار برداری کے لئے اونٹ بھی تھے گاڑیوں پر سپاہیوں کا سامان بھی لادا جاتا ہر دستے میں دس دس (74) آدمی ہوتے تھے جو ایک ہی خیمے میں رہتے تھے ان کے سامان میں دو بیلچے، ایک آری، ایک کلہاڑی، درانتیاں، موٹے رسے، دیگچہ اور نمط (بیل کا چمڑا) شامل ہوتے تھے کھانے کا سامان نہایت ہلکا اور مختصر تھا۔۔۔آٹا، بھنے ہوئے جو، خشک میوہ اور ایسی ہی چند اور چیزیں جب فوج آق قم میں داخل ہوئی تو آٹے کی فی کس ماہانہ مقدار گھٹا کر آٹھ سیر کر دی گئی۔

ہر سپاہی کو ایک فالتو گھوڑا بھی دیا جاتا تھا (کل فوج گھوڑ سوار تھی) اور ہر جوان کے پاس زرہ، خود، ڈھال اور دو دو کمانیں تھیں، ایک دور تیر پھینکنے کے لئے اور دوسری تیز اندازی کے لئے ہر ایک کے پاس تیس تیس تیر، ایک ایک شمشیر اور ان کے علاوہ چھوٹے دستی ہتھیار بھی ہوتے تھے اکثر دستوں کے پاس لمبے بلم بھی ہوتے تھے جو کندھوں پر لٹکے رہتے تھے بعض کے پاس وزنی برچھے یا لمبے نیزے بھی ہوتے تھے۔

فوج کے لشکر ایک معین ترتیب سے حرکت کرتے (یہ ترتیب بگاڑنا خودکشی کرنا تھا) اور معسکر میں بھی اسی ترتیب سے رکتے۔ہر افسر کی جگہ مقرر ہوتی، جو امیر کے علم سے اس کے

مرتبے اور کمان کے مطابق کم یا زیادہ فاصلے پر رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ اندھیرے میں پڑاؤ کرنے میں بھی بے ترتیبی نہ ہوتی تھی۔ آرام کی حالت میں کوچ کرتے میں بھی تومان (ڈویژنوں کے سالار) اپنے اپنے لشکروں کو لڑائی کی ترتیب میں رکھتے کیونکہ اس طرح پھیل کر کوچ کرنے سے کہیں کہیں گھوڑوں کو گھاس چرانے کا موقع بھی مل جاتا۔

نصف النہار سے کوئی ایک گھنٹے پہلے قرنا پھر بجتا اور فوج گھوڑوں کو آرام دینے کے لئے رک جاتی۔ کمزور جانوروں کا پانی کی قلت کی وجہ سے اس سے پہلے ہی پتلا حال ہو جاتا۔

شام کے وقت پڑاؤ کرتے۔ معسکر کی جگہ قراول پہلے ہی سے انتخاب کر لیتے۔ تیمور کا علم جس میں گھوڑے کی دم کی شکل کا طرہ اور چوب کے اوپری سنہری ہلال ہوتا، اس کی سرا پردا کے سامنے گاڑ دیا جاتا۔ شاہی خیمہ اور خرگاہ اسی کے گرد ہوتے۔

اب ایک نہایت پر اثر تقریب ہوتی جیسے ہی کوئی لشکر پڑاؤ میں پہنچتا اور معسکر میں اپنی جگہ پر اترتا اس کے نقاروں پر چوٹ پڑتی سالار لشکر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوتا، اپنے ماتحت افسروں کو ساتھ لیتا اور امیر کے علم کی طرف بڑھتا۔ اس کی شہنائیاں، بین اور قرنا اس کے آگے آگے ہوتے۔

ان کی آوازوں سے گھوڑے اچھلنا شروع کر دیتے اور بمشکل قابو میں رکھے جاتے۔ پھر جھانجھ بجنے لگے اور رجز خواں آنکھیں بند کئے، سروں کو پیچھے ڈالے، پوری قوت سے آواز نکالتے ہوئے، جنگوں میں دکھائی گئی دلیری اور شجاعت کے قصے سازوں پر گا گا کر سناتے۔

شام کی لہو رنگ شفق کے پس منظر پر، گھوڑوں کو دلکی چال سے چلاتے ہوئے امرا، جن کی قاقم لگی ہوئی ٹوپیاں گھوڑوں کی ایالوں کے اوپر اچھلتی نظر آتیں، تیمور کے علم تک پہنچتے ان کی قرمزی اور سیاہ قباؤں پر آہنی ہتھیار چمکتے رہتے۔ رجز خوانوں اور ان کی سازوں کی کان پھاڑنے والی آوازیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدائے بازگشت بن جاتیں اس شان

سے امیر تیمور کے سامنے پہنچ کر نقرئی راسوں کی چھن چھن کی آوازوں کے درمیان وہ پوری قوت سے نعرہ مار کر سلامی دیتے۔

جب آخری سالار لشکر سلامی دے کر گزر جاتا تو تیمور گھوڑے سے اتر کر امرا کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتا۔ صحرا میں بھی اس کا لباس بہترین ریشمی کپڑے اور زربفت کا ہوتا تھا۔

رات کو کوچ کے نگران افسر قندیلیں روشن کیے اس کے سامنے پیش ہوتے اور قراولوں سے حاصل شدہ اطلاعات تیمور کو سناتے۔ یہ قراول دائیں بائیں میلوں آگے نکل کر دشمن کا حال معلوم کرتے رہتے تھے اسی وقت اسے بیمار سپاہیوں اور گھوڑوں کی حالت بھی بتائی جاتی۔

اس ریت کے سمندر کو تیمور جلد از جلد عبور کرنا چاہتا تھا ایک دفعہ ایک شخص پیچھے رہ گیا تو اس کے جوتے ریت بھر کر اس کے گلے میں لٹکا دیئے گئے اور حکم ہوا کہ اگلی منزل پیدل طے کرے اور یہ بھی سنا دیا گیا کہ اگر اب کے پیچھے رہا تو مار ڈالا جائے گا۔

تین ہفتے تک چلتے رہنے کے بعد وہ ان چراگاہوں میں پہنچے جہاں نشیبوں پر دھند کے بادل ہی بادل تھے یہاں ایک دریا کے کنارے رک کر انہوں نے پہلے گھوڑوں کو آرام کرایا، پھر لشکر باری باری پار اترے۔ اس کا نام انہوں نے ساری سو (زرد دریا) رکھا۔ (65)

اس نے کنار سبزہ زار کو دیکھ کر جو سبز گھاس کا سمندر معلوم ہوتا تھا، وہ حیران رہ گئے جب وہ ان دو پہاڑوں کے قریب پہنچے، جن میں سے ایک کو انہوں نے ''بڑا پہاڑ'' اور دوسرے کو ''چھوٹا پہاڑ'' کے نام دیئے تو فوج رک گئی تیمور بڑے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا او رو ہاں سے اس سبزہ زار کو دیکھنے لگا جو پہاڑوں کے ارغوانی سایوں سے پرے افق تک پھیلا ہوا تھا۔ اپریل کا مہینہ تھا، گھاس میں نیلے نیلے پھول کھلے ہوئے تھے تیتر خودرو گندم کے کھیتوں میں دوڑتے پھرتے تھے، عقاب سروں پر منڈلا رہے تھے اور دھند میں دور کی

جھیلوں کا عکس نظر آتا تھا۔

اس تمام عرصے میں انہوں نے کہیں ایک بھی آدمی یا کاشتہ زمین نہیں دیکھی تھی، مگراب کچھ آثار ظاہر ہوئے۔۔۔۔ گیلی مٹی پر اونٹوں کے پاؤں کے نشان، راکھ اور بجھی ہوئی آگ کی ڈھیریاں، گھوڑوں کی لید، اور کہیں کہیں انسانی ہڈیاں بھی نظر آئیں جو سرما کے طوفان نے ٹوٹی ہوئی قبروں سے باہر نکال پھینکی تھیں۔

کچھ تاتاری جوان روز فوج کے آگے آگے چل کر شکار مارتے مگر اس میں جھانے کے جانور بہت کم ہوتے ہرن ملتا مگر کہیں کہیں، گوشت کم یاب تھا۔ بھیڑ کی قیمت ایک سو دینار تک پہنچ گئی تیمور نے حکم دیا کہ گوشت کو بھونا نہ جائے اور آٹے کی روٹی بھی نہ پکائی جائے گوشت کی یخنی بنا کر اسی میں آٹا ڈال لیتے اور کچھ جڑی بوٹیاں وغیرہ ملا کر گاڑھا شوربا (66) سا تیار کر لیتے افسر اور سپاہی سب اسی سے پیٹ بھرتے۔

ان کی دلجوئی کے لئے لشکروں کے سالار خود بھی یہی کھاتے اور دونوں وقت ان کے ساتھ شریک طعام ہوتے۔ شکاری جو تھوڑے بہت پرندے یا جڑی بوٹیاں لاتے وہ بھی اسی شوربے میں ڈال دیتے۔ مگر رفتہ رفتہ ان کا بھی کال پڑنے لگا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس شوربے کا بھی تمام دن میں صرف ایک پیالا ملنے لگا اب سپاہی زمین پر نظریں گاڑے چل رہے تھے جہاں کہیں کوئی بٹیر یا کچھ جڑیں نظر آ جاتیں فوراً جھپٹ لیتے۔ آٹا قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔

البتہ گھوڑے اچھی حالت میں تھے ان کے لئے گھاس افراط سے مل رہی تھی مگر وہ کھانے کے لئے ذبح نہ کئے جا سکتے تھے اس سرزمین میں پیدل سپاہی لڑنے کے مطاب کا نہ رہتا تھا گھوڑوں کا زیادہ تعداد میں ضائع ہو جانا تباہی کا پیش خیمہ ہوتا جب حالت بد سے بدتر ہونے لگے تو افسروں کے دلوں میں مستقبل کے بارے میں شبہات پیدا ہونے شروع ہوئے مگر واپس جانا بھی خطرناک تھا کمزور سپاہیوں کو صحرا سے صحیح سلامت گزار سکنا ناممکن تھا سنہری غول کو نظر نہ آتے تھے مگر اس کا امکان تھا کہ یہیں کہیں موجود ہوں اور

واپس جاتی ہوئی تیموری فوج پر پوری قوت سے ٹوٹ پڑیں تیمور نے یہ حال دیکھا تو تواچیوں کو حکم دیا ''دائیں بائیں کے لشکروں کو مطلع کردو کہ شکار کی عام اجازت ہے۔''

ابھی تک لشکروں سے آگے چلنے والے صرف کہیں کہیں شکار کرتے چل رہے تھے مگر یہ حکم مل جانے کے بعد ایک لاکھ سواروں نے تیس میل کے قطر کے نیم دائرے میں پھیل کر شکار شروع کر دیا شکار کا ڈھنگ یہ رکھا کہ فوج کا مرکزی حصہ رک گیا اور نیم دائرے کے دونوں سرے اندر کو سمٹنے شروع ہو گئے۔ ان کے دباؤ سے تمام چوپائے ان کے آگے آگے مرکز کی طرف آنے لگے اور گھیرے میں آ جانے کے بعد بھیڑیئے، ہرن اور ریچھ اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگے تو الٹے شکاریوں کی زد پر پہنچ گئے کوئی خرگوش تک بھی بھوکے تاتاریوں سے بچ کر نہ جا سکا۔ جو جانور اس شکار میں ہاتھ لگے ان میں سے دو ایسے بھی تھے جنہیں دیکھ کر تاتاری بڑے حیران ہوئے ایک تو ہرن ایسا ملا کہ قد میں بھینس سے بھی اونچا تھا خیال ہے کہ یہ ایلک (77) ہو گا دستور کے مطابق شکار کے دائرے میں سب سے پہلے تیمور داخل ہوا اور اس نے تیر سے چند گورخر اور ہرن مارے اس کے کمال تیراندازی پر لوگ عش عش کر اٹھے بیشتر تاتاری لمبی کمان کو سینے تک کھینچ لیا کرتے تھے مگر تیمور نے زہ کو کان تک کھینچ لیا تھا۔

اب تاتاری فوج میں گوشت کی فراوانی ہوئی انہوں نے فربہ فربہ جانور ذبح کئے اور ایک بڑا شاندار جشن منایا۔

مگر تیمور نے فوجوں کو آرام طلب نہ بننے دیا اگلے ہی دن معائنے کے لئے تیار کے احکام جاری کر دیئے اور ایک ہی گھنٹے بعد ایک خاص لباس پہنے باہر نکل آیا سر پر قاقم کی کلاہ تھی جو یاقوتوں سے جگمگا رہی تھی اور ہاتھ میں ہاتھی دانت کا عصا تھا، جس کی سنہری موٹھ بیل کے سر کی شکل کی تھی عملے کے افسر پیچھے پیچھے تھے سراپردے سے باہر نکلتے ہی معائنہ شروع کر دیا۔

جب کسی لشکر کے سامنے پہنچتا تو سالار لشکر گھوڑے سے اتر کر اسکی رکاب کو بوسہ دیتا،

پھر اپنے لشکر کے ایک سرے سے دوسرے تک پا پیادہ ساتھ چل کر اسے اپنے جوانوں کا قد کاٹھ اور ان کی تنومندی، نیز اسلحہ کی اچھی حالت کی طرف متوجہ کرتا۔ تیمور سپاہیوں کے جانے پہچانے چہروں پر نظر ڈالتا۔۔۔۔۔ جست کے رنگ کے براس، چھریرے بدن کے لمبے تڑنگے سلدوز ترک، سپاہیانہ خوبو کے جلایر اور وہ جنگجو بدخشانی پہاڑی، جن سے وہ ''بادنیا'' پر جنگ کر چکا تھا۔۔۔۔ اور آگے بڑھ جاتا۔

معائنہ تسلی بخش رہا مگر اس کے نزدیک یہ معائنہ کافی نہ تھا تھوڑی دیر بعد شاہی نقارے پر چوٹ پڑی جس کی گرج سے زمین کی چھاتی دہلنے لگی اس کے برنجی پیندے کا گھیر دو گز کا تھا اور اس پر ایک بیل کی پوری کھال مندھی ہوئی تھی اس کی آواز پر لشکروں کے طبل بھی بجنے لگے اور سواروں کے دستے حرکت میں آکر لڑائی کی ترتیب میں صف بند ہو گئے چشم آفتاب نے اس خطے میں جہاں ٹیلے ہی ٹیلے تھے، اتنے پرشکوہ فوجی معائنے کا منظر کبھی نہ دیکھا ہو گا افسر گھوڑے دوڑا کر اپنے نئے مقامات کی طرف بڑھے اور جب میلوں تک صفیں مرتب ہو گئیں تو سب نے بیک آواز جنگی نعرہ مارا۔۔۔۔۔ وار و گر (وار و گیر) حملہ کرتے وقت تاتاری یہی نعرہ لگایا کرتے تھے۔

فوج خوش تھی اس کا جوش برقرار تھا اگلے دن کوچ پھر شروع ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سرزمین آسیب

وہ جوں جوں آگے بڑھتے جاتے دھند کے بادل چھٹتے جاتے بلندیوں پر چٹانوں کے اوپر لال لال پتوں کی بیلیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے بھورے بھورے پتھروں کو اپنے پنجوں میں دبوچے ہوئے ہیں نشیبوں میں ایسی خطرناک دلدلیں تھیں جن میں انسان اور حیوان سنبھلنے سے پہلے دھنس جائیں کبھی کبھی باز تو درختوں کے اوپر اوپر اڑتے ہوئے گزرتے ورنہ اور پرندوں کا تو نام ونشان تک نہ تھا جو اپنی چہچہاہٹ سے اس مرگ آسا خاموشی کو توڑتے آسمان کا رنگ اب اتنا گہرا نیلا نہ تھا جتنا سمرقند میں ہوتا تھا کہیں کہیں مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر بھی ملتے جو شاید بھولے بھٹکے مسافروں کی قبریں تھیں۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے: ''یہ **ملک ظلمات** یا سرزمین آسیب کہلاتا ہے جو تاجر یہاں آتے ہیں، اپنا سامان کسی جگہ پر رکھ کر چلے جاتے ہیں اگلے سال جب اسی جگہ پہنچتے ہیں تو اس سامان کے بدلے چمڑا اور کھالیں رکھی پاتے ہیں جو لوگ اس سرزمین میں بستے ہیں وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتے یہاں گرمیوں میں دن بہت لمبے اور سردیوں میں راتیں بہت طویل ہوتی ہیں۔''

یہ کیمرینوں (77) کا مسکن اور ہاپر بورینیوں (78) کا **ملک** تھا جو اصطلاح عام میں اہل شمال کہلاتے تھے اور سب کے سب خانہ بدوش تھے اگر وہاں موجود بھی تھے تو تیمور کے پہنچنے پر بھاگ گئے تھے جنوب میں کوئی اس لئے نظر نہ آیا تھا کہ توقتمش نے وہاں سے انسان اور مویشی ہٹوا دیئے تھے مگر یہاں تو شاید کوئی رہتا ہی نہیں تھا (79)

مورخ لکھتا ہے کہ جتنے بھی قراول روانہ کیے جاتے وہ اس وسیع صحرا میں آوارہ گردوں کی طرح پھرتے رہتے حقیقت میں تو یہ صحرا نہ تھا مگر تاتاری چونکہ کنوؤں کے اور دریاؤں کے کنارے پر آباد شہروں کے عادی تھے، اس لئے یہ وسیع سرزمین، جس میں انسان کا نام ونشان نہ تھا، انہیں صحرا سے بدتر نظر آتی تھی نمازیوں کو بھی دقت تھی نماز کے اوقات کا تعین مشکل ہوتا جارہا تھا۔

صبح کو اجالا ہونے کے بعد گھنٹوں تک سورج طلوع نہ ہوتا لوگ رات ختم ہونے سے پہلے ہی اذان کی آواز پر خیموں سے نکل آتے مگر صبح ہونے کا گھنٹوں تک انتظار کرنا پڑتا۔ شام کو شفق بہت جلد پھول جاتی حالاں کہ سورج ڈوبنے میں کئی گھنٹے ہوتے شام کی شفق پھولنے اور نماز عشا کے وقت میں کئی گھنٹے کا فصل ہوتا اور تاریکی کا وقفہ اتنا قلیل ہوتا کہ لوگ پوری طرح آرام نہ کرسکتے۔

علما نے اس معاملے پر غور کرنے کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ نماز کے اوقات میں تبدیلی کی جا سکتی ہے اس دوران میں تیمور نے بیس ہزار کا ایک لشکر، فوج سے علیحدہ کرکے سنہری غول کا کھوج نکالنے میں لگایا۔ ہر افسر چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں لے کر جاؤں مگر تیمور نے اس کی کمان اپنے نوجوان بیٹے عمر شیخ (80) کو دی یہ بیس ہزار نفوس صحرا میں غائب ہوگئے، پھر چند روز بعد ایک قراول نے واپس آکر بتایا کہ ایک اور دریا ملا ہے تھوڑی دیر بعد ایک اور سوار پہنچا اور اس نے بتایا کہ پانچ چھ جگہ آگ جلتی دیکھی گئی ہے۔

دشمن کی موجودگی کے بارے میں یہ پہلی خبر تھی تیمور نے اس سے اسی وقت فائدہ اٹھایا تجربہ کار قراول بلوائے اور انہیں اپنے بیٹے کے پاس یہ ہدایت دے کر روانہ کیا کہ تمام علاقہ چھان ڈالو اور پھر خود بھی ایک چھوٹا سا محافظ دستہ لے کر ادھر روانہ ہوگیا جس دریا کے متعلق اطلاع ملی تھی یہ دریائے تو بل تھا جو بحر منجمد شمالی میں گرتا ہے، اور جو آگ نظر آئی تھی وہ اس دریا کے مغربی کنارے پر تھی تیمور نے دریا تیر کر عبور کرکے ااور عمر شیخ کے مقدمۃ الجیش کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔

قراول واپس آئے تو انہوں نے یہ اطلاع دی کہ پچھلے ایک دو دن میں کم از کم ستر جگہ آگ جلتی نظر آئی ہے اور اس علاقے میں گھوڑوں کے گزرنے کے نشان بھی ہیں تیمور نے شیخ داؤد کو طلب کیا جو چھاپے مارنے اور غیر معمولی کارنامے دکھانے میں مشہور تھا اور اسے حکم دیا کہ مغرب کی جانب پورے علاقے کی چھان بین کرکے دشمن کا کھوج نکالے شیخ فوراً روانہ ہوگیا، اور دو دن کے اندر اندر ایک کارنامہ انجام دے کر آیا ایک جگہ اسے

گھاس پھوس کے چند جھونپڑے نظر آ گئے۔ اس نے ان کا چکر کاٹا اور ایک جگہ تمام رات چھپا بیٹھا رہا اگلی صبح اس محنت کا پھل مل گیا ایک سوار جھونپڑوں سے نکلا اور اس طرف آیا جہاں داؤد چھپا ہوا تھا۔

داؤد نے اس پر قابو پالیا اور اس کی مشکیں باندھ کر ہراول لشکر کی طرف لے گیا، جو اس دوران میں اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ مگر جب اس قیدی سے پوچھ گچھ کی گئی تو پتا چلا کہ اسے تو توقتمش کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں اس نے صرف چند زرہ پوش سوار جھونپڑوں کے قریب جھاڑیوں میں خیمہ زن دیکھے تھے۔

تیمور نے ساٹھ سواروں کو فاضل گھوڑے دے کر روانہ کیا کہ ان دس سواروں کو پکڑ لائیں جب ان کو پکڑ کر لایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ سنہری غول یہاں سے مغرب کی سمت سات دن کی مسافت پر ہے۔

تیمور کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی اس نے فوراً فوج کو کوچ کا حکم دے دیا شمال کی جانب تیمور کا یہ طویل کوچ آج کل کے ماہرین تزویرات کو شاید مخمصے میں ڈال دے۔ مگر یہ جنگ ایسی تھی کہ اس میں اصولوں اور قاعدوں کو کم اور دشمن کے نفسیاتی مطالعے کو زیادہ دخل تھا کمزوری ظاہر کرنا اتنا ہی خطرناک ہوتا جتنا دشمن کو اپنے اوپر اچانک حملے کا موقع دینا تیمور جانتا تھا کہ دشمن کی نظریں اس کی نقل و حرکت پر لگی ہوئی ہیں اور وہ اس کے اقدامات کی ٹوہ بھی لے رہا ہے لڑائی میں تاخیر اس کے لئے خطرناک تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ سنہری غول کو جلد از جلد لڑائی پر مجبور کر دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو موسم گرما گزرنے سے پہلے پہلے اپنی فوج کو مزروعہ علاقے میں لے پہنچے اس کے برعکس تاخیر توقتمش کے ہاتھ میں بہترین ہاتھیار تھا اور وہ اس سے پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

تیمور کی سرعت رفتار سے دشمن پریشان سا ہو گیا اسے اپنی فوجوں کو تیمور کے لشکروں کے متوازی حرکت میں رکھنا پڑتا تا کہ انہیں تیموری فوج اور اپنے ملک کے درمیان حائل رکھے اور مشرق بعید کی سطح مرتفع نیز والگا اور بحیرہ اسود کے قبائل کے جمع ہو جانے تک انہیں

روکے رہے۔ توقتمش کی پوری طاقت یک جا ہو جانے کے بعد اس کے پاس تیمور سے دگنی فوج ہو جاتی۔

اب دونوں فوجوں نے تزویراتی چالیں چلنی شروع کیں۔ دشمن محتاط تھا اس لئے تیمور کو بھی احتیاط لازم تھی دشمن کی ایک یہ خصوصیت بھی ذہن میں رکھنے کے قابل تھی کہ اس کے لئے ایک دن میں سو میل کا فاصلہ طے کر لینا معمولی بات تھی اور وہ اس وقت تک میدان میں نہ اترتا تھا جب تک یقین نہ ہو جاتا تھا کہ حملہ کرنا مفید پڑے گا۔

تیمور کے عمل سے ظاہر ہے کہ وہ خطرات سے پوری طرح آگاہ تھا اور اسے اپنی فوج کی تکالیف کا احساس بھی تھا وہ چھ دن تک بہ حد امکان زیادہ سے زیادہ تیز رفتار سے مغرب کی طرف بڑھتا رہا اور آخر کار یورال کے کنارے پر جا پہنچا قیدیوں سے معلوم ہوا تھا کہ دریا تین مقامات پر پایاب ہے جو پاس پاس واقع ہیں ان میں سے ایک کا معائنہ کرنے کے بعد تیمور نے حکم دیا کہ دریا کو یہاں سے نہیں بلکہ اسی جگہ سے تیر کر عبور کیا جائے جہاں فوج رکی ہوئی ہے۔ پہلے خود پار اترا اور دوسرے کنارے پر پہنچتے ہی اپنے سپاہی جنگل میں آگے بڑھا دیئے۔

یہاں کچھ اور قیدی ہاتھ لگے۔ ان سے معلوم ہوا کہ انہیں توقتمش کی فوج میں شامل ہونے کے لئے روانہ کیا گیا تھا مگر اس کا معسکر نہ ملا۔ پوری فوج نے دو دن میں دریا عبور کیا۔ جب سب دریا کے مغربی کنارے پر پہنچ گئے تو پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ ان تینوں مقامات پر، جہاں دریا کو عبور کیا جا سکتا ہے، توقتمش نے لشکر چھپا رکھے تھے کہ تیمور کی فوج وہاں سے دریا پار کرے تو ان کے نرغے میں آ جائے مگر جب دیکھا کہ تیمور نے ایک اور جگہ سے دریا عبور کر لیا ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔

تیمور جانتا تھا کہ مغل پسپائی کے دوران میں جتنے خطرناک ہو جاتے ہیں اتنے خطرناک اور کبھی نہیں ہوتے اس لئے اس نے حکم دے دیا کہ کوئی اپنے لشکر کی حدود سے باہر نہ جائے اور رات کے وقت آگ بھی نہ جلائی جائے۔ جوں ہی اندھیرا ہوتا سوار دستے

معسکر کے گرد حلقہ ڈال لینے کے لئے بھیج دیئے جاتے اس طرح انہوں نے یورال کی تنگ وادی کی دلدلوں سے گزرتے ہوئے، مغرب کی جانب کئی دن تک کوچ جاری رکھا جوں ہی دلدلوں سے نکلے رفتار تیز کردی اور آخری دن تمام نقاروں پر چوٹ پڑ رہی تھی، اور سوار رجز خوانی کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

تیمور کی قراول توقتمش کے موخرالجیش کی بیرونی چوکیوں تک پہنچ گئے، مگر توقتمش تک اب بھی نہ پہنچے سنہری غول کے سردار کے پاس تیموری فوج کے گھوڑوں سے زیادہ تازہ دم گھوڑے اور اس کے سامان خوراک سے کہیں بہتر قسم کا سامان خورد ونوش تھا، پھر ابھی اس کے ترکش میں ایک اور تیر بھی تھا۔

اس اثنا میں جب اس کا موخرالجیش تیمور سے لڑ رہا تھا، اس نے سنہری غول کے اعظم الجیش کا رخ شمال کی طرف کر دیا۔ یہ درست ہے کہ وہ تیمور سے پیچھا نہ چھڑا سکتا تھا مگر یہ تو ممکن تھا کہ اس سے آگے آگے رہے۔ اور جہاں سے وہ گزرجاتا وہاں تاتاریوں کے لئے شکار کے نام پر تیتر کے پر بھی نہ بچتے۔ وہ آباد علاقوں سے ہٹ کر سرزمین آسیب کے اندر گھستا چلا جارہا تھا جن جنگلوں سے یہ دونوں فوجیں اب گزر رہی تھیں ان میں سفیدے اور شاہ بلوط کے درخت نہ تھے بلکہ اب غوشے اور سدابہار کے جنگل شروع ہو چکے تھے اور ان سے آگے مرطوب ٹنڈرا کا علاقہ تھا۔

تیمور کے سوار پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کمزور ہوتے جارہے تھے تین تاتاری سرداروں کو مغلوں نے ہلاک کر دیا تھا ان کے مارے جانے کا بھی انہیں صدمہ تھا وہ جانتے تھے کہ اب مکمل تباہی کی لڑائی ہونی ہے، چاہے تباہی کسی فریق کی ہو مگر انہیں تیمور پر پورا اعتماد تھا۔

اب حالاں کہ جون کا مہینہ تھا، بارش شروع ہوگئی اور برف بھی گرنے لگی چھ دن تک دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں بند رہیں۔ جوں ہی برف باری رکی تیمور نے باہر نکلنے میں پہل کی عمر شیخ کے بیس ہزار جوان مغل سواروں کے پہریداروں کو قتل کر کے آگے

بڑھے۔ تیمور نے منزل بہ منزل پیش قدمی جاری رکھی ساتویں دن سنہری غول کے قرنی علم اور ان کے گرد ان کے گنبد نما خیمے نیز پوری فوج نظر آنے لگی تیمور کے لشکر پہلے ہی سے جنگی ترتیب میں تھے، چنانچہ اسے صرف حملے کا حکم دینا تھا۔ تاتاری اسی لمحے، دشمن پر ٹوٹ پڑتے، لیکن اس نے جو حکم دیا وہ یہ تھا کہ سپاہ گھوڑوں سے اتر آئے اور خیمے لگائے اور جتنا سامان خوراک باقی ہے اسے پکا کر خوب پیٹ بھر کر کھائے۔

اٹھارہ ہفتے کے بعد اٹھارہ سو میل کا سفر ختم ہوا تھا۔ تیمور سے صرف آدھ میل کے فاصلے پر سنہری غول جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا، اور گاڑیاں عقب میں بھیجی جا رہی تھیں اب دونوں فوجیں لڑے بغیر نہ رہ سکتی تھیں مگر تاتاری فوج خیمے لگا کر نہایت بے فکری سے کھانے پکانے میں اس طرح مشغول تھی جیسے شمالی ٹنڈرا کا یہ علاقہ اس کا اپنا علاقہ ہے دشمن تو یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا مگر بات صرف اتنی تھی کہ تیمور آخری لڑائی سے پہلے اپنے سواروں اور گھوڑوں کو آرام دینا چاہتا تھا۔

اس کی بیرونی چوکیوں کے سپاہی چوکنے رہے اس نے رات کے وقت آگ جلنے دی نہ روشنی ہونے دی، بلکہ مجلس مشاورت بھی نہ کی۔ اس کے ذاتی عملے کے افسر اس کے گرد قالینوں پر سو گئے اور پیغام رساں افسر بھی تیمور کے سراپردے کے پہریداروں کے ساتھ تمام رات چوکس کھڑے رہے تیمور ہتھیار باندھے تیل کے چراغ کی روشنی میں شطرنج کے سپاہیوں کو لڑا کر وقت گزارتا رہا۔ کبھی اونگھ آجاتی تو فوراً سنبھل جاتا۔

تمام انتظامات مکمل تھے فوج سات لشکروں میں اسی طرح منقسم تھی جس طرح ہر وقت منقسم رہتی تھی میسرہ کے مقدمۃ الجیش اور اعظم الجیش علیحدہ علیحدہ تھے۔ قلب کے پیچھے تیمور خود تھا اور ان کے پاس بہترین اور آزمودہ کار شہسوار تھے فوج کا کمزور ترین حصہ قلب تھا، میمنہ میں بہترین قسم کے سردار اور ان کے تحت وزنی زرہ پوش سوار تھے ان کی کمان تیمور کے چھوٹے بیٹے میراں شاہ کے ہاتھ میں تھی مگر اس کو مشورے دینے کے لئے آزمودہ کار سالار ساتھ تھے ان میں ایسے ایسے جانباز بھی تھے جو موت کو للکارنے کے

عادی تھے۔ یہ ''تولو بہاتر''یعنی ''سر پھرے بہادر'' شیخ علی بہادر اور اس کے ساتھی تھے جو جنون کی حد تک دلاور تھے۔

تیمور نے رات کو اپنے دائیں بازو کو عجدم حملے کا حکم دے دیا تھا چنانچہ صبح ہوتے ہی سفید ریش امیر سیف الدین نے اپنے پانچ ہزار سواروں سے بے پناہ حملہ کیا، جو بیک آواز ''داروگر'' کا نعرہ مارتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

توقتمش کا لشکر نیم دائرے کی شکل میں تھا جس کے سرے تیمور کے بازوؤں کو باڑھ پر لئے ہوئے تھے سیف الدین کے حملے کو اسکے بائیں سرے کے سپاہیوں نے آگے بڑھ کر روکا اور اتنا زبردست شور مچایا کہ تیمور کے نقاروں، طبلوں اور قرناؤں کی آواز بھی اس سے دب گئی ان مقامات کو چھوڑ کر، جہاں تیمور بذات خود پہنچ سکتا تھا، باقی سب جگہ لڑائی سرداروں اور امیروں کے ہاتھوں میں تھی۔

تیمور کا ایک اور لشکر سیف الدین کی مدد کو پہنچا اور دایاں بازو پورے کا پورے آگے بڑھ کر ایسی حالت میں دشمن پر جا پڑا کہ ان کے سروں کے اوپر سے تیر سن سن کرتے ہوئے گزر رہے تھے سنہری غول اس حملے کی تاب نہ لا سکا ادھر تیمور نے قلب کو آگے بڑھ کر میراں شاہ کی کمک کو پہنچنے کا حکم دے دیا (81)

قلب میں کیا ہوا، یہ معلوم نہ ہوسکتا پورے میدان میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا ہر سوار دشمنس وار سے الجھا ہوا تھا، تیروں کی بوچھاڑیں، تلواروں کی جھنکاریں اور انسانی خون کی ندیاں زخمی اپنی کاٹھیوں سے چمٹے چمٹے بھی تلواریں چلے رہے تھے۔ رحم کی خواہش تھی، نہ اس کی امید ہوسکتی تھی سپاہی اس وقت تک ہتھیار چلاتے رہتے جب تک ان کی رگوں میں خون دوڑتا رہتا، جب خون بہہ چکنے کے بعد بے جان ہو جاتے تو گھوڑوں سے گر پڑتے اور ان کے سموں کی روندن میں آ کر نرم زمین کا پیوند بن جاتے۔

بائیں طرف تاتاری کم تعداد میں تھے انہوں نے پے بہ پے حملوں کی وجہ سے پیچھے ہٹنا شروع کیا ہلدوز بکھر چکے تھے مگر عمر شیخ نے اپنا علم اب بھی بلند کر رکھا تھا جوں ہی توقتمش

نے یہ دیکھا وہ اس پر پوری قوت سے حملہ آور ہوا اور صفیں چیرتا ہوا تاتاری قلب سے گزر کر اس کے عقب میں جا پہنچا۔

تیمور جو اپنے قلب کے حملے کو بغور دیکھتا رہا تھا، یکا یک قرنی علم اپنے اور بائیں بازو کے درمیان دیکھ کر حیران رہ گیا۔

وہ محفوظ لشکر لے کر پلٹا اور توقتمش کے بازو پر حملہ کر دیا۔ ایک تو یہ حملہ یک لخت تھا، دوسرے تیمور کے ذاتی محافظوں کے کلغی دار خود اور تیموری علم اس قدر قریب دیکھ کر توقتمش کو موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی وہ گھبرا اٹھا اور جو چند امیر قریب تھے انہیں ساتھ لے کر جان بچانے کے لئے میدان سے ہٹ گیا۔ پھر اس نے اپنے ہزاروں سپاہیوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور مغرب کی طرف اس طرح سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا جیسے موت اس کا تعاقب کر رہی ہے۔

اور اس کے جاتے ہی سنہری غول کے علم سرنگوں ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماسکو (82)

اب تاتاری اطمینان سے کوچ کر رہے تھے توقتمش کے معسکر پر ان کا قبضہ ہو گیا تھا، اس لئے خوراک کی کمی نہ رہی تھی اور گھوڑے بھی کثیر تعداد میں ہاتھ آ گئے تھے دس میں سے سات لشکر قیدی پکڑنے کے لئے روانہ کر دیئے گئے سنہری غول کے سردار علم گرتے ہی اپنی اپنی سپاہ سمیت بھاگ کھڑے ہوئے تھے جو رہ گئے وہ مشرق کی طرف دریائے والگا کی دلدلوں کی طرف بھاگے جہاں ہزاروں کی تعداد میں تاتاری تیغ کا شکار ہوئے وقائع نگار کا بیان ہے کہ لڑائی کے دوران میں اور بھاگتے میں ایک لاکھ کے قریب آدمی مارے گئے۔ صحیح تعداد کچھ ہو مگر بہر حال بہت آدمی قتل ہوئے۔

ایک مرتبہ پھر فوج شکار کے لئے پھیل گئی مگر اسے جانوروں کا شکار نہیں کرنا تھا بلکہ والگا کے دونوں کناروں کے دیہات میں لوٹ مار کرنی تھی وہاں سے تاتاری جنوب کے گرم علاقوں کی طرف روانہ ہوئے راستے میں لاتعداد گائیں، بیل، بھیڑیں، اونٹ اور گھوڑے ہاتھ آئے گندم کی فصل پک چکی تھی، وہ بھی کاٹ لی جو مکان سامنے آتا اس کی تلاشی لی جاتی اور خوبصورت لڑکیاں اور کم سن لڑکے پکڑ لئے جاتے روس کی سرزمین میں داخل ہوئے تو وہاں بھی خوب دولت لوٹی چاندی، سونا، سفید قاقم اور سیاہ سمور کی پوستینیں (83) ہر سپاہی کے اتنی دولت ہاتھ آئی کہ اس کی اپنی اور اولاد کی زندگی میں ختم نہ ہو سکتی تھی۔

ہر ایک کے پاس بیش قیمت کپڑوں سے لدے ہوئے خچر، لومڑی کی کھالیں اور بچھیرے تھے۔ کثرت اشیاء کا یہ حال تھا کہ بعض چیزیں تو وہیں پھینک دینی پڑیں جنوبی علاقے میں پہنچ کر لشکر پھر یکجا ہوئے یہاں تیمور نے ایک ہفتے تک جشن منانے کی اجازت دے دی۔

یہ جگہ تاتاریوں کو بہت پسند آئی اونچی اونچی گھاس میں سے ہوا سیٹیاں بجاتی ہوئی گزرتی تھی اور دریا کی موجیں ہر وقت گنگناتی رہتی تھیں دھند کا کہیں نام نہ تھا چاندنی راتوں میں اتنا اجالا ہوتا کہ گھاس کے تنکے تک علیحدہ علیحدہ نظر آ جاتے اور دن میں بادل

گزرتے تو سروں پر سایہ ڈالتے ہوئے جاتے۔

رات کے وقت جھینگر کے جھنجھنانے کی آواز، آوارہ پرندوں کی پرواز، اور مٹی کی سوندھی سوندھی مہک سپاہیوں کو قویٰ ڈھیلے کرنے پر اکسا رہی تھی تیمور بھی چاہتا تھا کہ وہ تھکاوٹ دور کر لیں وہ اپنے امیروں سمیت اس خیمے میں مسند نشین ہوا جو تو قتمش سے چھینا گیا تھا اس کے ریشمی پردے چھوڑ دیئے گئے چوبوں پر جڑی ہوئی سونے کی پتریاں ڈگر ڈگر کر رہی تھیں فرش پر عرق گلاب چھڑ کا گیا جنگی قیدیوں نے گوشت کی قابیں لا لا کر فاتحوں کے آگے رکھیں۔

مطرب بلائے گئے۔ انہوں نے بانسریوں اور دوتاروں پر نغمے الاپنے شروع کئے یہ لوگ شعر بھی کہتے تھے اور اکثر فی البدیہہ کہتے تھے انہوں نے تاتاری سپاہیوں کے بہادرانہ کارناموں کا گیت ''ظفر صحرا کا مژدہ'' جوڑ لیا تھا اس ضیافت میں انہوں نے یہی گیت گایا لیکن جب کھانا ختم ہونے کے بعد جام کھنکنے کی باری آئی تو موسیقی کا ٹھاٹھ بدل گیا اب ساز نرم اور دھیمے سروں میں بج رہے تھے بلیاں اور بانسری اب سننے والوں کو استراحت پر مائل کر رہی تھی۔

سونے کے جام گردش میں آئے ہوئے تھے ساقنیں بھی موجود تھیں یہ جنگ کی قیدی کنیزیں تھیں خوش گلو، خوبرو، دراز قد، سیمیں بدن، تاتاریوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ قیدی عورتیں جب شراب پلاتیں اس وقت ان کا لباس صرف ان کے سر کے دراز بال ہوتے تھے اور وہ فاتحوں کے سامنے عشق و محبت اور ہجر و وصال کے وہی گیت گاتی تھیں جو اپنے ملک میں گاتی آئی تھیں ایسا سامان بہم پہنچ جائے تو انسان مصیبت کی گھڑیاں فراموش کر کے خود کو لطف دولحظہ میں غرق کر ہی دیتا ہے۔

جب یہ جشن ختم ہوا تو تیمور فوج سے علیحدہ ہو گیا اور اس کی کمان سیف الدین کے سپرد کر کے تیزی سے سمر قند پہنچا وہاں آٹھ مہینے سے امیر کے متعلق کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی جب اس کی آمد کی خبر پھیلی تو پورا شہر استقبال کو اُمڈ آیا اب حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا لوگ اب

سمرقند کو ''محفوظ شہر'' کہتے تھے۔

تیمور نے توقتمش کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور سنہری غول کی مملکت کے شمالی حصے میں دخل نہ دیا یہ درست ہے کہ وہ چنگیز کی اولاد میں سے ایک خان کو اپنا نمائندہ بنا کر چھوڑ آیا مگر یہ ایک رسمی سی بات تھی نتیجہ نکلا کہ تین سال بعد توقتمش پھر حملہ کرنے آ گیا اور اس نے تیمور کی سرحدوں پر بحیرہ خزر کے شمال میں یلغار شروع کر دی۔

تیمور نے بڑی برہمی کے عالم میں اسے نامہ لکھا: ''تجھ میں یہ کیا خناس گھسا ہوا ہے! کیا تو گزشتہ جنگ بھول گیا؟ تو جانتا ہے کہ میرے لئے امن اور جنگ میں کوئی فرق نہیں، اور تجھے میری فتوحات کا بھی علم ہے بول، دوستی چاہتا ہے یا دشمنی؟ آئندہ کے لئے ان میں سے ایک کو پسند کر لے اور مجھے مطلع کر دے۔''

توقتمش نے جنگ کو ترجیح دی اور ایسی بے جگری سے لڑا کہ اس بار تیمور اس کے ہاتھوں شکست سے بال بال بچا۔ وہ اپنی فوج سے کٹ گیا اور صرف چند آدمی ساتھ رہ گئے۔ دشمن کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ ان آدمیوں نے گھوڑوں سے اتر کر تیمور کے گرد حلقہ بنا لیا۔ نور الدین دشمن کی چند بیل گاڑیاں کھینچ لایا اور تیمور کے گرد ان کا پشتہ باندھ کر مدافعت جاری رکھی گئی مگر جلد ہی کمک پہنچ گئی اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔ تیمور کا بیٹا میران شاہ اور امیر الامراء سیف الدین اسی معرکے میں زخمی ہوئے۔(84)

مگر اس لڑائی سے سنہری غول کا خاتمہ ہو گیا۔ توقتمش شمالی صحراؤں کی طرف بھاگ گیا اور اس کے قبیلے منتشر ہو گئے۔ کچھ کرالیمیا، کچھ ادرنا اور کچھ ہنگری چلے گئے، بہت سے تیمور سے مل گئے۔

تیمور نے مغلوں کے والگا کے کنارے کے مشہور شہر سرائے کو تاراج کیا اور ان کے اور تمام شہروں کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ سرائے کے باشندوں کو شہر سے باہر نکال کر برف میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ان کے چوبی مکانوں کو آگ لگا دی پھر والگا کے کنارے کے ایک اور بڑے شہر استراخان پر حملہ کیا سننے میں آیا ہے کہ اس کی فصیل برف کی اونچی دیوار

تھی اہل شہر اس پر پانی ڈالتے رہتے تھے جو برف میں تبدیل ہو کر اسے اور اونچا کر دیتا تھا۔ تیمور نے انہیں یاد دلایا کہ مغلوں نے بخارا کو جلایا تھا اور اس کی پاداش میں انہیں قتل کروا دیا اور حاکم شہر کو منجمد دریا میں دفن کروا دیا۔

جب تیمور کے علم دریائے ڈان کے کنارے کنارے آگے بڑھے تو ماسکو میں ہلچل مچ گئی۔ روسی شہنشاہ فوج لے کر میدان میں اتر اتو آیا مگر اسے کامیابی کی امید نہ تھی۔ چنانچہ برفانی گاڑیاں حضرت مریم کا مجسمہ لانے کے لئے ویشائی گورڈ بھیج گئیں اور جب یہ مجسمہ پہنچا تو اسے ہزاروں کے عظیم الشان جلوس کے ساتھ ماسکو لے جایا گیا۔ لوگ پکار پکار کر کہہ رہے تھے:

''اے مادر خداوند! روس کو بچا لے!''

روسی اپنی نجات کو اسی کا کرشمہ بتاتے ہیں تیمور ڈان ہی سے لوٹ آیا (85)

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تیمور ماسکو کیوں نہ گیا مگر ماسکو کی یہ جاں بخشی یورپ کی ان بستیوں کے لئے مصیبت بن گئی جو بحیرہ آزاف کے کنارے آباد تھیں وینس، جینیوا، قیطالونیا اور بشلکتش کی فوجوں کو تاتاریوں نے شکستیں دیں اور ان کی بندرگاہیں، جہاں وہ غلاموں کی تجارت کرتے تھے، نذر آتش کر دیں۔

جس مملکت میں جوجی نے چنگیز خاں کا قانون نافذ کیا تھا وہاں اب سنہری غول کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور دنیا کا عظیم ترین فاتح اس کو روند رہا تھا۔ مغل خانوں کے پاس اب صحرائے گوبی اور شمالی ٹنڈرا کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

بلاد شمال سے واپسی میں تیمور نے چکر کاٹ کر بحیرہ خزر کے مغرب سے وطن آنے کا فیصلہ کیا تاکہ کوہستان قفقاز میں سے ایک شاہراہ نکالی جا سکے۔

اب صحرا کے رہنے والے قپچاق (86) اور برفانی خطوں میں بسنے والے فارلق (87) اس کے ہمراہ تھے۔ کوہستان قفقاز کے اونچے اونچے پہاڑوں اور گھنے جنگلوں نے سد سکندری بن کر دیگر فاتح افواج کا راستہ روک لیا تھا۔ مگر تیمور نے ان میں

سے گزرنا شروع کر دیا تو راستہ بنانے اور جارجیا کے ان جنگجو باشندوں کو زیر کرنے کی ضرورت پڑی جو قدم قدم پر بڑی دلیری سے مزاحمت کر رہے تھے۔

پورا موسم سرما اسی میں صرف ہو گیا کیونکہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کے ذمے ایک ایسا کام لگا دیا تھا جو انسانی تدبیر کے بس کا نظر نہ آتا تھا۔ ایک جگہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ اس میں سے ہوا کا گزر بھی مشکل تھا پستہ قد درختوں نیز دیو زاد اشجار کے ٹوٹے ہوئے تنوں پر، جو بیلوں اور جھاڑیوں تلے دبے ہوئے تھے، فر کے فلک رس درخت چھائے ہوئے تھے، چنانچہ وہاں صدیوں سے سورج کی شعاعیں نہ پہنچی تھیں۔ کہیں کہیں تھوڑی دھوپ پتوں میں سے چھنتی تھی مگر زمین پھر بھی غبار میں چھپی رہتی تھی۔ اس جنگل کو کاٹ کر راستہ بنایا گیا۔

قریب ہی نہایت دشوار گزار پہاڑوں میں ایک کوہستانی قبیلہ مقابلے پر آمادہ ہوا۔ اس کا قلعہ عمودی چٹانوں کے اوپر اتنی زیادہ بلندی پر تھا کہ اس تک تیز بھی نہ پہنچ سکتے تھے اور جب تاتاری اس کی طرف دیکھتے تو چکر آنے لگتا تھا۔ مگر تیمور نے اس کو فتح کیے بغیر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنی نئی شاہراہ پر ایسا کوئی مقام نہ دیکھنا چاہتا تھا جو مطیع نہ ہوا ہو اور بعد میں آمد و رفت میں خلل ڈالے

اس نے بدخشانیوں کو طلب کر کے اس قلعے تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈنے کا حکم دیا۔ بدخشانی پہاڑی باشندے تھے اور ایسی چٹانوں میں بز کوہی کا شکار کرنے کے عادی تھے وہ شگافوں اور ابھری ہوئی چٹانوں کو بڑی دیر تک دیکھتے بھالتے رہے، اس کے بعد لوٹے اور ناکامی کا اعتراف کیا۔ مگر تیمور آگے بڑھنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ اس نے خود ایک اور پہاڑی پر چڑھ کر وہاں سے قلعے والے پہاڑ کا معائنہ کیا اور سیڑھیاں بنا کر انہیں رسیوں سے جوڑ کر ان کے ذریعے پہاڑ پر چڑھنے کا حکم دیا۔

یہ سیڑھیاں تین سو فٹ اونچی ایک چٹان پر لگائی گئیں، پھر انہیں قریب کے درختوں سے باندھا گیا اور سپاہی اس چٹان پر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے سیڑھیاں اوپر کھینچ کر ایک

اور چٹان پر لگائیں اور اس پر پہنچ گئے۔ یوں وہ چٹان چٹان آگے بڑھتے جا رہے تھے اور ایک دوسرے کو رسوں سے اوپر کھینچ رہے تھے پاس ہی ایک اور جگہ مل گئی کہ وہ بھی سیڑھیاں لگانے کے قابل تھی۔ پھر وہ ایک ایسی چوٹی تک جا پہنچے جہاں سے تیر قلعے تک پہنچ سکتے تھے قلعے والے اس دوران میں اوپر سے وزنی پتھر پھینکتے رہے تھے، مگر جب تیر برسنے شروع ہوئے تو انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس وقت تک سیڑھیاں بھی اوپر پہنچ چکی تھی۔ قلعہ فتح ہو گیا۔

اس طرح انہوں نے اس کوہستان کے متعدد قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لئے اور اس وادی میں جا پہنچے جو بحیرہ خزر تک جاتی تھی۔ اب ان کے سامنے کوہ البرز کا سلسلہ تھا جو شمالی ایران کو اس علاقے سے جدا کرتا ہے۔ یہاں بھی جا بجا جار جیا جیسے قلعے تھے تیمور نے انہیں اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا۔ جو اطاعت قبول کر لیتے وہ حملے سے محفوظ رہتے۔

اس کے دو محاصرے تاریخ میں یادگار ہیں، ایک کلات (88) کا، دوسرا تکریت (89) کا پہلا مقام ایک اونچی کشادہ سطح پر واقع تھا جس میں چشمے اور چراگاہیں موجود تھیں مگر جس کے گرد دشوار گزار درے اور چٹانیں تھیں اور جگہ اس قدر تنگ تھی کہ فوج کے لئے معسکر بنانا بھی مشکل تھا یہ گھاٹیاں دشوار گزر گاہ ثابت ہوئیں چٹانوں کو عبور کرنا مشکل مگر اوپر پہنچنا اس سے بھی مشکل تھا۔ بعد میں نادر شاہ نے اپنے خزانے یہاں محفوظ کئے تھے۔

جب حملہ کامیاب نہ ہوا تو تیمور نے محاصرہ شروع کر دیا اور تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ کر باقی اپنے ساتھ لے کر آگے نکل گیا۔ کچھ دن بعد قلعے میں وبا پھیل گئی اور لوگ نیچے اترنے پر مجبور ہو گئے۔ یوں یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ اس کے دروازے اور راستے آئندہ استعمال کرنے کی غرض سے از سر نو درست کئے گئے۔

دوسرا قلعہ تکریت دجلہ کے کنارے ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اس میں ایک آزاد قبیلہ رہتا تھا جو ہر راہ گیر کو بے دھڑک لوٹ لیا کرتا تھا۔ تیمور کے وہاں نمودار ہونے پر قبیلے کے سرداروں نے فیصلہ کیا کہ قلعہ حملہ آور کے حوالے نہیں کیا جائے گا اور تمام دروازے

پتھروں سے چن کر درزیں چونے سے بند کر دیں۔

تاتاریوں نے نقاروں پر ضرب لگائی اور فوراً حملہ کر دیا۔ پہاڑ پر قلعے کے نیچے جو فصیل تھی وہ تو آسانی سے فتح ہو گئی مگر مدافعت کرنے والے اندرونی حصار میں قلعہ بند ہو گئے۔ اس پر منجنیقوں سے وزنی پتھر پھینکے گئے، جن سے مکانوں کی چھتیں بیٹھنی شروع ہو گئیں۔

مگر حصار کی دیوار چونکہ بلندی پر تھی اسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکا محاصرے کی تیسری رات سید خواجہ نام ایک سردار بیرونی برجوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس کے جوان حصار کی دیوار تک نہ پہنچ سکے۔ اب اونچے اونچے شہتیروں پر سائبان ڈالا گیا اور اس کی آڑ میں تاتاری انجینئروں اور کھدائی کرنے والوں نے اپنا کام شروع کر کے اتنی اونچائی پر باڑیں باندھ لیں کہ اس کے ذریعے حصار کی دیوار کی بنیاد تک پہنچ گئے۔

حصار کے مختلف حصے مختلف دستوں کو سونپے گئے بہتر ہزار آدمی مختلف اوزاروں سے حصار کی بنیاد کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ باری باری کام کرتے۔ دن رات چھینیوں اور کدالوں سے کام لیا گیا تو چٹان میں شگاف پڑنے شروع ہو گئے ایک دستے نے تو پہاڑ میں بیس فٹ لمبی سرنگ کھود لی۔ قلعے والے گھبرا گئے انہوں نے تیمور کی خدمت میں تحائف بھیجے مگر تیمور نے جواب دیا کہ ان کا سردار حسن حاضر ہو کر خود کو اس کے حوالے کرے۔ حسن کو یہ صورت قبول نہ تھی حملے کا نقارہ ایک بار پھر بجا ایک سرنگ میں لکڑیاں اور جھاڑیاں بھر دی گئی تھیں اور ان پر تیل بھی چھڑکا دیا گیا تھا جب انہیں آگ دکھائی گئی تو فصیل کے جو حصے اڑواڑوں پر ٹکے ہوئے تھے وہ گر پڑے اور ان کے ساتھ ساتھ بہت سے قلعے والے بھی گرے تاتاری شگاف میں سے اندر داخل ہو کر گری ہوئی فصیل کے ڈھیروں پر چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ دوسرنگیں اور تیار ہو گئی تھیں تیمور نے ان کو بھی آگ دکھانے کا حکم دے دیا۔ حصار کے چاروں طرف دھوئیں کے بادل پھیل گئے جب اور

شگاف کھل گئے تو وزنی ہتھیاروں سے لیس فوجوں نے حملہ کر دیا۔ قلعے کے پیچھے ایک اونچی جگہ تھی قلعے والے اس کی طرف بھاگے مگر ان کا تعاقب کیا گیا۔ حسن کر مشکیں باندھ کر نیچے لایا گیا۔ شہریوں کو سپاہیوں سے علیحدہ کر کے آزاد کر دیا گیا مگر سپاہیوں کو مروا دیا گیا۔

ان کے سروں کے دو کلہ مینار (90) دریا کے ریت سے تعمیر کئے گئے اور ان کے نیچے یہ کتبہ لگایا گیا:

''ڈاکوؤں اور باغیوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔''

لیکن اصل میں تو یہ کتبہ یوں ہونا چاہئے تھا کہ:

''تیمور کی اطاعت سے انکار کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے'' (91)

ٹوٹی پھوٹی دیوار اسی طرح رہنے دی گئی۔ ایک عرصے تک لوگ تاتاریوں کی طاقت کا یہ ثبوت دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے رہے۔ مگر رات کو کوئی اس جگہ کے قریب جا کر نہ پھٹکتا تھا لوگوں کا کہنا تھا کہ رات کے وقت ان کلہ میناروں پر غیبی شعلے نظر آتے ہیں۔

تکریت کا قلعہ سر کرنے میں تیمور نے سترہ دن صرف کئے۔

اب اس کی مملکت میں بلاد شمال بحیرہ خوارزم بحیرہ خزر، ایران، اور کوہستان قفقاز بھی شامل ہو گئے تھے خراسان کی تاریخی شاہراہ دو ہزار دو سو میل تک اس کی مملکت میں سے گزرتی تھی نیشاپور سے المالیق تک چودہ شہر اسے خراج دے رہے تھے۔

لیکن یہ عظیم الشان کامیابی بڑی قیمتی انسانی جانیں بھینٹ چڑھانے کے بعد حاصل ہوئی تھی امیروں میں سے پرانے چہرے اب نظر نہ آتے تھے ''بہادروں'' کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی خطائی بہادر دریائے سیر کے کنارے مارا جا چکا تھا جہاں ان دنوں برف باری بڑی شدت سے ہوئی تھی شیخ علی بہادر کو جس نے ایک بار سنہری غول سے لڑائی کے دوران میں اپنا خود سر سے اتار کر پھینک دیا تھا، غول کے ایک جاسوس نے خنجر مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ تیمور کا منجھلا بیٹا عمر شیخ کوہستان قفقاز میں دشمن کے تیر سے ہلاک ہو گیا تھا موت تیمور

سے تو کترا کترا کر نکل جاتی تھی مگر اس کی اولاد پر وار کرتی رہتی تھی ایک بیٹا پہلے چھین چکی تھی ، اب اس کے ایک اور بیٹے کو لے گئی۔

تیمور کو جب عمر شیخ کی سناونی ملی تو اس مرتبہ اس نے رنج و ملال بھی ظاہر نہ کیا۔ بلند آواز سے کہا: ''خدا ہی نے دیا تھا، اسی نے واپس لے لیا'' اور سمر قند کی جانب کوچ کا حکم دے دیا۔

راستے میں آق سرائے میں تھوڑے دن رکا۔ قصر سپید، جو شہر سبز کے قریب ایک سبزہ زار میں تھا، بن کر تیار ہو چکا تھا۔ یہاں تیمور نے دربار وغیرہ کچھ نہ کیا اور چند دن مکمل آرام کیا۔

شہر سبز میں اس نے جہانگیر کی قبر پر گنبد بنوایا تھا۔ اسے دیکھنے گیا اور عمر شیخ کو بھی جہانگیر ہی کی قبر میں رکھنے کے لئے اسے کشادہ کرنے کا حکم دیا۔

اب تیمور پہلے کی طرح ہنستا بولتا اور باتیں چیتیں نہ کرتا بلکہ چپ چپ رہتا تھا شطرنج کی بساط بچھائے دیر تک کچھ سوچتا رہتا اور سمر قند میں بہت ہی کم ٹھہرتا اس نے آئندہ کے بارے میں اپنے منصوبوں کا کسی سے کوئی ذکر نہ کیا مگر عمر شیخ کی موت کے بعد دور دراز علاقوں پر حملوں کا آغاز کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

نا اہل ندیم اور نا لائق مصاحب

اس وقت تک تا تاری فاتح نے جنوب کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ کوہ ہندو کش کے اس طرف ہندوستان تھا جس سے اسے تجارت کے سوا کوئی سرو کار نہ تھا اور ایران اور تا تار کے درمیان شور صحراؤں کا ایک وسیع سلسلہ حائل تھا۔

یہ ایران کبھی شوکت وسطوت کا مرکز رہا تھا مگر اب ایک تباہ حال **ملک** تھا۔ عظیم مسلمان فرمانرواؤں کا مرمریں تخت اب ان کے نا خلف بیٹوں پوتوں کے قبضے میں تھا جو حکمرانی سے زیادہ شراب و کباب کے دل دادہ تھے اور اپنا وقت چہلوں میں ضائع کرتے تھے گویا شہبازوں کے آشیانوں میں کرگس گھسے بیٹھے تھے۔

کہیں برہنہ زائرین دھوپ تاپتے نظر آتے، کہیں درویش لوگ طبلے کی تھاپ پر تھرکتے رہتے، گو آنکھیں ان سکوں پر جمی ہوتیں جو ان کے کشکول میں ڈالے جاتے۔ قبیلوں کے سردار خچروں پر بیٹھ کر نکلتے اور ان کے غلام ان کے سروں پر چھتر سے سایہ کیے ہوئے جلو میں چلتے۔ اکثر ریشمی جانمازیں مے لالہ فام سے تر، اور بگلا سی سفید ڈاڑھیاں حشیش سے رنگی رہتیں۔

اس **ملک** کی زمین طبعی اعتبار سے سخت تھی مگر سورج کی تپش نے اسے بھر بھرا کر ریتلا بنا دیا تھا جب چاند نکلتا اور باغوں کی دیواروں پر چاندنی چھٹکتی ہوتی تو یہ جنت ارضی کا نمونہ بن جاتی مگر جب صحرا کی طرف سے جھلسا دینے والی لو چلتی تو اس کے باشندوں کو سانس لینا دوبھر ہو جاتا۔ تخت جمشید جو سکندر کے وقت میں پرسی پولس کہلاتا تھا، اس کے ستون اور زرد پتھر کے وہ فرش، جن پر سیمیر امس (92) کنیزوں نے مسحور کن رقص کیے تھے، یہ تمام یادگار تاریخی آثار ایران ہی میں تھے۔

حافظ شیرازی کے بقول، ایران کے مغنی اور موسیقار تمام دنیا میں لاثانی تھے کیونکہ ایسی دھنیں لاثانی موسیقار ہی نکال سکتے تھے جن پر شرابی، جو نشے میں دھت ہوتے اور سامعین، جو ہوش میں ہوتے، سبھی جھوم جھوم کر رقص کرنے لگتے۔

مگر ایران اتنے عرصے سے دولت مند چلا آ رہا تھا کہ اب دولت و ثروت اس کے لئے باعث مصیبت بن گئی تھی۔ وہاں کے امیر لوگ شکی ہو گئے تھے اور غریبوں میں خودسری اور خرددماغی آ گئی تھی۔

بادشاہ اپنے بیٹوں کی آنکھیں نکلوا دیتے اور بھائی اپنے بھائی کی موت پر مسکرا مسکرا کر کہتا کہ میں زمین کے اوپر ہوں اور میرا بھائی زمین کے نیچے پہنچ گیا ہے، اب ہم دونوں خدا کی زمین کے صحیح معنوں میں برابر کے مالک بن گئے ہیں۔ ایران کے ایک ظریف نے کہا تھا کہ اس ملک میں قسمت بے وقوفوں کا ساتھ دیتی ہے، عالم وہ ہے جس میں روزی کمانے کی صلاحیت نہ ہو، خاتون وہ ہے جس کے کئی کئی عاشق ہوں اور بیوی وہ ہے جس کی کوئی پوچھ نہ ہو (93)

وہاں صوف پوش مشائخ شاعروں سے الٰہیات پر گرما گرم بحثیں کرتے رہتے اور شہزادوں کے گرد یاران ہم پیالہ یعنی مہ وش ساقیوں کا ہجوم رہا کرتا۔ نقال، مسخرے، لفظی صنائع و بدائع کے ماہر، ممدوح کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے والے، دو شالوں میں لپٹے ہوئے بھکاری اور دو چار شاعر، جن کے کلام کو الہام کا درجہ دیا جاتا تھا، ان کے ندیم اور مصاحب بنے ہوئے تھے یہ شہزادے دختر رز پر جان دیتے، جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ زرہ پہن کر جنگ میں شامل ہونے کے بجائے، رزمیہ شاعری پر سر دھنتے اور ہروقت عالم خیال میں گم رہتے تھے۔

ہم فقط چلتی پھرتی پرچھائیاں ہیں۔
جادو کی، جو کبھی نظروں کے سامنے آتی اور کبھی اوجھل ہو جاتی ہیں
آفتاب سے اکتساب ضیا کرنے والے فانوس کے گرد،
جسے تماشا گر نے تھام رکھا ہے، آدمی رات کے اندھیرے میں (94)

اگر کوئی ان کے مذہب کی توہین کرتا تو اسے سنگسار کرا دیتے مگر خود جام ہاتھ میں تھام کر مذہب کا مضحکہ اڑاتے اور اسے بے مصرف بناتے وہ ایشیا کے یونانی تھے کبھی عیش

پرستی میں ڈوب جاتے، کبھی تحفظ مذہب کے لئے جانیں دینے کو تیار ہو جاتے اور انہیں تاتاریوں سے خاص طور پر نفرت تھی جنہیں بے دین سمجھتے تھے۔

ایران کا بادشاہ شاہ شجاع، جو حافظ کا ممدوح تھا، شراب شیراز، پری رخوں اور شمع و پروانہ کی فضاؤں کا دلدادہ تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسے یاد آیا کہ اس نے عرصہ ہوا، تیمور سے دوستی کا عہد کیا تھا۔ جب اسے اپنی موت قریب نظر آنے لگی تو سفر آخرت کی تیاری بڑے اہتمام سے شروع کی اپنا کفن اپنے سامنے تیار کرایا، اسی طرح تابوت بھی اپنے سامنے بنوایا اور تیمور کو، جس سے وہ کبھی نہ ملا تھا، یہ خط (95) لکھوایا:

''جنہوں نے اس دنیا کو غور سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنی ناپائیدار ہے۔ عقلمند نہ اس کی فانی اشیاء کی طرف مائل ہوتے ہیں، نہ اس کے حسن اور لذتوں کو اہمیت دیتے ہیں کیونکہ ان کے ناپائیدار ہونے کا علم ہے۔''

جو عہد نامہ میرے اور آپ کے درمیان ہوا تھا اس کے سلسلے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں آپ کی دوستی حاصل کر لینے کو اپنی ایک بہت بڑی کامیابی سمجھتا ہوں اور میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ عہد نامہ میرے ہاتھ میں ہو، تاکہ آپ مجھے عہد شکنی کا مجرم قرار نہ دیں۔

اب خالق کائنات کے دربار میں میری طلبی ہوئی اور میں اس پر شکر بجا لاتا ہوں کہ گو ایسے ناگزیر قصور اور گناہ، جو خاکی انسان کی سرشت میں داخل ہیں، مجھ سے ضرور سرزد ہوئے۔۔۔۔ اور ترپن سال کی اس زندگی میں، جو میں نے اس دنیائے آب و گل میں بسر کی کون سا عیش ایسا تھا جس کی لذت میں نے نہیں چکھی۔۔۔۔ مگر ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہو۔

غرض میں نے بے لوث زندگی بسر کی ہے اس لئے اپنے انجام کی طرف سے مطمئن جا رہا ہوں میں نے دنیا کی فضولیات ترک کر دی ہیں اور بارگاہ ایزدی میں میری یہ دعا ہے کہ خدا اس بادشاہ (تیمور) کو سلامت رکھے جو سلیمان جیسا دانا اور سکندر جتنا عظیم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سے اپنے جگر گوشے زین العابدین کی سفارش کرنا ضروری نہیں، خدا اسے آپ کے سائے میں خوش و خرم رکھے، میں اسے خدا کے اور آپ کے سپرد کرتا ہوں اور اس بدگمانی کی گستاخی ہرگز نہیں کر سکتا کہ آپ اپنے عہد پر قائم نہ رہیں گے۔

میں آپ سے اپنے اس مخلص دوست کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنے کی گزارش کروں گا جو خوش ہے کہ اس دنیا سے سفر کرتے وقت اسے آپ کی دوستی حاصل ہے اور امید کرتا ہوں کہ آپ جیسے عظیم اور اقبال مند تاجدار کی دعا کے وسیلے سے خدا مجھے بخش دے گا اور قیامت کے دن اپنے پیارے بندوں کے ساتھ اٹھائے گا۔ آپ سے بس اتنی ہی درخواست ہے کہ اپنے دوست کی آخری گزارش کو قبولیت کا شرف بخشئے ورنہ قیامت میں جوابدہ ہوں گے۔

معلوم ہوتا ہے اسی مضمون کا ایک خط، ایسے ہی تحائف سمیت جو تیمور کو بھیجے گئے تھے، بغداد بھی ارسال کیا گیا تھا۔ (84) کچھ عرصے بعد شاہ شجاع نے داعی اجل کو لبیک کہی تو دس شہزادے مملکت کے مختلف حصوں پر دعویدار بن کر ٹوٹ پڑے ایک نے اصفہان دبا لیا، دوسرا فارس پر قابض ہو گیا، تیسرے نے شیراز پر قبضہ جما لیا اور باقی صوبے اوروں نے ہتھیا لئے، غرض ہر ایک نے اپنی حکومت قائم کر لی، اور بعض نے اپنے نام کے سکے بھی ڈھال لئے اور لگان تو ہر ایک ہی نے بڑھا دیا اور پھر جن علاقوں پر ابھی تک دعویٰ نہ جتایا تھا ان پر بھی قبضہ کرنے کے لئے لڑنے لگے۔ یہ سب شہزادے آل مظفر تھے ان کے

رویئے سے پرانی مثل ''اقارب چوں عقارب'' اور بھی چبھتی ہوئی کہاوت بن گئی ہے۔

1386ء کے موسم سرما میں، جب دھند نے صحرا کی آب وتاب کو دھندلا رکھا تھا، تیمور شمال سے ایران میں داخل ہوا۔اس کے ساتھ ستر آزمودہ کار لشکر تھے جو بڑے اطمینان اور دلجمعی سے کوچ کر رہے تھے جب وہ اصفہان (97) پہنچے تو اس شہر کی شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گئے گنبدوں کے اس شہر میں بے شمار سایہ دار خیاباں اور چھتے ہوئے بازار تھے اور پلوں پر بھی بازاروں جیسی چہل پہل رہتی تھی ابن بطوطہ نے جوان سے کچھ عرصے پہلے اس شہر سے گزرا تھا، بیان کیا ہے: ''ہم باغات اور پر فضا دیہات میں سے گزرے ہر طرف نہریں رواں تھی اور سڑک کے کنارے جابجا کبوتروں کی چھتریاں تھیں ہر چند اس شہر کو خانہ جنگی سے نقصان پہنچ چکا ہے مگر یہ اب بھی ایک وسیع اور خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کے آلوچے، بہی اور خربوزے بہت لذیذ ہوتے ہیں۔جس طرح ہم افریقہ میں انجیر کو خشک کر لیتے ہیں، یہ لوگ بہی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اصفہان کے لوگ قدآور ہیں، ان کا رنگ گورا ہے اور چہروں پر غازہ ملتے ہیں بڑے خوش اخلاق ہوتے ہیں اور دعوتیں کھلانے اور مہماں نوازی کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتے ہیں چنانچہ بلاتے ہیں صرف شیر اور نان کھلانے کے لئے، مگر ریشمی چادروں تلے انواع و اقسام کی لذیذ مٹھائیاں رکھی ہوتی ہیں۔''

تیمور جب اصفہان پہنچا تو گو اس کی جنگی تیاریاں مکمل تھیں مگر وہ جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھا۔اسے شاہ شجاع کا خط یاد تھا۔لیکن ایک شکایت ہوگئی تھی کہ آل مظفر نے اس کے سفیر کو بلاوجہ روک رکھا ہے، پھر کئی سال سے وہاں کی خانہ جنگی کا تماشا بھی دیکھ رہا تھا چنانچہ اب خود حالات معلوم کرنے پہنچ گیا تھا۔

اس کے استقبال کے لئے اصفہان کے امراز زین العابدین کے خالو سید مظفر شمسی کی پیشوائی میں شہر کے باہر پہنچے تیمور ان سے خندہ پیشانی سے ملا، تحائف پیش کیے اور قالین پر اپنے پاس بٹھا کر اصفہان کے بارے میں گفتگو شروع کی۔

اسے تکلفات سے نفرت تھی، اس لئے فوراً مطلب کی بات کہہ دی کہ ''میں تم سب کو امان دیتا ہوں تمہارا شہر بھی برباد نہیں کیا جائے گا البتہ خراج دینا ہو گا۔''

آل مظفر جانتے تھے کہ ایک لاکھ فوج ایک ہزار میل کی مسافت طے کر کے آئی ہے تو اب خالی ہاتھ واپس نہیں جا سکتی، وہ خراج ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ خراج کی رقم معین کی گئی اور انہوں نے تیمور سے درخواست کی کہ یہ رقم وصول کرنے کے لئے اپنے محصل شہر میں بھیج دے ہر لشکر میں سے ایک ایک سردار ایک ایک محلے میں روپیہ وصول کرنے گیا اور ان سب پر ایک اعلیٰ مرتبت امیر مقرر کیا گیا۔

اگلے دن تیمور جلوس کی شکل میں شہر سے اس طرح گزرا کہ بڑے بڑے بازاروں سے ہوتا ہوا اپنے معسکر واپس پہنچا اور دروازوں پر فوجی دستے بٹھاتا آیا تاکہ شہر کو قابو میں رکھیں۔

اس رات تک امن و امان تھا ستر ہزار سپاہی دو مہینے کے سفر کے بعد ایک آباد شہر میں پہنچے تھے، اس عرصے میں ان کے لئے کسلمندی رفع کرنے اور دل بہلانے کا کوئی سامان نہ ہوا تھا، اصفہان کے چراغوں نے ان کے دلوں میں کسک پیدا کر دی۔ جو دستے کسی کام سے شہر بھیجے جاتے وہ کسی نہ کسی بہانے وہاں کی سیر کرنے کے لئے رک جاتے۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے شہر جانے کے لئے بہانے تراش لئے غرض تیمور کے سپاہی شہر میں خاصی تعداد میں جمع ہو گئے اور شراب خانے ان اجنبیوں سے بھر گئے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شہر کے خودسر قسم کے نوجوان ایک لہار (97) کی رہنمائی میں جمع ہو گئے، نقارہ بجا بجا کر مذہبی جذبات کو مشتعل کیا اور پکارتے پھرے ''اے مسلمین! اٹھو!! تمہارا دین خطرے میں ہے!!!''

لوگ گھروں سے نکل آئے گلی گلی کوچے کوچے مجمعے ہو گئے اس وقت تک تاتاری سپاہی شہر میں پرامن طریقے سے چل پھر رہے تھے، مگر اب ان میں اور ایرانیوں میں لڑائیاں

ہونے لگیں بعض بعض محلوں میں تو عقل مند لوگوں نے تاتاریوں کی جانیں بچالیں مگر اکثر مقامات پر وہ ہجوموں کے ہاتھوں مارے گئے۔

جب ایک بار خوں ریزی شروع ہو جائے تو پھر اسے روکنا مشکل ہو جاتا ہے باشندگان شہر مشتعل ہو چکے تھے، انہوں نے شہر کے دروازوں پر جو تاتاری دستے مامور تھے ان پر بھی حملہ کیا اور انہیں تہ تیغ کر کے یہ دروازے بند کر لئے۔

اگلی صبح جب تیمور کو معلوم ہوا تو وہ غصے سے تھرا اٹھا۔قریب قریب تین ہزار تاتاری مارے گئے تھے ان میں تیمور کا ایک منظور نظر امیر، نیز شیخ علی بہادر کا بیٹا (98) بھی شامل تھا تیمور نے فوراً شہر کی فصیل پر حملے کا حکم دے دیا۔ جو ایرانی امرا معسکر میں موجود تھے وہ منت سماجت کرنے لگے، جانتے تھے کہ ہجوم نے جنگ کا کھیل تو تھوڑی دیر کھیل لیا مگر دفاع اس کے بس کا نہیں ہے مگر تیمور نے ان کی ایک نہ سنی اور دروازوں پر ہلا بول کر قتل عام کا حکم جاری کر دیا۔ ہر سپاہی کو تاکید تھی کہ ایک ایرانی کا سر کاٹ کر حاضر کرے۔شہر کے جو محلے پر امن رہے تھے ان کے متعلق ہدایت یہ تھی کہ انہیں ضرر نہ پہنچایا جائے اور شہر کے شرفا اور معززین کو بھی بچانے کی کوشش کی گئی مگر باقی اہل شہر کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا گیا سارے دن قتل عام جاری رہا۔ جو بدقسمت رات کے اندھیرے میں بچ کر شہر سے بھاگے انہیں اگلے دن برف سے ڈھکے ہوئے میدان میں گھیر گھیر کر قتل کیا گیا۔

جو تاتاری شہریوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے نہ چاہتے تھے انہوں نے ایرانی سر اپنے ساتھیوں سے خرید خرید کر حاضر کئے۔شروع شروع میں ایک سر کی قیمت بیس ہزار دینار تھی، بعد میں نصف دینار رہ گئی اور جب ضرورت نہ رہی تو خریداری بند ہو گئی ان سروں کو پہلے تو شہر کی دیواروں پر چن دیا گیا، پھر شاہراہوں پر ان کی کلہ مینار بنائے گئے۔

اس قتل عام کا جس میں اصفہان کے ستر ہزار کے قریب باشندے مارے گئے پہلے سے کوئی منصوبہ نہیں بنایا گیا تھا، تیمور نے اچانک غصے میں آ کر اپنے بے گناہ سپاہیوں کا انتقام لیا مگر یہ انتقام تھا انتہائی سنگین اور ظالمانہ آل مظفر کے باقی شہزادے اس کی خبر سن کر

ہی سہم گئے اور انہوں نے خاموشی سے اطاعت کر لی صرف شوستر کے حکمران منصور نے اطاعت قبول نہیں کی اور پہاڑوں میں جا چھپا۔

شیراز اور دیگر شہروں نے خراج چپ چپاتے ادا کر دیا اور تیمور کا نام خطبے میں پڑھا جانے لگا۔ ادھر تیمور نے ہر مظفری شہزادے کو اختیار حکومت کا پروانہ دیا جس پر اس کی سرخ رنگ کی مہر ثبت تھی۔ اب وہ اس کی طرف سے صوبوں کے حاکم تھے اور وہ ان کا حکمران اعلیٰ تھا مملکت ایران ان کے زیر حکومت اسی حالت میں رہ سکتی تھی کہ انہیں تیمور کی خوشنودی حاصل ہو۔ جب تیمور کو یہ معلوم ہوا کہ ایران کے باشندوں پر بھاری محصول عائد ہیں تو اس نے محصول گھٹا دیئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جن دنوں تیمور شیراز میں تھا، اس نے خواجہ حافظ کو طلب کیا وہ نہایت سادہ لباس میں حاضر ہوئے جس سے شاید اپنا افلاس ظاہر کرنا مقصود تھا۔

تیمور نے کسی قدر خفگی سے پوچھا: ''یہ تمہارا ہی شعر ہے اگر آن ترک شیرازی بدست آرو دل مارا۔ بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را؟''

حافظ نے جواب دیا: ''ہاں اے شاہ شاہاں! یہ شعر میرا ہی ہے!''

تیمور نے کہا: ''میں نے تو بہ صد مشکل تلوار کے زور سے سمرقند فتح کیا، اور اب دنیا کے اور شہروں سے نوادر لے جا لے جا کر اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا ہوں مگر تم یہی سمرقند شیراز کی دو کوڑی کی کسی چھوکری کو بخش رہے ہو!!!''

شاعر نے ایک لمحہ تامل کیا، پھر مسکرا کر بولا: ''اے امیر! ایسی ایسی غلط بخشیوں ہی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ آج اس افلاس زدہ حالت میں ہوں''

تیمور حافظ کے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

تیمور ایران کے کئی مطربوں کو سمرقند لے گیا مگر بعد میں ان نا اہل ندیموں کو ساتھ لانے پر پچھتایا۔ اس کا منجھلا بیٹا میران شاہ، جو شروع سے خودسر تھا، ان کی ہم نشینی کی وجہ سے

شراب کا دلدادہ ہو گیا۔ وہ وقت پڑنے پر دلیری بھی دکھاتا تھا مگر طبعاً بڑا ظالم اور سفاک تھا۔ صرف اس وقت ٹھیک رہتا جب تیمور کے ماتحت کسی مہم میں شریک ہوتا۔

اس کے برسوں بعد تیمور نے بحیرہ خزر کے علاقے کی حکومت میران شاہ کے حوالے کی تو ہندوستان میں ایک سال کی مہم کے بعد واپس آ کر یہ سنا کہ وہ نیم پاگل ہو چکا ہے۔ تاتاری افسروں نے اس کے عجیب عجیب حرکتیں کرنے کا حال سنایا۔۔۔۔ ''کبھی جھروکے سے ہجوم پر زرو جواہر کی بارش شروع کر دیتا، کبھی کسی مسجد میں بیٹھ کر شراب پینے لگتا'' انہوں نے بتایا کہ میران شاہ کہتا ہے ''میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو اس وقت پوری دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے، مجھے بھی تو کوئی ایسا کام کرنا چاہئے جس سے میری یاد بھی باقی رہے۔'' اس کا دماغ خراب ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ایک دن گھوڑے سے گر پڑا تھا جس سے سر میں چوٹ آئی تھی۔

اور تو اور اس نے تبریز اور سلطانیہ میں مریض خانوں اور محلات کو بھی مسمار کرنے کے احکام جاری کر دیئے تھے امیر تیمور کے فرزند کا حکم تاتاریوں کے لئے اٹل قانون کا حکم رکھتا تھا، چنانچہ مذکورہ عمارات گرانے کا کام فوراً شروع کر دیا گیا۔ مگر اس وہمی نے اس کے بعد اور بھی زیادہ عجیب حرکتیں شروع کر دیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ ایک مشہور ایرانی فلسفی کی لاش اس کی قبر سے نکال کر یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرائی۔ غرض کثرت شراب نوشی اور منشی اشیاء استعمال کرنے کی وجہ سے اس کا دماغ معطل ہو چکا تھا۔

افسروں نے یہ سب باتیں تیمور کو بتانے کے بعد کہا: ''اصل میں خدا نے اس پر عذاب نازل کیا ہے، اسی لئے تو جب گھوڑے سے گرا تو اس کا سر زمین سے ٹکرایا۔''

جب وہ چلے گئے تو ایک عورت تیمور کے محل کے دروازے پر نمودار ہوئی اس کے چہرے پر نقاب، اور جسم پر سیاہ لباس تھا، اور کوئی ملازم یا غلام ساتھ نہ تھا مگر اس کے سرگوشی میں ایک لفظ کہتے ہی دروازہ کھول دیا گیا، دربانوں نے احتراماً سر جھکا لئے اور حاجب کو فوراً تیمور کے حضور میں بھیجا۔

اس نے تیمور کو اطلاع دی: ''حضور کی بہو صاحبہ باریابی کی منتظر ہیں اور تنہا ہیں۔''

یہ خان زادہ تھی جو کبھی تیمور کے بڑے بیٹے جہانگیر کی دلہن بن کر آئی تھی مگر آج فریادی بن کر تیمور کے پاس پہنچی تھی اور مذکورہ افسروں کے جانے کا بے چینی سے انتظار کرتی رہی تھی سیاہ ماتمی لباس اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا اس نے اپنے حسین چہرے سے نقاب الٹا تو فضا جیسے چمک اٹھی وہ تیمور کے پاؤں میں گر پڑی اور کہا: ''اے امیروں کے امیر! میں آپ کے فرزند میران شاہ کے شہر سے آئی ہوں۔''

اس نے فاتح عالم کے حضور میں دلیرانہ عرض حال کی یہ وہی خان زادہ تھی جس نے کبھی اپنی ذہانت سے اپنے رشتے داروں کو بچایا تھا جنہیں تاتاری آندھی کبھی کا تتر بتر کر چکی تھی اس کی آواز میں اس کامیابی کی کھٹک تھی جسے وہ الفاظ میں ادا نہ کر سکتی تھی اس نے بتایا کہ اس نے اپنے ملازموں اور دربار سمیت ایک ایسے شہر میں سکونت اختیار کی جو میران شاہ کی عملداری میں تھا۔ جب میران شاہ کا دماغ پھرا اور وہ احمقانہ حرکتیں کرنے لگا تو خاتون زادہ نے اسے لعنت ملامت کی اس پر میران شاہ خان زادہ کو ملازموں کے روکنے کے باوجود، زبردستی اپنے محل میں لے گیا۔ وہاں اس کے حسن سے اپنے نفس کی بھوک مٹائی اور اس کے بعد اسے آبرو باختہ ہونے کا طعنہ دیا۔ (99)

''اے امیر!'' خان زادہ نے کہا: ''میں آپ سے پناہ کی درخواست کرتی اور عدل کی بھیک مانگتی ہوں۔''

خان زادہ اس جہانگیر کی بیوہ تھی جو تیمور کا سب سے چہیتا بیٹا تھا اور جسے وہ اپنا جانشین سمجھتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد، تاتاریوں کے قانون وراثت کے مطابق، اب میران شاہ تخت و تاج کا مالک تھا کیونکہ وہ تیمور کے زندہ بیٹوں میں سب سے بڑا تھا۔ صحرا نشین خوانین کے زمانے سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ کسی بادشاہ کے پہلے چار بیٹے اس کے وارث بن سکتے تھے تیمور کے چار بیٹوں میں سے جہانگیر اور عمر شیخ مر چکے تھے۔

زندہ اولاد میران شاہ اور شاہ رخ ہی تھے۔ شاہ رخ ملکہ سرائے خانم کے بطن سے تھا۔

مگر وہ خان زادہ کے ہاں جہانگیر سے جو دو بچے (100) ہوئے تھے ان سے کچھ ہی بڑا تھا اور نفیس طبع، نرم دل، اور حکومت کے بجائے کتابوں کی طرف زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے اپنے بھائیوں سے بالکل مختلف تھا۔ اس لئے تیمور کا جانشین میران شاہ ہو سکتا تھا یا خان زادہ کا کوئی بیٹا۔ تیمور نے میران شاہ کو بہت وسیع مملکت دے دی تھی مگر اس نے عیاشی میں پڑ کر اس مملکت کا نظام درہم برہم کر دیا۔ شاید خان زادہ نے میران شاہ کے ایک شہر میں سکونت اسی لئے اختیار کی ہو کہ اس پر اپنے حسن و جمال کا جادو ڈال کر قضیہ کھڑا کرے اور اس طرح اپنی اولاد کے لئے راستہ صاف کرے، شاید اس کے بے پناہ حسن ہی نے وہ آگ لگائی ہو، جس سے میران شاہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

سالہا سال بعد امیر زادہ خلیل ایک ایسی کشمکش کا باعث بن گیا جس کا خان زادہ کو اس وقت گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

بہر حال اس وقت اس کی دلیری قابل تعریف تھی وہ بادشاہ وقت سے اس کے فرزند کے خلاف فریادی اور دادطلب تھی اور تیمور نے بھی دادرسی میں دیر نہ کی۔ خان زادہ کے تمام مالی نقصانات کی فوراً تلافی کر دی اور امیر تیمور کے فرزند رشید جہانگیر کی بیوہ جن مناصب کی حقدار تھی وہ سب اسے عطا کئے۔ ہر چند اس وقت وہ دور کے سفر سے لوٹا تھا تاہم اسی دم گھوڑا طلب کیا اور اپنے افسروں کو ساتھ لے کر سلطانیہ روانہ ہو گیا۔

وہاں جب اس نے میران شاہ کی بدنظمیوں کی تحقیق کر لی تو کھڑے کھڑے سزائے موت کا حکم صادر کر دیا مگر امرا نے جن میں ایسے امرا بھی شامل تھے جنہیں اس سے نقصان پہنچے تھے، شہزادے کی سفارش کی میران شاہ کو گلے میں رسی ڈال کر باپ کے سامنے لایا گیا۔ تیمور نے امرا کے کہنے سے اس کی جان بخشی تو کر دی مگر تمام اختیارات و مناصب چھین لئے اور دل شکستہ اور محروم اقتدار میران شاہ کو اسی صوبے میں رہنا پڑا۔ جہاں اس کی جگہ کوئی اور حکمران مقرر رہا۔

کچھ عرصے بعد روئے دے گونزالز کال دیہو سمرقند جاتے ہوئے سلطانیہ سے گزرا،

اس نے جو کچھ وہاں سنا اسے نہایت صفائی سے قلمبند کر دیا ہے وہ لکھتا ہے:

''جب میراں شاہ یہ حرکتیں کر رہا تھا ان دنوں اس کے پاس ایک عورت گان زادہ تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی اور چوری چھپے دن رات سفر کرتی ہوئی امیر تیمور کے حضور میں پہنچی اس نے تیمور کو میراں شاہ کے کرتوت سے آگاہ کیا تیمور نے بیٹے سے حکومت چھین لی یہ عورت گان زادہ تیمور کے پاس رہنے لگی اور وہ اس کے ساتھ نہایت احترام سے پیش آیا اور کچھ عرصے بعد واپس جانے کی اجازت دے دی۔ میراں شاہ سے اس عورت کے ہاں ایک لڑکا ہوا تھا جس کا نام خلیل سلطان تھا۔''

میراں شاہ کے مصاحبوں اور درباریوں پر تیمور کا قہر اس شدت سے نازل ہوا کہ وہ سب گویئے، مسخرے اور بعض مشہور شعرا بھی، جو اس کے ندیم بنے ہوئے تھے، قتل کر دیئے گئے میراں شاہ کا درباری مسخرہ اس وقت بھی جب وہ مقتل میں لائے گئے اپنے مسخرے پن سے باز نہ آیا۔ جب سب جلاد کے چبوترے کے قریب پہنچے تو اپنے سے زیادہ بلند مرتبہ رکھنے والے درباریوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''شہزادے کے دربار میں آپ کو مجھ پر فوقیت حاصل تھی، یہاں بھی پہلے آپ ہی چلیئے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆

تیمور کی سلطنت

1388ء تک، ترپین سال کی عمر میں تیمور وسطی ایشیا اور ایران کا، جو خانہ جنگی اور بغاوت کے لئے مشہور رہتے، مسلمہ مالک بن گیا۔ وہ ہر لحاظ سے شہنشاہ تھا مگر اس کے نام کے ساتھ لفظ شہنشاہ نہ لکھا جاتا تھا اور وہ صرف امیر تیمور گورگاں (101) کہلاتا تھا بادشاہ اب بھی ایک خان (102) تھا جو چنگیزی نسل کا ''ترا'' تھا۔

مگر وہ برائے نام بادشاہ تھا، نہ کچھ اختیارات نہ کوئی ذمہ داری، البتہ فوج کے ایک لشکر کا کماندار ضرور سمجھا جاتا تھا اور سمرقند میں اس کے تصرف میں ایک محل بھی تھا اور بعض رسوم مثلاً سفید گھوڑے کی قربانی میں، جب عہدناموں کی توثیق ہوا کرتی، یا سالانہ معائنے میں، جب دو لاکھ فوج تاتاری علم و ک سلامی دیا کرتی، وہ ضرور شامل ہوتا۔ تاریخوں میں اس کا نام شاذونادر ہی آتا ہے۔ جوں جوں تیمور کا آفتاب اقبال چڑھتا گیا اس کا ستارہ ماند پڑتا گیا مگر اس کے باوجود وہ اس فوجی شان و شوکت کے ماحول میں، جس میں اس کا حصہ ہر سال کم ہوتا جا رہا تھا، خوش تھا۔

تیمور کی اس روز افزوں مملکت کا کوئی نام بھی نہ تھا۔ وہ اب بھی ماوراءالنہر ہی کا امیر کہلاتا تھا حالاں کہ اس کا نام ان تمام ممالک میں خطبے میں پڑھا جاتا تھا جن کے اپنے نام تو تھے مگر جو تیمور کی اس مملکت میں شامل تھے جس کا کوئی نام نہ تھا۔

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وسطی ایشیا کے باشندے ہمیشہ سے اپنے قبائلی سرداروں کے ماتحت رہے تھے اگر کبھی اپنے سردار سے ناخوش ہوتے تو کسی اور ملک میں چلے جاتے اور اپنا جان و مال وہاں کے سردار کے سپرد کر دیتے، اور اگر اب بھی ناخوش ہوتے تو اپنے کسی ساتھی کو سردار بنا لیتے اور پھر اسکے لئے جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے۔

وہ اپنے نام اور قبیلے پر فخر کرتے، شخصی آزادی اور رسوم و رواج سے حاصل مراعات کے تحفظ کے لئے جان پر کھیل جاتے، مطلق العنان بادشاہوں کے گرویدہ ہوتے، مگر اسی کے ساتھ شخصی آزادی کی حفاظت بھی کرتے، اور خانہ بدوشوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے

نئی باتوں سے ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے غارت گری ان کے خون میں رچی ہوئی تھی چنانچہ شکار کے انتظار میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر گدھوں کی طرح حلقے باندھ کر بیٹھے رہتے۔ مگر حضرت سلیمان کے قصے، ذوالقرنین (103) کی فتوحات کی داستانیں اور تخت زریں پر بیٹھنے والے محمود کے واقعات خوب سنتے اور سناتے۔ وہ اپنے شجرہ نسب کو حضرت نوح سے ملاتے اور اپنے کو پیغمبروں کی نسل بتاتے تھے۔

مکہ معظمہ کے راستے میں جتنے مزار آتے تھے، ان سب سے واقف تھے اور ان کا پورا حال جانتے تھے انہیں توریت بھی ازبر تھی، کتابوں کے حوالے بھی خوب دیتے تھے اور جرح قدح کرنے میں بھی طاق تھے یہ بات اس لئے چنداں موجب حیرت نہیں کہ انہیں بعض ایسے شجرہ ہائے نسب زبانی یاد تھے جو طوفان نوح کے زمانے تک جاتے تھے وہ حکومت کے قوانین کی کچھ پرواہ نہ کرتے مگر قبائلی روایات کے تحفظ کے لئے جان تک دینے پر آمادہ رہتے انہیں سود خوری سے نفرت تھی اور لگان وصول کرنے والوں میں سے جو انہیں تنگ کرتے وہ ان کے خنجر کا شکار ہو جاتے۔

وہ تیمور سے اس وقت تک لڑتے رہے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہو گیا کہ اس سے لڑنا بیکار ہے۔ پھر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے نمک خوار بن گئے۔ ایسے انسانوں پر حکومت کرنے کے لئے فولاد کے ہاتھوں کی ضرورت تھی، اور ایسے ہاتھ تیمور (فولاد) ہی کے ہو سکتے تھے۔

وہ اس سے پہلے کبھی متحد نہ ہوئے تھے محمود نے ان میں سے بعض کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا تھا۔ چنگیز بھی ان تک پہنچا تھا اور اس نے ان کو اپنے ساتھ ملا کر گویا اس طرح متحد کر لیا تھا مگر اس کی موت کے بعد انہوں نے ایک بار پھر نئے نئے سردار بنا لئے اور منتشر ہو گئے۔

اب وہ صرف ایک بات میں متحد تھے، اور وہ بھی تیمور کی اطاعت مگر انہیں متحد رکھ سکنا اتنا ہی مشکل تھا جتنا بھیڑیوں کو قابو میں رکھنا۔

دنیا کا کوئی قانون ایسا نہ تھا جس سے انہیں قابو میں رکھا جا سکتا ہو۔ ان کی روایات ہی سرکشی کی ترغیب دیتی تھیں کاشغر کے سنگ یشب ڈھونڈنے والے ہندوکش پہاڑ کے لٹیرے، جتہ اور سنہری غول کے بقیہ السیف جنگجو قبائل، خراسان کے ایرانی شہزادے اور عرب کے شجاع شہسوار، ان سب کو قابو میں رکھنا تقریباً ناممکن تھا۔

اس لئے تیمور خود قانون بن گیا۔ وہ اپنی مملکت کی نئی اقوام اور قبائل کے لئے خود احکام نافذ کرتا تھا ہر وہ شخص جس میں ہمت ہو اس کے حضور میں باریاب ہو سکتا تھا کوئی اس کا منظور نظر نہ تھا جس کا کہا ماننے پر وہ مجبور ہو جب کوئی نیا ملک فتح ہوتا یا خود بخود اطاعت قبول کرتا تو اسے اپنے کسی بیٹے یا کسی بڑے امیر کو بطور جاگیر دے دیتا اور یہ ملک ایک صوبے کی حیثیت اختیار کر لیتا اس کا حاکم داروغہ کہلاتا جو براہ راست تیمور کے ماتحت ہوتا داروغہ کے ساتھ ایک قاضی بھی مقرر کیا جاتا۔ تاتاری فوج میں سپاہی اپنی مرضی سے بھرتی ہوتے، البتہ مزدور جبراً بھرتی کئے جاتے نئے ملک کے سابق حکمران اور امرا کو دربار تیمور میں نئے مناصب اور نئی ذمہ داریاں دی جاتیں اور اگر وہ اس کے بعد بھی سرکشی کرتے تو زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے یا قتل کروا دیئے جاتے۔

تیمور کی بے چین طبیعت نہ ناکامی قبول کرتی تھی نہ نقص برداشت کر سکتی تھی اگر وہ کسی پرانے دھرانے اور ٹوٹے پھوٹے پل پر سے گزرتا تو حاکم صوبہ کو اس کی مرمت کا حکم دے دیتا۔ اس نے پرانی کارواں سراؤں کی مرمت کروائی اور جا بجا نئی سرائیں تعمیر کرائیں۔ موسم سرما میں بھی شاہراہیں کھلی رہتی تھیں اور ان پر جگہ جگہ محافظ دستوں کے لئے چوکیاں بنی ہوئی تھیں تیمور کے حکم سے ان چوکیوں کے منتظم ڈاک کے گھوڑے تیار رکھنے کے ذمے دار تھے اور کاروانوں کی حفاظت بھی کرتے۔ اس خدمت اور تحفظ کے معاوضے میں کاروانوں سے تھوڑی سی رقم وصول کی جاتی تھی۔

اسپین کے سفیر کلاویہو نے خراسان کی شاہراہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مسافروں کے سونے کے لئے سڑکوں کے کنارے کشادہ مکان بنے ہوئے ہیں

جن میں اور کوئی نہیں رہتا ان مکانوں میں دور دراز سے زمین دوز نالیوں کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے۔''

''ہر سڑک کی سطح ہموار ہے اور صفائی کا یہ عالم ہے کہ اس پر ایک بھی پتھر نظر نہیں آتا جب مسافر منزل پر پہنچتے ہیں تو انہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس میں گوشت کافی مقدار میں ہوتا ہے انہیں تازہ دم گھوڑے بھی فراہم کیے جاتے ہیں بادشاہ نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ کہیں ایک سو میل کے فاصلے پر اور کہیں دو سو میل کے فاصلے پر، ہر منزل پر گھوڑے موجود ہوں سمرقند تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔''

''جن لوگوں کو امیر کسی طرف روانہ کرتا ہے یا جو کہیں سے امیر کے پاس جاتے ہیں، وہ ان گھوڑوں پر انتہائی تیز رفتار سے دن رات مسلسل سفر کرتے ہیں صحرا تک میں گھوڑوں کا ایسا ہی انتظام ہے اور غیر آباد علاقوں میں بھی مسافروں کے قیام کے لئے مکانات ہیں جن میں قریب ترین گاؤں سے اشیائے خوردنی اور گھوڑے مہیا کیے جاتے ہیں ان گھوڑوں کی غور و پرداخت کرنے والوں کو انچوا کہتے ہیں۔''

جب سفیر کسی جگہ منزل پر پہنچتے ہیں تو یہ لوگ فوراً ان کے گھوڑوں کو تھام لیتے، ان کی کاٹھیاں اتارتے اور نئے گھوڑوں پر کاٹھیاں لگا دیتے ہیں ایک یا دو انچوا ان کے ساتھ بھی ہو لیتے ہیں تاکہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کر سکیں اور انہیں اگلی منزل تک پہنچا کر واپس آ جاتے ہیں۔

''اگر راستے میں کوئی گھوڑا تھک جائے اور کوئی اور گھوڑا مل سکتا ہو تو یہ اس گھوڑے سے اسے بدل لیتے ہیں یہاں کا دستور ہے کہ کوئی سردار ہو، امیر ہو، سفیر ہو یا تاجر ہو اسے اپنا گھوڑا اس شخص کو دینا پڑتا ہے جو بادشاہ کے پاس جا رہا ہو۔ اگر وہ گھوڑا دینے سے انکار کرے تو اسے جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں، ایسی حالت میں فوجیوں بلکہ خود بادشاہ کے بیٹے اور اس کی ملکہ سے بھی گھوڑے لے لئے جاتے ہیں۔''

''اس طرح پیغام رسانی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نہ صرف راہ چلتے گھوڑے

مل جاتے ہیں، ہر جگہ پیغام رساں بھی مقرر رہیں تا کہ ہر صوبے کی خبریں امیر تک جلد از پہنچیں امیر اس شخص سے جو ایک دن اور ایک رات میں پچاس فرسخ طے کرے اس شخص کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے جو پچاس فرسخ کے فاصلے کو تین دن میں طے کرے، خواہ پہلے شخص کی ران تلے ایک چھوڑ دو گھوڑے مر جائیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی مملکت میں ایک فرسخ کا فاصلہ بہت زیادہ ہے تو اس نے فرسخ کے دو حصے کر دیئے، ہر فرسخ پر سنگی نشان نصب کرا دیئے اور تمام زگاتامیوں (104) کو حکم دے دیا کہ ایک دن میں کم از کم بارہ فرسخ کا سفر کیا کریں (105 یہاں کا ایک فرسخ قشتالیہ (106) کے دو فرسخ کے برابر ہے۔''

''یہ لوگ رات دن کے مسلسل سفر میں اتنا زیادہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں، اس بات کا اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر یقین نہیں آ سکتا۔ بعض دفعہ تو یہ رات دن میں پندرہ بیس فرسخ تک چلے جاتے ہیں (107) جب ان کے گھوڑے بیکار ہو جاتے ہیں تو انہیں مار ڈالتے ہیں یا بیچ دیتے ہیں ہم نے راستے میں کئی گھوڑے دیکھے جو زیادہ چلنے کی وجہ سے مر گئے تھے۔''

بعض کارواں سرائیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں حوضوں میں فواروں تلے برف پڑی رہتی ہے۔ پاس ہی پیتل کے کوزے رکھے رہتے ہیں جو چاہے ٹھنڈا پانی پی سکتا ہے (108)

شاہراہوں پر ہرکارے خبریں لئے ہوئے مسلسل سفر کرتے رہتے تا کہ تیمور مملکت کے حالات سے مطلع رہے۔ سرحد کے سانڈنی سواروں کے ذریعے حدود مملکت پر مامور سپہ سالار اور صوبوں کے داروغہ متواتر خبریں روانہ کرتے رہتے ہر صوبے اور ہر شہر بلکہ ہر کارواں سرائے میں خبر نویس خفیہ یادداشتیں تحریر کر کے تیمور تک پہنچاتے رہتے بلکہ تیمور کو اس کی اطلاع بھی پہنچتی رہتی تھی کہ کون سی شاہراہ پر کون کون سے کارواں کس کس طرف جا رہے ہیں خبر نویسوں کو صحیح اطلاعات دینے کی ہدایت تھی اگر کوئی شخص غلط خبر بھیجتا تو اسے فوراً قتل کر دیا جاتا۔

تیمور کا نظام خبر رسانی بڑا مکمل تھا اور ریل سے پہلے کے دور میں یقیناً سب سے زیادہ زود کار اور تیز تھا۔

جائیداد اور زمین کی ملکیت کے بارے میں تیمور کے فیصلے ناطق مگر عادلانہ ہوتے تھے۔ سپاہ کو شاہی خزانے سے تنخواہ ملتی تھی، اسے رعایا سے کوئی محصول وصول کرنے کی اجازت نہ تھی اور کوئی سپاہی کسی شہری کے گھر میں بلاوجہ داخل نہ ہو سکتا تھا۔

غیر آباد علاقے اور لاوارث زمین سرکاری مال سمجھی جاتی تھی اگر کوئی کسان یا زمیندار کسی غیر آباد زمین میں آبپاشی کرتا یا اس پر عمارت یا پل بناتا تو اسے پہلے سال مالیہ معاف ہوتا، دوسرے سال مالئے کی رقم اس کی مرضی سے مقرر کی جاتی اور تیسرے سال حسب قاعدہ محصول لگایا جاتا۔

مالیہ اس وقت لیا جاتا جب فصل کٹ کر کاشت کار کے گھر آ جاتی۔ عام طور سے پیداوار کا ایک تہائی حکومت کا حصہ تصور کیا جاتا تھا جو اصل شے یا اس کی قیمت کے چاندی کے سکوں میں ادا کیا جاتا تھا۔ محصول بارانی زمین پر کم اور نہری زمین پر زیادہ تھا۔ اگر حکومت بند یا آبی ذخیرہ تعمیر کر کے اس سے پانی فراہم کرتی تو زمیندار کو آبیانہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔

بیرونی ملکوں کے تاجروں کو درآمد شدہ سامان تجارت پر چنگی کے علاوہ درآمدی محصول بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ ان محصولوں سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی تھی۔ ان دنوں یورپ کو جانے والے تجارتی قافلے مصر کے راستے یورپ جانے سے گریز کرتے تھے کیونکہ وہاں کے مملوک سلاطین کے عیسائی مملکتوں سے تعلقات اچھے نہ تھے۔

مغرب کا مال تجارت صحرائے گوبی سے گزر کر المالیق ہوتا ہوا سمرقند آتا تھا اور وہاں سے سلطانیہ اور تبریز یا بحیرہ اسود اور قسطنطنیہ پہنچتا تھا۔ یہی خراسان کی عظیم شاہراہ تھی۔ اس کی ایک شاخ شمال کی جانب چلی گئی تھی اور ایک شاخ اور گنج سے ہو کر بحیرہ خزر کے شمال سے گزرتی ہوئی روسی سرحد کے ساتھ ساتھ چل کر جنیوا پہنچتی تھی۔ ایک تیسری شاخ ایران سے گزر کر ہندوستان کی بندرگاہوں کو جاتی تھی۔

سمندر کے راستے بہت کم تجارت ہوتی ہے۔ایک زمانے میں عرب ہندوستان کے جنوب سے ہو کر جزیرہ نمائے زرین اور خطا کو جایا کرتے تھے اور چینی جہاز بھی خلیج بنگال کے ساحل تک آتے تھے مگر ایسی دلیری جہازوں کے مالک اور امیر سیاح کبھی کبھار ہی دکھاتے تھے، البتہ دریاؤں میں جہاز رانی بڑی کثرت سے ہوتی تھی۔ دریائے آمو کے راستے اور گنج تک، ہندوستان میں دریائے سندھ کے ذریعے سمندر تک، اور اسی طرح دجلہ وفرات کے ذریعے بھی بہت کافی تجارت ہوتی تھی۔

اس عرصے میں تیمور نے ہندوستان جانے کے دو راستے صاف کر دیئے تھے۔ایک کابل سے آگے درہ خیبر کا راستہ، دوسرا وہ جو قندھار سے شروع ہو کر ویران علاقوں سے گزرتا ہوا دریائے سندھ تک جاتا تھا۔اس نے والی سیستان کو ایک ہی لڑائی میں مطیع کر لیا تھا، یہ وہی والی سیستان تھا جس نے تیمور کو تحفے وغیرہ دے کر اس سے اپنے ہاں کی قبائلی بغاوت فرو کرائی تھی اور جس کے لئے لڑتے میں تیمور لنگڑا ہوا تھا۔

وہ ایک اور یلغار میں صحرا کو عبور کر کے شیراز سے خلیج فارس تک جا پہنچا تھا جس کی بندرگاہوں سے جہاز ایک طرف بغداد تک، اور دوسری طرف دریائے سندھ کی بندرگاہوں تک، مال تجارت لے کر جاتے تھے۔

مغرب کی سمت اس نے سیاہ میش ترکمانوں کے حصار ختم کر دیئے تھے، سنگ مرمر کی عمارتوں کے شہر موصل کو فتح کر لیا تھا اور دجلہ کے بالائی حصے میں سمرقند سے پندرہ سو میل دور، قلعے بھی اس کے ہاتھ آ گئے تھے۔ یہاں سے خراسان کی شاہراہ کی ان شمالی اور جنوبی شاخوں کی حفاظت کی جا سکتی تھی جو تبریز (109) سے گزرتی تھیں اس مرکزی شہر کی آبادی دس لاکھ سے زائد تھی اور صرف تبریز سے تیمور کو جتنی آمدنی ہوتی تھی وہ شاہ فرانس کی آمدنی سے زیادہ تھی۔

بظاہر اتنے بڑے شہر میں کوئی ایسا محصول نہ لیا جاتا تھا جو ہر فرد پر عائد ہو مگر زعمائے شہر کی مجلس تیمور کے داروغہ کو پورے شہر کی طرف سے ایک معین رقم بطور سالانہ خراج ادا کرتی

تھی اور یہ طے تھا کہ جب تک یہ خراج ادا ہوتا رہے گا اس وقت تک تیمور شہر کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔

تاجروں کے لئے مملکت تیمور ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ وہ سال میں پانچ مہینے تیمور کے سپاہیوں کی حفاظت میں تجارتی سفر کرتے مگر صرف ایک جگہ درآمدی محصول لیا جاتا۔

چھوٹے چھوٹے زمینداروں اور کاشت کاروں کے لئے بھی تیمور کی حکومت کچھ کم فائدہ مند نہ تھی۔ وہ اپنے کاموں میں بے روک ٹوک مشغول رہتے۔ اب انہیں جاگیرداروں کے مظالم کا کوئی خدشہ نہ رہا تھا۔ تیمور اس نکتے کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جس طرح جو آدمی مالی طور پر تباہ ہو جائے وہ کسی مصرف کا نہیں رہتا، اسی طرح جو ملک تباہ ہو جائے اس سے بادشاہ کو کچھ وصول نہیں ہو سکتا چنانچہ اس کا خزانہ خالی رہتا ہے اور خزانے ہی پر فوج کا انحصار ہوتا ہے جس سے مملکت قائم رہ سکتی ہے اگر فوج قابو میں نہ ہو تو وہ جہاں سے چاہتی ہے پانی چھین لیتی ہے اور مزروعہ زمینوں کو روند روند کر تباہ کر دیتی ہے یا ان میں اگی ہوئی فصلیں کاٹ کر اناج اپنے کام میں لے کر آتی ہے اس طرح کاشتکاروں کے تباہ ہونے سے ملک بھی تباہ ہوتا ہے اور خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔

تیمور مذموم طریقے اور حرکتیں برداشت نہ کر سکتا تھا جب ہر شہر میں گداگروں کے غول کے غول پھرتے نظر آنے لگے تو اس نے گداگری کو ممنوع قرار دے کر ان میں گوشت روٹی بٹوانے کا سلسلہ شروع کر دیا مگر یہ گداگر جو کچھ شاہی لنگر خانے سے ملتا اسے اپنا حق سمجھ کر وصول کر لیتے اور کاسہ گدائی لے کر پھر گلی گلی بھیک مانگنے نکل کھڑے ہوتے اور خدا ترس لوگوں کے گھروں پر ان کے کھانے کے وقت جا نکلتے تو وہ ان کے کاسوں میں کھانے پینے کی چیزیں تھوڑی بہت مقدار میں ڈال ہی دیتے۔ اس دور میں اسلامی ملکوں میں گداگری کا رواج ہی پڑ گیا تھا، تیمور کے سپاہی گداگروں کو قتل کر دیتے مگر بے سود۔

البتہ چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے میں اسے نسبتاً زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ راستوں پر محافظ دستوں کا ہر افسر اور شہروں میں ہر قاضی اپنے اپنے علاقے میں چوری کا

ذمہ دار بنا دیا گیا۔ جو چیز چوری ہوتی انہیں اس کا بدل دینا پڑتا۔

مگر تیمور کے قانون تیمور کی مرضی کے سوا اور کچھ نہ تھے اور اسکے اپنے **ملک** کے باہر لوگوں کے لئے ابھی تک نئے ہی تھے کیونکہ وہاں ان کا مکمل نفاذ نہ ہوا تھا۔ کہیں کہیں بغاوت بھی ہو جاتی تھی چنانچہ تیمور بدامنی فرو کرنے کے لئے **مسلسل** یلغاریں کرتا رہتا تھا۔ بہر حال اس کی ولولہ آفریں قوت کے زیر اثر اسکی فوج ایک منضبط مشین بن گئی تھی جو فتوحات حاصل کرنے کی عادی ہوگئی تھی اور جسے تجربہ کار قائد میسر تھے۔

اس فوج پر اسے فخر تھا اور اب اس نے اسی کے بل پر پورے ایشیا کو فتح کرنے کا تہیہ کر لیا۔

☆☆☆☆☆

گھوڑے کی پیٹھ پر

اس زمانے میں تیمور کو اس پرانی کہاوت کا خوب اچھی طرح تجربہ ہوا۔ کہ ”جو کوئی رکاب میں پاؤں رکھتا ہے اسے گھوڑے کی سواری بھی کرنی پڑتی ہے۔“

اب وہ سمرقند میں شاذونادر ہی قیام کرتا، اور اسے پہاڑوں میں شکار کھیلنے کا موقع بھی کم ہی ملتا۔ اس کی دوسری بیوی ملکہ سرائے خانم بڑی آن بان سے رہتی تھی۔ جشنیں اس کی قبا کے دامن اٹھائے چلتیں اور حسین و جمیل کنیزیں اس کی کلاہ کے مرصع پروں کو سنبھالے رہتیں۔ اس کے لئے نیلے رنگ کی اینٹوں کے نئے وسیع فرش تیار ہوتے جا رہے تھے۔ مگر تیمور، جس نے سمرقند میں عمارات کی تعمیر ایرانی انجینئروں سے نقشے بنوا کر شروع کی تھی، چند ہی دن کے لئے وہاں آتا تھا اور جب آتا تو معماروں اور انجینئروں سے کہہ کہہ کر کام کی رفتار اور تیز کراتا۔ اسی مختصر قیام کے دوران میں وہ چین، ہند اور بغداد سے آئے ہوئے سفیروں کو شرف باریابی بخشتا، پوتوں کے سلام لیتا، شاندار ضیافتیں کرتا اور پھر غائب ہو جاتا۔

دوران سفر میں وہ خیموں کا دہرا سامان ساتھ رکھتا۔ جب ایک جگہ ایک خیمے میں آرام کرتا ہوتا تو دوسرے خیمے کا سامان اگلی منزل کو روانہ کر دیا جاتا تاکہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے نصب کر دیا جائے۔ اس طرح اسے ہر منزل پر اپنی خیمہ گاہ تیار ملتی۔ اس کے خیموں کی ریشمی طنابیں کھنچی ہوتیں، اندر قالینوں کے فرش بچھا دیئے گئے ہوتے، چوبوں پر پردے لٹکے ہوتے اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے قناتیں کھڑی ہوتیں ان کے گرد بارہ ہزار قلچیوں کے خیمے ہوتے، جو لمبے قد، چوڑے چکلے سینے، مضبوط اعضا اور توانا جسم کے جوان ہوتے۔

ان کے افسر ”بہادروں“ میں سے منتخب کئے جاتے تھے، جن کی خصوصیت یہ تھی کہ ایسا کوئی مشکل کام نہ تھا جو ان کے ذمے نہ ڈالا گیا ہو اور ہر بار جب کامیاب لوٹے ہوں تو مالا مال نہ کر دیئے گئے ہوں۔

تیمور نے ایک مرتبہ کہا: ''پرانے سپاہیوں کی خدمات کو ہر گز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں عزت اور دولت دونوں سے نوازنا چاہئے'' یہ لوگ اپنا مستقل آرام و راحت چھوڑ کر چند لمحوں کی واہ واہ کے لئے جان قربان کرنے پر کمر بستہ رہتے ہیں اس لئے انعام کے حقدار ہوتے ہیں اور وہ اس اصول پر بہ اصرار عمل بھی کراتا تھا جس طرح پہلے ایک مرتبہ اس نے ایک مہم پر ساتھ جانے والے ایک ہزار سپاہیوں کی فہرست مرتب کرائی تھی، اسی طرح اب یہ حکم دیا کہ اس کی فوج کے تمام لشکروں کے تمام سپاہیوں بلکہ ان کے بیٹوں کی بھی فہرستیں تیار کی جائیں۔ محرر ہر افسر اور سپاہی کا ہر نمایاں کارنامہ اس کے اعمال نامے میں لکھ لیتے تھے۔ کوئی سپاہی نمایاں خدمت انجام دیتا تو اسے ترقی دے کر دس جوانوں کا کمان دار مقرر کر دیا جاتا اور کمان دار کو سو جوانوں کا افسر بنا دیا جاتا۔ اس ترقی کے علاوہ مخصوص نشان مثلاً پٹکا، زر کار لبادہ مع گلو بند، اور بعض اوقات تلوار اور گھوڑا بھی ملتا۔ ایک ہزار جوانوں کے کمان دار کو علم اور نقارہ اور بڑے امرا یا سپہ سالاروں کو ''لشکری علم'' اور ''شیری علم'' اور نقارہ دیا جاتا۔ ایسے امیر اپنے ساتھ ایک سو گھوڑے رکھ سکتے تھے۔ جب یہ امیر کوئی لڑائی جیتتے تو ان کو اور بھی بھاری انعام دیئے جاتے، جیسے کسی شہر کی جاگیر داری مع مالیہ یا بعض اوقات پورا صوبہ ترقی کا معیار صرف قابلیت تھی گو بیشتر بلند مرتبہ امرا شاہی خاندانوں ہی کے تھے بوڑھا جاکو برلا دان چند امرا میں سے تھا جو متعدد جنگوں میں حصہ لینے کے باوجود صحیح سلامت رہے تھے۔ اسے امیر الامراء کے خطاب کے علاوہ بلخ کی حکومت بھی بخشی گئی۔

تیمور ایسے آدمی کو بہت برا سمجھتا تھا جو ناکام رہنے کے بعد بہانے بناتا یا نازک موقع پر پیچھے رہتا اور پیش قدمی سے پہلے ہی پسپائی کے راستے نکال لیتا اسی طرح اسے بیوقوفوں پر بھی غصہ آتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا ''دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے'' ایک مورخ ابن عرب شاہ نے تیمور کی بڑی واضح لفظی تصویر کھینچی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''یہ فاتح دراز قد تھا۔ اس کی پیشانی بلند اور سر بڑا تھا۔ جسمانی

طاقت اور دلیری دونوں میں نمایاں تھا۔ قدرت نے اسے گونا گوں صاف سے متصف کیا تھا۔ جلد گوری اور رنگ نکھری ہوئی تھی اعضا بڑے بڑے، شانے چوڑے اور انگلیاں قوی تھیں۔ اس کی ڈاڑھی لمبی تھی اور ہتھیلیاں خشک رہتی تھیں۔ آواز بھاری بھر کم تھی اور دائیں ٹانگ سے لنگڑاتا تھا۔ ادھیڑ عمر میں بھی جوانی جیسا جوش اور بدن اتنا ہی طاقتور تھا اور پہلے ہی کی طرح دلیر بھی تھا جھوٹ بولنا اور ہنسی مذاق کرنا نا پسند تھا۔ سچائی اس کے اپنے لئے ناگوار ہو تو بھی، پسند کرتا تھا۔ نہ مصیبت اور بد حالی میں افسردہ وملول ہوتا، نہ خوشحالی میں جامے سے باہر ہوتا تھا۔"

اس کی مہر پر فارسی زبان کے دو لفظ "راستی روستی" کندہ تھے جن کے معنے ہیں "صداقت قوت" گفتگو میں بہت محتاط تھا۔ قتل و غارت گری یا گھروں میں گھس کر عورتوں پر مجرمانہ حملے کے بارے میں سپاہ کو ترغیب دینے کے طور پر کبھی ایک لفظ نہ کہا۔ بہادر سپاہیوں کو بے حد پسند کرتا تھا۔

تیمور کے بال جوانی ہی میں سفید ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ابن عرب شاہ نے اس کا رنگ گورا بتایا ہے مگر وہ لوگ گندمی بتاتے ہیں۔ ممکن ہے ایک عرب کی نگاہ میں یہی گورا رنگ ہو۔ مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ تیمور کی یہ قلمی تصویر اس ابن عرب شاہ نے کھینچی ہے جسے تیمور قید کر کے دمشق سے سمرقند لے گیا تھا اور جو اس سے نفرت کرتا تھا۔

تیمور کی سپاہ کے ایک معمولی عہدہ دار آق بوغا نے جس طرح یک لخت ترقی کی اس طرح بہت کم انسانوں نے ترقی کی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو کیا بنا دیا تھا وقائع نگار کا بیان ہے کہ وہ قد کاٹھ اور جسمانی قوت کے لحاظ سے امتیازی شان رکھتا تھا اور گو دس سپاہیوں کا کماندار ہونے کے باوجود اس کے پاس گھوڑا

ایک ہی تھا مگر اس کے بازو پر آہنی ڈھال اور ہاتھ میں پانچ فٹ لمبی کمان ضرور رہا کرتی تھی۔ پینے میں بڑا بدنام تھا اور کہا جاتا ہے کہ مینڈھے کے سینگ میں دودھ اور شراب بھر کر ایک ہی سانس میں چڑھا جاتا تھا۔ مگر اس بری عادت کے باوجود کتنا دلیر اور بہادر تھا اس کا حال ذیل کے واقعے سے معلوم ہوگا۔

دوسری ایرانی مہم کے دوران میں آق بوغا ایک مقام پر سڑک کے کنارے ایک بستی میں، جہاں ایک شراب خانہ بھی تھا، اکیلا ہی اتر پڑا۔ چونکہ یہ مقام دشمن کے ملک کو قریب تھا، اس نے گھوڑے پر زین کسی رہنے دی اور اسے شراب خانے کے دروازے باندھ کر اپنی کمر ڈھیلی کرنے کے بعد پینے میں مشغول ہو گیا۔ اتنے میں گاؤں کے نمبردار نے آ کر بتایا کہ گاؤں کے باہر تالاب کے قریب پچاس ایرانی سوار گھوڑوں سے اتر رہے ہیں اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ شاید گاؤں کو لوٹنے آئے ہیں۔

''اچھا!'' آق بوغا نے کہا ''تو پھر تم بھی اپنے ہتھیار بند آدمیوں کو بلا لاؤ ہم ان سے لڑیں گے۔''

نمبردار نے کہا کہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور یہ صلاح دی کہ آق بوغا بھاگ جائے تا کہ اس کی جان بچ جائے۔ تاتاری کے ذہن میں بھاگنے کا خیال آ ہی نہ سکتا تھا۔ اس نے کہا: ''واہ بھاگ جانے کی بھی تم نے بھلی کہی میں تو ان پر ہاتھ صاف کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ اگر ان پر حملہ نہ کیا گیا تو میں ان کے گھوڑے اور ساز و سامان کیسے چھین سکوں گا۔ تم لوگوں میں عقل بالکل نہیں ہے یہ ایرانی گیدڑ ہوتے ہیں، مجھ بھیڑیئے کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے میں ایسے تماشے بہت دفعہ دیکھ چکا ہوں جاؤ، اور اپنے آدمیوں کو لے کر یہاں پہنچو!'' اور اپنے شغل میں لگا رہا۔

گاؤں والوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور وہ ایرانیوں سے تو خائف تھے ہی، مگر اس مسلح دیو سے بھی خوف زدہ تھے چنانچہ دس آدمی اپنے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ آقا بوغا نے اپنا پٹکا کسا، سر پر خود رکھا، ڈاڑھی کو چرمی ڈھانے سے باندھا اور بازو پر

ڈھال چڑھا کر ان سے بولا: ''دیکھو! جب میں نعرہ ماروں تو تم اپنے گھوڑوں کو آندھی کی طرح آگے بڑھانا اور آنکھوں میں گرد پڑ جائے تو بھی نہ رکنا'' اور ان کو لے کر گاؤں کے تالاب کی طرف روانہ ہو گیا اور جوں ہی ایرانی سپاہیوں کو دیکھا، جو تالاب پر گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے، اپنا گھوڑا بڑھاتے ہوئے تاتاریوں کا جنگی نعرہ مارا۔

گاؤں والوں کی تو ہمت نہ پڑی کہ ایرانیوں کی تلواروں کا سامنا کرتے چنانچہ پیٹھ دکھا کر جس راستے آئے تھے اسی پر بھاگ کھڑے ہوئے مگر تاتاری بہادر جوش میں آ چکا تھا، اس نے اکیلے ہی ہلا بول دیا۔

ایرانی سپاہیوں نے یا تو یہ سمجھا کہ وہ کسی بڑے دستے کا قادم سپاہی ہے یا پھر اس کا نعرہ سن کر بدحواس ہو گئے بہر حال وہ جلدی جلدی گھوڑوں پر بیٹھے اور راہ فرار اختیار کی آق بوغا ان کے تعاقب میں دور تک گیا مگر ایرانیوں کے گھوڑے زیادہ تیز رفتار تھے، وہ منتشر ہو کر نکل گئے چنانچہ اس کے ہاتھ نہ آئے۔ آق بوغا نے کئی بار انہیں پکارا بھی کہ رک کر دو دو ہاتھ کرتے جاؤ مگر وہ شاید لڑائی بھڑائی کے خیال سے آئے ہی نہیں تھے، اس لئے بھاگے چلے گئے آق بوغا فتح مند مگر خالی ہاتھ لوٹا اور گاؤں والوں سے کہا ''وہ تو خیر گیدڑ تھے ہی مگر تم بھی خرگوش ہو!''

اس مہم میں تیمور تیز رفتاری سے جنوب کی طرف بڑھ کر ایران میں داخل ہوا۔ آل مظفر کے شہزادے جنہیں وہ مختلف شہروں میں حاکم بنا کر چھوڑ آیا تھا پھر خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے تھے اور اس میں شاہ منصور اصفہان اور شیراز کا مالک بنا بیٹھا تھا۔ یہ منصور وہی تھا جس نے تیمور کی اطاعت سے انکار کیا تھا۔ اب اس نے اپنے چچیرے بھائیوں کو اپنا مطیع کر لیا تھا اور شاہ شجاع کے بیٹے زین العابدین کو قید کر کے آنکھوں میں سلائی بھروا دی تھی۔

تیمور اس بغاوت کی آگ فرو کرنے جا رہا تھا کہ راستے میں اس کا ایک عجیب و غریب گروہ سے تصادم ہو گیا جو پہاڑوں میں رہتا تھا اور حشیش کے نشے میں دھت ہو کر ہر ایک پر ٹوٹ پڑتا تھا ''قریب ایشیا'' کے حکمران اس کے نام سے کانپتے تھے مگر تیمور نے اس

گروہ کا پہاڑی نشیمن تک برباد کر دیا (110) اس وقت اس کے ساتھ صرف تین لشکر تھے ایک کا کماندار شاہ رخ تھا، باقی دو کے کماندار تیمور کے دو پوتے تھے، جو خان زادہ کے بطن سے تھے۔

تیمور کے ایران میں داخل ہونے پر شاہ منصور نے اپنی آدھی فوج اپنے ایک نائب کے زیر کمان قلعہ سپید میں متعین کی یہ جگہ رستم کے زمانے سے اس وقت تک کسی سے فتح نہیں ہوئی تھی نابینا شہزادہ زین العابدین بھی یہیں محبوس تھا تیمور نے فوج اسی کی طرف بڑھائی۔

ایرانیوں کو اس قلعے پر بڑا بھروسا تھا کیونکہ یہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا اور اس کے اندر داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا پہاڑ کی چوٹی پر ایک وسیع میدان تھا جو ایک فرخ کے قریب طویل اور اتنا ہی چوڑا تھا اس میں دریا اور چشمے تھے، زمین مزروعہ تھی اور ہر قسم کے چرند پرند بھی تھے۔

ایرانی شہزادوں نے یہاں تفریحی قیام کے لئے جو محلات بنا رکھے تھے ان کے آگ یا طغیانی سے برباد ہونے کا کوئی خدشہ نہ تھا منجنیقیں ان تک مار نہ کر سکتی تھیں اور سرنگیں پہاڑوں میں کھودی ہی نہ جا سکتی تھیں، اسی لئے کسی بادشاہ نے کبھی اس قلعے کے محاصرے کا خیال تک نہ کیا وہاں تک قلعہ شکن آلات کون لے جاتا! پھر اس کا دشوار گزار راستہ بھی اتنا تنگ تھا کہ تین آدمی تین ہزار کو روک سکتے تھے غرض یہ قلعہ ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

دفاع کے ان قدرتی وسائل کے علاوہ ایرانیوں نے ہر موڑ پر مضبوط سنگین مورچے بھی تعمیر کر رکھے تھے زرعی پیداوار، مویشی اور پرندے اتنے زیادہ ہوتے تھے کہ قلعے میں رہنے والوں کی ضروریات پوری ہوتی رہتی تھیں، اس لئے ان سے فاقوں سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا گویا صرف موت ان لوگوں کو زیر کر سکتی تھی۔

تیمور نے اس قلعے پر اسی دن حملہ کر دیا جس دن اس کی فوج اس کی تلہٹی میں پہنچی معسکر

اس کے سامنے کی ایک پہاڑی پر بنایا گیا اور وہاں سے تیمور کے سپاہی قلعے کی طرف بڑھے۔ جہاں سے عمودی چٹان شروع ہوتی تھی وہاں پہنچ کر وہ رک گئے، پھر گھوڑوں سے اتر کر چیونٹیوں کی طرح ہر طرف پھیل گئے اور پہلے موڑ کے برجوں پر حملہ شروع کر دیا۔

تیمور معسکر میں کھڑا اپنے خود پوش سپاہیوں کو تیروں کی بوچھاڑ کی سمت میں چڑھتے ہوئے دیکھ رہا تھا وادی میں سے بخارات کا دھواں اٹھ رہا تھا اس کے قریب نقارے کڑک رہے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں چٹانوں سے چمٹے چمٹے آگے بڑھتے ہوئے تاتاری سپاہیوں کے نعروں کا شور بھی سنائی دیتا۔

سورج غروب ہونے تک کچھ بھی نہ بن سکا اور قلعے تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ ڈھونڈنے کے باوجود نہ ملا تھا جب مقتولوں کی لاشیں برجوں تلے کی زمین سے نیچے اتار کر گئی گئیں تو افسروں کے چہروں پر تردد کے آثار نظر آنے لگے تاتاری سپاہیوں نے رات چٹانوں کے تلے، اور کہیں کہیں ان کی کگروں سے چپکے چپکے گزاری سورج طلوع ہوتے ہی ان کے افسروں نے انہیں پھر حملہ شروع کرنے کا حکم دیا اور چٹانوں پر چھینیوں سے ضربیں لگوانی شروع کر دیں جب کوئی تاتاری سپاہی گھائل ہوتا تو اس کے ساتھی اسے نیچے وادی میں پہنچا دیتے تیمور کے نقاروں پر ایک بار پھر ضرب پڑی جس کا مقصد اپنے سپاہیوں کو جوش دلانا تھا۔

پھر۔۔۔۔۔۔ جو لوگ ایک برج کے مقابل پہنچ چکے تھے انہوں نے کسی کو بڑے زور سے چلاتے سنا۔

''امیر فتح مند ہوا ایرانی زیر ہو چکے ہیں''

دیکھا تو تقریباً دو سو فٹ اوپر، قلعے کے راستے سے ایک تیر کے فاصلے سے کچھ آگے، آق بوغا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا۔ وہ ایک تنگ عمودی شگاف کے راستے سے اوپر پہنچا تھا، ایرانی اور تاتاری سپاہیوں نے یہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ نہ کی تھی کہ اس سے کون گزر سکے گا

مگر آق بوغا اپنی کمان اور ڈھال پیٹھ پر ڈال کر اس کے راستے سے اوپر پہنچ گیا تھا اور اب اپنے اس کارنامے کا اعلان ڈنکے کی چوٹ کر رہا تھا۔

پھر اس نے اپنی ڈھال سامنے کی چٹان پر رکھ کر اس کی آڑ سے اس طرح تیر چلانے شروع کئے کہ جو ایرانی اس کے قریب تھے وہ اس پر حملہ نہ کر سکے۔ شاہ رخ اس اثنا میں راستے میں لڑتے ہوئے سپاہیوں سے آملا تھا، اس نے جوں ہی آق بوغا کو اس حال میں دیکھا، فوراً اپنے سپاہیوں کو حملے کا حکم دے دیا تا کہ برج کیمحافظ دشمن فوج وہیں رکی رہے۔ جو تاتاری اس شگاف کے قریب تھے وہ خود ہی آق بوغا کی مدد کو پہنچ گئے۔

جب وہ چوٹی پر پہنچے تو ایرانی وہاں سے بھاگ چکے تھے اور آق بوغا شمشیر کھینچے ان کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا ان کے چوٹی پر پہنچتے ہی شاہ رخ کے علم برجوں تلے لہرانے لگے اور نیچے وادی میں نقاروں کی کڑک گرج نے اس طرح دھوم مچا دی جیسے دشمن کا خاتمہ قریب ہے۔

ایرانی برجوں سے نکل کر بلندی کی طرف بھاگے مگر تیمور کے سپاہیوں نے جو پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے، انہیں ایک ایک کر کے وادی میں پھینک دیا شاہ منصور کے قلعدار کا بھی یہی حشر ہوا اور وہ اپنے کپڑوں کی گٹھڑی بنا، چٹانوں میں موت کی نیند سو گیا۔

جب لڑائی ختم ہوئی تو تیمور کے حکم سے آق بوغا کو ڈھونڈ کر اس کے حضور میں پیش کیا گیا تیمور نے اسے چاندی کے سکے، ریشمی کپڑے، زربفت کے تھان، خیمے، حسین و جمیل کنیزیں، گھوڑے، خچر اور اونٹ اتنی زیادہ تعداد میں انعام دیئے کہ وہ بوکھلا سا گیا اور اس سازوسامان کو دیکھ دیکھ کر اس طرح سر ہلاتا ہوا واپس ہوا جیسے دل ہی دل میں کہہ رہا ہے کہ یہ کیا طلسم ہے! جب اس کے ساتھیوں نے روک کر مبارکباد دی تو کہنے لگا:

''خدا شاہد ہے کل میرے پاس صرف ایک گھوڑا تھا میں کیسے باور کرلوں کہ آج میرے پاس اتنا سارا سامان ہو گیا ہے۔''

اسے ترقی دے کر محمد سلطان کے لشکر کے موخرالجیش کا کماندار مقرر کیا گیا۔ جب تک

زندہ رہا بڑی آن بان سے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلتا اس دن سے اس نے تیمور کی طرف کبھی پیٹھ نہ کی اور سوتے میں بھی امیر کے خیمے کی طرف اس کے پاؤں ہوتے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ اس طرح دفن کرنا کہ امیر کے محل کی طرف میرے پاؤں ہوں۔

جب تیمور نے آل مظفر کا تعاقب شروع کیا تو اسے اطلاع ملی کہ شاہ منصور فرار ہو چکا ہے اس نے میمنہ اور میسرہ کے لشکروں کو اپنے پوتوں محمد سلطان اور پیر محمد کے زیر کمان چھوڑا اور خود تیس ہزار کا اعظم الجیش لے کر شیراز کی طرف بڑھا۔ شاہ رخ، جو ہمیشہ اس کے حضور میں رہتا تھا، اس موقع پر بھی ساتھ تھا۔ ایک دن ایک گاؤں کے باہر باغات میں تین چار ہزار کا ایک لشکر صف بستہ دیکھ کر تاتاری حیران سے ہو گئے اس لشکر کے رسالوں کے جوانوں کی زرہ چمڑے کی تھی جس کے سروں پر فولاد جڑا گیا تھا اور گھوڑوں پر ریشمی جھیم پڑے ہوئے تھے۔

ہوا یہ تھا کہ شاہ منصور شیراز کی طرف بھاگتے میں اس گاؤں کے باہر رکا۔ یہاں اس نے لوگوں سے پوچھا کہ شیراز کے باشندے اس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟

جواب ملا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو بھاری بھاری ڈھالیں اٹھائے پھرتے ہیں اور جن کے پاس بڑے بڑے وزنی تیر ہیں وہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے ہیں جس طرح بھیڑیوں کو دیکھ کر بکریاں بھاگتی ہیں۔

منصور نے اس طعنے پر طیش میں آ کر اپنے رسالوں کا رخ موڑ لیا تھا اور واپس آ کر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا اب اس نے جھلا کر تیمور پر حملہ کر دیا۔ لڑائی ہوئی تو اس کے دستے تو منتشر ہو گئے مگر دو ہزار کے قریب سوار تاتاریوں کی صفوں کو چیر کر عقب میں پہنچ گئے اور بعض اونچی جگہوں پر بھی قابض ہو گئے۔ شاہ منصور نے اتنی کامیابی پر قناعت نہ کی، بلکہ تیموری علم پر ہلا بھی بول دیا۔

تیمور اپنے کچھ آدمی ساتھ لئے ایک طرف کھڑا، لڑائی کا رنگ دیکھ رہا تھا کہ منصور اس کی طرف بڑھا، جس پر تاتاری افسر فوراً ایرانی سواروں سے دست بہ دست جنگ کرنے

لگے۔

تیمور نیزہ لینے کے لئے، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہا کرتا تھا، اپنا ہاتھ پیچھے لے گیا مگر نیزہ بردار پر پہلے ہی حملہ ہو چکا تھا چنانچہ وہ اپنی جگہ پر نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ تیمور تلوار میان سے نکالے منصور گھوڑا بڑھا کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اس نے دو بار تیمور پر تلوار کا وار کیا، تیمور نے دونوں دفعہ سر جھکا کر وار خود پر لیا۔ تلوار دونوں دفعہ فولادی خود سے ٹکرائی اور پھسل کر اس کی زرہ پر پڑی مگر اسے کوئی ضرر نہ پہنچا۔ تیمور بے حرکت رہا۔ اس کے محافظوں میں سے ایک نے اپنی ڈھال سے اس کا سر بچایا اور دوسرا اپنا گھوڑا بڑھا کر اس کے اور منصور کے درمیان حائل ہو گیا۔

منصور نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر شاہ رخ کے سپاہیوں نے تعاقب کیا اور تھوڑی دیر بعد شاہ رخ نے منصور کا سر لا کر باپ کے گھوڑے کے قدموں میں ڈال دیا۔

ایران کی مدافعت ختم ہو گئی اور آل مظفر کی تباہی پر بھی مہر ثبت ہو گئی۔ تیمور نے اس خاندان کے تمام مردوں کو پابہ سلاسل کرنے کا حکم دیا اور پھر سب کو تہ تیغ کرا دیا۔ صرف زین العابدین اور شبلی سے مشفقانہ سلوک کیا جنہیں ان کے خاندان والوں نے اندھا کر دیا تھا اور پھر انہیں سمرقند بھیج دیا جہاں انہیں جاگیریں اور محلات دیئے تاکہ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔ شیراز اور اصفہان کے فن کار، مصور، شاعر اور ادیب بھی تیمور کے دربار کی شان بڑھانے کے لئے فوج کے ہمراہ سمرقند روانہ کئے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بغداد کا سلطان احمد

اب تیمور کے خلاف مختلف بادشاہوں کا اتحاد ناگزیر تھا کیونکہ وہ بار بار مشرقی صحرا سے نکل کر زہریلی آندھی کی طرح ان کے شہروں پر چھا چکا تھا اور ہر بار انہیں تباہ کر آیا تھا اور زہریلی آندھی ہی کی طرح یہ بلا بھی اچانک نازل ہوتی تھی۔ اقصائے مغرب کی بادشاہوں نے اس کی روک تھام ضروری سمجھی۔

ان میں جلدی جلدی نامہ و پیام ہوئے شہنشاہ ترکی یورپ میں برسر پیکار تھا اس لئے اسے تو ابھی ادھر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی البتہ سلطان مصر، جو دمشق اور بیت المقدس کا حکمران بھی تھا، اور سلطان بغداد میں یہ معاہدہ ہوا کہ دونوں مل کر تیمور کا مقابلہ کریں گے قرا یوسف بھی، جس کے ترکمانوں کو تیمور نے مغرب کی جانب دھکیل دیا تھا، اس معاہدے میں شامل ہو گیا۔

تیمور کے پیش قدمی شروع کرنے کی صورت میں بغداد اس کے راستے میں آتا تھا یہ شہر اب ان دنوں کی طرح اسلامی دنیا کا مرکز نہ تھا جب ہارون الرشید اپنے وزرائے برامکہ کے ساتھ وہاں محفلیں گرم کیا کرتا تھا گو زائرین اور تاجروں کا یہاں اب بھی ہجوم رہتا تھا مگر حقیقت میں اب یہ شہر دجلہ کے کناروں پر ایک لاش کی طرح اکڑا پڑا تھا۔ ابن ہیر لکھتا ہے کہ اب اس میں پرانے وقتوں کے مٹتے ہوئے آثار اور ایام رفتہ کے افسانے ہی رہ گئے تھے اور جس طرح کسی حسین عورت کو گزری ہوئی جوانی کی یادیں ستایا کرتی ہیں اسی طرح اب یہ شہر بھی اپنے بڑھاپے میں بجھی بجھی آنکھوں سے دجلہ کو تکتا رہتا تھا جو کبھی آئینے کی طرح اس کے حسن و زیبائش کی عکاسی کیا کرتا تھا۔

ہر چند اس کا حکمران سلطان احمد جلایر اب بھی امیر المومنین کہلاتا تھا اور بغداد کی مسجدوں میں قریش کے سیاہ لبادے اب بھی نظر آتے تھے لیکن اب بغداد کا اصل محافظ مصر کا مملوک سلطان تھا سلطان احمد ایک شکی اور ظالم قسم کا انسان تھا اسے ہر وقت اپنا خزانہ چوری ہو جانے کا خوف لاحق رہتا بلکہ وہ اس خزانے کے محافظوں سے بھی خوف زدہ

رہتا۔ اس کا یہی خوف اسے بار بار مشرق کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتا کہ کہیں تیمور کے تاتاری لشکر حملہ کرنے نہ آ رہے ہوں۔

اسی خوف کی وجہ سے اس نے بغداد کے مفتی اعظم کو بیش قیمت تحائف دے کر تیمور کے پاس بھیجا مگر ایسے ہی تحائف اپنے حلیف قرا یوسف کو بھی بھیجے ایک روایت کے مطابق اس نے جواب میں شہا منصور کا سر روانہ کر دیا۔ دونوں طرح کے جواب ممکن تھے اسے سلطان احمد کے تحائف کی ضرورت نہ تھی وہ تو یہ چاہتا تھا کہ بغداد پر اس کا قبضہ ہو، وہاں کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اس شہر میں س کے نام کا سکہ چلے۔

سلطان احمد نے تیمور کے ارادے بھانپ کر بچ نکلنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنے ترکمانی حلیف اور سلطان مصر سے تعلق قائم رکھا اور تیز رفتار شہسواروں کا ایک رسالہ بھی تیار کر لیا تا کہ اس کی حفاظت میں وقت ضرورت، اپنے اہل و عیال اور خزانے سمیت فرار ہو سکے اس کے علاوہ اپنی سرحد پر جو بغداد سے اسی میل دور تھی، ایسے ناظر بھی مقرر کر دیئے جن کے پاس نامہ بر کبوتر تھے اور انہیں ہدایت کر دی کہ تیمور کی آمد کے آثار دیکھتے ہی فوراً اطلاع دی جائے۔

معلوم ہوتا ہے تیمور کے جاسوسوں نے احمد کی ان تیاریوں کی خبریں تیمور تک پہنچا دیں بہر حال اس نے بغداد پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا پہلے تو سواروں کا ایک لشکر ترکمانوں کی طرف روانہ کیا تا کہ انہیں لڑائی بھڑائی میں مصروف رکھے، پھر خود اس طرح روانہ ہوا جیسے اپنے اس لشکر کی مدد کو جا رہا ہے لیکن ادھر جانے کے بجائے شاہراہ سے ہٹ کر پہاڑی علاقے میں تیز رفتار سے کوچ شروع کر دیا رات کے وقت اس کی فوج مشعلیں روشن کر کے آگے بڑھتی۔ خود تیمور باقی فوج سے آگے نکل گیا سپاہی تو تھوڑے ہی سے ساتھ لئے، گو وہ تھے چیدہ چیدہ، مگر گھوڑے بڑی تعداد میں ساتھ رکھے تا کہ رفتار میں فرق نہ آئے خود کجاوے میں بیٹھ کر سفر کیا۔

سلطان احمد نے جو ناظر متعین کر رکھے تھے انہوں نے تیموری فوج کی پیش قدمی سے

گرد و غبار اڑتا دیکھ کر نامہ بر کبوتر چھوڑ دیئے، گویا اسے تیمور کی آمد کی اطلاع دے دی۔ ادھر تیمور ایک گاؤں پہنچا تو وہاں کے لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ آیا وہ اس کی آمد کی اطلاع سلطان بغداد کو دے چکے ہیں وہ خوف کے مارے انکار نہ کر سکے۔ تیمور نے انہیں حکم دیا کہ اب یہ پیغام بھیجو کہ جو سوار ہم نے دیکھے تھے وہ ترکمان تھے جو تاتاریوں سے بچ کر بھاگ آئے تھے۔

اب پھر کبوتر چھوڑے گئے تیمور نے چند گھنٹے آرام کیا پھر چند سو منتخب سوار اور بہترین گھوڑے ساتھ لے کر بغیر رکے اکیاسی میل کا سفر کر کے بغداد کے مضافات میں داخل ہو گیا۔

سلطان احمد نے پہلا پیغام پہنچتے ہی فرار کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اپنا مال اسباب اور اہالی موالی دریا کے پار بھیج کر محافظوں کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تھا، وہ دوسری خبر سے دھوکے میں نہ آیا، شہر میں تھوڑی دیر صرف اس لئے رکا رہا کہ تیمور کی آمد کی خبر تصدیق کر لے اور جب تصدیق ہو گئی تو خود بھی دجلہ کے پار چلا گیا اور کشتیوں کا پل توڑ دیا۔

تیمور کے سوار بغداد میں داخل ہو کر سیدھے ان محلوں پر پہنچے جو کسی خلفائے اسلام کے مسکن تھے اور وہاں سلطان احمد کے فرار کا حال معلوم کر کے اس کے پیچھے پیچھے دجلہ کے کنارے پہنچے اور جب دیکھا کہ وہ پار اتر چکا ہے تو گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔

سلطان احمد ان سے صرف چند گھنٹے پہلے روانہ ہوا تھا اور دریا پار کرتے ہی دشت شام کی جانب چل نکلا تھا تاتاریوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا انہوں نے وہ کشتی (شمس) جس میں سلطان احمد نے گزشتہ رات خاصہ تناول کیا تھا، تیمور کو بھیج دی اور خود آگے بڑھ گئے ایک دن اور ایک رات اور پھر اگلے دن بھی تاتاری اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگاتے رہے یہاں تک کہ فرات کے نزسل کے بن تک پہنچ گئے۔

یہاں انہیں کشتیوں کی ضرورت پڑی کشتیاں ملتے ہی فرات کو عبور کر گئے اور گھوڑے بھی تیرا کر ساتھ لے گئے قرائن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ احمد تک پہنچ گئے ہیں کیونکہ اس کا

سامان اور خزانہ، جسے مغرور سلطان چھوڑ بھاگا تھا قریب ہی بکھرا پڑا تھا اور لدو گھوڑے بھی چرتے پھر رہے تھے وہ جن گاؤں میں سے گزرے تھے ان میں کہیں گھوڑے مہیا نہ ہو سکے تھے چنانچہ ادنیٰ درجے کے سوار پیچھے رہ گئے تھے، کیونکہ ان کے گھوڑے قدرے کمزور تھے، اور افسر لوگ، جن کے پاس سپاہیوں سے اچھے گھوڑے تھے، آگے نکل آئے تھے۔

گویا یہ تاتاری فوج صرف کماندار افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی گو اس کی نفری چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی ان امرا نے تیمور سے وعدہ کر رکھا تھا کہ سلطان احمد کو زندہ گرفتار کر کے لائیں گے چنانچہ ویران صحرا میں بڑھتے چلے گئے۔

سلطان احمد نے ایک دستہ، جس میں کوئی ڈیڑھ سو سوار ہوں گے، راستہ روکنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اس دستے نے ایک مقام پر تاتاریوں پر حملہ کر دیا۔ تاتاریوں نے اس کے حملے کو تیروں کی بوچھاڑ سے روکا اور پھر اسے منتشر کر کے آگے بڑھ گئے۔

کچھ دیر بعد ان پر ایک اور حملہ ہوا اس مرتبہ وہ گھوڑوں سے اتر پڑے اور ان کی آڑ سے تیر چلائے یوں انہوں نے دوسرا حملہ بھی روکا اور بغدادیوں کو اب کے بھی مار بھگایا مگر ان کے گھوڑے جواب دے چکے تھے اور وہ خود بھی پیاس سے نڈھال ہو رہے تھے، چنانچہ انہیں پانی کی تلاش میں راستے سے ہٹنا پڑا یوں یہ تعاقب ختم ہو گیا۔

سلطان احمد تو زندہ سلامت دمشق پہنچ گیا لیکن اس کے اہل و عیال کو تاتاری امراء گرفتار کر کے تیمور کے پاس لے آئے بغداد نے تیمور کو حکمراں تسلیم کیا اور خراج بھی دیا۔ تیمور نے وہاں اپنا حاکم مقرر کیا اور جس طرح آندھی کی مانند گیا تھا اسی طرح بڑی سرعت سے واپس چلا آیا۔ روانگی سے پہلے تاتاریوں نے بغداد کی ساری شراب اکٹھی کر کے دجلہ میں انڈیل دی مگر وہاں کے منجموں اور معماروں کو تیمور سمرقند لے آیا۔

سلطان احمد شاعر اور ادیب بھی تھا، اس نے اس واقعے کے بارے میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ تھا کہ لوگ کہتے ہیں تم لڑنے سے بچنے کے لئے لنگڑاتے تھے مگر میں بھاگتے وقت نہیں لنگڑایا۔

تیمور کے واپس چلے جانے سے طوفان گزر تو گیا مگر سلطان احمد کو دولت وحشمت دونوں سے قریب قریب محروم کر گیا۔ وہ قاہرہ پہنچا تو سلطان مصر نے اسے پناہ دی اور کنیزیں اور غلام بھی فراہم کر دیئے مگر تاتاری سفیر بھی وہاں جا پہنچا اس نے اپنے امیر کا سلام پہنچایا اور کہا:

''چنگیز کے عہد میں آپ کے آباؤاجداد اور ہمارے بزرگوں میں جنگ ہوئی تھی مگر پھر ان میں صلح بھی ہوگئی تھی اس کے بعد ایران خانہ جنگی کا شکار ہو گیا مگر اب ہمارے امیر نے ایران میں امن بحال کر دیا ہے یہ ملک آپ کی سرحد سے ملا ہوا ہے اس لئے امیر کی خواہش ہے کہ تاجروں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع کیا جائے اور کوئی نزاع نہ ہو والسلام والحمدللہ رب العالمین''

مگر مصر کے حکمران نے اس سفیر کو قتل کروا دیا۔ بغداد فتح کرنے کے بعد تیمور مغربی سلطنتوں سے بہت قریب ہو گیا تھا مملوکوں کو یہ بات بری معلوم ہوئی چنانچہ ان کی فوجیں حرکت میں آ گئیں اور اس موقع پر انہیں غیر متوقع طور پر ایک زبردست حلیف بھی مل گیا۔ یہ سلطان ترکی بایزید تھا۔

ایک مرتبہ ایک تاتاری لشکر نے ایشیائے کوچک میں مداخلت کی تھی بایزید تیمور سے اسی وقت سے ناراض تھا چنانچہ اب اس کے اور مملوکوں کے درمیان تیمور کے خلاف معاہدہ ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ تیمور مغرب کی جانب اس سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ مملوک اور ترک سلطانوں کے یہیں یہاں شامی عربوں اور ترکمانوں کی وجہ سے محفوظ تھے چنانچہ جب انہوں نے مشرق کی جانب پیش قدمی کی تو فرات اور بحیرہ خزر تک کوئی مزاحمت نہیں ہوئی (111)

مصری فوج کے لشکر دجلہ کے راستے بغداد پہنچے سلطان احمد ان کے ساتھ تھا۔ اسے بغداد میں اس کے محل میں تخت نشین کیا گیا مگر اب اس کی حیثیت مصر کے مملوکوں کے صوبیدار کی سی تھی جب تک مملوک بغداد میں اور ترک موصل میں موجود رہے سلطان احمد سیدھا چلا مگر جب وہ اس کی کارگزاری سے مطمئن ہو کر واپس چلے گئے تو اس نے پھر اپنا

پرانا رویہ اختیار کرلیا اور تیمور کا حال معلوم کرنے کے لئے جاسوس سمرقند روانہ کردیئے۔وہ جب واپس آئے تو عجیب وغریب خبریں لائے۔

کہنے لگے: ''ہم نے جو کچھ وہاں دیکھا ہے اس کا حال سن کر آپ یقیناً حیران رہ جائیں گے سمرقند اب وہ سمرقند نہیں ہے جس میں اونٹ بندھے رہتے تھے اب تو وہاں نیلے گنبد ہی گنبد اور سنگ مرمر کے صحن ہی صحن ہیں جب ہم وہاں پہنچے اس وقت بھی تیمور ایک محل کی تعمیر کا معائنہ کررہا تھا،معماروں کا کام پسند نہ آیا تو اس نے حکم دے دیا کہ پوری عمارت منہدم کردی جائے اس کے بعد بیس دن تک روزانہ گھوڑے پر سوار ہوکر وہاں پہنچتا رہا اور خدا شاہد ہے کہ اس نے بیس دن کے اندر اندر محل دوبارہ تعمیر کروالیا۔پیش طاق اور گنبد سبھی کچھ بن گیا یہ پیش طاق چوبیس نیزے اونچا اور اتنا چوڑا ہے کہ اس میں پچاس آدمی کھڑے ہوسکتے ہیں۔''

سلطان احمد نے پوچھا: ''اور کیا کیا دیکھا؟''

جواب میں جاسوسوں نے بتایا کہ تیمور سنی اور شیعہ علماء کی مجلس میں بیٹھ کر مسئلے مسائل کی باتیں کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ:

''وہ جو کچھ ان سے کہتا ہے اس سے مجھے کیا لینا ہے'' سلطان احمد نے بات کاٹ کر کہا'' مجھے تو تم یہ بتاؤ کہ آجکل وہ کر کیا رہا ہے۔''

''واللہ!'' ایک جاسوس بولا'' خدا آپ کو ہم پر مہربان رکھے آجکل تو وہ ہندوستان گیا ہوا ہے۔''

اب ہر چند سلطان احمد کو یہ معلوم ہوگیا کہ اس وقت تیمور اس سے کم از کم ایک ہزار میل دور ہے پھر بھی اطمینان نہ ہوا اسے اپنا چٹیل صحرا میں بھاگنا اور تاتاریوں کا تعاقب کرنا یاد تھا۔ اپنے وزراء تک پر شک کرنے لگا اور ان میں سے کئی ایک کو تو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔پھر حفاظت جان کے خیال سے حرم سرا کے ایک کونے میں رہنے لگا۔جواب قریب قریب ویران پڑی تھی۔اور سرکیشیائی غلام اور حبشی شمشیر بردار اپنی حفاظت پر مقرر کردیے۔

محل کے بالاخانے کے جھروکوں میں سے' جہاں اس کی بیویاں رہتی تھیں بغداد کے ہجوم کو کشتیوں کے پل پر سے گزرتے دیکھا کرتا۔ دل میں اندیشہ تھا کہ کہیں تیمور اچانک نہ آ جائے۔ اپنے چند ایک قابل اعتماد سپاہیوں کی نگرانی میں آٹھ گھوڑے بھی دجلہ کے پرلے کنارے پر ایک اصطبل میں بندھوا رکھے تھے تاکہ اگر تاتاری اچانک آ نمودار ہوں تو مع اہل و عیال کے ان پر بیٹھ کر اور سامان لدوا کر فوراً فرار ہو جائے۔ پھر یہ حکم دے دیا کہ اس کے پاس کوئی نہ آیا کرے۔ غلام تک اس کے کمرے کے اندر نہ جا سکتے تھے۔ کبھی ایک جھروکے میں سے باہر جھانکتا کبھی دوسرے میں سے۔ محافظوں پر سے بھی اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا اور پھر خوف اس قدر غالب ہوا کہ حکم دے دیا ہمارا کھانا ایک خوان میں کمرے کے دروازے پر رکھوا دیا کرو۔ جب خدمت گار کھانا رکھ کر چلا جاتا تو دروازے کے کواڑ کھول کر خود خوان اٹھا لیتا۔

راتوں میں فرار ہونے کی مشق کرتا۔ بھیس بدل کر پل پر سے گزر کر جہاں گھوڑے بندھوا رکھے تھے۔ وہاں تک جاتا۔ انہیں دنوں اسے ایک رقعہ ملا جو دلکش ترین فارسی زبان میں تھا۔ یہ حافظ کے قلم سے ایک قصیدہ تھا جسے اس نے عرصہ ہوا بغداد بلایا تھا۔ اس نے لکھ کر بھیجا تھا:

احمد	اللہ	علی	معدلہ السلطان
احمد	شیخ	اویس	احمد ایلکانی
خان	بن	خان'	شہنشاہ' شہنشاہ نژاد
آنکہ	مے	زلیدا	گر جان جہانش خوانی
پرشکن	کاکل	ترکانہ	کہ در طالع تست
بخشش	و	کوشش	قاآنی و چنگیز خانی

ایک سال گزر گیا اور تاتاریوں نے بغداد کا رخ نہ کیا تو سلطان احمد کو یہ سمجھ کر قرار آنے لگا کہ اب وہ محفوظ ہے۔ مگر ایک دن یکا یک یہ قرار ایک نقارے کی گرج سے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

تیسرا حصہ

محفوظ شہر

دس سال تک سمرقند کو جنگ تو کجا جنگ کی ہوا تک نہ لگی اور تیمور کے بے پناہ ولولوں کے طفیل اس نے بڑی ترقی کی۔

جب سمرقند تیمور کے ہاتھ آیا اس وقت یہ کچی چنائی اور لکڑی کے مکانوں کا ایک معمولی سا شہر تھا۔ مگر تیمور نے اسے ''ایشیا کا روما'' بنا دیا۔ دوسرے ممالک میں جس کچھ پسند آیا سمرقند کی زینت بنانے کے لیے اٹھا لایا۔ ہر فتح کی یادگار کے طور پر ایک نئی عالیشان عمارت تعمیر کی' جنگ کے ہزاروں اسیر مہندس' سائنس دان' منجم' شاعر' صوفی لا لا کر بسائے' ارباب علم کے لیے اکادمیاں اور کتب خانے قائم کیے' اہل حرفت کے لیے تجارتی مرکزوں میں منظم ادارے اور جماعتیں بنائیں۔ منجموں کے لیے رصد گاہیں تعمیر کیں اور عوام کی تفریح کے لیے مختلف ممالک کے چرند پرند کا ایک چڑیا گھر بھی بنا دیا۔

یہ شہر تیمور کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ وہ جنگوں میں اتنا زیادہ منہمک کبھی نہیں ہوتا تھا کہ مفتوحہ شہروں سے ایسا شاہکار سمرقند لانا بھول جائے' جن سے اس کی زینت دوبالا ہو سکتی ہو۔ تبریز کا دودھیا سنگ مرمر' ہرات کی صقیل شدہ ٹائلیں بغداد کا نازک نقرئی کام اور ختن کا پاکیزہ یشب' اب یہ سب کچھ سمرقند میں موجود تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آئندہ کیا نوادر آئیں گے کیونکہ سمرقند کی ترقی کا جو نقشہ تیمور کے ذہن میں تھا اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ اس شہر سے اسے ویسی ہی محبت تھی جیسی ایک بڈھے کو اپنی جوان بیوی سے ہوتی ہے۔ جن دنوں کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں وہ سمرقند کی زینت بڑھانے کے لیے ہندوستان کو لوٹ رہا تھا۔ اس نے دس سال میں سمرقند کے لیے جو کچھ کیا اس پر ایک نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

۱۳۹۹ مطابق ۸۰۲ھ کے موسم بہار کا آغاز ہے۔ تیمور ہندوستان گیا ہوا ہے مگر اس

نے کابل اور درہ خیبر کے راستوں سے سمرقند سے سلسلہ آمد و رفت قائم کر رکھا ہے۔ ایک دن اس کے قاصد جنوبی شاہراہ سے آتے ہوئے شہر سبز سے آگے نکل گئے اور ایک میدان سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں تو درختوں کے جھنڈ خیموں اور جھونپڑیوں سے پٹے پڑے ہیں۔ یہ تازہ وارد وہ تھے جنہیں ابھی اور کہیں جگہ نہ ملی تھی۔ ان میں جنگی قیدی بھی تھے اور مفت خورے بھی اور ایسے لوگ بھی تھے جو اس نئی بہشت میں قسمت آزمائی کرنے آئے تھے۔ وہ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے تھے۔ اور ان کی عبادت کے طریقے بھی جدا جدا تھے۔ ان میں نصرانی، نسطوری، یہودی، عرب، مملوک، شیعہ، سنی سب تھے۔ بعض خالی خالی آنکھوں سے لوگوں کے منہ دیکھ رہے تھے اور بعض اضطراب اور تشویش کی حالت میں ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے شراب کے نشے میں ہیں۔

تاجروں کے گھوڑے اور اونٹ قطار در قطار بیٹھے تھے اور ان کے محافظ بھوسے کے گرد و غبار میں ہتھیار باندھے بیٹھے تھے۔ سڑک کے ایک طرف کنوئیں کے قریب ایک سنگین عمارت تھی جس پر نہ رنگ کیا گیا تھا نہ گنبد بنایا گیا تھا۔ یہ نسطوری فرقے کے عیسائیوں کا گرجا تھا۔ ان عجیب وغریب چھاؤنیوں سے آگے نکل کر سمرقند کے امیروں کی جاگیروں کا علاقہ آیا جس میں کہیں کہیں صنوبر کے درختوں کی ہری ہری کونپلوں کے درمیان میں سے کسی محل کی سفید سفید دیوار نظر آجاتی۔ قاصد ابھی شہر کی فصیل سے ایک میل ادھر تھے کہ سمرقند کے مضافات آگئے اور وہاں انہیں دور سے ایک مدرسے کے لاجوردی پیش طاق پر جلی حروف میں لکھا نظر آیا اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

یہاں سڑک کے دونوں طرف چنار کے درختوں کی قطاریں ہیں مگر بائیں جانب نہریں اور ان نہروں پر پل اور ان سے آگے باغات کا ایک پیچ در پیچ سلسلہ ہے۔ یہ قصر دلکشا کے مضافات ہیں جن میں سنگ تراش ابھی تک کام کر رہے ہیں کیونکہ تعمیر مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ایک طرف سرو کے اشجار نیز غنچوں سے لدے ہوئے پھلدار درختوں کے پیچھے پانچ سو قدم لمبی ایک دیوار نظر آرہی ہے۔ یہ ایک مربع احاطے کا صرف ایک ضلع ہے۔ ہر

ضلع میں اکہری اور طاقوں کا جال ہے۔ اور ہر دروازے کے ستون شیروں کی شکل کے ہیں

باغ کے اندر ایرانی باغبان کیاریوں گملوں اور پودوں کی غور و پرداخت میں مصروف ہیں اور غلام ملبا اٹھا کر ایک جگہ صاف کر رہے ہیں۔ سنگ مرمر کے ستونوں کے اس طرف مرکزی محل نظر آ رہا ہے۔ جس کی تین منزلیں ہیں۔ اس کا نقشہ اس طرح بنا تھا کہ بعض نامی گرامی نقشہ نویسوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق بہتر سے بہتر نقشے پیش کیے اور تیمور نے جس کو بہترین سمجھا اس کے مطابق تعمیر شروع کی۔

محل کے اندر داخل ہوتے ہی ایک بڑا کمرہ آتا ہے۔ اس میں ماہر فن نقاش ابھی تک کام کر رہے ہیں۔ ہر نقاش کو دیوار کا ایک حصہ دے دیا گیا ہے۔ ڈاڑھی والا چینی نقاش جو رنگین نقوش پسند نہیں کرتا، مو قلم سے سادے نقش بنا رہا ہے۔ اسکے قریب ہی شیراز کا شاہی نقاش جو شوخ رنگوں پر جان دیتا ہے رنگین گل بوٹے بنا رہا ہے ان سے ذرا آگے ایک ہندوستانی کاریگر کھڑا ہے جو نقش و نگار کا ماہر تو نہیں ہے مگر جسے گچ (سیمنٹ) پر سونے چاندی کے ورق چڑھانے میں کمال حاصل ہے۔ کمرے کی چھت پھولوں کا مرقع معلوم ہو رہی ہے جو سونے اور لاجورد میں پچی کاری کے بے مثال نمونے ہیں۔ دیواریں ایک طرح چمک رہی ہیں جیسے کوئی چینی کا برتن ابھی ابھی دھویا گیا ہے۔

شہر کے شمالی حصے میں بھی ایسا ہی ایک باغ ہے، جسے تیمور نے ہندوستان جانے سے پہلے مکمل کروا گیا ہے۔ وقائع نگاروں نے جو اپنے آقا کی سرگرمیوں کا حال روزانہ قلم بند کرتے رہتے ہیں، اس کے بارے میں یوں لکھا ہے:

> ''حضرت صاحبقران نے باغ شمال میں خیمہ و بارگاہ نصب کروا کے اسمیں ایک رات قیام کیا۔ یہ عمارت جشن اور تفریحات کے لیے بنائی گئی ہے۔ امیر نے ماہرین کے بنائے ہوئے نقشوں مین سے ایک نقشہ پسند کر کے چار امیروں کو چاروں کونوں کی بارہ دریوں کی تعمیر کی

دیکھ بھال پر مامور کیا ہے۔ آپ اس عمارت کی جلد تکمیل کے اتنے خواہاں تھے کہ ڈیڑھ مہینے تک وہیں قیام پذیر رہے تاکہ تعمیر کا کام جلد از جلد ختم ہو جائے۔ اس کی بنیاد میں چاروں کونوں پر تبریز کے سنگ مرمر کی سلیں رکھی ہوئی ہیں۔

قصر کی دیواروں کے نقش و نگار اصفہان اور بغداد کے فنکاروں کے شاہکار ہیں۔ انہوں نے یہ نقوش ایسی توجہ سے مرتسم کیے کہ امیر تیمور کے ذخیرہ عجائب میں چینی نقاشی کے جو نمونے تھے وہ بھی ان کے سامنے ہیچ نظر آنے لگے۔ صحنوں کا فرش سنگ مرمر کا بنایا گیا اور دیواروں کا نچلا حصہ اندر باہر دونوں طرف فرش کے سنگ مرمر سے میل کھاتی ہوئی سفید چینی کا ہے۔ باغ کا نام باغ شمال اور قصر کا نام قصر باغ شمال رکھا گیا''۔

ایسے ایسے باغوں میں واقع محلوں کے حلقے میں پانچ میل کے محیط میں سمرقند آباد ہے۔ شہر کے ایک دروازے ''باب لاجورد'' پر ایک قاصد ملاؤں کے ایک گروہ کو جو خچروں کے سوار ہیں اور پوری سڑک گھر کر چل رہے ہیں، راستے سے ہٹا کر آگے بڑھتا ہے۔ یہ قاصد ہتھیار لگائے ہوئے ہے اور اس کا گھوڑا پسینے میں شرابور ہے اور منہ سے جھاگ اڑا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ دور دراز سے تیز ترین رفتار پر چلا آ رہا ہے۔ اس کا چہرہ گرد آلود ہے، لال لال پیٹھ پر مشین کی طرح چابک مارے جا رہا ہے۔ غل پڑ جاتا ہے کہ ہندوستان سے حضرت صاحبقران کا قاصد آیا ہے۔

دروازے پر گشت کرنے والے لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں اب قاصد ہجوم کو چیر کر راستے بناتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ قاصد ارمنی محل سے نکل کر جہاں بجھے بجھے زرد زرد چہروں کے لوگ سمور کی پوستینیں پہنے ادھر ادھر کھڑے ہیں زین سازوں کے بازار سے گزرتا ہے۔ جہاں چمڑے کی بساند اور

تیل کی بدبو پھیلی ہوئی ہے۔اور شہر کے ایک حاکم کے محل کا رخ کرتا ہے۔وہاں محرر شاہی مراسلے کی نقلیں تیار کرنے کے لیے پہلے ہی ہمہ تن تیار بیٹھے ہیں۔ہجوم قاصد کے اندر داخل ہو جانے کے بعد باہر ہی کھڑا رہتا ہے۔کہ شاید کوئی خبر معلوم ہو مگر اس وقت تو بس اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ مراسلہ فوری توجہ طلب ہے۔

غل پڑ جاتا ہے کہ حضرت صاحبقران کا فرمان آ گیا ہے کہ مگر یہ نہیں کھلتا کہ فرمان کیا ہے۔حاکم کے کارپرداز گھوڑوں پر سوار ہو کر باہر چلے جاتے ہیں اور ادھر لوگوں میں قیاس آرائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

پہاڑی پر جو قلعہ ہے مسلح تا تاری پہریدار اس کے راستے میں پہرہ دے رہے ہیں۔یہاں شاہی بیگمات کے محل ہیں جن میں وہ اپنے اپنے دربار کرتی ہیں۔ہر محل میں ایک خانہ باغ بھی ہے۔انہیں میں سے ایک باغ میں آج جشن ہو رہا ہے۔

اس میں لالہ و گل کی کیاریاں ہیں جو دور تک پھیلتی چلی گئی ہیں۔چھت چینی پگوڈا کی وضع کی ہے یعنی نیچے سے گول اور اوپر سے نوک دار۔ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کے لیے محرابی دروازوں میں سے راستہ ہے‘جن پر گلابی رنگ کے ریشمی پردے لٹک رہے ہیں۔دیواروں اور چھت پر چاندی کے پترے جڑے ہوئے ہیں اجن پر سونے کا ملمع ہے۔ان پر موتیوں سے گل بوٹے بنائے گئے ہیں۔اور جھالروں کے ریشمی طرے ہوا سے ہلتے ہیں تو پھولوں کے جھومتے ہوئے گچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ریشمی کپڑے کے شامیانوں میں جو نیزوں پر تانے گئے ہیں۔مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے دیوان بچھے ہوئے ہیں۔فرش بخارا اور فرغانہ کے بیش قیمت قالینوں کا ہے۔ہر شامیانے میں سونے کی چوکیوں پر جو سالم سونے کی ڈھلی ہوئی ہیں۔عطر کی شیشیاں دھری ہیں۔جن میں سے کسی میں لعل کسی پر زمرد اور کسی پر فیروزے جڑے ہوئے ہیں بلوری صراحیوں میں نبیذ بھری ہوئی ہے۔شیشوں میں سے کسی مین شراب شیریں اور کسی میں بادہ تلخ ہے۔ان کی اندرونی سطح موتیوں کی ہے۔ایک صراحی کے قریب چھ بلوری جام شراب

سے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں ہر ایک میں دو انگل چوڑا ایک ایک لعل پڑا چمک رہا ہے۔

مگر جشن ان شامیانوں میں نہیں بلکہ بارہ دری میں ہو رہا ہے جس کے گرد دھوپ روکنے کے لیے قناتیں کھڑی کی گئی ہیں۔ یہاں پیرانہ سال امیر موید ارلات 'چندتا تاری' بہت سے ایرانی شہزادے اور مہمان آئے ہوئے افغان اور غرب سردار حاضر ہیں۔ جب یہ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھتے ہیں تو حضرت ملکہ سرائے خانم تشریف لاتی ہیں۔

ان کے آگے آگے حبشی کنیزیں اور دائیں بائیں خواصیں نظریں نیچی کیے باادب چل رہی ہیں۔ ملکہ معظمہ کے سر پر خود کی وضع کا تاج ہے جو جواہرات کشیدہ کاری کے کام اور ماتھے کے سنہری حلقے کی وجہ سے بوجھل ہو گیا ہے مگر وہ اس کے باوجود تن کر قدم اٹھا رہی ہیں۔ تاج کے منار نما کنگروں پر سفید پر اس قدر بہتات سے لگائے گئے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو ملکہ کے چہرے ور گالوں پر بھی گر پڑ رہے ہیں۔ ان پروں کے درمیان سونے کی مہین مہین زنجیریں ہیں جو اپنی زریں آب و تاب دکھا رہی ہیں۔

ملکہ کی قبا کا رنگ بھی قرمزی ہے۔ اس کے حاشیے پر طلا بانی کا کام ہے۔ پندرہ کنیزیں اس قبا کے دامن سنبھالے پیچھے پیچھے چل رہی ہیں۔ ملکہ کے چہرے پر غازہ ملا ہوا ہے۔ منہ پر مہین ریشم کا نقاب ہے اور بال شانوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔

جب ملکہ سرائے خانم بیٹھ چکتی ہیں تو ایک اور ملکہ داخل ہوتی ہیں۔ یہ عمر میں ان سے کم ہیں اور ان کا اتنا دبدبہ بھی نہیں ہے مگر متانت کا پیکر بنی ہوئی ہیں اور سرائے خانم سے ادب سے پیش آ رہی ہیں۔ ان کے گندمی رنگ اور ترچھی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نسلاً مغل ہیں اور حقیقت میں یہ ایک منگول خان ہی کی دختر ہیں جنہیں تیمور کی دوسری ملکہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

خدمت گاران دونوں بیگمات کو جام سونے کی کشتیوں میں رکھ کر پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر سفید رومال لپٹے ہوئے ہیں تاکہ ان کے ننگے ہاتھ کشتیوں کو نہ چھوئیں۔

دو زانو ہو کر کشتی بیگمات کی طرف بڑھاتے ہیں اور جب وہ جام اٹھا کر ان میں سے ایک ایک یا دو دو گھونٹ پی لیتی ہیں تو الٹے قدموں لوٹ جاتے ہیں۔ اب اور خدمت گار آگے آ کر امیروں کو جام پیش کرتے ہیں۔ جو انہیں خالی کرنے کے بعد کشتیوں میں اوندھا کر دیتے ہیں تاکہ میزبان دیکھ لے کہ مہمانوں نے اس کی مہمان نوازی کی قدر کی ہے۔

تیمور کا قیام اسی قلعے سے باہر ایک اور جگہ رہا ہے۔ آج کل وہ ہندوستان گیا ہوا ہے یہاں وادی کے سرے پر ایک الگ تھلگ بنے ہوئے قلعے' ان افسروں کے جو فوج کے ساتھ ہندوستان نہیں گئے نیز قاضیوں اور خزانچیوں کے خیمے ہیں۔ ایک جگہ اسلحہ خانے اور تجربہ گارہ کا کام بھی دیتی ہے۔

اس قلعے میں طرح طرح کے عمدہ اسلحہ رکھے ہیں اور یہاں مہندسو کے نقشہ کشی کے کمرے بھی ہیں جن میں بڑی بڑی میزوں پر عرادوں' منجیقوں اور نار رومی پھینکنے والی مشینوں کے نمونے نظر آتے ہیں۔ منجنیقوں کے نمونوں میں دونوں قسم کی منجیقوں کے نمونے ہیں ایک اوپر سے بھاری پتھر گرانے والی دوسری بٹی ہوئی رسیوں کے گھوپھیوں سے پتھر پھینکنے والی۔ ہیاں ایسے کمرے بھی ہیں جن میں تیغ گر تلواریں ڈھالتے ہیں۔ اور ان کی کاٹ کی آزمائش کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت وہ ہلکے خود بنا رہے ہیں جن میں بینی پناہ بھی لگی ہوئی ہے جسے چہرے کی حفاظت کے لیے نیچے کھینچا بھی جا سکتا ہے۔ اور چہرے پر سے ہٹایا بھی جا سکتا ہے۔

خزانے کی عمارت میں جانے کی اجازت نہیں مگر اس سے ذرا آگے گوشہ عزلت میں جا سکتے ہیں۔ یہ سنگ مرمر کی ایک عمارت ہے جس میں عجائب گھر اور چڑیا گھر ہے۔ اس کے صحن میں ایک درخت جس کا تنا سونے کا اور شاخیں اور پتے چاندی کے تیج دھوپ میں خوب چمکتا ہے۔ اس کی شاخوں پر پھولوں کی جگہ موتی اور ہر قسم کے چیدہ جواہرات لٹکائے گئے ہیں۔ جو بیر اور آلوچے کی شکل کے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اس پر پرندے بھی موجود ہیں جو چاندی اور سبز اور سرخ مینا کاری کے شاہکار ہیں۔ یہ پرندے اس طرح پر

پھیلائے ہوئے ہیں جیسے پھلوں پر چونچ مار رہے ہیں خزانے کی عمارت میں قلعے کا ای نمونہ بھی رکھا ہوا ہے جس کے چاروں برجوں پر فیروزے جڑے ہوئے ہیں یہ چیزیں ہیں تو کھلونے ہی مگر اس دولت کی علامات ہیں جو تمام دنیا سے کھچ کر سمرقند آ گئی ہیں۔

ایک اور قابل دید چیز سفری مسجد آج کل سمرقند میں نہیں۔ یہ نیلے اور قرمزی رنگ کی ایک ہلکی پھلکی سی چوبی عمارت ہے۔ جس میں چڑھنے کے لیے ایک اونچی سیڑھی لگائی جاتی ہے۔ اور روشنی رنگین شیشوں میں سے چھن چھن کر آتی ہے۔ اس کے پرزے الگ الگ ہو جاتے ہیں چنانچہ اسے کھول کر گاڑیوں پر لادا جا سکتا ہے۔ آج کل ہندوستان میں جب حضرت صاحبقران سفر کرتے ہیں تو اس مسجد کے حصے گاڑیوں پر لدے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اور انہیں روزانہ نماز کے اوقات پر خاص طور سے ان کے لیے جوڑ دیا جاتا ہے۔

اب تیسرے پہر کا وقت ہے۔ بازاروں میں بھیڑ بھاڑ، غل غپاڑے اور گرد و غبار کے علاوہ گرمی بھی ہے۔ یہاں تاتاری من سلویٰ سے لے کر جوان لڑکی تک ہر شے خرید سکتے ہیں۔ مگر اس وقت تو ان کے غول کے غول ان بازاروں میں سے ہو کر بی بی خانم کے مقبرے کی طرف جا رہے ہیں اور چونکہ ایک کارواں گزر رہا ہے اس لیے سڑک سے ہٹ کر گلیوں میں مڑ رہے ہیں۔ یہ کارواں خطا کی شاہراہ سے ابھی ابھی شہر میں داخل ہوا ہے۔ اس کے اونٹوں پر گرم مسالے کی بوریاں لدی ہوئی ہیں جو ماسکو کے راستے ہانسی شہروں (۱۱۲) کو جا رہا ہے۔ بوریوں پر چینی اور عربی زبانوں میں کچھ لکھا ہوا ہے اور ان پر تاتاری چنگی خانے کی مہر بھی ہے۔

بی بی خانم کا مقبرہ اور اس سے ملحق عمارتیں سمرقند کے اور بڑے بڑے محلوں کی طرح ایک پستہ پہاڑی پر واقع ہیں۔ جس کے چاروں طرف سفیدے کے پتلے پتلے تنوں کے درخت ہیں۔ یہ عمارتیں اتنی بڑی بڑی ہیں کہ ان کے تناسب کا اندازہ انہیں دور سے دیکھ کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ قریب سے اندازہ نہیں ہوتا کہ ان میں ایک مسجد ایک مدرسہ اور

استادوں اور شاگردوں کی قیام گاہیں شامل ہیں اور یہ ابھی مکمل نہیں ہیں۔ مسجد کا حجم، جس میں وسطی گنبد شامل نہیں، روما کے سینٹ پیٹر کے گرجا کے برابر ہے۔ اس کے مینار دو دو سو فٹ اونچے ہیں اس کی عمارت تک پہنچنے کے لیے سنگین فرش کے ایک کشادہ صحن سے گزر کر سنگ مرمر کے حوض کا چکر کاٹ کر جاتے ہیں اس وقت یہاں بڑی بڑی باوقار شخصیتیں تشریف فرما ہیں یعنی علمائے دین، جو علمائے بخارا کی وضع کے بڑے بڑے عمامے باندھے ہوئے ہیں، اور فلسفی حضرات جن کا علم طبیعات کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ فلسفی علماء سے مباحثہ کر رہے ہیں جن کا علم محض کتابی ہے۔

''ذرا یہ تو فرمائیے'' ایک سیاہ لبادہ پوش عرب عالم پوچھ رہے ہیں کہ بوعلی سینا کو طلب کس طرح آئی؟ کیا وہ خود مشاہدات اور تجربات نہیں کیا کرتے تھے؟

اور حلب سے آئے ہوئے ایک فلسفی صاحب جن کی ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے مقرر کی بات بڑی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا انہوں نے اپنے مشاہدات و تجربات کو کتابی صورت بھی نہیں دے دی؟

بجا ہے ایک اور صاحب کہتے ہیں اور انہوں نے ارسطو کی طبعیات بھی تو پڑھی تھیں صحیح ہے۔ ایک مولوی صاحب بول اٹھتے ہیں گو لہجے سے ظاہر ہے کہ ان مقتدر اجنبیوں کے سامنے زبان کھولتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں مگر بالآخر یہ حکیم کس نتیجے پر پہنچا اس کی کتاب کا انجام کیا ہے؟

واللہ! عرب عالم مسکرا کر کہتے ہیں مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ اس کی کتاب کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے مگر اس کا اپنا خاتمہ عورتوں سے بے محابا اختلاط کا نتیجہ تھا۔

آپ لوگوں کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ ایک بھاری آواز آتی ہے۔ میں بتاتا ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ جب اس حکیم حاذق کا وقت قریب آیا تو اس نے درخواست کی کہ اسے قرآن پڑھ کر سنایا جائے۔ یوں اس نے بخشش کی صورت نکالی۔

اس پر حلبی فلسفی سر اٹھاتا ہے اور کہتا ہے۔ تم تفکر کی سطح کو بحث مباحثے کی آلائش سے

گندہ کر رہے ہو۔ میں تمھیں امیر تیمور کا ایک واقعہ اس بارے سناتا ہوں کہ بحث مباحثہ کتنا بیکار ہوتا ہے۔

حاضرین اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ انھیں بتاتا ہے کہ دو سال قبل ایک موقع پر سمرقند کے عالم لوگ اور ایران کے شیعہ تیمور کے حضور میں بیٹھے تھے جہاں اتفاق سے وہ بھی حاضر تھا۔ تیمور نے ان سے سوال کیا کہ اس جنگ میں اس کی فوج کے مقتول سپاہی شہید سمجھے جائیں گے یا دشمن فوج کے؟ (یاد رہے کہ دونوں طرف فوجی مسلمان تھے) کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر ایک قاضی بولا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال کا جواب دے چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی جانوں کی حفاظت یا محض دلیری دکھانے کے لیے لڑتے ہیں وہ قیامت کے دن آپؐ کے دیدار سے مشرف نہ ہوں گے صرف وہی لوگ شرف حاصل کر سکیں گے جنہوں نے احکام قرآنی کے تحت جانیں دی ہوں گی۔" (۱۱۳)

"ہمارے امیر نے کیا کہا"؟ ایک ملا صاحب پوچھتے ہیں۔

"حضرت صاحب قران نے قاضی سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے۔ قاضی نے اپنی عمر چالیس سال بتائی۔ اس پر ہمارے امیر نے صرف اتنا کہا کہ میری عمر باسٹھ سال کی ہے۔ اور ان سب کو جنہوں نے بحث مباحثے میں حصہ لیا تھا تحفے تحائف دے کر رخصت محفل برخاست کر دی"۔

سامعین چند لمحے کے لیے اس واقعے کو ذہن نشین کرتے رہے تا کہ اوروں کے سامنے دہرا سکیں۔

"میرا خیال ہے" عرب عالم کہتے ہیں "آپ نے یہ شکایت شریف الدین کی تاریخ میں پڑھی ہے"۔

حلبی فلسفی تنگ آ کر کہتا ہے کہ میں نے جو کچھ سنا تھا وہی کہا ہے۔ شریف الدین ہی نے یہ حکایت مجھ سے سنی ہو گی۔

عرب عالم طنز کرتا ہے ”یہ تو ایسی بات ہے جیسے پسو کہے کہ یہ سب کپڑے میرے ہیں اس وقت وہاں آپ کے علاوہ اور کون کون تھا؟“

فلسفی بگڑ جاتا ہے۔ ”اگر تمہارے نزدیک حضرت صاحبقران کا ایمان کمزور ہے تو وہ دیکھو“ اور وہ اپنا ہاتھ عبا کی لمبی آستین میں سے نکال کر بی بی خانم کی مسجد کے پیش طاق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس کی لاجوردی زمین پر کیا ہوا سنہری کام اس وقت سایے میں ہونے کی وجہ سے دھندلا دھندلا دکھائی دے رہا ہے مگر جو نیلے نیلے تابناک آسمان کے پس منظر پر ایک ایسی جید عمارت کے نقش جیسا معلوم ہو رہا ہے جو سینہ صحرا سے ابھری ہوئی چٹان کی طرح ترشی ترشائی ہو۔

مگر عرب بھی کچھ کم نہیں ہے۔ جواب میں کہتا ہے ”میں دیکھ رہا ہوں مگر یہ تو امیر کی ایک ملکہ نے تعمیر کروائی تھی!“۔

یہ عمارت جس نے یا جس کے لیے تیمور نے بنوائی ہے وہ مسجد سے ملحق باغ میں سنگ مرمر کے ایک چھوٹے سے گنبد تلے مدفون بتائی جاتی ہے۔ مگر اصل میں دروازے کے ایک چوکور سنگ مرمر کی سل تلے دفن ہے جس پر سے آنے جانے والے دن بھر گزرتے ہیں۔ اور جہاں کالے کالے تیغ بردار تاتاری کھڑے پہرہ دیتے ہیں۔ اس کا نام بی بی خانم مشہور ہے۔ اصل نام کسی کو نہیں معلوم۔

عام طور پر لوگوں کو یہی معلوم ہے۔ کہ یہ قبر الجائی خاتون آغا کی ہے جس کی لاش شہر سبز ہے یہاں لا کر دوبارہ دفن بھی کی گئی تھیں مگر بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چین کی شہزادی کا مقبرہ ہے۔ (۱۱۴) اور اس کے بارے میں دلچسپ وقوعہ بھی لوگوں کی زبانوں پر ہے کہ ایک رات چور جواہرات کا وہ صندوقچہ چرانے آئے جو اس مقبرے میں رکھا رہتا ہے وت انہیں سانپ نے ڈس لیا۔ اگلے دن صبح کو پہرے داروں نے ان کی لاشیں وہاں پڑی ہوئی دیکھیں۔

اب دن ڈھلنے لگا ہے۔ سمرقند کے لوگ دن کے کام کاج اور علماء اور فلسفی بحث ومباحثہ

چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔بعض حماموں کا رخ کر رہے ہیں۔وہاں حمامی ان کے جسم کی مالش کریں گے۔اس کے بعد صابن مل مل کر سرد گرم پانی سے نہلائیں گے پھر بدن ایسے کمروں میں لے جا کر خشک کریں گے جن میں گرمی بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ اتنے میں کسی کا کوئی میلا کپڑا ہوگا تو وہ بھی دھل دھلا کر آ جائے گا۔اب وہ کسی امیر کے محل میں جائیں گے جس نے انہیں مدعو کر رکھا ہوگا۔یا دریا کے کنارے کسی باغ میں جا کر کھانا کھائیں گے۔ یہ جگہ سمرقند کے شہریوں کی تفریح گاہ ہے۔نانبائیوں کی دکانوں پر بکرے کے گوشت کے کباب' پلاؤ' خمیری روٹیاں اور شیر مالیں رکھی ہوتی ہیں' حلوائیوں کی دکانوں پر مصری کے کوزے اور مٹھائیوں کے تھال سجے ہوتے ہیں اور پھل والوں کے ہاں میوے اور تازہ انجیر آٹھ آنے سیر مل جاتی ہے۔بہت سے لوگ کھا پی چکنے کے بعد بازار کے سرے کے اس مے خانے میں جا کر بیٹھتے ہیں جس میں سے بازار کی رونق اور ہجوم کے گزرنے کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

دریا کے کنارے کنارے تمبو لگے ہوئے ہیں ان میں سے کسی میں پتلیوں کا تماشا ہو رہا ہے جو روشنی میں سفید پردے پر آپس میں لڑتی اور اکڑ اکڑ کر چلتی ہیں کسی میں جادو کی لالٹین سے تصویریں دکھائی جا رہی ہیں۔کہیں نٹ ان رسوں پر چل کر دکھا رہے ہیں جو دیکھنے والوں کے سروں کے اوپر تان رکھے ہیں اور کہیں قلابازیاں دریاں بچھا کر ان پر کرتب دکھا رہے ہیں۔بعض تاتاری ان تفریحات سے منہ موڑ کر باغ میں لالے اور انار کے کنجوں کا رخ کر رہے ہیں جن میں نیلے اور قرمزی رنگ کے قمقمے لٹکے ہوئے ہیں اور اہل ضیافت کے درمیان' جو قالینوں پر دو زانوں بیٹھے ہیں جام و سبو گردش کر رہے ہیں اس محفل میں تمام دن کی افواہوں کا تبادلہ اور خبروں پر تبصرہ ہو رہا ہے۔ایک موسیقار بھی موجود ہے جو چھتارے پر راگ الاپ رہا ہے۔جب موسیقی ختم ہوتی ہے تو ایک شاعر حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کر کے ایک غیر معروف شاعر کا جو نجومی بھی ہے اور خیام تخلص کرتا ہے یہ کلام سناتا ہے۔

ہم شطرنج کے مہرے ہیں جو خواہ مخواہ دوڑ بھاگ رہے ہیں ۔ عظیم شاطر فلک کی خوشنودی کے لیے۔

وہ کچھ وقت تک ہمیں زندگی کی بساط پر چلاتا رہتا ہے پھر ہم موت کی صندوقچی میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ (۱۱۵)

☆☆☆

بڑی خانم اور چھوٹی خانم

سمرقند کی تعمیر تیمور نے صرف اپنی پسند کے مطابق کی۔ دیگر تاتاری فاتحوں کے برعکس اسنے اس زمانے کے ایرانی طرز تعمیر کی نقل نہ اتاری۔ ایرانی عمارتیں دیکھ کر پسند ضرور کیں اور جنوب کے ملکوں سے معمار بھی ساتھ لے گیا مگر سمرقند کی قابل دید عمارتیں ایرانی طرز کی نہیں تاتاری طرز ہی کی بنائیں۔ سمرقند کے نیز تیمور کے آباد کیے ہوئے اور شہروں کے کھنڈر آج بھی تاتاری فن تعمیر کے مظہر نیز تاتاری ذہن و تخیل کے آئینہ دار ہیں اور کھنڈر ہونے کے باوجود لازوال حسن کے مالک ہیں۔

تیمور کی عمارتیں کبھی کبھی بلحاظ جزئیات بڑی بھونڈی اور مکروہ معلوم ہوتی ہیں بعض میں محرابوں کے سامنے کے حصے تابناک بھڑک لیے ہوئے ہیں مگر پیچھے نامکمل استر اور خالی اینٹیں ہیں تاہم ان کی بناوٹ کی سادگی کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ تیمور حجم اور وسعت کا دلدادہ تھا۔ کم ازکم دو دفعہ اسنے پوری عمارت گرا کر اس کی جگہ اس نے بڑی عمارت بنانے کا حکم دیا۔ اسے رنگ خصوصاً شوخ رنگ بھی بہت پسند تھا۔

تیمور کی طبیعت میں تاتاری نسل کی خشکی کے باوجود بادیہ نشینوں کی غیر گویا شاعرانہ حس پائی جاتی تھی۔ اسی لیے عمارتین سادہ مگر باعظمت ہوتی تھیں وہ صحرانشینوں کی طرح سبزہ و گل اور آب رواں کا بھی گرویدہ تھا۔ اور یہ بات قابل گور ہے کہ اس نے جو محل بنوائے ان کا مقصد باغوں کی تکمیل کرنا تھا۔

سمرقند میں عوام کے لیے ایک میدان تھا۔ جو ریگستان کہلاتا تھا۔ اس میں نماز پڑھائی جاتی باتیں چھتیں ہوتیں ملک ملک کی سیاحت اور خبروں پر تبصرے کیے جاتے۔ امرا اور سردار ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے اور تاجر لوگ سودے کرتے کراتے۔

اس کے چاروں طرف مسجدوں اور دار العلوم کی وہ عمارتیں تھیں جو تیمور کی پسند کے مطابق تعمیر کی گئی تھیں۔ ریگستان قلعے کے نیچے ایک پستہ پہاڑی کی چوٹی کے پورے پھیلاؤ پر محیط تھا۔ یہاں مصنوعی چشمے تھے جن سے پانی ابلتا رہتا تھا اور ہر وقت فوارے

چھوٹتے رہتے تھے۔

جس روز سرائے خانم کا جشن استقبال ہوا اس کے اگلے دن صبح سویرے اس میدان میں بڑا ہجوم ہے کیونکہ ایک دن پہلے سے ایک قاصد کی آمد کی خبر گرم ہے۔

''ابھی اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا'' سب امیر یہی کہہ رہے ہیں'' کہ پیغام ہمارے امیر نے بھیجا ہے'' مگر یہ پردہ داری کیوں؟ کیا کوئی آفت نازل ہوگئی ہے؟ یا کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے جسے راز میں رکھا جا رہا ہے؟

انہیں یاد آتا ہے کہ بڑے امیر اپنی خوشی سے ہندوستان نہیں گئے تھے۔ صرف تیمور کے جوش دلانے پر رضامند ہوئے تھے۔ اور تو اور تیمور کے پوتے محمد سلطان تک نے یہ کہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ہم ہندوستان فتح کر لیں مگر راستے میں جانے کتنی رکاوٹیں آئیں اول دریا دوسرے بیابان اور جنگل تیسرے زرہ پوش سپاہی اور چوتھے ہاتھی ہوں گے جو انسانوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔

اسی طرح ایک تاتاری امیر نے جو ہندوستان ہو کر آیا تھا۔ یہ بتایا تھا کہ ہندوستان بڑا گرم ملک ہے جس مین یک لخت اتنی سخت گرمی پڑنے لگتی ہے کہ زمین تپ اٹھتی ہے۔ پھر وہاں کی گرمی ہمارے ہاں کی گرمی جیسی بھی نہیں ہوتی بلکہ اس سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔ اور اس کی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ پانی بھی خراب ہے اور باشندے بھی جو زبان بولتے ہیں وہ ہماری زبان سے مختلف ہے۔ اگر فوج کو وہاں زیادہ عرصے تک رہنا پڑ گیا تو پھر کیا ہو گا؟

اس وقت ریگستان کی اس تاتاری مجلس میں داناؤں کے علاوہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تیمور کی فتوحات کے بعد تو خیر اور کاموں میں لگا دیے گئے مگر ان سے پہلے ممالک پر حکمرانی کر چکے ہیں۔ وہ یہ رائے ظاہر کر رہے ہیں کہ ہندوستان کی دولت کے بل پر ہم ساری دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔

اس بات کو سب سمجھ رہے ہیں کہ پہاڑوں کی اس طرف جو وسیع مملکت ہے وہ ایشیا کے

خزانے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور تیمور اس خزانے پر قبضہ کرنے گیا ہے۔ انہیں کچھ کچھ یہ خیال بھی ہے کہ تیمور چین تک پہنچنے کے لیے ایک نئی شاہراہ کھولنی چاہتا ہے۔ دو اور لشکر ختن سے آگے صحرائے گوبی میں راستے تلاش کرنے گئے ہوئے ہیں یا نہیں اور انہوں نے وہاں سے یہ اطلاع دی ہے کہ نہیں کہ ختن سے کمبالو تک دو مہینے کا راستہ ہے۔ انہوں نے کشمیر میں بھی راستے تلاش کیے ہیں مگر جہاں کے پہاڑ تاتاری مملکت اور چین کے درمیان حائل ہیں۔

سلطنت کے ان مشیروں کے پیش نظر یہ بات بھی ہے کہ تیمور نے حال ہی میں منگلی خان کی بیٹی سے شادی کی ہے۔ اور شہنشاہ کو فوت ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔

ان میں سے ایک کہتا ہے ”دنیا میں چھ بادشاہ اتنے عالی مرتبہ ہیں کہ پاس ادب سے ان کا تذکرہ نام لے کر نہیں کیا جاتا۔ یہ قول مشہور سیاح ابن بطوطہ کا ہے جو ان سب کے درباروں میں گیا تھا“۔

”چھ کہاں ہیں“ ایک افسر ہنستا ہے ”ایک ہی ہے اور اس کا نام امیر تیمور ہے“۔

مگر جو افسر اس سے زیادہ تجربہ اور علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں ”نہیں ابن بطوطہ نے ٹھیک کہا ہے۔ اس نے ان کے نام بھی بتائے ہیں۔ تقفور قسطنطنیہ (۱۱۶) سلطان مصر، شاہ بغداد، امیر تاتار، ہند کا مہاراج اور فغفور چین۔ اس وقت تک ہمارے امیر نے ان میں سے صرف شاہ بغداد کو شکست دی ہے۔

بوڑھے سیف الدین اور مویدارلات سمیت جتنے امیر ”ریگستان“ میں موجود ہیں وہ اپنی گزشتہ چالیس سال کی جنگوں پر نگاہ بازگشت ڈالتے ہیں۔ ان چالیس برسوں میں دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں میں سے صرف ایک حکمرون سلطان احمد امیر تیمور سے شکست کھا کر بھاگا ہے اور اب تو وہ بھی بغداد واپس آ چکا ہے۔

مغرب سے جو خبریں آ رہی ہیں وہ بھی کچھ اچھی نہیں۔ کوہستان قفقاز میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ اور سلطان بغداد نے عراق پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا۔ اگر خدانخواستہ امیر تیمور کو

ہندوستان میں شکست ہوگئی تو کیا ہوگا! مگر تیمور کی رعایا فتوحات کی خبریں سننے کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ اسے تیمور کے شکست کھانے کا گمان تک نہ ہوسکتا تھا کیا نوے ہزار تاتاری فوج درہ خیبر سے گزر کر دریائے سندھ پر پل نہیں باندھ چکی ہے؟ ملتان فتح نہیں ہوچکا ہے اوراب تیمور سلطان دہلی پر چڑھائی کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

وہ تاتاری امیر، جن کے ہاتھ میں داخلی نظام حکومت تھا ہاتھیوں کی جنگی صلاحیت کے بارے میں سوچنے لگے۔ یہ جانور انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔

اس روز صبح ''ریگستان'' میں یہ خبر سرعت سے پھیل گئی تھی کہ قاصد جو پیغام لایا ہے وہ معلوم ہوگیا ہے ِل قلعے کے پہرے دار تمام رات اسی کی وجہ سے تلاشیاں لیتے رہے ہیں؟ حضرت صاحبقران نے یہ فرمان بھیجا ہے کہ شادی ملک کو قتل کر دیا جائے۔

سارا سمرقند حیران ہوکر سوچنے لگا کہ یہ شادی ملک کون ہے! صرف چند لوگ اس بات کو جانتے تھے کہ وہ کون ہے۔ ان میں سے ایک بوڑھا سپہ سالار سیف الدین تھا۔

یہ بزرگ ترین امیر چند دنوں پہلے ایران سے سیاہ بالوں والی ایک حسینہ لایا تھا جس کا رنگ گورا آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ اور جو کسی حرم کی پروردہ تھی۔ خان زادہ کا سب سے چھوٹا بیٹا خلیل اس پر فریفتہ ہوگیا۔ اس کی درخواست پر سیف الدین نے یہ لڑکی اسے دے دی۔ اس طرح شادی ملک جو آداب دربار سے واقف تھا اور شاہی کنیزوں جیسے غمزے کرنے جانتی تھی تیمور کے پوتے کی آغوش کی زینت بن گئی۔

خلیل اس کی محبت میں کھو کر گھنٹوں اس کے زانو پر سر رکھے پڑا رہتا بلکہ اس سے شادی کرنے کی فکر کرنے لگا۔ اور شادی بھی ایسی کہ جس میں دربار کے تمام امیر اور شہزادے اور شہزادیاں شریک ہوں۔

لیکن تیمور نے یہ درخواست رد کردی اور حکم دیا کہ شادی ملک کو اس کے حضور میں پیش کیا جائے۔ اس پر وہ ڈر کے مارے کہیں بھاگ گئی یا ممکن ہے خلیل نے کہیں چھپا دیا ہو۔ ابھی یہ قصہ یہیں تک پہنچا تھا کہ تیمور کی فوج ہندوستان روانہ ہوگئی۔

اب تیمور نے ہندوستان سے یہ حکم بھیجا تھا کہ شادی ملک کو قتل کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اب خلیل نہ اس کی کچھ مدد کر سکتا تھا' نہ وہ چھپ سکتی تھی کیونکہ سمرقند کا چپہ چپہ چھانا جا رہا تھا۔ صرف ایک جائے پناہ رہ گئی تھی۔ شادی ملک نقاب میں چہرہ چھپائے ملکہ سرائے خانم کے محل میں پہنچ گئی۔ ملکہ کے قدموں میں گر کر اس کے پاؤں پکڑ لیے اور گڑگڑانا شروع کر دیا کہ میری جان بچائیے اس میں تاتاری عورتوں جتنی ہمت نہ تھی۔

ان دونوں عورتوں میں کیا باتیں ہوئیں یہ کسی کو معلوم نہیں مگر جو کچھ ہوا اس کا تصور تو کیا ہی جا سکتا تھا۔ ادھر ایک حسین لڑکی جس کی حنائی ہاتھ کی انگلیاں سنبل جیسی ہیں اور جس کے مرمریں گالوں پر ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں سے آنکھوں کا کاجل بہہ بہہ کر رخساروں پر کالی کالی لکیریں بنا رہا ہے' ملکہ کی منتیں کر رہی ہے ادھر ملکہ تاتاری روایات کے مطابق سنجیدہ اور پر تمکین ہے' تنی بیٹھی ہے۔ ادھر شادی ملک جو عیش و عشرت کی تخلیق ہے۔ خوف سے ہراساں اور لرزہ براندام ہے۔ ادھر سرائے خانم بیوہ بھی ہے اور بیوی بھی۔ اور پھر با اقتدار کی ماں اور دادی بھی ہے۔ جس کی زندگی پچاس سال سے تفکرات اور حل طلب مسائل میں گھری رہی ہے۔

مگر جب شادی ملک نے یہ کہا کہ وہ خلیل سے حاملہ ہے تو ملکہ بولی ''اگر یہ بات ہے تو پھر امیر تمہیں قتل نہیں کروائے گا''۔

اس نے شادی ملک کو اپنے خواجہ سراؤں کی نگرانی میں دے دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ تیمور کی واپسی تک اسے خلیل سے ملنے نہ دیا جائے''۔

یہ بات یوں تو معمولی سی تھی ایک شہزادہ ایک کنیز سے عشق کرنے لگا تھا مگر اسی معمولی سی بات پر مملکت کا مستقبل منحصر ہو گیا۔ سرائے خانم اور خان زادی میں بڑی سخت دشمنی تھی کیونکہ گو خان زادہ رشتے میں چھوٹی تھی مگر قریب قریب سوتیلی ساس جتنا ہی اثر و رسوخ رکھتی تھی۔ اور جاہ طلب ہونے کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ ذہین اور عقل مند بھی تھی۔ لوگ انہیں بڑی ملکہ اور چھوٹی ملکہ کہتے تھے۔

سلطنت کے لیے اچھا ہوتا کہ اگر بڑی خانم شادی ملک کو قتل ہو جانے دیتی مگر شادی ملک زندہ رہی کیونکہ تیمور کے ہندوستان سے واپس آنے کے بعد جب حاملہ اس کے سامنے پیش ہوا تو اس نے سرائے خانم کے فیصلے کی تصدیق کر دی۔

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ایک پیغام رساں سمرقند پہنچا جس نے وہ پیغام جو لایا تھا پوشیدہ رکھنے کی کوشش بھی نہ کی۔ اس نے محافظ سرائے اور صدر دروازے پر بدک بدک کر پیچھے ہٹتے ہوئے گھوڑوں کی راسیں کھینچ کھینچ کر چلا چلا کر کہا:

''فتح فتح ہمارے امیر کی فتح ہوئی!''

بعد میں اور پیغام رساں پہنچے تو ان سے تفصیلات معلوم ہوئیں۔ سلطان دہلی کے ساتھ جنگ سے تاتاریوں نے ایک لاکھ کے قریب قیدی ہلاک کیے تھے۔ ہندوستان کی فوج سے لڑائی ہوئی دہلی تسخیر ہوگئی (۱۱۷) ایک روایت تھی کہ ہاتھیوں کو نار رومی سے منتشر کیا گیا تھا۔

سمرقند میں یہ خوشخبری سننے کے بعد جشن منایا گیا۔ روزرات کو ''ریگستان'' میں لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ علماء خصوصی طور پر خوش ہوئے۔ شمالی ہندوستان قبضے میں آ گیا تھا۔ ایشیا کے خزانے کا دروازہ تیمور پر کھل چکا تھا۔ اور ہندو راجا پہاڑوں میں بھاگے جا رہے تھے۔ وہ ایک نئی خلافت کے خواب دیکھنے لگے جس کی قلمرو میں بغداد سے لے کر ہندوستان تک کا علاقہ ہوگا۔ انہوں نے سوچا کہ تیمور کے ماتحت جس طرح امن بھی قائم ہوگا اور دولت بھی حاصل ہوگی اسی طرح علماء کی طاقت بھی بڑھے گی۔

اگلے موسم بہار میں فوج شہر سبز اور تخت قراچہ (۱۱۸) کے راستے سے واپس آئی جہاں پہاڑ کی چوٹی پر کالے پتھر کی چہار دیواری کے اندر ایک باغ لگوایا گیا تھا۔

شہر کے باب لاجورد میں قالینوں کا فرش کیا گیا تھا۔ قلعے کو جو گلی جاتی تھی اس پر باغات بچھا ہوا تھا۔ چھتوں سے' اور باغوں کی دیواروں پر' ریشمی کپڑے اور کشیدہ کاری نیز زر کے کام کے کپڑے لٹک رہے تھے۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں ہر طرف چہل پہل تھی اور لوگ

اپنے اپنے بہترین لباس پہنے ہوئے چل رہے تھے۔

مقامی امراء و روٴسا باہر سے آئے ہوئے امرا اور شہزادوں نے شہر سے باہر نکل کر اپنے امیر کا استقبال کیا (۱۱۹) سرائے خانم اپنے خدم و حشم سمیت استقبال تھی مگر اس کی آنکھیں زرہ پوش سواروں میں اپنے نور عین شاہرخ کو ڈھونڈ رہی تھیں اسی طرح خان زادہ بھی اپنے دو بیٹوں محمد سلطان اور شہزادہ پیر محمد کی منتظر کھڑی تھیں جب یہ دونوں شہزادے پاس سے گزرے تو غلاموں نے سونے کا بورا اور موتی نچھاور کیے۔ اور جب تیمور کا گھوڑا قریب آیا تو اس کے قدموں میں زرو جواہر کا ڈھیر لگا دیا گیا۔

اس کے بعد جو کچھ نظر آیا اس سے لوگوں پر حیرت کی شدت سے سکتہ طاری ہو گیا۔ کوہ پیکر حیوان جن کے جسم طرح طرح کے رنگوں سے رنگے ہوئے تھے اس طرح جھومتے جھامتے چلے آ رہے تھے کہ جو گرد و غبار اڑ رہا تھا ان کی اونچی اونچی مسکیں اس کے اوپر ہلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ ہاتھیوں کے غولوں کے آگے والے ہاتھی تھے۔ کل ستانوے غول تھے جو اپنے سابق مالکوں کے خزانوں سے لدے ہوئے تھے۔

اس شان سے تیمور آٹھویں بار بحیثیت فاتح سمرقند میں داخل ہوا۔ وہ ہندوستان سے جو چیزیں لایا تھا ان میں دہلی کی جامع مسجد کا نقشہ اور دو سو معمار بھی تھے جنہیں اس نقشے کے مطابق سمرقند میں ایک جامع مسجد تعمیر کرنی تھی۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ تیمور نے سمرقند پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ حمام میں نہانے لگا۔

☆☆☆

تیمور کی جامع مسجد

تیمور ہندوستان کی فتح کی یادگار کسی ایسی عمارت سے قائم کرنا چاہتا تھا جو نئی وضع کی بھی ہو اور عالی شان بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ سمرقند پہنچنے سے پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ عمارت کیا ہونی چاہیے۔ کیونکہ ماہ مئی کی بیسویں تاریخ کو سمرقند میں داخل ہوا اور اٹھائیسویں تاریخ کو اس عظیم مسجد کی بنیاد رکھوا رہا تھا جو بعد میں شاہی مسجد کہلائی۔

اس کا طول و عرض عید گاہ جتنا رکھا گیا تھا تاکہ اس میں نماز کے وقت تمام کے تمام اہل دربار آسکیں۔ پانسو سنگ تراش کھدانوں سے سلیں نکالنے کے لیے روانہ کیے گئے اور جلد ہی یہ سلیں بھاری بھرکم پہیوں کی ان گاڑیوں پر لد کر سمرقند پہنچنی شروع ہو گئیں جنہیں نقل و حمل کی نو دریافت ہاتھی کھینچ رہے تھے۔ یوں پتھر پہاڑوں سے سمرقند لانے کا کام آسان ہو گیا۔ پھر تیمور کو ایک اور ترکیب سوجھی۔ اس نے سوچا کہ جسیم اور طاقتور ہاتھی موجود ہیں۔ انہیں تعمیر عمارت کے کام میں کیوں نہ استعمال کیا جائے۔ جب اس نے یہ مسئلہ مہندسوں کے آگے رکھا تو بہت جلد چرخیاں اور جر ثقیل تیار کر لیے گئے جو ہاتھیوں کے ذریعے چلائے جاتے اور وزنی پتھر بلندی پر بآسانی پہنچ جاتے۔

جب دیواریں اٹھ گئیں تو ہندوستانی کاری گر، جو تعداد میں دو سو تھے۔ اندر کے رخ کام کرنے لگے۔ تیمور جس یکسوئی سے جنگیں لڑتا آیا تھا اسی یکسوئی سے تعمیر کے کام کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ہندوستان فتح کر چکنے کے بعد اب اس کے ذہن میں تعمیر مسجد کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ گزشتہ موسم سرما میں وہ جنگوں کے لیے جن راستوں سے گزر چکا تھا ان میں دو لاکھ سے کم آدمی نہ مرے ہوں گے مگر تیمور ان باتوں کو بھول بھال چکا تھا، اب تو اس پر یہ مسجد بنانے کی دھن سوار تھی وہی سپہ سالار جنہوں نے لڑائی میں فتوحات حاصل کی تھیں اب مسجد کے میناروں ستونوں اور گنبدوں کی تعمیر کی نگرانی کر رہے تھے۔

چھت جو بہترین سنگ مرمر کی تھی چار سو اسی ستونوں پر رکھی گئی تھی۔ دروازے پیتل کے تھے منبر فولاد اور چاندی کا تھا اور نقش و نگار کی جگہ ماہر فن خطاط آیات قرآنی لکھ رہے

تھے۔

ابھی مسجد کی تعمیر شروع ہوئے پورے تین ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ موذن اس کے میناروں پر اذان دینے لگا اور منبر سے امیر تیمور کے نام پر خطبہ پڑھا جانے لگا۔

تیمور نے شہنشاہ کا لقب اختیار نہیں کیا۔ وہ ابھی تک امیر تیمور گورگاں ہی تھا۔ اس نے کبھی ترا یعنی چنگیز کی حکمران نسل کا فرد ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔ اس کی دستاویزیں اس طرح شروع ہوا کرتی تھیں کہ ''امیر تیمور نے یہ حکم دیا ہے ...... یا اس سے بھی زیادہ اختصار کے ساتھ یوں کہ ''میں خدا کا ایک بندہ امیر تیمور یہ کہتا ہوں کہ......''۔

مگر اس کے پوتے جو سب کے سب شاہی تاتاری بیگمات سے تھے مرزا اور سلطان کے خطابات رکھتے تھے۔ تیمور نے انہیں سلطنتیں جاگیر میں دے رکھی تھیں۔ محمد سلطان جن مقبوضات کا پیر محمد ہندوستان کا اور اس کا شریف طبع فرزند شاہرخ جو ہات میں محل تعمیر کر رہا تھا' خراسان کا حکمران تھا۔ معزول شدہ میران شاہ کے لڑکے مغرب کے علاقے میں دربار کرتے تھے اور اس وقت مغرب ہی میں بدامنی ہو رہی تھی۔

تیمور نے اب تک اپنے جانشین کے بارے میں کوئی وصیت نہ کی تھی نہ اشارے کنائے سے کچھ بتایا تھا۔ ملکہ سرائے خانم کو جو بوڑھی ہوتی جا رہی تھی' حالات اپنے موافق نہ ہونے کے باوجود یہ امید تھی کہ تخت وتاج اس کے فرزند شاہرخ کو دیا جائے گا' ادھر خان زادہ اپنے چھوٹے لڑکے خلیل کے لیے سازش سے لے کر خوشامد تک ہر جتن کر رہی تھی۔ رہے پوتے ان کے سلسلے میں اس نے کٹر غیر جذباتی رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

وہ بیوی اور بہو کی خواہشات سے بے پرواہ تھا۔ روز گھوڑے پر سوار ہو کر یہ نظارہ دیکھا کرتا تھا کہ ہاتھی تعمیرات کے کام میں کتنے کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔ ایک روز اسے خیال ہوا کہ شہر کا بازار آمد و رفت کے لیے تنگ ہے' فوراً حکم دے دیا کہ ریگستان سے دریا تک ایک نیا اور کشادہ بازار بنایا جائے جس میں دونوں طرف دکانیں رکھی جائیں اور یہ کام بیس دن میں ختم ہو جائے دو امیروں کو اس کام پر مقرر کیا۔ اور ان پر یہ بات واضح کر

دی کہ اگر اس حکم پر عمل درآمد نہ ہوا تو ان کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔

ان دونوں امیروں کو تن دہی سے کام کرنا پڑا۔ جس خط پر نیا بازار بنانے کا حکم دیا گیا مزدوروں کی ایک پوری فوج اس خط پر واقع مکانوں کو گرانے پر لگا دی گئی۔ مالکان کی کوئی بات نہ سنی گئی۔ جب مکانات گرائے جانے لگے تو وہ جتنا سامان لے جا سکے اسے جوں توں اٹھا کر وہاں سے چلے گئے۔ ملبا اٹھایا گیا۔ زمین ہموار کی گئی۔ پتھر کا فرش کیا گیا۔ نالیاں نکالی گئیں۔ کام جلد ختم کرنے کے لیے مزدوروں کو دو باریوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک دن کے وقت اور دوسری رات کو مشعلوں کی روشنی میں کام کرتی۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ رات کے مزدور بے پناہ شور میں آگ کے شعلوں کے قریب کام کرتے ہوئے ایسے محسوس ہوتے کہ جیسے ہزاروں کی تعداد میں جن جمع ہیں۔

نیا اور کشادہ بازار بن کر تیار ہو گیا۔ اس میں محراب دار ستون کھڑے کر کے ان پر چھت ڈالی گ ءاور دکانیں بنائی گئیں۔ گنبدی چھت میں ہوا اور روشنی کے لیے کھڑکیاں رکھی گئیں اور تاجروں کو حکم دیا گیا کہ جلد از جلد اپنا مال دکانوں پر سجا کر بیٹھ جائیں۔ ابھی بیس دن پورے نہ ہوئے تھے کہ نئے بازار میں چہل پہل شروع ہو گئی۔ تیمور اس میں سے گھوڑے پر سوار ہو کر گزرا اور کارگزاری پر اطمینان ظاہر کیا۔

مگر اس سے ایک قضیہ بھی پیدا ہو گیا۔ جو لوگ مکانوں سے نکالے گئے تھے انہوں نے معاوضہ طلب کیا اور بعض نے قاضیوں کی عدالتوں میں ہرجانے کے مقدمے دائر کر دیے۔ ایک دن تیمور قاضیوں کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا کہ ان میں سے کسی نے ہمت کر کے اسے یہ اصلاح دی کہ جن لوگوں کے کان نئی سڑک پر آ گئے ہیں انہیں معاوضہ دے دے۔

تیمور بگڑ کر بولا ”کیا یہ شہر میرا نہیں ہے؟“

اس قاضی کو اپنی جان عزیز تھی اور جلاد قریب ہی موجود تھا۔ چنانچہ اس نے یہ کہہ کر تیمور کا غصہ ٹھنڈا کیا کہ یہ شہر اسی کا ہے اس لیے جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔

مگر پھر تیمور تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا کہ ان لوگوں کو معاوضہ ملنا چاہیے اور آپ کا بھی یہی خیال ہے تو میں معاوضہ ادا کروں گا۔

ان دنوں ظاہر یہی ہوتا تھا کہ اب تیمور کے دل میں کوئی اور لڑائی چھیڑنے یا کوئی اور ملک فتح کرنے کا خیال نہیں ہے۔ مگر معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہ جنگ چھیڑنے سے پہلے معلومات حاسل کر رہا تھا۔ جو مملکت اس کے زیر نگیں آ چکی تھی وہ بجائے خود کافی طویل وعریض تھی۔ شمال کا علاقہ پہلے ہی سے اس کے قبضے میں تھا۔ اور اب وہ ہندوستان کی دولت بھی کھینچ چکا تھا۔ یہ درست ہے کہ دجلہ کیکنارے مغرب کا عالقہ اس سے چھن گیا تھا مگر ادھر کی کوئی طاقت بھی اس کی مملکت کے قلب پر حملہ آور ہونے کی جرات نہ کر سکتی تھی۔

تیمور اب چونسٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ جسم اب بھی حسب سابق طاقتور نظر آتا تھا مگر دو چار مرتبہ بیمار پڑ چکا تھا۔ ذہن اب بھی اتنا ہی حاضر رہتا تھا جتنا ادھیڑ عمر میں رہا کرتا تھا مگر اب طویل وقفوں تک خاموش رہتا اور طبیعت میں سختی بھی آ گئی تھی۔ جامع مسجد تو اس نے بنا ڈالی تھی مگر اس پر علماء کا کوئی اثر نہ تھا۔ دراصل وہ تمام عمر ایک اندرونی کشمکش کا شکار رہا۔ اس کے متقی باپ کا ایمان وایقان اس کے مرشد زین الدین کی نصیحتیں اور شرع محمدی‘ یہ تینوں اس کے خانہ بدوش آباء کے رجحانات جنگ وجدل کے شوق اور تباہی مچانے کی خوشی سے متصادم رہتی تھی۔ ان دنوں ایسا معلوم ہونے لگا کہ جیسے تیمور خانہ بدوشوں کے آئین زندگی کا قائل ہوتا جا رہا ہے...... مرد کے سامنے ایک ہی راستہ ہوتا ہے...... کشمکش فتح اور دنیا پر قبضہ کر کے اپنی شان بڑھاتا۔

مغرب کے بادشاہ...... قاہرہ کا خلیفہ اسلام‘ سلطان بغداد ار شہنشاہ ترکی...... اسلام کے ستون تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور ان سب کی نظر میں تاتاری فاتح وحشی اور ملحد تھا۔

تیمور کا ان پر لشکر کشی کرنا اسلامی دنیا میں تفرقہ ڈالنا اور کم از کم دس لاکھ مسلمانوں کو جنگ کی آگ میں دھکیلنا تھا۔ علماء امن برقرار رکھنے کے لیے کوشاں تھے۔ وہ تیمور کو غازی

کالقب دے چکے تھے۔اور ہر مسجد میں اسکی فتح ونصرت کی دعائیں اس لیے مانگی جاتی تھیں کہ اس نے اسلام کے لیےتلوار اٹھائی تھی۔

مگر تیمور کے خشک مزاج کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جب یوسف صوفی نے اسے دعوت مبارزت دی تھی تو وہ اورگنج کے دروازے پر بھی تنہا پہنچ گیا تھا۔اگر اسے کوئی للکارتا تو وہ ہرگز خاموش نہ بیٹھتا۔اوراب حالات یہ تھے کہ اس کی حفاظت اور پناہ میں اائے ہوئے سرداروں کوایشیائے کوچک سے باہر نکال دیا گیا تھا۔اس کے بیٹے کی مملکت پر حملہ کیا جا چکا تھا اور بغداداس کے مامور کیے ہوئے حاکم سے چھین لیا گیا تھا۔یہ سب کارروائیاں دعوت جنگ تھیں (۱۰۸) تیمور جنگ چھیڑنے سے پہلے ان کارروائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔

وہ مئی ۱۳۹۹ء میں سمرقند واپس پہنچا تھا۔ستمبر میں ایک بار پھر فوج لے کر نکل گیا اور پھر تین سال تک سمرقند نہ آیا۔

☆☆☆

سہ سالہ جنگ

اس جنگ کے سلسلے میں جو حالات تیمور کو درپیش تھے وہ بڑے عجیب تھے۔ اسے دشمن تک پہنچنے کے لیے مغرب کی سمت ایک ہزار میل کا سفر طے کرنا تھا۔ جہاں ان بادشاہوں کی سرحدیں' جنھوں نے اس کے خلاف اتحاد کر رکھا تھا' نیم دائرے کی شکل میں کوہستان قفقاز سے بغداد تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک لچک دار کمان پوری کھینچ جانے کے بعد محرابی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ تاتاری فوج جب خراسان کی شاہراہ پر روانہ ہوئی تو گویا وہ تیر کے پر دار سرے سے نوک پیکان اور کمان کے وسطی حصے کی طرف بڑھی۔ تیمور کی مغرب کی سمت یہ پیش قدمی نپولین کی مشرق کی جانب اس پیش قدمی کی مانند تھی' جو اس نے لیزگ کی جنگ سے پہلے اپنے دشمنوں کے نیم دائرے کی شکل کے مورچوں پر کی تھی اور پھر شکست کھانے کے بعد بڑی ہوشیاری سے پیرس واپس تو پہنچ گیا تھا مگر جس کے نتیجے میں اس کی پہلی مملکت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

نپولین کی طرح تیمور بھی اس لحاظ سے دشمنوں سے زیادہ فائدے میں تھا کہ دشمن مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے جن کے الگ الگ سردار تھے جبکہ ادھر فوج آزمودہ کار اور فرد واحد کی کمان میں تھی۔ مگر جن علاقوں میں سے فوجیں گزارنی پڑیں ان کے لحاظ سے تیمور کو نپولین سے زیادہ دشواری پیش آئی۔ نپولین یورپ کے آباد میدانی علاقوں میں سے بآسانی گزر گیا کیونکہ اس میں جا بجا سڑکیں اور دیہات تھے' مگر تیمور کے راستے میں مغربی ایشیا کے دریا پہاڑی سلسلے دلدلیں اور صحرا آئے جن سے گزرنا بڑا کٹھن کام تھا۔

جن راستوں سے وہ پیش قدمی کر سکتا تھا وہ بھی گنے چنے ہی تھے' اور یہ بھی قافلوں کی آمد و رفت کی ایسی شاہراہیں تھیں کہ ان میں سے کسی ایک پر روانہ ہو جانے کے بعد راستہ بدلنے کے لیے' دوسری پر جا سکنا ناممکن تھا۔ پھر ان پر مستحکم قلعے اور شہر بھی تھے جن میں سے ہر ایک کے دفاع کے لیے محافظ فوج موجود رہتی تھی۔ اور ان سب باتوں کے علاوہ تیمور کو موسمی تبدیلیوں اور گھوڑوں کے لیے چراگاہوں کی ضرورت کا بھی خیال رکھنا تھا تاکہ یہ

اندازہ کیا جا سکے کہ کب کس علاقے میں فصلیں تیار ہوں گی جن سے فوج کے لیے خوراک فراہم ہو سکے گی اور ہری گھاس بھی مل سکے گی یا نہیں بعض ملکوں سے جاڑوں میں گزر سکنا ناممکن ہوتا تھا۔ بعض میں گرمیوں میں سفر نہ ہو سکتا تھا۔ نپولین کو ان میں سے ایک شہر عکہ سے واپس چلا جانا پڑا تھا۔ اسی طرح وہ صحرائے شام کی شدید گرمی کی بھی تاب نہ لا سکتا تھا۔

دشمنوں کی سرحدوں کے نیم دائرے کے ساتھ ساتھ بارہ مختلف فوجیں تیمور سے نپٹنے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ اول تو جنگجو گرجستھانی قبائل اپنے کوہستان قفقاز کے مستحکم قلعے سے نکل کر آئے تھے دوسرے فرات کے منبع پر ترکوں کی ایک فوج راستہ روکے کھڑی تھی' پھر قرا یوسف بھی ترکمانوں کے غول کے ساتھ اپنی عادت کے مطابق لوٹ مار کے موقعے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ شام میں ایک طاقت ور مصری فوج ملک کی حفاظت کے لیے موجود تھی۔ اور جنوب میں بغداد تھا۔ اگر تیمور بغداد کی طرف پیش قدمی کرتا تو ترک شمال سے عقبی حملہ کر سکتے تھے اور اگر وہ ایشیائے کوچک میں ترکوں کے علاقے میں گھستا تو مصری فوج عقب سے اس پر آن پڑتی۔

پس تیمور نہ یورپ میں ترکوں کے قلعوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا اور نہ مصر میں مملوکوں کے دارالخلافے پر چڑھائی کر سکتا تھا بلکہ وہ تو ان میں سے کسی کو جنگ میں پہل کرنے پر بھی مجبور نہ کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس ترک اور مصری جب چاہتے ایشیا میں داخل ہو سکتے تھے (۱۲۲)۔

سب سے بڑی مشکل پانی کی فراہمی تھی۔ تیموری فوج کے ساتھ اونٹ تو ہوتے ہی تھے گر اب کے تیمور ہاتھی بھی ساتھ لے گیا تھا۔ تاہم فوج کا بیشتر حصہ گھڑ سوار تھا اور ہر سپاہی کے پاس ایک ایک لام پر لے جانے والے پہلے راستے میں پڑنے والے علاقے کی حالت سے واقفیت اشد ضروری تھی۔ تیمور کوچ کے دوران میں روزانہ جغرافیہ دانوں اور تاجروں سے معلومات حاصل کرتا رہتا۔ فوج کے آگے آگے اس کے ہراول دستے اور

ان سے آگے نکل کر ناظر دشمن کے مقامات حرکات اور پانی کے متعلق اطلاعات بھیجتے رہتے۔ناظروں سے آگے تیمور کے جاسوس مختلف سرحدیں پار کرکے آگے بڑھتے رہتے۔

شروع میں تیمور بلا عجلت اور نہایت پرتکلف انداز سے کوچ کرتا رہا۔سرائے خانم دو اور بیگمات اور کئی پوتے اس کے ساتھ تھے اور خراسان کی شاہراہ تیموری شان وشوکت کی جلوہ گاہ بنی ہوئی تھی۔

اس دوران میں تیموری فوج کے افسر تبریز میں مغربی مہم کے لیے مستقر تعمیر کرتے اور قراباغ کا میدان گھوڑے رکھنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔خود تیمور خط وکتابت کر رہا تھا۔اس نے ایک خاص طور پر تاتار خاں کو لکھا جو اس وقت روسی سطح مرتفع کا حاکم تھا۔اس کا نام ایدکو بتایا جاتا ہے۔اس نے تیمور کے خط کے جاب میں صفائی سے لکھ دیا کہ اے امیر تیمور! تم نے دوستی کا ذکر کیا ہے۔ میں تمہارے دربار میں بیس سال تک رہ چکا ہوں اس لیے تمہیں اور تمہاری چالاکیوں کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہوں۔اگر ہم دونوں کو دوست بن کر رہنا ہے تو تلوار ہر وقت ہاتھ میں رکھنی ہوگی" بایں ہمہ سطح مرتفع کے تاتاری اس مہم میں تیمور سے الجھے نہیں اور آخر تک غیر جانبداری رہے۔

تیمور نے ایک خط بایزید یلدرم کو بھی لکھا۔جس میں نسبتاً زیادہ نرم لہجہ اختیار کیا۔اس نے بایزید سے درخواست کی کہ وہ قرا یوسف اور سلطان احمد کی مدد نہ کرے۔یہ دونوں اپنے کو ترکوں کی حفاظت میں دے چکنے کے علاوہ بایزید سے باقاعدہ معاہدہ بھی کر چکے تھے۔تیمور کو بایزید سے اس وقت تک کوئی پرخاش نہ تھی۔ بلکہ وہ ترکوں کی جنگی طاقت کا احترام کرتا تھا۔اور شاید ترکوں کے یورپ میں رہنے کی صورت میں ایشیا میں ان سے جنگ کرنے کا خواہاں بھی نہ تھا۔

مگر بایزید نے بڑا غیر مصالحانہ جواب دیا۔اس کے خط کا مفہوم یہ تھا کہ "اے خونی کتے تیمور سن لے! ترک نہ اپنے دوستوں کو پناہ دینے سے انکار کرتے ہیں نہ دشمنوں سے

لڑنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور نہ وہ جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے کے عادی ہیں"

تیمور نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس نے بایزید کو یہ طعنہ دیا کہ عثمانی ترک خانہ بدوش ترکمانوں کی نسل سے ہیں اور لکھا کہ میں تمہاری اصل سے واقف ہوں اور آخر میں یہ صلاح دی کہ مقابلے پر آنے سے پہلے اچھی طرح غور کرلو۔ میرے پاس ہاتھیوں کی فوج ہے جو انسانوں کو کچل ڈالتے ہیں۔ مگر تم سے توقع نہیں کہ غور کرو گے کیونکہ ترکمانوں نے آج تک کبھی غور و فکر کی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بہرحال پھر سن لو' اگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو پچھتاؤ گے' اس لیے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ اور وہی کرو جس میں فائدہ نظر آئے۔

بایزید نے جواب میں جو خط بھیجا اس میں اپنی فتوحات کی داستان بیان کی کہ وہ کس طرح یورپ کو جو کافروں کا گڑھ ہے فتح کرتا چلا جا رہا ہے۔ کس طرح اس کا باپ بھی دین کے لیے شہید ہو چکا ہے۔ اور کس طرح اب وہ اسلام کا محافظ ہے۔ اس نے لکھا "ہم نے مدت سے تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ کر رکھا ہے۔ الحمدللہ اب اس کا وقت قریب آ گیا ہے اگر تم خود لڑنے نہ آؤ گے تو ہم چڑھائی کر کے سلطانیہ تک تمہارا تعاقب کریں گے پھر دیکھیں گے کہ کون فاتح بنتا ہے اور کسے شکست ہوتی ہے"۔

تیمور نے اس کے خط کا اس وقت کوئی جواب نہ دیا مگر کچھ دن بعد اس مضمون کا ایک مختصر سا خط بھیجا کہ بایزید قرا یوسف اور احمد کا ساتھ چھوڑ دے تو جنگ ٹل سکتی ہے۔

بایزید نے فوراً جواب دیا اور بڑا سخت جواب دیا اتنا سخت کہ تیمور کے وقائع نگار اس کو دہرانے کی جرات نہیں کر سکے (۱۲۴) اس نے سرنامے کے اوپر اپنا نام آب زر سے اور اس کے نیچے کالے حرفوں میں تیمور لنگ لکھوایا اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھی کہ تیمور کی چہیتی بیوی کی عصمت دری کرے گا (۱۲۵) جس سے تیمور غصے کے مارے بے قابو ہو گیا۔

اس دوران میں جب یہ خط و کتابت ہو رہی تھی تیمور نے جنگی تیاری کے سلسلے میں بہت کچھ کر لیا۔

سب سے پہلے اس نے اپنی بیگمات کو ان کے درباروں سمیت خطرے سے باہر رکھنے کے لیے سلطانیہ روانہ کیا پھر اعظم الجیش کو تو قراباغ میں رہنے دیا مگر دائیں جانب کوہستان قفقاز میں گرجستھانیوں کی سرکوبی کے لیے علیحدہ علیحدہ لشکر روانہ کیے جنہوں نے ایک بار پھر گھنے جنگلوں میں سے گزر کر عیسائی فوجوں کو فیصلہ کن شکست دے دی تمام علاقے کو لوٹ مار اور آتش زنی کا نشانہ بنایا اور گرجا تک گرا دیے بلکہ انگوروں کی کیاریاں بھی روند ڈالیں اس مرتبہ نہ شرائط صلح پیش کی گئیں اور نہ کسی کو امان دی گئی۔ میدان جنگ میں صف بستہ دشمن فوجوں کے لیے تیمور کے دل میں رحم کی رمق بھی نہ ہوتی تھی۔

یہ تھے وہ حالات جن میں پندرھویں صدی عیسوی کا آغاز ہوا۔ جونہی برف پگھلنی شروع ہوئی تیمور کی فوجوں نے کوچ کر کے ارض روم کے راستے ایشیائے کوچک کا رخ کیا اور ۱۴۰۰ء کے موسم گرما کے وسط تک سیواس تک ے تمام شہر فتح کر لیے۔

سیواس ایشیائے کوچک کا کلیدی شہر تھا۔ ادھر ترکوں کی سرحدی فوج پیچھے ہٹی ادھر تاتاریوں نے شہر پناہ پر حملہ کر دیا۔ اس کی دیواروں تلے سرنگیں کھودیں اور جب بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں تو دیواروں کو لکڑیوں پر روکا اور پھر ان میں آگ لگا دی۔ دیواریں گر پڑیں۔ تیموری فوج شہر کے اندر گھس گئی۔ مسلمان آبادی کو کچھ نہیں کہا گیا مگر چار ہزار ارمنی سوار فوج جس نے تاتاریوں کی قدم قدم پر مزاحمت کی تھی خندق میں زندہ دفن کر دی گئی۔

شہر فتح ہو جانے کے بعد تیمور نے جو فصیل توڑی تھی اس کی مرمت کروائی۔ جو ترکمانی دستے کہیں کہیں سے نمودار ہوئے انہیں بھگایا اور تیز رفتار سے ملکییہ پر پیش قدمی کی جو جنوبی علاقے کا دروازہ تھا۔ اور جس روز ترک حاکم شہر اپنے عملے سمیت وہاں سے بھاگا ٹھیک اسی دن تیمور ملطیہ میں داخل ہوا۔

مگر وہاں سے شمال کی سمت ایشیائے کوچک کی جانب بڑھنے کے بجائے تیمور نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا جو جنوب میں تھا۔ اس پر تیموری امیر اکٹھے ہو کر

اس کے پس آئے اور عرض کی کہ ہندوستان کی مہم ختم ہونے کے بعد گزشتہ ایک سال میں ان کی فوجیں دو ہزار میل چلی ہیں اور انہوں نے دو لڑائیاں بھی لڑی ہیں۔ اس لیے آرام کیے بغیر شام کی طرف کوچ مناسب نہیں وہاں دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور تمام شہروں کے گرد مضبوط اور مستحکم فصیلیں بھی ہیں۔ پہلے اپنے جوانوں اور گھوڑوں کو آرام کرایا جائے اس کے بعد کوچ مناسب رہے گا۔

''تعداد کوئی چیز نہیں ہوا کرتی'' تیمور نے سخت لہجے میں کہا اور اس کی قوت ارادی کا تازیانہ کھا کر فوج جنوب کی طرف روانہ ہوگئی۔

اس نے عنتاب فتح کیا اور آگے بڑھ گئی۔ حلب پہنچی تو وہاں سلطان مصر کی فوجوں کو اپنا منتظر پایا۔ تاتاریوں نے اپنی رفتار دھیمی کر دی اور چپکے چپکے قدم قدم کر کے آگے بڑھنے لگے روز تھوڑا فاصلہ طے کرتے اور حفاظت کے لیے خندقیں کھود لیتے اور رکاوٹیں کھڑی کر لیتے۔ مملوکوں اور شامیوں نے اسے ان کی کمزوری سمجھا اور لڑنے کے لیے فصیل سے باہر نکل آئے۔ تاتاری فوراً رکاوٹوں کے پیچھے سے نکلے اور ان پر حملہ کر دیا۔ ہاتھی جن کے ہودجوں میں تیر انداز اور انار رومی پھینکنے والے بیٹھے تھے درمیان میں رکھ کر ان پر حملہ کر دیا۔

ابھی تاتاریوں کے اس حملے کا زور بھی نہ بندھا تھا کہ شامی اور مصری بھاگ کھڑے ہوئے۔ تاتاری لڑ بھڑ کر حلب کے اندر گھس گئے اور پہاڑی پر جو قلعہ تھا اسے فتح کیا اور بغیر رکے دمشق کی طرف بڑھ گئے۔ یہ ۱۴۰۱ء کا جنوری کا مہینہ تھا۔

دمشق والوں نے صلح کی درخواست کی۔ مگر شرائط صلح میں حیل و حجت شروع کر دی۔ مقصد وقت گزاری تھا تاکہ ایک اور فوج تیار کرنے کی مہلت مل جائے۔ لیکن جب تیمور کی فوج دمشق کے قریب سے گزرنے لگی تو صلح ہونے کے باوجود دشمن کی متحدہ فوجوں نے عقب سے اس پر حملہ کر دیا۔ شروع میں تھوڑی دیر افراتفری رہی پھر تیمور نے اپنے لشکروں کو ترتیب دے کر حملہ کیا تو بہت جلد میدان صاف ہوگیا۔

اب اس نے پلٹ کر دمشق کو لوٹ مار کا نشانہ بنایا۔ شہر میں ایسی زبردست آگ لگائی گئی جو کئی روز تک بھڑکتی رہی۔ اور اس سے مکان جل جل کر گرے تو مقتولوں کی لاشیں ان کے کھنڈروں تلے دفن ہو گئیں (۱۲۶)۔

مصری لشکروں میں سے جتنے زندہ بچ گئے وہ فلسطین کی راہ مصر کی طرف بھاگے۔ سلطان مصر نے تیمور کو روکنے کی آخری کوشش کی کہ ایک فدائی کو حشیش پلا کر اس کے ہاتھ میں خنجر تھما کر تیمور کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ مگر وہ پکڑا گیا اور اس کے پرزے اڑا دیے گئے۔

جب دمشق جل رہا تھا تو اس دوران میں تیمور کو اس کا ایک گنبد (۱۲۷) اتنا پسند آیا کہ اس کا نقشہ اسی وقت تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ ایک مسجد کا گنبد تھا۔ اور دور سے میدان میں سے نظر آتا تھا تیمور کے اس گنبد کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ چپٹی نوک دار وضع سے تاتاری گنبدوں سے مختلف تھا اور ان سے زیادہ خوشنما تھا۔ اس کی شکل انار جیسی تھی اور گولائی لیے ہوئے اوپر کی طرف جا کر نوک دار چوٹی پر ختم ہوتا تھا۔

ظاہر ہے کہ تیمور نے جتنی عمارتیں اس وقت تک دیکھی تھیں یہ ان سب سے مختلف اور زیادہ شاندار معلوم ہوا اسی لیے پسند آ گیا۔

دمشق کا یہ خوبصورت گنبد تو شہر کی اور عمارتوں کی طرح جل کر خاکستر ہو گیا مگر اس کے بعد تیمور اور اس اولاد نے جتنی عمارتیں تعمیر کیں ان پر اس جیسا گنبد ضرور بنوایا۔ صدہا سال بعد یہ ہندوستان پہنچا اور تاج محل نیز مغل بادشاہوں کے محلات کا تاج زینت بنا۔ روس میں ہر گرجا کا گنبد اسی جیسا ہے۔

☆☆☆

اسقف یوحنا یورپ روانہ ہوا

دمشق سے تیمور ایک بار پھر پلٹ آیا۔ جس طرح ان نے ترکوں کی مملکت میں زیادہ آگے جانا مناسب نہ سمجھا تھا اسی طرح اب صحرائے شام سے بھی واپس آ گیا۔ البتہ تکمیل مہم کے لیے ایک لشکر ارض مقدس کی طرف روانہ کر دیا کہ علہ تک مصری فوج کا تعاقب کرے۔ (یہ وہی علہ ہ جسے صلیبی جنگ باز اکری کہتے تھے اور جو بعد میں نپولین کے لیے سد راہ ثابت ہوا) اور بہت سے اور لشکر بغداد کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیجے۔

تیمور خود اسی راستے واپس ہوا جس سے دمشق پہنچا تھا اور حلب تک آیا۔ یہ مئی ۱۴۰۱ء کا مہینہ تھا رفتار سفر گھٹا دی تھی۔ تاتاری لاکھ سخت جان سہی مگر برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جب فوج فرات پہنچی تو تیمور نے ایسے شکار کھیلنے کی اجازت دی۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ شراب ہرن کے گوشت کے ساتھ اور بھی خوش ذائقہ معلوم ہونے لگی۔

یہاں پہنچ کر اس نے اپنے تبریز کے مستقر سے سلسلہ مواصلات قائم کیا اور جن امیروں کو وہاں چھوڑ آیا تھا ان سے اطلاعات حاصل کی گئیں۔ اسی طرح سمرقند کے حالات بھی معلوم کیے۔ اس نئے انتظام سے سیواس سے ہفتے کے ہفتے جو خبریں آنے لگیں ان پر اس نے نسبتاً زیادہ توجہ دی کیونکہ سیواس بایزید یلدرم کی مملکت کا دروازہ تھا اور تیمور نے وہاں سے دو سو میل کے اندر اندر اپنی فوج کا بیشتر حصہ جلد از جلد پہنچا دیا تھا۔

مگر پھر جو امیر بغداد بھیجے تھے ان کی طرف سے ایک ایسا پیغام ملا کہ اسے جنوبی شاہراہ پر روانہ ہونا پڑ گیا۔ اس پیغام سے یہ پایا جاتا تھا کہ بغداد کی محافظ فوجوں کے سپہ سالار فراج نے شہر ان کے حوالے نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ سلطان احمد بھاگ کر بایزید کے پاس جاتے وقت یہ حکم دے گیا تھا کہ اگر تیمور خود بغداد پہنچ جائے تو بے شک شہر اس کے حوالے کر دے لیکن اگر وہ بذات خود نہ آئے تو ترکوں کے تاتاریوں پر حملہ آور ہونے تک مقابلہ کرتا رہے۔

تیمور کجاوے میں بیٹھا اور اپنی فوج کے ساتھ منزلیں مارتا ہوا جانب جنوب روانہ ہوا۔

جب وہ بغداد پہنچا تو سلطان احمد کے افسروں کو اندرون شہر سے اطلاع کرائی گئی۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک افسر کو جو تیمور کو پہچانتا تھا اس اطلاع کی تصدیق کے لیے بھیجا۔ مگر تصدیق ہو جانے کے بعد بھی فراج نے سلطان احمد کے حکم پر عمل نہ کیا۔ شاید پہلے شہر تیمور کے حوالے نہ کرنے کے بعد اب ایسا کرتے ہوئے ڈرتا ہو یا اسے یہ توقع ہو کہ تاتاری اس گرمی کی تاب نہ لاسکیں گے جس سے وادی دجلہ تنور بنی ہوئی ہے اور محاصرہ اٹھا لیں گے (حالاں کہ اسے یہ ضرور معلوم ہوگا کہ تاتاریوں نے چالیس سال کی پے در پے جنگوں میں ایک بار بھی کہیں محاصرہ نہیں اٹھایا تھا) اس کے علاوہ بغدادیوں کو اس کا بھی گھمنڈ تھا کہ ان کی شہر پناہ کی سنگین دیواریں بہت مضبوط ہیں۔

ادھر تیمور بغداد کا طویل محاصرہ کرنا ہی نہ چاہتا تھا۔ تقریباً دو سال سے اس کی فوج آرام لیے بغیر جنگیں لڑتی آ رہی تھی، پھر اس فوج کا بیشتر حصہ ترکوں کو روکنے کے لیے نو تعمیر مستقر تبریز میں جمع تھا اور خود تیمور کو بھی اپنے منصوبے کے مطابق اس وقت وہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ انتہائی تیز رفتار سے بغداد اس لیے پہنچا تھا کہ ادھر سے نمٹ کر جلد تبریز واپس پہنچ جائے گا۔ مگر گرمی کی وجہ سے یہ مقصد فوت ہو گیا اور اسے تپتے ہوئے بنجر میدان میں خوراک اور چارے کی قلت برداشت کرنی پڑ گئی۔

لیکن بغداد ؛ وادی دجلہ کا کلیدی مقام مصر سے آنے والی فوجوں کا مقام اجتماع اور ایشیا میں اس کے دشمنوں کا آخری مستحکم قلعہ بھی تھا۔ تیمور نے ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنا منصوبہ بدل دیا۔ شاہ رخ کے پاس قاصد یہ پیغام دے کر دوڑایا کہ دس آزمودہ کار لشکر مع مہندس و آلات کا محاصرہ لے کر فوراً بغداد پہنچے ناظروں کی ایک جماعت ایشیائے کوچک میں ترکوں پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیج دی اور شہزادہ پیر محمد کے نام جو سمرقند میں تھا، یہ حکم جاری کر دیا کہ وہاں جتنی فوج چھوڑ رکھی ہے اسے لے کر مغرب کی طرف روانہ ہو جائے (۱۲۸)۔

جب شاہرخ پہنچا تو تیمور نے بغداد کی دیواروں تلے اپنی گھڑ سوار فوج کا ایک رسمی

معائنہ کیا اور ایک لاکھ تاتاریوں نے علم بلند کر کے نقارے بجائے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے باشندگان شہر کی آنکھوں کے سامنے قواعد کی مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور تیمور نے بڑے غصے کی حالت میں بغداد کو تباہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

شہر کے جنوب میں دجلہ پر کشتیوں کا پل بنایا گیا تاکہ محاصرہ کرنے والے دریا کے ایک کنارے پر دوسرے کنارے تک آجا سکیں اور دریا کے راستے فرار کی راہیں بند کر سکیں۔

پھر شہر کے مضافات پر حملہ کر کے اسے زمین کے ساتھ ہموار کرنے کے بعد وہاں تاتاری فوج پھیلا دی گئی۔ یوں شہر کے گرداگرد بارہ میل تک محاصرہ کرنے والوں کا درو بست قبضہ ہو گیا۔ دور کی جنگلوں سے درختوں کے بڑے بڑے تنے کاٹ کر لائے گئے اور شہر پناہ کے قریب ٹیلوں پر چوبی اہرام کھڑے کر کے ان کی چوٹیوں پر منجنیقیں نصب کیے گئے تاکہ شہر پناہ پر اور اس کے اندر بھاری بھاری پتھر پھینکے جا سکیں۔

اس اثناء میں نقب لگانے والوں نے شہر پناہ کی بنیادیں کھودنے کا کام شروع کر دیا تھا۔ چند دن کے اندر اندر اس کی دیوار میں جگہ جگہ رخنے ہو گئے۔ مگر اہل بغداد نے ان کے عقب میں پتھر اور چونے کی نئی دیواریں کھڑی کر دیں جن کی حفاظت کے لیے وہ نار رومی سے کام لے رہے تھے۔

یہ حال دیکھ کر تیمور کے جرنیلوں نے اس سے درخواست کی کہ شہر پر حملے کا حکم دیجیے گرمی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔ وقائع نگار کا بیان ہے کہ حبس اتنا شدید تھا کہ پرندے آسمان سے مر مر کر گرنے لگے۔ جو سپاہی جلتی ہوئی ریت کی تپش میں بھکے چھوڑتی ہوئی دیواروں کی بنیادیں کھود رہے تھے ان کے جسم زرہ بکتر کے تلے سچ مچ اس طرح پک رہے تھے جیسے تنور میں روٹی پکتی ہے۔

مگر تیمور نے ہلا بولنے کا حکم نہ دیا۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ اس کے پاس صرف دوپہر اور سہ پہر کو ذرا دیر کے لیے سایے میں چلے جاتے ورنہ تمام دن اسی قیامت کی گرمی میں کام پر لگے رہتے۔

اور پھر جب تیمور نے اچانک وار کیا تو عین دوپہر کے وقت کیا۔ جب دھوپ کی تیزی سے آنکھیں چندھیائی جا رہی تھیں۔ اس وقت شہر کا دفاع کرنے والوں نے گنتی کے چند پاسبان فصیل پر چھوڑ رکھے تھے باقی سب آرام کر رہے تھے۔ چیدہ تاتاری رسالے اپنی سایہ دار جگہوں میں سے کمندیں اور سیڑھیاں لیے نکل پڑے اور ان کے اچانک حملے نے شہر فتح ہو گیا۔ نور الدین جس نے توقتمش سے لڑائی میں تیمور کی جان بچائی تھی۔ سب سے پہلے فصیل پر چڑھا اور وہاں پہنچ کر سنہری ہلال اور گھوڑے کی دم والا تاتاری جھنڈا وہاں گاڑ دیا۔ پھر کیا تھا نقارہ گرجنے لگا اور شہر کے اس رخ پر جتنے تیموری لشکر موجود تھے سب دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ نور الدین شہر میں اترا تو اس کے پیچھے پیچھے تاتاری سپاہی بھی فصیل سے کود کود کر اترے۔ سہ پہر تک بے پناہ گرمی کے باوجود انہوں نے اس شہر کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا اور بغدادیوں کو دریا کی طرف دھکیل دیا۔ اب شہر کا دریا پار کا حصہ حملہ آوروں کے رحم و کرم پر تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر پوری طاقت سے حملہ کیا۔ اس موقع پر جو ہولناک مظالم ہوئے ان پر خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ تیمور کے سپاہی تکلیفیں اٹھانے اور بھاری نقصانات برداشت کر چکنے کی وجہ سے غصے کے مارے دیوانے ہو رہے تھے۔ انہوں نے خون آشام بھوتوں کی طرح قلقاریاں مار مار کر انسانوں کو ذبح کیا۔

تاتاری وقائع نگار لکھتا ہے کہ بغداد جو دار السلام کہلاتا تھا اس دن جہنم کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ اس کا کماندار فراج ایک کشتی میں بیٹھ کر بھاگا مگر کناروں سے تیروں کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی لاش دریا میں سے نکال کر کنارے پر لائی گئی۔ مقتولوں کے سروں کے ایک سو بیس مینار بنائے گئے اندازاً نوے ہزار جانیں تلف کی گئیں۔

تیمور نے حکم دے دیا کہ پوری فصیل ڈھا دی جائے اور مسجدوں اور گرجاؤں کے علاوہ اور سب عمارتوں کو جلا اور گرا دیا جائے۔

یوں بغداد صفحہ تاریخ سے مٹ گیا۔ اس کے کنڈروں کو بعد میں آباد ضرور کیا گیا مگر اس دن کے بعد دنیا میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ بغداد کی تباہی کی خبر تیموری مملکت میں ہر جگہ

پہنچائی گئی اور بایزید کو بھی مطلع کیا گیا۔

بغداد کا غیر حاضر حاکم سلطان احمد یہ طوفان تباہی گزر جانے کے بعد پھر لوٹ آیا۔ تیمور کر خبر ملی تو اسے پکڑ لانے کے لیے ایک رسالہ روانہ کیا۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ سلطان احمد ایک بر پھر دریا کے راستے اس حلت میں بھاگ اکہ اس کے تن پر صرف قیمص تھی۔ اور اس کے بعد بایزید ہی کے پاس رہنے لگا۔ تیمور نے فوج کے بیشتر حصے کو محاصرے کے ہتھیاروں اور منجنیقوں سمیت پیچھے چھوڑا کہ سہج سہج چل کر آتا رہے گا اور خود چند جرنیلوں اور شاہرخ کو لے کر جلدی سے تبریز پہنچا۔ بغداد جون ۱۴۰۱ء میں فتح ہوا۔ جولائی میں تیمور پھر اپنے مستقر میں موجود تھا۔ اسکے پوتے شہزادہ پیر محمد نے جو سمرقند سے آ رہا تھا نیشاپور پہنچ کر اطلاع دی کہ وہ خراسان کی سڑک پر یہاں تک آ گیا ہے۔ ادھر شاہرخ بھی مستقر سے زیادہ دور نہ تھا۔ گویا اس جنگ کا پہلا مرحلہ یوں طے ہوا کہ تیمور اپنے دشمنوں کی سرحدوں کی قوس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہو آیا تھا۔ اس نے چودہ مہینے میں دو بڑی لڑائیاں اور خبر نہیں کتنی چھوٹی لڑائیاں لڑیں اور تقریباً ایک درجن مستحکم شہر فتح کیے۔ یہ کارکردگی یقیناً ایک قابل داد جنگی کارنامہ تھا جس سے بایزید کے تمام حلیف اس کے میدان می اترنے سے پہلے ہی ختم ہو گئے۔

اب ترکوں کے خلاف پیش قدمی موسم کے لحاظ سے قرین مصلحت نہ تھی چنانچہ تاتاریوں نے آخری لڑائی اگلے سال پر ملتوی کر دی۔ انہی دنوں ایک روز پیر محمد کے نقارو کی آواز اس سڑک کی سمت سنائی دینے لگی جو نیشاپور سے تبریز کی جانب آتی تھی اور جب اس کی فوج آئی تو تیمور کے آزمودہ کار جرنیل اور سپاہی جو اس کے استقبال کے لیے نکلے تھ حیرت سے تکتے رہ گئے۔ اس فوج کا ہر لشکر ایک نئی آب وتاب سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ہر علم کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا کوئی سبز تھا کوئی سرخ کوئی نیلا اور کوہ کسی اور رنگ کا۔ ہر لشر کے سوار جس رنگ کی وردی پہنے ہوئے تھے گھوڑوں کی زینیں اور ساز بلکہ کمانوں کے خانے اور ڈھالیں تک اسی رنگ کی تھیں۔ تیمور کے ان آزمودہ

کار سپاہیوں نے جو اطراف ہندوستان سے لے کر بحیرہ خزر تک اور دوسری طرف فلسطین تک مہمات سر کر آئے تھے اس نمود و نمائش پر زبانی تو ناخوشی ہی ظاہر کی لیکن دل میں رشک کر رہے تھے۔

تیمور نے وہاں ایک پرانی نہر کی دوبارہ کھدائی شروع کرائی جو یونانیوں نے دریائے ارس سے نکالی تھی مگر اب مٹی سے اٹی پڑی تھی۔ یہ تعمیری کام کرنے کے علاوہ اس نے افریقہ اور یورپ کی تجارتی شاہراہوں کے متعلق معلومات بھی حاصل کیں۔ اور سلطانیہ کے ایک اسقف یوحنا کے ہاتھ شاہ فرانس چارلز ششم کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں خیر سگالی کے جذبات ظاہر کیے گئے تھے (۱۲۹)۔

تیمور کی خدمت میں جنوآ کے گماشتے بھی حاضر ہوئے جو دور دور آیا جایا کرتے تھے تا کہ تاتاری امیر کی نظر عنایت ان کے حال پر وینس والوں سے زیادہ رہے۔ ان کے ذریعے قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ نے تیمور سے خفیہ طور پر امداد کی درخواست بھی کی تھی کیونکہ وہ اس وقت بایزید کے رحم و کرم پر تھا۔

☆☆☆

آخری صلیبی جنگ

آئندہ واقعات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ یورپ کے حالات پر ایک نظر ڈالی جائے۔ قسطنطنیہ کے یونانی شہنشاہ جواب قدیم رومی شہنشاہوں کے ہیولے ہی رہ گئے تھے۔ دو پشتوں سے اپنی قوت ترکوں کو منتقل ہوتی دیکھ کر کف افسوس مل رہے تھے۔ جو ایشیائے کوچک سے اٹھے تھے اور اب بلقانی ملکوں اور بحیرہ اسود کے ساحلوں کو اپنی جولان گاہ بنا رہے تھے۔

کسوبا کے میدان میں عثمانی ترکوں نے قوی ہیکل اہل سربیا کو مغلوب کر لیا تھا جس کے بعد وہ ہنگری میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ بڑے نظم وضبط سے قدم جما کر لڑتے تھے۔ بڑے پر جوش لوگ تھے اور اپنے شہنشاہس سے غیر متزلزل عقیدت کی بنا پر ہر حال میں ان کے مطیع و وفادار تھے۔ ان کے گھڑ سوار بھی جو سپاہی کہلاتے تھے' اعلیٰ درجے کے جنگجو تھے مگر ان کی پیادہ فوجوں کا تو جن کا قلب ینی چیری فوج ہوتی تھی جواب ہی نہیں تھا۔

عثمانی ترکوں نے مشرقی بحیرہ روم کے ساحلی ممالک میں شادیاں کر لی تھیں اور اپنی یونانی اور سلاوی کنیزوں کو بھی حرم میں داخل کر لیا تھا۔ اس طرح وہ ایک نئی نسل اور قوم وجود میں لا رہے تھے اور خوبیاں بھی تھیں۔ وہ بڑا عالی ہمت تھا مگر طوفانی مزاج کا انسان بھی تھا۔ لائق تھا مگر ظالم بھی تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد پلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔ اپنی فتوحات پر نازاں تھا اور فخریہ کہا کرتا تھا کہ آسٹریا کو شکست دینے کے بعد فرانس پر یلغار کرے گا۔ اور اپنے گھوڑے کو سینٹ پیٹر کے گرجا کے منبر پر رکھ کر راتب کھلائے گا۔

قسطنطنیہ کا عیسائی شہنشاہ مینوئل اس کا برائے نام حکمراں تھا۔ اصل مالک بایزید تھا۔ اس کا علاقہ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ چکا تھا۔ شہر کی بہت سی عدالتوں میں اس کے مقرر کیے ہوئے قاضی تھے اور وہاں کم از کم دو مسجدوں کے میناروں سے روز پانچ وقت آذان کی صدا بلند ہوتی تھی مینوئل اس کا باجگوار تھا۔ اور وینس اور جنوآ کے والیان ریاست اس کے

اس طرح پیش آتے تھے کہ جیسے آگے چل کر وہی قسطنطنیہ کا مالک بنے گا۔ باغات اور مرمریں محلات کا شہر قسطنطنیہ ترکوں کی تمناؤں کا مرکز...... استنبول...... تھا اور وہ اسے اپنا ہی سمجھتے تھے۔

اسلامی قلمرو قیصروں کے اس شاہی شہر کے اردگرد پھیل چکی تھی۔ جو صرف اپنی اونچی فصیل اور یورپی اقوام کے جنگی جہازوں کی حفاظت میں سونے کی وجہ سے بچا ہوا تھا۔ بایزید نے اس پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی تھی بلکہ وہ سچ مچ محاصرے کی تیاریاں بھی کر چکا تھا اور یورپ میں ترکوں سے صلیبی جنگ کے لیے فوجیں اکٹھی کی جانے لگیں۔ یہ مہم ہنگری کے بادشاہ سگسمنڈ نے اٹھائی تھی جسے یلدرم کی پیش قدمی سے سب سے زیادہ خطرہ تھا اور برگنڈی کے بادشاہ فلپ نے بوجوہ اس کی تائید کی تھی۔

کچھ عرصے سے یورپی ملکوں کی سیاسی فضا میں ٹھہراو سا تھا۔ اس عہد کے سب نزاعی مسائل بدعت کبیرہ (پروٹسٹنٹ فرقے کا آغاز) جنگ صد سالہ' شاہ مجالس حکومت کے قضیے اور کالی وبا کی تباہی کے بعد حق ملکیت جائیداد کے عوام کی جدوجہد...... سرد پڑ چکے تھے اس لیے کلیسا کی پکار پر عیسائی جاگیردار صلیبی جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

شاہ فرانس نے جس پر جنون کے دورے پڑا کرتے تھے ہنگری کے بادشاہ کو مدد دی جو پاگل تو نہیں تھا مگر ترکوں سے ڈرا مرتا تھا' انگلستان اور نیدرلینڈ سے بھی رضا کار آ گئے۔ یورپ کے سارے شاہی خاندانوں نے اس صلیبی جنگ میں حصہ لیا۔ سوائے کا نواب جو حرامی کہلاتا تھا' پروشیا کے شہسواروں کا سردار' ہوہنزولورن خاندان کا سرخیل فریڈرک' جزائر رہوڈز کا حاکم اعلیٰ سینٹ یوحنا نائٹ' جرمنی کے بادشاہوں کا انتخاب کرنے والے نواب' بڑے بڑے امرا اور رئیس اور بادشاہوں کی طرف سے اختیارات یافتہ لوگ' سبھی شامل تھے۔ سب سے زیادہ طاقتور فوج فرانس سے آئی۔ اس میں باراور آرٹوائی نیز برگنڈی اور سینٹ پول کے خاندانوں کے دودمان' فرانس کی بری فوجوں کا سپہ سالار اور بحری فوج کا امیر البحر نیز کانسٹیبل فرانس کا منصب رکھنے والا افسر شامل تھے اور یہ سب

نیورز کے نواب ویلو (۱۱۵) کے زیر قیادت تھے۔

غرض کم و بیش بیس ہزار اور ان کے مسلح سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر مغرب کی جانب روانہ ہوئے اور سسگمنڈ کی فوجوں سے جا ملے، جن میں پہلے ہی ایک لاکھ سپاہی تھے۔ ان سب کے لیے شراب اور عورتیں فراہم کی جاتی تھیں اور ان کی تعداد اتنی ہی زیادہ تھی کہ فخریہ کہتے اگر آسمان بھی گرے گا تو ہم نیزوں پر روک لیں گے۔

مگر ان فرانسیسی انگریز اور المانی شہسواروں کو یہ پتہ نہ تھا کہ جو معرکہ ہونے والا ہے اس میں کیا حالات پیش آئیں گے۔ ان کو یہ گمان تھا کہ ترک سلطان جس کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کو جن میں مصر عراق اور ایران کے مسلمان بھی شامل ہیں عیسائیوں سے لڑنے کے لیے اپنے جھنڈے تلے جمع کر رہا تھا۔ اور وہ قسطنطنیہ کے اس طرف کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ انہیں یہ فکر کھائے جاتا تھا کہ کہیں وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جان بچا کر فرار نہ ہو جائے۔ کیونکہ اسے ہلاک کرنے کے بعد انہیں ارض مقدس کی طرف بھی تو بڑھنا تھا۔ ہنگری کے بادشاہ نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے یہ یقین دلایا کہ ہم جنگ لڑے بغیر واپس نہ ہوں گے۔ ہوا تو یہی مگر نتیجہ عیسائیوں کی توقع کے برعکس نکلا۔

جب وہ دریائے ڈینیوب کے کنارے خراماں خراماں چلے جا رہے تھے تو وینس والوں کے جہاز بھی جو دریا کے دہانے سے چڑھاؤ کی طرف آئے تھے ان سے آن ملے۔ حالات ان کے موافق پڑ رہے تھے۔ ترکوں کی سرحدی چوکیوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ صلیبی سرداروں نے دیہات کی بستیوں کے باشندوں کو یہ سمجھے یا اس کی پرواہ کیے بغیر تہ تیغ کر ڈالا کہ یہ سربیا کے عیسائی باشندے ہیں اور نیکوپولس کا محاصرہ کرنے کے لیے ایک پر فضا علاقے میں معسکر قائم کر لیا۔ یہیں انہیں یہ اطلاع ملی کہ بایزید ایک بہت بڑی فوج لے کر بڑی تیز رفتاری سے ان کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔

انہوں نے اس خبر کو غلط سمجھا۔ بھلا ترک سلطان میں اتنی ہمت کہاں ہو سکتی تھی کہ ان کا مقابلہ کرے۔ مگر جب سگسمنڈ نے انہیں یقین دلایا کہ یہ خبر صحیح ہے تو مان گئے۔ اب

عیسائی فوجیں صف بستہ ہو گئیں۔ سگسمنڈ نے جو ترکوں کی طاقت سے واقف تھا یورپی سرداروں کو یہ مشورہ دیا کہ اس کی پیادہ فوج جس میں ہنگری اور ولاچیا کے جنگجو باشندے اور کروٹ ہیں مسلمانوں کی پیدل فوج کو روکنے کے لیے آگے رکھی جائے اور ان کی سوار فوجیں پیچھے رہیں۔

اس پر یہ سردار غصے میں آ گئے اور ابھی ان میں اور سگسمنڈ میں تکرار ہو رہی تھی کہ بایزید کے ہراول دستے نمودار ہو گئے۔ فرانسیسی ترجمان سردار یہ سمجھ رہے تھے کہ سگسمنڈ انہیں دھوکا دے کر جنگ سے الگ رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ فتح کا سہرا اس کے سر بندھے۔ آرٹونی کے فلپ نے جو فرانس کے ہائی کانسٹیبل کا درجہ رکھتا تھا' بے قابو ہو کر کہا ہنگری کا بادشاہ چاہتا ہے کہ فتح کی سعادت اسی کو نصیب ہو۔ کوئی اور اسکی بات مانتا ہے تو مان لے میں ہرگز نہ مانوں گا۔ آگے ہمیں رہیں گے اور دشمن سے پہلے ہم لڑیں گے اور یہ کہہ کر اس نے اپنا علم بلند کرنے کا حکم دیا اور چلا کر کہا ''خدا اور سینٹ جارج کا نام لے کر آگے بڑھو!''

تمام سردار اپنے زرہ پوش دستوں سمیت اس کے ساتھ ہو لیے مگر روانگی سے پہلے اپنے ترک اور سربیائی جنگی قیدیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ ان بہادران یورپ نے جن میں شاہزادے سردار اور مسلح جنگجو شامل تھے اور جو نیزوں کی نوکوں پر پھریرے اڑاتے ڈھالیں تانے خاردار تاروں کی جھولیں پکڑے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے تھے آگے بڑھ کر بایزید کے ہراول دستوں پر جو اپنی فوج سے الگ ہو کر لڑنے آ گئے تھے حملہ کیا اور انہیں بڑی آسانی سے منتشر کر دیا۔ اس کے بعد ایک طویل ڈھلان چڑھ کر ایک پہاڑی پر پہنچ گئے وہاں جتنے تیر انداز نظر آئے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور پھر ان ترک سپاہیوں کے رسالوں سے لڑنے کے لیے جواب نمودار ہوئے اپنی صفیں دوبارہ درست کر لیں۔

وہ ان سپاہیوں یعنی ترکوں کے ہلکے سوار دستوں کی صفیں چیر کر نکل گئے اور یورش جاری رکھتے ہوئے پلٹ کر پھر ان پر حملہ کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ حملہ بڑا دلیرانہ تھا مگر یہی ان کی شکست کا سبب بھی بن گیا۔

بایزید کے یہ رسالے اس کے مقدمتہ الجیش کی اگلی تین صفیں تھیں۔ عیسائی شہسواروں نے اپنی ساری قوت ان پر صرف کر کے خود کو تھکا لیا چنانچہ جب تھکے ہارے دوسری پہاڑی پر پہنچے تو وہاں بایزید کی ساٹھ ہزار تازہ دم فوج سے سابقہ پڑا۔ درمیان میں سفید عماموں والے ینی چیری تھے اور ان کے دونوں طرف نیم دائرے میں زرہ پوش سوار فوج پرا جمائے کھڑی تھی۔ اس نے جوابی حملہ کر کے اپنے سپاہی ضائع نہیں کیے بلکہ عیسائی سواروں کے گھوڑوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یہ گھوڑے مر مر کر گرے تو ان کے سواروں کو پیدل لڑنا پڑا مگر چونکہ بوجھل زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے ان کے یے لڑائی جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ بعض جوں توں لڑتے رہے، بعض نے جن کے گھوڑے ابھی تک سلامت تھے باگیں موڑیں اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن جب ترک فوج نے صلیبی بازوں کو نرغے میں لے لیا اور انہوں نے دیکھا کہ ان کی فوجیں جو مدد کو آسکتی ہیں دور ہیں تو ان میں سے بیشتر نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس دوران میں سسگمنڈ نے اپنی فوج کا ایک بھی سپاہی ضائع نہ کیا تھا۔ وہ ان شہسواروں کے پیچھے پیچھے جنہوں نے ترکوں پر دھاوا بولنے کی حماقت کی تھی تھوڑی دور تک آیا تو سہی مگر انہیں مدد نہ دے سکا۔ یورپ میں اس پر برسوں جرح قدح ہوتی رہی۔ پھر بھی یہ بات صاف نہیں ہوئی کہ وہ جان بوجھ کر پیچھے رہ گیا تھا یا یہ شہسوار اپنے اندھا دھند حملے کی وجہ سے اس قابل ہی نہیں رہے تھے کہ ان کی امداد کی جا سکے۔

شہسواروں کی اس شکست سے عیسائی لڑائی ہار گئے۔ جب ان کی پیادہ فوج نے اپنے تھکے ہوئے زخمی سواروں کو بھاگتے ہوئے اور ترکوں کو ان کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے بھی ہمت ہار دی۔ اور دائیں بائیں جو والاچیا والے تھے وہ بھی علیحدہ ہو گئے۔ سگسمنڈ کے ہنگری والے سپاہی اور الیکٹر کے بویریا والے فوجی بڑی بہادری سے لڑے مگر بہت جلد سگسمنڈ اور اس کے سرداروں کو اپنی جانیں بچانے کے لیے دریا کی طرف بھاگنا پڑا۔ تا کہ وینس والوں کے جہازوں میں پناہ لیں۔

ترکوں نے جو یورپی شہسوار گرفتار کیے بایزید انہیں بخشنے والا نہ تھا۔ انہی نے تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ترک قیدیوں کو بے دردی سے قتل کیا تھا اور جنگ میں بھی ترکوں کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے تھے۔ صلیبی وقائع نگار فرائیسارٹ نے بڑے رنج وملال کے عالم میں لکھا ہے ''پھر وہ سب اس کے سامنے پیش کیے گئے اس وقت ان کے جسموں پر صرف قمیصیں تھیں۔ اس نے انہیں تھوڑی دیر دیکھا اور پھر منہ پھیر کا اشارہ کیا کہ سب قتل کر دیے جائیں۔ وہ جلادوں کے سامنے لائے گئے جو ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے اور بڑی بے رحمی سے قتل کر دیے گئے۔

اس طریقے سے دس ہزار صلیبیوں کا خاتمہ کیا گیا۔ چوبیس عیسائی سرداروں کو ترک امراء نے بایزید سے کہہ کر قتل ہونے سے بچالیا۔ ان میں شاہ فرانس کا پوتا نیورز کا نواب اور فرانس کا بوچی کاٹ بھی تھے۔ ترکوں نے شاہ فرانس کے پوتے اور اس کے ساتھیوں کا زر فدیہ دو لاکھ اشرفی طلب کیا۔ ان کی نگاہ میں یہ رقم کچھ ایسی زیادہ نہیں تھی مگر یورپ کے خزانے اسی سے خالی ہو گئے۔ آخر جوں توں کر کے رقم ادا کی گئی تو قیدی رہا ہو گئے۔ فرائیسارٹ لکھتا ہے کہ انہیں رہا کرتے وقت بایزید نے رخصتی تقریر کی اور ان سے کہا کہ نئی فوجیں جمع کر کے دوبارہ مقابلے کے لیے تیار رہیں کیونکہ میں جنگی کارنامے دکھا سکتا ہوں اور عیسائی ملکوں کی مزید فتوحات حاصل کرنے پر تلا ہوا ہوں''۔ یہ پرزور الفاظ نیوارز کے نواب اور ان کے ساتھیوں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیے تھے اور ان کت تمام عمر نہ بھولے۔ (مگر جہاں تک دعوت مقابلہ قبول کرنے کا تعلق ہے صرف بہادر بوچی کاٹ جواب فرانس کا مارشل بن چکا تھا ترکوں سے دوبارہ شمشیر آزمائی کرنے آیا) یوں آخری صلیبی جنگمیں عیسائیوں کی ذلت آمیز شکست پر ختم ہوئی۔ یورپ کے درباروں میں تو خیر صف ماتم بچھ ہی گئی تھی قسطنطنیہ کے عیسائیوں کو بھی کچھ کم مایوسی نہ ہوئی جو صلیبیوں کی آمد پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہیں بایزید کے پنجے سے چھڑوانے والے آ پہنچے مگر جنہیں اب موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔

نیکوپولس کی لڑائی ۱۳۹۶ء میں ہوئی۔ بایزید اس سے پہلے ہی قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کر چکا تھا اور اسی کے ساتھ یونان بھی اپنی مملکت میں شامل کر رہا تھا۔ بوچی کاٹ کے پانچ سو زرہ پوش شہسواروں اور چند جہازوں سے قسطنطنیہ کے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ ہو گئے مگر یہ خوشی عارضی تھی۔

ترکوں کی مملکت کے نصف ایشیائی حصے اور ان کے یورپی مقبوضات کے درمیان سمندر تھا۔ اس موقع پر وینس اور جنوآ کے بحری بیڑے ترکوں پر حملہ کر کے قسطنطنیہ کو بچا سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

وجہ یہ تھی کہ وینس اور جنوآ کی ریاستوں میں ایشیا کی تجارت پر قبضے کے لیے کشمکش ہو رہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی فکر میں تھے۔ ادھر بایزید بڑا دانا مدبر تھا۔ اس نے دونوں سے راہ و رسم رکھی اور دونوں کو ایشیا کی تجارت کا لالچ دیتا رہا چنانچہ یہ دونوں ریاستیں اسے تحائف پیش کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ اسی لیے جب یورپ کے جو حکمران اس صلیبی جنگ میں مارے جانے سے بچ گئے تھے وہ اپنے اپنے ملک میں واپس پہنچتے ہی پہلے کی طرح پھر خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے۔

اب ہمارے سامنے جو منظر آتا ہے۔ یہ تاریخ کا عظیم ترین مناظر میں سے ایک ہے۔ قیصروں کا پایہ تخت قسطنطنیہ جو کسی زمانے میں دنیا کا عظیم ترین شہر تھا اور جس کی حفاظت کے لیے سینکڑوں یونانی سردار اور امرائے یونان کے اجیر سپاہی موجود رہتے تھے ان دنوں اس کے باشندے عظیم الشان عمارتوں میں بود و باش کے باوجود اتنے مفلس اور پھکڑ ہو گئے تھے کہ بوچی کاٹ کی جو بحری سپاہ بایزید سے ان کی گلوخلاصی کرانے کا عزم لے کر وارد ہوئی تھی اس کے لیے خوراک تک فراہم نہ کر سکتے تھے چنانچہ اسے بحری قزاقوں کی طرح ترکوں کے رسدی جہازوں کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔ قسطنطنیہ کا عیسائی شہنشاہ اس قدر تنگ دست ہو گیا تھا کہ اس سپاہ کو معاوضہ خدمت تک نہ دے سکا۔ وہ اپنے دفاع کے لیے درکار سپاہ اور

سرمائے کی بھیک مانگنے کے لیے یورپی ملکوں کے دورے پر نکلا تو جو درباری اس کے ساتھ تھے ان کے تن پر ڈھنگ کے کپڑے تک نہ تھے۔ ایک اطالوی نواب نے ترس کھا کر اپنے کپڑے ایسے بنوا رکھے تھے کہ جو ان کی حیثیت کے مطابق تھے۔

قیصروں کا یہ خلف ملک ملک پھرا۔ ہر جگہ اس کی بھرپور خاطر مدارات کے علاوہ اس سے بے حد ہمدردی بھی ظاہر کی گئی تھی مگر امداد کسی نے نہ دی۔ گزشتہ صلیبی جنگ میں یورپی سرداروں نے جس بری طرح شکست کھائی تھی اس سے یورپ کے بادشاہوں میں مذہب کے لیے جنگ کا جذبہ ختم ہو گیا۔ وہ تجارتی معاملات اور اس دور کی سیاسی حد بندیوں میں مصروف تھے جو مذہبی جنگ سے زیادہ ضروری تھیں چنانچہ کلیسا کے اعلانات نیز قیصر مینوئل کی امداد کی درخواستیں بے اثر رہیں۔

اب حالت یہ تھی کہ مینوئل دل شکستہ ہو چکا تھا قسطنطنیہ کے باشندے محاصرے کے دنوں میں شہر کی فصیل سے ترکوں کی طرف اتر کر ان کے آگے خوراک کے لیے ہاتھ پھیلانے لگے تھے۔ حد یہ تھی کہ بوچی کاٹ بھی شہر کو اس کے حال پر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اور شہنشاہ کا بھیجا جو قسطنطنیہ میں مقیم تھا شہر بایزید کے حوالے کرنے کے لیے شرائط مرتب کر رہا تھا کہ اچانک ایک بار پھر اس محصور شہر کو امان مل گئی۔ اور وہ یوں کہ بالکل غیر متوقع طور پر مشرق سے تاتاری نمودار ہو گئے۔ انہوں نے سیواس پر جو ایشیائے کوچک کا دروازہ تھا حملہ کیا اور اسے فتح کر کے آگے بڑھ گئے۔ بایزید کو قسطنطنیہ سے محاصرہ اٹھا کر فوراً ایشیا کا رخ کرنا پڑ گیا۔

اس کے بعد یورپ میں جتنی ترک فوجیں مقیم تھیں۔ انہیں ہتھیار سنبھالنے کا حکم ملا اور جہازوں پر سوار کر کے ایشیا پہنچا دیا گیا۔ قسطنطنیہ کے حکمران نے بایزید سے یہ عہد کیا کہ اگر اس نے تیمور کو شکست دے دی تو شہر اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

☆☆☆

تیمور اور یلدرم کا مقابلہ

۱۴۰۲ء کا موسم گرما شروع ہوتے ہی مشرقی یورپ کے فاتح نے فاتح ایشیا کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی پوری فوج جمع کی اور کسوبا اور نیکوپولس کی آزمودہ کار رجمنٹوں کو بحیرہ مارمورا کے قریب عثمانی ترکوں کے پایہ تخت بروصہ میں جنگ کے لیے تیار کیا گیا۔ وہیں اناطولیہ کی فوجیں اور سربیا کے بادشاہ لزارس کے بیس ہزار زرہ پوش بھی ان سے آن ملے۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک فولاد میں اس طرح غرق تھے کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ یہیں یونانی اور رولاچیائی فوجیں بھی اپنے نئے آقا سلطان بایزید کی مدد کے لیے حاضر ہوگئیں غرض فوج کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار اور ڈھائی لاکھ کے درمیان ہوگئی۔

بایزید کی سپاہ تمام عمر فتوحات حاصل کرتی آئی تھی۔ اس کے سپاہی اور ینی چیری ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ اس کا نظم وضبط بڑا کڑا تھا اور اس کا ہر فرد بایزید کا اسی طرح وفادار تھا جس طرح غلام اپنے آقاؤں کے وفادار ہوتے ہیں۔ اس لیے بایزید کو اپنی فتح کا کامل یقین تھا۔ اور اس نے تیمور کے انتظار کے دن جشن منانے میں گزارے۔

تیمور پیش قدمی کر کے ترکوں کی طرف آ رہا تھا۔ ترک اس سے خوش ہوئے۔ ان کی طاقت کا انحصار اپنی پیادہ فوج پر تھا جس کے جوہر دفاعی جنگ میں کھلتے تھے۔ پھر ایشیائے کوچک کا زیادہ تر حصہ بھی جو ناہموار جنگلوں سے پٹا ہوا تھا پیادہ فوج کے لیے خاص طور پر موزوں تھا۔ سیواس سے مغرب کی طرف صرف ایک سڑک آتی تھی۔ ترکوں کو توقع تھی کہ تیمور سے اسی سڑک پر مقابلہ ہوگا۔

بایزید اپنی فوج لے کر بہت آہستہ آہستہ کوچ کرتا ہوا انقرہ تک آیا۔ یہاں اس نے اپنا مستقر قائم کیا اور پھر آگے بڑھ کر دریائے ہیلس عبور کرنے کے بعد پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا اس مرحلے پر اس نے قراولوں نے اطلاع دی کہ تیمور اس سے ساٹھ میل کے فاصلے پر سیواس میں ہے۔

بایزید وہیں رک گیا اس نے اپنی رجمنٹوں کو مناسب مقامات پر متعین کیا اور تیمور کا انتظار کرنے لگا۔

اس انتظار میں تین دن گزرے پھر پانچ دن گزرے یہاں تک کہ پورا ایک ہفتہ گزر گیا مگر تاتاری نمودار نہ ہوئے۔ پھر اس کے قراول سیواس سے چند لوگوں کو پکڑ کر لائے۔ انہوں نے یہ تشویشناک خبر سنائی کہ سیواس میں تو اس وقت تاتاریوں کے چند دفاعی دستے ہیں باقی فوج تیمور اپنے ساتھ لے کر کبھی کا ترکوں کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔

مگر تیمور کا سیواس اور ترک فوج کے درمیانی علاقے میں کہیں پتا نہ تھا۔ ترکوں کے قراول پورے پہاڑی علاقے میں گھوڑے دوڑا کر واپس آ گئے وہاں تاتاریوں کا نام و نشان نہ تھا وہ اپنے ہاتھیوں سمیت نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

ترکوں کو اس قسم کی صورت حال سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ اس وقت وہ جنگی ترتیب میں دریائے ہیلس کے ناہموار ہاڑی علاقے پر پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ یہ دریا سیواس سے پرے اپنے منبع سے نکل کر جنوب کو ہو لیتا ہے اور دور تک بہتے چلے جانے کے بعد انقرہ کے قریب شمال کی طرف مڑ کر بحیرہ اسود میں جا گرتا ہے۔ اس طرح مڑتے میں اسے ایک بڑا سا چکر کاٹنا پڑتا ہے۔ اسی چکر کے اندر رخ وسط میں ترکی فوج پڑی تھی اور بایزید نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک تاتاریوں کے بارے میں کوئی قطعی بات معلوم نہ ہو گی وہ اپنی فوج کو حرکت نہ لائے گا۔

آٹھویں دن صبح ہوتے ہی خبر ملی کہ تاتاریوں کے ایک قراول دستے نے جس کی کمان تیمور نے اپنے ایک خاص امیر کو دے رکھی ہے۔ بایزید کے میمنہ پر حملہ کیا اور اس کی بیرونی چوکیوں کے چند سپاہیوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ اب ترکوں کو یقین ہو گیا کہ تاتاری اس وقت ان کے جنوب میں ہیں۔ وہ اس طرف بڑھے۔ مگر دو دن بعد دریا پر پہنچے تو وہاں تاتاریوں کا کہیں پتا نہ تھا۔ بایزید نے اپنے بیٹے سلیمان کی کمان میں جو بڑا لائق سپہ سالار تھا کئی سوار دستے دریا پار روانہ کیے کہ حال معلوم کر کے آئیں۔

سلیمان جلد ہی یہ خبر لے آیا کہ تیمور کترا کر نکل گیا ہے اور اس وقت ترکوں کے پس پشت تیزی سے انقرہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔

بایزید جو تاتاریوں کو کچھ اہمیت نہیں دے رہا تھا یہ خبر سن کر چونک اٹھا۔ اس نے دریا پار کیا اور دشمن کے پیچھے پیچھے اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوا۔

تیمور نے ایک سیدھی سی مگر پر لطف چال چلی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ پہاڑی علاقہ جس میں وہ اس وقت ہے' اس کی سوار فوج کے لیے موزوں نہیں ہے تو جنوب کی طرف پلٹ گیا ہے اور وادی ہیلس کے ساتھ ساتھ اس طرح بڑھنا شروع کیا کہ اپنے اور ترکوں کے درمیان دریا حائل رکھا۔ وہ دریا کے چکر سے باہر اس کے کنارے کے لگواں لگواں جا رہا تھا جبکہ بایزید اس کا انتظار چکر کے اندر' اس کے وسط میں کر رہا تھا۔

فصلیں پک چکی تھیں اور کٹائی کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ گھوڑوں کے لیے چراگاہیں بھی جابجا موجود تھیں۔ تیمور نے سواروں کے ایک دستے کو باقی فوج سے علیحدہ کر کے اسے ترکوں سے جا بھڑنے کا حکم دے دیا تھا اور خود سلیمان کے دستوں سے ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد اس وقت ایک گاؤں' کوچ حصار' میں مقیم تھا اور اپنے پوتوں اور افسروں کو تزیورات کے گر بتا رہا تھا۔

''اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں جن میں سے ایک اختیار کرنا ہو گا۔ یا تو ہم یہاں انتظار کریں گے گھوڑوں کو تازہ دم کر لیں اور پھر ترکوں سے بھڑ جائیں یا ان کے ملک کے اندر گھستے چلے جائیں اور اسے برباد ہی کرتے جائیں اور یوں انہیں اپنے پیچھے پیچھے چلے آنے پر مجبور کر دیں۔ ان کی فوج کا بڑا حصہ پیادہ ہے۔ پیدل چلنا انسان کو تھکا دیتا ہے۔ ان کی فوج تھک کر خستہ حال ہو جائے گی''۔

اور پھر ایک لمحہ توقف بعد کہا ''اور ہم یہی کریں گے''۔

اس گاؤں سے روانگی کے بعد تیمور نے کوچ کا ڈھنگ بدل دیا۔ اس نے وہاں ایک موخر الجیش چھوڑ کر سواروں کا ایک لشکر دو امیروں کی سرکردگی میں روانہ کر دیا جن کے

ساتھ کچھ پیادہ سپاہی بھی بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ فوج کے قیام کے لیے جو مقامات تجویز کیے جائیں وہاں کنویں کھودتے جائیں اور مقدمتہ الجیش کے سواروں کو حکم دیا کہ فوج کے لیے غلہ جمع کرتے رہیں۔

حصار سے آگے علاقہ زیادہ کھلا تھا۔ پانی بھی کافی مقدار میں ملتا رہا۔ اب تاتاری فوج دریا سے ہٹ کر چل رہی تھی۔ پھر انہیں یہ اطلاع ملی ترکوں کا مستقر انقرہ میں ہے۔ اس سے اچھی اطلاع اور کیا ہو سکتی تھی انقرہ تو ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ تیمور نے رفتار تیز کر دی اور انقرہ تک کا ایک سو میل کا فاصلہ تین دن میں طے کر کے تیسرے دن وہاں جا پہنچا۔

اس نے بڑھاپے میں میں زرہ پہنی چھوڑ دی تھی مگر اس روز زرہ پہن کر نکلا اور شہر کا معائنہ کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے گرد پھرا۔

شہر کے اندر جو ترک تھے انہوں نے شہر کا دفاع کرنے کے ارادے ظاہر کیے۔ تیمور نے اپنی فوج کو حملے کا حکم دے کر خود بایزید کا معسکر دیکھنے چلا گیا۔ مگر وہاں پہنچا تو وہ خالی ملا یعنی ایک بھی محافظ موجود نہ تھا۔ بایزید جن ترکوں کو معسکر میں چھوڑ کر گیا تھا وہ شاید وہاں سے چلے گئے تھے۔

انقرہ ایک فراخ میدان کے وسط میں واقع ہے۔ تیمور نے ملاحظے کے بعد یہ رائے ظاہر کی کہ بایزید نے مستقر کے خیموں پر قبضہ کر لیا۔ پھر انہوں نے اپنے امیر کے حکم سے اس چھوٹے سے دریا پر بند باندھا جو انقرہ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور اس کا راستہ اس طرح بدلا کہ اب وہ اس جگہ کے عقب سے گزرنے لگا جہاں ان کا پڑاؤ تھا۔ اس طرح ان کے پیچھے پیچھے آنے والی ترک فوجوں پر اس دریا کا پانی بند ہو گیا۔ اس کے علاوہ جس چشمے سے پانی لیا جا سکتا تھا اسے بھی تیمور نے بند کرا دیا اور اس میں غلاظت ڈلوا دی۔ اس اثنا میں اس کے سپاہی شہر کی فصیل توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ابھی انہیں کامیاب نہ ہوئے تھے کہ قراولوں نے بایزید کے بارے میں یہ اطلاع دی کہ وہ اس وقت یہاں سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

تیمور نے شہر فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا بلکہ جو سپاہی ایک برج پر پہنچ چکے تھے انہیں بھی نیچے بلا لیا۔ اس رات اس نے معسکر کے گرد خندقیں کھدوا دیں کہ۔ تمام رات آگ جلتی رہی اور اس کے سوار معسکر کے گرد گشت کرتے رہے۔ مگر ترک صبح سے پہلے نمودار نہ ہوئے۔

وہ ایک ہفتے سے کوچ کرتے آ رہے تھے اور انہیں رفتار بھی تیز رکھنی پڑی تھی۔ تاتاری ان کے آگے آگے جہاں جہاں سے گزرتے تھے وہاں انہوں نے تباہی پھیلا دی تھی۔ اب انقرہ پہنچ کر ترکوں نے جو پہلے ہی تھکی ماندی اور بھوکی پیاسی تھیں یہ دیکھا کہ تاتاری ان کے معسکر پر بھی قابض ہو چکے ہیں اور ان کے پاس وافر رسد بھی موجود ہے۔ ستم بالائے ستم یہ تھا کہ پانی تک پہنچنے کے لیے بھی تاتاریوں کے معسکر سے ہو کر گزرنا پڑتا اور کہیں پانی دستیاب ہی نہیں تھا۔ تیمور پر حملہ کرنے کے علاوہ چارہ نہ تھا حالاں کہ اس حالت میں اس سے ٹکرانا شکست کھانا تھا۔

پھر بایزید کی سوار فوج بھی وسطی ایشیا کے شہسواروں کے دل بادل سے کمزور تھی اس لیے وہ اسے لڑائی نہ چاہتا تھا مگر تیمور نے اسے یہی غلطی کرنے پر مجبور کر دیا' اور اسے کے یہ کمزور سپاہی بھی مجبوراً ایسی حالت میں میدان میں اترے جب پیاس کی شدت سے نڈھال تھے۔ تیمور نے بایزید کو چکر میں ڈال دیا تھا اور اسے گویا ناک میں نکیل ڈال کر انقرہ واپس لایا تھا۔ بایزید تلواریں نیاموں سے نکلنے سے پہلے ہی لڑائی ہار چکا تھا۔

دن کے دس بجے جب دھوپ خوب تیز ہو چکی تھی ترک اپنے اسی آہنی حوصلے سے آگے بڑھے جو کتنے ہی جنگی میدانوں میں ناقابل شکست ثابت ہو چکا تھا۔ محاذ جنگ پندرہ میل سے آگے تک پھیلا ہوا تھا۔ تاتاری فوج کا ایک بازو دریا کے کنارے تھا۔ دوسرا جو دور ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتا تھا ایک پہاڑی پر تھا۔ جس کے گرد حصار تھا وقائع نگار لکھتا ہے کہ ترکوں نے نقارے' طبل اور شہنائیوں کی گھن گرج کے ساتھ پیش قدمی کی جبکہ تاتاری فوجیں بالکل خاموش کھڑی رہیں۔

تیمور آخری لمحے تک گھوڑے پر سوار نہ ہوا۔اس کے سپہ سالار فوج کو لڑاتے رہے۔وہ خود تو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر اپنی پیادہ فوج کے ساتھ کھڑا رہا جو سوار فوج کے جمگھٹ کے عقب میں تھی۔اس کے ساتھ بمشکل چالیس گھڑسوار ہوں گے۔قلب کا کماندار اس کا پوتا شہزادہ محمد تھا۔جس کے پاس سمرقند کی فوج کے علاوہ ایشیا کے مشہور سالاروں کے تحت لڑنے والی اسی رجمنٹیں بھی تھیں۔قلب میں ہاتھی بھی تھے۔جن کے جسموں پر رنگین چرمی زرہیں پڑی ہوئی تھیں ان کا مصرف تدبیراتی سے زیادہ نفسیاتی اثر ڈالنا تھا۔

بایزید کے بیٹے سلیمان نے تاتاری میمنہ پر گھڑسواروں سے حملہ کیا جن کی تکان وہ خود کر رہا تھا۔تاتاریوں نے اس پر تیروں کی بوچھاڑ کی اور ناررومی کے شعلے پھینکتے تو دھوئیں اور گردوغبار کے چھٹتے ہوئے بادلوں تلے ترک فوج کے گھوڑوں اور جوانوں کے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے نظر آئے۔ترکوں کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو وہ اس سے فائدہ اٹھا کر تاتاری میمنہ کی پہلی صف نے ان پر دھاوا بول دیا اور اس کے فوراً بعد تاتاریوں کے قابل ترین سردار نورالدین نے میمنہ کی باقی فوج لے کر ان پر چڑھائی کر دی۔

یوں ترکوں کی پیش قدمی جنگ سے پہلے ہی گھنٹے میں رک گئی اور تاتاریوں نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔نورالدین نے سلیمان کے میسرہ کو اس بری طرح زخمی کیا کہ ترکوں کے بعض لشکر تو میدان جنگ سے ہی ہٹ گئے۔بایزید کی فوج میں ایشیائے کوچک کے بہت سے تاتاری بھی تھے۔ان کے سردار تیمور سے مل گئے اور جب انہوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی اس ابتری سے موقع پا کر ترکوں کا ساتھ چھوڑ گئے۔

نورالدین دائیں جانب حالات پر قابو پا چکا تو تاتاریوں کا بایاں بازو تین صفیں بنا کر آگے بڑھا اور چھوٹے چھوٹے ترکی دستوں کو منتشر کرنے کے بعد اس رخ کے ترک سواروں پر جا پڑا جن کے پاس کافی اسلحہ نہ تھے۔اور انہیں مار بھگایا۔یہ تاتاری مار دھاڑ کرتے ہوئے اتنے آگے نکل گئے کہ تیمور کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اب شاہزادہ محمد گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا دادا کے پاس پہنچا اور گھوڑے سے اتر کر دو

زانو ہو کر بایزید کی کثیر پیادہ فوج پر تاتاری قلب کی فوج سے حملہ کرنے اجازت طلب کی۔ مگر تیمور نے ایک حملے کی اجازت نہ دی۔

اس کے بجائے اس نے محمد کو سمرقند کی سپاہ اور بہادروں کا لشکر دے کر جس میں تاتاریوں کے مانے ہوئے گھڑ سوار تھے‘ اسے بائیں بازو کی کمک کو پہنچنے کا حکم دیا جس کے لشکر زیادہ آگے نکل گئے تھے۔

پیرانہ سال دادا کے چہیتے پوتے نے دادا کے حکم پر سر تسلیم خم کیا اور اپنا سرخ علم بلند کیا تاتاری فوج کے بہترین جوانوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان کی طرف چل دیا‘ اور اس روز کی سنگین لڑائی میں جا کودا جس میں سربیا کے زرہ پوش سوار تاتاریوں کے تابڑتوڑ حملوں سے جنہوں نے انہیں جنبش تک کرنے کے قابل نہ رکھا تھا‘ اپنی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور پیدل یورپی فوج کے قوی ہیکل جوانوں کے گروہ ہر پہاڑی میں ڈٹے ہوئے تھے۔ سربیا کے بادشاہ پیٹر نے اسی معرکے میں جان دی اور اسی میں شہزادہ محمد اتنا سخت مجروح ہوا کہ اسے گھوڑا سے اترنا پڑا مگر اس خونی لڑائی میں بایزید کے میمنہ کا صفایا ہو گیا۔

اب صرف اس کے پاس اپنی کثیر پیادہ فوج رہ گئی جس کی حفاظت کے لیے کوئی خندق یا رکاوٹ نہ تھی اور جسے تاتاری سوار دو طرف سے گھیرے میں لے رہے تھے۔ اس مرحلے پر تیمور نے تاتاری کی کمان سنبھالی اور آگے بڑھنا شروع کیا۔

عثمانی ترکوں کی شاندار پیادہ فوج ...... ینی چیری ...... نے جس شجاعت کی دھوم تھی ابھی تک ایک بھی وار کیا تھا اور اس کے ہلاک ہونے سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ دراصل اس کی قسمت کا فیصلہ تو لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس کے شہنشاہ کو ایشیا کے عظیم شاطر نے اپنی جنگی چالوں سے بے بس کر دیا تھا۔ عقب کی رجمنٹیں یہ دیکھ کر ابھی فرار کا موقع ہے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ باقیوں نے تاتاریوں کے پے در پے حملوں سے منتشر ہو جانے کے بعد جہاں کہیں کوئی ٹیلا دیکھا اس پر چڑھ کر لڑائی جاری رکھی۔

ترک فوجوں میں سے زرہ پوش ہاتھی بھی گزارے گئے۔ان دیوقامت حیوانوں پر ہودج رکھے ہوئے تھے جن میں سے آتش سیال برسائی جارہی تھی۔ ناقابل برداشت شوروغل اور گردوغبار کے طوفان میں تھکے ماندے ترک بے بس ہوکر مارے جارہے تھے۔ بہت سے جو بھاگ کھڑے ہوئے تھکان کی تاب نہ لاکر گرے اور مر گئے۔

بایزید نے ایک ہزار ینی چیری اپنے ساتھ لے کر ایک پہاڑی سے تاتاریوں کو مار بھگایا' پھر تیر سنبھالے ہوئے جم کر کھڑا ہو گیا۔اور تیسرے پہر کے وقت تمام وقت بے جگری سے لڑتا رہا۔جس طرح واٹرلو کی لڑائی میں نپولین کی فوج بھاگ نکلی تو اس کی اولڈ گارڈ بٹالین اس کے ساتھ آخر دم تک لڑتی رہی۔اسی طرح بایزید کی اس فوج خاص نے بھی لڑتے لڑتے جان دی۔

شام ہوتے بایزید گھوڑے پر سوار ہوا' چند سواروں کو ساتھ لیا اور تاتاری فوج کی صفوں میں سے لڑ بھڑ کر نکل جانے کی کوشش کی مگر اس کا تعاقب کیا گیا اور اس کے سب ساتھی ایک ایک کر کے ہلاک کر دیے گئے اس کے گھوڑے کو بھی تیروں سے گرا لیا گیا اور خود اسے مشکیں کس کر غروب آفتاب کے وقت تیمور کے خیمے میں لایا گیا۔

کہتے ہیں تیمور اس وقت شاہرخ کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔جب اس نے بایزید کو آتا دیکھا جس کے چہرے پر اس مصیبت میں بھی شاہانہ جلال تھا تو اٹھ کر خیمے کے دروازے تک آیا اور اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

بایزید کی تمکنت اور شیرانہ خوابھی رخصت نہیں ہوئی تھی۔اس نے چلا کر کہا ''جس پر خدا نے مصیبت نازل کی ہو اس کے حال پر ہنسنا اچھی بات نہیں''۔

تیمور آہستہ سے بولا ''میں اس لیے مسکرایا کہ خدا نے اس میں کبھی نہیں کیا مصلحت دیکھی کہ دنیا کی حکومت مجھ لنگڑے اور تجھ اندھے کو بخشی'' پھر سنجیدہ لہجے میں کہا سب جانتے ہیں کہ اگر تم کو فتح نصیب ہوتی تو میرا اور میرے ساتھیوں کا کیا حشر ہوتا''۔

بایزید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔تیمور نے حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔

پھر اسے مسند پر اپنے پاس بٹھایا۔ تیمور نے بایزید جیسے جلیل القدر سلطان کو اپنا قیدی بنا کر رکھنے کا ارمان نکالنے کے لیے اسے نظر بند تو کر دیا لیکن بڑے اخلاق سے پیش آیا اور بہت اچھا سلوک کیا (۱۴۰۳) چنانچہ جب بایزید نے درخواست کی کہ اس کے بیٹوں کو تلاش کرایا جائے تو فوراً ان کی تلاش کا حکم دے دیا۔ اس کے ایک بیٹے موسیٰ کو قیدی بنا کر لایا گیا۔ مگر تیمور نے اسے خلعت بخشا اور اس کے باپ کے پاس بٹھایا۔ بایزید کا دوسرا بیٹا لڑائی میں مارا جا چکا تھا اس لیے وہ نہ ملا۔ باقی بچ کر نکل گئے تھے۔

تیمور نے فتح کے بعد چاروں طرف لشکر روانہ کیے تاکہ جو ترک سپاہی بچ گئے ہیں ان کا تعاقب سمندر تک کیا جائے۔ جب نور الدین نے بروصہ پر قبضہ کیا‘ جو عثمانی ترکوں کا دارالسلطنت تھا تو اسے وہاں سے تیمور کو سلطان کا خزانہ اور اس کی بہت سی حسین و جمیل کنیزیں بھیجیں۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ یہ کنیزیں رقص و سرود میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ اسی طرح تاتاری سپاہی بھی جو مال غنیمت لے کر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اس میں بھی طرح طرح چیزیں تھیں۔ اب کے جو جشن منایا گیا اس میں یورپی شرابیں اور حسین و جمیل عورتیں جشن کی رونق بڑھا رہی تھیں۔

اس میں بایزید کو بھی مدعو کیا گیا بلکہ زبردستی لایا گیا۔ اس کی نشست تیمور کے پاس رکھی گئی اور تیمور نے حکم دیا کہ بروصہ کے مال غنیمت میں سے سلطان ترکی کا شاہانہ لباس حاضر کیا جائے۔ یہ لباس سلطان کو پیش کیا گیا کہ پہن کر دکھائے۔ اس نے مجبوراً جڑاؤ عمامہ سر پر رکھا اور سنہری عصا‘ جو اس کی شہنشاہی کا نشان تھا ہاتھ میں تھام لیا۔

جب وہ لباس شاہی پہنے کھڑا تھا اس حالت میں اسے وہی مشروب پیش کیے گئے جن کا وہ عادی تھا۔ مگر اس نے کوئی مشروب چکھا تک نہیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی حسین ترین کنیزیں جو بے پیرہن تھیں تاتاری فاتحوں کو شراب و کباب پیش کر رہی تھیں۔ ان میں سے اسے اپنی منظور نظر ڈیسپنا بھی نظر آئی۔ وہ سربیا کے بادشاہ پیٹر کی بہن تھی‘ جسے بایزید اتنا چاہتا تھا کہ حرم میں داخل ہونے کے لیے مسلمان ہونے پر مجبور نہ کیا تھا۔

وہی سیمیں بدن عورتیں جو اس کے آغوش کی زینت بنتی رہی تھیں اور جنہیں اس نے جنگی قیدیوں میں سے ان کے عدیم المثال حسن و جمال کی بنا پر پسند کیا تھا اپنے مرمریں پیکر لیے لوبان کے دھوئیں میں ادھر ادھر اور ادھر سے ادھر آ جا رہی تھیں اور وہ اس پر مجبور تھا کہ یہ دل خراش منظر چپ چاپ بیٹھا دیکھتا رہے ان میں سیاہ بالوں والی ارمنی حسینائیں بھی تھیں۔ کوقاف کی سنہری گیسوؤں والی پیریاں بھی فربہ مگر حسین روسی لڑکیاں بھی اور ستاروں کی طرح ڈگر ڈگر کرتی آنکھوں والی یونانی نازنینیں بھی جنہوں نے پہلے کبھی حرم سرا کی چہار دیواری سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔

اس جشن میں ایشیا کے جو تاجدار شریک تھے ان سب کا مرکز بایزید ہی تھا۔ بعض اس کے حال پر تعجب کر رہے تھے بعض اس کا مضحکہ اڑا رہے تھے اور بعض اب بھی اس کے ساتھ نرمی برتنے کو تیار نہ تھے۔ اس وقت بایزید کے دل میں ان خطوط کا خیال ضرور آیا ہوگا جو اس نے گزشتہ سال تیمور کو لکھے تھے۔ غصے سے اس کا تن بدن پھنک رہا ہوگا۔ خودداری نے غصہ پی جانے پر مجبور کر دیا ہوگا شاید اسی لیے وہ دستر خوان پر ایک لقمہ بھی نہ اٹھا سکا۔

کیا یہ تیمور کی طرف سے محض بے اعتنائی کا مظاہرہ تھا؟...... شاید بایزید کو اس کے شاہی لباس میں دیکھنا چاہتا ہو! کیا سچ مچ اس کا یہ خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنے معزز قیدی کی عزت افزائی کر رہا ہے؟ یا یہ جشن اس کا مذاق اڑانے کے لیے منایا جا رہا تھا؟ کون جانے حقیقت کیا تھی! جہاں تک بایزید کا تعلق ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اسے یہ پرواہ نہیں تھی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تاتاری مطرب فتح و نصرت کے شادیانے بجا رہے تھے مگر اس کے کانوں میں تو جنگی نقاروں کی آوازیں گونج رہی ہوں گی۔

اس وقت بایزید کے بھاری بھرکم جسم پر شدید کرب کی وجہ سے رعشہ طاری تھا۔ تاہم وہ اپنے عصا کو مضبوطی سے تھامے رہا۔ مگر جب تاتاریوں نے بایزید کی مطرباؤں کو محفل میں بلا کر ان سے ترکی زبان کے عشقیہ گیت سنانے کی فرمائش کی جس کے بعد حسب دستو

رامیروں نے انہیں خراب کرنا تھا تو بایزید کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اشارے سے کہا کہ اسے دروازے تک پہنچایا جائے۔

اہل محفل نے اسے روکا نہیں۔ دو تاتاری افسر فوراً اٹھے اور اس کے بازو تھام کر جشن گاہ سے باہر تک پہنچا آئے۔ اس وقت بایزید کا سر جس پر شاہی عمامہ بندھا تھا اتنا جھک گیا تھا کہ اس کی ٹھوڑی سینے پر جا ٹکی تھی۔

بعد میں تیمور نے ڈسپینا کو کو بایزید کے پاس اس پیغام سے بھیج دیا کہ وہ اس کی چہیتی بیوی اسے واپس کر رہا ہے۔

یوں گزرا طوفان رعد و برق (یلدرم) عیش و عشرت اور جنگ کی مصیبت سے اس کی صحت تباہ ہو گئی تھی۔ پھر اس کا غرور فتح مندی بھی پاش پاش ہو چکا تھا چنانچہ چند مہینے بعد مر گیا۔

☆☆☆

تیمور یورپ کے دروازے پر

ترکوں نے تاتاریوں سے پہلی لڑائی ہی میں اتنی زبردست شکست کھائی تھی کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی چنانچہ پھر کہیں مقابلے پر نہ آئے۔ انقرہ نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ بروصہ ار نیقیہ پر تاتاریوں نے ترکوں کا تعاقب کرتے میں قبضہ کرلیا۔ ترک شہزادے پاشا' اور فوجی افسر اس پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ ایشیائے کوچک میں ساحل سمندر تک ان کے ٹھٹھ لگ گئے ارماہی گیروں کی کشتیاں ہوئیں یا رئیسوں کی جو بھی ہاتھ لگیں غول در غول ان میں بیٹھ کر جزیروں میں جا اترے۔ یونان اور جنوآ والوں کی کشتیوں نے بھی انہیں ایشیا سے بھاگ کر یورپ میں پناہ لینے میں مدد دی۔

اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوسکی کہ عیسائیوں نے اپنے سابق حکمرانوں کی مدد کیوں کی جو ان کے خیال میں ان پر ظلم کرتے رہے تھے۔ ممکن ہے ترکوں نے ان کو بھر مٹھی معاوضہ دیا ہو یا یونانیوں نے اپنے قدیم شعار کے مطابق سب حکومتوں کو خوش رکھنے کی روش اختیار کی ہو۔ ان کے نمائندے کے تیمور سے بھ یہ عہد و پیان کر چکے تھے کہ اگر وہ سلطان ترکی پر یورش کر کے یورپ میں گھسے گا تو وہ جہازوں اور سرمائے سے اس کی مدد کریں گے مگر اب انہوں نے ترکوں کو فرار میں مدد دی اور تیمور کے لشکروں کو جو ترکوں کے تعاقب کے لیے یورپ جانا چاہتے تھے' اپنی کشتیوں میں بٹھانے سے انکار کردیا۔ ان کا یہ دوغلا پن تیمور کو بہت برا معلوم ہوا۔

ایک مہینے کے اندر اندر ایشیا میں ایک بھی ہتھیار بند ترک نہ رہا۔ مگر یورپ میں بھی کوئی تاتاری نہ پہنچا۔ سمرقند کے شہسوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے سمندر کے کنارے تک پہنچے تو وہاں پر انہوں نے قسطنطنیہ کے چمکتے ہوئے سنہری گنبدوں کا نظارہ کیا۔ ٹرائے کے کھنڈروں پر جہاں ہیلن نے ایک بار دربار کیا تھا' اب تاتاری گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ کچھ دن بعد انہیں سمرنا کا پتا چلا جہاں سینٹ یوحنا کے سرداروں کا قلعہ تھا۔ ان دنوں جاڑا تھا جس میں وہاں موسلا دھار بارش ہوتی ہے مگر جب تیمور نے یہ سنا کہ سمرنا والے

بایزید کا محاصرہ کر لینے کے باوجود چھ سال تک اس کا مقابلہ کر چکے ہیں اور تو اسی سخت موسم میں اسے دیکھنے پہنچ گیا۔

عیسائی سرداروں نے قلعہ اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا انہیں یقین تھا کہ اگر محاصرہ کر لیا جائے گا تو ناکام ہو جائے گا ان کا قلعہ ایک خلیج کے سرے پر بلندی پر واقع تھا۔ تیمور نے محاصرے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پانی میں چوبی ستون کھڑے کر کے ان پر تختوں کے چبوترے بنوائے اور مہندس قلعے کی دیواریں کی بنیادیں کھودے کے کام پر لگا دیے گئے۔ ان کو حملوں سے بچانے کے لیے تختوں سے تیر انداز اور نارومی پھینکنے والے بٹھا دیے۔ اسی کے ساتھ خلیج کے تنگ دہانے کو جو قلعے والوں کے سمندر میں جانے کا راستہ تھا پتھروں کا ڈھیر لگوا کر بند کروانا شروع کیا۔ اہل قلعہ دو ہی ہفتے میں گھبرا گئے اور سمندر تک پہنچنے کا راستہ مسدود ہونے سے پہلے پہلے بچ نکلنے کے لیے کم و بیش تین ہزار سردار قلعے سے اتر کر لڑتے بھڑتے جہازوں تک پہنچے اور ان میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ جن بے چارے شہریوں نے ان کے ساتھ جانا چاہا انہیں تلواروں اور چپوؤں سے مار مار کر بھگا دیا اور خود جانیں بچا کر نکل گئے۔

اگلے دن جزائر رہوڈز سے اہل سمرنا کی مدد کے لیے ایک بحری بیڑا پہنچا۔ جب اس کے جہاز ساحل سے لگے تو تاتاریوں نے جو اب قلعے پر قابض تھے ان کا خیر مقدم اس ہیبت ناک طریقے سے کیا کہ ایک مقتول عیسائی کا سر ایک منجنیق پر رکھ کر قریب ترین جہاز میں پھینکا عیسائی بحری بیڑا فوراً دم دبا کر چلتا بنا۔ اور پھر تاتاری بھی سمرنا سے چلے آئے مگر اپنی یادگار کے طور پر دو کلہ مینار چھوڑ آئے۔

ترکوں کے ایشیائے کوچک خالی کرنے کے دوران میں قرا یوسف اور سلطان احمد کو بہت تلاش کیا گیا مگر وہ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ حاکم بغداد نے مصر میں مملوکوں کے دربار میں پناہ لی اور ترکمان خان نے صحرائے عرب کا رستہ لیا جو مصری دربار سے زیادہ محفوظ ثابت ہوا۔ مصر نے جو اب تاتاری حملے کی زد پر تھا فوراً اطاعت

قبول کر لی خراج دینے کا وعدہ کیا اور وہاں کی مسجدوں میں تیمور کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جانے لگا۔ بدنصیب سلطان احمد کو پا بہ سلاسل کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

یورپ کے بادشاہ بایزید کی شکست کے عظیم سانحے پر بے حد متجسس متحیر اور کچھ کچھ مطمئن نیز خوش بھی تھے مگر خوف و ہراس بھی محسوس کر رہے تھے۔ یورپ کی دہلیز پر اس انقلاب عظیم نے انہیں حیران و ششدر کر دیا تھا۔ جس ملک پر ترک ایک صدی سے حکمرانی کرتے آ رہے تھے وہاں ایک تاتاری فاتح نے جو مشرق کے ایک غیر معروف علاقے سے اٹھا تھا۔ ترکوں کے شہنشاہ بایزید کا زور توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب ایشیائے کوچک میں نہ بایزید تھا نہ اس کی فوجیں۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم نے تیمور کو برابر کے کھلاڑی کی طرح مبارکبادی کا خط لکھا۔ فرانس کے عظیم شہنشاہ چارلس ششم کو بھی تاتاریوں کا وہ پیغام یاد آ گیا تھا جو سلطانیہ کا اسقف یوحنا لے کر آیا تھا۔ اس نے فوراً اس اسقف کو طلب کر کے اس کے ہاتھ تیمور کی خدمت میں تحائف اور خطوط روانہ کیے۔

شہنشاہ قسطنطنیہ جو یورپ میں دربدر پھر رہا تھا خوش خوش اپنے وطن قسطنطنیہ لوٹ آیا جہاں سے اس نے تیمور کی خدمت میں اطاعت نامہ روانہ کیا اور خراج دینے کا وعدہ بھی کیا۔ قیصروں کے اس خلف کو یورپی بادشاہوں میں سے کسی نے منہ نہ لگایا مگر اب بھی اسے ان سے بڑا مربی مل گیا اور گولڈن ہارن کے اس طرف پیرا کے برجوں پر اہل جنیوا نے بھی تیموری علم لہرا دیا۔

مگر تاتاری فاتح سے حقیقی تعلق قائم کرنے کا سہرا ہسپانویوں کے سر رہا۔ کچھ عرصے پہلے قشتالیہ کے بادشاہ ہنری سوم نے دو فوجی مبصر ترکوں کی فوجی طاقت اور منصوبوں کا حال معلوم کرنے کے لیے ادھر بھیجے تھے۔ یہ دونوں سردار، جن کے نام پیلایو ڈی سوٹو میئر اور فرنینڈو ڈی پیلازیلوس تھے ایشیائے کوچک میں پھرتے پھراتے عین انقرہ کی لڑائی کے موقع پر تیمور کے لشکر میں پہنچے اور انہوں نے یہ لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ تیمور نے

ان کو باریابی بخشی اور بایزید کی کنیزوں میں سے دو لڑکیاں انہیں بطور تحفہ مرحمت کیں۔ وقائع نگار لکھتا ہے کہ ایک تو ہنگری کے نواب جان کی بیٹی انجلینا تھی جو حسن میں مشہور تھی۔ دوسری ایک یونانی لڑکی تھی۔ جب یہ دونوں ہسپانوی مبصر واپس گئے تو تیمور نے اپنا ایک سفیر ان کے ساتھ کر دیا۔

جب یہ سفیر وہاں سے سمرقند واپس آنے لگا تو امیر تیمور کی ان عنایات ے بدلے مین ہنری نے اس تاتاری سردار کے ہمرکاب اپنے تین سفیر بھیجے جن کا سربراہ روئے دے گوانزالزکلاویہو تھا (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)۔

یہ کلاویہو اپنے ساتھیوں اور تیمور کے سفیر کے ہمراہ مئی ۱۴۰۳ء میں سینٹ میری کی بندرگاہ سے روانہ ہوا مگر جب قسطنطنیہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ تاتاری جا چکے ہیں۔ وہ اپنے بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں ان کے پیچھے ہو لیا اور ملک ملک پھرتا ہوا آخر سمرقند پہنچ گیا۔

تیمور نے یورپ میں داخلے کی کوشش ہی نہیں کی۔ یہ صحیح ہے کہ آبنائے باسفورس کا راستہ اس پر بند تھا مگر چاہتا تھا تو بحیرہ اسود کے شمال سے خشکی کے راستے بھی قسطنطنیہ پہنچ سکتا تھا۔ اصل میں اس کے دل میں یورپ میں داخل ہونے کا ولولہ ہی نہیں تھا۔ ادھر اس کے سپاہی بھی سمرقند واپس جانے کے لیے بے تاب تھے۔ اور بایزید کے شہروں سے کثیر دولت بھی ہاتھ آئی جس میں اور چیزوں کے علاوہ چاندی کے وہ دروازے جن پر نصرانی ولیوں پیٹر اور پال کی شکلیں بنی ہوئی تھیں اور بازنطینی کتب خانہ بھی تھا (۱۳۴)۔

اسکے بعد کچھ عرصے تک تیمور سیاسی امور میں الجھا رہا۔ اس کے علاوہ خراج کی وصولی کا انتظام کیا ترکوں کے صوبے میں نئے صوبیدار مقرر کیے اور مختلف ملکوں کی سفارتوں کو باریابی بھی بخشی۔ (اس دوران بایزید کا انتقال ہو گیا) مگر انہیں دنوں اس کے ذہن میں ایک نئی مہم کا نقشہ بھی رہا تھا۔

اور انہیں دنوں تیمور کو ایک ایسا صدمہ پہنچا جس کا سان گمان تک نہ تھا۔ اسے اطلاع ملی

کہ شہزادہ محمد مر رہا ہے۔ انقرہ کی لڑائی میں جو زخم آئے تھے وہ اس کی جان لے کر رہے۔ تیمور پوتے کو دیکھنے کے لیے فوراً اٹھ کھڑا ہا اربہترن طبیبوں کو شہزادے کے علاج پر مقرر کیا۔ مگر جب وہ محمد کے معسکر میں پہنچا تو شاہزادے کی زبان بند ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔ تیمور نے فوراً کوچ کا نقارہ بجوایا تاکہ تمام لشکر سمرقند واپس چلنے کے لیے تیار ہو جائیں اس کے بیٹوں میں سے بڑا بیٹا جہانگیر اور اس کے بعد عمر شیخ اسے داغ مفارقت دے چکے تھے۔ میراں شاہ نالائق نکل آیا تھا۔ شاہرخ جواب جوانی کے دور سے گزر رہا تھا جنگ و جدل کی طرف مائل نہ تھا چنانچہ یہ پوتا شاہزادہ محمد، جس پر اس کی دلیری اور بہادری کی وجہ سے فوج جان دیتی تھی تیمور کا منظور نظر بن گیا تھا۔

نوجوان شاہزادے کی لاش جس کا انتقال فتح کے موقع پر ہوا تھا تطہیر کے بعد وہی لشکر سمرقند واپس لائے جنہیں مرحوم سمرقند سے لے کر گیا تھا۔ ان کے رنگین پرچم اب کالے جھنڈوں میں بدل گئے تھے۔ محمد کی ماں خانزادہ کے ماتم کا تو تیمور پر کچھ اثر نہ ہوا مگر جب تبریز میں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے سامنے آئے تو اس فولادی انسان کے دل پر بھی چوٹ لگی اور وہ کئی دن تک محمد کے غم میں سوگوار رہا کہ اپنے خیمے سے باہر نہ نکلا۔

بڑھاپے میں انسان کو بیتے ہوئے دن اور واقعات یاد آیا کرتے تھے اور وہ ان سے نتائج نکالا کرتا تھا۔ تیمور اپنے ماضی پر نظر ڈالتا تو اسے محسوس ہوتا کہ اس سے بھی قوی تر کوئی طاقت ان سب انسانوں کو جو اس کا سہارا بن سکتے تھے ایک ایک کر کے اس سے چھینتی رہی ہے۔ وہ اولوالعزم امیر جو شروع شروع کی فتوحات میں اس کے دست و بازو بنے رہے تھے اب قبروں میں سو رہے تھے۔ نیک سیرت سیف الدین اور جاں نثار جاکو برلاس پہلے ہی مر چکے تھے۔ اب اس کے بڑے بیٹے کا جواں سال شیر دل بیٹا بھی چل بسا۔ امیر آقابوغا بھی جسے اس نے ہرات کا والی مقرر کیا تھا اور جس کے دو بیٹے فوج میں تھے دنیا سے اٹھ چکا تھا۔

اب ان کی جگہ نور الدین اور شاہ ملک نظر آتے تھے جو لڑائی میں تو بڑے ذہین سردار

ثابت ہوتے تھے مگر مملکت کا نظم و نسق چلانے کے اہل نہ تھے۔ تیمور کبھی کسی امیر کی لاش سمرقند لاتا تو علماء دن تعزیت فاتحہ خوانی اور دعائیں شروع کر دیتے۔ مگر اب راتوں کو عجیب عجیب خواب دکھائی دینے لگے تھے جن سے اس کی نیند اڑ جاتی تھی۔ اکثر وہ خونین خواب میں آتے جو پرانے وقتوں میں جرار لشکر لے کر صحرائے گوبی سے گزر کر ملک خطا (چین) پر حملہ آور ہوئے تھے۔

ان دنوں جب بھی اس نے بغداد اور دیگر تباہ شدہ شہروں کی از سر نو تعمیر کے احکام جاری کیے تھے۔ اس قسم کے تصورات اس کے ذہن میں موجود تھے۔۔ مگر جب شاہرخ کو خراسان اور مرحوم محمد کے بھائی کو ہندوستان کی حکومتیں دے چکا تو ہر وقت ہی صحرائے گوبی کے بارے میں سوچنے لگا اور ان کہانیوں پر پہلے سے بھی زیادہ غور کرنے لگا جو جوانی میں شہر سبز کے آس پاس ہرن کے شکار کے دوران سن رکھی تھیں۔

انہیں خوابوں میں سے اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ فوج لے کر صحرائے گوبی میں داخل ہو گا اور دیوار چین سے گزر کر جو ملک خطا کی حفاظت کے لیے تعمیر کی گئی ہے دنیا کی اس آخری طاقت کو زیر کرے گا جو کسی وقت بھی اس کے مقابلے پر آ سکتی ہے۔

مگر اس نے اپنے افسروں سے اس کا ذکر نہ کیا۔ موسم سرما کی وجہ سے تبریز کے لشکر کو وہیں رہنے دیا اور خود بھی وہیں قیام کر کے وہ انتظامات بحال کیے جو لڑائیوں کی وجہ سے درہم برہم ہو گئے تھے۔ سالہا سال کی جنگوں نے ملک کی حالت ابتر کر دی چنانچہ ضرورت تھی کہ اس کی طرف توجہ دی جائے۔ مگر جونہی موسم بہار شروع ہوا اور زمین پر سبزہ اگنے لگا تیمور اپنی فوج اور دربار سمیت سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا۔

اگست کے مہینے میں وہ پھر اپنے شہر میں واپس آ گیا اور باغ دلکشا میں قیام کیا۔ پھر شاہی مسجد دیکھنے گیا جو نئی نئی بن کر تیار ہوئی تھی اور وہاں میر عمارت کو اندرونی غلام گردش اور زیادہ فراخ نہ رکھنے پر سرزنش کی۔ جو وزرا اس کی عدم موجودگی میں امور سلطنت کے ذمہ دار رہے تھے ان کے کام کی بھی جانچ پڑتال کی بعضوں کو پھانسی دی بعضوں کو انعام و

اکرام سے نوازا۔ جوشِ عمل سے اس کے بوڑھے جسم میں زندگی کی روسی دوڑتی معلوم ہوتی تھی۔ شہزادہ محمد کا سنگ مرمر کا نیا مقبرہ تعمیر کرانے کا منصوبہ بنایا' جس کا گنبد سنہری رکھنا تھا۔ اس کی قوت ارادی کے تازیانے سے ایک نیا محل بھی وجود میں آ گیا جس میں ایک باغ بھی تھا۔ یہ محل سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر کا تھا۔ اس میں آبنوس اور ہاتھی دانت لگایا گیا تھا اور اس کی چھت چاندی کے ستونوں پر رکھی گئی تھی۔

اب اس کی عمر محنت کرنے کی نہیں تھی مگر وہ بڑھاپے کا خیال کیے بغیر پہلے ہی کی طرح کام کیے جا رہا تھا۔ گزشتہ دو سال سے اس کی بصارت گھٹتی جا رہی تھی۔ اس کے پپوٹے گرے رہتے تھے جس سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سو رہا ہے۔ عمر ایک کم سر کی ہو چکی تھی اور اسے اس بات کا احساس بھی تھا کہ اب خاتمہ قریب ہے۔

''دو ماہ تک جشن ہوتا رہے گا'' اس نے حکم دیا ''اور کوئی کسی سے نہ پوچھے کہ تم نے یہ کام کیوں کیا!''

اس جشن میں شرکت کے لیے بیس ممالک کے سفیر سمرقند آئے۔ ان میں صحرائے گوبی کے ان مغلوں کے گندمی رنگ کے سفیر بھی تھے جو خطا سے نکالے جا چکے تھے۔ تیمور ان سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔

اس نے شاہ ہسپانیہ کے سفیر کلاویہو سے ملاقات کے لیے بھی وقت نکالا جو قسطنطنیہ سے اس کے پیچھے پیچھے سمرقند پہنچا تھا۔

اس سفیر نے اس ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے:

سفیروں (۱۳۵) کے قیام کا انتظام جس باغ میں کیا گیا تھا وہاں سے وہ ۸ ستمبر کو پیر کے دن سمرقند روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو گھوڑوں سے اتر پڑے اور ایک محل کے باغ میں داخل ہوئے۔ اب وہ سرداران کے پاس آئے اور کہا کہ وہ تحائف جو آپ ہمراہ لائے ہیں ہمارے حوالے کر دیجیے۔ سفیروں نے تحائف ان کو دے دیے۔ انہیں یہ تحائف مودبانہ طریقے سے امیروں کی خدمت میں پیش کرنے تھے۔ سلطان (۱۳۶)

کے سفیروں نے بھی ایسا ہی کیا۔اس باغ کا دروازہ بلند اور فراخ تھا اور نہایت خوبصورت سنہری اور نیلے ٹائلوں سے مزین تھا۔دروازے رپ بہت سے دربان کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں بلم تھے۔آگے بڑھے تو چھ ہاتھی نظر آئے جن کی پیٹھوں پر لکڑی کے ہودے تھے اور ان ہودوں میں آدمی بیٹھے تھے۔

اس کے بعد سفیروں کو بغلوں میں ہاتھ دے کر آگے لے جایا گیا۔امیر تیمور نے اپنا جو سفیر قشتالیہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا وہ بھی ان کے ساتھ تھا۔تاتاری اسے دیکھ کر ہنستے تھے کیونکہ اس نے قشتالیہ والوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔

سفیروں کو ایک معمر سردار کے سامنے پہنچایا گیا جو بغل کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔وہ جھک کر اسے آداب بجالائے۔اس کے بعد انہیں چند چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے سامنے لایا گیا۔یہ امیر کے پوتے اور نواسے تھے۔یہاں سفیروں سے وہ سفارشی خط طلب کیا گیا جو وہ بادشاہ قشتالیہ کی طرف سے امیر تیمور کے نام لائے تھے۔انہوں نے یہ خط ان لڑکوں میں سے ایک کے حوالے کردیا۔اس نے خط اندر لے جا کر امیر کو دکھایا۔امیر نے حکم دیا کہ سفیروں کو اندر بلایا جائے۔

وہ ایک خوشنما محل کے دروازے کے سامنے دالان میں ایک زرنگار ریشمی قالین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔اردگرد گول گول تکیے رکھے ہوئے تھے سامنے ایک فوارہ چھوٹ رہا تھا جس کا پانی بڑی اونچائی تک جارہا تھا۔اور حوض میں لال لال سیب تیر رہے تھے۔وہ ریشمی چغہ پہنے ہوئے تھا۔سر پر اونچی باڑھ کی سفید کلاہ تھی جس کے بالائی حصے میں ایک چوڑا سا یاقوت جڑا ہوا تھا اور اس یاقوت کے اردگرد جواہرات جڑے تھے۔

سفیروں نے جونہی امیر کو دیکھا تعظیماً جھک گئے گھٹنے زمین پر ٹیک کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے ارو پھر آگے بڑھ کر دوبارہ سہ بارہ تعظیم بجالائے۔ان کے گھٹنے اس دوران میں زمین پر ہی ٹکے رہے۔

امیر نے انہیں حکم دیا کہ کھڑے ہو جائیں اور آگے آئیں۔جو سردار انہیں بغلوں میں

ہاتھ دے کر یہاں تک لائے تھے اب انہوں نے سفیروں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ آگے بڑھ سکیں۔شہزادے جو امیر کے پاس کھڑے تھے اوران میں نورالدین بھی تھا۔سفیروں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں امیر کے پاس لے گیا تاکہ وہ انہیں اچھی طرح سے دیکھ لے کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی نظر کمزور ہوگئی تھی۔

امیر نے اپنا ہاتھ دست بوسی کے لیے آگے نہ بڑھایا۔یہاں یہ رسم نہیں ہے البتہ انے شاہ قشتالیہ کی خیریت ان الفاظ میں دریافت کی میرے بیٹے بادشاہ قشتالیہ کا کیا حال ہے اچھے تو ہیں؟ پھر ان سرداروں کی طرف مڑا جو اس کے گرد بیٹھے تھے۔اور جن میں تاتار کے سابق شہنشاہ تو قتمش کا بیٹا اور سابق شاہ سمرقند (۱۳۷) کے خاندان کے کئی شاہزادے بھی تھے اوران سے کہا۔

"دیکھو! یہ سفیر میرے لیے شاہ قشتالیہ نے بھیجے ہیں جو فرنگیوں کا سب سے بڑا بادشاہ ہے اور دنیا کے پرلے سرے پر رہتا ہے"

یہ کہہ کر اس نے اپنے پوتے کے ہاتھ سے قشتالیہ کا خط لے لیا اور اسے کھولتے ہوئے کہا کہ یہ خط ابھی پڑھوا کر سنے گا۔پھر سفیروں کو وہاں سے دائیں جانب کے ایک کمرے میں لے جایا گیا۔وہاں ان شاہزادوں نے جنہوں نے ان کے بازو تھام رکھے تھے انہیں ملک خطا کے شہنشاہ کے سفیر سے نیچے بٹھایا۔

امیر نے یہ دیکھا تو حکم دیا کہ انہیں اس سے اوپر بٹھایا جائے اور کہا "یہ شاہ قشتالیہ کے سفیر ہیں جو میرا بیٹا ار میرا ہی خواہ ہے خطا کا بادشاہ تو چور اور بدمعاش ہے"۔

☆☆☆

برف پوش دنیا

پیرانہ سال فاتح نے ایک معسکر ایک باغ اور ایک ہر تینوں کو ملا کر اپنے تصور کے مطابق اپنی ایک جنت بنالی تھی۔ اس جنت میں اس نے دو مہینے بڑے شاندار طریقے سے جشن منایا۔ ان دو مہینوں میں جب خزاں کا سورج پہاڑیوں کے نیلے نیلے ٹیکروں کے پیچھے چھپتا ہوتا اس وقت سمرقند اپنی آرائش اور رنگارنگ قمقموں کی وجہ سے جنات کا شہر معلوم ہوتا۔

کم از کم کلاویہو کو وہ ایسا ہی معلوم ہوا۔ اسنے کہیں صحنوں میں پھولوں اور پھلوں کے انبار لگے دیکھے کہیں ایسے جگمگاتے ہوئے تخت رواں اور پالکیاں دیکھیں جن میں لعل و جواہر جڑے ہوئے تھے۔ ان میں بیٹھی ہوئی لڑکیاں گانے گاتیں اور ان کے ساتھ نوجوان لڑکے بانسری کی تانیں اڑاتے ہوئے چلتے۔ اس جلوس میں شیر اور سنہری سینگوں کی بکریاں بھی ہوتیں جو دراصل بکریاں نہیں بلکہ وہ حسین وجمیل لڑکیاں ہوتیں جنہیں سمرقند کے پوستین ساز اپنا کمال دکھانے کے لیے ان جانوروں کی کھالیں اس خوبی سے پہناتے کہ دیکھنے والوں کو شیر اور بکریاں نظر آتیں۔

کلاویہو نے سمرقند میں ایک ایسا محل دیکھا جو مسجد کے میناروں سے بھی اونچا تھا۔ مگر تھا صرف کپڑے کا۔ سمرقندی پارچہ بافوں اور خیمہ سازوں نے قرمزی کپڑے سے اتنا عالی شان محل تیار کر کے اپنا ہنر دکھایا تھا (۱۳۸) اس نے وہاں ہاتھیوں کی لڑائی بھی دیکھی اور جو تاتاری شہزادے ہندوستان اور صحرائے گوبی سے سمرقند آتے انہیں امیر تیمور کی خدمت میں انواع واقسام کے ایسے تحائف پیش کرتے بھی دیکھا جو نوادر کی شان رکھتے تھے۔ ان سب تفریحات اور تقریبات نے کلاویہو کو بہت متاثر کیا۔ وہ لکھتا ہے ''ان ہنگاموں کو پورا حال وہ بیان کر سکتا ہے جس نے انہیں چلتے میں رک رک کر پوری توجہ سے دیکھا ہو۔ اسی طرح ان نوادر کی تفصیل بھی وہی بتا سکتا ہے جس نے ایک ایک چیز کا بغور مشاہدہ کیا ہو۔

پھر اچانک سفیروں کو رخصت کر دیا گیا اور جشن بھی ختم ہو گیا۔ تیمور نے شہزادوں اور

امیروں کی مجلس مشاورت طلب کی اور ان سے کہا ''ہم نے پورا ایشیا فتح کر ڈالا ہے صرف ایک ایسا خطہ رہ گیا ہے جسے ابھی فتح کرنا باقی ہے۔ ہم نے ایسے ایسے طاقت ور بادشاہوں کے تخت الٹے ہیں کہ ہماری فتوحات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ تم بہت سی جنگوں میں ہمارے ساتھ رہے ہو اور فتح وظفر نے ہر موقع پر تمہارے قدم چومے ہیں ہمارا اگلا شکار چین ہے ارا سے فتح کرنے کے لیے زیادہ طاقت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اب تم لوگ میرے ساتھ ادھر چلو۔

تیمور کی اس ولولہ انگیز تقریر سے ظاہر تھا کہ وہ چین پر حملے کا تہیہ کر چکا ہے کیونکہ اس کی بھاری آواز میں عزم گونج رہا تھا۔ یہ اسکی آخری مہم ہوگی جس میں وہ اپنے آبا وٗاجداد کے مرزبوم نز دیوارچین سے بھی آگے نکل جائے گا۔ اس کے جرنیلوں اور سپاہیوں نے بھی تین مہینے ہی آرام کیا تھا مگر اپنے امیر کی ولولہ انگیز تقریر سن کر علم بلند کیے جانے کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

سمرقند میں پہلے ہی سے جنگ آزماؤں کا جم غفیر تھا۔ اس لیے کسی مزید اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ دو لاکھ فوج مختلف جیشوں میں بٹ کر ان معسکروں کی طرف روانہ ہوئی جو چین جانے والی شاہراہ پر بنے ہوئے تھے۔ جاڑا شروع ہو چکا تھا۔ بام دنیا رپ برفباری ہو رہی تھی اسکے رکنے اور برف پگھلنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا مگر تیمور کہاں رکنے والا تھا اس نے شہزادہ خلیل کو فوج کے میمنہ کے ساتھ شمال کی جانب روانہ کیا اور خود قلب کے ساتھ رہا۔ جس کی کمان شاہزادہ محمد کیا کرتا تھا۔ تاتاریوں کے ساتھ بڑی بڑی گاڑیاں اتنی زیادہ تعداد میں تھیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک چوبی شہر حرکت میں ہے۔ ان گاڑیوں میں سامان رسد تھا کیونکہ راستے میں رسد فراہم ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ تیمور نے اسی لیے اس کا انتظام کیا تھا کہ سپاہ کے لیے رسد کی کوئی کمی نہ ہو۔

جب تاتاری فوج نے سمرقند کا دریا عبور کیا تو تیمور نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے پلٹ کر شہر کی طرف دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔ نگاہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے سمرقند کے مینار اور گنبد

اسے نظر نہ آئے۔

نومبر کا مہینہ تھا۔ کڑا کے کی سردی پڑ رہی تھی۔ جب تاتاری اس درے میں سے گزرے جس کا نام اس دن کے بعد بند امیر پڑ گیا تو وہاں برف گرنی شروع ہو گئی۔ اور پھر شمالی سطح مرتفع کی سرد ہواؤں نے میدانی فضا کو یخ کر دیا چنانچہ ژالہ باری کے طوفان سے ٹھٹھرتے ہوئے اپنے معسکر کے خیموں میں بند ہو گئے۔

جب وہ خیموں سے نکل کر دوبارہ روانہ ہوئے تو دنیا برف سے سفید ہو چکی تھی۔ ندیاں جمی ہوئی تھیں اور راستوں پر جا بجا برف کے تودے تھے سپاہی اور گھوڑے سردی سے مرنے لگے مگر تیمور نے واپس ہونے سے انکار کر دیا بلکہ شہر سنگ (۱۲۰) کی اس سرمائی قیام گاہ میں پناہ لینا بھی پسند نہ کیا جہاں شہزادہ خلیل نے اپنے سپاہیوں کو جاڑا ختم ہونے تک جھونپڑیوں میں ٹھہرا دیا تھا۔ اور یہ کہا کہ وہ تو شمالی سرحد کے قلعے سے اترار پہنچ کر ہی دم لے گا۔ جونہی راستہ صاف ہو خلیل بھی اترار پہنچ کر باقی فوج سے آن ملے۔

اس کے ساتھ کی فوج نے برف پر نمدے بچھائے اور برف کو چل چل کر اس پر گاڑیاں اور اونٹ گزرا ے جو یخ بستہ سفید سفید زمین پر رینگتی ہوئی ایک لمبی سیاہ لکیر کی طرح نظر آ رہے تھے۔ دریائے سیر پر برف کی تین فٹ موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ تیموری فوج اس کے اوپر سے گزر گئی۔

اب جاڑے نے زور باندھا۔ دن رات برف و باراں کے طوفان آنے لگے۔ برف پر تر چھے سورج کی پیلی پیلی دھوپ کی چمک سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔

جب وہ سنہری غول سے لڑنے گئے تھے تو تیز رفتار سے بڑھتے چلے گئے تھے۔ مگر اب چونکہ ہر قدم پر راستہ بھی بنانا تھا اس لیے اترار اور خطا کی شاہراہ کے رخ دن بھر میں صرف چند میل آگے بڑھتے۔

تیمور علم سہج سہج چل کر پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے ہ اور تیرہ و تار گھاٹیوں سے گزر کر جو پہاڑی چوٹیوں کے کہر میں چھپے ہونے کی وجہ سے ان کے مقابلے میں بالکل ہی

زمین میں دھندی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔لدے ہوئے حیوان کی طرح آہستہ آہستہ راستہ ٹٹول ٹٹول کر بڑھتے ہوئے دروں کو عبور کر کے شمالی میدان میں جا نکلے۔سامنے جاڑوں کی پناہ گاہ اترار کی دیواریں تھیں۔

تیمور یہاں قیام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔اس نے پڑاؤ ڈال لیا اور یہ منصوبہ بنایا کہ گرمیاں شروع ہوتے ہی روانہ ہو جائے گا۔

اس کے حکم کے مطابق مارچ ۱۴۰۵ء میں فوج پھر حرکت میں آ گئی۔علم بلند کر لیے گئے نقارے پر چوٹ پڑی۔رجمنٹیں معائنے کے لیے صف بستہ ہو گئیں۔لشکروں کے سالاروں نے امیر کا شاہانہ سلامی دینے کے لیے اپنے اپنے نقارچیوں کو جمع کیا۔نفیریاں بجنے لگیں اور نقارے پٹنے لگے۔جن کی آواز گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدائے بازگشت معلوم ہو رہی تھی

مگر یہ سلامی مردے کو دی جا رہی تھی!

تیمور کا تو اترار ہی میں انتقال ہو چکا تھا (۱۳۹) اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فوج نے شمال کو جانے والی شاہراہ پر کوچ شروع کر دیا۔تیمور کے سفید گھوڑے پر زین کسی ہوء تھی اور وہ تیمور علم کے نیچے اپنی جگہ کھڑا تھا مگر اس پر کوئی سوار نہ تھا''۔

وقائع نگار نے تیمور کے آخری لمحات کی ایک جھلک دکھائی ہے۔وہ لکھتا ہے ''حصار کی چوبی دیواروں کے باہر امیر سردار اور ہر درجے کے افسر برف میں کھڑے تھے۔دیوان میں بوڑھی ملکہ سرائے خانم اپنی خواصوں سمیت بیٹھی تھی جو تیمور کی علالت کی خبر سن کر سمرقند سے اترار پہنچ گئی تھی''۔

تیمور کے کمرے کے باہر باریش امام اور علماء کھڑے تلاوت کر رہے تھے۔ہفتوں سے اسی طرح قرآن شریف کی آیتیں پڑھ پڑھ کر اس کے صحت یاب ہونے کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔مگر یہ دعائیں قبول ہونی تھی نہ ہوئیں۔ **ملک** الاطبا مولانا تبریزی کہہ چکے تھے کہ اب کوئی چارہ نہیں۔وقت قریب آ پہنچا ہے۔

تیمور کا جھریوں سے بھرا ہوا چہرہ دھوئے کپڑے کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ برف سے سفید بالوں کے جنڈ تکیے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بستر پر دراز تھا۔ نزع کا عالم طاری تھا۔ مگر اس وقت بھی امیروں کو ہدایتیں دے رہا تھا۔ اپنی تلواریں سنبھالے رہنا۔ آپس میں اتفاق رکھنا نفاق سے تباہی آتی ہے۔ خطا کی مہم ترک نہ کر دینا۔

اس کے سرہانے انگیٹھیاں رہک رہی تھیں۔ اس کی آواز اب اتنی نحیف ہوگئی تھی کہ کان اس کے ہونٹوں سے لگائے بغیر اس کی بات نہ سنی جا سکتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا میرے مرنے کے بعد پاگلوں کی طرح کپڑے پھاڑ کر ادھر ادھر بھاگنا نہ شروع کر دینا۔ اس سے بدنظمی پھیل جائے گی''۔

''پھر نورالدین اور شاہ ملک کو اپنے پاس بلایا اور آواز ذرا اونچی کر کے کہا۔ میں جہانگیر کے پسر پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ اسے سمرقند میں رہنا چاہیے۔ اور فوجی اور انتظامی معاملات پر مکمل اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنا زندگیاں اس کی خدمت کے لیے وقف کر دینا اور اس کی ہر ممکن امداد کرتے رہنا۔ سمرقند کی طرح مملکت کے دور دراز صوبے بھی اسی کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ اگر تم نے اس کی پوری مطابقت نہ کی تو تخت و تاج کے لیے کشمکش شروع ہو جائے گی''۔

''تمام بڑے بڑے امیروں نے تیمور کی اس وصیت پر عمل کرنے کی قسم کھائی مگر انہوں نے یہ درخواست بھی کی کہ تیمور اپنے پوتوں کو بھی بلا لے تاکہ وہ بھی اس کی وصیت اپنے کانوں سے سن لیں''۔

اسے تذبذب اور تاخیر پر جس طرح ہمیشہ طیش آ جایا کرتا تھا اسی طرح اب بھی بیزاری سے کہا ''نہیں یہ آخری دربار ہے خدا کو یونہی منظور ہے''

پھر تھوڑی دیر بعد بولا اس طرح جیسے خود سے کہہ رہا ہو۔ اب اس کے سوا کوئی تمنا نہیں کہ شاہرخ کی صورت ایک بار پھر دیکھ لیتا مگر یہ ناممکن ہے۔

پوری زندگی میں شاید پہلی بار یہ لفظ اس کی زبان پر آیا تھا۔ فولادی ارادے کا وہ انسان

جس نے تمام زندگی مشکلات کے پہاڑ چیر چیر کر راستہ بنایا تھا اپنے انجام کے بارے میں حرف شکایت زبان پر نہ لا سکا!

بعض امیر آنسو نہ روک سکے۔ عورتوں کی طرف سے بھی رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ملا مولوی کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

☆☆☆

تیمور کی جدوجہد کا مال

وہ ہاتھ جس نے چھوٹے چھوٹے علاقوں کو جوڑ کر اتنی بڑی بادشاہت بنالی تھی اب کچھ نہ کرسکتا تھا وہ عزم جس سے سمرقند جیسا شاہی شہر آباد کر لیا تھا اب تاتاریوں کو مزید فتوحات پر نہ اکسا سکتا تھا۔

امیر تیمور کے مرجانے سے تاتاری اپنا ایک شہنشاہ ہی نہیں اور سب کچھ بھی کھو بیٹھے تھے انہیں اک بے پناہ قوت اسی نے بنایا تھا' ہر معاملے میں وہی ان کی رہنمائی کرتا رہا تھا مملکت کی باگ ڈور تنہا اسی کے ہاتھوں میں رہی تھی۔ اسی کی قیادت میں وہ آدھی دنیا کے مالک بنے تھے۔ ان میں سے بیشتر انہیں لوگوں کے بیٹے پوتے تھے جنہوں نے تیمور کی خدمت کرتے زندگیاں گزاری تھیں اور ہر مہم میں اس کے دست و بازو بنے تھے۔ پچاس سال تک ان کے ذہنوں پر تیمور اور صرف تیمور کے عزائم چھائے رہے تھے۔ اور انہوں نے وہی کیا تھا جو اس نے کرانا چاہا تھا۔

پھر تاتاری سلطنت کے دارالحکومت میں تاتاریوں کے علاوہ اور نسلوں کے لوگ بھی آباد کیے گئے تھے جیسے مغل' ترک' ایرانی افغانی' اور شامی۔ اور ابھی تک یہ سب گھل مل کر ایک قوم نہ بنے تھے۔ یہ نئی قوم تیمور ہی تیار کرسکتا تھا۔ اس کے مرجانے سے یہ کام بھی ادھورا رہ گیا۔

فوج اور اہل سمرقند کو تیمور کی موت کا اتنا زیادہ غم اور اس کے احکام کا اتنا زیادہ احترام ملحوظ تھا کہ اس وقت ان پر عمل درآمد کرنے کے سوا انہیں اور کچھ سوجھ ہی نہ رہا تھا۔ اگر تیمور کا جانشین پیر محمد ہندوستان میں ہونے کی وجہ سے سمرقند سے اتنی دور نہ ہوتا کہ اسے اطلاع دینے اور اس کے وطن پہنچنے میں کئی مہینوں لگ گئے...... اترار سے قاصد کا ہندوستان جانا اور ہندوستان سے پیر محمد کا سمرقند آنا کالے کوسوں کا سفر تھا...... اگر تیمور کا قابل ترین فرزند شاہرخ خراساں میں اپنی علیحدہ حکومت بنانے میں ہمہ تن مصروف نہ ہوتا اور اگر امیر اپنے آقا کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہوئے چین کی جانب کوچ جاری رکھنے پر بضد

نہ ہوتے تو شاید تیمور کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوتی۔

مگر حکومت کی جو باگیں تیمور کے ہاتھ سے چھوٹی تھیں انہیں سنبھالے رہنا اور کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ جو امیر اترار میں موجود تھے انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سلطنت کا شیرازہ نہ بکھرے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ تیمور کی موت کی خبر عام نہ کی جائے اور اس کے کسی پوت کی فوج کا کماندار بنا کر چین کی طرف پیش قدمی جاری رکھی جائے۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی فوج دیوار چین تک جا پہنچے گی۔ چینی یہی سمجھیں گے کہ تیمور ہی فوج لے کر آیا ہے۔ تیموری امیر سمجھتے تھے کہ ہم چین فتح کر سکتے ہیں۔

مرحوم فاتح کی لاش شاہرخ کے بڑے بیٹے الغ بیگ کی سپردگی میں اس مقام پر بھیج دی گئی جہاں تیمور کی دونوں بیگمات اس کی منتظر تھیں۔ پیر محمد کی طرف بڑی عجلت سے قاصد روانہ کیے گئے۔ دور کے صوبوں کے والیوں اور شہزادوں کو بھی اطلاع دینا ضروری تھا۔ چنانچہ ان کی طرف بھی قاصد دوڑائے گئے۔

مگر دفعتاً فوج کو کوچ روکنا پڑ گیا کیونکہ اسے یہ اطلاع ملی کہ میمنہ کے امیروں نے میران شاہ کے بیٹے خلیل کی وفاداری کا حلف اٹھا کر اسے سمرقند کے تخت پر بٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور عین اسی وقت میسرہ کا کماندار اپنی فوج کو منتشر کر کے سمرقند روانہ ہو گیا۔

بڑے بڑے امیروں نورالدین اور اس کے ساتھیوں نے موقع نازک دیکھ کر ایک بار پھر آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اب جب کہ مرکزی حکومت میں انتشار پیدا ہو چکا ہے چین کی مہم جاری رکھنا بے سود ہے۔ وہ پلٹ کر تیز رفتار سے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے سیر پر جنازے کے ساتھ مل گئے۔

مگر جب وہ سمرقند پہنچے تو شہر کے دروازے اپنے پر بند پائے۔ (۱۵۰) ان کے ساتھ تیمور کا تابوت ملکہ سرائے خانم اور تیموری طبل و علم تھے مگر حاکم شہر نے جو خلیل کی وفاداری کا حلف اٹھا چکا تھا دروازے کھولنے سے انکار کرتے ہوئے امیروں کو لکھا کہ پیر محمد کے

ہندوستان سے سمرقند پہنچنے تک کسی نہ کسی کو تخت پر بٹھانا ضروری ہے۔

مگر وہ شخص سمرقند پہنچا جو نوجوان خلیل تھا' وہ شادی ملک سے عشق میں رسوا ہو چکا تھا۔ اس کی ماں خانزادہ بہت پہلے سے اسے تخت پر بٹھانے کے لیے جوڑ توڑ کر رہی تھی۔ اور اس کے اثر ورسوخ کی وجہ سے امیروں کی بڑی تعداد خلیل کے ساتھ مل گئی تھی۔ سمرقند کے باشندے الجھن میں پڑ گئے۔ تیمور ملک کے باہر فوت ہوا تھا۔ انہوں نے اس کے احکام اپنے کانوں سے نہ سنے تھے۔ ادھر خلیل تخت پر بیٹھ چکا تھا اور اسے شہنشاہ تسلیم بھی کر لیا گیا تھا۔

آزمودہ کار نورالدین نئے دربار کو (ہرات سے) یہ خط لکھا تھا کہ جس کے ایک ایک لفظ میں تلخی ہے:

ہمارے دل اس کی موت کے صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں جو دنیا کے طاقت ور ترین شاہنشاہوں میں سے تھا اور جس کی ذات اس جہان کی روح رواں تھی۔ کتنے قلق کی بات ہے کہ اس کی آنکھ بند ہوتے ہی وہ جاہل نوجوان جنہیں اس نے ادنیٰ حالت سے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا۔ اس سے باغی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مرحوم کے احسانات فراموش کر دیے ہیں وہ اس کے احکام کو پس پشت ڈال رہے ہیں اور اس کے وفادار رہنے کی جو قسمیں کھا چکے ہیں ان سے پھر گئے ہیں اس المناک صورت حال پر ہمارے دل جس طرح خون ہو رہے ہیں اسے ہم کس طرح چھپا سکتے ہیں' جس شہنشاہ نے ایک جہان کے بادشاہوں کو اپنے در کا دربان بنا دیا اور صحیح معنوں میں فاتح عالم کا لقب پایا اس کے آنکھ بند کرتے ہی اس کی وصیت کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ غلام اپنے محسن اور آقا کے دشمن بن گئے ہیں اور ان کے ایمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر پتھروں کے پاس دل ہوتے تو وہ بھی اس کے سانحے پر ماتم کرتے! ایسے محسن کش بدبختوں پر پتھر کیوں نہیں برستے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے انشاءاللہ ہم اپنے امیر کی وصیت کو ہرگز نہ بھولیں گے۔ اس پر

عمل درآمد کرتے رہیں گے اور اس کے حکم کے مطابق اس کے پوتوں کی اطاعت و فرماں برداری سے منہ نہ موڑیں گے۔

ان امیروں نے ایک بار پھر مشورہ کیا اور پھر بارہ دری میں پہنچ کر' جہاں تیموری علم گڑا ہوا تھا تیمور کا نقارہ تڑوا دیا۔ انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ جو نقارہ اتنی مرتبہ تیمور کی فتح کی خبر دینے کے لیے گرج چکا تھا اس پر کسی اور کے اعزاز کی چوٹ پڑے۔

خلیل نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شادی ملک سے بیاہ رچایا' گویا جس کنیز پر فریفتہ چلا آ رہا تھا اسے تیموری سلطنت کی ملکہ بنا دیا۔ اب یہ نوجوان بادشاہ تو بن دیا مگر ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے حکمرانی کے طریقوں سے نابلد تھا۔ اسے ایک تو بے اندازہ دولت کا نشہ ہو گیا' دوسرے اپنی ملکہ کے ہاتھ کٹھ پتلی بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رات دن جشن منانے لگا۔ اپنی محبوبہ کی شان میں قصیدے لکھنے شروع کر دیے اور نااہلوں سے خزانے کا منہ کھول دیا۔ اس اسراف اور بے جا اور شان و شوکت کی وجہ سے رعایا عارضی طور پر اس کے گن گانے لگی اور اس کا دم بھرنے والے بھی بہت سے پیدا ہو گئے۔ اس نے تجربہ کار امرا کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا اور اپنی پسند کے ایسے لوگ اپنے گرد جمع کر لیے جن میں ایرانی خوشامدی اور خبر نہیں کیسے کیسے افراد شامل تھے۔ اور شادی ملک تو ہر وقت پیرانہ سال ملکہ سرائے خانم کو ذلیل کرنے کی تدبیریں سوچتی رہتی تھی حالانکہ اسی خاتون نے اسے قتل ہونے سے بچایا تھا۔ سمرقند کے باغوں میں بڑی دھوم دھام سے راگ رنگ کی تقریبات ہوتی رہتیں۔ ہیرے جواہرات یہ کہہ کر زمین پر بکھیر دیے جاتے کہ جو پالے وہی لے لے اور فواروں میں سے پانی کے بجائے شراب گرتی تھی۔ خلیل نشہ اقتدار میں مست تھا اور شادی ملک تاتاریوں سے انتقام لے رہی تھی۔ ان دونوں کی لغو حرکتوں سے آخر کار خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

کچھ دن بعد پیر محمد ہندوستان سے سمرقند پہنچ گیا مگر اس نے خلیل کی فوج سے شکست کھائی۔ اب حالات بڑی تیزی سے بدلنے شروع ہو گئے۔ بڑے امیروں نے سمرقند پر

حملہ کیا۔ فوج کا ایک حصہ ان کے ساتھ تھا انہوں نے نئے شہنشاہ کو شکست دے کر قید کر لیا اور شادی ملک کو سرِ عام رسوا کیا۔

مگر تیمور کی سلطنت تیمور کے ساتھ ہی ختم ہوگئی تھی' اب اس کے برقرار رہنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

شاہرخ اس وقت تک بے پروائی برتتا رہا تھا مگر جب افراتفری بڑھی اور حالات سنگین ہونے لگے تو وہ حرکت میں آ گیا اور خراسان سے ماوراالنہر کی طرف بڑھ کر سمرقند پر قابض ہو گیا۔

اس کے بعد ماوراءالنہر آئندہ اسی کے پاس رہا اور اسی نے سمرقند جس کی دولت لٹ چکی تھی اپنے بیٹے الغ خان کے حوالے کر دیا۔ ان دونوں کی کوششوں سے تیموری سلطنت ہندوستان سے عراق تک کے علاقے میں برقرار رہی۔

یہ دونوں بادشاہ امن پسند علم دوست اور ہنر نواز تھے اور انہوں نے تیمور کی طبیعت کا وہ رخ ورثے میں پایا تھا کہ جب برباد کر چلتا تھا تو پھر تعمیر شروع کر دیتا تھا۔ جنگ سے بچتے رہتے تھے مگر ان آزمودہ کار جرنیلوں کی وجہ سے اجوان کے درباروں میں جمع ہو گئے تھے۔ اپنے دفاع کے انتظامات بھی کر رکھتے تھے۔ ان دنوں ہر طرف تباہی و بربادی کا دور دورہ تھا۔ مگر ان کے شہر انسانوں کے لیے امن وسکون اور سلامتی کے مسکن تھے۔

شاہرخ اور الغ بیگ کے زمانے میں ایک بار پھر خوشحالی کا دور شروع ہوا۔ سمرقند کے ریگستان میں نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں اور ایرانی معماروں فن کاروں اور شاعروں کی خوب سرپرستی کی گئی۔ اگر شاہرخ اس خاندان کا آگسٹس تھا تو الغ بیگ مارکس آریلیس تھا۔ الغ بیگ خود بھی ایک فخر روزگار منجم جغرافیہ دان اور شاعر تھا۔ سمرقند کی مشہور و معروف رصدگاہ اسی نے تعمیر کی تھی۔ اور وہ علوم طبیعی کی ترقی میں بھی ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔ ی دونوں بادشاہ تیموری کہلاتے ہیں اور شاید چین کے ہم عصر منگ خاندان کے بادشاہوں کو چھوڑ کر اپنے دور کے سب سے زیادہ روشن خیال حکمراں تھے۔

ان کی تعمیری صلاحیت سے تیمور ے آدھے عزائم کی تکمیل ہوگئی کیونکہ ان کے زمانے میں سمرقند سچ مچ ایشیا کا روما بن گیا مگر اب وہ باقی دنیا سے کٹ گیا تھا۔ تیمور کی موت کے بعد جو خانہ جنگی شروع ہوئی تھی اس کی وجہ سے بین براعظمی تجارتی شاہراہیں بند ہوگئی تھیں۔ ۱۴۰۵ء سے لے کر اس زمانے تک جب پہلے پرتگالیوں اور ان کے بعد انگریزوں ں ے سمندری تجارتی راستے نکالے ایشیا کا بہترین حصہ یورپ سے منقطع رہا۔ اس زمانے میں کسی مارکو پولو کا سمرقند کی طرف سے گزر نہ ہوا۔ اور یہ تبت کے دارالحکومت لاسا کی طرح دنیا سے الگ تھلگ اور غیر ملکیوں کے لیے اسی کی مانند شہر ممنوعہ بنا رہا۔ پھر کہیں انیسویں صدی کے وسط میں روسی فوج کے قدم وہاں تک پہنچے اور سائنس داں بھی جوق در جوق سمرقند گئے جنہیں ایک بازنطینی کتب خانے کی تلاش تھی جو تیمور بروصہ سے سمرقند لے گیا تھا، مگر یہ جستجو بیکار رہی۔

امتداد زمانہ، کہرے، شدید گرمی اور زلزلوں نے ریگستان اور بی بی خانم کے مقبرے کے عالیشان عمارتوں کو کھنڈر کر دیا تھا۔ جن دیواروں کو تیمور نے پائیدار سمجھا تھا وہ سال بسال گرتی چلی جارہی تھیں۔ لارڈ کرزن نے ریگستان کو دنیا کا سب سے عالیشان میدان بتایا ہے مگر اب بہت کم سیاح اور سیلانی اس میدان کو دیکھنے جاتے ہیں تاہم سمرقند کے کھنڈروں میں محض ان کے قدیم ہونے کی وجہ سے بھی ایک ابدی حسن ہے۔

تاتاریوں کے اس شاندار عہد کے علمی و ادبی شہ پاروں کا ابھی تک اور زبانوں میں ترجمہ نہیں ہوا ہے اس لیے دنیا اس کی عظمت سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ لیکن شاہرخ اور الغ خاں کے پوتوں پڑپوتوں نے ساری دنیا سے اپنی عظمت تسلیم کرالی۔ وہ سمرقند سے نکل کر ہندوستان پہنچے اور وہاں اس خاندان کا آغاز کیا جو تاریخ میں خاندان مغلیہ کے نام سے مشہور ہوا اور اس کے بادشاہوں کو یورپ نے مغل اعظم کا باعظمت خطاب دیا ہے۔

چنگیز کی فتوحات کی طرح تیمور کی مغربی مہم نے بھی اس وقت کی دنیا کا سیاسی نقشہ بدل

دیا جس سے یورپ کی قسمت پلٹ گئی۔

اس نے یورپ اور ایشیا کے درمیان وہ تجارتی شاہراہیں پھر کھول دیں جو سو سال سے بند تھیں۔ اس نے ایشای میں امن قائم کیا اور جس سے تبریز‘ جو یورپی تاجروں کو پاس پڑتا تھا‘ ایشیا میں ان کا پہلا تجارتی اڈہ بن گیا۔ پہلے بغداد ان کی اولین تجارتی چوکی تھی مگر وہ انہیں دور پڑتا تھا۔ تیمور کی موت کے بعد بدامنی کی وجہ سے تبریز کی عظیم تجارتی شاہراہ پھر بند ہو گئی۔ اسی سے یورپ کو ایشیا تک پہنچنے کے دیگر تجارتی راستے ڈھونڈنے کا خیال پیدا ہوا۔ جن وجوہ سے کولمبس اور واسکوڈی گاما سمندر سے ایشیا تک پہنچنے کا راستہ ڈھونڈنے نکلے ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی۔

تیمور نے سنہری غول کو غارت کر دیا۔ اس سے روسی آزادی حاصل کرنے کے قابل ہوئے۔ ایران میں تیمور کے حملے سے آل مظفر کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے دو صدی بعد شاہ عباس کے ماتحت ایران بجائے خود ایک بڑی سلطنت بن گیا۔ عثمانی ترکوں کا زور تیمور سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور وہ منتشر ہو گئے۔ مشرقی یورپ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر آزادی حاصل کر سکتا تھا۔ مگر وہ اس قدر بودا نکلا کہ کچھ بھی نہ بنا سکا۔ ادھر ترکوں نے جلد ہی اپنی قوت بحال کر لی اور ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کر ڈالا۔

باقی سلاطین میں سے جنہیں تیمور نے شکست دی تھی سلطان مصر نے عہد وفاداری بہت جلد بھلا دیا اور اس عیب جوڑے قرا یوسف اور سلطان احمد نے بھی بہت جلد عراق واپس پہنچ کر پھر فتنہ و فساد شروع کر دیا۔

فوج کے کچھ مغل اور تاتاری عنصر نور الدین اور دیگر امیروں کی سرکردگی میں شمالی سطح مرتفع کا و سرحدی قلعوں کی طرف چلے گئے جہاں آج بھی ان کی اولاد...... کرغیز اور قلماق...... تیمور کے تعمیر کیے ہوئے قلعوں اور برجوں کے آس پاس گھوڑے اور بھیڑیں چراتی پھرتی ہے۔ یوں تیمور کے مر جانے سے توران کے خود پوش لوگ جنوب کے متمدن عمامہ پوش ایرانیوں سے جدا ہو گئے۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے تیمور کی موت کے بعد ان کا عالمی خلافت کا خیال خواب ہو گیا۔ انہیں یہ امید تھی کہ تاتاری فتوحات سے ان کو اقتدار حاصل ہوگا مگر انہیں معلوم ہوا کہ تیموری جنگوں نے مسلمانوں کی یکجہتی کے امکانات کو پاش پاش کر ڈالا ہے۔ تیمور منصوبے بناتے وقت علما سے مشورہ نہیں لیتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ان کے مشوروں کی پروا بھی نہ کرتا تھا۔

ایران کی شیعہ سلطنت عثمانیوں سے ہمیشہ آمادہ جنگ رہتی تھی۔ تیمور کی اولاد یعنی ہندوستان کے مغل، تیمور کی طرح برائے نام ہی مسلمان تھی۔ البتہ مغل بادشاہ اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری سے پیش آتے تھے۔ خلیفہ قاہرہ جو بغداد میں ضیافتوں میں مصروف رہتا تھا خلفائے بغداد کے ہیولے سے زیادہ نہ تھا۔

تیمور کے بعد اب تک کسی اور انسان نے دنیا پر غلبے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی فتوحات سکندر کے کارناموں کے ہم پایہ ہیں' اسکندر خسرو کے بعد ہوا۔ تیمور چنگیز خان کے بعد آیا۔ وہ دنیا کا آخری فاتح تھا۔ آئندہ کوئی انسان تلوار کے زور سے اتنی طاقت کہاں سے حاصل کر سکے گا!

ایشیا میں کسی سے پوچھو یہ جواب دے گا کہ دنیا کو تین آدمیوں نے فتح کیا۔ ایک اسکندر اعظم' دوسرا چنگیز خان اور تیسرا امیر تیمور۔ (۱۴۱)

جو سیاح سمرقند پہنچے ہیں انہیں حصار کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ کے عین اوپر ایک بہت بڑا گنبد نظر آتا ہے' جس پر کہیں کہیں اب بھی فیروزی رنگ کی کاشی کاری موجود ہے جو سورج کی شعاعوں سے چمک چمک اٹھتی ہے۔ دیواروں کی اینٹوں میں روسی سپاہیوں کے نشان ہیں۔ ایک محراب کے سوا باقی سب محرابیں ٹوٹ چکی ہیں۔

روق میں تین معمر ملا ایک چٹائی پر ملتے ہیں' اگر سیاح چاہے تو ان میں سے ایک اٹھ کر شمع جلا کر اسے اندر کے کمرے میں لے جائے گا جہاں مرمریں جالی دار روشن دانوں سے ملگجی دھوپ اندر آ رہی ہوگی۔ سنگی جالیوں کے اندر دو قبروں کے تعویز ہیں۔ ایک سفید

دوسرا سبزی مائل سیاہ۔ سفید تعویز کی قبر ایک عالم دین امیر سید کی ہے جو تیمور کے دوست تھے۔ ملا بتائے گا کہ سیاہ پتھر سنگ یشب ہے جو ایک مغل شہزادی نے بھیجا تھا۔ اسی کے نیچے تیمور دفن ہے۔

اگر سیاح اس ملا سے جو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اور سفید عمامہ باندھے ہوتا ہے' ی پوچھے کہ تیمور کون تھا تو وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہے گا اس اثنا میں اس کی پتلی پتلی انگلیوں میں تھمے چراغ کی لرزتی لو رہے گی پھر غالباً جواب میں کہے گا کہ ''میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ ''برا'' تھا یا نہیں کیونکہ وہ میری بلکہ میرے باپ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے ہو گزرا ہے یہ قرنوں پہلے کی بات ہے مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ وہ امیر تھا''۔

☆☆☆

حصہ چہارم

حواشی

1۔ لفظ تیمور کے معنی: ہیں فولاد۔ جب تک تیمور سیستان کی لڑائی میں پاؤں میں تیر لگنے کی وجہ سے لنگڑا نہیں ہوا تھا اس وقت تک تیمور ہی کہلاتا تھا مگر اس کے بعد لوگ اس کی تحقیر کرنی چاہتے وہ اسے تیمور لنگ یا تمر لنگ کہتے جو ''تیمور لنگ'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مغربی اہل قلم اور مورخ اسے ٹیمبرلین یا ٹمرلین لکھتے آئے ہیں۔

2۔ ۱۳۱۰ء میں اطالیہ کی ایک ریاست وینس میں بغاوت ہوئی تو وہاں کی مجلس عظمیٰ نے اپنے ارکان میں سے دس آدمی منتخب کر کے ایک مجلس بنادیا جس کا کام رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرنا تھا دیکھیے۔

The end of Middle Ages, by Longe صفحہ ۳۹

3۔ کولادی ریلزی۔ اطالیہ کا ایک عظیم سیاسی مصلح (۱۳۱۳ء۔۱۳۵۴ء) جس نے ۲۰ مئی ۱۳۴۷ء کو اطالوی دارالحکومت پر دھاوا بولا اور وہاں اپنے قوانین نافذ کیے جو رعایا کی بہبودی کے لیے وضع کیے گئے تھے دیکھیے:

The end of Middle Ages, صفحات ۱۵۶، ۱۶۱۔

4۔ چارلز ششم کے عہد حکومت میں فرانس میں ایک مرتبہ پیرس کے قصاب رعایا کے قائد بن گئے تھے اور انہوں نے دو برس تک حکومت کی تھی۔

5۔ پورا نام روئے دے گوانزالز کلاویہو (Ruy De Gonzales Clavijo) ہے۔ کافی عرصے سمرقند میں مقیم رہا اور امیر تیمور اور اس کی مملکت کے بارے میں وسیع معلومات فراہم کر کے اسپینی زبان میں ایک تذکرہ

Memories sur Tamerlane et sa cour Par un Dominicanican en 1403-1406 لکھا۔ ۱۸۵۹ء میں چارلز مارخم

(Charles Markham) نے اس کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع کیا۔ ۱۹۲۸ء میں لی اسٹرینج نے دوبارہ ترجمہ کر کے لندن سے اس نام سے شائع کیا:

Narrative of the Spanish Embassy to the court of Timur at Smarkand in the year 1403-1406

6۔ ظفر نامے کی جلد دوم میں صفحہ ۲۰۰ پر بات اس طرح کہی گئی ہے: درآں طوئی ایلچیان افرخ حاضر بودند و بہرہ ور مصرح کہ ''خس نیز در بحر باید گزر''

7۔ تاریخ پیدائش ۲۵ شعبان ۷۳۶ھ دن سہ شنبہ (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۷) مطابق ۸ اپریل ۱۳۳۶ء دیکھیے

Ibn Khuldin and Tamerlane by Walter J, Fischel صفحہ ۱۲۱۔

8۔ یہ قبیلہ مختلف ناموں سے مشہور تھا۔ کوئی اس کے افراد کو دیو بتایا، کوئی قوی ہیکل جنگجو کہتا۔ مگر بالعموم لوگ انہیں تاتاری کہتے تھے یہ شمالی ایشیا کے باشندے تھے جو پہلے استھینز اور کبھی کبھی ترک بھی کہلا چکے تھے۔ منگول سیلاب کی رو میں بہتے ہوئے شمال سے اس زرخیز پہاڑی علاقے میں وارد ہو گئے تھے اور یہیں بس گئے تھے۔

9۔ چین کا بیشتر شمالی اور وسطی حصہ۔

10۔ لفظ (تاتار میں بڑی آمیزش کی گئی ہے۔ ۔شروع میں یہ اس چھوٹے سے قبیلے کا نام تھا جو اصل مغلوں کے مشرق میں آباد تھا اور جس کے افراد شکل صورت میں ان سے کافی مشابہ تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کی اصل قدیم مغل سردار ''تاتور'' کا نام ہے یا چینی لفظ ''تاتا'' ہے۔ آج کل کے اہل تحقیق یہ چاہتے ہیں خہ اسی لفظ (تاتار) کو پھر رائج کیا جائے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ مغلوں کے ہاں لفظ ''تار'' کا مطلب یہ ہوتا تھا ''خانہ بدوش'' یا ''اٹھنے والا'' اروا گ راس پر زور دینا ہو تو اس کی تکرار کر کے ''تارتار'' کہتے تھے۔ چونکہ چینی ''ر'' نہیں بول سکتے تھے اس لیے وہ اسے ''تاتاریہ'' بولتے اور لکھتے تھے۔ ابتدائی دور کے تمام یورپی مورخ اسے تاتاری لکھتے رہے ان کے برعکس عرب اور

ایرانی مورخوں نے ''تاتار'' لکھا۔ موجودہ زمانے میں تاتاری بھی عموماً اسے ''تاتار'' نہیں کہتے۔ الفاظ ''توران'' اور ''ترکی'' میں جو ''تور'' ہے شاید لفظ ''تار'' اور اس سے کوئی تعلق رکھتا ہو۔ مگر اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ خانہ بدوش قبیلوں میں سے چینیوں سے قریب ترین قبیلہ تاتاری ہی تھے' اس لیے وہ سب خانہ بدوش قبائل کو تاتاری ہی کہنے لگے'' جس کا تلفظ ان کی زبان میں ''تاتا۔ اریہ'' تھا) یہ نام مروج ہو گیا۔ (آج کل چینی یہ لفظ بولتے ہیں) اور اس نے اتنا رواج پایا کہ اہل یورپ وسطی ایشیا کے سب خانہ بدوش قبیلوں کے لیے لفظ ''تاتار'' استعمال کرتے رہے ہیں حالانکہ انیسویں صدی میں جو یورپی سیاح پہلے پہل خانہ بدوشوں کے علاقے میں پہنچے انہیں مغلوں نے اپنے لیے لفظ ''تاتاری'' استعمال کرنے سے منع کیا تھا۔ کیونکہ تاتاری ان قبیلوں میں سے تھے جنہیں وہ مغلوب کر چکے تھے۔ بارہویں صدی میں برطانیہ کے نارمن بھی اسی طرح سیکسن کہلانا پسند نہ کرتے تھے۔ ۱۲۰۰ء کے بعد مغلوں سے شکست کھا کر تاتاری نابود ہو گئے کیونکہ وہ ان کی سلطنت کے مسلح قبیلوں میں مدغم ہو گئے۔ ایشیا میں لوگ چیز کو دیکھتے ہیں اس کے نام پر نہیں جاتے۔ یورپی مورخوں کے نزدیک چنگیز خاں مغلوں ہی کا شہنشاہ تھا مگر اس کی رعایا اسے دنیا کا خانان (خاقان) مانتی تھی اور اس کا نام لینا بے ادبی میں داخل تھا۔ انہیں اس سے بحث نہ تھی کہ اس کی سلطنت کا نام کیا ہے' جو علاقہ اس کے زیر نگیں تھا وہ اس کی سلطنت تھی۔ اس زمانے میں اصل مغل اور تاتاری لکھنے پڑھنے سے نابلد تھے۔ وہ اسکام کے لیے غیر ملکی محرر ملازم رکھا کرتے تھے اور ان میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ تحریر زبان سے مختلف تھی۔ یورپی ممالک سے خط و کتابت میں ان محرروں نے چنگیز کے نام کے ساتھ ''زمین پر خدا کا نائب'' اور ''شاہ جہاں'' یا ''شہنشاہ بنی نوع انسان'' کے القاب لکھے یا جگہ خالی جگہ چھوڑ دی انہوں نے لفظ ''مغل'' کبھی کہیں استعمال نہیں کیا۔ الفاظ ''تاتاری'' اور ''تاتار'' مارکوپولو نے رائج کیے۔ روسیوں نے جنہیں ان خانہ بدوشوں سے سب سے پہلے واسطہ پڑا (اور پھر یہ واسطہ ہمیشہ رہا) ان

حالات کی وجہ سے اب تک ان قبائل کو تاتاری ہی کہتے رہے ہیں ہاورتھ کا خیال ہے کہ جو مغل فوج روس کے ساتھ روابط کی وجہ سے اہل یورپ نے بھی یہی لفظ لے لیا۔ وہ چین کو بھی خطائی یا کاتھے کہتے تھے۔ بعد میں کاتھے متروک ہو گیا مگر ان خانہ بدوش قبیلوں کو جو مغلوں ''تاتاری'' کی قیادت میں دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے' ابھی تک ''تاتاری'' ہی کہتے آرہے ہیں اور اب اس لفظ کو بدلنا ممکن نہیں۔

تیمور کے آباؤ اجداد (برلاس قبیلے) ان اصلی تاتاریوں سے جو جھیل بوبار کے اردگرد اور دوسرے مقامات پر شکار کیا کرتے تھے' کوئی تعلق نہیں' برلاس اس قوم سے تھے جسے قدیم ترک کہتے ہیں اور جسے اس کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن ان کے لیے بھی ''تاتار'' سے بہتر اور کوئی نام نہیں ہو سکتا۔ شرف الدین' میر اخوند' اخوند میر اور ابو الغازی سب نے ان کے لیے لفظ ''تاتار'' ہی رکھا ہے۔ بعد کے ایرانی اور عرب مصنف انہیں تاتار بھی کہتے ہیں اور ترک بھی۔ موجودہ زمانے کے اہل تحقیق میں سے ہاورتھ کا بھی یہی خیال ہے کہ ان کے لیے لفظ ''تاتار'' ہی بہتر ہے اور ایڈورڈ۔ جی۔ براون بھی یہی کہتا ہے۔ مگر لیون کہون اور آرمینس ویمبری نے بوجود اس پر زور دیا ہے کہ صحیح لفظ ترک ہی ہے۔ اس کتاب میں تیمور کے قبیلے کے لیے لفظ ''تاتاری'' لکھا گیا ہے' اس لیے نہیں کہ یہ صحیح ہے بلکہ صرف اس لیے کہ یہ اور ناموں سے بہتر ہے۔ جتہ اور سنہری غول کو مغل اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اس وقت تک مغل سرداروں کے تابع فرمان تھے۔ (مصنف)

لفظ ''تاتار'' کو ابن خلدون نے کتاب العبر میں ہر جگہ یوں تو ''تاتار'' ہی لکھا ہے۔ (دیکھیے جلد پنجم صفحہ ۵۰۶۔ سطر ۵ صفحہ ۵۱۵ سطر ۲۶۔ صفحہ ۵۲۵ سطر ۱۴۔ صفحہ ۵۵۷ سطر ۱۲) مگر مقدمے میں ''تتار'' لکھا ہے (دیکھیے جلد دوم صفحہ ۱۱۷ سطر ۱۹) مگر اسے نقل نویس کی غلطی بھی سمجھا جاتا ہے۔ ہیرلڈ لیم نے The March of Barbarians میں صفحہ ۱۱ پر اس لفظ کی اصل کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ چینی یہ لفظ (تاتا) اپنے سے قریب ترین شمالی خانہ بدوش قبائل کے لیے استعمال کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ دیگر خانہ بدوش قبیلوں کے لیے

بھی استعمال ہونے لگا۔(مترجم)

11۔ چنگیزی حکمران نسل کا بادشاہ یا شہزادہ۔

12۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

(تم اللہ کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم بنائے گا)

13۔ دین آئیری کارداش (مذہب بالائے طاق بھائیو!) ان لوگوں کی بول چال کی زبان ترکی اور تحریری زبان وسط ایشیا کی منگولی اور ریغورتھی جو اب مٹ چکی ہے۔ تیمور اور دیگر ترکوں اور تاتاریوں کو عربی زبان سے خاصے الفاظ آتے تھے کیونکہ اسے ایشیا میں ہمہ گیر حیثیت حاصل تھی (مصنف)۔

14۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ چنگیز قبل خاں کی تیسری پشت میں تھا اور تیمور قاجولی خاں کی آٹھویں پشت میں ہوا۔ دیکھیے تزک تیمور۔ صفحہ ۱۳۔

15۔ غزان خان دیکھیے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۰۔

16۔ دانشمند اوغلن: مگر دو برس بعد اسے قتل کر کے بیان قلی خان کو بادشاہ بنالیا۔ دیکھیے ظفر نامہ جدل اول صفحہ ۲۹ اور ۲۷۔

27۔ ملک معز الدین حسین: دیکھیے ظفر نامہ جلد اول۔ صفحہ ۳۲۔

18۔ عبداللہ: دیکھیے ظفر نامہ جلد اول۔ صفحہ ۴۰۔

19۔ تغلق تمور خاں۔ ایضاً۔ صفحہ ۴۳۔

20۔ مراد وہ امرا ہیں جو ماوراء النہر کے مختلف حصوں پر حکمران تھے شہر سبز اور اس کے توابع تیمور اور اس کے چچا حاجی برلاس کے پاس تھے اور بایزید جلائر خجند پر، سلدوز اولجائی بوغائی، بلخ پر، محمد خواجہ اپردی، شبرخاں پر، ختلان بدخشاں کے پہاڑوں پر، کیخسرو اوبجانیوا پردی، ارہنگ پر۔ اور سر پول اور تامکنت میں امیر خطر یسوری حکمران تھے۔ جو ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ دیکھیے ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۲۔

21۔ امیر حسین بن مسلا بن قزغن: اس کے قبضے میں بھی ماوراء النہر کے بعض حصے

تھے (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۳)

22۔

پدر رفتہ وہ عم گریزاں شدہ

ز بیگانہ کشور پریشاں شدہ

مخالف مسلط' السں در خطر

کشاہ عقاب بلا بال و پر

(ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۷)

23۔ خان اعظم نے جن تین سرداروں کو آگے بھیجا تھا ان کے نام یہ تھے: جانی بیگ ارکنت' بیک جک اور الغتق تمور کریٹ۔ دیکھیے تزک تیمور۔ صفحات ۱۱۔۱۳۔

24۔ وسطی ایشیا میں اس قسم کی جنگ کسی نہ کسی شکل میں ہر دور میں ہوتی رہی ہے اور ایک لحاظ سے آج (۱۹۲۸ء) میں بھی یہی حال ہے۔ موجودہ زمانے کے نقشے کے مطابق تاتاریوں کی مملکت میں افغانستان کا کابل سے شمالی جانب کا تمام حصہ' موجودہ ایران کے شمالی اضلاع' بخارا کا تمام علاقہ' ماوراءالنہر اور روسی ترکستان کے متعدد حصے شامل تھے اور اس میں کم و بیش ایک لاکھ انسان ہتھیار بند تھے لیکن اس خانہ جنگی کی تفصیل کے لیے ایک دفتر بے پایاں درکار ہو گا۔ اس لیے یہاں صرف تیمور کی زندگی سے تعلق رکھنے والے واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیمور ۱۳۶۰ء سے ۱۳۶۹ء تک اس خانہ جنگی میں الجھا رہا۔ (مصنف)

25۔ سرخ ریگستان۔

26۔ اسے آج کل بحیرہ ارال کہتے ہیں۔

27۔ تکل: (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۶)

28۔ مشرق اور مغرب کی کمانوں کے سلسلے میں یورپ میں عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایشائی کے گھوڑ سوار تیر انداز ہلکی کمال استعمال کیا کرتے تھے جس کا تیر یورپ

والوں کی وزنی زرہ پر اثر نہ کرتا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ترک تاتاری اور مغل چھوٹی بڑی دونوں کمانیں استعمال کریا کرتے تھے۔ تیمور کے دور میں اور چنگیز خان کے ابتدائی زمانے میں، سواروں کے پاس دونوں طرح کی کمانیں ہوتی تھیں بڑی کمان پیدل کی لڑائی کے لیے تاکہ دشمن کا زیادہ نقصان کیا جا سکے اور چھوٹی کمان، گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے دشمن پر قریب سے وار کرنے کے لیے۔ کمان ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہتھیار تھا۔ اور (مثال کے طور پر مغل) گھمسان ہو جانے سے پہلے پہلے کبھر کمان ہاتھ میں نہ رکھتے تھے۔ ہمعصر یورپ مورخ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایشیائیوں کی تیراندازی سے بے حد نقصان ہوتا تھا کیونکہ اس سے ''لڑائی'' شروع ہونے سے پہلے ہی عیسائیوں کے بہت سے گھوڑے اور جوان ہلاک ہو جاتے تھے۔ تاتاریوں کے پاس مختلف لمبائیوں اور اوزان کے تیر بھی ہوتے تھے۔ جن کے پھل طرح طرح کے ہوا کرتے تھے۔ بعض زرہ کو چیرنے کے لیے اور بعض نار رومی یا کوئی اور آتشیں مادہ پھینکنے کے لیے مصنف نے پیکنگ میں مانچو بادشاہوں کی سو سو دو دو سو برس پرانی وہ کمانیں دیکھی ہیں جن سے گارد میں بھرتی کے امیدواروں کی تیرزنی کی آزمائش کی جاتی تھی۔ انہیں کھینچنے میں ایک سو چھپن پونڈ وزن اٹھانے کے برابر طاقت لگتی تھی۔ یہ کمانیں خاصی وزنی اور پانچ فٹ سے زیادہ لمبی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ فاصلے تک تیر ترکی کی سفارت متعینہ انگلستان کے ایک رکن نے ۱۷۹۵ء میں پھینکا تھا جو ۴۶۷ یا ۴۸۲ گز تک گیا تھا۔ چند سال ہوئے آج کل کے ایک اور تیرانداز نے بھی قریب قریب اتنے ہی فاصلے پر تیر پھینکا مگر اس نے بھی ترکی کمان ہی استعمال کی۔ ان صدیوں میں، جب یورپ والوں نے ایشیائیوں سے بار بار تباہ کن شکستیں کھائیں یورپی فوجوں کے پاس سب سے زیادہ کارگر ہتھیار ٹیڑھی کمان تھی اور مغل اور تاتاری بھی اس کا لوہا مانتے تھے مگر اسے یورپ والوں نے ایشیا اور یورپ کے معرکوں میں استعمال ہی نہ کیا صرف کہیں کہیں محاصروں کے موقعوں پر ان سے کام لیا گیا، البتہ یہ بعض موقعوں پر وینس اور جنوآ والوں کے ہاتھوں میں کارگر رہیں۔ لمبی کمان شروع

کی صلیبی جنگوں میں استعمال ہی نہ کی گئی۔ یہ ۱۳۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک کریسی اور ایجن کور کی لڑائیوں میں انگریزوں کے ہاتھوں میں بڑا کارگر ہتھیار ثابت ہوئی۔ اس کتاب کے مصنف سے پوچھا گیا ہے کہ انگریز تیرانداز تاتاری گھوڑسوار تیرانداز کے مقابلے میں کیسا رہتا؟ جواب میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ انہیں میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابلے پر آنے کا اتفاق نہیں ہوا اس لیے جو بھی اندازہ قائم کیا جائے گا اس کی بنا قیاس پر ہوگی۔ انگریزوں کی لمبی کمان بھی تاتاریوں کی کمان کی طرح دو سو سے تین سو گز تک مار کرتی تھی۔ اور اتنی ہی ہلاکت آفریں ثابت ہوتی تھی۔ اسی طرح انگریز گھوڑسوار تیرانداز بھی تاتاریوں جیسی پھرتی سے تیر چلا سکتا تھا۔ تیمور کے سپاہیوں کے جسم پر فرانسیسی گھوڑ سواروں کے فولادی لباس جیسی لمبی چوڑی زرہ نہ ہوتی تھی' لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا چاہیے کہ فرانسیسی سردار انگریزوں کے مقدمتہ الجیس پر جس طرح اندھا دھند ہلہ بول دیتے تھے اس طرح کی حماقت تاتاری کبھی نہ کرتے۔ انفرادی شجاعت و بہادری اور کمال تیراندازی سے قطع نظر تاتاریوں سے لڑنے کے معاملے میں انگریز بھی جرمن سرداروں یا سینٹ یوحنا کے سرداروں سے بہتر ثابت نہ ہوتے۔ ان کی آتش باری اور میمنہ و میسرہ نیز عقب پر ان کے حملے روکنے سے بلیک پرنس بھی اسی طرح عاجز رہتا جس طرح اس کے یورپی پچیرے بھائی رہے۔ (مصنف)۔

29۔ کمان کا خانہ۔

30۔ جس کتاب کا ترجمہ آپ کے پیش نظر ہے یہ ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ اب گھوڑسوار فوج کی جگہ بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں نے لے لی ہے۔

31۔ گرم سیر ہیرمن (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۹) غالباً سیستان میں دریائے ہلمند کے قریب قندہار میں کوئی مقام تھا۔

32۔ حاجی محمود (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۶۵)

33۔ دریائے رخش پر تھا (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۸۳)

34۔ شرف الدین علی الیزدی (متوفی ۱۴۵۴ء) جس نے اپنی کتاب ظفر نامہ، جو تیمور کی مفصل ترین مگر مدحیہ سوانح عمری ہے ۱۴۲۴ء میں مکمل کی۔ اسی نام کی ایک کتاب نظام الدین شامی نے بھی تیمور کے حکم سے لکھ کر ۱۴۰۵ء میں اسے پیش کی تھی۔ لیم نے ان دونوں کو تیموری وقائع نگار لکھا ہے مگر زیادہ تر واقعات یزدی کے ظفر نامے سے لیے ہیں۔

35۔ دریائے دخش..... یہ دریا پار اترنے کے بعد شمال کی جانب شہر سبز آتا تھا۔ دیکھے لی اسٹرینج کا ''جغرافیہ خلافت مغربی'' صفحات ۴۳۵ تا ۴۳۹۔

36۔ حضرت شمس الدین (تزک تیمور۔ صفحہ ۴۵)

37۔ جنگ لائی بماہ رمضان ۷۷۶ھ (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحات ۹۹ اور ۱۰۷)

38۔ قمی متن (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۹۹)

39۔ یہ بات اب پرانی ہو چکی ہے اب فوجوں میں گھوڑسوار رجمنٹیں نہیں ہوتیں۔

40۔ آب بادام......دیکھیے لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی۔ صفحہ ۴۸۲۔

41۔ ایک پرانی روایت کے مطابق مغل جادو کرنا جانتے تھے۔ مورخ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھا ہے کہ اگلے دن جب ایک جادوگر مار ڈالا گیا تو بارش بند ہوگئی (مصنف)

42۔ شنگوم نویاں (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۰۳)

43۔ مگر من گریختہ ام کہ مرا پیش میخواہند'' (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۰۵)

44۔ افسوس ہے ہیرلڈ لیم جیسا بالغ نظر مورخ بھی یورپ کے بعض مورخوں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گیا کہ تیمور بے دین تھا۔

45۔ کابل شاہ اغلان پر دورچی (ظفر نامہ)

46۔ تیموری فوج کے بارے میں قرائن سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ وہ مختلف قسم کے آتش بار آلات استعمال کرتی تھی۔ مگر اس زمانے کی تاریخوں میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ آلات وضع اور ساخت کے ہوتے تھے۔ اور ان کے ترجموں میں صرف ''آگ کی

ہنڈیاں'' لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تیمور نے صدیوں پہلے چینی لوگ لڑائیوں میں بارود استعمال کرتے تھے۔ عام طور پر لوگ یہ نہیں جانتے کہ چینی بارود کے بارے میں اس رمز سے بھی واقف تھے کہ یہ آگ دکھاتے ہی دھماکے سے پھٹتی ہے۔ کتابوں میں اس کے جگہ جگہ حوالے ملتے ہیں۔ مغلوں نے ۱۲۳۲ء میں کنفونگ کا محاصرہ کیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک چینی ماہر تحلیل کیمیائی لکھتا ہے ''چونکہ مغلوں نے زمین دوز خندقیں کھود لی تھیں جن میں وہ ہمارے مسائیلوں سے محفوظ رہ سکتے تھے اس لیے ہم نے آتش بار آلے چن تین لی لوہے میں باندھ کر ان جگہوں میں اتار دیے جہاں مغل تیچی چھپے ہوئے تھے۔ اور جب یہ پھٹے تو وہ تیچی اور ان کی ڈھالیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں'' مغلوں نے ان چینی ایجادوں میں سے بعض سے کام لیا اور جب ۱۲۲۰ء میں چنگیز خان مغربی ملکوں پر حملہ آور ہوا تو اس کے ساتھ چینی توپچیوں کا ایک رسالہ بھی تھا جس کے پاس آتش بار آلہ ''ہو پاؤ'' تھا تیمور کے تاتاری بھی ان ہتھیاروں کو برتنا جانتے تھے۔ اور ایرانی اور عرب لفط سے جو جو کام لیتے تھے ان سے بھی واقف تھے۔

صلیبی جنگوں کے دوران میں عربوں نے ایسی متعدد ایجادوں سے کام لیا۔ مثلاً ان کے پاس ایک آتشی گرز تھا۔ جس کے سرے پر شیشے کی گیند تھی جس میں نفط بھرا ہوتا تھا۔ اس گیند میں جو شتابہ لگا ہوتا تھا اسے جلا کر گرز کو دشمن کی طرف پھینکا جاتا تھا یا اسے دشمن کی زرہ پر دے مارتے تھے جس کے بعد شعلے اڑاتا ہوا لفظ اس کے جسم پر بہنے لگتا تھا۔ وہ منجنیقوں اور عرادوں سے نار رومی اور لفظ سے بھرے ہوئے مٹی کے بھاری بھاری گولے بھی دشمن پر پھینکا کرتے تھے۔ یہ آلات عام طور پر سے محاصروں میں استعمال کیے جاتے تھے۔ ایک محاصرے کی یہ دردناک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ عیسائیوں نے عربوں کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا تو اس کی دیواروں سے ملے ہوئے اونچے اونچے چوبی مینار کھڑے کر لیے۔ عربوں نے ان پر مشینوں اور آلات سے ایسے گولے مارے جن کے پھٹنے پر مینار پر سپاہی ایک سیال مادے سے بھیگ جاتے تھے مگر نقصان نہ ہوتا تھا۔ عیسائی عربوں

کی ان فضول کوششوں کا مضحکہ اڑاتیرہے مگر عرب میناروں کو بھگوتے رہے۔ پھر جب یہ لکڑی کے مینارے خوب تر ہو گئے تو انہوں نے ایک جلتی ہوئی مشعل پھینکی جس سے تمام مینار اور سپاہی جل اٹھے۔ یہ سیال نفط تھا۔ منجنیق اور عرادے بہت زیادہ وزنی ہوا کرتے تھے۔ مغل اور تاتاری ان کے پرزے الگ الگ کرکے باربردار جہازوں پر لادلیا کرتے تھے۔ انہیں تیر اندازی اور آتش بازی میں یورپ والوں پر برتری حاصل تھی۔ پوری تفصیل کے لیے جان ہیوٹ کی کتاب Ancient Armour اور Captain Fave اور M. Renuad کی کتاب Le feu Gregeois دیکھیے۔ (مصنف)۔

47۔ میدان جنگ میں عالم لوگوں کا مقام۔ تیمور قریب قریب مسلسل سفر میں رہتا تھا اور عام طور پر دربار کے ایک حصے کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔ عرب شاہ لکھتا ہیکہ شام کے وقت وہ اکثر عالم لوگوں سے کتابیں پڑھوا کر سنتا۔ اسے تاریخی کتابیں بہت زیادہ پسند تھیں۔ جب سنہری غول پر چڑھائی کی اس وقت بھی اس کی ایک بیگم اس کے ساتھ تھی۔ ہندوستان پر حملے کے دوران جب ہاتھیوں سے سابقہ پڑنے کو تھا' فوج میں ایک گونہ اضطراب تھا۔ شرف الدین لکھتا ہے ''سپاہی ہندوستانی فوج سے تو چنداں خائف نہ تھے مگر چونکہ ہاتھی پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اس لیے یہ سمجھ رہے تھے کہ ان پر تیر اور تلوار اثر نہیں کرتے اور یہ لڑائی میں گھوڑے کو سوار سمیت اپنی سونڈ میں دے کر زمین پر دے مارتے ہیں۔ جب امیروں اور افسروں کے مقامات معین کیے جانے لگے تو تیمور نے عالموں سے پوچھا کہ وہ لڑائی کے دوران میں کس جگہ رہنا پسند کریں گے تو ان میں سے بہت سوں نے فوراً کہا کہ اگر امیر قبول فرمائیں تو ہم عورتوں کے قریب رہنا پسند کریں گے۔ (مصنف)۔

48۔ کوہ پامیر کا نام بلندی کی وجہ سے ''بام دنیا'' پڑ گیا تھا۔ دیکھیے وقائع تسلط روسیا بر آسیا'' از مولانا عبدالولی صدیقی۔ صفحہ ۱۳۔

49۔ قورلتائی: اس مجلس میں مشاورت کا نام تھا جو پہلی مرتبہ چنگیز خان نے مغلوں

کے تمام قبائل کا خان منتخب ہونے کے بعد ۱۲۰۶ء میں طلب کی تھی۔ اس میں صرف ان سرداروں کو بلالیا گیا تھا جو اس سے ''خون کا رشتہ'' رکھتے تھے۔ اس سے مراد سگے رشتہ دار نہیں بلکہ چنگیز کے ان ایام کے رفقائے کار ہیں جب دشمن اس کا تعاقب اس طرح کیا کرتے تھے جیسے وہ کوئی شکار کا جانور ہے۔ ان میں سے ایک نے' اس حالت میں جب چنگیز زخمی ہو کر ایک جگہ گرا تھا' اس کے گلے پر جما ہوا خون چاٹا تھا۔ اسی طرح ایک اور رفیق نے اس حالت میں اس کی حفاظت کی تھی جب وہ برف میں دباؤ پڑا تھا۔ چنگیز خان کے علاوہ اور بھی کسی پر بھروسا نہ کرتا تھا۔ قورلتائی کے اس اولین اجلاس ہی میں اس کا نام چنگیز خان رکھا گیا اور جس کے معنے ہیں...... خان اعظم یا خان تابناک۔

دیکھیے The March of Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ ۵۲۔ سطور ۳ تا ۱۰۔

50۔ ظفر نامے میں ایک شخص سید برکات کا ذکر ہے۔ دیکھیے جلد اول۔ صفحہ ۲۱۰۔

51۔ یہ اشارہ جلائر اور سلدوز قبیلوں کی طرف تھا جو قدیم تاتاریوں سے نسبت رکھتے تھے اور ابھی تک چنگیزی قانون کے تابع چلے آرہے تھے۔ بلخ کی اس تاریخی مجلس میں تاتاری امیروں نے چنگیز خاں کی موت کے ایک سو چالیس سال بعد' پہلی مرتبہ' اپنی خوشی سے چنگیزی قانون ترک کیا۔ (مصنف)

52۔ ابن خلدون نے ''کتاب العبر' میں تیمور کے نام کے ساتھ تیمور کے لقب ''سلطان'' اور ''ملک'' بھی لکھے ہیں۔ تیموری سکوں پر تیمور کے نام کے ساتھ ''الامیر الاعظم'' یا ''الامیر المعظم'' بھی کندہ ہوتا تھا مگر اس کے ساتھ ''گورگاں'' ضرور ہوتا تھا۔ دیکھیے ''مشرقی سکوں کی فہرست'' از سٹینلے لین پول۔ جلد ہفتم۔ صفحات ۴ تا ۲۰۔ فارسی ماخذوں میں تیمور کو صاحب قرآن لکھا گیا ہے (دیکھیے ظفر نامہ) عرب مورخ ابن الفرات نے تیمور کے نام کے ساتھ ''مدبر مملکت التاتار'' لکھا ہے۔

دیکھیے ''تاریخ'' جلد نہم۔ صفحہ ۴۴۴۔ سطر ۵۔ نیز صفحہ ۴۷۳۔ سطر ۱۷۔ ایک مقام پر اتابک بھی لکھا ہے۔ (دیکھیے جلد نہم۔ صفحہ ۱۲۔ سطر ۱۷) لیم کی کتاب March of the

Barbarians کے صفحہ ۳۷۱ کی ۳۵ ویں سطر میں لکھا ہے کہ تیمور نے اپنا لقب امیر القدر رکھا۔

53۔ تیمور کا کردار متنازع رہا ہے۔ اس سے جتنی زیادہ محبت، اور اسی طرح جتنی زیادہ نفرت کی گئی ہے بہت کم بادشاہوں سے اتنی زیادہ محبت اور نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے دو وقائع نگاروں میں سے ایک نے اسے شیطان دکھایا ہے، دوسرے نے اسے بطل ظاہر کیا ہے۔ اور یہ دونوں اس کے دربار میں رہتے تھے۔ ابن عرب شاہ نے اسے سنگدل خونی، دغابازوں کا استاد کامل اور شیطان سے زیادہ کینہ پرور بتایا ہے، اس کے برعکس شریف الدین نے یہ لکھا ہے کہ ''اس کی عالی ہمتی نے اسے تاتاریوں کا شہنشاہ اور چین کی سرحد سے لے کر یونان تک پورے ایشیا کا مالک بنا دیا...... وہ خود حکومت کرتا تھا۔ امداد یا مشورے کے لیے بھی کبھی کوئی وزیر نہ رکھا اور جو کام ہاتھ میں لیا اسے پورا کر دکھایا۔ ہر ایک سے فراخدلی اور نرمی سے پیش آتا تھا البتہ جو حکم عدولی کرتے تھے انہیں سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا۔ عدل وانصاف کا شائق تھا۔ جو کوئی ظلم کرتا اسے ضرور سزا دیتا۔ علم دوست تھا اور اہل علم کی عزت کرتا تھا، فنون لطیفہ کو ترقی دینے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔ منصوبے جتنی فراخدلی سے بناتا اتنی ہی جرات سے ان پر عمل درآمد بھی کرتا اور جو اس کی خدمت کرتے ان پر ہمیشہ مہربان رہتا۔ موجودہ زمانے کے مورخوں میں سے سر پرسی سائیکس اور لیون کہون نیز آرمینس ویمبری شرف الدین کی اس رائے سے متفق ہیں لیکن ایڈورڈ جی۔ براؤن نے تیمور کے بارے میں سر جان میلکم کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ''تیمور جیسے قائد کی فوج اس کی پرستش کیے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ اور تیمور کو فوج کے علاوہ اور طبقوں کی بالکل پرواہ نہیں تھی کہ وہ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس کا نصب العین یہ تھا کہ وہ فاتح کہلائے اور دنیا اسے فاتح مانے چنانچہ کسی شاندار شہر کو محض اس لیے برباد کر دیتا کہ کسی صوبے کی پوری آبادی کو اس لیے تہ تیغ کر دیتا کہ اس کے لوگوں کے دلوں پر دہشت طاری ہو گی۔ اور وہ اسے فاتح تسلیم کر لیں گے۔ تیمور گو دنیا کے عظیم ترین فاتحوں میں سے

ایک تھا مگر جہاں تک بادشاہ ہونے کا تعلق ہے وہ دنیا کے بدترین بادشاہوں میں سے تھا۔ بیشک وہ دلیر تھا مگر اسی کے ساتھ ظالم سخت گیر اور عزائم پسند بھی تھا۔ اور اپنی شان وشوکت کے مقابلے میں اوروں کی خوشی کی کوئی پرواہ نہ کرتا ھتا۔ اس کے وسیع اقتدار کی کوئی بنیاد نہ تھی۔ اس کے بیٹے اس کی سلطنت کے کچھ حصوں ہی پر کچھ عرصے قابض رہ سکے۔ صرف ہندوستان میں مغل حکومت زیادہ عرصے تک قائم رہی۔ اس ملک میں اب بھی مغل خاندان کی عظمت رفتہ کے مٹے مٹے سے آثار نظر آ جاتے ہیں۔ تیمور انسانی عظمت کے بتدریج زوال کا ایک مرقع ہے جسے دیکھ کر ہم حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ اس جیسے عظیم انسان کی اولاد کتنی پست ہو گئی!!!'' میلکم نے یہ رائے جس وقت ظاہر کی تھی اس دنوں ایک مغل بادشاہ گو وہ برائے نام بادشاہ تھا' دہلی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اصل میں براؤن کی طرح میلکم کی دلچسپی کا حقیقی مرکز بھی تیمور نہیں بلکہ ایران تھا چنانچہ قدرتی طور پر اس نے تیمور کا مقام ایک ایسے بادشاہ کی حیثیت سے متعین کیا کہ جس نے ایران کو بنوک شمشیر زیر کیا تھا اور چونکہ مفتوح کی نظر میں فاتح ہمیشہ جابر اور ظالم ہوتا ہے۔ اس لیے ایرانیوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے میلکم نے بھی اسے ظالم اور جابر بتایا۔ لیکن پیش نظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تیمور کے کردار کی وہ تصویر پیش نہ کی جائے جو اس کے ہاتھوں قید ہونے والوں نے کھینچی ہے۔ کیونکہ وہ قدرتی طور پر اس سے نفرت کرتے تھے' اسی طرح یورپ' ایران اور ہندوستان کے مفتوحہ ملکوں کے باشندوں کے تاثرات کو تیمور کے کردار کی تصویر کے لیے بطور خطوط استعمال نہ کیا جائے بلکہ یہ دکھایا جائے کہ خود ان کی قوم نیز رعایا اسے کیسا سمجھتی تھی۔

54۔ ظفر نامے کی جلد اول میں ہے صفحہ ۲۴۳ پر اور اس سے آگے۔ جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تیمور نے حسین صوفی سے یہ مطالبہ کیا کہ ولایت خوارزم اس کے حوالے کر دی جائے کیونکہ یہ چنگیز کے بیٹے چغتائی کا ملک ہے جس کا وارث اب میں ہوں۔ اس پر حسین نے جواب دیا کہ میں نے یہ ملک تلوار سے فتح کیا

ہے۔ چھیننا چاہو تو لڑ کر لو۔ تیمور نے فوج کشی کا ارادہ کیا تو ایک بزرگ مولانا جلال الدین نے درمیان میں پڑ کر والئی خوارزم کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے انہیں قید کر دیا۔ تیمور نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔ حسین نے مصالحت کرنی چاہی مگر کیخسرو ختلانی نے نہ ہونے دی۔ جب حسین مر گیا تو اس کے بھائی یوسف صوفی نے تیمور سے مصالحت کرنی چاہی مگر کیخسرو پھر مانع آیا۔ تاہم آخر میں یوسف نے صلح کر لی۔ تیمور نے یہ شرط لگائی کہ یوسف اپنے بھائی آق صوفی کی بیٹی سوین بیگ عرف خان زادہ کی شادی جہانگیر سے کرے۔ یہ شرط مان لی گئی اور یہ لڑکی سمرقند بھیج دی گئی۔ مگر یوسف نے اس کے بعد پھر بغاوت کی۔

55۔ ظفر نامہ کی جلد اول میں صفحات ۲۳۷۔۲۳۸ پر یہ لکھا ہے کہ اس ترکیب سے کات کا قلعہ فتح کیا گیا (اس پر خیوہ فتح کرنے کے بعد حملہ کیا گیا تھا)۔

56۔ ظفر نامے کے مطابق یہاں کات ہونا چاہیے۔

57۔ یوسف صوفی' جو اپنے بھائی حسین صوفی کے بیمار پڑ کر مر جانے کے خوارزم کا بادشاہ بنا تھا (دیکھیے ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحات ۲۹۴۔۲۹۶) لیم نے ایک ہی پیراگراف میں حسین صوفی اور یوسف صوفی دونوں کے لیے ''صوفی'' لکھا ہے اور حسین صوفی کے اور گنج میں قلعہ بند ہونے کا ذکر کرنے کے بعد چار سطر آگے لکھ دیا ہے کہ ''صوفی کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ.....'' اس جگہ یہ صراحت ضروری تھی کہ یہ پیغام صوفی کے بھائی یوسف صوفی کی جانب سے تھا مگر یہ صراحت نہیں کی گئی۔

58۔ ظفر نامہ کے صفحات ۱۵۲۔۲۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ خان زادہ یوسف صوفی کی موت سے قبل ہی سمرقند روانہ کر دی گئی تھی نیز وہ یوسف صوفی کی بیٹی نہیں تھی بلکہ اس کے بھائی آق صوفی کی بیٹی تھی۔

59۔ جس دریا کے کنارے سمرقند واقع تھا اس کا نام دریائے صفد تھا۔ نہر القصارین ان نہروں میں سے ایک کا نام تھا جو اس دریا سے نکالی گئی تھیں ابن بطوطہ نے اسے سمرقند کا دریا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ دیکھیے جغرافیہ خلافت مشرقی۔ از لی اسٹرینج۔ صفحہ ۴۶۵۔

60۔ راس الطاق (ظفر نامہ)

61۔ خنگ اوغان ('')

62۔ ان قبائل کو تاتاری زبان میں سیر اوردہ کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ چنگیز خاں کے سب سے بڑے بیٹے جوجی خاں کے بیٹے باتو خاں کے' جس نے ان قبائل کی سلطنت کا آغاز کیا' خیمے کا گنبد زری کا ہوتا تھا تاتاری زبان میں سیر معنے ہونا اور اوردہ کے معنی ہیں لشکر۔

63۔ لفظ مغل: (منگول) یورپی مصنفوں نے کئی کئی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس لیے اس کے ماخذ کے بارے میں مفصل بحث ضروری ہے۔ شروع میں یہ لفظ (منگ کو) تھا جس کے معنے یا تو ''بہادر لوگ'' تھے یا ''روپہلی لوگ''۔ یہ قوم سائبیریا کی قدیم قوم تنگوسی اور قدیم ترک دونوں سے نسل سے تھی اس کا اپنے ہمعصر چینیوں سے اس کے سوا اور کوئی تعلق نہ تھا کہ اس نے چین کو فتح کیا تھا۔ اس کے افراد اونچے قد کے مشقت پسند اور ناخواندہ خانہ بدوش تھے۔ جو اپنے ریوڑوں اور شکار پر گزارہ کرتے تھے۔ ان کا مسکن صحرائے گوبی اور شمال کا ہموار میدان تھا اور یہ ہری گھاس کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ ہیروڈوٹس نے انہیں ہنوں اور آلانوں کے عم زاد بتایا ہے۔ یہ مغرب کی طرف نقل مکانی کر کے یورپ میں پہنچ گئے اور وہاں والوں کے لیے ایک مصیبت بن گئے۔ ستھین اس زمانے میں بھی گھوڑوں پر سوار ہوا کرتے تھے اور ان میں سے جو باقی ہیں وہ آج بھی گھوڑوں پر سوار رہتے ہیں۔ چینیوں نے بہت پہلے سے ان کے نام ہیونگ نو اور طرح طرح کے اور بھوتوں اور ارواح خبیثوں کے ناموں پر رکھ چھوڑے تھے اور انہیں روکنے کے لیے اسی طرح دیوار چین تعمیر کی تھی۔ جس طرح اسکندریہ کے متعلق قصہ مشہور ہے کہ اس نے ان کی روک تھام کے لیے ایک دیوار بنائی تھی۔ ایشائی سطح مرتفع سے ہمیشہ فاتح اٹھتے رہے ہیں۔ اس علاقے میں ان خانہ بدوش شہسواروں' جو گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے گوشت کھاتے اور دودھ پیتے تھے۔ ہیروڈوٹس نے ستھین اس کے بعد کے

رومیوں نے ہن اور چینیوں نے ''ہیونگ نو'' کا نام دیا۔ گویا ستھین ہن اور ہیونگ نو سب ایک ہی قوم کے مختلف نام ہیں۔

لفظ ''ہیونگ نو'' سے خانہ بدوشوں کا پورا غول مراد ہوتا تھا..... مگر متحدہ قوم نہیں' کیونکہ اس غول کے مختلف قبائل ہر وقت آپس میں برسر جنگ رہتے تھے۔ ۱۱۶۲ء میں جو چنگیز کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس غول میں بیس کے قریب قبیلے تھے۔ جیسے شرفا غر بانچوتا تاری مغل (منگول) قریت' جلایر اور ایفور قبائل کے آباؤ اجداد' مغل قبیلوں کے سردار چنگیز خاں نے باقی سب قبیلوں کو مغلوب کر لینے کے بعد ان کے ساتھ ملا کر مغل سلطنت بنائی۔ وہ اس سلطنت کا بانی تھا اسکے مغل اس کے جانشین بنے۔ جن قبیلوں کو اس نے سب سے پہلے مغلوب کر کے اپنی رعایا بنایا وہ یہی خانہ بدوش قبیلے تھے۔ ان کی مدد سے چین کو شکست دے کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور انہیں اور چینیوں کو ساتھ لے کر ترکوں کو اور پھر باقی دنیا کے بڑے حصے کو مغلوب کیا۔ پس آج لفظ مغل سے یا تو بارہویں صدی اور تیرہویں صدی کے وسیع مغل سلطنت کا کوئی باشندہ مراد ہو سکتا ہے۔ یا اصل مغلوں کی اولاد۔ اس کتاب میں پہلے لفظ مغل آخر الذکر کے لیے آیا ہے۔ اس موضوع پر زیادہ وسیع بحث ان کتابوں میں ملے گی۔

(۱) A Thousands Years of the Tartars از ای۔ ایچ۔ پارکر۔

(۲) The Ancient History of China از فریڈرخ برتھ۔

(۳) Histoire Geneologique Des Tartars اور

(۴) The Cambridge Medieval History جلد چہارم۔ (مصنف)

64۔ خاقان' یعنی شہنشاہ' ترکی زبان کے لفظ ''گاگان'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں حکمران اعلیٰ۔ دیکھیے The March of the Barbarians از ہیرلڈ لیم۔ صفحہ ۵۳۔ سطور ۹ اور ۱۰۔

65۔ المالیق یا المالغ ایک بڑا سا شہر تھا مغلوں نے چین میں اپنی سلطنت کی شمال

مغربی سرحد پر بسایا تھا۔اس کے کھنڈر مذکورہ سرحد کے نزدیک دریائے ایلہ پر واقع شہر کلجہ کے قرب و جوار میں دریافت ہوئے ہیں۔ دیکھیے جغرافیہ خلافت مشرقی از لی اسٹرینج صفحہ ۴۸۷۔

66۔ یہ عظیم ایشیائی شاہراہ: جو شمالی شاہراہ (چینی زبان میں پی لو) کہلاتی تھی قدیم ترین دور تاریخ میں وجود میں آئی تھی اور چین کے ایک مقام ٹوین ہوانگ سے شروع ہوتی تھی۔اس پر سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے جن کی حفاظت کے لیے شہسوار ساتھ ہوتے تھے' صحرائے گوبی سے گزر کر تورفان کے نخلستانوں کے قریب سے ہو کر نکلتے ہوئے' کاشغر کے پہاڑی سلسلوں کے ساتھ ساتھ چل کر بل کھاتے ہوئے راستے سے مزتاخ اتا کے درے تک پہنچتے تھے۔اور اس سے گزر کر اس وادی میں داخل ہوتے تھے جہاں سے سمرقند کو راستہ جاتا تھا اب مرو آتا تھا۔جس کے آگے کوہستانوں سے گزرنے کے بعد ایران کا طویل میدان آ جاتا تھا۔یہاں سے سڑک مغرب کا رخ کرتی تھی۔اسے ریشمی شاہراہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس سے ایشیا کا ریشم اور ہاتھی دانت روم پہنچتا تھا۔اس کی ایک جنوبی شاخ (نان لسو) صحرائے گوبی میں مڑ کر ختن اور یارقند سے گزر کر کوہ پامیر کی گھاٹیوں تک چڑھ جاتی تھی۔اور ان سے آگے درہ قراقرم اور کشمیر کے جنگلات کے اوپر برف پوش دروں سے گزر کر بلخ پہنچتی تھی۔

دیکھیے The March of the Barbarians از ہیرلڈ لیم۔صفحہ ۲۵ (سطر ۳۵) تا صفحہ ۲۶ (سطر ۳۳)۔

67۔ ایک پادری ولیم آف روبرگ پہلا یورپی تھا جس نے مغلوں کی سرزمین میں داخل ہونے کی جرات کی۔اس نے ان کے چشم دید حالات بیان کیے ہیں۔ان میں سے اس کتاب کا زیر مطالعہ حصہ حقیقتاً زیادہ دلچسپ ہو جائے گا وہ لکھتا ہے ''یہ لوگ شہر نہیں بساتے۔ ان کے گھر جو سفید نمدہ بانسوں پر منڈھ کر بنائے جاتے ہیں' بیل گاڑیوں پر لدے ہوئے سفر میں رہتے ہیں۔ جو بیس فٹ چوڑی ہوتی ہیں۔اور جن

میں سے ہر ایک میں بائیس بائیس بیل جتے ہوتے ہیں۔گھر کا سامان بکسوں مں بھر کر اونٹوں پر لاد دیتے ہیں۔ان گھروں کو بیل بوگاڑیوں پر سے اتارتے وقت ان کے دروازے ہمیشہ جنوب کی طرف رکھے جاتے ہیں اوران سے کچھ فاصلے پر گھریلو سامان کے بکس دو قطاروں میں رکھ دیتے ہیں۔شادی شدہ عورتوں کو زیادہ خوش نما گاڑیاں دی جاتی ہیں۔امیروں کے پاس سوسو دوسو گاڑیاں ہوتی ہیں۔خیمہ گاہ میں مرد کی پہلی بیوی کا گھر خاوند کے خیمے کی جانب غرب رکھا جاتا ہے' باقی بیویوں کے گھر اس سے کچھ فاصلے پر مشرق کی طرف رکھ لیتے ہیں۔ایکلو کی بیس تیس گاڑیاں چلا لیتی ہے۔چونکہ زمین ہموار ہوتی ہے۔گاڑیوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر لڑکی کو سب سے آگے کی گاڑی میں بٹھا دیتے ہیں۔وہ بیلوں کو ہانکتی رہتی ہے۔گھر میں مالک کا بسر دروازے کے مقابل ہوتا ہے۔اس کے سرہانے نمدے کا بنا ہوا ایک گدا لٹکا رہتا ہے۔جو اس کا بھائی کہلاتا ہے۔ جب دودھ یا شراب یا کوئی اور مشروب پینے لگتے ہیں تو پہلے تھوڑا سا اس گدے پر چھڑ کتے ہیں اس کے بعد گھر کا ملازم مشروب کا پیالہ لے کر باہر نکل کر پہلے جنوب کی طرف آگ کے لیے 'مشرق کی طرف ہوا کے لیے' اور شمال کی طرف مردوں کے لیے تین تین مرتبہ مشروب زمین پر چھڑکتا ہے۔پھر مالک اور اس کی بیوی کو پلاتا ہے۔جاڑوں میں چاول کی شراب یا نبیذ مگر گرمیوں میں صرف گھوڑی کا دودھ پیتے ہیں۔جب مالک مشروب پیتا ہوتا ہے تو ملازم اس مطرب کو پکار کر اطلاع دیتا ہے' جو دروازے پر بیٹھا ہوتا ہے وہ فوراً ساز بجانا شروع کر دیتا ہے۔کسی بڑی دعوت میں سب مہمان ہاتھ باندھ کر رقص کرتے ہیں فتح کے بعد جشن یا ضیافت میں ضرورت سے زیادہ شراب پیتے ہیں۔جاڑوں میں پشم کے کم از کم دو لباس پہنتے ہیں پہاڑی بکروں کے سینگوں سے بڑے بڑے پیالے بناتے ہیں۔ بیویاں خریدی جاتی ہیں۔بیواؤں کی شادیاں نہیں کرتے۔بیٹا باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام بیویوں ماسوائے اپنی ماں کے سے شادیاں کرتا ہے۔کپڑے بھی نہیں دھوتے کیونکہ اس سے خدا ناراض ہوتا ہے۔بجلی سے بہت ڈرتے ہیں۔جب بجلی چمکتی ہے تو

سب اجنبیوں کو گھر سے باہر نکال دیتے ہیں اور خود کالے نمدے میں لپیٹ لیتے ہیں۔ ہاتھ یا سر دھونے کے لیے پانی منہ میں بھر کر ہاتھوں پر کلیاں کرتے رہتے ہیں۔کوئی بیمار پڑ جائے تو اس کے مکان پر امتناعی نشان لگا دیتے ہیں جس کے بعد کوئی ادھر جا کر نہیں پھٹکتا۔انہیں اندیشہ ہوتا ہے کہ آنے والوں کے ساتھ بدروحیں یا مضر ہوائیں اندر داخل ہو جائیں گی۔

دیکھیے The March of the Barbarians از ہیرلڈ لیم۔صفحہ۴۴۔سطر۲۱ تا صفحہ ۴۵ سطر ۱۰۔

68۔ اوآیل (ظفر نامہ)

69۔ قرم۔(ظفر نامہ)

70۔ صرف دو حکمرانوں کو تیمور کو تمر لنگ کہنے کی جرات ہوئی۔ایک آرس خان‘ دوسرا سنہری غول کا خاقان ممائی (مصنف)

71۔ مذکورہ سطح مرتفع ایشیا کا وہ علاقہ ہے جو جغرافیائی اعتبار سے شمالاً جنوباً بحر منجمد شمالی کی یخ بستہ دلدلوں (ٹنڈرا) سے کوہ ہمالیہ تک‘ اور شرقاً غرباً چین سے یورال تک پھیلا ہوا ہے اسے ایشیائی سطح مرتفع یا وسطی ایشیا یا بالائی ایشیا بھی کہتے ہیں۔یہ علاقہ بیشتر بلند اور ہموار میدان ہے مگر اس میں جابجا پہاڑی سلسلے بھی ہیں۔

دیکھیے The March of the Barbarians از ہیرلڈ لیم۔صفحہ۴ (سطر ۲۸) تا صفحہ۵ (سطر ۲۰)۔

72۔ آق قم۔ظفر نامہ۔

73۔ قرنا۔

74۔ تزک تیمور میں یہ تعداد اٹھارہ لکھی ہے۔دیکھیے صفحات ۱۵۱ تا ۱۵۲۔

75۔ اس زمانے میں نقشے نہیں ہوا کرتے تھے۔آج بھی اس سطح مرتفع کی پیمائش نامکمل ہے۔صحیح طور پر تو معلوم نہیں کہ تیمور نے ساری سو کو عبور کرنے کے بعد کون سا راستہ

اختیار کیا تھا مگر خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سے وہ قدرے مغرب کے رخ کوہ یورال کی طرف ہولیا تھا۔ (مصنف)

76۔ بلماق ظفر نامہ۔جلد اول۔صفحہ۵۰۴۔

77۔ کیمیرین: بحیرہ اسود کے شمالی کنارے پر بستے تھے۔ہیروڈوٹس نے انہیں جنوبی روس کے قدیم باشندے بتایا ہے جنہیں سیتھین نے ایشیائے کوچک میں دھکیل دیا تھا۔ورلڈبک آف انسائیکلو پیڈیا کی جلد سوم صفحہ ۴۳۰ کے اندراج کے مطابق انہوں نے ساتویں صدی قبل مسیح میں ایشیائے کوچک پر اور اس کے بعد شمالی ساحل کے یونانی شہروں پر حملہ کیا تھا۔ہومر نے انہیں ''مسلسل اندھیرے میں رہنے والے انسان'' بتایا ہے' جو بعید شمال میں بستے ہیں۔ یہ ایک سو برس تک ایشیائے کوچک میں ڈاکوؤں اور خونیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے پھر اس علاقے کے باشندوں میں جذب ہو گئے۔

78۔ ہائی پربورین: برفستانوں کے سرے پر رہنے والے وہ پراسرار وحشی لوگ تھے جن کے بارے میں مہذب دنیا کو ایک ہزار سال قبل مسیح علم ہوا یونانی مورخوں نے ان کو ہائی پربورین دیا جس کے معنے بادشمال سے پرے کے منطقے کے ہیں۔چینی انہیں ارواح خبیثہ کہا کرتے تھے۔دیکھیے The March of the Barbarians صفحہ ۳ تا ۶۔

79۔ اس وقت تیمور کی فوج کرہ ارض کے ۵۵ زاویہ عرض بلد شمالی پر تھی۔جو جھیل ونی بیگ کے شمال میں پڑتا ہے۔معلوم ایسا پڑتا ہے کہ اس نے توبل ندی کو اس سرچشمے کے شمال کی جانب عبور کیا۔اس کے بعد جو دریا اس نے پار کیا اس کے متعلق یہ خیال ہے۔کہ وہ یورال (ظفرنامے کا آب تیق) تھا۔پھر اس نے مغرب کا رخ کیا اور اس علاقے سے گزری جو یورپ اور ایشیا کی حد فاصل ہے۔(مصنف)

80۔ ظفرنامہ میں امیرزادہ محمود سلطان ہے۔

81۔ تیمور نے حسب معمول میمنہ میں آزمودہ شہسوار رکھے تھے۔اس کا مقدمتہ الجیش اور محفوظ لشکر علیحدہ ہوتے تھے اور بہترین سپہ سالار اگلی صف میں لڑتے تھے۔اپنے

محسور پر قائم رہتے اور عام طور پر دشمن کے بائیں بازو کو پہلی ہی ٹکر میں تتر بتر کر دیتے۔ تاتاری کا فاتح دستور جنگ یہ تھا کہ اپنے میسرے کو روکے رکھتا اور اسے اس وقت آگے بڑھاتا جب میمنہ کامیاب ہو جاتا۔ خود قلب کے پیچھے مضبوط محفوظ لشکر اپنے ساتھ رکھتا اور ان سے میمنہ کی مدد کو پہنچتا۔ خود جنگ کا اختتامی مرحلہ آجانے سے پہلے شاذو نادر ہی حرکت کرتا۔ اس کا قلب خندق گیر بھی ہوتا تھا اور میمنہ کے مطابق حملے کے بعد ہی باہر نکلتا تھا۔ تیمور کھلے میدان کی جنگ پسند کرتا تھا۔ اسے پوری فوج کی سمت تبدیل کرنے پر قدرت ہوتی تھی۔ محور کے طور پر محفوظ لشکر کو استعمال کرتا تھا میمنہ کے آگے بڑھ جانے سے اگر ترچھی حرکت کرنی پڑتی تو فوج ترچھا اقدام کرتی۔ ایسے حالات میں میسرہ قلب کے عین پیچھے حرکت کرتا۔ اس ترتیب اور ان حرکات سے پوری فوج واقف ہوتی اور اس لیے لڑائی کے دوران میں غیر معمولی احکام جاری کرنے کی ضرورت نہ پڑتی (مصنف)۔

82۔ مسکو (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۷۵۸)

83۔ قاقم اور سمور جانوروں کے نام ہیں جن کی پوستینیں بڑی نرم گرم ہوتی ہیں۔ (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحات ۷۶۱۔۷۶۲)

84۔ یہ جنگ علاقہ شاش میں دریائے ترک کے کنارے پر ۱۳۹۴ء مطابق ۷۹۷ھ میں ہوئی (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحات ۷۴۷۔۷۵۰)۔

85۔ یاد رہے کہ توقتمش کی فوج نے سات سال قبل ماسکو کو جلایا تھا اور تیمور نے سنہری غول سے دولت چھینی تھی۔ ماسکو اس کی نظر میں پچاس ہزار باشندوں کا ایک معمولہ قبضہ تھا۔ اکثر مورخ اس پر مصر ہیں کہ اس نے ماسکو کا محاصرہ کیا تھا مگر روسی وقائع نگار خاموش ہیں۔ البتہ جب لتھوانیا کے ڈیوک ویٹولڈ ویٹوٹ نے اس کے چار سال بعد ان تاتاریوں کے خلاف مذہبی جنگ کا اعلان کیا جو جنوبی روس میں مقیم ہو گئے تھے تو دو تاتاری خوانین نے لتھوانیا پولینڈ اور گیلیشیا اور گرینڈ ماسٹر آف ٹیوٹانک نائٹس کو بری طرح شکست دی۔ یہ تیمور ہی کی تلوار کا صدقہ ہے کہ روسیوں نے مغلوں کا طوق غلامی

اتار پھینکا۔ یہ ۱۳۹۹ء کا واقعہ ہے۔ ویٹولڈ جو ہاورتھ کے بیان کے مطابق یورپ کا مسلمہ طاقت ورترین بادشاہ تھا پولینڈ اور جنوبی روس میں پیش قدمی کر کے کیف اور سالنسک رپ قبضہ کر چکا تھا۔ اس بنا پر تیمور کی توقتمش سے آخری لڑائی کے بعد سے تاتاریوں سے بھڑ نا بڑ گیا۔ توقتمش نے اس کے پاس پناہ لی۔ تو اس اثنا میں روس سے واپس جا چکا تھا مگر جن دوتا تاری سرداروں نوغائی قبیلے کے امیر ایدکو اور اس کے پروردہ تمور قتلق خان نے اس کی توقتمش کے خلاف مدد کی تھی کئی سال اس کے دربار میں رہ چکے تھے اور اب والگا اور سطح مرتفع پر قابض تھے۔ انہوں نے ویٹولڈ کو یہ پیغام بھیجا کہ توقتمش کو ان کے حوالے کیا جائے اس پورویٹولڈ نے جو پولینڈ کے بادشاہ کا عم زاد اور ماسکو کے گرینڈ پرنس کا خسر ھتا تاتاری خان سے صلیبی جنگ لڑنے کی ٹھان لی۔ پولینڈ کے تاریخی مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ویٹولڈ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس تیمور سے لڑنے جا رہا ہے جو سمرقند کا حاکم ہے۔ بہرکیف اس نے لتھوانیا کے نوابوں اپنے پولینڈ کے حلیفوں اور پانچ سو صلیبی سرداروں کو جمع کیا اور ان سب کو لے کرتا تاریوں پر حملے کے لیے روانہ ہو گیا۔ تمور قتلق نے ایک قاصد کے ذریعے ان سے پوچھوایا کہ میں نے کبھی تمہاری مملکت پر حملہ نہیں کیا تو پھر تم کیوں مجھ پر چڑھائی کر رہے ہو؟ ویٹولڈ نے جواب میں یہ کہا کہ خدا نے مجھے تمام دنیا کا بادشاہ بنایا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تم پر منحصر ہے۔ کہ میرے بیٹے اور میرے ماتحت بن کر رہو گے یا غلام بنو گے۔ اس کے علاوہ س سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اپنے سکوں پر لتھوانیا کا ٹھپا لگائے۔ تاتاری خان نے جواب میں چپ سادھ لی اور جب فوجیں مقابل ہوئیں تو تحفے بھی بھیجے مگر اصل میں وہ اپنے پختہ کار حلیف ایدکو کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ایدکو پہنچا تو اس نے عیسائی بادشاہ کی شرطیں ماننے سے انکار کر دیا اور اس سے ملنے کی خواہش کی۔ ایک چھوٹے سے دریا کے کنارے پر ان دونوں کی ملاقات ہوء۔ ایدا کو کو مذاق کرنے کی عادت تھی۔ اس نے ویٹولڈ سے کہا کہ آپ عمر میں ہمارے خان سے بڑے ہیں اس لیے اس نے آپ کو باپ کا رتبہ دے کر سعادت مندی دکھائی ہے۔ مگر

چونکہ آپ مجھ سے چھوٹے ہیں اس لیے آپ مرے بیٹے بنیے اور لتھوانیا کے سکوں پر میرا چہرہ کنندہ کروائیے! اس پر ویٹولڈ غصے سے بھرا ہوا اپنے معسکر میں واپس چلا گیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کراکو کے حاکم نے اسے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کا مشورہ دیا مگر اس نے یہ مشورہ رد کر دیا۔ اور لتھوانیا کے شیخی خورے حاکم کراکو کو بزدلی کا طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم موت سے ڈرتے ہو تو ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ کیونکہ ہم خدا کی راہ میں جانیں قربان کرنے جا رہے ہیں۔ غرض انہوں نے من مانی کی اور تاتاریوں کے خلاف پیش قدمی شروع کر دی۔ عیسائیوں کے پاس کچھ چھوٹی دستی توپیں بھی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ اس نئے ہتھیار سے تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں گے۔ مگر وہ اس بھونڈے ہتھیار سے تاتاری شہسواروں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے کیونکہ وہ ایک تو بڑی سرعت سے اپنی جگہ بدل لیتے تھے۔ دوسرے کھلی جگہ میں پھیل کر لڑ رہے تھے۔ جب تغلق نے عیسائیوں پر عقب سے حملہ کیا تو ان کی گنجان صفیں ٹوٹ گئیں اور افراتفری کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔ ویٹولڈ لتھوانیا کے ان سرداروں سمیت جو لڑائی سے پہلے ڈینگیں مار رہے تھے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اس کی دو تہائی فوج میدان جنگ میں کھیت رہی۔ بہادر حاکم کراکو اور اسالنسک اور گیلشیا کے نواب بھی کام آئے۔ تاتاریوں نے بھاگتی ہوئی فوجوں کا دریائے ڈنیپر تک تعاقب کیا۔ کیف والوں نے تاتاریوں کو خراج دینے پر آمادگی ظاہر کی اور تاتاری ویٹولڈ کی مملکت کو پولینڈ تک تاراج کر کے واپس آئے۔ مورخوں نے اس لڑائی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ چنانچہ تاریخوں میں اس کا سرسری طور پر ذکر آتا ہے مگر یہ واقع ہے کہ اس لڑائی سے یورپ کے حالات کا رخ پلٹ گیا۔ پولینڈ والوں اور لتھوانیا والوں نے تاتاریوں سے شکست کھا کر تباہ ہونے والے روسیوں کے سب سے بڑے دشمنوں کا خاتمہ کر دیا جن سے وہ تاتاریوں سے بھی زیادہ خوف زدہ رہتے تھے۔ ادھر ویٹولڈ نے تاتاریوں سے پٹنے کا غصہ پروشیا اور جرمن سرداروں پر اتارا اور پولینڈ کے بادشاہ کو ساتھ لے کر ان پر بڑا زبردست حملہ کیا۔ اور ان کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا۔

86۔ کھوکھلے درخت والے (جیب السیر ۔جزواول حصہ سوم ۔صفحہ ۶ ۔سطور ۱۰۔۱۱)

87۔ خداوند برف (,, ,, ,, ۱۳۔۱۴)

88۔ خراسان میں نیشاپور کے شمال مشرق کی طرف تقریباً اسی میل پر ہے۔

89۔ عراق میں بغداد سے تیس میل شمال کو دجلہ کے کنارے پر ہے۔

90۔ تاتاریوں میں یہ رواج تیمور سے پہلے چلا آرہا ہے۔کہ ان کے بادشاہ کسی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد دشمن کے مقتول سپاہیوں کے سروں کے مینار بنایا کرتے تھے۔مگر یورپ میں ایشیا کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس طرح کے مینار بنانے کو تیمور سے مختص کردیا گیا اور وہاں ہر زمانے میں ایسی کتابوں میں یہی لکھا جاتا رہا ہے کہ تیمور کے بنائے ہوئے یہ مینار دیکھنے میں بڑے بھیانک معلوم ہوتے ہیں اور ایسے مینار بنانا بڑی مکروہ حرکت تھی۔مگر تیمور کے اس قسم کے کاموں کو آج کل کوئی تہذیب کے پیمانے سے نہیں ناپا جاسکتا۔تیمور نے جو خونریزی کی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرتے وقت یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ اس دور میں ہر جگہ اسی طرح خون بہایا جاتا تھا۔تاتاری فاتح جس ماحول کی پیداوار تھا اس میں رحم کھانے کو عام طور سے کمزوری سمجھا جاتا تھا تیمور کے ہمعصر ایشیائی بادشاہ ہرات کا ملک اور دیگر تاجدار بھی ایسے ہی کلہ مینار بناتے تھے جیسے تیمور نے بنائے فرق صرف اتنا تھا کہ وہ تیمور کے کلہ میناروں جتنے اونچے نہ تھے۔اس دور کے یورپی بادشاہ بھی اس معاملے میں تیمور سے کچھ کم نہ تھے۔بلیک پرنس نے لموگ کو انتہائی بیدردی سے تاراج کیا اور برگندی کے چارلس نے ڈنانٹ کے مقام پر انسانوں کو اس طرح قتل کیا جیسے بھیڑیا بھیڑوں کا تیاپانچہ کرتا ہے۔ایجن کور کے مقام پر انگریزوں نے لڑائی میں جو فرانسیسی قید کیے انہیں صرف اس لیے قتل کردیا کہ آخری معرکے سے پہلے پہلے ان سے فارغ ہولیں۔نکویوس کی لڑائی سے پہلے انگریز جرمن اور فرانسیسی صلیبی جنگ آزماؤں نے سربیائی اور ترک قیدیوں کو قتل کردیا۔تیمور کے حکم سے جو قتل عام کیے جاتے تھے وہ اس قسم کی خونریزی سے صرف اس لحاظ سے مختلف تھے کہ

اس سے زیادہ وسیع پیمانے پر کیے جاتے تھے۔

کرنال سائیکس نے اس نکتے کی وضاحت یوں کی ہے کہ تیمور جب کبھی قتل عام کا حکم دیتا اسے کسی اہم جنگی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا پڑتا۔ اب اگر یہ بات مشتبہ بھی ہو تو کم از کم یہ تو صاف ظاہر ہے کہ تیمور اپنے دور کے اکثر بادشاہوں سے زیادہ رحم دل تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر محاصرے سے پہلے دن تیمور کے خیمے پر سفید جھنڈا لہرایا جاتا۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا کہ اگر شہر کے باشندے چاہیں تو اطاعت قبول کر کے تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ اگر محصور لوگ اطاعت قبول نہ کرتے تھے تو اگلے دن سرخ جھنڈا لہرایا جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اگر شہری اب مطیع بھی ہو جائیں تو صرف ان کے سرداروں کے سر قلم کیے جائیں گے۔ اگر وہ اب بھی نہ مانتے تو کالا جھنڈا لہرا دیا جاتا کہ اب ہلاک کر دیے جانے کے علاوہ اور کسی بات کی توقع نہ رکھیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کہانی سچی ہے مگر تیمور باتیں ایسی ہی کیا کرتا تھا۔ اور ان کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ اہل ہرات نے پہلے محاصرے میں نرمی برتی گئی مگر دوسرے محاصرے میں ان کی لرزہ خیز مظالم توڑے گئے۔ بغداد نے پہلی بار خراج دے دیا تو بچ گیا مگر دوسری بار سرتابی کی تو اسے برباد کر دیا گیا۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ تیمور نے اورگنج کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا تھا مگر آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

اگر تیمور چنگیز خاں جیسا ظالم ہوتا تو کسی شہر کے دوبارہ محاصرے کی نوبت نہ آتی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ بغاوت کو کچلنے میں ذرا بھی رحم نہ کرتا تھا۔ اس نے اپنے ماتحتوں اور رفیقوں پر کبھی ظلم نہیں کیا' البتہ دشمنوں پر ذرا بھی رحم نہ کھایا اسی لیے انہیں سنگدل اور شقی معلوم ہوتا ہے۔ ایک عرب شاہ ایسا مورخ ہے جسے اس سے نفرت تھی' باقی سب ایشیائی مورخ اس کے مظالم کے ذکر سے زیادہ اس کے کارناموں کی تعریفیں کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تیمور نے لڑائیوں میں اوروں کی جانیں بہت زیادہ تعداد میں ضائع کیں۔ مگر وہ اپنی جان کو بھی تو خطرے میں ڈال دیا کرتا تھا۔

91۔ ظفر نامے میں اس مقام پر یہ لکھا ہے کہ اہل تکریت کے سروں کے مینار اوروں کو عبرت دلانے کے لیے چنے گئے تھے اور ان کے گھروں کو آیت کا مصداق کر دیا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''یہ گھر ان کے ہیں خوب برباد ہوئے اپنے ظلموں سے''۔ اور انکا حال ارشاد خداوندی کے حکم کے مطابق ہوا۔ کہ ''ہم نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے اور کیا ہم ناشکروں کے سوا کسی اور کو سزا دیتے ہیں؟''۔

92۔ قدیم ایام کی ملکہ شام جو روایت کے مطابق قمری بن کر اڑ گئی تھی۔ شام میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔ اس نے ایران پر بھی حکومت کی تھی۔

93۔ Persian Literature Under Tatar Domination از ای۔ جی۔ براؤن۔

94۔ فٹز جیراڈ نے عمر خیال کی جس رباعی کا انگیزی میں یہ ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہے:

آں	چرخ	فلک	کے ما	درو حیرانیم
فانوس	خیال	ازو	مثالے	دانیم
خورشید	چراغ	دان و	عالم	فانوس
ماچو	صوریم	کا	ندرد	حیرانیم

95۔ شاہ جہاں کا اصل خط ''تاریخ مفصل ایران'' از عباس اقبال میں درج ہے (دیکھیے صفحات ۴۳۷ اور ۴۳۸) لیم نے اس کا آزاد ترجمہ کیا ہے جس سے اس کا مضمون بدل گیا ہے۔

96۔ اس کی کوئی سند نہیں ملی کہ شجاع شاہ نے احمد جلایر کو بھی خط لکھوایا تھا۔ دیکھیے تاریخ مفصل ایران۔ از عباس اقبال۔ صفحات ۴۳۷۔۴۳۸۔

97۔ علی کچہ پا بیان (ظفر نامہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۳۲)

98۔ ظفر نامہ کی جلد اول کے صفحات ۴۳۲ تا ۴۳۵ کی عبارت میں یہ نام محمد پسر خطائی بہادر درج ہے۔

99۔ ظفر نامے میں یہ لکھا ہے کہ جہانگیر کی موت کے بعد خان زادہ کا میراں شاہ سے عقد ہو گیا تھا۔ پھر جب اس نے خان زادہ پر تہمت لگائی تو اس نے سمرقند پہنچ کر تیمور سے شکایت کی۔ (جلد دوم۔ صفحہ ۲۰۵)۔

100۔ ایک پیر محمد دوسرا سلطان محمد۔ خان زادہ کے ہاں میراں سے امیر زادہ خلیل پیدا ہوا تھا۔

101۔ گورگاں یا کورکاں کے معنے ہیں داماد شاہاں یا شاہوں کا قرابت دار۔ دیکھیے النجوم از ابن طغری بردی۔ جلد ششم۔ صفحہ ۳۷ سطر ۲۱ اور صفحہ ۲۷۹ سطر ۱۹۔

102۔ یہ محمود خان تھا جو ۷۹۰ھ میں چنگیز کے منجھلے بیٹے چغتائی کے وارث سیر غتمش کا جانشین ہوا تھا۔ چونکہ تاتاری قانون کے مطابق شاہی خاندان کا ایک ہی فرد بادشاہ بن سکتا ہے اس لیے تیمور نے محمود کو بادشاہ بنا دیا اور حکمرانی خود کرتا رہا۔ اس نے یہ کارروائی سلطان امیر حسین کو ہلاک کروانے کے بعد ۷۷۱ھ مطابق ۱۳۷۰ء میں کی تھی۔ تیمور نے محمود کی ماں سے شادی کر لی تھی۔ دمشق میں جب تیمور اور مشہور مورخ ابن خلدون کی ملاقات ہوئی تو دوران گفتگو تیمور نے کہا کہ میں محض تخت کا نمائندہ ہوں بادشاہ وہ ہے۔ اور عقب میں کھڑے ہوئے لوگوں کی قطار کی طرف اشارہ کیا جس میں محمود کھڑا تھا۔ فی الحقیقت تیمور ''بادشاہ'' یا ''صاحب التخت'' نہیں تھا۔ یہ منصب ''برائے نام بادشاہ'' محمود کا تھا۔ دیکھیے ابن خلدون اینڈ ٹیمرلین صفحہ ۳۷ سطور ۱۰ تا ۱۵ اور صفحہ ۸۶ سطور ۷ تا ۴۶۔

103۔ ذوالقرنین دراصل ایران کے ایک بادشاہ کرش کا قرآنی لقب ہے۔ دیکھیے تفسیر مولانا ابوالکلام آزاد۔

104۔ یعنی چغتائی یا جتہ۔

105۔ یعنی ایک دن رات میں پچاس سے لے کر ستر میل تک۔

106۔ اسپین۔

107۔ اسی سے بعض تاریخوں میں یہ بات غلط درج ہو گئی ہے کہ تیمور نے اپنے

سرداروں کوایک دن میں ساٹھ میل کا سفر کرنے کا حکم دے رکھا تھا (مصنف)۔

108۔ یہ تفصیلات جن کا قدرے اختصار کر لیا گیا ہے کلاویہو کی کتاب Narrative of the Spanish Embassy to the Court of Timur at Samarkand in the year 1403-1406 کے صفحات ۱۴۰۲ سے ۱۴۰۳ سے لی گئی ہیں۔

109۔ تمام ممکن الحصول تاریخی مواد سے ثابت ہے کہ اس وقت چین کے دارالحکومت کو چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا شہر تبریز تھا۔ سمرقند' دمشق اور بغداد اس سے چھوٹے تھے گو ان کی سرکاری عمارات زیادہ قابل دید تھیں۔ اور چودھویں صدی کی روم یا وینس کی عمارات سے زیادہ وسیع اور شاندار تھیں ایشیا کے اس مرکزی شہر کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے آپ کو تصور کرنا پڑے گا کہ آج کل تو یہ ایک شکستہ حال اور اونگھتا ہوا سا ایک شہر ہے جو بحیرہ خزر اور آرمینیا کے درمیان چھپا پڑا ہے اور اپنے پڑوسی شہر موصل سے بھی زیادہ غیر معروف ہے۔ جس کا نام کم از کم اس کے تیل کے چشموں کی وجہ سے ہی کبھی کبھی اخباروں میں تو آ جاتا ہے۔ تبریز جسے قدیم ترین یورپی مورخ کے مقام پر خراسانی شاہراہ جنوب کی اس سڑک سے ملتی تھی جو بغداد ایران اور خلیج فارس کو جاتی تھی۔ مارکو پولو نے ۱۲۷۰ء کے لگ بھگ اس کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ یہ ایک عظیم الشان اور شاندار شہر ہے اور محل وقوع کے لحاظ سے ایسی عمدہ جگہ واقع ہے کہ بغداد ہندوستان کے گرم خطوں تک سے مال تجارت یہاں پہنچتا ہے۔ اس میں باہر سے آئے ہوئے ارمنی نسطوری' یعقوبی' جارجیائی اور ایرانی سبھی نظر آتے ہیں۔ مقامی باشندے جو مسلمان ہیں ان کے علاوہ ہیں۔ وینس کی پرانی کتابوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳۴۱ء میں وہاں جنوآ والوں کا ایک کارخانہ تھا۔ ایک مشہور ایرانی مورخ رشید الدین لکھتا ہے کہ تبریز میں شہنشاہ اسلام (ایل خان غزن خان) کے زیر سایہ ہر مذہب و ملت کے فلسفی منجم' ادیب' اور مورخ اور عرب' یورپی ممالک چین' ہند' کشمیر اور تبت کے لوگ اور اویغور اور دوسرے تک قبیلوں کے افراد

جمع ہیں ۔ دو اور مورخوں ابن سید اور مصطفوی کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محیط مضافات کو شامل کر کے پچیس ہزار قدم تھا۔ مساجد دارالعلوم اور شفاخانوں کی دیواروں پر سامنے کے رخ کاشی کی منقش اینٹیں یا سنگ مرمر یا چونے کا پتھر لگا دیا جاتا تھا۔ سرایوں اور مہمان خانوں کے علاوہ دو لاکھ گھر تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آبادہ بارہ تیرہ لاکھ کے قریب تھی ۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ زلزلہ آیا تھا تو اس سے چالیس ہزار آدمی مرے تھے ۔ ابن بطوطہ نے لکا ہے کہ تبریز مین ایک پورا بازار مشک فروشوں کا اور اسی طرح ایک پورا بازار عنبر فروشوں کا تھا اور جب میں جوہریوں کے بازار میں سے گزرا تو میری آنکھیں ان کی چمک دمک سے خیرہ ہو گئیں"۔ ان جوہریوں کی دکانوں پر خوش پوش غلام تاتاری خواتین کو ہیرے جواہرات دکھا رہے تھے ۔ یورپ کے ملکوں سے بہت سے پادری لوگ بھی سیاحت کرتے ہوئے تبریز پہنچے تھے ۔ ان میں سے ایک جورڈین ڈی سیویراک ۱۳۲۰ء میں تبریز وارد ہوا تو اس نے اس شہر کی بڑی تعریف کی ۔ ایک اور پادری فیراوڈیرک بھی اسی زمانے میں تبریز پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ شہر تجارت کے لحاظ سے دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس میں ہر شے با افراط ملتی ہے ۔ اور یہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے بارے میں جو کچھ کہا جائے انسان اس وقت باور نہیں کر سکتا جب تک وہ اس شہر کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے ۔ سترہویں صدی عیسوی میں اس کی آبادی گھٹ چکی تھی ۔ مگر اس زمانے میں بھی ایک سیاح جارڈین کے بیان کے مطابق ساڑھے پانچ لاکھ سے زیادہ تھی ۔ سمرقند جیسا شہر بھی جس کا محیط مضافات کو چھوڑ کر دس ہزار قدم تھا تبریز سے چھوٹا تھا۔ سمرقند کے بارے میں قشتالی کے بادشاہ کا سفیر کلاویہو لکھتا ہے کہ اس کے حصار کے اندر اندر بسنے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی ۔ کلاویہو تبریز بھی گیا تھا۔ اس نے اس شہر کے حالات لکھے ۔ تیمور تبریز میں پہلی مرتبہ کلاویہو کے وہاں پہنچنے سے کوئی پندرہ سال پہلے داخل ہوا تھا۔ گویا کلاویہو نے تبریز کے جو حالات لکھے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیمور کے دور میں اس شہر کی کیا حالت تھی ۔ اور وہ مفتوحہ شہروں کی نگہداشت کرنے اور

انہیں ترقی دینے کی کتنی اہلیت رکھتا تھا۔ یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ تیمور نے اس شہر کی بعض عمارتیں جلا دی تھیں مگر یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ان کے باقیات پر آتشزدگی کے نشان نظر نہیں آتے۔ یہ درست ہے کہ تیمور جن شہروں پر حملہ کرتا تھا ان میں خاصی تباہی و بربادی ہوتی تھی مگر جو شہر لڑے بغیر مطیع ہو جاتا تھا اس کے باشندوں پر وہ سختی نہ کرتا تھا اور یہ حکم دے دیا کرتا تھا کہ مسجدوں دارالعلوم مدرسوں مزاروں اور آبپاشی کے وسائل کو تباہ ہونے سے بچایا جائے۔ جن شہروں کو اس نے تباہ کیا ان میں سے اکثر کے دوبارہ تعمیر کیے جانے کے احکام جاری کیے۔ جن ایشیائی سیاحوں نے تیمور کی موت کے بعد ان شہروں کی سیاحت کی، جن پر تیمور حملہ آور ہوا تھا ان کے سیاحت ناموں کے مطالعے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر اس کے حملوں کے باوجود آباد اور خوشحال تھے مگر یورپی تاریخوں میں انہی شہروں کو آتش زدہ کھنڈر بتایا گیا ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ یورپی تذکرہ نویس صرف ان صوبوں سے واقف تھے جو سمرقند سے بہت دور تھے مثلاً جنوبی روس، مغربی ایشیائے کوچک، ساحل شام، ایران کا دھر جنوب کا حصہ اور ہندوستان۔ تیمور کو ان ملکوں کے تباہ شدہ شہروں کی مرمت یا دوبارہ تعمیر سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہاں سے تو جو کچھ ہاتھ لگا وہ بھی اٹھا کر سمرقند لے آیا۔ اس کی حکمت عملی جی تھی کہ مملکت کے سرحدی علاقوں کو غیر آباد رکھا جائے اور اندرونی علاقوں کو تعمیر کر کے ترقی دی جائے۔ شاہرخ کی شاندار حکومت کا بھی جس میں ایران، سمرقند اور موجودہ افغانستان شامل تھے بنیادی اصول یہ تھا۔ اس کے نتیجے میں ایرانی فن تعمیر کا وہ سنہری دور شروع ہوا جس میں غزنی سے تبریز تک کے دو ہزار میل کے علاقے میں جو لمبائی میں پورے یورپ جتنا تھا خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوا۔ اس علاقے کو تیموری تعمیرات کا علاقہ کہا جا سکتا ہے۔ صدیوں تک یورپی اقوام کو تبریز کے سوا اس علاقے کے اور کسی شہر کے وجود کا علم تک نہ تھا۔

اس کتاب میں تیمور کے کردار کا ایک تاریک پہلو کو یا اس نے جو تباہی پھیلائی اسے چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مگر اس نے جو اچھے کام کیے ان پر بھی پردہ نہیں ڈالا گیا

ہے۔ دو جدید کے ایک مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ چنگیز خاں سے زیادہ خوفناک تھا مگر آج کل ہی کے مستشرقین اس حقیقت کو بھی بے نقاب کر رہے ہیں کہ تیموری تہذیب بڑے اعلیٰ پایے کی تہذیب تھی۔ بہر حال کلاویہو نے تبریز کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے دائیں طرف کی پہاڑیوں سے ایک دریا نکلتا تھا جو شہر کے اندر سے گزرتا ہے۔ اور اس کا پانی بہت سی نہروں ندیوں اور نالیوں کے ذریعے شہر کے مختلف مقامات تک پہنچایا جاتا ہے۔ گلیاں صاف ستھری ہیں ان کے دونوں رف اونچی اونچی عمارتیں ہیں۔ ان کے کئی کئی دروازے ہیں اور ان دروازوں کے اندر دکانیں ہیں جن کی حفاظت کے لیے پہرے دار چوکی کا انتظام ہے ان پر کپڑا' ریشم' روئی' اور ضرورت کی دیگر چیزیں بکتی ہیں' غرض اس شہر میں بڑی تجارت ہوتی ہے۔ ایک جگہ ایسی ہے جہاں صرف عطریات اور غازہ بکتا ہے۔ اور یہاں بہت سی عورتیں صرف یہی سامان خرید نے آتی ہیں۔ یہ عورتیں سفید چادروں میں لپٹی ہوتی ہیں جن میں آنکھوں کی جگہ گھوڑے کی دم کی جالی لگی ہوتی ہے۔ عمارتوں کو جو بڑی عالی شان بنی ہوئی ہیں پچی کاری اور سنہرے اور فیروزی رنگ کے نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عمارتیں بڑے بڑے امیروں نے بنوائی تھیں۔ چونکہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتے تھے اس لیے ہر ایک نے زیادہ سے زیادہ شاندار عمارت تعمیر کراء ہے اور اس پر جی کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان میں سے ایک عمارت بہت بڑی عالیشان اور بے حد خوبصورت ہے۔ اس کے گرداگرد دیوار ہے اور اندر بے شمار کمرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسے سلطان اولیس نے اس رقم سے تیار کرایا تھا جو اسے شاہ بابل سے ملی تھی۔ دراصل یہ شہر اس مال تجارت کی وجہ سے دولت مند بنا ہوا ہے جو یہاں سے گزر کر دوسرے شہروں میں بکنے جاتا ہے۔ کہتے ہیں پہلے اس کی آبادی اور بھی زیادہ تھی مگر اب بھی اس میں دو لاکھ گھر ہیں اور بہت سے بازار بھی ہیں جن میں ہر طرح طرح کے سالن اور انواع واقسام کے پھل ملتے ہیں۔ تبریز کے داروغہ نے ہم سفیروں کی بری تکریم کی ہے۔ یہاں بہت سی

ایسی خوبصورت مسجدیں اور نفیس حمام ہیں کہ ان جیسی مسجدیں اور حمام میرے خیال میں اور کہیں نہیں ہیں۔ جب سفیر و نے روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے اور ان کے ساتھیوں کے لیے گھوڑے حاضر کیے گئے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ یہاں ہر وقت گھوڑے تیار رکھے جائیں اور جو لوگ اس کے حضور میں آ رہے ہوں انہیں پیش کر دیے جائیں۔ رواستے میں بھی اسی طرح گھوڑے ملتے رہے۔ یہاں سے سمرقند تک ڈاک کا انتظام بھی ہے (مصنف)۔

110۔ جب مارکوپولو ایران میں سے گزر رہا تھا تو اس وقت اس نے حسن بن صباح اور اس کے معتقدوں کے بہت سے قصے سنے تھے جو حشیشین کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے صلیبی لشکروں کو بہت تنگ کیا تھا۔ انہوں نے ان کے لیے لفظ حشیشین وضع کیا تھا۔ انگریزی لفظ (Assasins) قاتل اسی سے بنا ہے۔ حشیشین لوگوں کو خنجر دکھا دکھا کر پہاڑی علاقوں پر قابض ہو چکے تھے۔ مارکوپولو نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے کہ اس میں افسانے کی بہ نسبت حقیقت زیادہ ہے۔ اس کا بیان کا جو اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں یہ مارکوپولو کیسفر نامے سے لیا گیا ہے جو یوں کارڈیر ایڈیشن کہلاتا ہے۔ اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ اس ک ان کے سردار کو شیخ الجبل لکھا ہے جس کا انگریزی مترادف Old Man of the Mountain ہے۔ بہر حال وہ لکھتا ہے کہ شیخ الجبل کو وہ اپنی زبان میں علاء الدین کہتے تھے۔ اس نے دو پہاڑوں کے رمیان ای وادی کو دونوں طرف سے بند کروا کر ایک باغ میں تبدیل کر لیا تھا اور اس میں ہر قسم کے پھلدار درخت لگوا لیے تھے۔ اس سے زیادہ وسیع اور خوشنما باغ آج تک کہیں نہیں دیکھا گیا۔ اسی طرح اس میں ایسی بارہ دریاں اور ایسے عالیشان محل تعمیر کیے گئے تھے کہ ان سے زیادہ نفیس عمارتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان سب کے در و دیوار پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا اور جا بجا نظر نواز نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس باغ میں شراب' دودھ' شہد اور پانی کی نہریں اور بہت سی حسین و جمیل لڑکیاں اور عورتیں بھی تھیں۔ یہ ہر قسم کے ساز بجانے اور ناچنے میں کمال

رکھتی تھیں اور ان کا رقص تو ایسا جادو اثر ہوتا تھا کہ دیکھنے والے مسحور رہ جاتے تھے۔ شیخ یہ چاہتا تھا کہ اس کے معتقد اسے سچ مچ کی جنت سمجھیں اس لیے جنت کے سارے لوازم جمع کر دیے تھے اور ادھر کے لوگ اسے جنت ہی سمجھتے تھے۔ اس باغ میں صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے تھے جنہیں وہ اپنے حشیشین بنانا چاہتا ہو۔ باغ کے دروازے پر ایک قلعہ تھا جو اتنا مضبوط تاھ کہ ساری دنیا مل کر حملہ کرے تو بھی سر نہ ہو۔ اندر داخل ہونے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ شیخ اپنے دربار میں بارہ سال سے بیس سال کی عمر کے ایسے نوجوان رکھتا تھا جنہیں سپاہیانہ زندگی کا شوق ہو اور ان کے سامنے اپنی جنت کا تذکرہ کرتا رہتا تھا تا کہ ان کے دل میں شوق کی آگ بھڑکے۔ پھر وہ انہیں چار چھ چھ یا دس دس کی ٹولیوں میں جنت کے اندر داخل کرتا مگر اس سے پہلے ایک عرق حشیش پلا دیتا جس سے انہیں نیند آ جاتی اور وہ انہیں اسی حالت میں اٹھوا کر باغ میں لے جاتا تا کہ جب جاگیں تو خود کو جنت میں پائیں۔ اور یہ نوجوان اپنی آنکھ کھلتے ہی جب اپنے آپ کو اتنی دلفریب جگہ میں پاتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ واقعی جنت میں ہیں۔ حسین لڑکیاں اور عورتیں انہیں آن گھیرتیں اور وہ ان کے ساتھ جوانی کے کھیل جی بھر کے کھیلتے رفتہ رفتہ ان کی حالت ایسی ہو جاتی کہ اگر ان کا بس چلتا تو ہرگز وہاں سے نکلنے کو تیار نہ ہوتے۔

اس سردار کا دربار، جسے ہم نے شیخ الجبل کہا ہے بڑا شاندار اور باوقار تھا۔ اور اس نے اپنے گرد و پیش کے سادہ لوح کوہستانی باشندوں کو اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ وہ پیغمبر ہے۔ جب وہ حشیشین میں سے کسی کو کسی مہم پر بھیجنا چاہتا تو اسے پھر حشیش پلا دیتا اور جب وہ سو جاتا تو اسے جنت سے اپنے محل میں اٹھوا لاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جب وہ نوجوان جاگتا تو خود کو جنت کے بجائے محل میں پا کر ناخوش ہوتا۔ اب اسے شیخ کے حضور میں پیش کیا جاتا جس کی وہ تعظیم بجا لاتا کیونکہ اسے یقین ہو گیا کہ میں پیغمبر کے حضور میں ہوں۔ شیخ اس سے پوچھتا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ جواب دیتا کہ جنت سے آیا ہوں۔ اس کے منہ سے یہ بات سن کر حاضرین کے دلوں میں جنہیں ابھی وہاں جانے کی اجازت نہ ملی

ہوتی جنت میں پہنچنے کی خواہش مچلنے لگتی۔ جب کبھی شیخ کسی بادشاہ یا شہزادے کو قتل کرانا چاہتا تو اس قسم کے کسی نوجوان سے کہتا کہ جاؤ اسے قتل کر آؤ۔ جب تم واپس آؤ گے تو میرے فرشتے تمہیں پھر جنت میں پہنچادیں گے۔ مذکورہ نوجوان اس کے ہتھکنڈوں سے اس پر ایمان لاچکا ہوتا اس لیے وہ اس ک ہر حکم کی تعمیل کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ جھیل جاتا کیونکہ اس کی دلی خواہش یہ ہوتی کہ اسی جنت میں پھر پہنچ جاؤں گا جس کی سیر کر چکا ہوں۔ اس ترکیب سے شیخ الجبل نے جسے چاہا مروا دیا۔ اسی لیے وہ تمام بادشاہ اس سے خائف رہتے تھے۔ اور اس کے باجگزار بن جاتے تھے۔ تاکہ وہ ان سے خوش رہے۔ ایشای کے جن مشاہیر کو حشیشین نے قتل کیا ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس میں مصر کا ایک خلیفہ، حلب ڈمشق اور موصل کے حکمراں۔ طرابلس کا عیسائی بادشاہ ریمنڈ اور مونسٹراٹ کا کانرڈ جیسے افراد شامل ہیں البتہ کانرڈ کے متعلق ایک عرصے تک یہ مشہور رہا کہ اسے رچرڈ نے قتل کرایا تھا۔ حشیشین نے یہ غلطی کی کہ ایک مغل شہزادے کو قتل کر دیا۔ اس پر مغلوں نے اس کے بیشتر قلعے منہدم کر دیے۔ رہے سہے قلعے تیمور نے گرا دیے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مارکوپولو کا سفرنامہ شائع کردہ پول کارڈیئر جوئویل کی تاریخ اور کواٹرے میرے کا۔ رشید الدین کی تاریخ مغول ایران کا ترجمہ (مصنف)

111۔ جس گروہ کے لیے یورپ کے صلیبی جنگ بازوں نے حشیشین کا ہتک آمیز نام وضع کیا یہ اسمعیلہ کا ایک گروہ تھا۔ اسلامی تاریخ میں حشیشین کا کوئی گروہ نہیں۔ صوبہ جبال میں ایک شہر قزوین نام کا تھا۔ اسکے شمال مغرب کے پہاڑوں پر فرقہ اسمعیلیہ کا یہ گروہ قابض رہا۔ اسی طرح صوبہ رودباد کی سرحد سے ملے ہوئے پہاڑی سلسلے پر بھی اس کا قبضہ تھا۔ یوں کل ملا کر کم وبیش پچاس قلعے ایسے تھے جن پر یہ گروہ حکومت کیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان میں سے ہر ایک کا شاہی لقب شیخ الجبل ہوا کرتا تھا۔ مارکوپولو نے جس علاء الدین کا ذکر کیا ہے۔ یہ ساتواں شیخ الجبل تھا۔ اس کا زمانہ ۶۱۵ھ مطابق ۱۲۲۰ء سے لے کر ۶۵۳ھ مطابق ۱۲۵۵ء تک ہ۔ اس نے قلعہ الموت میں حکومت کی تھی۔ دیکھیے

اسلامک انسائیکلو پیڈیا۔ جلد اول۔ صفحات ۴۹۱۔۴۹۲ نیز جغرافیہ خلافت مشرقی از لی اسٹرینج۔ صفحات ۲۲۰۔۲۲۱۔

یہ اس سال کی بات ہے جب میراں شاہ کی شراب خوری اور احمقانہ حرکتوں سے بحیرہ خزر کے جنوب کے تاتاری صوبے کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ تیمور اس وقت کہیں اور (یعنی پہلے شمال میں توقتمش کے آخری حملے کو روکنے اور پھر ہندوستان کی مہم میں) مصروف تھا۔ اس کی مہمات کو تاریخ وار پیش کرنے کے لیے تمام راستوں کی ایک فہرست اور ہر لمحہ بدلتے ہوئے نقشے درج کرنے کی ضرورت ہوتی اس لیے ہر واقعے کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ (مصنف)

112۔ سوداگروں کے شہر۔ (ان دنوں جرمنی میں خاص خاص شہروں کو خصوصی تجارتی حقوق حاصل تھے۔ انہیں "ہانسی شہر" کہتے تھے۔

113۔

ان الذین یجاھدون لانفسھم اور لحلستھم اولا کلمتھم لا ینظر الھه الیھم یوم القیامته ولکن ینظر الی من جاھد فی الله حق جھاده. (ظفر نامه)

114۔ بی بی خانم کے بارے میں اتنی کہانیاں مشہور ہو گئی ہیں کہ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہو گیا ہے یہ خاتون کون تھیں۔ تاریخ کی متعدد کتابوں میں لکھا ہے کہ تیمور نے کسی چینی شہزادی سے شادی نہیں کی البتہ منگلی خان کی بیٹی سے شادی کی تھی مگر اس شادی کے وقت تک بی بی خانم کے مقبرے کی کچھ عمارتیں تعمیر ہو چکی تھیں اور یہ خاتون ملکہ سرائے خانم بھی نہیں ہو سکتی۔ (مصنف)۔

115۔

ما لعبتگانیم و فلک لعبت باز
از روئے حقیقتی و نہ از روئے مجاز

بازیچہ همی کنیم بر نطع وجود
رفتیم بصندق عدم یک یک باز

116۔ تقفور کا مطلب ہے شہنشاہ۔ ابن بطوطہ کی یہ فہرست شاید یورپی قاری کے لیے اس بنا پر حیرت کا باعث ہو کہ میں قسطنطنیہ کے حکمران کو بھی عظیم قرار دیا گیا ہے۔ جو اس دور میں چنداں قوی نہ تھا۔ مگر خیال رہے کہ اس حکماں نیز سلطان بغداد کو ان کی گزشتہ عظمت کی وجہ سے عالی مرتبہ بادشاہوں کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ ان دو کے علاوہ اس فہرست کے باقی بادشاہ واقعی عظیم تھے۔ یورپ اس زمانے میں چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور نوابی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور اس نے جو فتوحات آگے چل کر کیں ان کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ جتنے صلیبی جنگ آزما ایشیا میں داخل ہوئے تھے وہ سب اس وقت تک یورپ واپس ہو چکے تھے اور ایشیا میں یہی سمجھا جاتا تھا کہ یورپ کا دارالسلطنت قسطنطنیہ ہے۔ (مصنف)۔

117۔ تیمور کی ہندوستان پر فوج کشی ایک مختصر سی مہم تھی۔ وہ دہلی کا محاصرہ نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے اپنی فوج کو کھلے میدان میں رکھا اور وہاں خندقیں کھدوالیں تاکہ ایسا معلوم ہو کہ کمزور ہے اور ڈر رہا ہے۔ سلطان دہلی اس کے دھوکے میں آ گیا اور جنگ کرنے کے لیے کھلے میدان میں نکل آیا۔ یہی تیمور چاہتا تھا۔ ہندوستانی فوج کو شکست دینے کے بعد اس نے دہلی کو نہایت اطمینان سے لوٹا اور پھر جنوب کے شہروں کی طرف بڑھا۔ (مصنف)۔

118۔ کالے پتھر کا ایک قلعہ تھا جو تیمور نے ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنوایا تھا۔

119۔ مصنف نے لکھا ہے کہ تیمور کا استقبال شہر سمرقند کے باہر کیا گیا' مگر ظفر نامہ جلد دوم کے صفحات ۱۸۹ اور ۱۹۰ پر یہ لکھا ہے کہ یہ استقبال دریائے آمو کے کنارے پر کیا گیا۔

120۔ اس بات کے لیے کسی ثبوت یا دلیل کی ضرورت نہیں کہ تیمور کوئی متقی اور

پرہیز گار مسلمان تھا بلکہ وہ ان انسانوں میں سے تھا جو اپنی عقل سے کام کرتے ہیں۔ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مذہب کے بارے میں اس کے حقیقی احساسات کیا تھے۔ مگر چونکہ یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ وہ ایک ایسا مسلمان تھا جس کے دل میں اسلام کی ترقی کا جذبہ موجزن تھا اس لیے ضروری ہے کہ اس سلسلے میں شواہد تلاش کیے جائیں اور واضح ترین شواہد تیمور کے اپنے اعمال ہی ہو سکتے ہیں۔ تیمور نے اپنا کوئی اسلامی لقب نہیں رکھا اور جو مسلمان بادشاہ پرست تھے وہ اس قسم کے مذہب ضرور اختیار کرتے ہیں' اس نے اپنے علاوہ اپنے بیٹوں کے بھی اسلامی نام نہیں رکھے۔ ایک کا نام جہانگیر تھا دوسرے کا شاہرخ تھا' البتہ اس کے پوتوں کے نام اسلامی تھے جیسے پیر محمد وغیرہ۔ مگر یہ نام اس کے رکھے ہوئے نہیں تھے۔ اس نے علماء کی تقلید میں کبھی سر نہ منڈوایا' اور نہ عمامہ باندھا' شرعی لباس پہنا۔ تاتاریوں کے پڑوسی ملکوں کے مسلمان تیمور اور تاتاریوں کو نیم مسلم اور اکثر اوقات لامذہب اور کافر کہتے تھے۔ اسلام کے حقیقی رہنما خلیفہ مصر اور سلطان ترکی تھے' جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ ان کی نظر میں تیمور لامذہب اور وحشی تھا (حالانکہ حقیقت میں نہیں تھا) اور وہ اسے ایک ایسا دشمن سمجھتے تھے جس سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ اصل بات یہ تھی کہ تاتاری نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لیے سپاہی پہلے تھے مسلمان بعد میں تھے۔ تیمور نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں کے دوستانہ تعلق قائم کرنے کی کوشش بھی کی حالانکہ ترک اس دور میں ان سے مذہب کے نام پر جنگیں لڑ رہے تھے۔ اس نے اپنے خطوط میں بھی اپنے نام کے ساتھ کبھی بادشاہ کا لقب نہیں لکھا جیسا کہ عام طور پر مسلمان بادشاہ لکھا کرتے تھے۔ اس نے مسلمانوں کے مقدس شہروں مشہد' مکہ معظمہ اور بیت المقدس کی طرف کبھی کوئی توجہ نہیں کی گو کوچ کے دوران جو راستے میں جو مزار یا زیارت گاہیں آ جاتی تھیں ان پر ضرور جاتا گو یہ معلوم نہیں کہ دنیا کے دکھاوے کے لیے جاتا تھا یا عقیدت کی وجہ سے جاتا تھا۔ یہ بات کہ وہ مذہبی احکام کی پابندی کرتا تھا' اور اس نے بڑے شوق سے مسجدیں تعمیر کیں چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ اس زمانے میں ہر جگہ روزمرہ

زندگی مذہبی قوانین اور رسوم کے تابع تھی اور صرف ایشیا میں نہیں یورپ میں بھی یہی ہوتا تھا۔ مسجدیں' مزار اور مدرسے رفاہ عامہ کے کام آتے تھے اس لیے انہیں برباد کرنا مذہب کی صریح بے حرمتی ہوتی۔ تیمور کے بیشتر سپاہی پابند شرع مسلمان تھے۔ اس لیے اس نے اپنے طرز عمل مین ان کے رجحانات کا لحاظ رکھا۔ دو جگہ اس نے مسلمانوں کی جان بخشی کر دی مگر عیسائیوں کو قتل کروا دیا۔ دونوں جگہ محصور مقامات کے محافظ دستوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عیسائیوں کی وجہ سے تاتاریوں کو بھاری نقصان پہنچا چنانچہ ان کو قتل کروا کے تیمور نے ایک مثال قائم کرنی چاہتا تھا' اس لیے اس واقعے کو اس کی مذہب پرستی کی مثال کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس ایک مرتبہ ماسکو کے قریب' دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے نزدیک اور تیسری مرتبہ جنوبی ہندوستان میں' ایسا موقع آیا کہ وہ عیسائیوں اور ہندوؤں پر لشکر کشی کر کے غازی کا لقب حاصل کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ کیونکہ اسے اپنے منصوبوں میں ردوبدل کرنا پڑتا۔ جارجیا کے عیسائی اس لیے کچل دیے گئے کہ وہ اس کی راہ میں حائل ہو رہے تھے اور سمرنا ایشیائے کوچک کا ایک گڑھ تھا' اس لیے اس پر لشکر کشی ضروری تھی اس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ سمرقند اور تبریز میں یہودیوں نسطوری عیسائیوں' ملکیوں اور دیگر غیر مسلموں کی بستیاں نیز گرجا تھے۔ کم از کم ایک مرتبہ اس کے ہاں کے عیسائیوں نے ایک بڑے اسقف کو اپنا سفیر بھی بنایا۔ مگر تیمور نے کٹر مسلمان ہونے کا کوئی قطعی ثبوت ان مسلمان مورخوں نے پیش کر دیا ہے جو اس کے بڑے مداح ہیں۔ انہوں نے اسے ہر ممکن طریقے سے اسلام کا شیدائی ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ ان میں سے ہر بعض کہتے ہیں کہ وہ سنی تھا' اور بعض اسے شیعہ بتاتے ہیں حالانکہ خود اس نے اپنے بارے میں صرف یہ لکھا ہے کہ "میں خدا کا ایک بندہ تیمور ہوں" (مصنف)۔

مصنف نے تیمور کو مذہب سے بیگانہ یا بے تعلق ثابت کرنے کے لیے اوپر جو باتیں لکھی ہیں ان میں سے بعض باتیں محل نظر ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ چونکہ تیمور

نے اپنے نام میں کوئی اسلامی لقب شامل نہیں کیا اس لیے مصنف نے اس سے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ اسے اسلام سے کوئی وابستگی نہیں تھی۔ حالانکہ اس باب میں جس کا عنوان مملکت رکھا ہے خود آیا ہے کہ ہر چند وہ ایک مطلق العنان فرمانروا اور ایک وسیع سلطنت کا مالک تھا۔ مگر نہ شہنشاہ کا لقب اختیار کیا نہ اپنی سلطنت کا کوئی نام رکھا جس کی وجہ یہ تھی کہ جن قبیلوں کو اپنے ماتحت متحد کر کے سلطنت بنائی تھی ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کا خود بادشاہ بننا یا سلطنت کا کوئی نام رکھنا قرین مصلحت نہ تھا۔ ممکن ہے کہ ایسی ہی کوئی مصلحت ،جس کا تاریخوں میں ذکر نہیں ہے' اس کے اسلامی لقب اختیار کرنے میں بھی مانع ہو۔ اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں کے بھی اسلامی نام یا لقب نہیں رکھے۔ عمر شیخ کے نام میں حضرت عمر کا نام شامل تھا۔ جہانگیر نے لقب غیاث الدین تھا اور میران شاہ کا لقب جلال الدین تھا۔ شاہرخ کا نام اس نے عمداً ایسا نہیں رکھا تھا کہ یہ اسلامی نام نہ ہو۔ بعض کتابوں میں اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گ ءہے کہ جس وقت اس کے بیٹے کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی اس وقت تیمور شطرنج کھیل رہا تھا چنانچہ جو جو چال چل رہا تھا اسی کے نام پر نومولود کا نام رکھ دیا۔ اس کی ہیئت ترکیبی سے صاف ظاہر ہے کہ شطرنج کی دو اصطلاحوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ ایک شہ مات جس کا پہلی لفظ ''شہ'' لے لیا گیا ہے دوسری ''رخ'' جو ایک مہرے کا نام ہے۔ ان دونوں الفاظ کو ترتیب دے کر شاہرخ بنا لیا گیا ہے۔ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ یہ قصہ بے بنیاد ہے۔ لیکن اگر ذرا بھی نہ ہو تو اسس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ چونکہ تیمور نے اپنے ایک بیٹے کا نام شطرنج کی ایک چال کے نام پر رکھ دیا تھا اس لیے اسے اسلام سے کوئی وابستگی نہیں تھی کیونکہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے اس کے ایک بیٹے کے نام کے ساتھ کٹر مذہبی انسان ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ اور دو بیٹوں کے ناموں کے ساتھ اسلامی لقب لگائے جاتے تھے۔ مصنف نے ایک اور نا قابل اعتراض بات یہ بھی لکھی ہے کہ چونکہ تیمور نے کبھی سر نہیں منڈوایا عمامہ نہیں باندھا اور شرعی لباس نہیں پہنا اس لیے اس کے دل میں اسلام کی محبت کا

جذبہ نہیں تھا افسوس ہے ہیرلڈ لیم جیسے صاحب علم اور بالغ نظر مورخ کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام یا اسلام سے وابستگی سر منڈوانے' عمامہ پہننے یا ٹخنوں سے اونچا پاجامہ اور مولویوں جیسا عبا پہننے کا نام نہیں ہے' اصل چیز اسلام کی روح سے دلی تعلق ہے۔ لیم نے اسی کتاب میں ایک مقام پر خود لکھا ہے کہ تیمور قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتا تھا' مسجد میں صرف نعلین میں بیٹھ کر وعظ سنا کرتا تھا' درویشوں کی اتنی تعظیم کرتا تھا کہ راہ میں انہیں دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑتا تھا' روزے کا پابند تھا اور جتہ مغل خان کے حملہ آور ہونے کے موقعے پر اپنے مرشد مولانا زین الدین کی خدمت یں تمام رات حاضر رہ کر ان سے مشورے کرتا رہا تھا۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ ان سب باتوں کے مقر ہونے کے باوجود جو تیمور کی اسلام سے وابستگی پر دلالت کرتی ہیں' لیم صاحب تیمور کو صرف اس لیے نیم مسلمان قرار دیتے ہیں کہ وہ سر نہیں منڈواتا تھا' عمامہ نہیں پہنتا تھا اور اس نے مولویوں جیسا لباس نہیں پہنا۔

اس سلسلے میں دو نکتے اور بھی ایسے ہیں جو لی صاحب نے نظر انداز کر دیے ہیں یا یہ استدلال کرتے وقت ان کی نظر سے پوشیدہ رہے ہیں۔ ایک یہ کہ تیمور نے سلطان احمد والی بغداد پر اس کی سازشوں سے مجبور ہو کر لشکر کشی کی دوسرے وہ جنوبی یورپ کے مسلمان فاتح بایزید یلدرم سے جنگ آخر تک ٹالتا رہا۔ تیمور نے مسجدیں بنوانے اور نماز روزے کی پابندی کرنے کو لیم نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اس زمانے میں یورپ میں بھی دینی رسوم کی پابندی جزو زندگی تھی۔ مگر شاید انہیں معلوم ہو کہ اسلام کے دین میں سیاست اور مذہب دونوں شامل ہیں اس لیے اسلامی دینی رسوم شعائر مذہب پر ہیں جب کہ عیسائیت کی دینی رسوم محض ظواہر تھے کیونکہ کلیسا کو دنیاوی معاملات اور سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کی بنیاد ہی رہبانیت پر تھی۔ ان رسوم کی پابندی یقیناً مذہب سے وابستگی کی بنا پر نہیں تھی مگر مسلمانوں کی مذہبی رسوم کی پابندی اسلام کی حقیقی روح سے والہانہ وابستگی کی بنا پر ہوتی ہے۔ (مترجم)۔

121۔ اس کے علاوہ تیمور چین پر لشکر کشی کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ مگر وہ چین پر اس وقت تک حملہ آور نہ کر سکتا تھا کہ جب تک مغرب کے وہ بادشاہ اس کی مملکت کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے جو آپس میں اس کے خلاف معاہدہ کر چکے تھے۔ تیمور کا جنگی منصوبہ جو شطرنج کی چال جیسا تھا بالکل واضح ہے۔ اور وہ یہ تھا کہ پہلے صحرائے گوبی کے مغل خوانین سے معاہدہ کر لیا جائے اس کے بعد چین پر حملہ کیا جائے۔ مگر اس کے سلسلے میں سمرقند سے کئی سال تک غیر حاضر رہنا ضروری تھا۔ اس لیے اپنی مملکت کو ممکنہ حملوں سے محفوظ کرنے کے لیے اس نے سب سے پہلے ہندوستان کے بادشاہ کو بساط سے ہٹایا جو اس کا سب سے قریبی دشمن تھا۔ پھر ہندوستان سے جو دولت ہاتھ لگی اس سے جنگی تیاریاں کر کے مغرب پر چڑھائی کی اور اپنے دشمنوں کو ختم کر کے اس کی طرف سرحدیں محفوظ کیں۔ ظاہر ہے کہ تیمور ترکوں سے اس وقت تک جنگ نہ کرنی چاہتا تھا۔ جب تک وہ یورپ میں برسرپیکار تھے۔ جب وہ ایشیا میں نمودار ہوئے تو ان کے مقابلے کے لیے بڑھا اور جب سب مغربی طاقتیں ختم ہو گئیں تو سمرقند واپس آ کر چین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ (مصنف)۔

122۔ اس علاقے میں لڑنے میں جو مشکلات پیش آ سکتی ہیں ان کا اندازہ پہلی جنگ عظیم کے کوائف سے ہو سکتا ہے۔ جس میں روسی شمال کی سمت سے ارض روم سے آگے نہ بڑھ سکے۔ جنوب میں بغداد کے قریب ایک برطانوی فوج ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئی اور شام میں انگریزوں اور لارنس کے حامی عرب قبائلیوں کو دمشق تک پہنچنے میں دو سال لگے۔ یاد رہے کہ پہلی جنگ عظیم میں اتحادی سمندر پر قابض تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی ترکوں سے زیادہ اعلیٰ قسم کے تھے۔ جنہوں نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک اس علاقے کا تنہا دفاع کیا۔ تیمور کے عہد میں ترک زیادہ طاقت ور تھے اور ان کے حلیفوں میں مملوک، سرکیشیائی، گرجستانی اور شامی عرب شامل تھے جو سب کے سب بڑے جنگجو اور بہادر تھے۔ (مصنف)۔

123۔ زبان دانوں، مورخوں، ماہرین آثار قدیمہ، ماہرین عمرانیات اور تحریک اتحاد ترکی کے حامی ارباب سیاست، سب نے لفظ ترک کو سالہا سال تک گیند کی مانند کچھ اس طرح اچھالا ہے کہ اب گیند میں اور اس گرد میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے جو اسے اچھالتے رہنے سے اٹھی تھی۔ ترکوں کی اصل کے سلسلے میں کئی کہانیاں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مادہ بھیڑیے کے بطن سے ایک انسان کا بچہ پیدا ہوا تھا۔ وہ ترکوں کا جد اعلیٰ تھا۔ ایک اور کہانی یہ ہے کہ ان کی نسل ابن یافث سے چلی اور ایک تیسری کہانی بھی ہے کہ عہد قدیم میں وسطی ایشیا میں ترک قوم کی ایک زبردست سلطنت تھی جو صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ اور اس سلطنت کے زیر سایہ جس تہذیب نے نشوونما پائی تھی وہ بڑی عظیم الشان تہذیب تھی۔ یہ تینوں کہانیاں دلچسپ تو ہیں مگر ان پر دل پوری طرح ٹھکتا نہیں۔ ایک زمانے میں ترکی جھنڈے پر ہلال کی جگہ سنہری بھیڑیے کا سر بنانے کی تحریک بھی اٹھی تھی مگر اس قسم کی باتوں سے بھی ان کہانیوں کی صداقت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کو ترکوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا، اس کے بعد ہیونگ نو کے مجمع قبائل (جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے) کے ایک قبیلے نے اس سے علیحدہ ہو کر چین اور صحرائے گوبی کے درمیان کوہ التائی کی تلہٹیوں میں سکونت اختیار کر لی۔ اس قبیلے کے خاندان (اسنیہ) اور کبھی کبھی ترک کہلاتے تھے، جس کے معنے تھے خود کیونکہ وہ ایک خود نما پہاڑی کے قریب رہتے تھے یا پھر شاید ان کے خود پہننے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چینی ''ر'' نہیں بول سکتے تھے اور وہ انہیں ''تو کی'' کہتے تھے۔ مگر یہ بات واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکی کہ چینیوں نے یہ لفظ ''اسینہ'' خانہ بدوشوں سے سنا تھا یا خانہ بدوشوں کو یہ نام اپنی طرف سے دیا تھا۔ بہر حال یورپی محققوں نے زیادہ تر چینی تذکروں کی بنیاد پر ان تمام قبیلوں کو ترک کہنا شروع کر دیا جو اسینہ (ترک) سے کوئی رشتہ رکھتے تھے۔ اس جمع قبائل کے ان قبیلوں میں سے جو شرقی حصوں میں آباد تھے۔ اور یغور اور جلایر بھی ترک کہلاتے تھے اور مغرب میں قارلق، (برف

کے باشندے) قنقلی (اونچی گاڑیاں) قراقلمان (سیاہ ٹوپی) اورقپچاق (صحرانورد) جو بعد میں سنہری غول میں شامل ہو گئے' سبھی ترک کہلاتے تھے۔انہیں یہ نام اس بنا پر دیا گیا کہ یہ سب ایک ہی یا ایک ہی سی زبان بولتے تھے۔یہی زبان اب ترکی کہلاتی ہے۔مگر یہ قسطنطنیہ کی ترکی زبان نہیں تھی۔شروع میں اس کی بعض بولیاں مغلوں (منگولوں) کی زبان سے ملتی ہیں یورپی مصنفوں نے ایک قبیلے کا نام (ترک) بہت سے قبیلوں پر چسپاں کر دیا ہے۔اس بات پر لتھوانیا کے بادشاہ کا وہ قصہ یاد آتا ہے کہ جب وہ عیسائی ہوا تو اپنی قوم کو بپتسمہ دلوانے کے لیے الگ الگ گروہوں کی شکل میں بلایا اورر یہ رسم ادا ہونے کے دوران میں ایک گروہ کا نام پیٹر اور دوسرے کا پال رکھا۔بہر کیف ترک چین کے سرے کے علاقے میں موجود ضرور تھے۔وہ ریشم کے کپڑے پہنتے' گوشت کھاتے اور دودھ پیتے تھے۔ان کے جنگ آزما دلیر جوان ''بگاتر'' (بہادر) شہزادیاں کاتون اور سردار خاخان کہلاتے تھے۔ان کی کمانیں سینگ کی بنی ہوئی ہوتیں اور جب یہ لوگ تیر دلاتے تو ان تیروں کی سنسناہٹ پر سیٹیوں کا گمان ہوتا۔ان کے جسم زرہ سے ڈھکے ہوئے تھے اوران کے علم (وغ تغ) پر سنہری بھیڑیے کا سر بنا ہوتا تھا جو''لن خانان'' (بھیڑیے کے سردار) کا نشان تھا۔ایسا علم صرف بادشاہ رکھ سکتا تھا اوراسی کو دن میں پانچ مرتبہ طبل بجوانے کا حق ہوتا تھا۔ان باتوں سے یہ جان لینا کچھ مشکل نہیں کہ وہ لوگ تیمور کے آباؤ اجداد تھے۔یہ ساتویں صدی عیسویں کا ذکر ہے اس وقت تک مغل (منگول) جانوروں اور مچھلوں کی کھالیں پہنتے تھے۔ناپاک چیزیں کھاتے اور سیریا شمال (موجودہ سائبیریا) میں رہا کرتے تھے۔اس کے بعد جو حالات رونما ہوئے وہ اتنے پیچیدہ ہیں کہ سمجھ ہی میں نہیں آتے۔یہ لمبے چوڑے قبیلے جن میں صرف وہ زبان مشترک تھی جسے اب ترکی کہتے ہیں' (اور جو اس وقت بگڑی ہوئی سنسکرت یا سریانی زبان کے کسی رسم خط میں لکھی جاتی تھی) گوناں گوں وجود سے جن میں سے بیشتر کا تعلق جنگ سے تھا' اپنے آبائی مسکن سے نکل کھڑے ہوئے اور مغرب کی طرف جا کر دور دور پھیل گئے۔پھر وسطی ایشیا کے طویل و

عریض خطے میں، چین کی ایک قسم کی نظری سیادت میں۔ نیز عربوں کے قوت کے دباؤ سے جونئ نئ ابھرتی تھی۔ کبھی سلطنتیں ایک دوسرے میں مدغم ہوئیں اور کبھی کوئی ایک ہی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔ یہ ترک لا مذہب تھے۔ پھر چنگیزی مغل وارد ہوئے اور یغور قارلق اور قرا ختائی میں سے ہر ایک نے یکے بعد دیگرے عروج پایا۔ پھر چنگیزی مغل وارد ہوئے تو انہوں نے انہیں اور بھی پراگندہ کر دیا تاہم آگے چل کر ان میں سے بیشتر کو سنہری غول میں شامل کر لیا۔ مگر ہر قبیلے کا اپنا نام قائم رکھا گو ہر بار جب یہ قبیلے آپس میں ملتے یا ملنے کے بعد علیحدگی اختیار کرتے تو ناموں میں تبدیلی بھی ہوتی۔ بعض نام جیسے قرغیز اور قربت آج تک غلام ہیں۔ برلاس قبیلہ ان مام جنگوں میں شامل رہا جو اس عرصے میں مختلف قبیلوں میں ہوتی رہیں اور صحرا نوردی کرتا رہا مگر جب ماوراء النہر پہنچا تو وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ ایک روایت مشہور ہے کہ ان کے سرداروں میں سے ایک سردار کسی زبردست مغل (منگول) بادشاہ کا قاراچار یعنی سپہ سالار اعظم تھا۔ اس زمانے میں چنگیز خان کی موت کے بعد تیمور کی پیدائش سے پہلے کے درمیانی عرصے میں یہ قبیلے جنہیں اہل علم ترک اور ان کے پڑوسی تاتاری کہتے تھے۔ بحیثیت مجموعی مغل (منگول) ہی تھے مگر انہوں نے اپنے قبائلی نام بھی نہ چھوڑے۔ یہ مختلف زبانوں اور حرفوں میں لکھنے پڑھنے بھی لگے اور بہت سے مسلمان بھی ہوگئے۔ باقی بدھ مذہب اختیار کیے رہے۔ ان کا تزکرہ مختلف ملکوں کی تاریخوں میں آتا ہے اور انہوں نے ہر ملک میں بدامنی پھیلائی۔ تیمور نے ان میں سے بیشتر کو یکجا کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترک مملکت کا کبھی کوئی وجود نہیں تھا بلکہ کوئی ترک قوم بھی کبھی نہیں ہوئی۔ عثمانی ترک خانہ بدوش ترکمان تھے، وہ حکمران قبیلوں کی نسل سے نہیں تھے۔ انہوں نے یورپ کا ایک حصہ نیز بیشتر مشرق اوسط فتح کر کے وہاں کے لوگوں میں شادیاں کر لی تھیں۔ ان کی زبان بھی عربی اور فارسی کا مرکب تھی۔ وہ ترک ہرگز نہیں تھے۔ صلیبی جنگوں کے وقائع نگار ولیم متوطن ٹائر نے اس چیستان کا جو حل نکالا وہ قریب قریب صحیح ترین حل ہے۔ اس نے کہا کہ ترک کے معنے ہیں حکمران

اور ترکمان سے آوارہ گرد لوگ مراد ہوتے ہیں۔ عثمانیوں کو یورپ والے چونکہ ترک کہنے لگے تھے اس لیے آگے چل کر وہ یہی نام اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مغربی تاریخوں میں جسے ترکی لکھا گیا ہے وہ وہاں کے ساکنوں کے لیے ترکی نہیں تھا۔ وہ اسے ولایت عثمانی کہتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں:

E.H.Parker Leon Cahun ابو الغازی بہادر خان

نیز Arminius Vambery کی کتاب Das Turken Volk

E. Chavannes کی Les Tou-Kiue Occidentaux

اور Herbert Adam Gibbons کی کتاب

The Foundation of Ottoman Empire

124۔ مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ ظفر نامہ کی جلد دوم کے صفحات ۲۵۷، ۲۵۹ اور ۲۶۲ میں یہ خطوط موجود ہیں البتہ بایزید کے جواب کا پورا متن درج نہیں ہے۔ مگر ابن عرب شاہ نے ''عجائب المقدور فی اخبار تیمور'' میں اس کا مکمل متن بھی درج کیا ہے۔ اس مورخ کا نام احمد بن محمد ابن عرب شاہ تھا۔ ۱۳۹۲ء مطابق ۷۹۱ھ میں دمشق میں پیدا ہوا۔ جب ۱۴۰۱ء مطابق ۸۰۳ھ تیمور نے دمشق فتح کیا اس وقت یہ بارہ برس کا تھا۔ تیمور اسے مع خاندان گرفتار کر کے سمرقند لے آیا۔ اس نے ''عجائب المقدور'' جو تیمور کی سوانح حیات ہے ۱۴۳۵ء مطابق ۸۳۹ھ میں مکمل کی۔ یورپ میں اس کا پہلی مرتبہ ترجمہ لندن میں ۱۶۳۶ء میں شائع ہوا۔ بعد میں کلکتے میں ۱۸۴۱ء میں اور قاہرہ میں شائع ہوئی۔ انگریزی زبان اس کا ایک ترجمہ

Tamerlane or Timur the Great Amir کے نام سے جے۔ ایچ۔ سینڈرز نے لندن میں سے ۱۹۳۶ء میں شائع کیا۔ دیکھیے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد دوم۔ صفحات ۳۶۲ اور ۳۶۳ نیز

Persian Literature Under Tatar Domination از ای۔ جی۔

براؤن مطبوعہ کیمبرج ۱۹۰۲ء۔

125۔ بایزید کا جو خط ''عجائب المقدور فی اخبار تیمور'' میں درج کیا گیا ہے اس کے اخیر میں تو یہ لکھا ہے کہ ''تم میرے **ملک** پر چڑھائی کرو گے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں اور اگر تم نہ آئے تو میں تمہاری بیویوں پر تین طلاق' اور اگر تم آئے اور میں بھاگ گیا تو میری بیویوں پر تین طلاق'' اس کے یہ معنے کس طرح نکالے جا سکتے ہیں کہ بایزید تیمور کی بیوی کی عصمت دری کرے گا؟ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو کسی وجہ سے غلط فہمی ہو گئی۔

126۔ ابن عرب شاہ نے اپنی کتاب ''عجائب المقدور فی اخبار تیمور'' میں لکھا ہے کہ ۸۰۳ھ (مطابق ۱۴۰۱ء) کے اوائل میں دمشق میں ابن خلدون اور تیمور کی ملاقات ہوئی مگر اس نے اپنا زبانی یا تحریری ماخذ نہیں بتایا۔ جہاں تک خود اس کا تعلق ہے وہ ذاتی طور پر ابن خلدون سے واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ خود لکھتا ہے کہ میں نے ابن خلدون کی کوئی کتاب دیکھی نہ تھی نہ پڑھی تھی صرف اس عظیم کتاب التاریخ العجائب کا ذکر ایک عالم سے سنا تھا (جس کا نام نہیں لکھا) مغربی مورخوں نے ابن عرب شاہ کے اس کمزور بیان کو قبول کر لیا حالانکہ اس پر جرح و تنقید اس لیے ضروری تھی کہ ایک ترک مورخ مصطفیٰ ابن عبداللہ المعروف بہ حاجی خلیفہ (۱۶۰۹ تا ۱۶۵۷ء) نے اپنی عربی کتاب ''کشف الظنون'' میں تیمور اور ابن خلدون کی ملاقات کا جو حال لکھا ہے اس سے ابن عرب شاہ کے بیان کے ہر جزو کی تردید ہوتی ہے حاجی خلیفہ کا بیان ہے یہ ہے کہ جب تیمور نے حلب فتح کیا اس وقت ابن خلدو اس شہر کا قاضی تھا تیمور نے اسے اپنا قیدی بنایا پھر ہم نشینی کا شرف بخشا اس کے بعد اسے اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا اور کچھ عرصے کے بعد قاہرہ جانے کی اجازت دے دی۔ حاجی خلیفہ کا یہ بیان صحیح نہیں تھا۔ مگر یورپی مورخوں نے اسے بھی صحیح مان لیا۔ تیمور کے ہم عصر فارسی اور عربی ماخذ اس ملاقات کے بارے میں خاموش ہیں' اسی طرح یورپی ہم عصر ماخذوں میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ پندرھویں صدی عیسوی کے عرب مورخوں ابن الفرات (متوفی ۱۴۰۴ء) قلقشندی (متوفی ۱۴۱۸ء) مقریزی (متوفی

۱۴۹۷ء) سیوطی (متوفی ۱۴۵۱ء) ابن حجر العسقلانی (متوفی ۱۴۴۹ء) بدرالدین الحسینی (متوفی ۱۴۵۱ء) اور السماوی (متوفی ۱۴۹۷ء) نے اس کی ایک مصدقہ تاریخ واقعے کی حیثیت سے تصدیق کی ہے مگر ان کے سرسری حوالے ابن عرب شاہ کے بیان کے تنقیدی جائزے کی بنیاد بننے کے لیے کافی نہ تھے۔ تنہا قابل اعتماد ماخذ خود ابن خلدون کا بیان ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی غیر فانی تصنیف "کتاب العبر" کی ساتویں جلد میں ایک فصل کا عنوان التعریف بی ابن خلدون قائم کیا ہے۔ مگر یہ حالات ۷۹۵ھ (مطابق ۱۳۹۵ء) تک کے ہیں حالانکہ ابن خلدون ۸۰۸ھ (مطابق ۱۴۰۶ء) تک زندہ رہا گویا یہ فصل نامکمل تھی۔ اس سے یہ خیال ہوا کہ اپنی زندگی کے آخری سات برس (۱۳۹۵ تا ۱۴۰۶ء) کا حال یا تو اس نے قلمبند نہیں کیا یا کیا تو تلف ہو گیا۔ لیکن پھر تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ ابن خلدون ۱۴۰۶ء میں اپنی موت سے چند ماہ قبل تک اپنے حالات لکھتا رہا تھا۔ ایا صوفیا لائبریری اسعد آفندی لائبریری اور قاہرہ میں اس کی سوانح عمری کے مکمل نسخے دستیاب ہو گئے۔ ان سے دمشق میں تیمور اور ابن خلدون کی ملاقات کا صحیح ترین بیان سامنے آ گیا۔ اس نسخے کے آخری حصے (تیسویں، چوبیسویں اور پچیسویں باب) کا انگریزی ترجمہ والٹر جے فیشل نے "ابن خلدون اینڈ ٹیمر لین" کے نام سے کیا جو یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس (برکلے اینڈ لاس اینجلز) امریکا کے ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ ابن خلدون نے امیر تیمور سے اپنی ملاقات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ جب تیمور شام پہنچا تو سلطان فراج مصر سے فوج لے کر مقابلے کو روانہ ہوا۔ یہ فوج بروز جمعرات بتاریخ ۱۶ جمادہ ۸۰۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۴۰۰ء کی صبح کو دمشق پہنچی۔ تیمور کی فوج سے اس کی تین چار مرتبہ لڑائی ہوئی پھر مصر سے سازشوں کی خبر آئی اور سلطان قاہرہ واپس چلا گیا۔ اس سے دمشق میں سراسیمگی پھیل گئی۔ شہر کے سربر آوردہ لوگ تیمور سے ملے اور امان چاہی۔ تیمور امان دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس نے ان لوگوں سے ابن خلدون کے بارے میں دریافت کیا اور اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ اگلے دن ابن خلدون نے اس سے

ملاقات کی۔ تیمور اس سے بڑی اچھی طرح ملا اور اس کے حالات دریافت کرتا رہا۔ اس نے ابن خلدون سے چند تاریخی نکات پر تبادلہ خیال کیا پھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ابن خلدون نے بتایا ہے کہ تیمور نے دمشق کو اس شرط پر امان دی تھی کہ شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں گے مگر بعض دمشقی امرا نے اس شہر اس کے حوالے کرنے میں چوں وچرا کی تو اس نے دمشق کا محاصرہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اور اہل شہر کو ایذائیں دے دے کر ان سے روپیہ وصول کیا' اس کے بعد اپنی فوج کو باشندگان شہر کے مکانات لوٹنے کا حکم دیا اور پھر شہر کو نظر آتش کر دیا۔ مگر وہ ابن خلدون سے بڑے احترام سے پیش آیا اور اس کی خواہش پر اسے اس کے وطن بھجوانے کا انتظام کر دیا (دیکھیے ابن خلدون اینڈ ٹیمر لین از والٹر جے فیشل۔ صفحہ ۲۹ تا ۴۴)۔

127۔ یہ دمشق کی جامع بنی امیہ کا گنبد تھا۔ تیمور سے پہلے کے ایرانی گنبد نوکدار قسم کے ہوتے تھے۔ اور ان کے پیٹ نکلے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ تیمور کی اوائلی دور کی عمارتوں کے گنبد انہیں جیسے ہوتے تھے۔ البتہ بی بی خانم اور اس کے اپنے مزار گور امیر کے گنبدوں کے پیٹ نکلے ہوئے تھے۔ یہ بعد میں مغلوں کے عہد میں ہندوستان بھی پہنچے اور بہت عرصے بعد روسیوں نے بھی ان کی نقل اتاری مگر پھیلاؤ میں تناسب قائم نہ رکھ سکے۔ کے۔ اے۔ سی کریسویل (K.A.C. Cresswell) نے اپنی کتاب دی ہسٹری اینڈ ایولیوشن آف دی ڈوم ان پرشیا (The History of Evolution of the Dome in Persia) میں لکھا ہے کہ تیمور نے اس قسم کے گنبد ہندوستان میں نہیں دیکھے ہوں گے اس لیے کہ اس زمانے میں شمالی ہندوستان میں مزاروں پر اس وضع کے گنبد نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس قسم کا گنبد دمشق کی اموی جامع مسجد ہی کا تھا۔ جو لکڑی کا تھا۔ جب شہر آتش زنی سے تباہ ہوا تو یہ بھی جل گیا۔ یہ گنبد بہت بڑا اور شاندار تھا اور اس پورے میدان پر چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا جس میں تیمور ایک مہینے تک خیمہ زن رہا۔ اسے یہ گنبد اتنا پسند آیا تھا کہ روز دیکھا کرتا تھا۔ تیمور فن ساختمانی کا دلدادہ تھا ادھر یہ گنبد اسلام

کے وسطی دور کی عظمت کا ایک شاندار نمونہ تھا اس لیے اس نے تیمور کو یقیناً متاثر کیا ہوگا۔ چنانچہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ اس نے ہندوستان کے کسی ٹوپے کی نقل اتروانے کے بجائے سمرقند میں یہی گنبد تعمیر کرنے کا حکم دیا ہو۔ وہ پرانی دھلی کی جامع مسجد سے بھی متاثر ہوا تھا اور اس کا بھی ایک نمونہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اسی طرح اس نے قطب مینار کو بھی سراہا تھا اور ہندوستان کے معماروں کو اپنے ساتھ اس غرض سے سمرقند لایا تھا کہ یہاں بھی اسی وضع کا ایک مینار تعمیر کرائے گا اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ کریس ویل آگے چل کر لکھتا ہے کہ بی بی خانم کے گنبد اور دمشق کے برباد شدہ گنبد کی پیمائشیں بالکل برابر ہیں۔ علاوہ ازیں دمشق سے تیمور کی واپسی کے بعد جو عمارت سب سے پہلے تعمیر کی گئی وہ بی بی خانم کا مقبرہ تھا' اس کی تعمیر میں دو تین سال صرف ہوئے اور اس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کا گنبد دمشقی گنبد جیسا تھا۔ ابن بطوطہ دمشق کے گنبد کے متعلق لکھتا ہے کہ آپ شہر میں کسی بھی سمت سے داخل ہوں سب سے پہلے یہی نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہوا میں معلق ہے''۔ (دیکھیے ایشیاٹک سوسایٹی کا مجلّہ بابت ۱۹۱۴ء) یہ پیٹ نکلا ہوا گنبد تیمور کو پسند آجانے کی وجہ سے دنیا میں محفوظ رہ گیا اور اسے صرف وہی محفوظ کرسکتا تھا کیونکہ اسکے تصرف میں اس عہد کے تمام ذرائع تھے۔ اس کے بعد اس کی اولاد...... ہندوستان کے مغل بادشاہ...... اسے اپنے ساتھ ہندوستان لے گئی اور وہاں یہ سب سے پہلے دہلی میں مقبرہ ہمایوں اور اسکے بعد تاج محل پر بنایا گیا جو اپنے حسن یک لحاظ سے دنیا بھر میں لاثانی عمارت ہے۔

128۔ ۱۳۹۹ء کے موسم خزاں سے ۱۴۰۱ء کے موسم خزاں تک تیمور نے اپنی ہر حرکت کا منصوبہ یہ امکان پیش نظر رکھ کر بنایا کہ بایزید اس پر حملہ کرے گا۔ اس وقت جب تیمور بغداد کے محاصرے کی تیاریاں کر رہا تھا بایزید یورپ سے ایشیا کی طرف خراماں خراماں آ رہا تھا۔ اگر وہ اس موقع پر ذرا بھی تیز روی دکھاتا اور تیمور کے بغداد فتح کرنے سے پہلے میدان میں اتر آتا تو تاتاریوں کے مستقر تبریز کے دروازے کھلے پاتا کیونکہ تاتاری اسے

خالی چھوڑ کر بغداد پر حملہ کرنے آ گئے تے۔ تیمور کے ناظر اسے بایزید کی آمد کی اطلاع ضرور دیتے تھے مگر سمرقند سے آنے والی کمک اور جنوبی فوجوں کو یکجا کرنے میں تیمور کو چند ہفتے تو لگ ہی جاتے (مصنف)۔

129۔ تیمور نے شاہ فرانس کو دو خط بھیجے تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ یمور نے چارلز ششم کو یہ پیشکش کی تھی کہ ہم دونوں پوری دنیا آپس میں بانٹ لیں۔ مگر تیمور کے ان دونوں خطوں میں اس قسم کی کوئی بات درج نہیں البتہ اسقف یوحنا نے تیمور کو یہ باور کرایا تھا کہ جس طرح ایشیا میں وہ سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ ہے اسی طرح چارلز یورپ کا عظیم ترین بادشاہ ہے۔ تیمور نے اسے لکھا کہ وہ بایزید کے خلاف پیش قدمی کرنے کو ہے جو چارلز کا دشمن ہے اور اسے امید ہے کہ چارلز اور اس کی مملکت کے درمیان تجارتی شاہراہیں کھل جائیں گی نیز تاجروں کی آمد و رفت بھی شروع ہو جائے گی۔ اس نے بھی یہی لکھا ہے کہ مذہبی عقائد کے علاوہ اور سب امور میں اسقف یوحنا میری جانب سے آپ کے ساتھ گفتگو کا مجاز ہے (مصنف)۔

130۔ وہ بادشاہ برگنڈی فلپ کا بیٹا اور شاہ فرانس کا پوتا تھا۔ اسے اس مہم کی قیادت فلپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے مل گئی تھی۔ ورنہ وہ ایک نوعمر اور ناتجربہ کار نوجوان تھا جس میں قیادت کے اوصاف میں سے ایک وصف بھی نہیں تھا۔ (مصنف)۔

131۔ تیمور غیر معمولی عسکری خصوصیات کا مالک تھا۔ مگر اس کا صحیح مقام اسے آج تک نہیں دیا گیا۔ یورپی مصنفوں نے انقرہ کی لڑائی کے جو واقعات بیان کیے ہیں وہ یک طرفہ ہیں۔ ان کے ماخذ صرف ترکی اور یونانی تذکرے ہیں' تاتاریوں کے ماخذوں سے انہوں نے ایک حرف بھی نہیں لیا۔ اور پروفیسر کریزی کی مرتب کی ہوئی فان ہیمر کی کتاب ''دنیا کی پندرہ فیصلہ کن جنگیں'' سامنے رکھ کر لکھتے چلے گئے۔ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

عثمانی لشکر میں تاتاری نسل کے سپاہی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے پاس

جاسوس بھیجے گئے اور قان میں اہ ریشہ دوانی کی گئی کہ تاتاریوں کا واحد اور حقیقی سردار تیمور ہے اس لیے ان تاتاریوں کو اس کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے بایزید نے صرف ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر تیمور کے دل بادل لشکر کے خلاف پیش قدمی شروع کر دی۔ جو اس وقت سیواس میں تھا۔مغل شہنشاہ نے اپنی فوجوں کو اس طرح حرکت دی کہ لڑائی ایسے علاقے میں ہو جہاں گھوڑ اسوار فوج غلبہ حاصل کر سکے اور تیمور اپنی فوج کی کثرت تعداد سے فائدہ اٹھا سکے۔ وہ تیز رفتار سے قیساریہ اور قیر شہر سے گزر کر بایزید سے کتراتا ہوا انقرہ کے شہر اور میدان میں پہنچ گیا۔ترک سلطان تیمور کے حسب توقع انقرہ کو بچانے کے لیے دوڑا...... گو فوج کی تعداد کے لحاظ سے مغل شہنشاہ کا پلہ بھاری تھا۔پھر بھی اس نے حفاظتی تدبیروں کا بہت زیادہ خیال رکھا۔ جو جنگ کے قواعد کی رو سے کرنی چاہیے تھیں۔ ادھر بایزدی کی حرکتوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی سپہ سالار بھول گیا ہے جس کے جوہر دکھاتا آ رہا ہے۔اس سے پہلے تیموری لشکر کے شمال کی جانب معسکر قائم کیا اور پھری دکھانے کے لیے کہ دشمن کو کچھ مال نہیں سمجھتا اپنی فوج کو قریب کے ایک اونچے مقام پر لے گیا اور وہاں سپاہیوں کو شکار پر لگا دیا مگر بدقسمتی سے جس علاقے میں اس نے اپنی زندگی میں یہ آخری شکار کھیلا وہاں پانی کی قلت تھی چنانچہ اس کے پانچ ہزار سپاہی پیاس اور تھکان سے مر گئے۔ یہ زبردست غلطی کرنے کے بعد بایقید دشمن کی طرف پلٹا تو معلوم ہوا کہ اپنی فوج کے لیے جو معسکر بنایا تھا اس میں دشمن گھسا بیٹھا ہے۔اور جس دریا سے عثمانی فوج پانی لے سکتی ہے اس پر بند باندھ کر اس کا رخ بدل دیا گیا ہے۔اور مشکل یہ تھی کہ اس دریا کے علاوہ اور کہیں سے پانی نہیں مل سکتا تھا۔

یوں بایزید لڑائی شروع کرنے پر مجبور ہو گیا۔کہا جاتا ہے کہ مغل فوج آٹھ لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ یقیناً وہ بایزید کی فوج سے کہیں زیادہ تھی جو ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی میدان میں نہ لا سکا تھا۔اور ایک تعداد ہی نہیں جوش وخروش ہتھیاروں اور قیادت کے معاملے میں بھی مغلوں کا پلہ بھاری تھا۔

فان ہیمر اور کریزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عثمانی فوج کے ساتھ ایشیا کے جو بادشاہ تھے ان میں سے بھی بعض تاتاریوں کی دیکھا دیکھی بایزید سے کٹ کر تیمور سے مل گئے ہیں صرف سربیائی سپاہی اور ینی چیری فوج جم کر لڑی اور انہیں لوگ نے مغل فوج کے پے در پے حملوں کا مقابلہ کیا''۔

لین پول نے اپنی کتاب ''ترکی' میں یہ بیان نقل کر کے اس پر مندرجہ ذیل کا اضافہ کیا ہے:

''ایک طرف پیاسے اور تھکے ماندے ترک سپاہ تھے جو تعداد میں کم تھے اور اپنے سردار سے بھی بددل تھے۔ دوسری طرف تاتاریوں کا بے پناہ غول تھا جسے ناکوں پر جما دیا گیا تھا۔ جس کے سالار غیر معمولی قابلیت رکھتے تھے' جس کے سردار نے کوئی حفاظتی تدبیر اٹھا نہ رکھی تھی اور جو تعداد انضباط اور توانائی غرض ہر اعتبار سے اپنے دشمن سے برتر تھا۔ ینی چیری فوجیوں اور سربیائی سپاہیوں کی شجاعت تیموری فوج کی کثرت تعداد کے مقابلے میں بے اثر ہی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ترکوں کو شکست فاش ہوئی''۔

جہاں تک لڑائی کے حال کا تعلق ہے اس سلسلے میں لین پول نے نولز کا بیان نقل کیا ہے جس کا زمانہ تحریر ۱۶۰۳ء ہے۔

ترکی فوج کو بیابان میں عین تاتاریوں کی نظروں کے سامنے شکار کھلوانے کا واقعہ بعد کے ترک مورخوں کی اختراع ہے جن کا مقصد ترکی سلطان کی شکست کا کوئی جواز پیدا کرنا ہے۔ اس کی تائید میں کوئی ہمعصر شہادت نہیں ملتی' پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر بایزید عقل کا اندھا تھا کہ عین دشمن کے سامنے شکار کھیلنے کے لیے نکل کھڑا ہوا تو تیمور نے اس پر حملہ کیوں نہ کر دیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ فان ہیمر کریزی اور لین پول جیسے مورخوں نے بھی اس من گھڑت کہانی کو سچا واقعہ سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔

جہاں تک بایزید کے تاتاری حلیفوں کے اس کا ساتھ چھوڑنے کا تعلق ہے تاتاری تذکروں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کہ تیمور نے ان کو ساز باز کر کے توڑا تھا' البتہ یہ

ضرور بتایا گیا ہے کہ قرا تاتار کے بہت سے قبیلے ایشیائے کوچک میں جا نکلے تھے اور انہیں ترکی فوج میں بھرتی کرلیا گیا تھا۔ از راہ قیاس یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ قبیلے بایزید کی فوج مین شامل تھے اور لڑائی کے دوران تیمور سے جا ملے۔ مگر ان کی تعداد ایسی کچھ زیادہ نہیں تھی اور حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تیمور نے ان سے جو نامہ و پیام کیا وہ ختم ہونے کے بعد ہی کیا گیا۔

رہی یہ بات کہ تیمور کے پاس آٹھ لاکھ فوج تھی یہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔ اتنی کثیر فوج کے لیے ایشیائے کوچک میں خوراک فراہم نہ ہو سکتی تھی۔ اور جس طرح تیمور نے اسے حرکت دی اس طرح اتنے لامحدود علاقے میں اتنی بڑی فوج کی جنگی نقل و حرکت ممکن ہی نہ تھی۔ عثمانی تذکروں میں صاف لکھا ہے کہ بایزید کو تاتاری فوج اس وقت تک نظر ہی نہ پڑی جب تک وہ اس کے پاس سے نہ گزری۔ پھر اس کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں کہ تیمور نے کبھی کسی مقام پر دو لاکھ سے زائد فوج جمع کی۔ تاتاری تذکروں میں فوج کی تعداد کا ذکر بالتزام نہیں آیا، کبھی کبھار ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ایران کی مہم میں بہتر ہزار، ہندوستان کی مہم میں ایک لاکھ اور آخری یعنی چین کی مہم میں دو لاکھ بتائی گئی ہے۔

جب تیمور نے ایشیائے کوچک میں پیش قدمی کی اس وقت وہ مسلسل چار سال سے لڑائیاں لڑتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے شہزادہ پیر محمد کی فوج کے اپنی فوج میں آن شامل ہونے کے بعد بھی سمرقند میں کچھ فوج چھوڑی تھی۔ اور چونکہ ایک وسیع علاقے میں رسد کے راستوں کی نگہداشت کے لیے فوج متعین کرنا بھی ازحد ضروری تھا۔ اس لیے اس کام پر بھی کچھ فوج لگا دی تھی۔ ایک اور فوج تبریز میں پڑی تھی اور کئی لشکر شام میں بھی تھے۔ پھر انقرہ کی لڑائی میں حصہ لینے والے امیروں اور کمانداروں کی فہرست سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تیموری فوج کی تعداد اسی ہزار اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار کے درمیان تھی۔

ان شواہد سے ثابت ہے کہ بایزید ہی کی فوج زیادہ تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تیمور نے شروع میں دفاعی تدبیریں ہرگز نہ کی ہوتیں۔ نولز لکھتا ہے کہ ترک فوج نیم دائرے کی شکل

میں آگے بڑھی۔ اگر یہ بات درست ہے تو گویا اس کے بازوؤں نے تیموری فوج کے بازوؤں کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہ صورت حال بھی ترک فوج کی کثرت تعداد پر دلالت کرتی ہے۔

ہربرٹ ایڈمز لکھا ہے:

''اگر بایزید وہی بایزید ہوتا جونکوپولس کے میدان میں تھا تو وہ تاتاری طوفان کو جھیل جاتا۔ حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے وقت ہر بات اس کے حق میں تھی اور اس کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں بھی اپنے ہمعصر کمانداروں اور بادشاہوں سے اگر بڑھ چڑھ کر نہ تھیں تو ان میں سے کسی سے بھی کم نہ تھی تھیں۔ مگر وہ اس کے باوجود ناکام رہا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی یہ صلاحیتیں عیش وعشرت کی زندگی نے سلب کر لی تھیں''۔

اگر بایزید انقرہ کا میدان جیت لیتا' جس کے بعد قسطنطنیہ بھی لازماً سر ہو جاتا تو تاریخ اسے پندرھویں صدی کا سب سے بڑا فاتح اور اس زمانے کا نپولین تسلیم کر لیتی۔ مگر حالات سے صاف ظاہر ہے کہ تیمور نے فوج کو لڑانے کے معاملے میں اسے کھلی مات دے دی تھی حالانکہ اس وقت اس کی عمر ستر کے قریب تھی۔ اور وہ ترکی سلطنت کے قلب میں لڑ رہا تھا۔ جہاں سے اس کا اپنا مستقر سمرقند دو ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلے پر تھا۔ تاتاری تذکروں میں انقرہ کی لڑائی کو ایک معمولی لڑائی بتایا گیا ہے اور بایزید کو توقتمش سے کمتر درجے کا جرنیل قرار دیا گیا ہے۔

کلاویہو نے جو ایک غیر جانبدار شاہد کی حیثیت رکھتا ہے اس لڑائی کا حال اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے:

''جب ترک سلطان کو معلوم ہوا کہ امیر تیمور اس کی مملکت میں داخل ہو چکا ہے تو وہ آگے بڑھ کر انقرہ کے مستحکم قلعے میں آ گیا۔ امیر تیمور کو جونہی ترک سلطان کی اس دانشمندانہ چال کی خبر ملی تو وہ اس کے راستے سے ہٹ گیا جس پر کوچ کر رہا تھا اور اپنی فوج کو ایک بلند پہاڑی پر لے گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترک سلطان نے سمجھا کہ تیمور بھاگ کھڑا

ہوا ہے اور انتہائی تیز رفتاری سے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

ادھر امیر تیمور آٹھ دن دن پہاڑوں میں کوچ کرنے کے بعد میدانی علاقے میں اتر کر انقرہ پہنچ گیا۔ جہاں ترک سلطان اپنا تمام سامان چھوڑ گیا تھا۔ اور یہ سامان لوٹ لیا۔ جب ترک سلطان کو اس سانحے کی خبر ملی تو وہ زیادہ سے زیادہ تیزی سے انقرہ پہنچا مگر جب وہاں وارد ہوا تب اس وقت تک اس کی فوج کے سپاہی تھک چکے تھے۔

امیر تیمور نے یہ چال اس لیے چلی تھی کہ دشمن کے ہاں ابتری پھیل جائے (اور ایسا ہی ہوا) چنانچہ جب یہ لڑائی ہوئی تو ترک سلطان قید کر لیا گیا''۔

(کلاویہو نے یہ باتیں دو ہسپانوی سفیروں سے سنی تھیں جو وہاں موجود تھے) مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوں۔

پروفیسی کریزی کی کتاب The History of Ottoman Turks

اسٹینلے لین پول کی Turkey

ہربرٹ ایڈمز گبن کی The Foundations of the Ottoman Empire

ان کے علاوہ کلاویہو، شریف الدین اور عرب شاہ بھی ملاحظہ کریں۔

132۔ بایزید کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔

133۔ مشہور ہے کہ تیمور نے بایزید کو جانور کی طرح ایک پنجرے میں بند کر کے جگہ جگہ پھرایا۔ یہ واقعہ مارلو کے افسانے ٹیمر لین دی گریٹ میں بیان کیا گیا ہے اور تیمور کے ہمعصر مورخ ابن عرب شاہ کی منظوم تاریخ کے اس شعر پر مبنی ہے کہ جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ''عثمان کا بیٹا شکاری کے جال میں پھنس گیا' جس نے ایک پرندی کے طرح اسے پنجرے میں بند کر کے رکھا''۔ ہربرڈ ایڈمز گبن نے اس سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ جس کجاوے میں اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا وہ جالی دار تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ قید کیے جانے کے چند دن بعد بایزید بیمار پڑ گیا تھا اس لیے اسے کجاوے میں لٹا کر لے جاتے تھے۔ تیمور نے اپنے خاص طبیب اس کا علاج کرنے کے لیے بھیجے اور

اس کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتا رہا۔ البتہ اسے جشن فتح میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ (مصنف)۔

134۔ تیمور کے اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ یورپ کی دہلیز پر اچانک نمودار ہونے اور اسی طرح اچانک پلٹ جانے کے واقعے نے یورپی شعراء کے تخیلات میں آگ سی لگا دی اور ''ٹیمرلین'' یا ''ٹمبرلین'' ایک ایسی داستان کا مرکزی کردار بن گیا جس کا خالی مرقع یونانیوں اور ترکوں کے من گھڑت قصوں میں رنگ آمیزی کر کے بنایا گیا تھا۔

سولہویں صدی کے جرمن ترک سلطان بایزید کو ''باجزیٹ'' کہتے تھے۔

ان کی بعض پرانی کتابوں میں ''باجزیٹ'' کے دشمن ''ٹیمرلین'' کا کہیں کہیں ذکر آتا ہے۔ اپنے عصر کی جرمن تاریخوں میں اسے ''تاتار کے عظیم چام'' کا نام دیا گیا ہے' جو ستھین چرواہوں کی اولاد میں سے تھا...... یہ وہی ہیروڈوٹس کی صدائے بازگشت ہے...... ان باتوں پر اتنی ہنسی نہیں آتی جتنی بعد کی بعض تاریخوں پر آتی ہے۔ مگر ایک عرصے تک یورپی مورخ تیمور کو ترک ہی بتاتے رہے اور اسے ایک موہوم سے انداز سے ''اناطولیہ کے فاتح اور مصر بیت المقدس اور بابل کے سلطانوں کے کامیات حریف کی حیثیت میں پیش کرتے رہے۔

ابتدائی ایلزتھی دور یں کرسٹوفر مارلو صرف اتنا جانتا تھا کہ طاقت میں کوئی تیمور کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اور اس کی شان وشوکت پراسرار مشرق کی روایتی شان وشوکت کا مظہر تھی۔ اس نے اپنے ان تصورات کو ایک پرزور اور غلغلہ افگن تمثیل کی شکل دی جو پوری کی پوری منظوم تھی۔ اور انگریزی زبان میں اس نوع کی اولین تخلیق تھی۔ اس کا ''ٹمبرلین دی گریٹ'' محض اس کے تخیل کی پیداوار ہے۔ جس کی بنیاد قدیم یونانی ایرانی قصوں پر رکھی گی ہے۔ اس لیے اس تمثیل میں مستند واقعات بلکہ تیمور اور بایزید کے کرداروں کے علاوہ کسی حقیقی کردار کی تلاش بھی بے سود ہے۔ صرف ایک کردار (اشوم کسین) اور ایسا ہے

جس میں مشرقیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ برگرٹن نے اپنی کتاب Des Sarasins Traicte (مطبوعہ ۱۶۳۵ء) میں ایک شخص اشوم کسین کا ذکر کیا ہے جو تیمور کی ملازمت میں تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ کوئی سفید میش ترکمان تھا۔ مارلو نے اماسیا اور سوریا (شاید شام) کے بادشاہوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ دونوں صوبے تو تھے مگر ان کا کوئی حکمراں نہ تھا۔ ازون حسن سفید میش ترکمانوں کا سردار تھا۔ اور اس نے ایک یونانی شہزادی سے شادی کی تھی۔ مگر یہ شخص تیمور کے زمانے میں نہیں بلکہ اس کے دو پشت بعد ہوا ہے۔

یہ ڈراما جو ۱۵۸۶ء میں لکھا گیا حتا اب غیر فانی بن چکا ہے۔ مگر اسے یہ مقام صرف تمثیل نگار نے زور بیان اور جوش تخیل کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس کا ٹمبرلین تیمور سے صرف اتنی مشابہت رکھتا تھا کہ وہ نا قابل شکست قوت ارادی کا مالک ہے اور کروفر کا دلدادہ ہے۔ اور یہ بھی اس لیے کہ خود مارلو قوت اور کروفر کا دلدادہ تھا۔ ظاہر ہے کہ کلاویہو کاوہ روزنامچہ اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا جو ۱۵۸۲ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں تیمور کے تھوڑے سے اور حالات کا اضافہ کردیا گیا تھا۔

لیکن اس کے بعد یورپ کی تاریخوں میں تیمور کا ذکر اکثر آنے لگا البتہ اس کی جو تصویر کھینچی جاتی تھی وہ اصل سے بہت مختلف ہوتی تھی۔ لیون کلیویس (Leon Clavius) نے ۱۵۸۸ء میں اور پیرونڈینس (Perondinus) نے ۱۶۰۰ء میں اس کا ذکر کیا۔ جین ڈیک بیک (Jean D Beck) نے ۱۵۹۵ء میں ایک غیر معروف شخص الہازن (الحسن) کا ایک تذکرہ شائع کیا ہے۔ جو ایک خیالی داستان تھی۔ ہمارے دوست رچرڈ نولز نے اس کوتر کوں کے ان تاریخی وقائع میں شامل کردیا جو ۱۶۰۳ء میں شائع کیے۔ ابتدا میں تیمور کے جو حالات لکھے گئے ان میں سے بہت اسے ایک کتاب Purcha: His Pilgrims مطبوعہ ۱۶۲۵ء میں جمع کر دیے گئے۔ ۱۶۴۷ء میں جیگنون (Megnon) نے اپنی عجیب وغریب کتاب Bajazet Lagrand Tamerlane Et شائع کی۔ ۱۶۳۴ء میں پیرے برگرون (Piere Bergrone) کی کتاب

Voyages En Tartarie شائع ہوئی جس میں تاتاریوں اور مسلمانوں کے متعلق کسی قدر صحیح معلومات درج کی گئی تھیں۔ یہاں سے تیمور کے بارے میں صحیح واقعات اہل یورپ تک پہنچنے کا آغاز ہوا۔ اور ان میں تھوڑے ہی عرصے بعد وٹیئر (Vattier) کے اہل یورپ تک پہنچنے کا آغاز ہوا۔ اور ان میں تھوڑے ہی عرصے بعد وٹیئر (Vattier) کے ابن عرب شاہ کی تاریخ کے ترجمے سے ایک گرانقدر اضافہ ہوا جو پیرس سے ۱۶۵۸ء میں شائع کیا گیا۔

افسانوی تیمور کی ایک ہلکی سی جھلک ملٹن کے شیطان میں بھی ملتی ہے۔۔۔۔۔ بڑے بڑے صور پھونک کر ملائکہ کے مسلح غولوں کو جنگ کے لیے بلایا جاتا ہے علم بلند ہوتے ہیں اور بہشت کے دروازوں پر راندہ درگاہ فرشتے بدی کی طاقتوں کی فوجوں کے پرے جماتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملٹن نے ''پیراڈائز لوسٹ'' میں جہاں شیطان کی تصویر کھینچی ہے وہاں مشرق کی شان وشوکت کے متعلق اس عصر کے یورپ میں مروج تصورات بھی بڑے پر زور انداز سے پیش کیے ہیں۔

ایک عرصے تک تیمور یورپ کے ادب میں مشرق کے مطلق العنان بادشاہوں کا نمونہ رہا' آگے چل کر اس میں مغل اعظم کا تصور اور فرانس میں وائیر کے دور میں چینی بادشاہوں کا خیالی نقش بھی شامل کر دیا گیا۔ مارکو پولو نے یورپ والوں کے ذہنوں میں تاتاری کا کا آن (خاقان) کی جو جگہ بنائی تھی وہ تیمور کو مل گئی۔ مگر ان سب باتوں کا حقیقی تاریخی واقعات اور حقیقی انسانوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یورپ کو تیمور کے بارے میں صحیح واقعات وحالات کا علم اس وقت ہوا جب اٹھارویں صدی کے اوائل میں پیٹس ڈی لاکروئے (Petis De La Croix) نے شریف الدین کی کتاب کا ترجمہ کیا۔

پو کی نظم سے جو دراصل انسانی محبت کے موضوع پر ہے' تیمور کی بس یہی تصویر سامنے آتی ہے کہ

بادشاہی کی شان وشوکت

اور نقارے کی گرج دار آواز

جس سے پایا جاتا ہے کہ

انسانوں میں جنگ ہو رہی ہے۔(مصنف)۔

135۔ کلاویہو نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو سفیر کہا ہے اور تیمور کے لیے لفظ ''امیر'' استعمال کیا ہے۔(مصنف)۔

136۔ لفظ سلطان سے مراد سلطان مصر ہے۔یہ عبارت کلیمنٹ مارخم کے ترجمے سے مختصر کر کے لی گ ءہے جسے ہیکلوٹ سوسائٹی نے شائع کیا ہے۔(مصنف)۔

137۔ وہ جتہ خان مراد ہے جسے تیمور نے سمرقند سے باہر نکال کیا تھا۔کلاویہو نے اپنے قیام سمرقند کے دوران میں وسطی ایشیا کے حالات سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی تھی۔انیسویں صدی سے پہلے مغربی یورپ کا یہی ایک شخص سمرقند گیا تھا۔اور جب اس صدی میں یورپ میں تیمور کا چرچا شروع ہوا تھا اس وقت تک تیمور کے تعمیر کیے ہوئے محل اور دیگر عمارتیں کھنڈر ہو چکی تھیں۔کچھ زلزلوں سے گر چکی تھیں ارو کچھ خستہ حال ہو گئی تھیں (مصنف)۔

138۔ تیمور نے خیمے اچھے خاصے محل ہوتے تھے۔اسی قسم کے ایک خیمہ محل کا حال کلاویہو نے بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔اس نے اس خیمے کو ایک وسیع پویلین (Pavalian) یعنی شامیانہ یا سراپردا بتایا ہے۔لکھتا ہے:

''اس کی چوڑائی ایک سو قدم کی تھی' چار کونے تھے اور چھت گنبد کی طرح گول تھی۔اسے بارہ چوبوں پر کھڑا کیا گیا تھا۔جن کی گولائی آدمی کے سینے کے برابر ہوگی۔اور جن میں سے ہر ایک پر سنہری' نیلا اور کئی اور رنگ پھرے ہوئے تھے۔یہ خیمہ گاڑنے کے لیے گاڑی کے پہیوں جیسی چرخیاں استعمال کی گئیں جنہیں آدمیوں نے چلایا۔ان کو سہارا دینے کے لیے جگہ جگہ رسیاں باندھ دی گئیں''

''اس شامیانے کے چھت میں کمخاب کے پردے اس طرح لٹک رہے تھے کہ ایک رخ سے دوسرے رخ تک قوسیں بن گئی تھیں۔ باہر کے رخ برآمدے سے نکالے گئے تھے اور کم وبیش پانچ سو سرخ طنابیں کھچی ہوئی تھیں اندر قرمزی رنگ کا ایک بڑا سا قالین بچھا ہوا تھا جس پر زری کا کام تھا۔ چاروں گوشوں میں چار عقابوں کے مجسمے تھے جو پر سمیٹھے بیٹھے تھے' اوپر کے رخ پر سفید سیاہ اور زرد رنگ کی چوڑی چوڑی دھاریاں تھیں' چاروں کونوں پر چار اونچی اونچی چوبیں تھیں جن کے اوپر کے سروں پر تانبے کے گولے اور ان گولوں پر ہلال بنے ہوئے تھے۔ اور چوٹی پر ریشمی کپڑے کا ایک برج تھا جس کے کنگورے نکلے ہوئے تھے۔ اور جس میں ایک دروازہ بھی رکھا گیا تھا۔

''یہ سراپردار یا شامیانہ اتنا بڑا تھا کہ دور سے محل جیسا نظر آتا تھا۔ غرض یہ دیکھنے دکھانے کے قابل تھا اور اتنا خوشنما تھا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

139۔ تاشقند: اس زمانے میں تاشکنت یا تاشکند تھا بعد میں کوشاش بھی نام پڑا جس کے معنے ہیں پتھر کا شہر۔ ایرانی اسے چاچ کہتے تھے۔ (آج کل روسی ترکستان کا دارالحکومت ہے) دیکھیے جغرافیہ خلافت مشرق از لی اسٹرینج۔ صفحات ۴۸۰۔۴۸۲۔

140۔ تیمور کا انتقال بتاریخ ۱۷ شعبان ۸۰۷ھ بروز چہار شنبہ رات کے وقت ہوا۔ دیکھیے ظفر نامہ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۶۶۱۔

141۔ جیب السیر کے حصہ سوم جلد سوم کے صفحہ ۸۴ پر یہ لکھا ہے کہ جب امرا تیمور کا جنازہ لیے ہوئے سمرقند جارہے تھے تو انہیں یہ خبر ملی کہ خلیل تخت پر بیٹھنے کے لیے سمرقند روانہ ہوگیا ہے۔ اس پر آپس میں مشورے کے بعد بعض امرا بخارا چلے گئے۔ بعض جنازے کے ساتھ سمرقند پہنچے اس وقت شام ہورہی تھی حاکم شہر ارغون شاہ نے دروازہ نہ کھولا۔ ان سب کو رات شہر کے قریب چہار باغ میں گزارنی پڑی۔ دوسرے دن دروازہ کھلا تو تیمور کی لاش محمد سلطان کی قبر کے قریب دفن کی گئی۔ یہ واقعہ ۲۲ شعبان ۸۰۷ھ دو شنبہ کی رات کا ہے۔ ظفر نامہ کی جلد دوم میں صفحات ۶۷۴۔۶۷۵ پر بھی یہ واقعہ اسی طرح

درج ہے۔

142۔ تیمور کی عسکری شخصیت سرپرستی سالیکس نے تیمور کے متعلق لکھا ہے کہ ''ایشیا کی تاریخ میں کسی اور انسان نے تلوار سے اس جیسے عسکری کارہائے نمایاں انجام نہیں دیے اس لیے تیمور کو جو شہرت حاصل ہوئی اس کا اور کوئی مستحق بھی نہیں ہے۔ بعض اوقات تو اس کی کامیابیاں فوق البشر کے کارنامے معلوم ہونے لگتی ہیں۔ چنگیز کی طرح تیمور کو بھی قدرت نے جنگ کا ایسا ملکہ عطا کیا حتا کہ وہ بعض حالات میں مافوق الفطرت انسان معلوم ہوتا تھا۔ ہم سیزر کی مہمات ہنی بال کے جنگی کارناموں یا نپولین کی القائی تزویراتی قابلیت کی خواہ کتنی ہی تعریف کیوں نہ کریں لیکن غور کرنے سے یہ عیاں ہوتا جارہا ہے کہ دنیا کی بساط پر یہ ایشیا کے دو فاتح نیز اسکندر فن حرب کے استادوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کے سے بعض کارنامے چھوٹے پیانے پر اوروں نے بھی دکھائے ہوں لیکن کسی ایک فرد سے مجموعی طور پر بن نہیں پڑے۔

چنگیز خان کی شخصیت ابھی تک پردہ اسرار میں چھپی ہوئی ہے اور اس کے بارے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں مثلاً یہ آیا کہ چنگیز خان نے ساری دنیا فتح کرنے کا کوئی گہرا منصوبہ بنایا تھا یا وہ محض ایک ایسا وحشی انسان تھا جسے قدرت نے حربی صلاحیت القا کی تھی۔ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ بڑا عاقل انسان تھا اور ایک ایسی عقل کا مالک تھا جس اس دنیا کے لیے بلائے بے درماں ثابت ہوئی' اسی طرح ہم تیمور کی عظیم فتوحات کا بھی جائزہ لے سکتے ہیں اور ان پر غور بھی کر سکتے ہیں مگر اس کی کامیابی کا راز معلوم کرنے سے قاصر رہیں گے۔

جہاں تک اسکندر کا تعلق ہے ہم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں...... وہ مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا بیٹا تھا۔ اسے ورثے میں ایک زبردست فوج مل گئی تھی' اور اس نے اپنی فتوحات کے ریلے میں ایران کی سلطنت کو جو اس سے پہلی بڑی آن بان سے قائم تھی شکست دے کر اس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر ایشیا کے ان دو فاتحوں ...... چنگیز

اور تیمور...... کے اور ہمارے درمیان وقت اور ایک بالکل اجنبی ماحول کا پردہ حائل ہے۔

تاہم بعض باتیں یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہیں۔ اسکندر کی طرح وہ بھی بے پایاں قوت برداشت اور ایک ایسی قوت عمل کے مالک تھے جو کسی کے روکے نہ رکتی تھی۔ مگر بس اتنی ہی مشابہت تھی اور کسی بات میں مشابہ نہیں تھے۔ چنگیز خان صبر و تحمل سے کام لیتا تھا' تیمور جلد باز اور سیماب صفت انسان تھا۔ چنگیز شروع شروع میں تو نہیں البتہ بعد میں اپنے مرکز میں بیٹھے بیٹھے ہدایتیں دے دے کر فوج کو لڑایا کرتا تھا مگر تیمور عام طور سے خود محاذ پر موجود ہوتا تھا۔ چنگیز اپنے وزیروں اور سپہ سالاروں کو اپنی ذمہ داریوں میں شریک کرتا تھا اس کے برعکس تیمور تمام ذمہ داریاں اپنے اوپر لے لیا کرتا تھا۔

یہ محض طریق کار کا فرق تھا یا یہ بات تھی کہ چنگیز کو بہتر قسم کے مشیر مل گئے تھے اور اس کے ملازم زیادہ قابل اعتماد تھے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات تھی۔ اس کے چینی وزیر اور چار جنگجو بیٹے سپوتائی (سوبدائی) چینی نویاں (چپہ نویان) بیان اور مہولی (منقولی) خود بھی مہمات سر کر سکتے تھے۔ اس کی موت کے بعد ان میں سے جو زندہ رہے انہوں نے مملکت کو وسعت دی مگر تیمور کے جرنیلوں سیف الدین' شیخ علی بہادر اور جاکو برلاس نے ایسا کوئی کارنامہ انجام نہ دیا۔

تیرہویں صدی کے مغل جنگی قیادت اور شہد کے مکھیوں کی سی تنظیم نیز تعاون کے فطری اوصاف رکھتے تھے مگر تاتاری سپاہی آپس میں پوری طرح گتھے ہوئے نہ تھے۔ تیمور کی عدم موجودگی میں ان کی جنگی اہلیت آدھی رہ جاتی تھی۔ مغل کسی طاقت ور دشمن کے مقابلے کے لیے ایسی حالت میں بھی جنگی نقل و حرکت کر سکتے تھے جب ان کے لشکر ایک دوسرے سے دور دراز فاصلوں پر ہوں مگر تیمور ہمیشہ منظم اور مربوط فوج لے کر نکلتا تھا۔

چنگیز خان میں عسکری تنظیم نیز فوجوں کو حرکت میں لانے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ وہ جب کسی مہم کا منصوبہ بناتا تو اس کی باریک ترین تفصیلات تک میں جاتا تھا' اور اسے آخری شکل دینے سے پہلے ہفتوں تک اس پر اپنے سپہ سالاروں سے تبادلہ خیالات کرتا

رہتا تھا۔ وہ ترتزویرات کا استاد تھا مگر جب کبھی جنگ کرنا ضروری نہ ہوتا تو لڑائی ٹال جاتا۔ اس کا ایک خاص طریق حرب یہ تھا کہ دشمن کے مرکزی مقام کو تباہ کرنے اور اس کے کمانداروں کو مارنے کے درپے ہوتا۔ اس کے اقدامات کو چھپایا جاتا تھا۔ ان پر اسرار کے پردے ڈالے جاتے تھے اور لوگوں کو ان سے خوف زدہ کیا جاتا تھا۔ اسی طرح چنگیز خان کسی مقام کو فتح کر کے آگے بڑھتا تھا تو وہاں کشتوں کے پشتے لگے ہوتے تھے۔

چنگیزی مغلوں کی آمد پر جو خوف وہراس لوگوں پر طاری ہو جایا کرتا تھا اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک فتح کیے ہوئے شہر میں مغل سپاہی نے بیس آدمیوں کو قتل کرنے کی غرض سے اکٹھا کیا مگر پھر اسے معلوم ہوا کہ اپنی تلوار ساتھ لانی بھول گیا ہے۔ اس نے قیدیوں کو حکم دیا کہ اس کی تلوار ڈھونڈ کر لانے تک جہاں کھڑے ہیں وہیں کھڑے رہیں اور تلوار لانے چلا گیا۔ وہ سب وہیں کھڑے رہے' صرف ایک بھاگ نکلا یا اور یہ کہانی لوگوں نے اسی کی زبانی سنی۔

مگر تیمور کے تاتاری اور قسم کے لوگ تھے۔ آق بوغا کا چالیس ایرانی سپاہیوں کا تن تنہا تعاقب کرنا اسی قسم کا واحد واقعہ نہیں تھا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ تیمور کے سپاہی اپنے آپ کو ناقابل شکست سمجھتے تھے۔ لیکن اس کا راز یہ تھا کہ انہیں تیمور کی ماوراء قابلیت ہی اتقدیر نظر آتی تھی۔

چنگیز کی طرح تیمور بھی منصوبے تیار کرنے میں احتیاط سے کام لیتا تھا مگر وہ چنگیز خان جیسا کامل ماہر تزویرات نہ تھا۔ چنگیز خاں مشکلات اور دشواریوں سے کترا کر نکل جاتا تھا اس کے برعکس تیمور ان کا سامنا کر کے ان پر قابو پا لیتا تھا۔ چنگیز خاں کبھی کبھی چند سوار لے کر فوج سے میلوں آگے بغداد میں داخل نہ ہوتا۔ اسی طرح وہ قرشی کی فصیل پر تھی تنہا کبھی نہ چڑھتا۔

چین میں چنگیز خاں پہلے پورے پورے صوبوں کو تباہ و برباد کرتا تھا۔ اس کے بعد اس ابتری سے فائدہ اٹھا کر کامیابی سے جنگی نقل و حرکت کرتا تھا مگر اس کے برعکس تیمور دشمن کو

موقع دیتا تھا کہ وہ اپنی ساری طاقت کسی ایک مقام پر جمع کر لے۔ پھر پیش قدمی کر کے اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری زمانے میں اس نے ہر موقع پر یہی کیا۔ وہ نپولین کی طرح ہر ممکن حادثے کے لیے تیار رہتا تھا اور اس میں صحیح موقع پر صحیح اقدام کی جو قابلیت تھی اس پر بھروسہ رکھتا تھا اس کا نام لے کر دشمن کا زور توڑ کر رکھ دے گا۔ چنانچہ کوئی بڑی سے بڑی الجھن یا دشواری پیش آجاتی تو بھی بدحواس یا ہراساں نہ ہوتا۔

یہ راز کسی طرح نہیں کھلتا کہ چنگیز خاں میں جو صحرا میں پیدا ہوا تھا جہاں فوجی تعلیم و تربیت کا کوئی سامان موجود نہ تھا اتنی تزویراتی بصیرت کہاں سے آگئی تھی اور اس نے صحرا میں بیٹھے بیٹھے اتنی زبردست فوجی تنظیم کیسے بنالی! اسی طرح تیمور کی فتوحات کا راز بھی معما بنا ہوا ہے!

☆☆☆

پانچواں حصہ

کتابیات

ا۔ ماخذ

تیمور نے اپنے دور حکومت کے اواخر میں اپنے دربار کے اہل قلم کو حکم دے دیا تھا کہ وہ روزانہ واقعات قلم بند کرتے رہیں۔ ان میں سے بیشتر واقعات اویغور اور فارسی زبانوں میں لکھے گئے۔

براؤن (۱۳۸) بووات (۲۰) اور بلوچیسٹ کے مطابق شرف الدین لکھتا ہے کہ ''تیمور ہمیشہ وقائع نگار اپنے ساتھ رکھتا تھا جو واقعات قلم بند کرتے رہتے تھے۔ اس کا طریقہ کار یہ مقرر کیا تھا کہ جو افسر اور امیر کسی واقعے کے وقت موجود ہوتے تھے ان س اس کی تفصیلات معلوم کی جاتیں۔ پھر پہلے تیموران تفصیلات کی ترتیب و تالیف خود کرتا' اس کے بعد اپنی موجودگی میں ان کی صحت اس طرح کراتا کہ ایک آدمی عبارت کو بلند آواز میں پڑھتا' اور جب کسی اہم مقام پر پہنچتا تو رک جاتا۔ اس مرحلے پر مذکورہ واقعے کے عینی شاہد اپنے بیانات قلم بند کرواتے' اور اس کی جو تفصیلات ان کے علم میں ہوتیں وہ بیان کرتے۔ پھر خود بادشاہ زیر بحث واقعے کی صداقت پر غور کرتا' وقائع نگار کے بیان کا گواہوں کے بیان کے ساتھ موازنہ کرتا۔ کاتبوں کو بتاتا کہ اسے کس انداز سے لکھنا چاہیے اور اس انداز سے واقعہ دوبارہ قلم بند ہونے کے بعد اسے ایک بار پھر سنتا تاکہ یقین ہو جائے کہ اب مزید اضافے یا کانٹ چھانٹ کی ضرورت نہیں۔'' دیکھیے Historie de Timur bec کے مصنف کا دیباچہ)۔

اس نے یہ سارا مواد بغدادی اہل قلم نظام شمس کے حوالے کر دیا جو ۱۴۰۰ء میں اس کے دربار سے وابستہ ہوا تھا۔ اور اسے یہ حکم دیا کہ اس سے اس کے عہد کی ایک ایسی تاریخ مرتب کرے جس سے مبالغہ نہ ہو اور جس کی زبان آسان ہو۔ نظام شمس نے تیمور کی موت

سے ایک سال پہلے ہی تاریخ مکمل کر کے اسے پیش کر دی تھی۔ اور اس کا نام ظفر نامہ رکھا گیا تھا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی۔ آج کل اس کا صرف ایک نسخہ ملتا ہے۔ یہ برٹش میوزیم میں رکھا گیا ہے اور اس کا تا حال (۱۹۲۸ء) ترجمہ نہیں ہوا ہے۔

پھر ایک نامور ایرانی علی الیزدی ملقب بہ شرف الدین نے جو تاتاری فاتح کے ساتھ کئی سفر کر چکا تھا اور اس کے آخری دور کی جنگوں میں موجود رہا تھا' تیمور کے دور کی ایک اور تاریخ لکھی۔ یہ بھی فارسی زبان میں تھی اور اس کا نام بھی ظفر نامہ تھا۔ اس میں شریف الدین نے نظام ہی کی تاریخ کی ساری باتیں لکھ دی تھیں مگر جا بجا اپنی رائے بھی ظاہر کرتا گیا تھا اور تیمور کی موت کے بعد کے واقعات بھی شامل کر دیے تھے چونکہ وہ شاہرخ کے دربار میں رہتا تھا اور اس نے اسی کی سرپرستی میں اہ تاریخ لکھی تھی' اس لیے اس کی کتاب میں یہ نقص ہے کہ تیمور کے ہر فعل کی تعریف کرتا ہے اس کے علاوہ عبارت بھی بڑی مرصع اور دقیق لکھی ہے مگر اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ تیمور کے دور حکومت کے تمام حالات بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں یہ کتاب ۱۴۲۵ء میں مکمل ہوئی۔ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں پیٹس ڈی لا کروئکس (Petis de la croix) نے کیا جو ۱۷۲۲ء میں پیرس سے

L Historie du Timur. Bec Connu Sons Le nom du gran Tamerlane

کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۷۲۳ء میں اس کا فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور

The History of Timur Bec known by the name of Tamerlane the Great, Emperor of the Moghuls and Tatars

کے نام سے لندن سے شائع ہوا۔

اس سے قبل ۱۴۱۲ء۔ ۱۴۱۴ء میں ایک شخص محمد ابن فضل اللہ موسوی نے اصحتہ التواریخ

کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کے بعد آبرو کی جو تیمور کی آخری مہموں میں اس کے ساتھ تھا' زبدۃ التواریخ شائع ہوئی جو اس نے تیمور کے ایک پوتے کے حکم سے ۱۴۲۳......۱۴۲۴ء میں لکھی۔ یہ کتاب ضخیم ہے اور نہایت سادہ زبان میں لکھی گئی ہے۔ مگر اس کا بھی ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا۔

اس کے بعد احمد ابن عرب شاہ کی کتاب عجائب المقدور فی اخبار تیمور شائع ہوئی۔ وہ سلطان احمد کے دربار میں منشی ہوا کرتا تھا۔ تیمور اسے سمرقند لے آیا تھا۔ یہ کتاب تیمور کے بہت سخت خلاف ہے اور بعض مقامات پر تو صریحاً ہجو ہے' البتہ انداز بیان صاف اور عبارت زوائد سے پاک اور مختصر ہے۔ اور یہ اس لحاظ سے بھی مفید ہے کہ اس میں تفصیلات ملتی ہیں اور تیمور کے کردار کی جانچ تول کی گئی ہے' خاص کر تیمور کی موت کے بعد سمرقند کے حالات خوب بیان کیے گئے ہیں۔ اس کا لاطینی ترجمہ Arabsaidae Vitae Ahmedis کے نام سے مل جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۷۶۷......۱۷۷۲ء میں سیموئیل مینجر (Samuel Manger) نے کیا تھا اور Leovardiae سے شائع ہوا تھا۔ فرانسیسی زبان میں اس کا غلط ملط ترجمہ

Historie du Gran Tamerlane Avee la suite de son histoire کے نام سے پیرس سے ۱۶۵۸ء میں شائع کیا گیا۔ اس کے مترجم کا نام Pierre Vattier ہے۔

ان چار تاریخوں کی بنیاد پر بعد کے ایشیائی مورخوں نے تاریخیں لکھیں۔ ان مین سب سے زیادہ مشہور میر اخوند (متوفی ۱۴۹۸ء) کی کتاب روضۃ الصفا اور اس کے پوتے اخوند میر کی کتاب حبیب السیر (۱۵۲۵ء) ہیں دوسری کتاب میں تیمور کے خصوصاً مصر اور شام سے اس کے تعلقات کے بارے میں تازہ اور مفید معلومات درج ہیں اس کا خلاصہ D Herbelot کی La Bibliotheque (۱۷۸۰ء) میں ہے۔

تیمور کی تزک تیموری' اور ملفوظات کے متعلق ابھی تک مستشرقین کچھ فیصلہ نہیں کر سکے

ہیں اور مشرقیات کی تحقیق کا سب سے بڑا معمابنی ہوئی ہے۔ یہ قصہ یوں ہے کہ سترھویں صدی کے شروع میں ایک شخص ابو طالب حسینی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس تیمور کی لکھی ہوئی یادداشتیں (ملفوظات) اور حواشی (تزک تیموری) موجود ہیں اس ضخیم سی کتاب سادہ زبان میں لکھی ہوئی تھی اور اس میں مندرج واقعات بھی صحیح اور بظاہر مستند تھے۔ مگر ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے بعد بھی اس کے مستند یا غیر مستند ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔

اس کے حق میں دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ اجمالاً یہ ہیں کہ اس میں جو واقعات درج ہیں یہ تاریخی اعتبار سے صحیح ہیں' اور ابو طالب کو کیا پڑی تھی کہ اتنی ضخیم کتاب خود لکھ کر تیمور کے نام سے منسوب کر دیتا ان دلیلوں کے علاوہ مزید دلیلیں یہ بھی ہیں کہ ایشیائی فضلاء نے اسے درست تسلی کیا تھا اور اس کا اسلوب بیان بھی جامع' دلکش اور سادہ ہے جو کسی ایرانی یا کسی اور ایشیائی مورخ نے اختیار نہیں کیا۔

اس کے خلاف دلائل یہ ہیں کہ اول تو تیمور کے ہمعصروں......نظام اور شریف الدین وغیرہ......نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تیمور کی موت کے دو سو سال بعد تک اس کا مسودہ چھپا رہا تو بھی اتنے عرصے بعد جس کسی کے ہاتھ لگا وہ اسے منظر عام پر نہ لایا۔

یہ ملفوظات اور تزک تیموری' ایک نقل شدہ مسودے کی شکل میں یورپ سے لائے گئے ۱۷۸۳ء میں اس مسودے کا میجر ڈیوی اور جوزف وائٹ نے انگریزی میں ترجمہ کر کے

Institutes Political and Military Written Originally in Mogul Language by the Great Timour, Improperly Called Tamerlane.

کے نام سے شائع کیا۔ ۱۷۸۷ء میں پروفیسر لنگلے نے اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی شائع کیا۔

اس کے بعد میجر چارلز اسٹیوارٹ نے ۱۸۳۰ء میں لندن سے ایک ترجمہ اس نام سے

شائع کیا:

The Mulfuzate Timury or Autobiographical Memories of the Moghul Empror Timur Written in the Jagtay Turkey Language turned in to Persian by Abu Talib Hussainy.

انیسویں صدی کے آخر تک تزک اور ملفوظات کو عموماً مستند سمجھا جاتا رہا۔ آرمینیس ویمبری اور لیون کہون نے ان پر کوئی اعتراض وارد نہ کیا۔ مگر پچھلے دس برس کے فضلا انہیں قبول نہیں کرتے۔ ریو نے انہیں رد کر دیا اور براؤن اور بوواٹ کو انہیں مستند ماننے میں تامل ہے۔

ان کے حق میں اان کے خلاف کوئی نیا ثبوت سامنے نہیں آیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تیمور نے خود اپنے سوانح لکھے اور (یہ تو قرین عقل ہی نہیں کہ (ان کا علم شریف الدین اور دیگر اہل علم کو نہ ہوا۔ اگر انہیں علم ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان کا ذکر نہ کرتے۔ ان کے مستند ہونے کی تین دلیلوں میں سے دو دلیلوں کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ابو طالب نے ان پر مشتمل کتاب شاہجہان کے عہد میں لکھی جو تیمور کا نام لیوا اور ایسے نوادر کا قدردان تھا۔ جہاں تک انداز بیان کا تعلق ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی افادیت کا ثبوت خود ہیں قدرے محکم ہے اور اس کے رد میں ابھی تک کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تیمور کے وقائع نگاروں نے اصل مواد کچھ حصہ نظام کے حوالے کر دیا ہو مگر اب اس مواد کا دستیاب ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔

راقم نے ملفوظات کو تزک بابری کے (ارسکین لیڈن) ترجمے سے ملا کر دیکھا تو بعض واقعات کے بیان کا اسلوب بالکل ایک سا پایا لیکن اگر ہم کو دو سو سال بعد کی اختراع سمجھیں تو دو باتیں جو ان میں پائی جاتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتیں (۱) بعض واقعات دہرائے گئے ہیں۔ اگر ملفوظات کا راقم اختراع کر رہا ہوتا تو اس طرح واقعات دہراتا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کہیں سے ترجمہ کر رہا ہے۔(۲) اس میں صفائی سے لکھ دیا گیا ہے کہ تیمور (طرا) یعنی حکمران خاندان کا فرد نہیں تھا۔ یہ کسی ایسے شخص کی اختراع نہیں ہو سکتی جو ایک فرضی تزک تیموری لکھ کر اولاد کو خوش کرنا چاہتا ہو۔

پیش نظر کتاب میں ملفوظات سے منقول کو تیمور سے منسوب نہیں کیا گیا ہے۔ اور جو واقعات بدیہی طور پر مستند معلوم ہوئے وہی درج کیے گئے ہیں۔

۲۔ یورپی ماخذ اور سیاح

برگران پیرے (Bergron Pierre) ملک تاتار کے سفر کا تذکرہ اور تاتاریوں کی اصل نسل، عادات، رسوم، مذہب، فتوحات اور مملکت وغیرہ کے حالات۔

(Relations des voyages en Tatarie plus in traicte des Tartares, de leur Origine, Moeurs, Religion, Conguests, Empire, Chams, Hordes Avec Ven de I Historie de Sarasins).

یہ اپنے زمانے کے لحاظ سے ایک نہایت اچھی کتاب تھی مگر اب تقریباً نایاب ہے البتہ راقم کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ پیش نظر فہرست کتب کی اکثر کتابیں راقم کے پاس موجود ہیں۔

کلاویہو، روئی گونزالز دی (Clavijo Ruy Gonzalez De) روئی گونزالز دے کلاویہو کی سفارت بدربار تیمور بمقام سمرقند (۱۴۰۳......۱۴۰۶ء) کا بیان:

(Narrative of the Embassy of Ruy Gonzalez de Clavijo to the Court of Tumour , at Samarkand, A.D. 1403-6)

ترجمہ از کلیمنٹ مارخم۔ مطبوعہ ہیکلویٹ سوسائٹی۔ ۱۸۵۹ء

(ہسپانیہ کے اس درباری کا بیان جس نے تیمور کے عہد حکومت کے اواخر میں سمرقند پہنچ کر اس کے دربار میں باریابی حاصل کی)۔

کانتارین (Contarini) جوسافا بار بارو (Josafa Barbaro) اور ایمبر وگیو کانتارینی (Amborgio Cantarini) کے تانا اور ریان کے سفر۔ مطبوعہ ہیکلویٹ سوسائٹی ۱۸۷۳ء۔

دی سیسی سلویسترے (De Sacy Seivestre) تیمور اور چارلز ششم کی غیر مطبوعہ خط و کتابت پر مبنی یادداشت۔

(Memorie sur une corrispondence inedite de Tamerlane avec Charles VI......Memories de I' Academie des Inscriptions et Bells-Letters, Tome Sixeime)

(مطبوعہ ادبی اکادمی چھٹی جلد) ۱۸۲۲ء میں پیرس میں چھپی۔

یہ ان خطوط کا تجزیہ ہے جو تیمور اور شاہ چارلز ششم نے ایک دوسرے کو بھیجے۔ دی سیسی کا خیال ہے کہ تیمور نے شاہ فرانس کو جو خط لکھا تھا وہ انقرہ کی جنگ سے پہلے لکھا گیا تھا۔

فروئے سارٹ (Froissart) بیانات (Croniques) مطبوعہ پیرس ۱۸۳۵ء

یہ ترکوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا تفصیلی بیان ہے۔

ہیتھین جان (Haithon John) مشرقی دنیا کے حالات کی تاریخ مولفہ فریئر ہیتھین جو آرمینیا کے بادشاہ کا چچیرا بھائی تھا۔

Les Fleurs des Histoires de la terre d Orient Compillees par frere Hayton - Cousin du Roy D' armenie.

ترجمہ از نکولس سالکن (Nicholas Salcon) مطبوعہ پیرس ۱۴۷۵ء۔

یہ اس زمانے کے مشرقی ممالک کے حالات کا بیان ہے۔ تاتاری تاریخ (Historia Tatarorum) (مسودات لیڈن)۔

پیرونڈینو پیٹرو (Perondino Petro) کی تمرلین پر کتاب

Magni Tamerlanis Seytharum Imeratoris Vita

مطبوعہ فلارنس ۱۵۵۳ء

پوڈیسٹا بیپٹسٹا (Podesta Baptista) کی کتاب Tamerlanis De Gestis پرانے یورپی تصورات نیز ترکی ماخذ پر مبنی ہے۔ یہ کچھ مفید نہیں۔

ریوسی۔ پی۔ ایچ (Rieu. C.P.H) برٹش میوزیم میں فارسی زبان کے مسودوں کی فہرست مطبوعہ لندن (۱۸۷۹ء......۱۸۸۳ء) یہ وہ فارسی ماخذ اور تاریخیں ہیں جن پر بحث کی جا چکی ہے۔

شلٹ برگر، جوہنز (Sehiltberger Johannes) شلٹ برگر کا سفر اور اسیری (Gafangenschhaft in der Turckey) مطبوعہ فرینکفرٹ ۱۵۵۷ء

یہ ایک جرمن نوجوان کی بے ڈھنگی سی داستان ہے جو نکوپلس کی لڑائی میں قید ہو گیا تھا اور بعد میں تیمور کے بیٹے اور تاتاری خان ایدکو کا ملازم رہا۔

سعید الدین۔ تارج التوریخ۔ فرانسیسی زبان میں کولر (Kollar) نے اس نام سے ترجمہ کیا:

Seauddini annales Turcici usque ad Murad مطبوعہ وائنا ۱۷۷۵ء۔

سیورک، جورڈین، کیٹالینی (Severac, Jourdian, Catalani) کی کتاب

Mirabilia Descripta Sequitur de Mango Tartare

فرانسیسی ترجمہ از کارڈیر (Cordier) مطبوعہ پیرس۔ ۱۹۲۵ء

ٹرزٹی ہڈسن ایڈورڈ اول کے زمانے کے غیر مطبوعہ اعلانات اور روس کے مغل بادشاہوں سے تعلقات کا حال آرچ جرنل جلد ہشتم مطبوعہ لندن ۱۸۵۱۔

۳۔ ثانوی ایشیائی ماخذ

ابو الغازی بہادر خان کی کتاب بحیرہ خزر کے خطے کے تاتاری خوانین کی تاریخ

(Historia Mongolorum et Tatarerum nune Tatarice Primum) جو تیمور کی موت کے دو سو سال بعد ایک ازبک خان نے لکھی کازن (Kazen) ۱۸۲۵ء

بابر کی تزک بابری ترجمہ لیڈن وارسکن۔ لندن ۱۸۲۶ء

تیمور کے خلف اور ہند میں مغل سلطنت کے بانی بابر کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اس میں تیمور کے کارناموں کا ذکر تو کہیں کہیں آتا ہے البتہ تیمور کے بعد سمرقند نے علم وفن کی ترقی کا جو سنہری دور دیکھا اس کا بیان بڑا اہم ہے۔

حیدر مرزا کی تاریخ راشدی۔ تالیف این۔ الیاس۔ ترجمہ: ای ڈینیسن راس۔ مطبوعہ لندن ۱۸۹۵ء۔

یہ ایک چغتائی یا جتہ مغل خان کے قلم سے اس کی قوم کے حالات ہیں۔ ترجمہ بہت خوب ہے۔

ابن بطوطہ کا سرنامہ: ترجمہ ڈیفریمری (Defremery) اور سینگوئینیٹی (Sanguinetti) پیرس ۱۸۵۳ء۔

ابن بطوطہ تیمور کی پیدائش کے قوت ایران اور ماوراءالنہر سے گزرا تھا۔

ابن خلدون از بیرن دی سلین (Baron de Slane) جرنل ایشیاٹک ۴ سلسلہ ۳۔

(دمشق میں تیمور اور مشہور زمانہ مورخ ابن خلدون کی ملاقات کا حال) اخوند میر کی ماوراءالنہر کے مغل خوانین کی تاریخ۔ ڈیفریمیری نے فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ اس نام سے کیا۔

Histoire des Khans Moghuls de la Trans Oxiania

۱۸۵۳ء میں لندن میں چھپی۔

مینارڈ باربیر دے (Menard Barbier De) کے منتخبات (Extraits de la

Chronique persane D. Herat)

جرنل ایشیا ٹک ۵ سلسلہ ۱۷۔

ان میں ہرات کے ملک خاندان کا تذکرہ ہے۔

میر شبیر نوائی کے منتخبات (Extratis et traduction) جرنل ایشیا ٹک ۵ سلسلہ ۷۔

۴۔ عام تاریخیں

بوات' لوشین (Bouvat, Lucien) کی کتاب مغل مملکت (L' Empire Mongol 2, em phase) چنگیز خان کے بعد مغل مملکت کے واقعات کا تذکرہ ہے۔

کہون لیون (Cahun Leon) کی کتاب ایشیا کی تاریخ کا تعارف: ترک اور مغل' آغاز سے ۱۴۰۵ء تک

(Introduction a la histoire de la Asie: Turcs et Mongols des Origines a 1405)

مطبوعہ پیرس۔

اس میں ایک بڑے عالم شخص کے نظریات درج ہیں مگر تیمور کے متعلق باب میں بار بار ترکوں کا ذکر آنے سے اس کی افادیت میں فرق آ گیا ہے۔

دی گونز (De Guignes) کی کتاب ہنوں ترکوں اور مغلوں کی عام تاریخ

(Histoire Generale des Hins des Turcs des Mongols)

مطبوعہ پیرس ۱۷۵۶ء اپنے دور کا سیر حاصل تذکرہ ہے۔

فرشتہ کی ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کے عروج و زوال کی تاریخ ۱۶۱۲ء تک (ترجمہ: جے۔ برگز کلکتہ۔ ۱۹۱۰ء) میں ہندوستان کے حکمران خاندانوں کے مکمل حالات درج ہیں۔

گنز ہربوٹ ایڈمز کی کتاب عثمانی مملکت کی بنیاد۔

(The foundation of the Ottoman Empire)

مطبوعہ نیویارک میں عثمانی ترکوں ار بازید کے حالات بڑی خوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔

ہیمر۔پرگ سٹال جے وان (Hammer pergstall J. Von)

کی عثمانی مملکت (Gersdhichte des Osmanischen Rieches) مطبوعہ وائنا ۱۸۳۵ء اور سنہری غول کی تاریخ (Goldwn Horde Geschichte der) مطبوعہ بوڈا۔۱۸۴۰ء پہلی کتاب بازنطینی اور ترکی تذکروں پر مبنی ہے۔دوسری میں سنہری غول کے خوانین کے حالات ہیں۔

ہوورتھ سرہنری کی کتاب مغلوں کی تاریخ (History of Moghuls) (مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء......۱۸۸۸ء) اس کی دوسری جلد میں سنہری غول کے خوانین کا اور تیسری جلد میں ایران کے مظفری شہزادوں اور سلطان احمد کا مفصل حال ہے۔

لین پول اسٹلنے کی کتاب سلاطین اسلام (The Mohammedan dynasties) (مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ء) میں مسلمان حکمران خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب ہیں جہاں تک تاتاریوں کا تعلق ہے ہوورتھ سے مدد لی گئی ہے۔

لوچنے الیکسز دی (Levehine Alexid De) کی کتاب کرغز قازق سطع مرتفع اور غولوں کے حالات:

(Description des Hordes et des steppes des Kirghis Kazaks)

ایم۔فیری دی پگنی (M. Ferry de Pigny) نے روسی زبان سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کی اور ۱۸۴۱ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔

مقریزی: مصر کے مملوک سلطانوں کی تاریخ ایم کواٹرے میرے (M.)

Quatremeire) نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۸۳۷ء میں پیرس سے شائع کی۔

میلکم سر جان: تاریخ ایران (لندن ۱۸۲۹ء) تیمور کے کردار کا بہترین اندازہ ہے۔

میور، سر ولیم۔ خلافت......اس کا عروج، زوال اور تباہی۔

The Caliphate its Rise Decline and Fall.

(مطبوعہ لندن۔۱۸۹۲ء) میں تیمور سے قبل عرب طاقتوں کے حالات ہیں۔

پرائس تاریخ وار جائزہ (Chronological Restrospect)

(مطبوعہ لندن ۱۸۱۱۔۱۸۲۱ء) کی تیسری جلد کے پہلے حصے میں تیمور کی مہمات کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

رمبو ایلفریڈ (Rambaud Alfred) کی کتاب روس کی تاریخ (Histoire de la Russie) مطبوعہ پیرس ۱۹۱۴ء اس میں لتھوانیا اور پولینڈ کے والیان ریاست سے روس کے شہزادگان اعظم کے تعلقات کا تذکرہ ہے جو بہت خوب ہے۔

سکرین (Skrine) اور ڈینیسن راس کی کتاب وسطی ایشیا، روسی ترکستان اور وسطی ایشیائی خواتین کی سلطنتوں کی تاریخ قدیم ترین زمانہ سے۔

(The Heart of Asia: A History of Russian Turkestan and the Central Asian Khanates from the earliest times).

اس میں وسطی ایشیا کے سیاسی تغیرات کا خلاصہ ہے۔

سائیکس لفٹنٹ کرنل پی ایم تاریخ ایران (A History of Persia) (مطبوعہ لندن ۱۹۱۵ء) تیمور کی مہمات اور اس کے عہد کے فن تعمیر کا اچھا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ (اس گروہ کے مورخوں نے تیمور کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ صرف میلکم اور ویمبری نے ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے)۔

ویمبری، آرمینیس کی کتاب بخارا کی تاریخ عہد قدیم سے موجودہ دور تک

History of Bokhara..... From the earliest period down to the present).

(مطبوعہ لندن ۱۸۷۳ء) تیمور سے متعلق دو باب ناہموار ہیں تاہم ان سے حالات کے صحیح فہم کا اظہار ہوتا ہے۔

ویل گستاو (Veil Gustav) کی کتاب (Geschiehte der Chalifen) مطبوعہ مین ہیم ۱۸۴۶.....۱۸۶۶ء۔

ولف (Wolf) کی کتاب (Geschichte der Mongolen) مطبوعہ برسلاؤ ۱۸۷۲ء۔

۵۔ سمرقند اور اس کے آثار ہائے قدیمہ

بلینک ای (Blane E) کی کتاب:

Antiquites de Samarkande, Revue des Deux Mondes

مطبوعہ ۱۸۹۳ء اور

Mausolee de Tamerlane a Samarkande Academie des Inscriptions et Belles Letter.

مطبوعہ ۱۸۹۶ء صفحات ۲۷۲۔۳۰۳۔

کریسویل کے۔اے۔سی۔ (Cresswell K.A.C) کی کتاب ایران میں گنبد کی تاریخ اور اس کا ارتقاء۔

(The History and Evolution of the Dome in Persia)

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا رسالہ ۱۹۱۴ء

کرٹس ولیم ایلی رائے (Kurtis William Eleroy) کی کتاب ایشیا کا قلب ترکستان (Turkestan. the Heart of Asia).

مطبوعہ نیویارک ۱۹۱۱ء

کروزئیر (Crozier) سمرقند میں تیموری عہد کی یادگاریں۔

(Les Monuments, du Samarkande de epoque des Temourides

مطبوعہ ۱۸۹۱ء

لیکلرک جولز (Leclerq Jules) کی کتاب سمرقند کے آثار قدیمہ (Samarcande Les Monument des) رائل بلجمی جغرافیائی سوسائٹی کا بلیٹن ۱۳۔۱۸۹۰ء جلد ۶ صفحات ۶۱۳ تا ۶۳۲۔

لی اسٹرینج گائی (Le Strange Guy) کی کتاب خلافت مشرقی کے ممالک۔ عراق اور وسطی ایشیا۔ اسلامی فتوحات سے لے کر تیمور کے عہد تک۔

The lands of Eastern Caliphate........Mesopotamia and Central Asia from the Moslem Conquest to the time of Timur)

مطبوعہ کیمبرج ۱۹۰۵ء بے حد کارآمد کتاب ہے۔اس میں تیموری مملکت کے شمالی حصے کے علاوہ باقی سب شہروں اور سڑکوں اور نیز تجارت کا تفصیلی بیان ہے۔اس کے ماخذ ایشیائی مصنف مثلاً ابن بطوطہ مصطوفی اور ابوالفدا وغیرہ ہیں۔

مارڈوٹزف ڈی (Mordowtzefe D) کی کتاب تیمور کے دارالسلطنت میں ......قابل دید روس۔

(In the Capital of Tamerlane .... Picturesque Russia)

۱۹۰۱ء (روسی زبان میں) راقم کی خوش قسمتی ہے کہ اس مصنف کے کچھ غیر مطبوعہ مسودے اس کے حوالے کیے گئے۔

ریڈلاف ڈبلیو ڈبلیو (Redloff W.W) کی کتاب سمرقند کی قدیم تاریخ عمارتیں۔

(Ancient Architectural Remains in Samarkand)

امپیریئل رشین جیوگرافیکل سوسائٹی ۱۸۸۰ء جلد ۶ (روسی زبان میں)۔

شیولر یوجین (Schuyler Eugene) کی ترکستان، روسی ترکستان، خوخند بخارا اور کلجا کے سفر کے حالات۔

(Turkestan: Notes of a journey in Russian Turkestan Khokhand , Bukhara and Kuldja)۔

اس میں شیولر نے کھنڈروں کا تفصیلی حال بیان کرنے کے علاوہ ویمبری کی تاریخ پر بھی بڑی زندہ دلانہ تنقید کی ہے۔

۶۔ متفرقات

ویزلی چارلز ریمنڈ (Beazley Charles Raymond) کی کتاب جدید جغرافیے کی ابتدا (The Dawn of Modern Geography) مطبوعہ لندن ۱۸۹۷ء......۱۸۰۶ء اس میں ان سیاحوں کے حالات ہیں جنھوں نے چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں ایشیا میں سفر کیا تھوڑا سا ذکر شہروں کا بھی ہے۔

بیل ایم ایس (Bell M.S) وسطی ایشیا کے پیکن سے کاشغر تک جانے والی عظیم تجارتی شاہراہ

(The Great Central Asian Trade Rout from Peking to Kashgar)

رائل جیوگرافیکل سوسائٹی ۱۸۹۰ء۔

بلوچیٹ ای (Blochet E) فضل اللہ رشید الدین کی تاریخ مغل کا تعارف

(Introduction a I' histoire des Mongols de Gadlallah Rashiduddin).

مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۰ء (تیمور اور منگ خاندان کے درمیان خط و کتابت کی تفصیلات)۔

بریش نیڈر ای (Bretch Niedr E) کے وسطی و غربی ایشیا کی ازمنہ وسطی کی تاریخ اور جغرافیے پر حواشی۔

(A History of Persian Literature under Tartar Domination)

۱۲۶۵ء سے ۱۵۲۰ء تک (مطبوعہ کیمبرج۔ ۱۹۲۰ء) ایک انتہائی کارآمد کتاب ہے جس میں تاتاریوں اور ایرانیوں کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ تیمور پر بھی ایک مختصر سی بحث ہے۔

کہون لیون۔

Formation territoriale de I' Asie. Timur et le Second Empire Mongol (L' Histoire Generale E Larisse and A . Rambaud)

زیپلیکا ایم۔اے (Czaplicka M.A) کی کتاب ترک وسطی ایشیا میں (The Turks in Central Asia) مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۱۸ء اس کا کتب نامہ نہایت مکمل ہے۔ ڈوبیو لوئی (Dubeux Louis) کی کتاب تاتاری (Tatarie) مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا گیارھویں اشاعت (مغلوں، سنہری غول، ترکوں، سمرقند، انگلستان کے ہنری چہارم، بغداد اور ماسکو پر مضامین)

ہیلوالڈ فریڈرک وان (Hellwald Fredrick Von) کی کتاب روسی وسطی ایشیا میں (The Russians in Central Asia) وسطی ایشیا کے جغرافیے اور تاریخ پر موجودہ زمانے تک تفصیلی تنقید ہے۔

انگریزی زبان میں ترجمہ تھیوڈورورگمین (Theodor Virgman) نے لندن سے ۱۸۷۴ء میں شائع کیا۔

ہولڈن ایڈورڈ ایس (Holden Edward S) کی ہندوستان کے مغل شہنشاہ

مطبوعہ نیو یارک ۱۸۹۵ء

منوچی۔ تیمور اعظم۔ مغلوں اور تاتاریوں کے بادشاہ کی تاریخ مع حالات دربار لندن ۱۷۲۲ (چنداں مفید نہیں)۔

مارگٹ (Margat) کی کتاب مغلوں کے بادشاہ اور ایشیا کے فاتح تیمور کی تاریخ

Histoire de Tamerlane, Empereur des Mongols et Conguerant de L, Asie)

مطبوعہ پیرس ۱۷۳۹ء (عرب شاہ اور شریف الدین کی تاریخوں کو یکجا کرنے کی نیک نیتی سے کوشش کی گئی ہے۔

نیو فلکس (Neve Felix) کی کتاب:

Expose des guerres de Tamerlane et de Schah Rokh dans I' Asie Centrale

مطبوعہ بروسلز ۱۸۶۰ء

اسے صرف اس لیے اہمیت دی جا سکتی ہے کہ یہ میز ڈاف کے تھامس کے بیانات پر مبنی ہے۔

پاپاؤسکی (Popwski) کی کتاب وسطی ایشیا میں حریف طاقتیں (The Rival Powers in Central Asia) مطبوعہ لندن ۱۸۹۳ء۔

رکمرس ڈبلیو رکمر (Rickmers W. Rickmer) کی کتاب ترکستان کا دوآبہ مطبوعہ کیمبرج ۱۹۱۳ء تیمور کے ملک کا طبعی جغرافیہ ہے۔

اسٹین، سر مارکس کی سیرنڈیا (Serindia) مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۲۱ء میں وسطی ایشیا اور مغربی چین کے آثار قدیمہ کے حالات ہیں۔

یول سر ہنری (Yule Sir Henry) خط اور وہاں کا راستہ (Cathay and Way thither) ہکلویٹ سوسائٹی سلسلہ دوم۔ شمارے ۳۳، ۳۷، ۳۸، ۴۱ زمانہ قدیم کے

سیاحوں اور راستوں پر ایک کارآمد بحث ہے۔

زمی منی ایل (Zimine L) تیمور کی موت کی تفصیلات ترکستان کی آثار قدیمہ کی سوسائٹی کے مراسلات و مسودات سال ہشتم۔

(خصوصی اشارات: بوواٹ کی کتاب میں ایرانی ماخذ پر بحث کی گئی ہے۔ زیپلیکا کی کتاب میں ترکوں اور تاتاریوں کی ابتدائی تاریخ اور سمرقند کے آثار قدیمہ کی تفصیلات درج ہیں۔ گبن نے اپنی کتاب میں عثمانی مہموں نیز یورپ کے حالات کی تفصیل دی ہے۔ نقشوں کے معاملے میں لی اسٹرینج کی کتاب سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ ہوورتھ کی کتاب کی پہلی جلد میں تیمور سے قبل کے عہد کا ایک عمومی نقشہ دیا گیا ہے۔ حیدر مرزا کی کتاب میں بھی اس عہد کے وسطی ایشیا کا ایک عمدہ نقشہ ہے۔)

چنگیز خان

پیش لفظ۔۔۔۔۔معما

سات سو سال پہلے ایک آدمی نے دنیا کو قریب قریب بالکل ہی فتح کر لیا تھا۔اس زمانے کے ربع مسکون کے نصف حصہ پر اس نے اپنا تصرف قائم کیا،اور نوع انسانی پر ایسی دھاک بٹھائی کہ جس کا اثر کئی نسلوں تک باقی رہا۔

اپنی زندگی میں اس نے کئی نام پائے،،،،قتال اعظم قہر خدا،جنگجوئے کامل،باج گیر، تاج وتخت۔عام طور پر وہ چنگیز خاں کے نام سے معروف ہے۔

بہت سے صاحبان خطاب اپنے خطابوں کے اہل نہیں ہوئے،مگر وہ ان سب خطابوں کا اہل تھا۔ہم امریکی جن کی تعلیم یورپی روایات کے مطابق ہوتی ہے،بڑے شہنشاہوں کی فہرست مقدونیہ کے سکندر اعظم سے شروع کرتے ہیں۔اور رومہ کے قیاسرہ کو شمار کرتے ہوئے،اس فہرست کو نپولین پر ختم کرتے ہیں۔لیکن اس یورپی بازی گاہ کے کھلاڑیوں کے مقابلے میں چنگیز خان بہت ہی بڑے پیانے کا فاتح تھا۔

معمولی معیاروں سے اس کا جانچنا مشکل ہے۔جب وہ اپنے اردو(لشکر)کے ساتھ کوچ کرتا تو اس کا سفر میلوں نہیں،عرض بلد اور طول بلد کے پیانوں پر ہوتا،اس کے راستے میں جو شہر آتے،اکثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتے۔دریاؤں کے رخ بدل جاتے،صحرا کے صحرا سراسیمہ اور لب مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے،اور اس کے گزر جانے کے بعد ان علاقوں میں جو کبھی آباد تھے،بھیڑیوں اور کرگسوں کے سوا کوئی زندہ مخلوق باقی نہ بچتی۔

انسانی جانوں کی ایسی تباہی آج کل کے انسان کے تخیل کو ششدر کر دیتی ہے،حالانکہ دوسری جنگ عظیم کی تباہی کے مناظر چشم تصور سے ایسے دور نہیں،ایک خانہ بدوش سردار چنگیز خاں نے صحرائے گوبی سے خروج کیا۔دنیا کی متمدن قوموں سے جنگ کی،اور اس

میں کام ران ہوا۔

یہ سب اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں تیرھویں صدی عیسوی کی طرف واپس لوٹنا پڑے گا۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا راسخ عقیدہ تھا کہ اس عالم اسباب واشیاء میں یہ غیر معمولی انقلاب محض کسی فوق الفطرت کے ظہور سے ہی آ سکتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ قیامت کے آثار ہیں۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ کبھی اس سے پہلے مغلوں اور نصرانیوں کے حملوں کے نرغے میں دارالسلام کی یہ حالت نہیں ہوئی۔

عیسائی دنیا بھی چنگیز خان کی موت کے کے بعد مغلوں کی اگلی پشتوں کے مقابلے میں اتنی سراسیمہ وحیران تھی جب کہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے۔ پولینڈ کا شاہ بولساس اور ہنگری کا بادشاہ شکست کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگے اور رسائی لیسیا کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگ نیئز میں مارا گیا تھا۔ یہی حشر روس کے گرینڈ ڈیوک جارج کا ہوا تھا۔ اور قشتالیہ کی خوب رو ملکہ بلانش نے فرانس کے بادشاہ سینٹ لوئی کو یاد کرکے پکارا تھا "میرے بیٹے تو کہاں ہے۔"

جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک ثانی نے جو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا عادی تھا۔ انگلستان کے شاہ ہنری ثالث کو لکھ بھیجا کہ یہ "تاتاری عذاب الٰہی سے کم نہیں، جو نصرانی دنیا پر عیسائیوں کے گناہوں کی پاداش میں نازل ہوئے ہیں۔ اور یہ تاتاری دراصل اسرائیل کے دس گم گشتہ قبائل کی نسل سے ہیں۔ جن کو سامری کے سنہری بچھڑے کو پوجنے اور بت پرستی کی سزا دینے کے لئے ایشیا کے ویران صحراؤں میں بند کر دیا گیا تھا۔

یہاں تک کہ روجر بیکن جیسے فلسفی نے یہ رائے ظاہر کی کہ مغل دراصل دجال کے سپاہی ہیں۔ اور اب اپنی آخری دہشت ناک فصل کاٹنے آئے ہیں۔

یہ یقین ایک عجیب پیشین گوئی کی وجہ سے اور بھی محکم ہو گیا تھا، جو غلطی سے سینٹ جیروم سے منسوب کی جاتی ہے۔ یہ کہ دجال کے زمانے میں ایشیا کے پہاڑوں کے اس پار یاجوج ماجوج کے ملک سے ترکوں کی ایک قوم خروج کرے گی۔ یہ ایسی قوم ہوگی جو گندی

اور میلی ہوں گی، جو نہ شراب پئے گی نہ گندم اور نمک کھائے گی، اور جو ساری دنیا پر تباہی لائے گی۔

اس لئے پاپائے روم نے لیون میں مجلس مشاورت طلب کی، جس کا ایک حد تک ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کسی نہ کسی طرح مغلوں کے اس سیلاب کو روکا جائے، ایک لحیم شحیم مقدس راہب، پلانو کارپینی کے باشندے جان کو پاپائے اعظم کا نمائندہ اور سفیر بنا کے مغلوں کے پاس بھیجا، کیونکہ ہمیں خوف تھا کہ کلیسائے خداوندی کے لئے سب سے زیادہ قریب اور ظاہر جو خطرہ تھا، وہ ان ہی مغلوں کا تھا۔

اور کلیساؤں میں مغلوں کے غضب سے نجات پانے کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔

اگر یہ کہانی محض اس تباہ کاری، اس تمدن کشی پر ختم ہو جاتی تو چنگیز خان کا مرتبہ انیلا یا ایلا رک سے زیادہ اونچا نہ ہوتا، وہ بھی ایک بے مقصد بے پناہ، آوارہ گرد فاتح ہوتا اور کچھ نہ ہوتا، لیکن یہ قہر خداوندی جنگجوئے کامل بھی تھا اور باج گیر تخت و تاج بھی،

اور یہی وہ راز ہے جس میں چنگیز خان کی شخصیت گھری ہوئی ہے۔ وہ ایک خانہ بدوش تھا، شکاری تھا، چرواہا تھا، لیکن تین بڑی سلطنتوں کے سپہ سالاروں کو اس نے شکست دی۔ وہ وحشی تھا، جس نے کوئی شہر نہیں دیکھا تھا۔ اور لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا، لیکن اس نے پچاس قوموں کے لئے قانون بنایا اور نافذ کیا۔

جہاں تک خداداد فوجی قابلیت کا تعلق ہے،، بادی النظر میں نپولین یورپ کا سب سے درخشاں سپہ سالار تھا، لیکن ہم یہ فراموش نہیں کر سکتے کہ نپولین نے ایک فوج کو مصر میں تقدیر کے حوالے کر کے چھوڑ دیا۔ اور دوسری فوج کا بچا کھچا حصہ روس کے برف زاروں کے حوالے کر دیا۔ اور بالآخر واٹرلو کی شکست پر اس کا خاتمہ بالخیر ہوا، اس کے جیتے جی اس کی سلطنت مٹ گئی، اس کا قانون پارہ پارہ کر دیا گیا، اور اس کی موت سے پہلے اس کے بیٹے کو محروم الارث قرار دیا گیا۔ یہ پورا واقعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تھیٹر میں کوئی ڈرامہ ہو رہا ہو اور جس میں نپولین خود بھی محض ایک ایکٹر ہو۔

فتح مندی میں چنگیز خان سے موازنہ کرنے کے لئے مقدونیہ کے سکندر اعظم کا ذکر ضروری ہے۔ سکندر ایک بے پرواہ اور فتح مند نوجوان تھا، دیوتاؤں جیسا، جو اپنی صف بہ صف فوج کے ساتھ مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ اس کے ہمراہ یونان کے تمدن کی برکتیں تھیں۔ سکندر اور چنگیز خان دونوں کی موت کے وقت ان کے اقبال وظفر کا ستارہ انتہائی عروج پر تھا۔ ان کے نام ایشیا کی حکایتوں میں محفوظ ہیں۔

دونوں کی موت کے بعد کے واقعات سے دونوں کی حقیقی کامرانیوں کے حاصل کے فرق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ فرق بے اندازہ ہے۔ سکندر کے مرتے ہی اس کے سپہ سالار آپس میں لڑنے لگے اور اس کے بیٹے کو سلطنت چھوڑ کر بھاگنا پڑا،

لیکن چنگیز خان نے اس قدر اپنے آپ کو کامل طور پر آرمینیا سے کوریا تک اور تبت سے دریائے اتیل تک کے علاقے کا مالک بنالیا تھا کہ بلا کسی رد و کد کے اس کے بیٹے کو جانشینی نصیب ہوئی۔ اور اس کا پوتا قبلائی خاں بھی نصف دنیا پر حکمران تھا۔

یہ عظیم الشان سلطنت جسے ایک وحشی نے محض نیستی سے پیدا کیا تھا مورخوں کے لئے ایک معجزہ اور ایک راز ہے۔ انگلستان میں اس کے عہد کے متعلق جو عام تاریخ حال میں مستند مورخوں نے تالیف کی، اس میں اس امر کو ایک ناقابل تشریح واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک اور محترم عالم نے یہ کہہ کر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ چنگیز خان کی تقدیر ساز شخصیت تک ہم اس طرح نہیں پہنچ سکتے، جیسے شکسپیئر کی خداداد صلاحیت کا معما نہیں سلجھا سکتے۔

کئی وجوہ سے چنگیز خان کی شخصیت ہماری نظروں سے چھپی ہوئی ہے۔ ایک تو یہ کہ مغل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، یا کم سے کم انہوں نے لکھنے پڑھنے کی پرواہ نہیں کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں چنگیز خان کی تاریخ الغوریوں، چینیوں، ایرانیوں اور ارمینیوں کی منتشر تحریروں میں ملتی ہے۔ حال تک مغل سانگ است زین کی داستان کا بھی اطمینان بخش ترجمہ بھی نہیں ہوا تھا۔

یعنی اس مغل اعظم کے سب سے ذہین مورخ اس کے دشمن تھے، یہ ایک ایسا امر واقع ہے کہ جسے فراموش کرنا نہیں چاہیئے۔ یہ مورخ دوسری قوموں سے تھے، اس کے علاوہ تیرہویں صدی عیسوی کے یورپی باشندوں کی طرح اپنے ملک اور سرزمین سے باہر کے لوگوں کے متعلق ان کے تصورات بہت مبہم تھے۔

انہوں نے مغلوں کو ایک نامعلوم سرزمین سے دفعتۃً خروج کرتے دیکھا، انہوں نے مغل اردو کے دہشت ناک حملوں کی ضرب برداشت کی، اور پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کی سرزمین سے ہوتا ہوا یہ سیلاب دوسرے نامعلوم ملکوں کی طرف امنڈ رہا ہے۔ ایک مسلمان مصنف نے مغلوں کی یورش کے تجربے کو ان افسوس ناک الفاظ میں ادا کیا ہے، کہ ''آئے، قتل و غارت کیا، مال غنیمت سمیٹا اور چل دیئے۔''

ان مختلف ماخذوں کو پڑھنا اور ان کا باہم مقابلہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جو مستشرقین ان ماخذوں کے مطالعہ میں کام یاب بھی ہوئے، انہوں نے ساری توجہ مغل فتوحات کی سیاسی تفصیلوں پر صرف کر دی، چنگیز خان کی جو تصویر وہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، وہ وحشی قوت و طاقت کے ایک مظہر، ایک عذاب کی ہے۔ جو صحراؤں کی جانب سے اکثر نمودار ہوتا ہے اور تمدنوں کو غارت کرتا ہے۔

سانگ اسے زین کے ساگا سے بھی اس معمے کے حل کرنے میں کوئی خاص مدد نہیں ملتی، کیونکہ یہ ساگا بڑی سادگی سے یہ بیان کرتا ہے کہ چنگیز خان دیوتاؤں کی نسل سے ایک ''بوگدو'' تھا۔ یہاں بجائے معمے کے ہم ایک معجزے سے دوچار ہوتے ہیں۔

یورپ کی قرون وسطیٰ کی تاریخوں میں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، عام طور پر یہ رجحان ملتا ہے کہ مغلوں میں ایک طرح کی شیطانی طاقت سرایت کیے ہوئے تھی۔ جو یورپ میں تگ و تاز کرتی رہی۔

غصہ تو اس پر آتا ہے کہ جدید مورخین بھی تیرہویں صدی کے اوہام ہی کو دہراتے ہیں۔ خاص طور پر اس لئے کہ تیرہویں صدی کے یورپ نے چنگیز خان کے خانہ بدوشوں

کو محض پرچھائیوں کی طرح یورش کرتے دیکھا تھا۔

لیکن چنگیز خان کے گرد جو معما ہے، اسے حل کرنے کی ایک آسان تدبیر ہے، اور وہ یہ کہ گھڑی سات سو سال پیچھے کر دی جائے۔ اور چنگیز خان کو اس طرح دیکھا جائے جیسے اس زمانے کے مورخین اسے دیکھتے تھے، معجزے یا وحشی طاقت کے مظہر کے طور پر نہیں، بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے،

ہم کو یہاں مغلوں کی نسل کی سیاسی کامیابیوں سے غرض نہیں، صرف اس فرد واحد سے مطلب ہے کہ جس نے مغلوں کو ایک گمنام قبیلے کی حیثیت سے بلند کر کے دنیا کا مالک بنا دیا۔

اس آدمی کا تصور زندہ کرنے کے لئے ہمیں اسے اپنی قوم کے درمیان، سات سو سال پہلے کی دنیا میں جیتا جاگتا دیکھنا ہے۔ ہم اسے جدید تمدن کے معیاروں سے نہیں جانچ سکتے، ہمیں اسے ایک بنجر زمین کے ماحول میں دیکھنا ہے۔ جس میں خانہ بدوش شکاری بستے تھے، شہسواری کرتے تھے، اور شمالی ہرنوں کی گاڑیاں چلاتے تھے۔

یہاں انسان جانوروں کے سمور کے لباس پہنتے ہیں، اور گوشت اور دودھ کی خوراک پر بسر کرتے ہیں۔ یہ انسان اپنے جسموں پر چربی اور تیل ملتے ہیں تا کہ سردی اور نمی سے محفوظ رہیں۔ کبھی کبھی وہ بھوک اور سردی سے مر بھی جاتے ہیں۔ یا دوسرے انسان اپنے ہتھیاروں سے انہیں تکہ بوٹی کر دیتے ہیں۔

بقول بہادر فرا کارپینی کے جو پہلا یورپین تھا، جس نے اس سرزمین پر قدم رکھا، یہاں قصبے اور شہر نہیں، بس بنجر ریگستان ہیں، پوری زمین کا سواں حصہ بھی ایسا نہیں کہ جو دریاؤں سے سیراب ہو سکے، یا جس پر کاشت ہو سکے، کیونکہ یہاں دریا بہت کم ہیں۔

اس سرزمین میں درخت نہیں اگتے۔ حالانکہ مویشیوں کی چراگاہیں بہت ہیں۔ شہنشاہ اور شاہزادے اور باقی سب گوبر کے اپلوں سے آگ تاپتے ہیں۔ اور انہیں پر ان کا کھانا پکتا ہے۔

موسم بڑا سخت ہے، وسط گرما میں بھی بادو رعد کے بڑے سخت طوفان اٹھتے ہیں، اور بہت سے لوگ مر جاتے ہیں۔ گرمیوں میں بھی کبھی کبھار برف باری ہوتی ہے۔ اور ایسے سرد طوفانی جھکڑ چلتے ہیں کہ گھوڑوں پر سوار ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے ایک طوفان میں ہم کو زمین پر لیٹ جانا پڑا، اور گرد و غبار کی وجہ سے ہم کو نزدیک کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی، اکثر اولے گرتے ہیں اور دفعتہً سخت ناقابل برداشت گرمی پڑنے لگتی ہے۔ جس کے بعد اسی شدت سے سردی ہوتی ہے۔

یہ ہے صحرائے گوبی 1162 عیسوی میں بارہ جانوروں کی جنتری کے حساب سے یہ خنزیر کا سال ہے۔

باب اول

صحرا

گوبی میں زندگی کی کوئی قیمت نہیں تھی، اونچے بلند ہموار ٹیلے جن پر تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے، اور جن کی بلندیاں بادلوں کے قریب پہنچتیں۔ جھیلیں جن کے اطراف اونچی اونچی گھاس تھی، جن میں ہجرت کرنے والے پرندے شمالی ٹنڈراؤں کی طرف اڑتے آن کر بسیرا کر لیتے، اوپر کی ہواؤں کے تمام عفریت وسیع جھیل بیکال پر جمع ہوتے۔ درمیانی جھاڑوں کی شفاف راتوں کو افق پر شمالی روشنیاں طلوع اور غروب ہوتی دکھائی دیتیں۔

شمالی گوبی کے اس گوشے کی اولاد جوانسان تھے، انہیں تکلیفوں نے سخت جان نہیں بنایا تھا، بلکہ سخت جانی انہیں ورثے میں ملی تھی، جب ماں کا دودھ چھڑا کر گھوڑی کا دودھ شروع کرایا جاتا تو اسی وقت بچے سے اس کی توقع کی جاتی کہ وہ اپنی فکر آپ کرے۔

گھریلو خیمے میں آگ کے قریب جوان جنگ جوؤں اور مہمانوں کا مقام تھا۔ لیکن ذرا دور لڑکے اور لڑکیاں جہاں بن پڑے بیٹھ جاتے تھے۔

یہی حال غذا کا تھا۔ بہار کے موسم میں جب گھوڑیاں اور گائیں خوب دودھ دیتیں تو خیر ٹھیک تھا، اس زمانے میں شکار بھی خوب ملتا قبیلے کے شکاری ہرن یا ریچھ مار لاتے، بجائے اس کے کہ لومڑیوں یا ایسے ہی اور سمور والے دبلے پتلے جانوروں کا شکار کریں، ہر چیز دیگ میں ڈال دی جاتی اور پھر کھائی جاتی۔ اس طرح کہ جوان طاقت ور مرد پہلے جو چاہے کھا لیتے، بوڑھے اور عورتیں ان کے بعد کھاتے اور بچوں کو ہڈیوں اور ریشوں کے لئے لڑنا پڑتا تھا۔ کتوں کے لئے شاید ہی کبھی کچھ بچتا۔

جانوروں میں جب جانور دبلے ہو جاتے تو بچوں کو کچھ زیادہ نصیب نہ ہوتا۔ اس زمانے میں دودھ کے استعمال کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اس کی کومیس بنائی جائے، کومیس دودھ کو چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر خمیر دے کر اور پھینٹ کر تیار کی جاتی تھی، تین چار

سال کے چھوٹے صاحب زادے کے لئے کومیس طاقت بخش اور کسی قدر نشہ آور ضرور ہوتی تھی، مگر شرط یہ تھی کہ وہ کسی طرح مانگ کر یا چرا کر اسے حاصل کرلے۔ جب گوشت نصیب نہ ہوتا تو ابلے ہوئے باجرے سے بھوک کا کچھ نہ کچھ علاج کرلیا جاتا۔

بچوں کے لئے آخری جاڑوں کا زمانہ بدترین ہوتا۔ مویشی اس لئے زیادہ کاٹے نہیں جاتے تھے کہ کہیں گلوں کی تعداد کم نہ ہوجائے۔ ایسے زمانے میں قبیلے کے جنگ جو دوسرے قبیلوں سے غذا کا سامان لوٹتے اور گھوڑے اور مویشی ہنکا لے جاتے۔

بچپن ہی سے بچوں کا گروہ الگ شکار کھیلتا اور کلہاڑیوں یا کند تیروں سے چوہوں کو مارنے کی کوشش کرتا، وہ بھیڑوں پر سواری کی مشق کرتے، اور سہارے کے لئے ان کی پشم کو مضبوطی سے تھام لیتے۔

قوت برداشت پہلی چیز تھی جو چنگیز خان کو ورثے میں ملی تھی۔ چنگیز خان کا پیدائشی نام تموچن تھا، جس زمانے میں وہ پیدا ہوا ہے۔ اس کا باپ قبیلے کے ایک دشمن پر دھاوا کرنے گیا ہوا تھا۔ اور اس دشمن کا نام تموچن تھا۔ اس مہم میں اسے کامیابی ہوئی، دشمن قید ہوا، اور باپ نے واپس آکر اپنے بچے کو قیدی دشمن کا نام دے دیا۔

اس کا گھر سمور کا خیمہ تھا، جس کا ڈھانچہ بانسوں کا بنا ہوا تھا۔ اور جس میں اوپر دھواں نکلنے کے لئے ایک ذرا سا حصہ کھلا ہوا تھا۔ سمور پر چونے کی سفیدی پھری ہوئی تھی۔ اور زیبائش کے لئے تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ عجیب طرح کا خیمہ جو یورت کہلاتا تھا۔ ایک گاڑی پر کھڑا کردیا جاتا، جسے درجن بھر یا زیادہ بیل کھینچتے اور چراگاہوں اور میدانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لئے پھرتے۔ یہ بڑے کام کا خیمہ تھا۔ کیونکہ اس کی گنبد نما چھت ہوا کے جھکڑوں کی روک تھام کرتی، اور جب ضرورت پڑتی تو اس خیمے کو اتارا جا سکتا تھا۔

سرداروں کی بیویاں ۔۔۔ اور تموچن کا باپ بھی ایک سردار تھا ۔۔۔ علیحدہ اپنے یورتوں میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتیں۔ لڑکیوں کا فرض یہ تھا کہ یورت کا سارا کام کاج کریں، اور اوپر کے روشن دانوں کے نیچے، جن سے دھواں نکلتا تھا، آگ جلائے رکھیں۔

خیمے کے دروازے باہر گاڑی کے چوبی تختے پر کھڑی ہو کے تموچن کی ایک بہن بیلوں کو ہنکاتی، ایک گاڑی کا بم دوسری گاڑی کے دھرے کے ساتھ باندھ دیا جاتا، اور اس طرح چر چر کرتیں اور دھکے کھاتی ہوئی گاڑیاں مسطح چراگاہوں میں دور دور تک چلی جاتیں، جہاں شاید ہی کہیں کوئی درخت یا ناہموار زمین کا ٹکڑا نظر آتا۔

یورت میں گھر بھر کی ساری دولت ہوتی، بخارا یا کابل کے قالین جو شاید کسی کارواں سے لوٹے ہوئے ہوتے۔۔۔عورتوں کے ملبوسات سے بھرے ہوئے صندوق ریشمی کپڑے جو کسی ہوشیار عرب سوداگر سے کسی اور چیز کے معاوضے میں خریدے ہوئے ہوتے اور منقش چاندی کے زیور۔خیمے کی دیواروں پر ٹنگے ہوئے ہتھیاروں کی اہمیت اور بھی زیادہ تھی۔چھوٹے ترکی نیچے، نیزے، ہاتھی دانت یا بانس کے ترکش مختلف لمبائیوں اور وزنوں کے تیر اور شاید دباغت کیے ہوئے چمڑے کے مدور ڈھال، جس پر روغن لگا ہوا ہوتا۔

یہ بھی لوٹی ہوئی یا خریدی ہوئی چیزیں تھیں۔اور لڑائیوں میں قسمت جس کا ساتھ دیتی۔اس کے ہاتھ پڑ جاتیں۔

تموچن،،،، نوعمر چنگیز خان کے سپرد کئی فرض تھے، گرمیوں کی چراگاہوں سے جاڑوں کی چراگاہوں تک سفر کرتے ہوئے جتنے ندی نالے آتے تھے، سب میں مچھلیاں پکڑنا، خاندان کے بچوں کا فرض تھا۔گھوڑوں کے گلے بھی ان ہی کے سپرد تھے۔اگر کوئی جانور گم ہو جاتا تو لڑکوں کو اس کی تلاش میں نکلنا پڑتا، اور نئی چراگاہوں کی تلاش بھی لڑکوں کا فرض تھا۔زمین اور آسمان کے سنگم کی طرف وہ ہمیشہ چوکنے ہو کر دیکھتے رہتے۔کہ کہیں سے کوئی حملہ آور تو نہیں آ رہے۔کئی راتیں انہیں آگ کے بغیر برف پر گزارنا پڑتیں۔وہ مجبور تھے کہ کئی کئی دن **مسلسل** زین پر گزار دیں۔اور تین تین چار چار دن تک پکا ہوا کھانا نہ کھا سکیں۔کبھی کبھی تو انہیں **مسلسل** فاقہ کرنا پڑتا۔

جب بکری یا گھوڑے کا گوشت افراط سے میسر آتا تو وہ فاقے کے دنوں کی کسر نکالنے

کے لئے اتنا کھا اور بچا لیتے کہ حیرت ہوتی، ان کا کھیل یہ تھا کہ میدانوں میں بیس میل تک کی گھڑ دوڑ کی اور واپس آ گئے۔ یا پھر کشتیاں لڑتے تھے، جن میں اکثر ہڈیاں ٹوٹ جاتی تھیں۔

تموچن کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا جسم بڑا طاقت ور تھا اور اس کے دماغ میں تجویزیں سوچنے کی بڑی صلاحیت تھی۔ یہ گویا اپنے آپ کو ان حالات میں ڈھالنے کا ایک اور طریقہ تھا۔ وہ کشتی لڑنے والوں کا سردار بن گیا۔ حالانکہ وہ زیادہ تنومند نہ تھا۔وہ تیر اندازی خوب کر لیتا، لیکن کمان اپنے بھائی قسار کے برابر نہ کھینچ سکیا، جس کا لقب کمان دار تھا، لیکن قسار تموچن سے ڈرتا تھا۔

ان دونوں نے اپنے طاقت ور سوتیلے بھائی کے خلاف ایک محاذ بنا لیا تھا اور پہلا واقعہ جو پیش آیا وہ یہ تھا کہ تموچن نے اپنے سوتیلے بھائی کو مار ڈالا تھا، کیونکہ اس نے اس کی ایک مچھلی چرا لی تھی۔ رحم ان نوعمر خانہ بدوشوں کی نظر میں ایک بیکاری بات تھی، لیکن انتقام فرض سمجھا جاتا تھا۔

تموچن کو بہت سے ایسے جھگڑوں کا علم ہونے لگا جو بچوں کی لڑائی سے زیادہ اہم تھے۔ اس کی ماں اولون خوب صورت تھی، اس لئے اس کا باپ اسے ایک پڑوس قبیلے سے عین شادی کے روز اٹھا لایا تھا۔ جب کہ وہ برات کے دن اپنے ہونے والے دولہا کے خیمے کی طرف جا رہی تھی۔ اولون ہوشیار بھی تھی اور ضدی بھی، تھوڑے بہت واویلا کے بعد وہ جن حالات میں تھی ان میں راضی رہی، لیکن یورت میں سب جانتے تھے کہ ایک دن بدلہ لینے کے لئے اس کے قبیلے کے لوگ آئیں گے۔

راتوں کو گوبر کی جلتی ہوئی آگ کے پاس تموچن گویوں کے گیت سنتا، یہ بوڑھے گویے یکتارا لئے ہوئے ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ تک سواری کرتے اور جھنجھناتی ہوئی آواز میں قبیلے کے بزرگوں اور بہادروں کی شجاعت کے گیت گاتے۔

اس کو اپنی طاقت اور اپنے حق کا احساس تھا۔ کیا وہ یسوکائی بہادر کا سب سے بڑا بیٹا نہ

تھا۔ جو یکایا بڑے مغلوں کے خان، اور چالیس ہزار خیموں کا سردار تھا۔

گویوں کی کہانیوں سے اس نے جانا کہ اس کا نصب اعلیٰ ہے، وہ وہ بورچیچن والوں کی اولاد میں سے ہے۔ جن کی آنکھیں بھوری ہوتی تھی، اس نے اپنے جد امجد قبل خان کا قصہ سنا، جس نے غتا کے شہنشاہ کی داڑھی نوچی تھی، اور اس لئے اسے زہر دے دیا گیا تھا۔ اس معلوم ہوا کہ اس کے باپ کا منہ بولا بھائی، جس نے بھائی بننے کی سوگند کھائی ہے ۔طغرل خان ہے۔ جو قوم قرایت کا سردار تھا۔ گوبی کے خانہ بدوشوں میں یہ سب سے طاقت ور تھا۔ اور اسی کے تعلق سے ایشیا کے پریسٹر جان کے قصے یورپ میں پھیلے۔

لیکن اس وقت تموچن کا افق اپنے یا کا مغل قبیلے کی چراگاہوں تک محدود تھا۔

ایک دانش مند مشیر نے اس لڑکے سے کہا، ہم چین کے سویں حصے کے برابر بھی نہیں، لیکن اگر ہم چین کا مقابلہ کرتے رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب خانہ بدوش ہیں، ہمارا سامان رسد ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہم کو اپنے طریقے کی لڑائی میں مہارت ہے۔ ہم لوٹتے ہیں اور جب لوٹ نہیں پاتے تو چھپ جاتے ہیں۔ اگر ہم بھی شہر بسانا شروع کر دیں اور اپنی عادتیں بدل ڈالیں تو ہم پھل پھول نہ سکیں گے۔ اس کے علاوہ خانقاہوں اور مندروں میں آدمی نرم دل ہو جاتا ہے۔ نوع انسان پر وہی حکومت کر سکتا ہے۔ جو خون خوار ہو اور جنگ جو ہو۔

جب وہ گلے کی نگہبانی کے فرض کا زمانہ پورا کر چکا تو اسے اپنے باپ یسوکائی بہادر کے ساتھ ساتھ سواری کرنے کی اجازت ملی، ہر لحاظ سے تموچن خوب رو تھا۔ لیکن جسم کی طاقت اور سیدھی اٹھان کی وجہ سے جتنا ممتاز معلوم ہوتا تھا۔ اتنا خدوخال کے لحاظ سے نہیں۔

وہ ضرور دراز قامت ہو گا، اس کے شانے ہموار اور اس کی جلد گندم گوں سفیدی مائل، ڈھلی ہوئی پیشانی کے نیچے، اس کی آنکھیں ایک دوسری سے دور دور تھیں۔ لیکن ترچھی نہ تھیں، اس کی آنکھوں کے تل سبز یا نیلے بھورے تھے۔ اور ان کا حاشیہ سیاہ

تھا۔ لمبے سرخی مائل بھدے بال چوٹیوں میں گندھے ہوئے اس کی پیٹھ پر پڑے رہتے۔ وہ بہت کم بات کرتا اور جو کچھ کہتا کہنے سے پہلے غور کر کے کہتا، اسے اپنے غصے پر قابو نہ تھا۔ لیکن لوگوں کو اپنا گہرا دوست بنانے میں اسے خدا دا ملکہ تھا۔

عشق اس نے بھی یونہی دفعتہً کیا جیسے اس کے باپ نے کیا تھا، جب باپ اور بیٹا دونوں ایک اجنبی جنگ جو کے خیمے میں مہمان تھے، تو اس لڑکے کو خیمے کی لڑکی میں جا ذبیت محسوس ہوئی۔ اس نے یسوکائی سے پوچھا کہ کیا میں اسے اپنی بیوی بنا سکتا ہوں۔

''وہ ابھی چھوٹی ہے'' اس کے باپ نے اعتراض کیا۔ تموچن نے بتایا کہ جب وہ بڑی ہو جائے گی تو اچھی خاصی نکلے گی۔

یسوکائی نے لڑکی کو جانچا جو ابھی نو سال کی تھی، مگر بہت حسین تھی، اس کا نام بورتائی تھا۔ اور اس نام کا ماخذ اس کے اپنے قبیلے کا روائتی جد امجد تھا۔ جس کی آنکھیں بھوری بھوری تھیں۔

ابھی چھوٹی ہے، لڑکی کے باپ نےکہا، لیکن وہ خوش تھا کہ مغلوں نے اس کی لڑکی کو پسند کیا۔ اس نے کہا پھر بھی تم چاہو تو اس کو دیکھ بھال لو۔ اس نے تموچن کو پسند کیا اور کہا تیرے بیٹے کا چہرہ صاف اور آنکھیں چمک دار ہیں۔

دوسرے دن رشتہ طے ہو گیا اور مغل خان تموچن کو چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ تا کہ تموچن اپنے خسر اور اپنی ہونے والی بیوی سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔

کچھ روز بعد ایک مغل گھوڑا دوڑاتا ہوا یہ خبر لے کر آیا کہ یسوکائی بہادر نے کچھ دشمنوں کے خیمے میں رات گزاری تھی، اور شاید اسے زہر دے دیا گیا ہے۔ وہ مرنے کے قریب ہے، اور اس نے تموچن کو یاد کیا ہے۔ تیرہ سالہ لڑکا جتنی رفتار سے سواری کر سکتا تھا، روانہ ہوا، لیکن جب وہ اروویعنی قبیلے کے خیموں والے گاؤں میں پہنچا تو اس کا باپ مر چکا تھا۔

اس کی غیر حاضری میں اور بھی بہت کچھ پیش آیا، قبیلے کے سربر آوردہ لوگوں نے اور بھی بہت سے معاملوں پر بحث کی تھی، اور ان میں سے دو تہائی سردار کا پرچم چھوڑ کر دوسرے

آقاؤں اور پاسبانوں کو تلاش کرنے نکل گئے تھے۔اپنی، اپنے گھرانوں اور اپنے گلوں کی حفاظت کے لئے ،اس ناتجربہ کار لڑکے سے انہیں اس حفاظت کی توقع نہ تھی۔

''گہرا پانی بہہ گیا''،'کڑیل پتھر ٹوٹ گیا، ایک عورت اور اس کے بچوں سے ہمیں کیا سروکار؟۔

اولون عقل مند اور بہادر تھی، جو کچھ اس سے ہوسکا، اس نے کیا کہ قبیلے کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے۔اس نے یاک کی نو دموں والا پرچم اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور چھوڑ کے جانے والوں کا تعاقب کر کے ان کی منت کی ،اور کچھ خاندان اپنے گلوں اور گاڑیوں سمیت واپس آئے۔

اب تموچن گھوڑے کی سفید کھال پر یا کا مغلوں کا خان ہو کے بیٹھا، لیکن اس کے جلو میں پٹھانوں کا صرف ایک بچا کھچا ٹکڑا تھا۔اور اسے اس کا یقینی طور پر اندیشہ تھا کہ مغلوں کے تمام پرانے دشمن یسوکائی کی موت سے فائدہ اٹھا کے اس کے بیٹے سے اپنا بدلہ چکائیں گے۔

دوسرا باب :::زندگی کی کشمکش

اس کے جد امجد قبل خان اور اس کے باپ یسوکائی کے زمانے میں یکا مغل شمالی گوبی میں ایک طرح سے سردار مانے جاتے تھے چونکہ وہ مغل تھے، اس لئے قدرتی طور پر جھیل بیکال سے لے کر مشرق میں موجودہ منچوریا کی سرحد پر پہاڑوں کے اس سلسلے تک جس کو آج کل خنگان کہتے ہیں، جتنی اچھی چراگاہیں تھیں سب پر انہوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔

یہ بڑی پسندیدہ چراگاہیں تھیں۔ یہ گوبی کے بڑھتے ہوئے ریگ زار کے شمال میں دو چھوٹی ندیوں کلوران اور اونان کی زرخیز وادیوں کے درمیان واقع تھیں پہاڑیاں برچ اور صنوبر کے درختوں سے لدی ہوئی تھیں، شکار کثرت سے تھا، پانی افراط سے ۔۔۔۔ کیونکہ برف دیر سے پگھلتی تھی ۔۔۔ یہ سب باتیں ان قبیلوں کو خوب معلوم تھیں، جو پہلے مغلوں کے زیر حکومت تھے اور اب تیرہ سالہ تموچن سے اس ملکیت کو چھیننے کی تیار کر رہے تھے۔

یہ ملکیت خانہ بدوشوں کے لئے بڑی قدر و قیمت کی تھی زرخیز چراگاہیں، جہاں جاڑوں میں سردی بہت زیادہ ناگوار نہ ہوتی تھی اور مویشیوں کے گلے، جن سے وہ روز مرہ کی زندگی کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ بالوں سے نمدا اور خیمہ باندھنے کی رسیاں بنتے تھے۔ ہڈیوں سے تیروں کی نوکیں بناتے تھے اور چمڑے سے گھوڑوں کی زین، کومیس کے تھیلے اور گھوڑے کا دیگر ساز و سامان تیار کرتے تھے۔

اس کا امکان تھا کہ تموچن بھاگ نکلتا۔ آنے والی ضرب سے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی اس کے محکوم متزلزل تھے اور مویشیوں کا خراج وہ اس لڑکے کو دینے کو ایسے زیادہ تھے اور اپنے گلوں کو بھیڑیوں اور ابتدائے بہار میں لازمی طور پر آنے والے چھوٹے موٹے حملہ آوروں سے بچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

لیکن وہ بھاگا نہیں تاریخ کہتی ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک اکیلا اپنے یورت میں رویا کیا پھر اس نے سرداری کا کام سنبھالا۔ اپنے بھائیوں، بہنوں اور دوسرے سوتیلے بھائی کی روزی کا انتظام کرتا رہا۔ یہ دوسرا سوتیلا بھائی جو بچ گیا تھا اس لڑکے کو بہت چاہتا تھا سب سے

پہلے اس کی ماں تھی جو اچھی طرح جانتی تھی کہ اس پہلوٹھی کے لڑکے پر مصیبت لازمی تھی۔

لازمی اس لئے تھی کہ ایک اور جنگجو نے جس کا نام ترغاتائی تھا اور جو خود بھی بورچیچن یا بھوری آنکھوں والوں کی نسل سے تھا، شمالی گوبی کا سردار ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ترغاتائی تایجوت کا سردار تھا جو مغلوں کے نسلی دشمن تھے۔

اور ترغاتائی۔۔۔۔۔۔ جو تموچن کے بہت سے قبیلے والوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔۔ اب اس پر مجبور تھا کہ وہ مغلوں کے کم سن خان کا پیچھا کرے اور اس کا خاتمہ کر دے جیسے بڑا بھیڑیا، بھیڑیئے کے ایسے کم سن بچے کو مار دیتا ہے جن سے ڈر ہو کہ یہ ایک دن بھیڑیوں کے گروہ کا سردار بننے کی کوشش کرے گا۔

بغیر اطلاع کے شکار شروع کیا گیا۔ گروہ در گروہ سوار مغلوں کے اردو، ان کے خیموں والے گاؤں پہنچے اور کچھ ذرا بچھڑ کے ادھر ادھر سے مویشیوں کو ہنکا لے گئے اور ترغاتائی نے اس خیمے کا رخ کیا، جس پر پرچم لہرا رہا تھا۔

ان جنگجوؤں کے آنے سے پہلے تموچن اپنے بھائیوں کے ساتھ بھاگ نکلا قسار نے جو بڑی قوت سے کمان کھینچ سکتا تھا، اپنے گھوڑے کو لگام دے کے دشمنوں پر کچھ تیر برسائے اولون کو زندہ رہنے دیا گیا۔۔۔۔۔ ترغاتائی کو تموچن کے علاوہ اور کسی کی تلاش نہ تھی۔

ایسے شکار شروع ہوا لڑکوں کے پیچھے پیچھے تایجوت لگے ہی ہوئے تھے شکاریوں نے کوئی خاص جلدی نہ کی راستہ تازہ اور صاف تھا اور یہ خانہ بدوش کئی کئی دن تک ایک ایک گھوڑے کا پیچھا کرنے کے عادی تھے اگر تموچن کو نئی سواری نہ مل سکی، تو یہ ضروری تھا کہ یہ اسے جا لیں۔

جبلی احساس کا تقاضا تھا کہ یہ لڑکے گھاٹیوں کا راستہ لیں، جہاں تناور درختوں کی آڑ میں وہ چھپ سکتے تھے کبھی کبھی وہ گھوڑوں سے اتر کر درختوں کو کاٹ کے راستے پر ڈال دیتے تاکہ تعاقب کرنے والوں کا راستہ روکیں جب شام ہوئی تو وہ علیحدہ ہو گئے بہنیں اور سب سے چھوٹے بھائی ایک غار میں چھپ گئے، قسار کسی طرف پلٹ گیا اور خود تموچن

ایک ایسے پہاڑ پر گھوڑا دوڑاتا ہوا چڑھ گیا، جہاں چھپنے کی جگہ ملنے کی امید تھی۔

یہاں وہ کئی دنوں تک پیچھا کرنے والوں سے چھپا رہا۔ یہاں تک کہ بھوک سے مجبور ہو کے کوشش کی کہ گھات لگائے ہوئے تائیجوت کے درمیان سے گھوڑا نکال لے جائے، لیکن وہ دیکھ لیا گیا، پکڑا گیا اور جب وہ ترغاتائی کے سامنے لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے کنگ پہنا دیا جائے۔ یہ کنگ ایک طرح کی چوبی ہتھکڑی تھی، جس سے شانے اور کلائیاں جکڑ دی جاتی تھیں جنگجو قبیلے والے پکڑے ہوئے مویشیوں کو ہنکاتے ہوئے اور تموچن کو اس طرح ہتھکڑی پہنائے ہوئے اپنی چراگاہوں کو واپس روانہ ہوئے تموچن اس طرح مجبور اور لاچار ان کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ ایک ایسا موقع آیا کہ جنگجو کسی دعوت میں گئے ہوئے تھے اور اس کی حفاظت کے لئے صرف ایک محافظ چھوڑ گئے تھے جب خیمہ پر اندھیرا چھا گیا تو نوجوان مغل نے قطعی ارادہ کر لیا کہ وہ اسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے گا۔

خیمے کی تاریکی میں اس نے اپنے کنگ کے سرے کو محافظ کے سر پر دے مارا، اور وہ بے ہوش ہو گیا، جب وہ دوڑ کے خیمہ سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ چاند نکل چکا ہے اور جس جنگل میں خیمہ گاہ تھی اس میں چاندنی چھن چھن کے آ رہی تھی۔ جھاڑیوں میں گھس کے وہ اس ندی کی سمت چلا جسے ایک دن پہلے سب نے غور کے اتھا اپنے پیچھے تعاقب کرنے والوں کا شور سن کے اس نے ندی میں چھلانگ ماری اور ایک کنارے کی گھاس میں ڈوب کے بیٹھ گیا ہصرف اس کا سر پانی سے اونچا تھا۔

یہاں بیٹھے بیٹھے اس نے تائیجوت کے سواروں کو دیکھا کہ وہ ندی کے کنارے کنارے اسے ڈھونڈ رہے ہیں اس نے دیکھا کہ ایک جنگجو نے اسے دیکھ لیا۔ ذرا ٹھٹکا، پھر اسے پکڑوائے بغیر آگے بڑھ گیا۔

اس کنگ میں جکڑا ہوا تموچن اب بھی اتنا ہی بے بس تھا، جیسے پہلے تھا اور اس نے اب جو کچھ کیا ادراک اور ہمت کی دونوں کی وجہ سے کیا وہ ندی چھوڑ کے ان سواروں کے پیچھے

خیمہ گاہ میں داخل ہوا اور رینگتا ہوا اس جنگجو کے یورچ کے اندر پہنچا، جس نے اسے ندی کی گھاس میں دیکھ لیا تھا لیکن اسے نہیں پکڑوا لیا تھا۔۔۔۔۔ یہ ایک اجنبی تھا جو اتفاق سے عارضی طور پر اس دوسرے قبیلے کے شکاریوں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔

اس لڑکے کو اس طرح بھیگا ہوا اور اس طرح نمودار ہوتے دیکھ کے یہ آدمی تموچن سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گیا، مگر قیدی پر اسے رحم آیا اور اس نے سوچا کہ اس کے لئے اچھا یہی ہو گا کہ کسی نہ کسی طرح اس نوجوان سے نجات پائے اس لئے اس نے کنگ کو کاٹ کے اس کے ٹکڑوں کو جلا دیا اور اس دوران میں تموچن کو اون سے لدی ہوئی ایک گاڑی کے اندر چھپا دیا۔

اس کھلے کھلے اون کے اندر بڑی گرمی تھی۔۔۔۔۔ یہ کوئی آرام کی جگہ نہ تھی خاص طور پر اس لئے کہ جب تاسیجوت جنگجو خیمہ کی تلاشی لینے آئے تو انہوں نے اپنے نیزے گاڑی کے اندر بھی چبھوئے اور ایک نیزے کی انی سے تموچن کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔

''میرے گھر کی آگ بجھ جاتی اور دھواں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا، اگر وہ لوگ تجھے یہاں ڈھونڈ پاتے'' اس آدمی نے تلخی سے اس بھاگے ہوئے پناہ گزین سے کہا، مگر ساتھ ہی ساتھ اسے کھانا اور دودھ بھی دیا اور ایک کمان اور دو تیر دیئے اور کہا ''اب اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کے پاس جا۔''

مانگے کے گھوڑے پر سوار جب تموچن اپنی زمینوں پر پہنچا تو اس نے وہی حالت پائی جس کا نقشہ اجنبی نے کھینچا تھا۔۔۔۔۔ جہاں اس کی خیمہ گاہ تھی، وہاں اب صرف راکھ تھی اس کے مویشی جا چکے تھے، اس کی ماں اور اس کے بھائی غائب تھے اس نے بہر حال ان کا پتا لگا لیا اور دیکھا کہ بھوکا خاندان کس حال میں روپوش ہے۔۔۔۔۔ سخت گیر اولون، کزیل قسار اور ملکوتی اس کا سوتیلا بھائی جو اس کی پرستش کرتا تھا۔

کسی نہ کسی طرح وہ زندہ رہے۔ راتوں کو اپنے ایک ہمدرد کی خیمہ گاہ کی جانب سفر کرتے ان کے پاس صرف آٹھ گھوڑوں کی ایک قطار تھی گلہریوں جیسے پوچ شکار کو پکڑتے

رہے اور بجائے بکری کے گوشت کے مچھلیوں پر گذر کرتے رہے۔ تموچن نے یہ سیکھا کہ دشمن کی گھات سے کس طرح بچتے ہیں اور کس طرح اپنے تعاقب کرنے والے دشمن کی صف کو چیرتے ہوئے اس پار نکل سکتے ہیں شکار کی طرح اس کا تعاقب کیا جا رہا تھا اور جیسے جیسے دن گذرتے گئے، اس کی چالاکی بڑھتی گئی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھر کبھی پکڑا نہیں گیا۔

اب بھی اگر وہ چاہتا تو اپنے آبا ؤ اجداد کی چراگاہوں کو چھوڑ کے بھاگ سکتا تھا لیکن نو عمر خان کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ اپنی میراث دشمنوں کے حوالے کر دے۔ وہ اپنے قبیلے کی بکھری ہوئی آبادیوں میں گیا اور سنجیدگی سے اس نے چار جانور بطور خراج مانگے ۔۔۔۔ ایک اونٹ، ایک بیل، ایک گھوڑا اور ایک بھیڑ ۔۔۔۔۔۔ اپنی ماں کی آسائش کے لئے۔

یہ غور کے قابل بات ہے کہ دو چیزوں سے اس نے اجتناب کیا بھوری آنکھوں والی بورتہ اب بھی اس کے آنے کا انتظار کر رہی ہے کہ وہ اسے بیاہ کے اپنے خیمے میں لے آئے اور بورتہ کا باپ ایک بڑے طاقت ور قبیلے کا سردار اور کئی نیزہ برداروں کا آقا تھا مگر تموچن ان کے پاس نہ گیا۔

اور نہ اس نے ترک قوم قرایت کے ''کفیل'' سردار بوڑھے طغرل سے مدد مانگی جو بڑا ذی اثر تھا اور جس نے یسوکائی کے ساتھ رفاقت کی سوگند کھا کے جام پیا تھا۔ اس سوگند کے پیمان سے یسوکائی کے بیٹے کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ اس کے پاس ضرورت کے وقت جا کے منہ بولے باپ کی حیثیت سے اس سے مدد کرنے کو کہے یہ شاید ایسا مشکل کام نہ تھا میدانوں سے ہوتے ہوئے قرایت تک پہنچنا جو فصیل والے شہروں میں رہتے تھے جن کے پاس سچ مچ کے خزانوں میں جواہر، ملبوسات، اچھے ہتھیار اور طلائی اطلس کے خیمے تھے یہ قرابت ایشیا کے اس پریسٹر جان کی رعایا تھے۔

تموچن نے اپنے آپ سے جرح کی ''خالی ہاتھ بھک منگوں کی طرح جانے سے اس کی رفاقت تو خاک میسر آئے گی، حقارت البتہ ملے گی''

اور وہ اپنے اس ارادے پر جما رہا۔ یہ جھوٹا غرور نہ تھا بلکہ ایک پکا منگول کی سیدھی سادی منطق تھی۔ پریسٹر جان اس کو مدد دینے کا پابند تھا۔۔۔۔۔۔ ایشیائے عظیم میں رفاقت کی سوگند کی بادشاہ کے وعدے سے زیادہ قدر و قیمت تھی۔۔۔۔۔ لیکن وہ ان شہروں اور عجائبات کے مالک سے اس وقت تک کام نہ لے گا جب تک کہ وہ اس قابل نہ ہو کہ وہ اس کے سامنے بطور ایک حلیف کے پہنچ سکے، بھاگے ہوئے پناہ گزین کی طرح نہیں۔

اس دوران میں اس کے گھوڑے چوری ہو گئے۔

ان آٹھ گھوڑوں والا واقعہ اس لائق ہے کہ تاریخ سے اسے ہو بہو نقل کیا جائے چوری لٹیرے تاسیجوت کے لوگوں نے کی تھی نویں رہوار پر ملکوتی باہر گیا ہوا تھا۔ یہ وہی سرخ گھوڑی تھی جس پر سوار ہو کے تموچن ترغاتائی کے چنگل سے نکل بھاگا تھا۔ ملکوتی گلہریاں پکڑنے گیا تھا اور جب وہ آیا تو نوجوان خان اس کے پاس گیا۔

''گھوڑے چوری ہو گئے۔''

یہ فکر کی بات تھی ایک کے سوا باقی سب بھائی اب پیادہ ہو گئے تھے اور اگر کوئی حملہ آور آ نکلے تو محض اس کے رحم و کرم پر تھے۔

ملکوتی نے کہا ''لٹیروں کا تعاقب میں کروں گا''

قسار نے کہا ''تو انہیں تعاقب کر کے نہ پا سکے گا میں جاؤں گا''

تموچن نے کہا ''تم لوگ انہیں نہ پا سکو گے اور اگر پا سکے تو واپس نہ لا سکو گے میں جاتا ہوں۔''

اور وہی اس تھکی ہوئی سرخ گھوڑی پر روانہ ہوا اور سواروں اور آٹھ گھوڑوں کے پاؤں کے نشانوں سے کھوج لگاتا ہوا تین روز تک تعاقب کرتا رہا وہ اپنے ساتھ کچھ سوکھا ہوا گوشت لے گیا تھا، جو زین اور گھوڑے کی پیٹھ کے درمیان رکھا تھا تاکہ نرم اور گرم رہے یہ گوشت تو کب کا ختم ہو چکا تھا مگر اس سے بڑھ کے مصیبت یہ تھی کہ یہ گھوڑی بار بار پچھڑ

جاتی تاسیجوت جو ایک گھوڑے کے بعد دوسرا تازہ دم گھوڑا بدل سکتے تھے اس کی نظروں کے پار ہی رہے۔

چوتھی صبح کو اس نوجوان مغل کو اپنا ایک ہم عمر جنگجو ملا جو پگڈنڈی کے کنارے ایک گھوڑی کا دودھ دوہ رہا تھا۔

لگام کھینچ کے تموچن نے پوچھا "تو نے کچھ لوگوں کو آٹھ گھوڑوں کو بھگا کے لئے جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟"

"ہاں پچھلے پہر آٹھ گھوڑے میرے قریب سے ہو کے نکلے تھے میں تجھے وہ راستہ دکھا دوں گا، جدھر وہ گئے ہیں"

مغل کی طرف دوبارہ دیکھ کر اجنبی نوجوان نے اپنا چمڑے کا کیسہ باندھ کے لمبے لمبی گھاس میں چھپا دیا اور کہا "تو تھکا ہوا اور پریشان معلوم ہوتا ہے، میرا نام بغورچی ہے اور میں تیرے ساتھ گھوڑوں کے تعاقب میں چلوں گا۔"

تھکی ہوئی سرخ گھوڑی چرنے کے لئے چھوڑ دی گئی اور بغورچی جن گھوڑوں کو چرا رہا تھا ان میں سے ایک سفید گھوڑے پر رسی ڈال کے اس نے زین کسی اور اسے تموچن کے حوالے کیا انہوں نے پھر سے پگڈنڈی کی راہ لی اور تین دن بعد انہیں تاسیجوت کی خیمہ گاہ نظر آئی جس کے قریب ہی چرائے ہوئے گھوڑے چر رہے تھے۔

دونوں نوجوان ان گھوڑوں کو ہنکا لائے اور فوراً ہی جنگجوؤں نے ان کا تعاقب کیا اور ان میں سے ایک جو سفید گھوڑے پر سوار تھا اور جس کے ہاتھ میں کمند تھی، ان کے قریب آ پہنچا۔

بغورچی نے تموچن سے کمان مانگی اور کہا کہ میں پیچھے کے تعاقب کرنے والوں کا مقابلہ کروں گا، لیکن تموچن نے اس کی یہ پیش کش نہ مانی شام تک وہ گھوڑوں کو دوڑاتے رہے اب سفید گھوڑے والا جنگجو اس قدر قریب آ گیا تھا کہ کمند پھینک سکتا تھا۔

نوجوان مغل نے اپنے نئے ساتھی سے کہا "یہ لوگ تجھے زخمی کر دیں گے، میں کمان

کھینچتا ہوں۔"

پیچھے ہو کے اس نے زہ پر تیر چڑھایا اور اسے تاسیوت پر چھوڑا وہ زین سے گرا دوسرے جب اس کے برابر آئے تو انہوں نے لگام کھینچ لی رات بھر دونوں نوجوان سفر کرتے رہے اور حفاظت سے گھوڑوں سمیت بغورچی کے باپ کی خیمہ گاہ میں آپہنچے، جسے انہوں نے پورا واقعہ سنایا بغورچی جلدی سے دودھ کا تھیلا ڈھونڈ لایا، تا کہ اس کے باپ کا غصہ ٹھنڈا ہو۔اس نے بیان کیا کہ "جب میں نے اسے تھکا ماندہ اور پریشان دیکھا تو میں اس کے ساتھ ہولیا۔"

اس کا باپ جو ایک بڑے گلے کا مالک تھا، کسی قدر اطمینان سے یہ سب سنتا رہا۔۔۔۔ کیونکہ تموچن کے کارنامے میدانوں میں ایک خیمے سے دوسرے خیمے تک مشہور ہو چکے تھے اس نے کہا "تم دونوں نوجوان ہو تم دونوں ایک دوسرے کے وفادار دوست ہو۔"

انہوں نے نوجوان خان کو کھانا دیا ایک تھیلا دودھ سے بھر دیا۔ اور اسے رخصت کیا، اور کچھ ہی عرصے کے بعد بغورچی بھی اس کے پاس آ گیا کیونکہ بغورچی نے اسے اپنا سردار بنالیا تھا اور اپنے ساتھ اس کے خاندان کے لئے سیاہ سمور کا تحفہ لایا۔

تموچن نے اسے مرحبا کہا "تیرے بغیر گھوڑوں کو پا اور لا نہ سکتا اس لئے ان آٹھ گھوڑوں میں سے آدھے تیرے ہیں"

بغورچی نہ مانا۔۔۔۔۔"اگر میں تجھ سے تیری چیز لے لوں تو میں تیرا رفیق کیسے ٹھہرا؟"

نہ تموچن کنجوس تھا نہ اس کے بہادر نوجوان ساتھی فیاضی ان کی فطرت کی گہرائیوں میں سرایت کئے ہوئے تھی جس کسی نے تموچن کی کوئی خدمت کی، وہ اسے کبھی بھلا نہ سکتا تھا۔ رہ گئے وہ جو اس سے لڑ رہے تھے۔۔۔۔تو صورت حال یہ تھی کہ اس کے اپنے چھوٹے سے گروہ کے علاوہ اور ہر کسی سے دشمنی کی توقع تھی۔

اس نے اپنے رفیقوں کو یقین دلایا "جیسے سوداگر کو اپنے سامان سے نفع کا یقین ہوتا

ہے، اسی طرح مغل کو اس کا یقین ہے کہ اس کی تقدیر اس کی شجاعت سے بنے گی۔‘‘

اس میں وہ تمام خوبیاں اور سفاکیاں تھیں جو غریبوں کی خانہ بدوش نسل میں بھی پائی جاتی ہیں جو کمزور تھا وہ اس کے لئے بیکار تھا اور اپنے قبیلے سے باہر اسے اور کسی پر اعتبار نہ تھا اس نے سیکھ لیا تھا کہ چالاکی کے ذریعہ سے کس طرح دشمنوں کی دغا سے بچا جا سکتا ہے لیکن جب وہ اپنے آدمیوں میں سے کسی سے کوئی وعدہ کرتا تو وہ اپنی زبان کا پکا تھا، اور اپنا وعدہ پورا کر کے رہتا۔

کئی سال بعد وہ کہا کرتا ’’وعدہ خلافی حاکم کے لئے بڑی بدنما بات ہے‘‘

اب اس کے قبیلے کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی، کیونکہ بہت سے جنگجو جو اس کے باپ کے ساتھ تھے اب اس کی سرداری میں واپس آ رہے تھے، لیکن اپنے قبیلے میں بھی اس کی سرداری کا انحصار بس اسی امر پر تھا کہ اس نے دشمنوں سے بچنے اور کسی نہ کسی طرح اپنے ماتحت ساتھیوں کی چراگاہوں کو ان کے قبضے میں رکھنے کا گر اور ہنر سیکھ لیا تھا قبیلے کے رواج کے مطابق ان کے گلے اور ان کے ہتھیار خان کی نہیں بلکہ ان کی اپنی ملکیت تھے یسوکائی کا بیٹا ان کی اطاعت اور وفاداری کا اسی وقت تک حق دار تھا جب تک وہ ان کی حفاظت کر سکتا۔ پرانی رسم ۔۔۔ جو قبیلوں میں قانون کی مترادف ہے ۔۔۔۔۔ اس کی اجازت دیتی تھی کہ اگر تموچن خانہ بدوش سرزمینوں کی مسلسل اور سفاک لڑائیوں میں ان کی حفاظت نہ کر سکے تو وہ اور کسی کو اپنا سردار مقرر کر لیں۔ چالاکی نے تموچن کو زندہ رکھا۔ بڑھتی ہوئی فراست نے اس کے اطراف قبیلے کا مرکز قائم رکھا۔ وہ جسمانی قوت، شجاعت اور چوکسی کا مالک تھا۔ جو سردار گلوران اور اونان کے درمیانی زرخیز علاقے پر دھاوے کرتے رہتے، اسے کبھی کبھی پہاڑیوں سے نچلے میدانوں میں بھگا دیتے، مگر اسے دبوچ نہ پاتے۔

کہا جاتا تھا کہ ’’تموچن اور اس کے بھائیوں کی قوت بڑھتی جا رہی ہے‘‘

صرف تموچن میں ایک متعین مقصد کا لافانی شعلہ بھڑک رہا تھا یہ کہ وہ اپنی میراث کا

مالک بن کے رہے گا اس زمانے میں جب کہ اس کی عمر سترہ سال کی تھی وہ بورتانی کو لینے گیا تا کہ بیاہ کے وہ اسے اپنی پہلی بیوی بنا کے لائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا باب :: چھکڑوں والی لڑائی

قدیم چینی ان شمالی وحشیوں کو تیر کمان والے لوگ، لمبے دنوں اور اونچے سفید پہاڑوں کے رہنے والے لوگ کہا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں ہنسنے بولنے، قہقہے لگانے کی بڑی عادت تھی۔ زندگی ان کے لئے ان تھک محنت تھی اور عناصر ان کے دشمن تھے ان کی زندگی مسلسل مصیبت جھیلتے جھیلتے گذرتی تھی، اسی لئے تکلیفوں میں ذرا بھی کمی ہوتی تو یہ ہنس بول لیتے تموچن اور اس کے مغلوں کا تصور ہی یوں ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہنس مکھ ہنسی مذاق کرنے والے لوگ تھے اور ان کا مذاق کبھی کبھی ایسا ہی سخت ہوتا تھا جیسی ان کی سفاکی ان کی ضیافتیں بڑی پرخوری کی محفلیں ہوتی تھیں۔

تقریبوں کا۔۔۔ جن کو وہ اخودور کہتے تھے۔۔۔ بہت کم موقع آتا بس شادی بیاہ کی تقریبیں ہوتیں یا میت کے سوگ کی رسمیں تموچن جب بورتائی کے باپ کے خیموں والے گاؤں میں پہنچا، تب آپس کی بھیڑیا چال دشمنی کے دوران میں اس تقریب سے کچھ خوشگوار فضا پیدا ہوئی۔ دفعتہً کئی سو نوجوان سوار نمودار ہوئے پوری طرح مسلح، بھیڑ کی کھالوں کے لبادوں میں ملبوس، و باغت کئے ہوئے چمڑے کے شلوکے پہنے، اور سینوں پر بھیانک نقش و نگار والے چرمی سینہ پوش پہنے، اونچی زینوں کے دمچیوں پر پانی کی مشکیں، کاندھوں پر نیزے لٹکائے۔۔۔ چہروں کی ہڈیاں نکلی ہوئی اور ان چہروں پر سردی اور ہوا کی کاٹ سے بچنے کے لئے چربی کی تہیں ملی ہوئی اور اس چربی پر گرد اور خاک اٹی ہوئی۔

ہورتائی کے باپ نے نوجوان خان سے کہا "جب میں نے سنا کہ تجھ سے لوگوں کو کتنی سخت دشمنی ہے، تو ہمیں اس کی امید نہ رہی تھی کہ تجھے یوں زندہ دیکھیں گے۔"

قہقہہ اور بے تحاشا ہنسی مذاق کا بے نظر منظر نوکر ادھر سے ادھر دوڑتے ہوئے کہ بھیڑوں اور موٹے موٹے دنبوں کو کاٹیں اور گوشت کے تکے تکے کریں اور اسے پکانے کا بندوبست کریں مغل جنگجو جو یورت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے اسلحہ دروازے پر

چھوڑ آئے تھے، خیموں کے بزرگوں کے دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے ہوئے پینے اور تالیاں بجانے میں مصروف۔ ہر دور سے پہلے نوکر جلدی سے تھوڑی سی شراب انڈیل کے چاروں سمتوں میں، چاروں طرف کی ہواؤں کے لئے بکھیر دیتے اور یکتاروں پر ہلکی سی چوٹ پڑتی۔

اپنے ساتھیوں کے کان کھینچتے ہوئے گویا اس لئے کہ حلق چوڑے ہو جائیں اور ابلا ہوا جھاگ جھاگ دودھ اور چاولوں کی شراب اور آسانی سے اترے، اور بے ڈھنگے پن سے ہرنوں کے چمڑے کے جوتے پہنے ہوئے ناچتے ہوئے میدانی سواروں کا منظر۔

تیسرے دن یورتائی موقع کے لحاظ سے خاموش سردار کے خیمے میں بائیں جانب بیٹھی تھی وہ سفید سمور کا لمبا سا لبادہ پہنے تھی اس کے سر پر صنوبر کی چھال کی مخروطی سی کلاہ تھی جس پر قیمتی ریشم منڈھا ہوا تھا اور جسے وہ دونوں کانوں پر گندھی ہوئی چوٹیوں کے جوڑوں کے سہارے اوڑھے ہوئے تھی اور وہ اس وقت تک خاموش بیٹھی تھی جب تک کہ رخصتی کا وقت آئے اور پھر وہ خیمہ خیمہ چھپتی پھرے اور تموچن رسم کے مطابق اس کا پیچھا کرے رسم کے مطابق اس کی بہنوں اور خادماؤں سے لڑے اور بالآخر گھوڑے پر بٹھا کے اڑا لے جائے۔

یہ اس چھوٹی سی ناک والی حسینہ کی مختصر سی اخودور (تقریب) تھی جو تموچن کے ایک ٹٹو پر بیٹھ کے اپنے خیموں والے گاؤں سے رخصت ہوئی چار سال سے وہ اس کی آمد آمد کا انتظار کر رہی تھی اور اب اس کی عمر تیرہ سال کی تھی۔

وہ یوں سواری کر رہی تھی کہ اس کی کمر اور اس کے سینے پر نیلے پٹکے بندھے ہوئے تھے اس کے نوکر اپنے ساتھ ایک سموری لبادہ لئے جا رہے تھے جو تموچن کی ماں کو تحفے کے طور پر پیش کیا جانے والا تھا اب وہ خان کی بیوی تھی یورت کی نگرانی اس کا منصب تھا اس کا کام تھا کہ ضرورت پڑے تو جانوروں کا دودھ دہے جب مرد لڑنے کے لئے چلے جائیں تو ریوڑوں کی چوپانی کرے، خیموں کے لئے نمدا تیار کرے، ریشوں کی تانت سے کپڑے بنے، اور مردوں کے لئے چپلیں اور موزے تیار کرے۔

یہ سب اس کے فرائض تھے اور بے شک تقدیر نے اسے ایسے مرتبے کے لئے چنا تھا جو اور سب عورتوں سے بہت بلند تھا تاریخ اسے یورتائی فوجین کے نام سے جانتی ہے جو شہنشاہ کی بیگم اور ان تین بیٹوں کی ماں بنی، جنہوں نے بعد کے زمانے میں رومۃ الکبریٰ سے بڑی سلطنت کے رقبے پر حکومت کی۔

سموری لبادے کی بھی اپنی الگ تقدیر تھی تموچن نے اب یہ مناسب سمجھا کہ قرایت کے سردار طغرل کے پاس جائے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے نوجوان بہادروں اور تحفہ دینے کے لئے سموری لبادے کو لیتا گیا۔

طغرل خاں صاحب کردار اور صلح پسند آدمی تھا وہ خود تو عیسائی نہ تھا لیکن اس کے قبیلے والے زیادہ تر نسطوری مسیحیوں پر مشتمل تھے، جنہوں نے سینٹ اینڈرو اور سینٹ ٹامس کے اولین حواریوں سے مذہبی تعلیم پائی تھی۔ وہ ان دریائی زمینوں کے مالک تھے جہاں اب شہر ارجہ آباد ہے چونکہ نسلاً وہ زیادہ تر ترک تھے، اس لئے مغلوں کے مقابلے میں وہ تجارت اور تاجرانہ آرام و آسائش کے سامان کے زیادہ دلدادہ تھے۔

جب تموچن اپنے اس منہ بولے باپ کے دربار میں پہلی بار گیا تو اس نے طاقتور قیرات کی مدد نہ مانگی بلکہ طغرل نے اس کی روانگی سے پہلے اسے یاد دلایا کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں مدد کا پیمان ہے۔

لیکن جلد ہی تموچن کو بوڑھے خان سے دوستانہ مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ گوبی کے جھگڑے پھر سے بھڑک اٹھے خلاف توقع شمالی میدانوں سے ایک طاقتور قبیلے نے حملہ کیا اور مغل جرگے پر یورش کی یہ لوگ مرکیت یا مکریت کہلاتے تھے یہ کھرے وحشی تھے جو ٹنڈرا کے علاقوں کے قدیم باشندوں کی نسل سے تھے یہ یخ بستہ سفید دنیا کے لوگ تھے، جہاں آدمی بے پہیوں کی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں، جن میں کتے اور رین ڈیر جتے ہوتے ہیں۔

ہر لحاظ سے یہ بڑے کڑے جنگجو تھے، اور یہ اس جنگجو کے رشتہ دار تھے جس کے پاس

سے اٹھارہ سال پہلے تموچن کا باپ اولون کو اڑا لے گیا تھا قیاس یہ ہے کہ وہ اس پرانی رنجش کو نہ بھولے تھے وہ رات کو تموچن کے اردو میں بھڑکتی ہوئی مشعلیں پھینکتے ہوئے در آئے۔

تموچن کو اس کا موقع مل گیا کہ گھوڑے پر چڑھ کر تیر چلاتا ہوا حفاظت سے باہر نکل آئے، لیکن بورتائی حملہ آوروں کے چنگل میں پھنس گئی قبائلی انصاف کے مطابق انہوں نے اس کو ایک ایسے شخص کے حوالے کیا جو اس شخص کا عزیز تھا، جس کے پاس سے اولون اغوا کی گئی تھی۔

اس شمالی جنگجو کو مغل کی دلہن کے ساتھ زیادہ دن مزے اڑانے کا موقع نہ ملا۔ تموچن جس کے پاس اتنے آدمی نہ تھے کہ مکریت پر حملہ آور ہو سکے، اپنے منہ بولے باپ طغرل کے پس گیا اور قوم قرایت کی مدد مانگی اس کی درخواست فوراً منظور کر لی گئی اور ایک چاندنی رات کو مغلوں اور قرایت نے مل کے حملہ آوروں کے گاؤں پر یورش کی۔

داستان میں یہ منظر خوب بیان کیا گیا ہے تموچن درہم برہم خیموں کے درمیان سواری کر رہا تھا اور اپنی گم شدہ دلہن کو پکارتا جاتا تھا بورتائی اس کی آواز سن کے دوڑی ہوئی آئی اور اس کی لگام پکڑ لی اور اس نے اسے پہچان لیا۔

''میں جسے ڈھونڈ رہا تھا وہ مجھے مل گئی'' نوجوان مغل نے چلا کے اپنے رفیقوں سے کہا اور اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔

اسے کبھی پوری طرح یقین نہیں ہوا کہ بورتائی کا پہلوٹی کا لڑکا اس کے اپنے نطفے سے ہے یا نہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بورتائی کو ہمیشہ بہت چاہتا رہا اور اس کے بیٹوں کے درمیان اس نے کبھی کوئی فرق نہ کیا۔ اس کے اور بھی بچے تھے، لیکن یہ لڑکے اس کے چہیتے رفیق تھے دوسری بیویاں اور ان کے بچے داستان میں مبہم ناموں سے بڑھ کے نہیں۔

ایک مرتبہ سے زیادہ ایسا ہوا کہ جب تموچن کی جان کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو

بورتائی نے اپنی جبلت سے پتا چلالیا صبح کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس کے بستر کے کنارے دو زانو ہو کے رو رہی ہے۔

''اگر تیرے دشمن تیرے بہادروں کو جو دیواروں کی طرح سر بلند ہیں ہلاک کر ڈالیں گے تو تیرے چھوٹے چھوٹے کمزور بچوں کا کیا حشر ہو گا؟''

صحرائی قبیلوں کی ان باہمی لڑائیوں میں کبھی امن کی نوبت نہ آتی ابھی تک ان تمام خانہ بدوشوں میں جو دیوار چین کے اس پار ویران سر زمینوں میں گھوما کرتے تھے مغل ہی سب سے زیادہ کمزور تھے طغرل کی سر پرستی سے کچھ سال وہ قبیلوں کے مغربی حملے سے محفوظ رہا، لیکن مشرق سے تائیجوت اور بوپر جھیل کے تاتاری 1 پرانی دشمنی اور کینہ توزی کے ساتھ اسے پریشان کرتے رہتے تھے صرف لا انتہا جسمانی قوت، اور ایک بھیڑیئے کی سی جبلت جس سے فوراً خطرے کا احساس ہو جائے، خان کی جان بچاتی رہی۔

ایک مرتبہ وہ مردہ سمجھ کے برف پر چھوڑ دیا گیا اس کے حلق میں ایک تیر پیوست تھا۔ دو رفیقوں نے اسے وہاں پڑا دیکھ کے اس کے زخم سے خون چوسا اور ایک پیالے میں برف پگھلا کے اس کے زخموں کو پونچھا۔ ان جنگجوؤں کی جاں نثاری محض زبانی جمع خرچ نہیں تھی ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا ہوا تھا، انہوں نے دشمنوں کے خیمے سے اس کے لئے غذا چرائی اور پھر جب میدان میں برف و باد کا سخت طوفان آیا تو اس پر ایک چربی لبادے کا سایہ کئے رہے جس کی پناہ میں وہ سوتا رہا۔

ایک ایسے خان کے یورت میں جس کو وہ دوست سمجھتا تھا ایک دعوت ہوئی اور اسے پتا چلا کہ ایک بظاہر سیدھے صاف قالین کے نیچے جس پر بیٹھنے کے لئے اس سے کہا گیا ہے، ایک خندق کھدی ہوئی ہے جلد ہی تموچن کو ایسی ہی آفت سے اپنے پورے قبیلے کو بچانا پڑا۔

مغل جن کی جملہ تعداد اب تیرہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی، گرما کی چراگاہوں سے سرما کی چراگاہوں کی طرف سفر کر رہے تھے وہ ایک لمبی سی وادی میں پھیلے ہوئے تھے ان کے ''

کبت کے'' یا ایسے چھکڑے جن پر خیمے نصب تھے، آہستہ رو ریوڑوں کے درمیان کھڑکھڑاتے ہوئے چلے آرہے تھے کہ خان کو اطلاع ملی کہ افق پر دشمنوں کا لشکر نظر آیا ہے اور تیزی سے اس پر جھپٹ رہا ہے۔

یورپ کے کسی شہزادے پر کبھی ایسا وقت نہیں آیا۔

یہ دشمن تیس ہزار تاسیجوت نکلے جو برغاتائی کی سرداری میں یورش کر رہے تھے بھاگنے کے معنی یہ تھے کہ عورتوں اور مویشیوں اور قبیلے کی ساری ملکیت سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ لڑنے والے دستوں کو یکجا کر کے آگے بڑھ کے تاسیجوت کا مقابلہ کرنے میں یہ بات یقینی تھی کہ تاسیجوت چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے وہ چاروں طرف سے اس کے آدمیوں کو گھیر کے کاٹ ڈالتے یا منتشر کر دیتے۔

یہ خانہ بدوشی کی زندگی کا ایسا نازک لمحہ تھا کہ قبیلے کے نیست و نابود ہو جانے کا ڈر تھا اس وقت خان کے فوری فیصلے اور فوری عمل کی ضرورت تھی۔

فوراً اور اپنے مخصوص انداز میں تموچن نے اس نازک صورت حال کا مقابلہ کیا۔ اب اس کے تمام جنگجو اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کے مختلف جھنڈوں تلے جمع ہو چکے تھے اس نے دستوں کی ایک صف بنائی جس کا ایک پہلو ایک جنگل کی وجہ سے محفوظ تھا۔ دوسرے پہلو پر اس نے کبت کوں (چھکڑوں) کا ایک بڑا سا چوکور حلقہ بنایا یہ حلقہ اندر سے خالی تھا اس میں اس نے تمام مویشیوں کو ہنکا دیا اور چھکڑوں میں اس نے جلدی سے تمام عورتوں اور لڑکوں کو اکٹھا کر دیا۔ لڑکے تیر کمان سے مسلح تھے۔

اب وہ ان تیس ہزار کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا جو وادی کو طے کرتے ہوئے چلے آرہے تھے وہ پوری طرح آراستہ تھے اور پانچ پانچ سو کے دستوں میں تقسیم تھے ان دستوں میں ایک ایک صف میں سو سو آدمی تھے اور اس طرح گہرائی میں پانچ پانچ صفیں تھیں۔

پہلی دو قطاریں مسلح تھیں لوہے کی وزنی کانٹے دار جڑی ہوئی زرہیں، لوہے یا سخت

منقش چمڑے کے خود جن پر گھوڑے کے بالوں کے طرے لگے ہوئے تھے گھوڑے بھی ساز پوش تھے ان کی گردنوں، سینوں اور بازوؤں پر چمڑا منڈھا ہوا تھا۔ ان کے سوار چھوٹی چھوٹی گول گول ڈھالیں، اور نیزے لئے ہوئے تھے نیزوں کی انی سے ذرا نیچے گھوڑے کے بالوں کے لچھے تھے۔

لیکن مسلح سواروں کی یہ صفیں ٹھہر گئیں اور ان کے درمیان سے نکل کے بالکل پیچھے کی صفیں آگے بڑھیں ان میں جو سوار تھے وہ صرف وباغت کیا ہوا چمڑا پہنے ہوئے تھے اور برچھیوں اور کمانوں سے مسلح تھے تیز رفتار گھوڑوں پر انہوں نے مغلوں کے سامنے اپنے ہتھیار چلاتے ہوئے ایک چکر کاٹا اور مسلح زرہ پوش سوار فوج کے لئے پردے کا کام کیا۔

تموچن کے آدمیوں نے جو اسی طرح مسلح اور آراستہ تھے اس حملہ کا تیروں کی بوچھار سے جواب دیا، یہ تیر طاقتور کمانوں سے نکلتے تھے، جنہیں پٹوں کے ذریعے مضبوط بنایا گیا تھا۔

یہ ابتدائی جھڑپ ختم ہوئی اور تاسیوت ہلکی سوار فوج چکر کاٹ کے اپنی پرانی جگہ مسلح زرہ پوش صفوں کے پیچھے پہنچ گئی پھر جمے ہوئے دستوں نے سرپٹ گھوڑے دوڑا کے پیش قدمی کی۔

تب تموچن نے اپنے مغلوں کو ان کے مقابلے کے لئے بڑھایا، لیکن اس نے اپنے قبیلوں کو ایک ہزار کے دہرے دستے میں تقسیم کیا تھا اور دستے میں دس صفیں تھیں اگرچہ اس کے پاس کل تیرہ دستے تھے اور تاسیوت کے ساٹھ دستے تھے لیکن اس تنگ سے محاذ پر اس کے گہرے فوجی حجم کی وجہ سے تاسیوت کی پیش قدمی رک گئی اور ان کے آگے آگے کے دستے منتشر ہوگئے۔

اب تموچن کو موقع ملا اور وہ اپنے مسلح دستوں کو دشمن کے ہلکے دستوں کے مقابلے جھونک سکا۔ مغل اپنے تویاکوں کے دموں والے جھنڈے کے پیچھے پیچھے آگے بڑھے پھیلتے ہوئے اور چکر کاٹتے ہوئے اور دونوں جانب تیر برساتےہوئے۔

اس کے بعد صحرا کا سخت معرکہ شروع ہوا۔ سوار جتھے، غیظ و غضب سے چیختے ہوئے تیروں کی بارش میں سمٹتے ہوئے چھوٹی چھوٹی تلواریں چلاتے ہوئے، کمندوں اور نیزوں کے کانٹوں سے اپنے دشمنوں کو زین سے نیچے کھینچتے ہوئے ہر دستہ کا اپنا سردار تھا وادی میں اس سرے سے اس سرے تک لڑائی ہوتی رہی اور جنگجو حملے کے بعد منتشر ہوتے پھر سے جمع ہوتے اور پھر حملہ کرتے۔

یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا، جب تک آسمان سے دن کی روشنی رخصت نہ ہوئی تموچن نے مکمل فتح پائی پانچ چھ ہزار دشمن کھیت رہا اس کے سامنے دشمن کے ستر سوار لائے گئے جن کی گردنوں سے تلواریں اور ترکش لٹک رہے تھے، بعض رائتیں یہ کہتی ہیں کہ مغل خان نے ان ستر سرداروں کو اسی جگہ کڑاہیوں میں زندہ ابلوا دیا، لیکن یہ ظلم کی کہانی قرین قیاس نہیں، نوجوان خان کے دل میں رحم تو خیر بالکل نہ تھا، لیکن وہ مضبوط جسم والے قیدیوں سے کام لینا خوب جانتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

چوتھا باب :: تموچن کے جنگجو

منگولوں کے سرخ بالوں والے خان نے پہلے گھمسان کے رن میں لڑ کر فتح حاصل کی۔ اب وہ بڑے فخر سے ہاتھی دانت یا سینگ سے مرصع جریب اپنے ہاتھ میں لئے رہتا۔ اس جریب کی شکل ایک چھوٹے سے عصا کی تھی، یہ سپہ سالار یعنی لوگوں کے سردار کا نشان تھا۔

وہ ہر وقت اسی آرزو میں گرفتار رہتا کہ اور زیادہ آدمی اس کے نوکر بنیں اس کی یہ خواہش ان تکلیف کے ایام کی یادگار تھی جب بغورچی نے اس پر رحم کھایا تھا اور موٹی عقل والے قسار کے تیروں نے اس کی جان بچائی تھی۔

تموچن کے نزدیک قوت کا پیمانہ سیاسی طاقت نہ تھا ابھی تک اس نے سیاسی طاقت کے متعلق غور نہ کیا تھا نہ قوت کا انحصار دولت پر تھا، جو کچھ زیادہ کام نہ آتی چونکہ وہ مغل تھا اس لئے وہ وہی چاہتا تھا جس کی اسے ضرورت تھی اس کے نزدیک قوت کا انحصار انسانوں کی قوت اور تعداد پر تھا جب وہ اپنے بہادروں کی تعریف کرتا تو کہتا کہ انہوں نے سخت پتھروں کو کچل کے ریت بنا دیا ہے چٹانوں کو الٹ دیا ہے اور گہرے پانیوں کے تموج کو ٹھہرا دیا ہے۔

سب سے زیادہ وہ وفاداری کا جویا تھا اہل قبائل کے نزدیک دغا نا قابل معافی گناہ تھی غداپوری کی پوری خیموں کی بستی کو تباہ و برباد کروا سکتا تھا یا پورے گروہ کو دشمن کے جال میں پھنسوا سکتا تھا سب سے زیادہ پسندیدہ جو صفت تھی وہ قبیلے۔۔۔۔ اور یہ بھی کہہ لیجئے کہ خان۔۔۔۔ سے وفاداری کی تھی ایسے آدمی کو کیا کہتے جو صبح کو وعدہ کرے، اور رات کو اسے توڑ دے۔

آدمیوں کی اسے جو تمنا تھی اس کا اندازہ اس کی دعا سے ہوتا ہے مغل کا معمول یہ تھا کہ وہ ایک کھرے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا کرتا جس کو وہ تنگری کا مسکن سمجھتا تنگری اوپر کی ہوا کی وہ روحیں تھیں، جو طوفان و رعد اور لا متناہی آسمان کے دوسرے خوف انگیز مظاہرہ کو

حرکت میں لاتیں وہ اپنی پیٹی کاندھے پر ڈال کے چاروں سمتوں کی ہواؤں سے یوں دعا مانگتا ''اے لامتناہی آسمان مجھ پر کرم کر اوپر کی ہواؤں کی روحوں کو میرا دوست بنا کر بھیج، لیکن زمین پر آدمیوں کو بھیج تا کہ وہ میری مدد کر سکیں۔''

اور نو یاکوں کی دموں والے جھنڈے کے نیچے آدمی بڑی تعداد میں جمع ہوتے رہے گھرانا گھرانا اور دس بیس نہیں، بلکہ سینکڑوں ایک آوارہ گرد قبیلہ جس سے اس کے پہلے خان سے دشمنی ہوئی گئی تھی سنجیدگی سے مغلوں کے تموچن کے فضائل کے متعلق یوں رائے زنی کرتا ہے۔۔۔۔۔''وہ شکاری کو اجازت دیتا ہے کہ بڑے بڑے شکاروں میں جتنا شکار خود کرے خود اپنے پاس رکھے۔لڑائی کے بعد ہر آدمی لوٹ کا وہ حصہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو قاعدے سے اس کا ہو جائے۔اس نے اکثر اپنے کندھے سے ملبوس اتار کے تحفے کے طور پر دیا ہے۔وہ بارہا اپنے گھوڑے سے اتر آیا ہے اور گھوڑا ضرورت مند کو دے چکا ہے۔''

کوئی شخص جسے چیزیں جمع کرنے کا شوق ہو، نادر اشیاء کو اس شوق سے جمع نہیں کرتا تھا، جیسے یہ مغل خان ان آوارہ گردوں کی۔

وہ اپنے اطراف ایک دربار اکٹھا کر رہا تھا، جس میں حاجب اور مشیر نہ تھے اور جو جنگجو افراد پر مشتمل تھا لڑائی میں اس کے پہلے ساتھی بغورچی اور رقسار تو تھے ہی، ان کے علاوہ ارغون تھا جو ستار بجاتا تھا، جبی نویان اور مقولی دو چالاک اور جنگ کے زخموں سے منجھے ہوئے سپہ سالار تھے اور سوبدائی بہادر تھا جو بڑے معرکے کا تیر انداز تھا۔

ارغون اگرچہ مغنی نہ تھا، تب بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑا ہی خوش مزاج تھا۔اس کی صرف ایک جھلک ہمیں اس موقع پر دکھائی دیتی ہے جب کہ خان سے اس نے ایک طلائی ستار مستعار لیا اور اسے گما دیا۔تیز مزاج مغل کو تاؤ آ گیا اور اس نے اپنے دو سرداروں کو ارغوان کو قتل کرنے کے لئے بھیجا بجائے قتل کرنے کے انہوں نے مجرم کو پکڑ کے دو مشکیزے بھر کے شراب پلا دی اور پھر اسے چھپا دیا دوسری صبح انہوں نے اسے نشہ سے

جگایا اور خان کی یورت کے دروازے تک لے گئے اور کہا'' اے خاں تیری اردو میں روشنی پھیلنے لگی ہے، دروازہ کھول اور رحم کا کرشمہ دکھا۔''

خاموشی کے لمحے سے فائدہ اٹھا کے ارغوان نے گانا شروع کیا:

''طائر گاتا ہے تنگ تا تنگ''

آخری نوا سے پہلے اس پر شہباز جھپٹتا ہے۔۔۔۔

اسی طرح میرے آقا کا غضب مجھ پر نازل ہوا۔

افسوس! مجھے ساغر کی گردش سے محبت ہے، لیکن میں چور نہیں

چوری کی سزا موت تھی لیکن ارغون کو معاف کر دیا گیا اور آج کے دن تک طلائی ستارہ کا معما حل نہ ہو پایا۔

خان کے یہ بہادر سردار گوبی کے پورے علاقے میں ''قیات'' یا'' اڈتے ہوئے دھارے'' کہلاتے تھے ان میں سے دو نے، جو ابھی لڑکے تھے، کچھ عرصے بعد طول البلد کے نوے درجوں میں بڑی تباہی اور بربادی پھیلائی۔ان میں سے ایک جبی نویاب (تیر شہزادہ) تھا اور دوسرا اسو بدائی بہادر۔

جبی نویان منظر پر یوں نمودار ہوتا ہے کہ وہ ایک دشمن قبیلے کے نوجوان تھا اور ایک لڑائی کے بعد تعاقب میں پکڑا گیا اور تموچن کے سامنے مغل اسے لے آئے اس کے پاس گھوڑا نہ تھا اس نے گھوڑا مانگا اور کہا کہ وہ مغلوں میں سے جو اس کا مقابلہ کرنا چاہے اس کا تنہا مقابلہ کرنے کو تیار ہے تموچن نے اس کی درخواست منظور کر لی اور نوجوان جبی کو ایک تیز سفید ناک والا گھوڑا دے دیا۔سوار ہو کے جبی مغلوں کی صف کو کاٹتا ہوا بچ کر نکل گیا پھر وہ واپس آ گیا اور اس نے خان کا نوکر بننے کی خواہش ظاہر کی۔

بہت عرصے بعد جب جبی نویان، لھیان شان کے پہاڑوں میں گشت لگاتا ہوا قرا ختائی کے شلوک قبیلوں کا تعاقب کر رہا تھا، اس نے ہزار سفید ناک والے گھوڑوں کا ایک گلہ فراہم کر کے خان کو تحفے کے طور پر بھیجا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اس واقعہ کو نہیں

بھولا جس میں اس کی جان بچائی گئی تھی نوجوان جی سے تندی میں کم، لیکن فراست میں زیادہ سوبدائی تھا جس کا تعلق شمالی آہوؤں والے قبیلے الوس اریانجی سے تھا اس کی طبیعت میں بھی حصول مقصد کے لئے تموچن جیسی سختی اور سنگدلی کا کچھ حصہ تھا تاتاریوں سے ایک لڑائی میں جھڑپ سے پہلے خان نے پوچھا کہ کون سا سردار پہلا حملہ کرے گا سوبدائی آگے بڑھا خان نے اس کی تعریف کی اور اس سے کہا کہ سوچنے ہوئے جنگجوؤں کو اپنی حفاظت کے لئے اپنے ساتھ لے۔

سوبدائی بہادر نے کہا کہ وہ اپنے ساتھ اور کسی کو نہیں لینا چاہتا۔ وہ لشکر سے پہلے تنہا آگے جانا چاہتا تھا۔

ذرا شک کے عالم میں تموچن نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اور سوبدائی تاتاریوں کے خیموں میں پہنچا، جہاں اس نے یہ بیان کیا کہ اس نے خان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ ان کے قبیلے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اس نے انہیں یقین دلایا کہ مغلوں کا لشکر قریب میں کہیں نہیں اور جب مغلوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ اس کے لئے بالکل تیار نہیں تھے مغلوں نے انہیں تتر بتر کر دیا۔

سوبدائی نے نوجوان خان سے وعدہ کیا ''میں تجھے دشمنوں سے اس طرح بچاؤں گا جیسے نمدہ سرد ہوا سے محفوظ رکھتا ہے میں تیرے لئے یہ خدمت انجام دوں گا''

اس کے سورماؤں نے اسے یقین دلایا ''جب ہم حسین عورتیں اور اعلیٰ درجے کے گھوڑے پکڑیں گے تو سب کے سب تیرے پاس لائیں گے اگر ہم تیرا حکم بجا نہ لائیں یا تجھے نقصان پہنچائیں تو تو ہمیں بنجر ویرانوں میں ہلاک ہونے کے لئے اکیلا چھوڑ دیجو۔''

تموچن نے اپنے بہادروں کو یہ جواب دیا ''جب تم میرے پاس آئے تو میری حالت ایک خوابیدہ آدمی کی سی تھی پہلے میں رنجیدہ بیٹھا تھا اور تم نے مجھے جگا دیا۔''

وہ فی الحقیقت پکا مغلوں کا خان تھا اور وہ اسے سردار مانتے تھے اس نے ان سورماؤں میں سے ہر ایک کو وہ تحسین اور اعزاز بخشا، جس کا وہ مستحق تھا اور ہر شخص کے کردار کے لحاظ

ہے۔

اس نے کہا کہ قریلتسائی (سرداروں کی مجلس مشارت) میں بغورچی اس سے سب کے مقابل زیادہ قریب بیٹھا کرے گا اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جنہیں خان کے تیر اور کمان کو سنبھالنے اور ساتھ رکھنے کی اجازت ہوگی دوسروں کو اس نے غذا کا ذمہ دار مقرر کیا اور انہیں گلوں کی حفاظت سونپی اور دوسروں کو ''کبت کوں'' کا اور خادموں کا حاکم مامور کیا۔ قسار کو، جو جسمانی طور پر بڑا طاقتور تھا مگر شے لطیف سے محروم، اس نے تیغ بردار مقرر کیا۔

اپنے ناہموں لشکر کے سرداروں کی خدمت کے لئے تموچن نے ایسے آدمیوں کو منتخب کیا جو فہیم بھی تھے اور جری بھی وہ اس ہوشیاری کی قدرو قیمت بھی جانتا تھا، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وقت پر غصہ کو پی جانا چاہئے اور جب مناسب وقت آجائے تو ضرب لگانی چاہئے حقیقت میں مغل کردار کی اصل بنیاد ہی صبر ہے جو لوگ بہادر اور بیوقوفی کی حد تک نڈر تھے انہیں اس نے کبت کوں اور سامان رسد کی حفاظت سپرد کی جو احمق تھے وہ گلوں کی نگہبانی کے لئے باقی رہنے دیئے گئے۔

ایک سردار کے متعلق اس نے کہا ''یسوتائی سے زیادہ جری اور کوئی نہیں جیسی انوکھی خوبیاں اس میں ہیں اور کسی میں نہیں، لیکن چونکہ لمبی لمبی مسافتوں کے طے کرنے میں وہ خود نہیں تھکتا اور نہ اسے بھوک پیاس لگتی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اور افسر اور سپاہیوں کو بھی یہ تکلیفیں نہیں ستاتیں یہی وجہ ہے کہ وہ اعلیٰ فوجی عہدے کے قابل نہیں سپہ سالار کو چاہیے کہ وہ بھوک پیاس کا لحاظ کرے۔تا کہ جو لوگ اس کے تحت ہیں، وہ ان کی تکلیفوں کو سمجھ سکے اور وہ انسانوں اور جانوروں کی طاقت کو وقت پر محفوظ اور مہیا کر سکے۔''

اپنے ان ''زہریلے جنگجوؤں'' والے دربار پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے نوجوان خان کو پوری پوری سنگدلانہ مستقل مزاجی اور بڑی متوازن منصف مزاجی کی ہمیشہ ضرورت پڑتی جو سردار اس کے جھنڈے تلے جمع ہوتے وہ داکنگ لوگوں کی طرح سرکش

تھے داستان میں ذکر ہے کہ کس طرح پورتہ کا باپ اپنے ساتھیوں اور اپنے سات جوان بیٹوں کو خان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آیا۔ تحفے دیئے اور لئے گئے اور ساتوں بیٹوں کو مغلوں کے درمیان جگہ دی گئی، لیکن ان کی وجہ سے آپس میں بڑی تلخی پیدا ہوئی، خاص طور پر اس ایک کی وجہ سے جو شامان بھی تھا اور جس کا نام تب تنگری تھا، چونکہ وہ شامان تھا، اس لئے اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کی روح جب چاہے جسم کو چھوڑ کے عالم ارواح میں داخل ہو سکتی ہے اسے مستقبل کی بات جاننے کا ملکہ تھا۔

اور تب تنگری میں حب جاہ بڑی خطرناک حد تک موجود تھی کئی دن مختلف سرداروں کے خیموں میں بسر کرنے کے بعد ایک دن اس نے اور اس کے بھائیوں نے قسار کو گھونسوں اور لاٹھیوں سے پیٹ ڈالا۔

قسار نے خان تموچن سے شکایت کی

''اس کے بھائی نے جواب دیا تو تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ طاقت اور ہوشیاری میں کوئی تیرے برابر نہیں، پھر تو نے ان لوگوں سے کیسے مار کھائی''

اس پر قسار کو غصہ آ گیا وہ اردو میں اپنے گھر چلا گیا اور تموچن میں کے پاس جانا چھوڑ دیا اس اثنا میں تب تنگری خان کے پاس پہنچا اور کہا ''میری روح نے دوسرے عالم میں یہ الفاظ سنے ہیں اور یہ حقیقت مجھے خود آسمان نے بتائی ہے کہ تموچن اپنے لوگوں پر کچھ دن حکومت کرے گا، لیکن پھر قسار حکومت کرے گا۔ اگر تو قسار کا خاتمہ نہ کر دے گا تو تیری حکومت زیادہ دن نہ چلے گی۔''

اس جادوگر کی پجاری کی چالاکی کا خان پر ضرور اثر ہوا، کیونکہ وہ اسے پیشین گوئی سمجھتا تھا اس شام سوار ہو کے وہ اپنے جنگجوؤں کے ایک چھوٹے سے جتھے کو ساتھ لے کر قسار کو گرفتار کرنے نکلا اس کی اطلاع اس کی ماں اولون کو مل گئی وہ جلدی سے ایک گاڑی میں تیز قدم اونٹ جتوا کے خان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔

وہ قسار کے خیموں میں پہنچی اور ان جنگجوؤں کے درمیان سے ہو کے گذری جوان

خیموں کو گھیرے ہوئے تھا خاص یورت میں جب وہ داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ تموچن، قسار کے سامنے کھڑا ہے۔ قسار دوزانو ہے اور اس کی ٹوپی اور اس کی پیٹی اس سے چھینی جا چکی ہے خان بڑے غصے کے عالم میں تھا اور اس کے چھوٹے بھائی پر جو بڑا تیر انداز تھا موت کا خوف غالب تھا۔

اولون ارادے کی پکی عورت تھی اس نے قسار کی زنجیریں کھول دیں اور اس کی ٹوپی اور اس کی کمر پیٹی اس کے حوالے کر دی۔ دوزانو ہو کے اس نے اپنا سینہ کھول دیا اور تموچن سے کہا ''تم دونوں نے ان چھاتیوں کا دودھ پیا ہے تموچن تجھے اور بہت سے ہنر ملے ہیں، لیکن یہ خوبی قسار ہی کو عطا ہوئی ہے کہ وہ اس طاقت اور کمال سے تیر چلائے کہ ایک بھی خطا نہ ہونے پائے جب آدمیوں نے تجھ سے بغاوت کی ہے تو اس نے اپنے تیروں سے انہیں مار گرایا ہے۔''

نوجوان خان خاموشی سے سنتا رہا اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک اس کی ماں کا غصہ نہ اترا۔ پھر یورت سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا ''جب میں نے یہ حرکت کی تو میں خوفزدہ تھا اور اب میں شرمندہ ہوں۔''

تب تنگری خیموں میں پھرتا رہا اور نفاق پھیلاتا رہا وہ دعویٰ کرتا کہ فوق الفطری الہام اس کی ساری سازشوں کا ماخذ ہیں، اس لئے وہ مغل خان کے پہلو میں کانٹے کی طرح کھٹکتا اس نے اپنے ساتھیوں کی اچھی خاصی جماعت تیار کر لی اور اس میں حب جاہ بہت تھی اسے یقین تھا کہ وہ نوجوان جنگجو کے اثر کو توڑ سکتا ہے وہ اور اس کے ساتھی تموچن سے مقابلہ کرتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن انہوں نے خان کے سب سے چھوٹے بھائی تموجو کو پکڑ کے زبردستی مجبور کیا کہ وہ ان کے سامنے دوزانو ہو۔

رسم کے مطابق مغلوں کو اس کی اجازت نہ تھی کہ وہ آپ کے جھگڑے ہتھیاروں سے طے کریں، لیکن شامان کی اس حرکت کے بعد تموچن نے تموجو کو بلا بھیجا اور اس سے کہا ''آج تب تنگری میرے یورت میں آئے گا، جیسا تیرا جی چاہے اس کے ساتھ سلوک کر۔''

اس کی اپنی حیثیت اس جھگڑے میں بڑی نازک تھی منلیک جو ایک قبیلے کا سردار اور بورتہ کا باپ تھا، کئی جنگوں میں اس کا ساتھ دے چکا تھا اور اس لئے اسے بڑے اعزاز بخشے گئے تھے تب تنگری خود شامان تھا، مستقبل کا حال جانتا تھا اور ساحر تھا بحیثیت خان کے تموچن سے اس کی توقع کی جاتی تھی کہ وہ لڑائی جھگڑوں میں منصف کا فرض انجام دے، نہ یہ کہ جو اس کا اپنا جی چاہے کر گزرے۔

وہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا آگ تاپ رہا تھا کہ منلیک اپنے ساتوں بیٹوں کے ساتھ آیا اس نے انہیں مرحبا کہا اور وہ اس کے سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھ گئے اور عین اسی وقت تموجو اندر داخل ہوا قاعدہ کے مطابق سارے ہتھیار تو یورت کے دروازے پر چھوڑ دیئے گئے تھے اور اس نوجوان لڑکے نے تب تنگری کے شانوں کو جکڑ لیا ''کل تو نے مجھے اپنے سامنے دوزانو ہونے پر مجبور کیا، لیکن آج میں تجھ سے طاقت آزمائی کروں گا''

کچھ دیر تک وہ زور آزمائی کرتے رہے اور منلیک کے دوسرے بیٹے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

تموچن نے دونوں حریفوں سے کہا ''یہاں کشتی نہ لڑو، باہر جاؤ''

یورت کے باہر تین مضبوط پہلوان پہلے ہی سے منتظر تھے۔۔۔ اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے یہ نہیں معلوم کہ تموجو نے انہیں وہاں مقرر کیا تھا یا خان نے جیسے ہی تب تنگری باہر نکلا انہوں نے اسے پکڑ کے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی اور اسے ایک طرف پٹک دیا وہ ایک چھکڑے کے پہیے کے قریب بے حس و حرکت گر پڑا۔

تموجو نے اپنے بھائی خان کو پکار کر کہا ''کل تب تنگری نے مجھے زبردستی اپنے سامنے دوزانو کیا تھا، اب جب کہ میں اس سے طاقت آزمائی کرنا چاہتا ہوں تو وہ لیٹا ہوا ہے اور مقابلے کے لئے نہیں اٹھتا۔''

منلک اور اس کے بیٹے دروازے کی طرف گئے اور باہر دیکھا جہاں شامان کا جسم پڑا ہوا تھا تب بوڑھے سردار پر صدمے کا اثر ہوا اور وہ تموچن کی طرف پلٹا ''اے خان، میں

تیری خدمت کرتا رہا۔۔۔۔۔۔آج کے دن تک"

اس کا مطلب صاف ظاہر تھا اور اس کے چھ بیٹے تیار تھے کہ مغل پر جھپٹ پڑیں تموچن اٹھ کر کھڑا ہو گیا اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا اور اس دروازے کے سوا یورت سے باہر جانے کا کوئی راستہ نہ تھا بجائے اس کے کہ وہ مدد کے لئے کسی کو پکارتا اس نے سختی سے قبیلے والوں سے کہا "ہٹ جاؤ، میں باہر جانا چاہتا ہوں"

اس خلاف توقع حکم پر حیرت سے وہ ہٹ گئے اور وہ خیمے سے باہر اپنے جنگجو سنتریوں کے پاس جا پہنچا ابھی تک تو یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا اور ایسے قصے اس سرخ بالوں والے خان کے اطراف آئے دن پیش آتے ہی رہتے تھے، لیکن اس کی خواہش یہ تھی کہ منلیک کے قبیلے سے خون کی دشمنی نہ پیدا ہونے پائے شامان کے جسم پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گیا کہ تب تنگری مر کے ٹھنڈا ہو چکا ہے اس نے حکم دیا کہ اس کا اپنا یورت اس طرح ہٹایا جائے کہ شامان کا جسم اس کے اندر آ جائے اور دروازے کا پردہ بند کر کے کس کے باندھ دیا گیا۔

رات آئی تو تموچن نے اپنے دو آدمیوں کو بھیجا کہ بچاری جادوگر کی لاش کو خیمے کے دو دکش۔۔۔سے نکال لے جائیں دوسرے دن جب اردو کے آدمیوں کو تشویش ہوئی کہ جادو کا کیا حشر ہوا تو تموچن نے دروازے کا پردہ کھول دیا اور انہیں آگاہ کیا۔

"تب تنگری میرے بھائیوں کے خلاف سازشیں کرتا تھا اور انہیں زدوکوب کرتا تھا اب آسمان کی روحیں اس کی روح اور جسم دونوں کو اٹھا لے گئیں۔"

لیکن اکیلے میں اس نے منلیک کو سنجیدگی سے سمجھایا "تو نے اپنے بیٹوں کو اطاعت کرنا نہیں سکھایا اس کی کوشش یہ تھی کہ میری برابری کرے اس لئے دوسرے کی طرح میں نے اس کا کام تمام کر دیا رہ گیا تو تو میں نے یہ عہد کیا ہے کہ تجھے ہرگز ہلاک نہ کروں گا، اس لئے آ اس قصے کو ختم کریں۔"[2]

گوبی کی قبائلی لڑائیاں بہر حال کسی طرح ختم ہونے کو نہ آتی تھیں بڑے بڑے قبیلے

بھیڑیوں کی طرح لڑتے، ایک دوسرے کا پیچھا کرتے، اور ایک دوسرے کا شکار کھیلتے اگر چہ مغلوں کا شمار ابھی تک کمزور قوموں میں تھا مگر اب ایک لاکھ خیمے خان کے جھنڈے تلے جمع تھے چالاکی سے وہ ان کی حفاظت کرتا، اپنی خوفناک شجاعت سے وہ اپنے جنگجوؤں کی ہمت بڑھاتا۔ بجائے چند خاندانوں کے اب ایک پوری قوم کی حفاظت کا بوجھ اس کے کندھوں پر تھا اب وہ راتوں کو آرام کی نیند سوتا اس کے ریوڑ، جن میں خان کے خراج کے جانور بھی شامل تھے، اطمینان سے بڑھتے چلے جاتے تھے اب اس کی عمر تئیس سال سے زیادہ تھی اس کی قوت اپنے پورے عروج پر تھی اس کے بیٹے اس کے ساتھ سواری کرتے اور ادھر ادھر اپنے لئے بیویاں ڈھونڈتے، جیسے وہ خود ایک زمانے میں یسوکائی کے ساتھ میدانوں کا سفر کیا کرتا تھا اس نے اپنا ورثہ اپنے دشمنوں سے چھینا تھا اور وہ اس پر اڑا ہوا تھا کہ اس ورثے پر قابض رہے۔

لیکن اس کے ذہن میں ایک اور بات بھی تھی ایک تجویز تھی جو پوری طرح مکمل نہ ہونے پائی تھی ایک آرزو تھی جس کا پوری طرح اظہار نہ ہوا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے مشیروں کی مجلس کے سامنے بیان کیا ''ہمارے بزرگوں نے ہم سے ہمیشہ یہی کہا کہ الگ الگ طرح کے دل اور دماغ ایک ہی جسم میں جمع نہیں ہوسکتے، مگر میرا ارادہ ہے کہ میں یہ بھی کر دکھاؤں میں اپنی حکومت اپنے ہمسایوں پر بھی پھیلاؤں گا۔''

اپنے ''زہریلے جنگجوؤں'' کو قبیلوں کی ایک برادری میں ڈھالنا پرانا کینہ رکھنے والے دشمنوں پر اپنی حکومت جمانا۔۔۔۔ یہ اس کا ارادہ تھا اور وہ بڑے صبر واستقلال سے اس مقصد کی تکمیل کی کوشش شروع کی۔

پانچواں باب :: جب کوہ چینتہ پر پرچم لہرایا

ہمیں یہاں ان لڑائیوں سے غرض نہیں، جن میں خانہ بدوش قبائل تاتاری اور مغل، مکریت اور قرایت، نائیان اور الیغوران مشغول تھے اور جو مرتفع چراگاہوں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ختا کی دیوار عظیم سے لے کر مغرب میں وسط ایشیا کی ایشیا دور دراز پہاڑیوں تک لڑی جاتی رہیں بارہوں صدی عیسوی ختم ہو رہی تھی اور تموچن اس کام کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا قبیلوں کی ایک برادری بنان، جو اس کے بزرگوں کے قول کے مطابق ناممکن تھا صرف اس طرح یہ کام پورا ہو سکتا تھا کہ ایک قبیلہ اور سب قبیلوں کا سردار بن جائے۔

قوم قرایت جن کے شہر قافلوں کی اس شاہراہ پر تھے جو ختا کے شمالی دروازوں سے مغرب کی طرف جاتی تھی ایک طرح سے تو ازن قوت کے حامل تھے طغرل کے پس، جسے پریسٹر جان بھی کہتے ہیں تموچن اس لئے گیا کہ اس کے سامنے باہمی معاہدہ کی تجویز پیش کرے مغل اب اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ ایسی تجویز پیش کرنا اس کے لئے مناسب تھا۔

''اے میرے باپ بغیر تیری مدد کے میں دشمنوں کی چھیڑ سے محفوظ ہو کے زندہ نہیں رہ سکتا اور تو مجھ سے پکی دوستی کئے بغیر امن سے گذر سکتا ہے تیرے دغاباز بھائی بند تیرے علاقے پر حملہ کر کے چراگاہوں کو آپس میں بانٹ لیں گے تیرا بیٹا ابھی تو اتنا عقلمند نہیں کہ یہ سمجھ سکے، لیکن اگر تیرے دشمنوں نے غلبہ پا لیا تو اس کو طاقت اور جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا ہم دونوں کے لئے اپنی حکومت قائم رکھنے اور جان سلامت رکھنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم ایسی دوستی اور یگانگت پر قائم رہیں جسے کوئی نہ توڑ سکے۔ اگر میں تیرا بیٹا بن جاؤں تو ہم دونوں کے لئے اس معاملے کا فیصلہ ہو جائے۔''

تموچن کو تو اس کا حق پہنچتا تھا کہ وہ عمر رسیدہ خان سے اس کی درخواست کرے کہ وہ اسے متبنا بنا لے پریسٹر جان نے اس کی درخواست منظور کر لی وہ بوڑھا تھا اور اس نوجوان مغل کو بہت چاہتا تھا۔

اس معاہدے پر تموچن ثابت قدم رہا جب قرایتوں کو، ان کے شہروں اور ان کی زمینوں سے مغرب کے قبیلوں نے جو بیشتر بدھ مت والے یا مسلمان تھے، اور عیسائی اور شامان پرست قرایت سے ایسی تعصب برتتے تھے، نکال باہر کیا تو اس مغل سردار نے اپنے ان اڈتے ہوئے دھاروں کو شکست خوردہ سردار کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

اور امتحاناً بوڑھے قرایت کے حلیف کی حیثیت سے اس نے سیاست کی مشق بھی شروع کی۔

اس کے خیال میں یہ موقع بڑا اچھا تھا چین کی دیوار عظیم کے اس پار ختائے کا شہنشاہ قدس سوتے میں ذرا چونکا اور اسے جھیل بویرنور کے تاتاری یاد آگئے، جنہوں نے اس کی سرحدوں پر کچھ چھیڑ خانی کی تھی اس نے اعلان کیا کہ وہ بنفس نفیس دیوار کے اس پار بہت بڑے پیانے پر فوج کشی کرے گا اور خطا کار اہل قبائل کو سزا دے گا اس اعلان سے اس کی رعایا میں بڑا خوف پیدا ہوا۔ بالآخر ایک بڑے افسر کو ایک چینی فوج کے ساتھ تاتاریوں کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا، لیکن حسب معمول تاتاری بلا زخم کھائے، بلا شکست کھائے، پیچھے ہٹ کے تتر بتر ہو گئے ختا کی فوج جو زیادہ تر پیدل تھی خانہ بدوشوں کو نہ پا سکی۔

اس کی اطلاع تموچن کو ملی اور جتنی تیزی سے مار مار کے ٹٹوؤں کو بھگایا جا سکتا تھا کہ اس کا پیغام میدانوں کے اس پار پہنچ جائے، اتنی ہی تیزی سے تموچن نے کام کیا اس نے اپنے سارے قبیلے والوں کو جمع کیا اور پریسٹر جان کو یہ پیغام بھیجا کہ تاتاریوں ہی کا قبیلہ وہ ہے جس نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا قرایت نے لبیک کہا اور دونوں کے متحدہ لشکروں نے تاتاریوں پر حملہ کیا جو پیچھے اس وجہ سے نہ ہٹ سکتے تھے کہ ان کے عقب میں ختا کی فوجیں تھیں۔

اب جو جنگ ہوئی اس میں تاتاریوں کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا مختلف فتح مند قبیلوں کے ہاتھ بہت سے قیدی لگے اور ختا کی حملہ آور فوج کے سپہ سالار کو یہ دعویٰ کرنے کا موقع مل

گیا کہ فتح کا سہرا اسی کے سر ہے اور اس نے یہی دعویٰ کیا اس نے پریسٹر جان کو اونگ خان (خانوں کا سردار) اور تموچن کو ''باغیوں کا دشمن سالار'' کا لقب دیا۔۔۔اس ساری عزت افزائی میں ختائی سپہ سالار کو کچھ زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑا اس نے صرف ایک چاندی کا جھولا، سنہرے کے ساتھ تحفہ بھجوا دیا۔ جنگ آزمودہ مغل کو یہ لقب اور یہ تحفہ دونوں بڑے عجیب معلوم ہوئے ہوں گے بہر حال یہ جھولا تو شاید پہلا جھولا تھا جو ان بنجر علاقوں میں کسی نے دیکھا اور یہ خان کے خیمے میں کئی روز تک منظر عام پر رکھا رہا۔

''قیامت کی صفوں میں نئے نئے جنگجو شریک ہوتے گئے تموچن اپنے بیٹوں کو جی نویان (تیر شہزادے) کے ساتھ شہسواری کرتا دیکھتا جی نویان کی سموری جوتے اور روپہلی زرہ پہنے پھرنے کا بڑا شوق تھا یہ دونوں چیزیں اس نے ایک آوارہ گرد ختائی سے لوٹی تھیں جی نویان کو اس وقت تک چین نہ آتا جب تک وہ خود اور اس کے پیچھے پیچھے ساتھیوں کا ایک دستہ دور تک سواری کرتا ہوا نہ نکل جاتا۔ وہ تموچن کے بڑے بیٹے جوجی کا بڑا اچھا اطالیق تھا۔ اس جوجی کا نسب مبہم تھا وہ ہمیشہ سوچتا رہتا، کھنچا کھنچا سا رہتا، لیکن طبیعتاً اس قدر دلیر تھا کہ خان اس سے بہت خوش تھا۔''

یہ بارہویں صدی کے ختم کا زمانہ تھا تموچن اپنے گھرانے کے لوگوں کو ان دریاؤں کے کنارے شکار کے لئے لے گیا تھا، جو قرات کے زمینوں سے قریب تھے شکار میں نرغے کے لئے سواروں کا حلقہ دور دور تک پھیل گیا تھا انہوں نے نرغے میں بہت سے بارہ سنگھے، ہرن اور دوسرے چھوٹے موٹے جانور گھیر لئے تھے اور پھر وہ حلقے کو تنگ کرتے گئے اور اپنی کڑی خمدار کمانوں سے شکار کھیلتے رہے یہاں تک کہ چکنی چکنی چٹانوں کے درمیان آخری جانور تک شکار ہو گیا مغلوں کا شکار تضیع اوقات نہ ہوتا تھا۔

دور سبز پوش میدان میں خیمہ پوش کبت کاؤں اور اونٹ گاڑیوں میں شکاریوں کا انتظار ہو رہا تھا جیسے ہی شکاری آئے، بیل کھول دیئے گئے۔ ''یورتوں'' اور خیموں کی میخیں گاڑ دی گئیں اور ڈھانچوں پر سمور چڑھا دیا گیا جا بجا آگ جلائی گئی۔

شکار کا بہت سا حصہ طغرل کے لئے، جواب اونگ خان تھا، محفوظ رکھا جاتا تھا قرایت مغلوں سے ذرا زیادتی کرتے تھے ایسی لوٹ جو دراصل تموچن کے آدمیوں کا حصہ تھی اونگ خاں کے آدمیوں نے چھین لی اور مغل سردار نے اسے برداشت کرلیا۔

قرایت کے علاقے میں اس کے دشمن بہت تھے مثلاً بورچیچن کی اولاد جو اسے خان کے منصب سے معزول کرنا چاہتی تھی اور قرایت سرداروں کی نظروں سے گرانا چاہتی تھی۔اسی لئے وہ اپنے منہ بولے باپ کے پاس جا رہا تھا۔ دونوں میں یہ عہد تھا کہ اگر ان کے درمیان باہم کوئی اختلاف پیدا ہو تو ایک دوسرے کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں بلکہ دونوں مل کے آپس میں اطمینان سے بات چیت کریں تاکہ دونوں کو اصل حقیقت کا علم ہو جائے۔

تموچن نے تلخ تجربے سے بہت کچھ سیکھا تھا وہ جانتا تھا کہ جب اونگ خان مر جائے گا تو پھر سے آپس میں جنگ ہو گی، لیکن قرابت میں جنگجوؤں کے ایسے جتھے بھی تھے جو اس کے حامی تھے، مثلاً جو دستہ اونگ خانی کی جانی حفاظت کے لئے مامور تھا اسے مغل خان کے دشمنوں نے بہت اکسایا تھا کہ اسے گرفتار کرلے مگر اس دستہ نے انکار کر دیا۔ مغلوں کے پاس شادیوں کے پیام بھی بھیجے گئے تھے سردار خاندان سے قرابتوں نے جو جی کے لئے ایک دلہن بھی امتخاب کر لی تھی۔

لیکن تموچن اپنی ہی خیمہ گاہمیں رہا ہوشیاری سے قرایت کے اردووں سے دور اور اس کے سپاہی ہراول میں آگے آگے یہ دیکھنے گئے کہ راستہ محفوظ ہے یا نہیں۔اس کے سوار تو واپس نہ لوٹے۔لیکن رات کو گھوڑے چرانے والے دو چرواہے قرایت کی خبر لے کے آئے اور یہ خبر ناخوش آئند بھی تھی اور نا مبارک بھی۔

مغرب میں اس کے جو دشمن تھے، جیسے چالاک جاموقہ، جری مکریتوں کا سردار توقتا بیگ اور تموچن کے اپنے چچا۔۔۔۔انہوں نے اس کا کام تمام کرنے کا تہیہ کرلیا تھا انہوں نے جاموقہ کو گورخان منتخب کرلیا تھا انہوں نے بوڑھے اور پس وپیش کرنے والے اونگ خاں کو اس پر آمادہ کرلیا تھا کہ وہ اپنی طاقت سے ان کی مدد کرے جیسا کہ تموچن کو شک تھا،

شادی کی گفت وشنید محض ایک بہانہ، ایک چال تھی

اس کی سیاسی کوشش ناکام ہوگئی تھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوشش یہ تھی کہ قرابت کو مغربی ترکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رکھے اور مشرق میں خود اپنی طاقت بڑھائے اور اونگ خان سے اس وقت تک معاہدہ اور پیان رکھے، جب تک اس کے اپنے مشرقی قبیلے اتنے طاقتور نہ ہو جائے کہ برابری سے قرایت کا مقابلہ کرسکیں اس کی حکمت عملی غلط نہ تھی لیکن جو چال اس نے چلی تھی اس کا توڑ اس سے زیادہ چالاکی سے اور اب دغا سے کیا گیا تھا۔

دونوں چرواہوں نے اس سے بیان کیا کہ قرایت اس کے خیمہ وخرگاہ کے بہت قریب آ گئے ہیں اور ان کا ارادہ رات کو شب خون مارنے اور تیروں سے اسے اس کے اپنے خیمے میں ہلاک کر دینے کا ہے۔

صورت حال بڑی ہی تشویشناک تھی، کیونکہ قرایت کی تعداد بہت زیادہ تھی اور تموچن پر لازم تھا کہ جہاں تک ہو سکے اپنے جنگجو ساتھیوں کے گھرانوں کی حفاظت کرے اس کے پاس اس وقت چھ ہزار۔۔۔۔۔ بعض روائتوں کے لحاظ سے تین ہزر سے بھی کم۔۔۔۔۔ مسلح آدمی تھے، لیکن اسے اطلاع مل گئی تھی اور اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔

اس نے اپنے یورت کے محافظوں کو ساری خیمہ گاہ میں ادھر ادھر بھیجا کہ سوتے ہوؤں کو جگائیں، سرداروں کو خبر دار کریں اور چرواہوں کو باہر دوڑا دیں ریوڑ باہر نکال دیئے گئے کہ صبح ہوتے ہی دور دور بھگا دیئے جائیں اور منتشر کر دیئے جائیں اس کے سوا ان کو بچانے کی کوئی اور صورت نہ تھی گھوڑے تو ہمیشہ پاس ہی رہتے تھے اردو والے فوراً ان پر سوار ہو گئے اور ہلکی اونٹ گاڑیوں پر سامان کے صندوق لادے گئے اور عورتوں کو سوار کرایا گیا بلا بحث و فریاد اپنے اصلی خیمہ گاہوں کی طرف واپسی کا طول طویل سفر شروع ہوا۔

اس نے یورتوں اور بڑی بڑی بیل گاڑیوں کو ویسے ہی کھڑا رہنے دیا۔ کچھ آدمیوں کو اچھے گھوڑوں کے ساتھ پیچھے چھوڑا کہ وہ آگ جلائے رکھیں پسپائی میں وہ خود اپنے چیدہ

چیدہ افسروں اور منتخب اہل قبیلہ کے ساتھ سب سے آہستہ سفر کرتا رہا تا کہ تعاقب کرنے والوں کا مقابلہ کر سکے اب اس کا کوئی موقع نہ تھا کہ اس طوفان سے نجات پائی جائے جو تاریکی کے پردے میں اس قدر قریب نمودار ہو رہا تھا۔

وہ کوئی آٹھ یا نو میل گئے ہوں گے کہ پہاڑیوں کا ایک ایسا سلسلہ آیا، جہاں اس کا موقع تھا کہ اگر اس کے آدمی منتشر ہوں تو انہیں سایہ اور پناہ مل سکے ایک ندی پار کر کے ایک تنگ سے درے میں اس نے اپنے سواروں کو ٹھہرایا تا کہ گھوڑے تھکن سے بالکل چور نہ ہو جائیں۔

اس دوران میں قرابیت صبح کے تڑکے سے پہلے ہی اس کے خالی خیمہ میں گھس آئے تھے خان کے سفید سمور کے خیمے کو انہوں نے تیروں سے چھلنی کر دیا تب کہیں انہیں اندازہ ہوا کہ اس جگہ کیسی خاموشی سی طاری ہے اور ان ریوڑوں کا پتا ہے اور نہ پرچم کا۔ تھوڑی دیر کے لئے گڑبڑ میں وہ ٹھہر گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے آگ جا بجا خوب جل رہی تھی انہیں یہ شبہ ہوا کہ مغل اپنی اپنی یورتوں میں ہوں گے اور جب ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ خیمے خالی ہیں اور مغل سب کچھ پیچھے چھوڑ گئے ہیں قالین اور برتن یہاں تک کہ خالی زین اور دودھ کی تھیلیاں تو انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مغل خوف کے مارے بے ترتیبی سے بھاگ گئے ہیں۔

مشرق کی طرف جانے والوں کے نشان اتنے واضح تھے کہ اندھیرے میں بھی نہ چھپ سکتے تھے قرابیت قبیلوں نے فوراً ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا کے صبح ہوتے ہوتے وہ پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ گئے، اور ان کے پیچھے گرد کا بادل سا اٹھتا رہا تموچن نے ان کو آتے دیکھا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ اس تیز سرپٹ دوڑ میں ان کی صفیں بہت پھیل گئی تھیں قبیلے منتشر ہو گئے تھے اور جو اچھے گھوڑے تھے وہ سست گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل آئے تھے۔

گھاٹی میں مزید انتظار کئے بغیر اس نے اپنے جنگجوؤں کو تنگ صفوں میں آراستہ کر کے

باہر نکالا ان کے گھوڑے آرام کر کے تازہ دم ہو چکے تھے انہوں نے ندی پار کر کے قرایتوں کے ہراول کو درہم برہم کر دیا اور لہلہاتی ہوئی چراگاہوں کے اس پار قرایت کے اردد کے پیچھے ہٹنے کا راستہ روک دیا اسی اثنا میں اونگ خان اور اس کے سردار بھی آ گئے۔ قرایت کی نئے سرے سے ترتیب اور تنظیم ہوئی اور مکمل نیست و نابود کرنے کی ہولناک جنگ شروع ہوئی۔

تموچن اس سے پہلے کبھی ایسی آفت میں نہ گھرا تھا اسوقت اسے اپنے اڈتے دھاروں کی ذاتی شجاعت کی پوری پوری ضرورت پیش آئی اس کے اپنے خاندانی قبیلوں کے استقلال اورارت اور منکوت قبیلوں کے بھاری مسلح سواروں سے بھی اسے بڑی مدد ملی اس کے لشکر کی تعداد اتنی کم تھی کہ یہ اس کے لئے ممکن نہ تھا کہ سامنے سے حملہ کرے۔ وہ مجبور تھا کہ زمین کے نشیب و فراز سے جتنا فائدہ اٹھا سکے اٹھا لے، اور یہ مغلوں کے لئے آخری موقع آسرا تھا جب شام ہوئی اور معلوم ہوتا تھا کہ شکست مقدر ہو چکی ہے تو اس نے اپنے ایک منہ بولے بھائی گلدار کو جو اس کا علم بردار تھا اور منکوت قبیلوں کا سردار تھا یہ حکم دیا کہ وہ قرایت کی صفوں کا چکر کاٹ کے ان کے پیچھے بائیں جانب کی ایک پہاڑی پر قبضہ کر لے اور اس پر قبضہ جمائے رکھے اور اس پہاڑی کا نام چتہ تھا۔

تھکے ماندے گلدار نے جواب دیا ''اے خان، میرے بھائی، میں اپنے سب سے اچھے گھوڑے پر سوار ہوں گا، اور جو میرا مقابلہ کرنے آئیں گے ان کی صفوں کو چیر کر گذر جاؤں گا۔ میں تیرا یاک کی دموں والا پرچم چتہ پر نصب کر دوں گا میں تجھے اپنی بہادری دکھاؤں گا اور اگر میں مارا گیا تو میرے بچوں کو پال پوس لینا میرے لئے سب برابر ہے کہ میرا خاتمہ کب ہوگا۔''

یہ چکر کاٹ کے بڑھنے کی ترکیب مغلوں کی پسندیدہ جنگی چال تھی، اس کو وہ ''تو نغمہ'' یا پرچم کی یورش کہتے تھے جس سے وہ دشمن کی ایک جانب سے ہوتے ہوئے اس کے عقب میں پہنچ جاتے تھے اب تموچن کے قبیلے بری طرح پٹ چکے تھے قرایت اس کی صفوں میں

گھسے چلے آرہے تھے اور یہ ترکیب جان پر کھیل کے مقابلے کی آخری کوشش تھی، لیکن قوی ہیکل گلدار اس پہاڑی پر پہنچ ہی گیا وہاں پرچم نصب کیا اور اس پہاڑی پر ڈٹا رہا اس کی وجہ سے قرایت رکے رہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ اونگ خان کا بیٹا چہرے پر ایک تیر کھا کے زخمی ہو گیا تھا۔

جب آفتاب غروب ہوا تو میدان سے مغل نہیں بلکہ قرایت ذرا ہٹ گئے تھے تموچن نے صرف اتنی دیر انتظار کیا کہ گلدار حفاظت سے واپس پہنچ جائے اور زخمی بہادر اکٹھا ہو جائیں زخمیوں میں اس کے دو بیٹے بھی شامل تھے زخمی سردار دشمن سے چھینے ہوئے گھوڑوں پر واپس آرہے تھے اور کبھی کبھی تو ایک ایک گھوڑے پر دو دو آدمی پھر وہ مشرق کی طرف بھاگ نکلا اور قرایت نے دوسرے دن پھر سے تعاقب شروع کیا۔

یہ تموچن کی سب سے زیادہ کٹھن لڑائی تھی اور اس میں اسے شکست ہوئی، لیکن اس نے اپنے قبیلے والوں کے بنیادی عناصر کو سلامت رکھا۔ خود زندہ بچا رہا اور اپنے اردو کو محفوظ رکھا۔

اونگ خاں نے کہا ''ہم نے ایک ایسے آدمی سے جنگ کی، جس سے ہمیں ہرگز لڑائی مول نہ لینی چاہئے تھی۔''

مغل داستانوں میں اب بھی یہ واقعہ دہرا دہرا کے بیان کیا جاتا ہے کہ گلدار نے کیونکر چھتے پر پرچم لہرایا۔

طویل طویل پسپائی میں اس بنجر زمین کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جنگجو جو ابھی ''اپنے زخم چاٹ رہے تھے'' اپنے تھکے ماندے گھوڑوں پر پھر شکار کے لئے ایک حلقے میں پھیل جائیں، تاکہ بارہ سنگھے اور ہرن اور جو کچھ اپنے تیروں سے مار سکیں، مار لیں۔ یہ شکار کا شوق نہ تھا، کسی نہ کسی طرح اردو کے لئے غذا فراہم کرنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

چھٹا باب :: پریسٹر جان (طغرل ادنگ خان) کی موت

قوم قرایت کی فتح کا فوری نتیجہ یہ تھا کہ تموچن کا محاذ طاقت پکڑ گیا۔ خانہ بدوشوں کے سرداروں کا ہمیشہ یہ رجحان ہوتا کہ بڑھتی ہوئی طاقت کا ساتھ دیں اس سے ان کی اپنی حفاظت بھی ہوتی اور زیادہ دولت پیدا کرنے کا موقع ملتا۔

غصے کے عالم میں مغل نے اونگ خان کو ملامت کی۔

''اے خان، اے میرے باپ، جب دشمن تیرا پیچھا کر رہے تھے تو کیا میں نے چار بہادروں کو تیری مدد کے لئے نہ بھیجا؟ تو میرے پاس اندھے گھوڑے پر سوار آیا، تیرے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ایک بھیڑ کے گوشت کے سوا تیرے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا کیا میں نے افراط سے بھیڑیں اور گھوڑے تیری نذر نہیں کیے۔''

''گذرے دنوں میں تیرے آدمیوں نے لڑائی کی لوٹ کا وہ سامان اپنے پاس رکھ لیا جو قاعدے کے لحاظ سے میرا تھا پھر یہ سب سامان تیرے دشمنوں نے تجھ سے چھین لیا۔ میرے بہادروں نے پھر سے اس سامان پر قبضہ کر کے اسے تیرے حوالے کیا پھر دریائے قراسو کے کنارے ہم دونوں نے قسم کھائی کہ ہم پھوٹ ڈالنے والوں کی چغلیوں کو نہیں سنیں گے، بلکہ کوئی بات ہوگی تو اس کے متعلق مل کر آپس میں بات چیت کر لیں گے۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا مجھے کم حصہ ملا ہے، مجھے زیادہ ملنا چاہئے''

''جب بیل گاڑی کا ایک پہیا ٹوٹ جاتا ہے تو بیل آگے نہیں بڑھ پاتے کیا میں تیرے کبت کا ایک پہیا نہیں؟ تو مجھ سے کس لئے ناراض ہے؟ تو مجھ پر کیوں حملہ کر رہا ہے''

اس پیغام میں ایک طرح کی حقارت بھی نظر آتی ہے یہ ملامت ایک ایسے آدمی کو کی گئی تھی جو خود پس و پیش کے عالم میں ہو اور یہ اچھی طرح نہ سمجھ سکتا ہو کہ وہ آخر چاہتا کیا ہے۔۔۔۔طغرل ایک اندھے گھوڑے پر سواری کیا کرتا تھا۔

غیر متزلزل ارادے کے ساتھ تموچن نے ان حالات میں جو کچھ وہ کر سکتا تھا کیا۔

قریب کے قبیلوں کو قاصد دوڑائے بہت جلد اس کے اپنے علاقے کے خسان اور ان کے ہمسائے مغل سردار کی سفید گھوڑے کی چمڑے والی مسند کے دائیں بائیں آ کے دوزانو ہو گئے ان کے لانبے لانبے بادے مرصع کمر بندوں سے بندھے ہوئے تھے ان کے پیتل جیسے چہرے جن پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں، یورت کی آگ کے دھوئیں میں آگے کی طرف نمایاں گھور رہے تھے یہ خانوں کی قرولتائی (مجلس مشاورت) تھی۔

بورچیجن یا بھوری آنکھوں والوں میں سے ہر ایک نے باری باری سے بات کی ان میں سے کئی تموچن کے ہاتھوں شکست کھا چکے تھے بعض کی تجویز یہ تھی کہ قرایت کی اطاعت کر لی جائے اور اورنگ خان اور اس کے بیٹے کو آقا مان لیا جائے جو زیادہ بہادر تھے انہوں نے جنگ کا نعرہ لگایا اور تموچن کو آقا بنانے کی تجویز کی اس دوسری تجویز کو قبول کیا گیا۔

جب تموچن نے سرداری کا عصا قبول کیا تو ساتھ ہی اعلان کیا کہ سب قبیلوں میں اس کے حکم کی تعمیل ہو اور اسے حق ہوگا کہ جس کو مناسب سمجھے سزا دے۔ ''شروع سے میں تم سے کہتا آیا ہوں کہ تین دریاؤں کے درمیان کی زمینوں کا ایک آقا ہونا چاہئے یہ پہلے تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تھا اب جب کہ تمہیں یہ ڈر ہے کہ اونگ خاں تم سے بھی وہی سلوک کرے گا جو اس نے مجھ سے کیا ہے تو تم نے مجھے اپنا سردار انتخاب کیا ہے میں نے تمہیں قیدی، عورتیں، یورت اور ریوڑ عطا کئے ہیں اب میں تمہارے لئے زمینوں اور اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے قاعدوں کی حفاظت کروں گا۔''

جاڑوں میں گوبی کا سارا علاقہ دو حریف جماعتوں میں بٹ گیا جھیل بیکال کے مشرق میں رہنے والے لوگ مغربی حلیفوں کے مقابلے کے لئے کمر بستہ ہونے لگے اس مرتبہ تموچن میدان میں پہلے آیا وادیوں میں برف پگھلنے سے پہلے اپنے نئے حلیفوں کے ساتھ چپ چاپ اس نے اونگ خان کے خیمہ وخرگاہ کی جانب پیش قدمی شروع کی۔

داستان میں ان خانہ بدوشوں کی چالاکی کی بڑی دلچسپی جھلک نظر آتی ہے تموچن نے دشمنوں کی صفوں میں پہلے ایک مغل کو بھیجا کہ وہ تموچن کی بدسلوکی کی شکایت کرے اور یہ

اطلاع دے کہ مغلوں کا لشکر ابھی خیمہ گاہ سے بہت فاصلے پر ہے۔قرایت نے جو ایسے زیادہ زور یقین نہ تھے، کئی سواروں کو اس مغل جنگجو کے ساتھ بھیجا کہ ادھر ادھر کھوج لگا کر دیکھیں کہ واقعہ کیا ہے۔

اکیلا مغل جنگجو جوان لوگوں کے ساتھ تھا اور جس کی نظر بڑی چوکنی تھی اس نے قرایت کی خیمہ گاہ کے پاس ہی تموچن کے قبیلوں کا پرچم اس ٹیلے کی دوسری جانب دیکھا، جس پر ادھر سے وہ خود بڑھ چڑھ رہے تھے اسے معلوم تھا کہ اس کے نگران بڑے اچھے گھوڑوں پر سوار ہیں اور اگر کہیں انہوں نے پرچم کو دیکھ لیا تو اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا کے صاف بچ کے نکل جائیں گے اس لئے وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور اپنے گھوڑے کو دیکھنا شروع کیا جب ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا کرر ہے ہو؟ تو اس نے کہا

''ایک سم میں پتھر آ گیا ہے''

جتنی دیر زیرک مغل نے اپنے گھوڑے کے سم سے فرضی پتھر نکالنے میں لگائی، اتنی دیر میں تموچن کا ہراول ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا اور قرایت کو قید کر لیا اونگ خاں کی خیمہ گاہ پر حملہ شروع ہوا اور بڑی تلخ لڑائی چھڑ گئی۔

شام ہوتے ہوتے قرایت کو شکست ہوئی اونگ خاں اور اس کا بیٹا دونوں زخمی ہو کے بھاگ نکلے۔تموچن اپنے گھوڑے پر سوار مفتوح خیمہ گاہ میں داخل ہوا اور قرایت کی دولت اپنے آدمیوں کے حوالے کی گھوڑوں کی زینیں جن پر رنگین ریشم اور سرخ نرم چمڑا بچھا ہوا تھا، پتلی بڑی اچھی صیقل کی ہوئی تلواریں، چاندی کی رکابیاں اور ساغر یہ چیزیں اس کے اپنے کام کی نہ تھیں اونگ خان کا خیمہ جس کا استر زرین اطلس کا تھا اس نے پورے کا پورا ان دو چرواہوں کو بخش دیا، جنہوں نے اس پہلی رات کوہ چیتہ کے قریب اسے قرایت کی یورش کی اطلاع دی تھی۔

پھر اس نے قرایت لشکر کے قلب کو گھیر لیا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو ان کی جان بخشی کی جائے گی ''جس طرح تم اپنے آقا کی ملازمت میں لڑے، بہادروں

کے شایان شان تھا۔ اب تم میرے آدمی بنو، اور میرے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔"

باقی ماندہ قرایت اس کے پرچم تلے آ گئے اور اس نے ان کے شہر قراتورم کی طرف پیش قدمی کی جو صحرا میں واقع تھا۔

کچھ عرصے بعد اس کا رشتے کا بھائی جاقومہ بھی پکڑ لیا گیا اور اس کے سامنے لایا گیا۔

تموچن نے اس سے پوچھا "تجھے کس طرح کے سلوک کی توقع ہے؟"

بلا پس و پیش کے جاقومہ نے جواب دیا "وہی سلوک جو میں تیرے ساتھ کرتا، اگر میں نے تجھے گرفتار کیا ہوتا۔ آہستہ آہستہ عذاب کی موت"

اس کا مطلب تھا عذاب کی وہ موت جو چین کے لوگ اس طرح دیا کرتے تھے کہ یکے بعد دیگرے جسم کے سب اعضا کاٹ ڈالتے پہلے دن چھنگلیا کا ایک پور کاٹتے اور اس کے بعد روزانہ ایک ایک جوڑ کے حساب سے سارے اعضا کاٹ ڈالتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بورچیجن کی اولاد میں جرات کی کمی نہ تھی تموچن نے بہر حال اپنی قوم کی رسم کی پابندی کی جس کے لحاظ سے کسی عالی نسب سردار کا خون بہانے کی ممانعت تھی اس نے حکم دیا کہ جاقومہ کو ریشم کے پھندے سے پھانسی دی جائے یا بھاری سموروں کے درمیان دبا دیا جائے تاکہ دم گھٹ کے مر جائے۔

اونگ خان جو اس لڑائی میں اپنی مرضی کے خلاف شریک ہوا تھا ناامیدی کے عالم میں اپنے علاقے سے باہر بھاگ نکلا اور ایک ترک قبیلے کے دو جنگجوؤں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ داستان بیان کرتی ہے کہ اس کا کاسہ سر چاندی سے مرصع کیا گیا اور اس سردار کے خیمے میں بڑی عزت سے رکھا گیا اس کا بیٹا بھی اسی حالت میں مارا گیا۔

کوئی اور خانہ بدوش سردار ہوتا تو اس فتح کے بعد مطمئن ہو جاتا خانہ بدوشوں کی فتح کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ مال غنیمت لوٹ کر جمع کیا گیا، پھر بیکاری یا بیزاری، پھر آپس کے جھگڑے اور آوارہ گردوں کے درمیان اٹکل پچو سلطنت کی تقسیم۔

لیکن تموچن کی تعمیر دوسری طرح کے عناصر سے ہوئی تھی اب اس کی سلطنت کا مرکز

قرایت کا علاقہ تھا جو زمین کی کاشت کرتے تھے اور شہروں کی تعمیر کرتے تھے ان کے شہر گارے اور پھونس کے ہی سہی مگر یہ مستقل اقامت کے مقامات تھے اس نے پوری کوشش کی کہ قرایت کو اسی طرح آباد اور خوش رکھے اور پھر ذرا بھی توقف کئے بغیر اس نے اپنے لشکروں کو نئی فتوحات کے لئے آگے بڑھایا۔

اس نے اپنے بیٹوں سے کہا ''کام کی خوبی یہ ہے کہ اسے اتمام کو پہنچایا جائے۔''

گوبی پر قبضہ کرانے والی جنگ کے بعد تین سال کے اندر اندر اس کے آزمودہ کار سوار مغربی ترکوں اور نائمانوں اور ایغوروں کی وادیوں میں گھس آئے ان لوگوں کا تمدن اعلیٰ پیانے کا تھا وہ اونگ خان کے دشمن تھے اور اس کا امکان تھا کہ تموچن کے مقابلے کے لئے وہ باہم اکٹھے ہو جاتے، لیکن تموچن نے یہ اندازہ کرنے کا موقع ہی نہ دیا کہ ان پر کیا مصیبت پڑنے والی ہے شمال کے سفید برف پوش پہاڑوں کے سلسلے سے لے کر جنوب میں دیوارِ چین کی پوری لمبائی تک، بیش بالیغ اور ختن کے پرانے شہروں کے درمیان اس کے افسر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے پھرتے۔

یہاں مارکوپولو نے تموچن کے متعلق ایک فقرہ لکھا ہے:

''جب وہ کوئی صوبہ فتح کرتا تو وہاں کے باشندوں یا ان کی جائداد کو نقصان نہ پہنچاتا، صرف یہ کرتا کہ ان کے درمیان اپنے کچھ لوگوں کو آباد کر دیتا اور باقی کو ساتھ لے کے اور صوبوں کو فتح کرنے کے لئے آگے بڑھ جاتا۔ جب مفتوحوں کو اس کا اندازہ ہو جاتا کہ وہ ان کی حفاظت کتنی اچھی طرح کرتا ہے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تو ان کو پتا چلتا کہ وہ کیسا شریف سردار ہے دل و جان سے وہ اس کے ساتھ ہو جاتے اور وفاداری سے اس کی خدمت کرتے اور جب اس نے اتنا جم غفیر اکٹھا کر لیا جو معلوم ہوتا تھا کہ ٹڈی دل کی طرح ساری دنیا پر چھا جائے گا، تب اس نے دنیا کے بہت بڑے حصے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔''

دراصل اس کے پرانے دشمن کے نصیب اتنے اچھے نہ تھے جب وہ کسی دشمن قبیلے کی

جنگی طاقت توڑ چکتا تو یہ مغل حکمران خاندان کے تمام آدمیوں کا تعاقب کرتا اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتا۔ دشمن قبیلے کے لڑنے والے مرد وفادار قبیلوں میں لڑائی کے لئے تقسیم کردیئے جاتے جو عورتیں زیادہ حسین ہوتیں وہ جنگجوؤں کی بیویاں بنالی جاتیں، باقی عورتیں لونڈیاں بنائی جاتیں۔ مغل مائیں آوارہ گرد بچوں کو پال لیتیں اور شکست خوردہ قبیلے کی چراگاہیں اوراس کے ریوڑ نئے مالکوں کے تصرف میں آجاتے۔

ابھی تک تموچن کی زندگی کی تشکیل اس کے دشمنوں نے کی تھی مصیبت نے اس کے جسم کو طاقت بخشی تھی اسے بھیڑیوں کی سی فراست عطا کی تھی کہ وہ جبلی طور پر بالکل ٹھیک عمل کرتا اب وہ اتنا طاقتور ہوگیا تھا کہ اپنی مرضی کے مطابق فتوحات کا سلسلہ شروع کرے اوران لوگوں کی شکست کے بعد جو ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرتے وہ باقی ماندہ لوگوں سے مہربانی کا سلوک کرتا۔4

اب وہ دنیا کے نئے علاقوں میں داخل ہو رہا تھا، جہاں سے بڑے پرانے قافلوں کے راستے گزرتے تھے اور جہاں وسط ایشیا کے شہر آباد تھے اس کے دل میں بڑا تجسس پیدا ہوا اس نے دیکھا کہ اس کے قیدیوں میں بہت سے ایسے بلندو بالا اور خوش پوش آدمی ہیں جو سپاہی نہیں اسے پتا چلا کہ یہ عالم وفاضل ہیں ان میں بعض ہیئت ونجوم کے ماہر ہیں بعض طبیب ہیں جو ریوند چینی اور جڑی بوٹیوں کے استعمال کا ہنر جانتے ہیں اورعورتوں کی بیماریوں کا علاج کرسکتے ہیں۔

اس کے پاس ایک ایغوری شخص لایا گیا جو ایک شکست خوردہ سردار کی ملازمت کر چکا تھا وہ اب بھی سونے کے ایک عجیب زیور کو بڑی حفاظت سے اپنے پنجے میں لئے ہوئے تھا۔

مغل نے اس سے پوچھا ''تو اس طرح زیور کی حفاظت کیوں کرتا ہے؟''

اس شخص نے جو شکست خوردہ سردار کا وفادار اور وزیر تھا، جواب دیا ''میں چاہتا ہوں کہ جب تک وہ زندہ ہے جس نے یہ میرے سپرد کیا ہے میں اس کی حفاظت کرتا

رہوں''

خان نے اقبال کیا ''تو وفادار نوکر ہے مگر وہ تو مر چکا ہے اور اس کی ساری زمین، ساری ملکیت اب میرے قبضے میں ہے مجھے بتا کہ یہ زیور کس چیز کا نشان ہے اور کس کام کا ہے؟''

''جب میرا آقا چاندی یا غلہ اکٹھا کرتا تو یہ کام اپنی رعایا میں سے کسی کو تفویض کرتا اس مہر سے اس کے احکامات پر نشان لگایا جاتا تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ درحقیقت شاہی فرمان ہے۔''

تموچن نے حکم دیا کہ اس کے لئے بھی فوراً ایک مہر بنائی جائے اور سبز بیڈ کی ایک مہر تیار کی گئی اس نے قیدی ایغور کو معاف کر دیا۔ اپنے دربار میں اسے عہدہ دیا اور حکم دیا کہ اس کے لڑکوں کو ایغوری زبان میں لکھنا پڑھنا سکھائے ایغوری دراصل ایک طرح کی شامی زبان تھی جو غالباً کسی زمانے میں نسطوری راہبوں نے اس علاقے میں سکھائی ہوگی اب یہ راہب مرکھپ چکے تھے۔

لیکن سب سے بڑا انعام اس کے ان بہادروں کو ملا، جنہوں نے کسی شدید مصیبت میں خان کی مدد کی تھی انہیں ترخان کا لقب دیا گیا اور ان کا مرتبہ اوروں سے اونچا قرار دیا گیا۔ انہیں اس کی اجازت تھی کہ بے تکلف جب چاہیں شاہی شامیانے میں چلے آئیں ہر جنگ میں لوٹ کے حصوں میں ان کا حق تھا کہ پہلے جو حصہ وہ چاہیں لے لیں اور انہیں ہر طرح کے خراج سے معافی دی گئی تھی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کی کوئی خطا خطا نہ سمجھی جاتی تھی موت کی سزا ان کو نو مرتبہ معاف تھی جو زمینیں وہ چاہتے انہیں بخش دی جاتیں اور نو پشتوں تک ان کی اولاد کو بھی یہی حقوق بخشے گئے۔

اس کے خانہ بدوشوں کی بڑی آرزو یہی تھی کہ ترخانوں میں سے کسی کی نوکری کریں فتوحات اور تین سال تک نئے علاقوں میں تگ و تاز نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے تھے صرف مغل خان کا ڈر ایک حد تک انہیں روکے رکھتا۔

لیکن اس فاتح کی شخصیت کے اطراف سارے ایشیا کے بگڑے دل جمع تھے سارے ترک اور مغل جنگجو جو سمندر اور طیان شان کے سلسلہ کوہ کے درمیان رہتے تھے اور طیان شان کے پہاڑوں میں قراختائی کے علاقے پر کوشلوک کی حکومت تھی کچھ عرصے کے لئے قبیلوں کی باہمی رقابتیں بھلائی جا چکی تھیں شیطان پرست، شامان بدھ مت والے، مسلمان نسطوری عیسائی سب بھائیوں کی طرح بیٹھے حالات کا انتظار کر رہے تھے۔

اس وقت جو پیش آجاتا عجب نہ تھا جو پیش آیا یہ تھا کہ مغل خان اپنے آباؤ اجداد کی حدود سے بہت اونچا ہو کر اٹھا اور سر بلند ہوا اس نے خانوں کی مجلس مشاورت یا قرولتائی طلب کی کہ وہ ایشیائے بلند کی تمام قوموں پر حکومت کرنے کے لئے ایک فرد واحد، ایک شہنشاہ کا انتخاب کریں۔

اس نے انہیں سمجھایا کہ وہ اپنوں میں سے ایک ایسے آدمی کا انتخاب کریں جس کی حکومت اور سب پر مسلم ہو قدرتی طور پر گذشتہ تین سال کے واقعات کے بعد قرولتائی نے تموچن ہی کو انتخاب کیا اس کے علاوہ قرولتائی نے یہ بھی طے کیا کہ اسے ایک موزوں خطاب دیا جائے مجلس میں ایک پیشین گوئی کرنے والا بھی تھا جو آگے بڑھا اور جس نے اعلان کیا کہ اس کا نیا نام چنگیز خان ہو گا۔ چنگیز خان، سرداروں کا سردار، سارے عالم کا شہنشاہ۔

مجلس خوش تھی خانوں کے متفقہ اصرار پر تیموچن نے یہ نیا خطاب قبول کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ساتواں باب :: یاسا

یہ قورلتائی 1206ء میں منعقد ہوئی اور اسی سال اس چینی عہدہ دار نے جو مغربی سرحدوں کا نگہبان تھا اور جس کا فرض یہ تھا کہ دیوار چین کے باہر کے وحشیوں پر نظر رکھے اور ان سے خراج وصول کرے، یہ اطلاع لکھی کہ دور دراز کی ریاستوں میں کامل امن ہے جب سے ترک اور مغل قوموں نے چنگیز خاں کو اپنا مالک انتخاب کے اتھا کئی صدیوں کے بعد پہلی بار انہیں متحد ہونے کا موقع ملا تھا

جوش عقیدت میں وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ چنگیز خاں فی الحقیقت بو گدو تھا۔ بوگدو دیوتاؤں کا بھیجا ہوا ہوتا تھا اور اعلیٰ آسمان کی ساری قوت اس کو عطا ہوتی تھی، لیکن محض جوش وخروش، ان قانون سے ناآشنا لشکروں کی روک تھام کے لئے کافی نہ تھا۔ بہت عرصے سے وہ ان قبائلی رسموں کے پابند رہے تھے اور رسوم میں اتنا ہی اختلاف ہوتا ہے جتنا انسانی طبائع میں۔

ان کی روک تھام کے لئے چنگیز خاں کے پاس اپنے مغلوں کا فوجی نظام تو تھا ہی، اور اب ان مغلوں میں سے زیادہ تر بڑے کار آزمودہ دیرینہ سپاہی بن چکے تھے لیکن اس نے یہ اعلان کیا کہ ان پر حکومت کرنے کے لئے اس نے یاسا کو وضع کیا ہے۔ یہ یاسا اس کے قوانین کا مجموعہ تھا، جن میں سے بعض اس نے خود وضع کئے تھے اور بعض کارآمد قبائلی رسوم تھے۔

اس نے یہ واضح کر دیا کہ چوری اور زنا اسے خاص طور ناپسند ہیں اور ان کی سزا موت ہے اگر کوئی کسی کا گھوڑا چرا لے تو اس چوری کی سزا موت ہے اس نے کہا کہ اسے یہ سن کے غصہ آتا ہے کہ بیٹا اپنے والدین کی یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی نافرمانی کرے، شوہر اپنی بیوی پر اعتبار نہ کرے، یا بیوی شوہر کی فرمانبرداری نہ کرے، امیر غریبوں کی مدد نہ کریں، یا کمتر درجے کے لوگ سرداروں کی عزت نہ کریں۔

نشہ مغلوں کی بڑی خاص علت تھی، اس کے متعلق اس نے کہا ”جو آدمی نشہ پئے ہوتا

ہے اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی نے سر پر چوٹ کھائی ہو عقل اور ہنر اس کے ساتھ نہیں دیتے مہینے میں صرف تین مرتبہ نشہ سے مدہوش ہونے کی اجازت ہے بہتر تو یہی ہے کہ مدہوشی پیدا ہی نہ ہونے پائے لیکن نشہ سے قطعی پرہیز کون کرسکتا ہے؟''

مغلوں کی ایک اور کمزوری یہ تھی کہ وہ رعد سے ڈرتے تھے گوبی کے سخت طوفانوں میں اس خوف سے وہ اس درجہ مرعوب ہو جاتے کہ جھیلوں اور دریاؤں میں ڈوب جاتے تاکہ آسمانوں کے قہر سے محفوظ رہ سکیں۔۔۔۔کم سے کم فرار و بری کولیس جیسے محترم مسافر نے یہی لکھا ہے یاسا میں نہانے کی ممانعت تھی رعد و برق کے طوفان میں پانی کو چھونا بھی منع تھا۔

وہ خود بہت مغضوب الغضب تھا لیکن چنگیز خاں نے اپنے ساتھیوں کو اسی غیظ و غضب کی عام عادت سے محروم کر دیا۔یاسا نے مغلوں پر آپس میں لڑائی جھگڑا حرام کر دیا ایک اور بڑا اہم اور اٹل نکتہ یہ تھا کہ اس کے سوا اور کوئی بھی چنگیز خان نہیں ہوسکتا اس کا نام اور اس کے بیٹوں کے نام یا تو سنہرے حرفوں میں لکھے جاتے یا پھر ان کا لکھنا ممنوع تھا۔اس نئے شہنشاہ کی رعایا آسانی سے اس کا نام زبان پر نہ لاتی۔

وہ خود دین فطرت کا پابند تھا اور اس کی پرورش گوبی کے شکستہ حال، چالاک شامانوں کی صحبت میں ہوئی تھی، اس لئے اس کا قانون مذہبی معاملات میں نرم تھا دوسرے فرقوں کے امام، پیرو، مسجدوں کے موذن عام الزاموں سے بری سمجھے جاتے تھے مغل خیمہ و خرگاہ کے پیچھے پیچھے رنگ برنگ کے پجاری جوق در جوق چلے جاتے۔۔۔۔۔۔زرد پوش اور سرخ پوش آوارہ گرد لاما چکردار مالا جپتے ہوئے اور بقول فراری وبری کولیس ''رنگین لبادے پہنے جن میں وہ عیسائیوں کے اصل شیطان سے مشابہ معلوم ہوتے تھے'' مارکوپولو کا بیان ہے کہ ہر لڑائی سے پہلے چنگیز خان نجومیوں سے فال نکلواتا۔مسلمان نجومیوں کی پیشین گوئی کوئی تسلی بخش نہیں نکلی، لیکن نسطوری عیسائی زیادہ کامیاب رہے ان کا طریقہ یہ تھا کہ ان کے پاس دو چھڑیاں ہوتیں جن پر دونوں حریف سرداروں کے نام نقش ہوتے زبور کا ورد

کیا جاتا اور یہ چھڑیاں ایک دوسری پر گر پڑتیں چنگیز خاں نجوموں کی سن تو لیتا۔۔۔اور معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں ایک ختائی نجومی کے انتباہوں پر اسے بہت اعتقاد تھا۔۔۔لیکن وہ اپنے کسی منصوبے سے ان نجومیوں کی پیشین گوئی کی وجہ سے کبھی نہیں پلٹا۔

یاسا میں جاسوسی، اغلام، جھوٹی گواہی اور کالے جادو کی بڑی سادہ سزا تجویز کی گئی تھی یہ سزا سزائے موت تھی۔

یاسا کا پہلا قانون قابل غور ہے ''حکم دیا جاتا ہے کہ سارے انسان ایک خدا پر یقین کریں، جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، جو اکیلا امیری یا غریبی، زندگی یا موت اپنی مرضی کے مطابق عطا کرتا ہے جس کی طاقت اور حکومت ہر شے اور ہر شخص پر کامل اور مکمل ہے'' یہ ابتدائی نسطوری عیسائیوں کی تعلیمات کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے چنگیز خاں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی رعایا کے درمیان کہیں خط امتیاز کھینچے یا فرقہ وارانہ مخالفت کی دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے۔

ماہر نفسیات یہ بتائے گا کہ یاسا کے تین مقاصد تھے چنگیز خاں کی اطاعت، خانہ بدوش قبیلوں میں اتحاد و اتفاق اور غلطیوں کی سخت سزا، یاسا کا تعلق انسانوں سے تھا، جائدادوں سے نہیں اور کوئی آدمی اس وقت تک خطا کار نہ سمجھا جاتا تھا، جب تک کہ وہ خود اقبال نہ کرے یا جرم کرتا ہوا پکڑا نہ جائے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پڑھ مغلوں میں انسان کی زبان کو بہت وقیع سمجھا جاتا تھا۔

زیادہ تر یہی ہوتا تھا کہ جب کسی خانہ بدوش پر کسی جرم کا الزام لگایا جاتا تو اگر وہ سچ مچ مجرم ہوتا تو اقبال کر لیتا ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض مجرم خود خان کے پاس آئے اور سزا پانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

خان کی زندگی کے آخری زمانے میں اس کی اطاعت کامل اور قطعی طور پر واجب تھی اگر کوئی معمولی سا قاصد فرمان لے کے پہنچتا تو دربار سے ہزار میل کے فاصلے پر کسی فوج کا

سپہ سالار خان کے حکم کی تعمیل میں فوراً اپنے عہدے سے دستبردار ہو جاتا۔

فربہ اندام پادری کارپینی لکھتا ہے ''دوسری قوموں کے مقابل وہ اپنے سرداروں کے بڑے فرمانبردار ہیں ان کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور کبھی لفظاً یا عملاً انہیں دھوکا نہیں دیتے آپس میں شاذونادر ہی لڑتے ہیں اور جھگڑے، زخم خوری یا قتل کی وارداتیں شاذونادر ہی پیش آتی ہیں۔ کہیں چور اور ڈاکو نہیں، اس لئے ان کے مکان اور ان کے چھکڑے جن میں ان کا سارا سامان اور مال و دولت رہتی ہے، کھلے پڑے رہتے ہیں کبھی بند یا مقفل نہیں کئے جاتے۔ ان کے ریوڑوں میں سے کوئی جانور اگر کہیں بھٹک جاتا ہے تو اسے پانے والا اسے ان افسروں کے پاس چھوڑ جاتا ہے، جن کے ذمے گم شدہ جانوروں کی حفاظت ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے وہ اخلاق سے ملتے ہیں اور اگرچہ کھانے پینے کی چیزیں کم ہیں، مگر وہ کھانے پینے میں ایک دوسرے کو اکثر شریک کرتے رہتے ہیں تکلیف میں وہ بڑا صبر و استقلال دکھاتے ہیں اور ایک دو دن کا فاقہ ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح گاتے بجاتے رہتے ہیں سفر میں گرمی یا سردی برداشت کرلیتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے آپس میں لڑتے بہت کم ہیں اور اگرچہ نشے کے بہت شوقین ہیں، نشے کے عالم میں بھی نہیں جھگڑتے۔''

(اس پر یورپ کے اس مسافر کو معلوم ہوتا ہے کہ کافی حیرت تھی)

''ان کے نزدیک نشہ بڑی عزت کی چیز ہے جب کوئی بہت پی جاتا ہے تو قے کر کے پھر سے پینے لگتا ہے دوسری قوموں سے وہ بہت غرور اور نخوت سے پیش آتے ہیں اور دوسرے آدمی خواہ کتنے ہی معزز کیوں نہ ہوں، انہیں وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، کیونکہ ہم نے دربار میں روس کے بڑے ڈیوک کو شاہ جرجستھان کے شہزادے کو بہت سے سلطانوں اور دوسرے بہت سے معززین کو دیکھا جن کی کوئی عزت یا حرمت نہیں کی جاتی تھی یہاں تک کہ وہ تاتاری جو ان کی خدمت گذاری پر مامور تھے، کتنے ہی کم مرتبہ تہی ان عالی نسب قیدیوں سے زیادہ رتبے کے مستحق سمجھے جاتے تھے اور دربار میں ان

کے مقابلے میں زیادہ اچھی نشتیں ملتی تھیں۔''

دوسری قوموں سے وہ خشم ونخوت سے پیش آتے ہیں اور نا قابل یقین حد تک دغابازی کرگزرتے ہیں جو دغایا فریب کرنا ہوتا ہے وہ اسے بڑی ہوشیاری سے چھپاتے ہیں کہ اس سے کوئی بچاؤ نہ کرپائے دوسری قوموں کا قتل عام ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔

ایک دوسرے کی امداد۔۔۔۔۔۔اور دوسرے قوموں کو نیست و نابود کرنا یہ یاسا کی صدائے بازگشت ہے یہ اہل قبائل جو لڑائی کے بھوکے، اور پرانی رقابتوں کے زخم خوردہ تھے صرف ایک ہی طریقے پر متحد رکھے جا سکتے تھے اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو بہت جلد وہ باہمی خانہ جنگی اور تباہ کاری کا پرانا کھیل کھیلنا شروع کر دیتے اور لوٹ اور چراگاہوں کے لئے آپس میں لڑنا شروع کر دیتے۔سرخ بالوں والے خان نے باد تند کی کاشت کی تھی اور طوفان کی فصل پک کر تیار ہو رہی تھی۔

اس کا اسے احساس تھا اس کے بعد کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس کا خوب احساس تھا وہ خانہ بدوشوں میں پلا بڑھا تھا اور جانتا تھا کہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے سے اگر ان خانہ بدوشوں کو روکنا ہے تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ انہیں اور کہیں جنگ میں الجھا کر رکھا جائے اس کا مقصد یہ تھا کہ طوفان پر اپنی لگام اور زین کسے، اور اسے گوبی سے باہر دوڑا لے جائے۔

داستان اس کی زمانے کی تصویر کی ہمیں ایک جھلک دکھاتی ہے، جب کہ قرولتائی کا طویل جشن ختم نہ ہونے پایا تھا۔دولن بلداق، یعنی اس پہاڑ کے دامن میں، جس کا سایہ اس کی پیدائشی سرزمین پر پڑتا ہے، اپنے نویاکوں کی دموں والے مانوس پرچم کے تلے کھڑے ہوکے اس نے بورچیجن اور اپنے حلیف سرداروں کو یوں مخاطب کیا:

''یہ لوگ جو مستقبل میں راحت اور مصیبت میں میرا ساتھ دیں گے، جن کی وفاداری آئینے کی طرح صاف وشفاف ہے، ان سب کو میں مغلوں کا لقب دیتا ہوں میری تمنا ہے

کہ یہ اس دنیا کے تمام جانداروں سے زیادہ طاقتور ہوں اور سب پر حکومت کریں۔''

اسے وہ قوت تخیل عطا ہوئی تھی کہ وہ اس بے لگام مجمع کو ایک منظم اور متحد لشکر بنتا دیکھ سکتا تھا عقلمند اور پراسرار ایغور تنومند قرایت، جفاکش پکا مغل، جو بیکور تا تاری، جری مرکیت برفانی آبادیوں کے خاموش اور بڑی قوت برداشت رکھنے والے باشندے، شکاری ایشیائے بلند کے تمام شہسوار سب ایک واحد عظیم الشان قبیلہ میں مجتمع ہو رہے تھے جس کا وہ خودسر دار تھا۔

اس سے پہلے بھی کچھ عرصے کے لئے وہ ہی انگ نو بادشاہوں کی سرکردگی میں متحد ہوئے تھے اور چین میں قتل و غارت مچائی تھی، یہاں تک کہ ان کی روک کے لئے چین کی دیوار عظیم تعمیر کی گئی چنگیز خان میں وہ قوت بیان بھی تھی کہ جو ان کے دیرینہ جذبات کو متحرک کر سکے اور اسے اپنی صلاحت پر کامل اعتماد تھا کہ وہ ان کی قیادت کر سکے گا۔

اس نے ان کی آنکھوں کو نامعلوم سرزمینوں کی فتح کا خواب دکھایا اور خود انتہائی جفاکشی سے اس نئے لشکر کی توسیع و تنظیم کی اس نے یا سا کا حوالہ دیا۔

جنگجو پر حرام تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دے دس سپاہیوں کا ایک چھوٹا سا ابتدائی گروہ ہوتا تھا اس دس کے گروہ پر یہ حرام تھا کہ وہ اپنوں میں سے کسی کو زخمی چھوڑ کے آگے بڑھ جائیں اسی طرح لشکر کے ہر سپاہی پر اس وقت تک پیچھے ہٹنا یا بھاگنا حرام تھا۔ جب تک کہ پرچم لڑائی کے میدان سے نہ ہٹا لیا جائے اس وقت تک لڑائی کو چھوڑ کے لوٹ کھسوٹ کرنا منع تھا جب تک کہ کمان کرنے والا افسر اس کی اجازت نہ دے۔

(سپاہیوں میں لوٹنے کی جو جبلی خواہش تھی، اس کے مدنظر اس کی اجازت تھی کہ افسر مانے یا نہ مانے لوٹ میں انہیں جو کچھ مل جائے وہ ان کی اپنی ملکیت ہو جاتی تھی)

پادری کارپینی جو مشاہدے میں تیز تھا اس کی مستند گواہی دیتا ہے کہ چنگیز خاں نے یاسا کے اس حصہ پر پابندی سے عمل کرایا وہ کہتا ہے کہ مغل اس وقت تک میدان جنگ سے نہ ہٹتے جب تک کہ ان کا پرچم بلند رہتا اگر گرفتار ہو جاتے تو کبھی پناہ نہ مانگتے اور کسی دشمن کو

زندہ نہ چھوڑتے۔

یہ لشکر اب قبیلوں کا بے ترتیب مجمع نہ تھا رومۃ الکبریٰ کے عسکر کی طرح اس کی تنظیم اور ترتیب مستقل تھی دس دس کی وحدتیں، دس ہزار کے تومانوں پر مبنی ہوتیں ایک تومان سوار فوج کا مکتفی دستہ سمجھا جاتا فوجوں کے سردار ارخان تھے جو خان کے سپہ سالار تھے ان کی جملہ تعداد گیارہ تھی اور ان میں سوبدائی بہادر شامل تھا، جس نے کبھی کسی غلطی کا ارتکاب نہ کیا ان میں کہن سال اور تجربہ کار مقولی بہادر بھی تھا اور آتشیں جبی نویان بھی۔

لشکر کے ہتھیار۔۔۔۔ یا کم از کم نیزے، وزنی زرہیں اور ڈھالیں۔۔۔بعض افسروں کے زیر نگرانی اسلحہ خانہ میں رکھے رہتے، جہاں ان کی حفاظت اور صفائی کا اہتمام ہوتا اور جب کسی حملے کے لئے جنگجوؤں کو طلب کیا جاتا تو ان میں یہ ہتھیار تقسیم کئے جاتے سپاہی انہیں پہن کے صف آرا ہوئے اور ارخان ان کا معائنہ کرتے عقلمند مغل یہ نہ چاہتا تھا کہ کئی لاکھ آدمی آزاد اور پوری طرح سے مسلح ایک لاکھ مربع میل کے میدانی اور پہاڑے علاقے میں پھیلے رہیں

اپنے لشکر کی طاقت اور توجہ ہٹانے کے لئے یاساکا کا حکم تھا کہ موسم سرما میں۔۔۔۔ پہلی سخت برف باری، اور بہار میں گھاس کی پتیوں کی پہلی نمود کے درمیان بڑے پیانے پے شکار ہوا کرے، اور بارہ سنگوں، ہرنوں اور باد پا گورخروں کا پیچھا کیا جائے۔

اس نے اعلان کیا کہ بہار میں قرولتائی کے جشن ہوں گے اور تمام اعلیٰ افسروں سے توقع تھی کہ وہ ضرور شریک ہوں گے ''جو میرے احکام سننے کے لئے میرے پاس نہ آئے گا اور اپنے رتبے میں ہی رہے گا، اس کی حالت اس پتھر کی سی ہوگی جو گہرے پانی میں پھینک دیا جائے یا اس تیر کی سی ہوگی جو لمبی گھاس میں چلایا جائے۔۔۔۔وہ لاپتا ہو جائے گا''

اس میں کوئی شک نہیں کہ چنگیز خاں نے آباؤ اجداد کی روایات سے بہت کچھ سیکھا تھا اور مروجہ رسوم سے اس نے بہت فائدہ اٹھایا، لیکن ایک مستقل فوجی تنظیم کی حیثیت سے

لشکر کی تشکیل اس کا اپنا کارنامہ تھی اس پر یاسا کا راج تھا اٹل قوت اور طاقت کے چابک سے اسے یکجا کیا گیا تھا اور یکجا رکھا گیا اب چنگیز خاں کے ہاتھ میں ایک نئی طرح کی جنگی طاقت تھی بھاری منظم مسلح سوار فوج جو ہر طرح کی زمین پر بہت تیزی سے حرکت کر سکتی تھی اس کے دور سے پہلے ایرانیوں اور پارتھیوں کے پاس بھی شاید اتنی ہی کثیر سوار فوج تھی، لیکن تیر اندازی، وحشیانہ جرات اور نیست و نابود کر دینے کے ہنر میں وہ مغلوں کے ہمسر نہ تھے

یہ لشکر ایک ایسا ہتھیار تھا کہ اگر اسے ٹھیک طرح پر استعمال کیا جائے اور اس کی حسب ضرورت روک تھام کی جائے تو اس سے بڑے پیانے پر تباہی اور بربادی پھیلائی جا سکتی تھی اور اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اسے دیوار چین کے اس پار ختا کی قدیم اور بے بدل سلطنت کے خلاف استعمال کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

آٹھواں باب :: ختا

دیوار چین کے اس پار کے حالات ایشیائے بلند کے حالات سے بہت مختلف تھے۔ یہاں کا تمدن پانچ ہزار سال پرانا تھا۔ یہاں کے بعض کتبے اور تحریریں تیس صدیاں پیشتر لکھی گئی تھیں یہاں جو انسان رہتے وہ اپنی زندگی گیان دھیان میں بھی گذارتے اور حرب وضرب میں بھی۔

ایک زمانہ ایسا تھا کہ ان لوگوں کے آباؤ اجداد بھی خانہ بدوش سوار تھے اور تیر اندازی میں مشاق تھے، لیکن تین ہزار سال سے انہوں نے ہجرت اور خانہ بدوشی ترک کر رکھی تھی انہوں نے اپنے رہنے کے لئے شہر بنائے تھے تین ہزار سال کے عرصے میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے ان کی آبادی میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا اور جب انسانوں کی آبادی پھیلتی اور ہجوم بہت بڑھ جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے کے لئے دیواریں بناتے ہیں اور اپنی آبادی کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

گوبی کے برعکس، جو لوگ چین کی دیوار عظیم کے پیچھے رہتے تھے۔ ان میں غلام اور کسان بھی تھے۔ عالم و فاضل، سپاہی اور فقیر بھی۔ اور عمال، امرا اور ملوک بھی ان کا ایک شہنشاہ ہوا کرتا تھا جسے وہ تی ان تسی (فرزند آسمان) مانتے اس کا دربار گویا ''ابر آسمان'' ہوتا۔

1210ء میں جو بارہ جانوروں کی جنتری کے مطابق بھیڑ کا سال تھا چین کے شہنشاہی تخت پر فن یا کن یا چن (خاندان زریں) متمکن تھا دربار کا پایہ تخت ین کنگ تھا یہ مقام اس جگہ سے قریب ہے جہاں اب پیکن آباد ہے۔

ملک ختا (چین) کی حالت ایک معمر خاتون کی سی ہے جو بڑے سلیقے اور بڑی شان کا ملبوس پہنے گیان دھیان میں محو ہو جس کے اطراف میں بہت سے بچے جمع ہوں لیکن بچوں کی نگہداشت نہ ہو سکتی ہو چین کی بیداری اور خواب کے اوقات مقرر تھے اس معمر خاتون کی سواری خادموں کی ہمراہی میں گاڑی پر نکلتی اور مردوں کی لوح مزار سے دعائیں

مانگتی۔

اس کا ملبوس رنگ برنگ کے کچے ریشم کا تھا۔۔۔۔۔ حالانکہ اس کے غلام سوتی کپڑے پہنے ننگے پاؤں دوڑتے پھرتے اس کے اعلیٰ افسروں کے سر پر خدام چھتریاں لئے پھرتے مکانوں کی چوکھٹوں کے اندر، شیطانوں سے بچنے کے لئے پردے کھڑے ہوتے یہاں سر جھکا کے رسوم کی پابندی کی جاتی اور ساری توجہ اس پر کی جاتی کہ روزمرہ کی عادات واطوار میں کمال شائستگی کیسے پیدا کیا جائے۔

وحشی قبائل شمال سے آیا کرتے تھے اہل ختا خود شمال سے آئے تھے اور تن تو صرف سو سال پہلے آئے تھے لیکن آنے کے بعد وہ دیوار چین کی آبادی کے جم غفیر میں گھل مل گئے تھے کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان سب نے اہل ختا کے عادات واطوار اختیار کر لئے تھے ویسے ہی کپڑے پہننے لگے تھے اور انہیں رسموں کی پابندی کرنے لگے تھے۔

ختا کے شہروں میں تفریح کرنے کے لئے جھیلیں بنی ہوئی تھیں، جن پر کشتیوں میں سوار ہو کے لوگ چاول کی شراب پیتے اور عورتوں کے ہاتھ میں بجتی ہوئی چاندی کی گھنٹیوں کا خوش آئند نغمہ سنتے۔ کبھی کبھی ان کی کشتیاں کسی کھپریلوں کی چھت والے پیگوڈے کے نیچے سے ہو کر گذرتیں اور وہ مندر کے گجر کی آواز سنتے۔

وہ بھولے ہوئے زمانے کی، بانس کے کاغذ پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور تانگ خاندان کے عہد زریں کے طول طویل ضیافتوں میں ان پر بحثیں کرتے وہ تن کے لوگ تھے ایک خاندان کے پیرو اور اس کی رعایا، تخت نشین بادشاہ کے چاکر۔ وہ روایات کے محکوم تھے اور روایات کی تعلیم یہ تھی کہ سب سے بڑا فرض خاندان شاہی کی اطاعت ہے حالانکہ استاد کوانگ (کنفوشس) کے زمانے میں ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا تھا کہ ایک بار شہنشاہ ایک طوائف کو اپنے ساتھ سواری میں بٹھا کر نکلا اور اس کے پیچھے کی سواری پر یہ بزرگ تھا تو لوگ کہنے لگے "دیکھو ہوس آگے آگے ہے اور نیکی پیچھے"

کوئی آوارہ مزاج شاعر، شراب کے نشے میں چور دریا پر چاندنی رات کا حسن دیکھنے

جاتا اور نشے کے عالم میں دریا میں گر کے ڈوب جاتا، تب بھی وہ بڑے اعلیٰ پایہ کا شاعر سمجھا جاتا۔ جستجوئے کمال میں بڑی محنت اور بڑا وقت درکار ہے، لیکن وقت کی ختا میں کوئی خاص قیمت نہ تھی۔

مصور کے لئے یہ کافی تھا کہ ریشم پر ذرا سا رنگ بکھیر کے کسی شاخ پر چڑیا کی تصویر یا برف پوش پہاڑیوں کی تصویر بنا دے۔ یہ محض تفصیل ہوتی لیکن مکمل تفصیل ستارہ شناس اپنی چھت پر پیتل کے گولے اور مزد لے لئے بیٹھا ستارے کی گردش کا حساب لکھتا جاتا، یہاں تک کہ رجز خواں یا جنگ کا مغنی بھی غور و فکر کا پابند تھا۔

''اب خاموش دیوار سے چڑیا تک کے چہچہانے کی آواز نہ آتی۔۔۔رات کا سناٹا چھایا ہوا تھا اور رات کی تاریکی میں مردوں کی روحیں، ادھر ادھر آوارہ پھرتی ہیں ڈوبتا ہوا چاند گرتی ہوئی برف پر جگمگاتا ہے فصیلوں کے نیچے خندقوں میں خون جم گیا ہے اور مردوں کی داڑھیوں پر برف جم گئی ہے ہر تیر چلایا جا چکا ہے، ہر کمان کی زہ ٹوٹ چکی ہے جنگی رہوار کی طاقت سلب ہو چکی ہے اس طرح پان لی کا شہر دشمن کے قبضے میں آیا ہے۔''

اس طرح مطرب موت کا نقشہ ایک تصویر کی طرح دیکھتا اور پیش کرتا اور تقدیر پر راضی برضا ہو جاتا جو ختا کی میراث تھی۔

ان کے پاس جنگی مشینیں بھی تھیں، ایسے پرانے اور بیکار رن کے رتھ جنہیں بیس بیس گھوڑے کھینچتے، منجنیق، ایسی کڑی کمانیں جنہیں دس آدمی مشکل سے کھینچ پاتے۔ بعض منجنیقیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ دو سو آدمیوں کو ان کی بڑی بڑی رسیاں کھینچنی پڑتیں ان کے پاس ''اڑتی ہوئی آگ'' بھی تھی اور ایسی آگ بھی جو بانس کے اندر بھر کے بارود کی طرح اڑائی جاتی۔

ختا میں لڑائی ایک ہنر تھا اور یہ ان دنوں سے جب سے کہ مسلح دستے اور لڑائی کے رتھ ایشیا کے صحراؤں میں نبرد آزمائی کی مشق کرتے اور فوج کی خیمہ گاہ میں ایک مندر محض اس لئے ایستادہ کیا جاتا کہ سپہ سالار اس میں تن تنہا اپنی جنگی تجویزوں پر غور و خوض کر سکے۔

کوانتی لڑائی کا دیوتا تھا اور اسے پیروؤں کی کمی نہ تھی ختا کی اصلی طاقت اس کی آبادی کے تربیت یافتہ بے شمار باشندوں اور انسانی جانوں کے اس بے پناہ اور بے انتہا وسیع ذخیرے میں مضمر تھی۔ رہ گئی ختا کی کمزوری، تو اس کے متعلق سترہ صدیاں پہلے ختا کے ایک سپہ سالار نے یوں تنبیہہ کی تھی۔

''کوئی بادشاہ اگر اپنی فوج پر اس طرح حکومت کرے جیسے وہ اپنی سلطنت پر حکومت کرتا ہے تو وہ اپنی فوج کو تباہ کر دے گا، کیونکہ وہ فوج کے اندرونی حالات سے اور ان حالات سے جن کا فوج کو مقابلہ کرنا ہوتا ہے، بے خبر ہوتا ہے۔ اس طرح فوج لنگڑی ہو جاتی ہے اور سپاہیوں میں بے چینی پھیلتی ہے۔''

''اور جب فوج میں بے چینی اور بے اعتباری ہو تو افراتفری مچ جاتی ہے اور فتح ہاتھ سے چھن جاتی ہے۔''

ختا کی اصلی کمزوری اس کا شہنشاہ تھا جو خود ین کنگ میں رہا کرتا اور اس کے سپہ سالار فوجوں کی سرداری کرتے۔ اس کے برعکس دیوار پار کے خانہ بدوشوں کی طاقت کا راز ان کے خان کی جنگی جبلت تھی جو بنفس نفیس فوج کی سالاری کرتا۔

اس وقت چنگیز خاں کی صورت حال وہی تھی جو ایک زمانے میں اطالیہ میں قرطاجنہ کے سپہ سالار ہنی بال کی تھی اس کے سپاہیوں کی تعداد محدود تھی اگر اسے ایک بڑی شکست مل جاتی تو وہ اور اس کے خانہ بدوش اپنے صحراؤں کو واپس بھاگ آتے مبہم فتح سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ اسے قطعی فتح نصیب ہو، لیکن اس کے سپاہیوں کی تعداد میں کوئی خاص کمی نہ ہونے پائے اسے ایسے حریف کے مقابل اپنے دستوں کو جنگ کی مشق کرانی تھی جو جنگ کے داؤ پیچ کا بڑا کہنہ مشق استاد تھا۔

اس درمیان میں قراقورم میں اب بھی اس کا لقب ''باغیوں کا دشمن سالار'' تھا اور وہ چین کے تاجدار زریں کی رعایا سمجھا جاتا تھا۔

پچھلے زمانے میں جب ختا کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا تو چین کے شہنشاہ دیوار عظیم

کے اس پار کے خانہ بدوشوں سے خراج طلب کرتے تھے اپنی کمزوری کے زمانے میں ختا کے شاہی خاندان خانہ بدوشوں کے حملے ٹالنے کے لئے چاندی، کچے ریشم، منقش چمڑے، ترشے ہوئے جیڈ، اور غلے اور شراب کے قافلوں کے قافلے تحفے کے طور پر بھیجتے اپنے اعزاز کے بچاؤ یا دوسرے الفاظ میں ختا کے شاہی خاندان کی شرم رکھنے کے لئے اس الٹے خراج کو تحائف کا لقب دیا جاتا لیکن طاقت کے زمانے میں جو کچھ خانہ بدوش خانوں سے وصول کیا جاتا اسے خراج کہا جاتا۔

حملہ کرنے والے قبیلے نہ ان بیش بہا تحفوں کو بھول پائے تھے اور نہ ختا کے ٹوپی اور کمر بند پہننے والے، دیوار پار کے افسروں کے زبردستی خراج وصول کرنے کی اذیت کو اس طرح اس وقت مشرقی گوبی کی قومیں برائے نام ختا کے تاجدار زریں کی رعایا سمجھی جاتی تھیں اور ''مغربی سرحدوں کا سردار'' ان کا غائبانہ حاکم سمجھا جاتا تھا چنگیز خان کا نام افسروں کی فہرست میں باغیوں کے دشمن سالار کی حیثیت سے درج تھا وقت پر ین کنگ کے منشیوں نے بھی کھاتے دیکھ کے قاصدوں کو گھوڑوں اور مویشیوں کا خراج وصول کرنے کے لئے اس کے پاس بھیجا۔ اس نے یہ خراج ادا نہیں کیا۔

آپ دیکھیں گے کہ صورت حال خالص طور پر چینی انداز کی تھی چنگیز خاں کے رویہ کو دو تین لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے ''چوکنے پن سے انتظار''

گوبی کی یورشوں کے زمانے میں چنگیز خاں نے اس عظیم دیوار چین کو کئی جگہ سے دیکھا تھا اس کی مٹی اور اینٹ کی فصیل کا غور سے معائنہ کیا تھا اس کے دروازوں پر برجوں کو دیکھا تھا اور اوپر دیوار کی چوڑائی کا اندازہ اس سے کیا تھا کہ چھ گھوڑے سینہ بہ سینہ ایک ساتھ اس پر دوڑائے جاسکتے تھے۔

حال ہی میں اس دیوار کے قریب ترین حلقے کے ہر دروازے کے سامنے اس نے اپنا پرچم لہرایا تھا لیکن نہ تو مغربی سرحدوں کے محافظ افسر اور نہ تاجدار زریں نے اس کی طرف ذرا بھی توجہ کی تھی، لیکن سرحد کے غیر جانبدار قبیلوں نے جو اس دیوار کے سائے تلے رہتے

تھے اور جو سیر و شکار میں ختا کے شہنشاہ کی خدمت گذاری کرتے تھے اس جرات کا اچھی طرح مشاہدہ کیا اور یہ اندازہ لگایا کہ تاجدار زریں اس خانہ بدوش سردار سے ڈرتا ہے۔

واقعہ دراصل یوں نہیں تھا ختا کے کروڑوں باشندے، اپنے فصیل بند شہروں میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے اور ڈھائی لاکھ جنگجوؤں کے اس خانہ بدوش لشکر کو خاطر میں نہیں لاتے تھے ہوا صرف یہ کہ تاجدار زریں کو جنوب میں دریائے ینگ سی (جسے چینی فرزند بحر کہتے تھے) کے اس پار کے پرانے خانوادے سانگ سے دائمی لڑائی کے سلسلے میں کمک مانگنے کی ضرورت پڑی اور اس نے خانہ بدوش مغل شہسواروں کی کمک طلب کی۔

چنگیز خاں نے بڑی خوشی سے کئی تومان اس کی مدد کے لئے روانہ کیے۔ ان سوار دستوں کی سرداری کے لئے اس نے جبی نویان اور دوسرے ارخونوں کو متعین کیا۔ یہ نہیں معلوم کہ ان دستوں نے تاجدار زریں کی کیا خدمت انجام دی، لیکن انہوں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور پوچھ گچھ سے اپنی معلومات بڑھاتے رہے۔

ان میں خانہ بدوشوں والی وہ صفت پوری طرح موجود تھی کہ وہ سرزمین کی نشانیاں نہ بھول سکتے تھے جب وہ گوبی واپس ہوئے تو ختا کی سرزمین کا نقشہ ان کے ذہنوں میں اچھی طرح محفوظ تھا۔

انہوں نے بڑی بڑی عجیب حکائتیں سنائیں۔ انہوں نے بتایا کہ دریاؤں کے کنارے پتھر کے چبوتروں پر پکی اور صاف سڑکیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں لکڑی کے کبت دریاؤں میں بہتے پھرتے ہیں بڑے بڑے شہروں کی دیواریں اتنی اونچی ہیں کہ گھوڑے چھلانگ مار کر انہیں پار نہیں کر سکتے۔

ختا کے لوگ نا کمینی پارچے اور رنگ برنگ کے ریشم کے صدریاں پہنتے ہیں بعض بعض غلاموں کے پاس بی سات سات صدریاں ہیں بوڑھے راویوں کے بجائے نوجوان شعر اور بار کی تفریح کا سامان مہیا کرتے ہیں اور پرانی رزم آرائیوں کے قصے نہیں گنگناتے بلکہ ریشم کے پردے پر اشعار لکھتے ہیں ان اشعار میں وہ عورتوں کے حسن کا ذکر کرتے ہیں

ہر چیز بڑی عجیب اور حیرت ناک تھی۔

چنگیز کے سردار بیتاب تھے کہ دیوار عظیم پر حملہ کریں اس وقت ان کی بات ماننا اور اپنے وحشی قبیلوں کو ختا پر یورش کرنے کے لئے آگے بڑھانا، خان کے لئے تباہی کا سامان ہوتا۔ اس کے گھر پر بھی آفت آجاتی۔ اگر وہ اپنی نئی سلطنت چھوڑ کے مشرق میں ختا میں شکست کھا جاتا تو اس کے دوسرے دشمن مغل علاقوں پر حملہ کرنے میں کوئی پس وپیش نہ کرتے۔

گوبی کا صحرا اس کا اپنا تھا، جہاں سے وہ جنوب، جنوب مغرب اور مغرب کی جانب تین طاقتور دشمنوں کو دیکھ سکتا تھا خان لو کے پاس، قافلوں کی جنوبی راہ پر ہیا کی عجیب و غریب سلطنت تھی جو قزاقوں کی سلطنت کہلاتی تھی، یہاں دبلے پتلے لوٹ مار کرنے والے تلتی پہاڑوں سے اتر کے آئے تھے اور انہوں نے ختائیوں کو بے دخل کر دیا تھا اس علاقے کے پیچھے قراختائیوں کی طاقتور کوہستانی سلطنت تھی۔ مغرب میں قرغیروں کے خانہ بدوش گروہ تھے جو ابھی تک مغلوں کی دسترس سے باہر رہے تھے۔

ان سارے خطرناک ہمسایوں کے مقابل چنگیز خاں نے ارخونوں کی سرکردگی میں اپنے لشکر کے سوار دستے بھیجے کئی مرتبہ ہر قسم کے موسم میں اس نے بنفس نفیس ہیا کے علاقے میں لڑائی کے لئے پیش قدمی کی یہ لڑائی زیادہ تر کھلے علاقے میں لوٹ مار کی صورت میں ہوتی اور اس نے ہیا کے سرداروں کو بہت جلد قائل کر دیا کہ چنگیز سے صلح رکھنے ہی میں خیریت ہے۔ اس صلح کی توثیق خون کے رشتے سے کی گئی۔ اس طرح کہ شاہی خاندان کی ایک عورت چنگیز خاں کی بیوی بننے کے لئے بھیجی گئی۔ مغرب میں دوسرے رشتے کئے گئے یہ سب احتیاطی تدابیر تھیں اور فوجی اصطلاح میں یہ میمنہ اور میسرہ کی حفاظت کا انتظام تھا، لیکن اس سے ان سرداروں میں اسے کئی حلیف اور مل گئے اور اس کے لشکر میں اور بہت سے رنگروٹ شامل ہو گئے اس کے لشکر کو بھی یورش اور حملہ کرنے کا بڑا ضروری تجربہ حاصل ہوا۔

اس دوران میں ختا کے شہنشاہ کا انتقال ہو گیا اژدہے کی شکل والے تخت پر اس کا بیٹا

جلوہ افروز ہوا یہ دراز قامت تھا اس کی داڑھی گھنی تھی اور اسے مصوری اور شکار سے خاص طور پر شغف تھا اس نے اپنے آپ کو وائی ونگ کا خطاب دیا۔ایک معمولی انسان کا اتنا بڑا مرعوب کن خطاب۔

وقت آنے پر ختا کے عمال نے نئے تاجدار کے لئے خراج کے بھی کھاتے کھولے اور ایک افسر کو گوبی کی بلند سرزمین کی طرف بھیجا گیا کہ چنگیز خاں سے خراج وصول کر کے لائے۔وہ اپنے ساتھ نئے شہنشاہ وائی ونگ کا فرمان بھی لیتا گیا یہ شاہی فرمان تھا اور رواجب تھا کہ دوزانو ہو کر اسے قبول کیا جائے،لیکن مغل چنگیز خاں نے ہاتھ بڑھا کے اسے لے لیا، اسی طرح کھڑا رہا،اور اس کا ترجمہ سننے کے لئے مترجم تک کو طلب نہیں کیا۔

اس سے پوچھا''نیا شہنشاہ کون ہے؟''

''وائی ونگ''

آداب کے مطابق جنوب کی طرف سر خم کرنے کے بجائے خان کے کھنکھار کے تھوکا۔''میں سمجھتا تھا کہ فرزند آسمان بڑا غیر معمولی انسان ہو گا لیکن وائی ونگ جیسا احمق تخت پر بیٹھنے کے قابل نہیں میں اس کے سامنے اپنے آپ کو کیوں ذلیل کروں؟''

یہ کہہ کے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کے لوٹ آیا اس رات ارخون اس کے شامیانے میں بلائے گئے ان کے ساتھ اس نے اپنے نئے حلیفوں کو طلب کیا یہ شکاری شہبازوں والے اید یقوت تھے ان کے علاوہ اس نے مغربی ترکوں کے ببر صفت سردار کو بھی بلایا دوسرے دن چینی قاصد کو خان کے حضور میں بلا کے جوابی پیغام دیا گیا کہ وہ اسے تاجدار زریں تک پہنچا دے۔

مغل نے کہلا بھیجا''ہمارا علاقہ اب اتنا منظم ہو چکا ہے کہ ہم ختا کی سیاحت کا ارادہ فرما سکتے ہیں کیا تاجدار زریں کی سلطنت اتنی مستحکم ہے کہ وہ ہمارا استقبال فرما سکے؟ ہم ایک ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے جو سمندر کے طوفان کی طرح بپھرتا آئے گا۔اگر تاجدار زریں ہمارا دوست بننا چاہتا ہے تو ہم اپنے زیر سایہ اسے اپنے علاقہ پر حکومت کرتے

رہنے کی اجازت دیں گے اگر وہ جنگ کرنا چاہے گا تو یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک کہ ہم میں سے ایک کو فتح اور ایک کو شکست نصیب ہو۔"

اس سے زیادہ حقارت آمیز شاید ہی اور کوئی پیغام ہو سکتا۔ چنگیز خاں طے کر چکا تھا کہ اب یورش کا وقت آ چکا ہے جب تک بوڑھا شہنشاہ زندہ تھا تو پرانے بندہ و آقا کے رشتے سے وہ اپنے آپ کو ختا کا وفادار اور ختا کی رعایا سمجھتا تھا۔ دائی ونگ کا وہ کسی طرح پابند نہ تھا۔

قاصد ین کنگ میں دائی ونگ کے دربار میں واپس پہنچا دائی ونگ کو جوابی پیغام سن کر طیش آ گیا۔ 5 مغربی سرحدوں کے محافظ سردار سے پوچھا گیا کہ مغلوں کا کیا ارادہ ہے اور کیا اندازہ ہے اس نے جواب دیا کہ وہ تیر بہت بنا رہے ہیں اور گھوڑے جمع کر رہے ہیں اس پر مغربی سرحدوں کے محافظ سردار کو قید کر دیا گیا۔

جاڑوں کا موسم گذر رہا تھا اور مغل اسی طرح تیر تیار کرتے رہے اور گھوڑے جمع کرتے رہے۔ تاجدار زریں کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ کر رہے تھے۔ چنگیز خاں نے ختا کے شمالی علاقے میں لیاؤ تنگ کے باشندوں کے پاس قاصد اور تحائف بھیجے اسے معلوم تھا کہ یہ بڑے جنگجو لوگ ہیں، جو آج تک یہ نہیں بھول سکے کہ ایک زمانہ ہوا ایک تاجدار زریں نے ان کے ملک کو فتح کر کے ان پر تسلط جما لیا تھا۔

یہ قاصد لیاؤ خاندان کے شہزادے سے ملا اور اس سے قسمیہ پیمان باندھا۔ خون سے اور تیر توڑ کے اس سوگند کو استوار کیا گیا۔ لیاؤ (جس کے لفظی معنی لوہے کے ہیں) کے باشندوں نے شمالی ختا پر حملہ کرنے کا عہد کیا اور مغل خان نے وعدہ کیا کہ وہ ان کا پرانا علاقہ پھر ان کے سپرد کر دے گا۔ اس معاہدے پر چنگیز خاں نے پورا پورا عمل کیا۔ بالآخر اس نے لیاؤ کے شہزادوں کو اپنے زیر سایہ ختا کی بادشاہت بخشی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نواں باب :: تاجدار زریں

یہ پہلا موقع تھا کہ خانہ بدوش لشکر ایک ایسی متمدن طاقت پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا تھا، جس کی فوجی طاقت اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی جنگ کے میدان میں ہمیں چنگیز خاں کا نقشہ عمل واضح نظر آتا ہے۔

لشکر کا ہراول بہت پہلے گوبی سے باہر بھیجا جا چکا تھا۔۔۔۔۔ پہلا گروہ جاسوسوں اور سپاہیوں پر مشتمل تھا، جن کا کام مخبروں کو پکڑ لانا تھا۔ یہ ہراول کے سپاہی دیوار عظیم کے پیچھے پہنچ چکے تھے۔

ان کے پیچھے پیش رو سوار جن کی تعداد دو سو کے قریب ہو گی، علاقے بھر میں دو دو کی جوڑی میں پھیلے ہوئے تھے ان پیش روؤں کے بہت کافی پیچھے ہراول دستے تھے۔ یہ کوئی تیس ہزار چنے ہوئے سپاہی تھے جو بڑے نفیس گھوڑوں پر سوار تھے ہر آدمی کے پاس کم از کم دو گھوڑے تھے یہ ہراول دستے تین تومانوں میں منقسم تھے۔ ان میں سے ایک تومان کا سالار کار آزمودہ مقولی بہادر تھا۔ ایک کا آتشیں جبی نویان اور تیسرا تومان کا سردار وہ عجیب وغریب نوعمر نوجوان سوبدائی بہادر تھا، جس کی حیثیت خان کے سپہ سالاروں میں مارشل مسینا کی تھی۔

قاصدوں کے ذریعے ہراول اور فوج کے قلب کے مابین اطلاعات کا انتظام بڑا مکمل تھا۔ یہ قلب فوج بنجر بلندیوں پر سے گذرتا ہوا، گرد کے بادل اڑاتا ہوا ہراول کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ قلب کی تعداد ایک لاکھ تھی اور پرانے تجربہ کار، دیرینہ یا کامغلوں پر مشتمل تھی۔ میمنہ اور میسرہ کی بھی اتنی ہی تعداد تھی۔ چنگیز خاں ہمیشہ قلب لشکر کی سپہ سالاری کرتا اور جنگی تربیت دینے کے لئے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو اپنے ساتھ ساتھ رکھتا۔

نپولین کی طرح اس کا بھی اپنا ایک شاہی محافظ دستہ تھا ہزار سواروں کا جو چمڑے کی زرہیں اور ساز جنگ پہنے مشکی گھوڑوں پر سوار تھے غالباً۔ 1211ء میں ختا میں پہلی یورش

کے وقت لشکر کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی۔

یہ لشکر دیوار عظیم کے قریب پہنچا اور بلا تاخیر ایک بھی سپاہی کی جان ضائع کئے بغیر اس روک کو پار کیا چنگیز خاں ایک عرصے سے سرحد کے قبیلے والوں سے پینگیں بڑھا رہا تھا اور اس کے ہمدردوں نے اس کے لئے دیوار کا دروازہ کھول دیا۔

دیوار چین کے اندر ہو کے مغل دستے مختلف حصوں میں بٹ کے شانسی اور چہ لی کے صوبوں کے مختلف ضلعوں میں پھیل گئے انہیں قطعی احکام دیئے جا چکے تھے انہیں کسی اور سواری کی ضرورت نہ تھی اور ان کے آئین جنگ میں مرکز رسد کا تصور بے معنی سا تھا۔

ختا کی فوجوں کا پہلا پرا جو سرحد کی سڑکوں کی حفاظت کے لئے جمع کیا گیا تھا بری طرح پسپا ہوا۔ مغلوں کے سوار دستوں نے سونگھ سونگھ کر شہنشاہ کی منتشر پیدل فوج کا پتہ چلا لیا، اسے اپنے گھوڑوں کے تلے روند ڈالا اور تیز رفتار گھوڑوں کی پشت پر سے پیدل فوج کے سمٹے ہوئے جم غفیر میں جا بجا تیروں کی بارش سے ہلچل مچا دی۔

شہنشاہ کی بڑی فوجوں میں سے ایک تو حملہ آوروں کا راستہ ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے جس کا نیا نیا تقرر ہوا تھا۔ اس علاقے سے واقف نہ تھا اور وہ کسانوں سے راستہ پوچھتا رہا۔ جبی نویان جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا، اسے ضلع کی سڑکیں اور وادیاں خوب یاد تھیں اس نے رات بھر چکر کاٹ کے دوسرے دن ختائی فوج کے عقب کو جا لیا۔ مغلوں نے اس فوج کو بری طرح کاٹ ڈالا اور جو لوگ باقی بچے وہ مشرق کی طرف بھاگے جہاں انہوں نے ختا کی سب سے بڑی فوج میں ہراس پھیلا دیا۔

یہ بڑی فوج بھی شش و پنج کے عالم میں رہی اور اس کا سپہ سالار پایہ تخت بھاگ گیا۔ چنگیز خاں تائی تنگ فو پہنچ گیا۔ اس کے راستے میں یہ پہلا فصیل والا شہر آیا تھا۔ اس نے اس کا محاصرہ کیا اور اس کے بعد اپنے دستوں کو بڑھا کے تیزی سے ین کنگ کی طرف لے گیا جو پایہ تخت تھا۔

مغل لشکر کی پھیلائی ہوئی تباہی اور اس لشکر کی اس قربت سے وائی ونگ پر ہراس

طاری ہو گیا اور اژدہے کی شکل کے تخت پر جلوہ افروز ہونے والا یہ تاجدار ین کنگ سے بھاگ کر نکلنے ہی والا تھا مگر اس کے وزیروں نے اسے بڑی مشکل سے روکا۔ اب اس سلطنت کی سب سے مضبوط پشت پناہ دائی ڈنگ کے سہارے کے لئے جمع ہو رہی تھی۔ یہ پشت پناہ متوسط طبقے کا ایک جم غفیر تھا، اڑیل جان نثار مجمع، نبرد آزما بزرگوں کا نام لیوا، جو اپنا سب سے بڑا فرض یہ سمجھتا تھا کہ ملک کے تخت و تاج کو سلامت رکھا جائے۔ اور جب کبھی چین میں قوم پر برا وقت آتا وہ اسی طرح سینہ سپر ہو جاتا۔

چنگیز خاں نے حیرت ناک سرعت سے ختا کی اولیں فوجی مقاومت پر قابو پا لیا تھا اس کے دوستوں نے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا تھا، اگرچہ مغربی دربار والے شہر تائی تنگ فو نے ابھی تک ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔

لیکن جیسے ہی بال کو رومہ کے سامنے ایک قوی دل قوم کی حقیقی طاقت کا سامنا کرنا پڑا، وہ بھی یہاں اسی صورت حال سے دوچار تھا۔ بڑے بڑے دریاؤں کے پاس سے نئی نئی فوجیں نمودار ہوتیں، جن شہروں کا محاصرہ ہو رہا تھا۔ معلوم ہوتا کہ محصور سپاہیوں کی تعداد دیکھتے دیکھتے دن دونی رات چوگنی ہو گئی ہے۔ وہ ین کنگ کے بیرونی باغوں سے ہو کر گذرا اور پہلی مرتبہ اس نے ان بالا و بلند دیواروں کی عظیم الشان وسعت کو دیکھا۔ پہاڑ اور پل اور قلعوں کے ایک سلسلے کے درجہ بدرجہ سقف و بام۔

اس نے فوراً اندازہ کر لیا ہو گا کہ اپنی مختصر فوج سے ایسے شہر کا محاصرہ کرنا بیکار ہے۔ وہ فوراً ہی واپس لوٹ گیا اور جب خزاں کا موسم آیا تو اس نے اپنے پرچموں کا رخ واپس گوبی کی طرف پھیر دیا۔

لیکن اس کے بعد جب بہار آئی اور اس کے گھوڑوں کو پھر سے طاقت میسر آئی، وہ دیوار عظیم کے اندر آ نمودار ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شہر جو پہلے حملے میں اس کے آگے ہتھیار ڈال چکے تھے، اب پھر سے نئے محافظ دستوں سے آراستہ تھے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے اسے پھر نئے سرے سے ساری مہم شروع کرنی پڑی۔ مغربی

دربار والے شہر کا نئے سرے سے محاصرہ شروع ہوا اور یہاں اس نے پورے لشکر کو جھونک دیا۔

معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ یہ محاصرہ محض ایک جال تھا۔ وہ ان فوجوں کا انتظار کرتا رہتا جو محصورین کی کمک کے لئے روانہ ہوتیں، اور وہ راستے ہی میں ان کا قلع قمع کر دیتا۔ اس جنگ سے دو باتیں واضح ہو گئیں مغلوں کی سوار فوج میدان جنگ میں ختا کی فوجوں کے مقابل زیادہ تیزی سے نقل و حرکت کر سکتی اور ان فوجوں کو تباہ کر ڈالتی، لیکن ابھی تک اس قابل نہ ہوئی تھی کہ مضبوط شہروں کو فتح کر سکے۔

لیکن جبی نویان نے یہی کرتب پورا کر دکھایا۔ مغلوں کے حلیفوں، لیاؤ سرداروں کو ساٹھ ہزار ختائیوں نے شمال میں گھیر رکھا تھا۔ انہوں نے خان سے مدد مانگی، اس نے جبی نویان کو ایک تومان کا سردار بنا کے بھیجا اور اس مستعد مغل سپہ سالار نے ختا کی فوجوں کے عقب میں خود لیاؤ ینگ کا محاصرہ کر لیا۔

مغلوں کو اپنی پہلی کوشش میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اور جبی نویان نے جو فطرتاً نپولین کے مارشل نے کی طرح بے صبر واقع ہوا تھا، اسی جملے کو استعمال کیا، جس کو چنگیز خاں محاصروں میں تو نہیں البتہ میدان جنگ میں اس سے پیشتر اکثر استعمال کر چکا تھا اس نے اپنا سارا ساز و سامان، چھکڑے، سامان رسد سب ختائیوں کی نظروں کے سامنے پیچھے چھوڑا اور اپنے گھوڑوں کے ریوڑوں سمیت اس طرح پیچھے ہٹا، گویا وہ لڑائی سے دست بردار ہو رہا ہے یا اسے خوف ہے کہ محصورین کی کمک کے لئے اور فوج آ رہی ہے۔

دو دن تک مغل آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے، پھر سواری بدل کے وہ اپنے بہترین گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیزی سے ایک ہی رات میں ''لگام والے ہاتھ میں تلواریں سونتے ہوئے'' یلغار کی صبح ہوتے ہوتے وہ لیاؤ ینگ کے سامنے واپس پہنچ گئے۔ ختائیوں کو اس عرصے میں یقین ہو گیا تھا کہ مغل پسپا ہو گئے ہیں وہ ان کا ساز و سامان لوٹ رہے تھے اور فصیل کے اندر منتقل کر رہے تھے۔ فصیل کے سب دروازے کھلے ہوئے تھے

اورشہری اور سپاہی سب گھل مل گئے تھے خانہ بدوشوں کی اس خلاف توقع یلغار کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہشت ناک قتل عام کے بعد لیا ؤ ینگ پر مغلوں نے قبضہ کر لیا۔

جبی نویان کو اپنا سازو سامان اور اس کے علاوہ اور بہت زیادہ مال غنیمت مل گیا۔

لیکن مغربی دربار والے شہر کے محاصرے کے دوران میں چنگیز خاں زخمی ہو گیا تھا۔ اس کا لشکر ختا سے واپس لوٹ آیا جیسے جوار بھاٹا کنارے سے پلٹتا ہے اور اس کو اپنے ساتھ لیتا آیا۔

ہر موسم خزاں میں لازم تھا کہ وہ اسی طرح واپس لوٹیں۔ ضروری تھا کہ تازہ گھوڑے فراہم کئے جائیں گرمیوں میں تو آدمی اور جانور زمین کی پیداوار پر گذر کر لیتے، لیکن جاڑوں میں شمالی چین میں لشکر کو گذارے بھر کی خوراک میسر نہ آ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ او رجھی نبرد آزما ہمسائے تھے جنہیں دور رکھنا ضروری تھا۔

اگلی فصل میں چنگیز خاں نے محض چند لوٹ مار کے حملوں پر اکتفا کی۔ یہ اس مقصد کے لئے کافی تھے کہ چینیوں کو زیادہ آرام نہ ملنے پائے۔

بڑے پیانے پر یہ اس کی پہلی جنگ تھی اور اس میں اس کا اور دشمن کا توازن برابر تھا۔ ہنی بال کے برعکس وہ اس سلطنت کے بڑے بڑے مفتوح شہروں میں حفاظت کے لئے فوجیں نہ رکھ سکتا تھا اس کے مغل جو اس زمانے تک فصیل کے اندر سے لڑنے کے عادی نہ تھے، جاڑوں میں ختائیوں کے ہاتھوں نیست و نابود ہو جاتے۔

اس نے میدان جنگ میں کئی فتوحات اس طرح حاصل کی تھیں کہ وہ اپنے دستوں کی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھ سکتا تھا اور تیزی سے یلغار کر کے وہ انہیں ختائی فوجوں کے سامنے لا کے جمع کر سکتا تھا۔ لیکن اس سے محض اتنا نتیجہ نکلا تھا کہ اس نے دشمن کی فوجوں کو فصیلوں کے اندر بھگا دیا تھا۔ شہنشاہ کو اپنی گرفت میں لانے کی کوشش میں وہ ین کنگ تک پہنچ کر اس شہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکا تھا۔ لیکن اس قریب قریب ناممکن التسخیر قلعہ

سے چین کے سرتاج کو نکال بھگانا ممکن نہ تھا اس درمیان میں ختا کی فوجیں لیاؤتنگ کے باشندوں اور رہیا کے سواروں پر غلبہ پاتی جارہی تھیں جو خان کے دائیں اور بائیں پہلوؤں کی حفاظت کررہے تھے۔

ان حالات میں اگر کوئی اور خانہ بدوش سردار ہوتا تو وہ اسی پر قناعت کرتا۔ دیوار عظیم کے باہر ہی وہ گذری ہوئی فصیلوں کے مال غنیمت کو سنبھالتا اور چین کی عظیم الشان سلطنت کو اس نے جو شکستیں دی تھیں، ان کی شان کی یاد میں مگن رہتا، لیکن زخمی چنگیز خاں بڑا سنگین دل تھا۔ وہ تجربہ حاصل کرتا جارہا تھا اور اس تجربہ سے فائدہ اٹھاتا جارہا تھا اور اس عرصے میں تاجدار زریں ایک بدشگونی کا شکار ہوتا جارہا تھا۔

جب 1214ء میں بہار آئی اور بہار کا پہلا سبزہ اگا تو یہ بدشگونی خوف میں بدل گئی۔ مختلف مقامات سے تین مغل فوجوں نے ختا پر یورش کی۔ جنوب میں خان کے تین بیٹوں نے شانسی کے صوبے کے آرپار ایک چوڑی سی پٹی کاٹ لی۔ شمال میں جوجی نے خنگان کا سلسلہ کوہ عبور کیا اور لیاؤتنگ والوں کی فوج کے ساتھ اپنے لشکر کو جاملایا۔ اسی درمیان میں چنگیز خاں قلب لشکر کے ساتھ ین کنگ کے عقب میں بڑے سمندر کے کنارے جا پہنچا۔

ان تینوں فوجوں نے بالکل انوکھے انداز میں پیش قدمی کی تھی۔ یہ ایک دوسرے سے الگ رہیں اب کی مرتبہ ان فوجوں نے جم کے طاقت ور سے طاقتور شہروں کا محاصرہ کیا اور قلعوں پر پہلا حملہ کرنے سے پہلے آس پاس کے دیہات سے لوگوں کو پکڑ کے آگے آگے رکھا۔ اور ان کی آڑ میں حملہ کیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ فصیل کے اندر والے ختائیوں نے دروازے کھول دیئے۔ ایسی صورت میں ان کی جان بخشی کی گئی حالانکہ آس پاس کے گاؤں اور دیہات میں ہر چیز یا تو نیست و نابود کی جاچکی تھی یا اسے یہ مغل اٹھا یا ہنکا لے گئے تھے فصلیں کچلی اور جلائی جاچکی تھیں ریوڑ ہنکائے جاچکے تھے اور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑائے جاچکے تھے۔

اس ہیبت ناک جنگ میں بہت سے ختائی سپہ سالار اپنی زیر کمان فوجوں کے ساتھ

مغلوں سے جا ملے۔ انہیں لیاؤ تنگ کے دوسرے افسروں کے ساتھ تسخیر شدہ شہروں کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا۔ القائے یوحنا میں جن چار سواروں کا ذکر ہے۔ ان میں سے دو قحط اور بیماری مغل سواروں کے پیچھے پیچھے تاراج کرتے آئے۔ زمین اور آسمان کے خط اتصال پر مغلوں کے اردو کے چھکڑوں کی نہ ختم ہونے والی قطار، بیلوں کے ریوڑ، ہینگوں کے پرچم نظر آتے رہے۔

جب جنگ کی فصل ختم ہونے کو آئی تو مرض نے اپنا خراج مغلوں کے اردو سے بھی وصول کیا۔ گھوڑے بھی لاغر اور کمزور ہو چکے تھے۔ چنگیز خاں نے اردو کے قلب کے ساتھ ین کنگ کی فصیلوں کے قریب خیمہ کھڑا کیا اور اس کے سالاروں نے منت کی کہ انہیں شہر پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

اس نے پھر ایک انکار کیا اور تاجدار زریں کو یہ پیغام بھیجا۔

''ہماری اور تمہاری لڑائی کے متعلق اب تمہاری کیا رائے ہے؟ دریائے ہوانگ نو کے شمال کے سارے صوبے میرے قبضے میں ہیں میں اپنے گھر واپس جا رہا ہوں، لیکن کیا تم میرے افسروں کو تحائف سے خوش کیے بغیر واپس جانے دو گے؟''

بظاہر یہ درخواست بڑی عجیب معلوم ہوتی تھی، لیکن اس مغل نے اس میں سیدھی سیدھی ساری حکمت عملی دکھائی تھی۔ اگر تاجدار زریں نے اس کی درخواست قبول کر لی تو وہ ان تحفوں سے اپنے افسروں کو انعام دے سکے گا۔ ان کی بیتابی میں کچھ کمی ہو گی اور اژدہے والے تخت کی آن بان پر برا اثر پڑے گا۔

بعض چینی مشیروں نے جو اردو کی کمزور حالت سے آگاہ تھے شہنشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ فوجوں کو لے کے مغلوں سے مقابلے کے لئے ین کنگ سے باہر نکلے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر یہ مشورہ مان لیا جاتا تو کیا نتیجہ نکلتا لیکن چن تاجدار اتنی مصیبت اٹھا چکا تھا کہ اس میں اب جرات باقی ہی نہ رہی تھی۔ اس نے چنگیز خان کو پانچ سو جوان پانچ سو کنیزیں، نفیس گھوڑوں کا ایک ریوڑ اور سونے اور ریشم کے تودے کے تودے تحفۃً بھجوائے سمجھوتا ہو

گیا اور چینیوں نے عہد کیا کہ خان کے حلیف لیا ؤ شہزادوں کو لیا ؤ تنگ میں نہ ستائیں گے۔

خان نے اس سے بھی سوا کچھ اور طلب کیا کہ اگر صلح ہونی ہی ہے تو شاہی خاندان کی ایک عورت اس کے عقد میں دی جائے۔ شاہی خاندان کی ایک خاتون اس کے پاس بھیج دی گئی۔

چنگیز خاں اس سال خزاں میں واپس نہیں گیا، بلکہ صحرا کے کنارے اس نے قیدیوں کے جم غفیر کو قتل کروا دیا، جسے اس کا لشکر اپنے ساتھ پکڑ لایا تھا۔ اس سفا کی کی کوئی وجہ جواز نہ تھی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کا قاعدہ یہ تھا کہ کاریگروں اور عالموں فاضلوں کے علاوہ اپنے تمام قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ یہ قتل عام اس وقت ہوتا تھا جب وہ کسی یورش کے بعد اپنے گھر واپس ہوتے۔ اس زمانے تک مغلوں کی اپنی سرزمین میں غلام رکھنے کا رواج نہ تھا۔ قیدیوں کا یہ ہجوم تو فاقہ کشی کے عالم میں ان بنجر صحراؤں کو ننگے پاؤں طے بھی نہ کر سکتا تھا، جن کے اس پار مغلوں کا وطن تھا۔ انہیں آزاد کرنے کے بجائے مغل ان کا کام تمام کر دیتے تھے، جیسے کوئی پرانے کپڑے اتار پھینکتا ہے۔ انسان کی جان کی مغلوں کی نظر میں کوئی اہمیت یا قیمت نہ تھی۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ زرخیز زمینوں کو ویران کر کے اپنے ریوڑوں کی چراگاہوں میں بدل دیں۔ جنگ ختا کے بعد وہ بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ختا کے کئی شہروں کو انہوں نے اس طرح مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا ہے کہ اگر گھوڑا اس مقام پر جہاں شہر آباد تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائے تو اسے کہیں ٹھوکر نہ لگنے پائے گی)''

یہ کہنا مشکل ہے کہ چنگیز خاں اپنے معاہدے پر قائم رہتا یا نہ رہتا، لیکن چین کے تاجدار زریں نے اپنے طور پر کچھ اور عمل کیا۔ اپنے سب سے بڑے بیٹے کو ین کنگ میں چھوڑ کے وہ جنوب کی طرف بھاگ گیا۔

''ہم اپنی رعایا کو یہ اعلان سناتے ہیں کہ ہم جنوبی مستقر میں قیام فرمائیں گے''

یہ فرمان شاہی تھا اس کمزوری کے اظہار سے اس کی رہی سہی عزت اور شوکت خاک میں مل گئی۔ اس کے مشیروں، ین کنگ کے حاکموں، چین کے کہنہ سال امرا، سب نے درخواست کی کہ وہ اپنی رعایا کا ساتھ نہ چھوڑے، لیکن وہ بھاگ ہی گیا اور اس کے جاتے ہی بغاوت ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دسواں باب :: مغلوں کی واپسی

جب ختا کا شہنشاہ اپنے محل کے لوگوں سمیت دار السلطنت سے بھاگا تو وہ محل میں اپنے بیٹے کو جو ولی عہد تھا چھوڑتا گیا۔ اپنے ملک کے قلب کو وہ اس طرح خالی نہ کرنا چاہتا تھا کہ ین کنگ میں بادشاہت کا خول بھی باقی نہ رہے۔ ضروری تھا کہ خانوادہ شاہی کا کوئی آدمی باقی رہ جائے جسے دیکھ کے رعایا کی تسلی ہو سکے۔ ین کنگ کی حفاظت کے لئے ایک طاقتور فوج بھی وہیں چھوڑ دی تھی۔

لیکن کہن سال امرا کو جس افراتفری کا اندیشہ تھا، اس سے قن کی مسلح فوج میں انتشار پیدا ہونے لگا۔ بعض سپاہی جو شہنشاہ کے ہم رکاب تھے بغاوت کر کے مغلوں سے جا ملے۔

خود دار السلطنت میں ایک عجیب وغریب بغاوت شروع ہوئی۔ عالی نسب شہزادے عہدہ دار اور عمال سب جمع ہوئے اور انہوں نے حلف اٹھایا کہ شاہی خاندان کے وفادار رہیں گے۔ ان کا تاجدار تو انہیں چھوڑ کے بھاگ گیا تھا مگر انہوں نے عہد کیا تھا کہ لڑائی جاری رکھیں گے۔ ختا کے جری اور بہادر سپاہی بارش میں ننگے سر سڑکوں پر جمع ہوئے اور انہوں نے بھی عہد کیا کہ وہ قن خاندان کے ولی عہد اور امرا کا ساتھ دیں گے۔ کمزور تاجدار کے فرار سے وفاداروں کی پرانی اور گہری روح عمل اس وقت نئے سرے سے بیدار ہوئی۔

شہنشاہ نے کئی قاصد ین کنگ بھیجے اور اپنے بیٹے کو جنوب کی طرف بلایا۔ کہن سال چینیوں نے منت کی ''یہ نہ کیجئے گا''

لیکن شہنشاہ اپنی ضد پر قائم تھا اور اب بھی اس کی خواہش ملک کا اعلیٰ ترین قانون تھی۔ بڑی ذلت کے عالم میں ولی عہد کو ین کنگ چھوڑنا پڑا اور اب وہاں صرف شاہی گھرانے کی کچھ عورتیں، اس پرانے شہر کے کچھ عمال، کچھ خواجہ سرا اور فوج کے سپاہی باقی رہ گئے۔ اس درمیان میں وفادار امرا نے جو آگ جلائی تھی وہ آتش کدہ بن گئی۔ جا بجا مغلوں کے

محافظ دستوں اور چوکیوں پر حملے کئے گئے اور لیاؤ تنگ کے بدنصیب صوبے کو چھڑانے کے لئے ایک فوج بھیجی گئی۔ یہ فوج جس جوش کی وجہ سے ظہور میں آئی تھی۔ اسی جوش کی وجہ سے اس نے حیرت ناک کامیابیاں حاصل کیں۔

مغلوں کے اردو کو جو اپنے وطن واپس جا رہا تھا۔ حالات کے اس طرح پلٹا کھانے کی اطلاع ملی۔ چنگیز خاں سفر کرتے کرتے رک گیا اور اپنے جاسوسوں افسروں سے تفصیلی اطلاع سننے کا انتظار کرنے لگا جو تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

جب حالات اچھی طرح اس کی سمجھ میں آئے تو اس نے تیزی سے اقدام کیا۔ جو فوجی دستہ سب سے زیادہ کارآمد تھا، اس نے جنوب میں دریائے ہوانگ نو کی طرف بھیجا تاکہ مفرور شہنشاہ کا تعاقب کرے۔

اگرچہ موسم جاڑوں کا تھا لیکن مغل تیزی سے آگے بڑھے اور چینیوں کا تاجدار مجبور ہو گیا کہ دریا کے پار اپنے پرانے دشمن سنگ خاندان کی سلطنت میں پناہ لے لیکن یہاں بھی مغلوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا، مغل برف پوش پہاڑوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر راستہ نکالتے رہے۔ پہاڑوں کے کٹاؤ کو نیزوں کی چوب اور درختوں کی شاخوں کو زنجیروں سے باندھ باندھ کے پار کرتے رہے۔ درحقیقت یہ دستہ دشمن ملک میں اتنی دور تک گھس آیا کہ یہ اردو سے بالکل کٹ گیا۔ مگر یہ مفرور شہنشاہ کا تعاقب کرتا رہا، جس نے اب سنگ دربار سے مدد کی التجا کی تھی۔ خان نے قاصدوں کو بھیج کر اس آوارہ گرد دستہ کو واپس بلایا جو کسی نہ کسی طرح سنگ شہروں کا چکر کاٹ کے یخ بستہ ہوانگ نو کو عبور کر کے پلٹ آیا۔

جبی نویان کو بھیجا گیا کہ وہ تیزی سے گوبی پہنچے اور وطن میں سرداروں کو اطمینان دلائے۔

چنگیز خاں نے سوبدائی بہادر کو بھیجا کہ وہ جا کے صورت حال کا معائنہ کرے یہ ارخون کئی ماہ تک غائب رہا اور اس عرصہ میں صرف معمولی اطلاعیں بھیجتا رہا۔ مثلاً یہ کہ گھوڑوں کا کیا حال ہے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ختا میں کوئی خاص بات نہ تھی کیونکہ جب وہ گھوم پھر کر

اردو کی طرف واپس آیا تو اس نے اطلاع دی کہ میں نے کوریا کو مطیع کرلیا ہے۔ چونکہ اسے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا، اس لئے وہ کافی عرصے تک غائب رہا اور لیاؤ تنگ کی خلیج کا چکر لگا کے اس نے ایک نئے ملک کی سیاحت کرلی۔ سوبدائی بہادر کو سیر و تفریح کی یہ جو عادت تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب اس کو آزاد طور پر سپہ سالاری کرنے کی اجازت دی گئی تو اس عادت کی وجہ سے اس نے یورپ پر بڑی آفت ڈھائی۔

چنگیز خاں خود اردو کے قلب کے ساتھ دیوار چین کے قریب ہی رہا۔ اب اس کی عمر پچپن سال کی تھی۔ اس کا پوتا قوبیلائی خان پیدا ہو چکا تھا گوبی کے شامیانوں میں، سمور کے یورتوں میں نہیں۔ اس کے بیٹے جوان ہو چکے تھے، لیکن اس نازک گھڑی میں اس نے اپنے دستوں کی کمان ارخانوں کے سپرد کی جو لشکر کے تجربہ کار سپہ سالار تھے جن کی ہر خطا معاف تھی جن کی اولاد اور ان کی قابلیت کے انعام میں ہر طرح کی تکلیف اور سزا سے محفوظ تھی۔ اس نے جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو سکھایا تھا کہ سوار دستوں سے کیسے کام لیا جاتا ہے اور اس نے آزمودہ کار مقولی بہادر کو آزمایا تھا۔

القصہ اپنے خیموں میں آرام سے بیٹھے بیٹھے چنگیز خاں نے ختا کے زوال کا سماں دیکھا۔ وہ ان سوار مخبروں سے دم بدم اطلاعتیں سنتا رہا جو راستہ بھر کھائے پکائے بغیر اور سوئے بغیر سواری کرتے رہتے اور اسے خبریں پہنچاتے۔

مقولی نے لیاؤ تنگ کے ایک شہزادے منگن کی مدد سے ین کنگ پر حملہ کیا۔ جب وہ ۔۔۔ مشرق کی طرف واپس ہوا ہے تو اس کے ساتھ صرف پانچ ہزار مغل تھے مگر راستے میں بے شمار ختائی جو اپنی فوج کو چھوڑ کے بھاگے تھے اور سپاہیوں کے بہت سے آوارہ گرد دستے اس کے ساتھ شریک ہوتے گئے سوبدائی بہادر اس کے ایک بازو پر منڈلا ہی رہا تھا۔ اس نے ین کنگ کی بیرونی دیواروں کے سامنے اپنے خیمے استادہ کئے۔

ین کنگ میں اتنے کافی آدمی تھے کہ وہ بہت عرصے تک محاصرہ برداشت کرسکتے تھے ہتھیار اور جنگی ساز و سامان بہت تھا لیکن ختائی اس قدر غیر منظم تھے کہ وہ زیادہ مقاومت

نہ کر سکے۔ جب بیرون شہر میں لڑائی ہوئی تو ایک تن سپہ سالار نے دغا دی شاہی خاندان کی عورتیں اس کے ساتھ نکل بھاگنا چاہتی تھیں۔ مگر اس نے انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا۔ تاجروں کے بازار میں لوٹ شروع ہوگئی اور یہ بدنصیب عورتیں، چلاتے ہوئے ڈرے ہوئے سپاہیوں کے مجمع میں مایوس ادھر ادھر پھرتی رہیں۔

اس کے بعد شہر کے مختلف حصوں میں آگ لگ گئی۔ محل کے برآمدوں میں خواجہ سرا اور غلام سونے اور چاندی کے زیور اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دیوان شاہی ویران تھا اور چوکیدار اپنی جگہ چھوڑ کے لوٹنے والوں میں جا ملے تھے۔

دوسرا سپہ سالار جو باقی رہ گیا تھا، وانگ ین تھا۔ یہ شاہی خاندان سے تھا'' کچھ دن ہوئے اسے ایک شاہی فرمان ملا تھا۔ جس کی رو سے ختا میں تمام قیدیوں اور ملزموں کو معافی دی گئی تھی اور سپاہیوں کا انعام بڑھا دیا گیا تھا۔ یہ آخری کوشش بیکار تھی اس سے وانگ ین کو جو اکیلا رہ گیا تھا کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ چونکہ کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ سپہ سالار مرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے اپنے کمرے میں بند ہو کر اپنے شہنشاہ کے نام ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے تئیں مجرم اور سزائے موت کا مستحق تسلیم کیا، کیونکہ ین کنگ کی حفاظت نہ کر سکا تھا۔''

اس نے یہ الوداعی الفاظ اپنے دامن پر لکھے۔ پھر اس نے اپنے نوکروں کو بلایا اور اپنے سارے کپڑے اور ساری دولت ان میں تقسیم کر دی جو عامل اس کا معتمد تھا اسے اس نے حکم دیا کہ اس کے لئے زہر کا جام تیار کرے اور خود لکھتا چلا گیا۔

پھر وانگ ین نے اپنے دوست سے کمرے کے باہر جانے کی درخواست کی اور زہر کا جام پی گیا ین کنگ جل رہا تھا اور جب مغل سوار اندر داخل ہوئے تو ساری آبادی پر جو اپنی حفاظت نہ کر سکتی تھی، بے حد خوف و ہراس طاری تھا۔

با اصول مقولی نے فوراً شہر کا سارا خزانہ اور سارا جنگی ساز و سامان خان کی خدمت میں

بھیجنے کے لئے فراہم کرنا شروع کر دیا۔ اسے ایک شاہی خاندان کے خاتمے سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔

جو قیدی افسر خان کو بھیجے گئے، ان میں لیاؤ تنگ کا ایک شہزادہ بھی تھا، جو ختائیوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ وہ دراز قد تھا۔ اس کی داڑھی ناف تک پہنچتی تھی۔ اس کی گہری صاف آواز کی وجہ سے خان نے اس کی طرف توجہ کی۔ اس نے قیدی سے اس کا نام دریافت کیا اس کا نام لیی لیو چیت سائی تھا۔

چنگیز خاں نے اس سے پوچھا ''تو اس شاہی خاندان کا ساتھ کیوں دیتا رہا جو تیرے خاندان کا دشمن تھا؟''

نوجوان شہزادے نے جواب دیا ''میرا باپ قن خاندان کا خدمت گزار تھا۔ اور اسی طرح میرے خاندان کے اور لوگ بھی میرے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ میں قن سے وفاداری نہ کرتا۔''

مغل اس جواب سے بہت خوش ہوا۔

''تو نے اپنے پہلے آقا کی خدمت اچھی طرح انجام دی، اسی طرح وفاداری سے تو میری خدمت کر سکتا ہے، تو میرے آدمیوں میں شامل ہو جا۔''

بعض اور اشخاص کو جنہوں نے خاندان قن سے بیوفائی کی تھی، اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسے یقین تھا کہ ان لوگوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی لیو پیتائی تھا جس نے کچھ عرصہ بعد اس سے کہا ''تو نے زین پر بیٹھ کے ایک بہت بڑی سلطنت کو فتح کیا ہے، لیکن زین پر بیٹھے بیٹھے تو اس پر حکومت نہیں کر سکے گا۔''

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مغل فاتح کو یہ بات سچی معلوم ہوئی یا یہ کہ اس کی رائے تھی کہ یہ قابل اور فاضل ختائی اس کے لئے اتنا ہی کارآمد ہے جتنی پتھر اور آگ پھینکنے والی منجنیقیں، بہر حال وہ اس کا مشورہ سن لیا کرتا۔ اس نے لیاؤ تنگ کے آدمیوں میں سے ختا کے مفتوحہ صوبوں کے حاکم مقرر کئے۔

اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ختا کی گنجان سرسبز زمین کو مغلوں کی پسند کے مطابق چراگاہوں میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ رہ گئی چینیوں کی تجارت، ان کا فلسفہ یا ان کے یہاں غلاموں اور عورتوں کی جو درجہ بندی تھی، ان سب چیزوں کو وہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ ان اعمال کی جرات سے متاثر ہوا جنہوں نے اپنے تاجدار کے بھاگ نکلنے کے بعد جم کر جنگ باقی رکھی اور ان آدمیوں کے استقلال و فراست میں خود اس نے اپنے فائدہ کی سبیل دیکھی، مثلاً لیو چسائی ستاروں کے نام لے سکتا تھا اور ستاروں کی گردش سے فال نکال سکتا تھا۔

جب وہ ختا کے شہروں کے خزانے اپنے ساتھ قراقورم لے جانے لگا تو اپنے ساتھ چین کے بہت سے عالموں کو بھی لیتا گیا۔ اس نے ان نئے صوبوں کی فوجی حکومت اور سنگ کی مملکت کی فتح کی تکمیل مقولی بہادر کے سپرد کی۔ سب کے سامنے اس نے مقولی بہادر کی تعریف کی اسے نو سفید یاکوں کی دموں والا نشان عنایت فرمایا۔

اس نے مغلوں میں یہ اعلان کیا "اس علاقے میں مقولی بہادر کے احکام کی اسی طرح پابندی ہونی چاہئے جیسے میرے احکام کی۔"

اس آزمودہ کار سردار کو اس سے بڑا اور کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ چنگیز خاں نے اپنا عہد ایفا کیا اور اس نئے علاقے میں مقولی بلا مداخلت اردو کے اس حصے کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا جو اس کو تفویض کیا گیا تھا۔

مغل خان کے اس اقدام کی جو توجیہہ چاہئے کر لیجئے، اس میں شک نہیں کہ وہ واپس ہو کے اپنی مغربی سرحدوں کو مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا ہوگا کہ پورے چین کو فتح کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب وہ کسی غیر ملک کو فتح کر لیتا تو پھر اسے اس ملک سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہتی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گیارہواں باب :: قراقورم

دوسرے فاتحوں کے برعکس خاں نے ختا میں، جو اس کی نئی سلطنت کا سب سے زیادہ عشرت پسند حصہ تھا، قیام نہیں کیا۔ چن خاندان کے خاتمے کے بعد جب وہ دیوار عظیم کے اس پار پہنچ گیا تو پھر چین لوٹ کر واپس نہیں آیا۔ مقولی کو وہاں اس نے امیر جنگ بنا کر اپنے پیچھے چھوڑا اور خود ان بنجر بلندیوں کو تیزی سے لوٹ آیا جو اس کی موروثی سرزمین میں واقع تھیں۔

یہاں اس کا مستقر تھا۔ اس نے اپنے اردو کے لئے صحرا کے شہروں میں سے قراقورم کا انتخاب کیا۔ قراقورم کے لفظی معنی ہیں کالی ریت۔

یہاں اس نے اپنے اطراف ہر وہ چیز جمع کر لی جس کی ایک خانہ بدوش کو آرزو ہوتی ہے۔ یہ قراقورم بنجر سرزمینوں کا دار الحکومت بڑا عجیب شہر تھا۔ یہاں ہواؤں کے جھکڑ جھاڑو دیتے تھے اور بیابان کی ریگ کوڑے لگاتی تھی۔ گارے اور پھونس کی جھونپڑیاں اس طرح جمع تھیں کہ ان کے درمیان کسی طرح کی سڑک کا تصور باقی نہ رہنے پاتا تھا۔ شہر کے اطراف کالے سمور کے یورتوں کی مدور چوٹیاں تھیں۔

تکلیف اور آوارہ گردی کے ایام گذر چکے تھے۔ وسیع اصطبلوں میں چنے ہوئے گھوڑوں کے ریوڑ جاڑوں کا موسم گذارتے تھے اور ان کی جلد پر خان کی مہر لگی ہوئی تھی۔ بڑے کھلیانوں میں قحط سالی سے بچاؤ کے لئے خوراک جمع تھی۔ آدمیوں کے لئے باجرہ اور چاول، گھوڑوں کے لئے چارہ اور گھاس۔ مسافروں اور شمالی ایشیا کے ملکوں سے جوق در جوق آنے والے سفیروں کے آرام کے لئے سرائیں جا بجا بن چکی تھیں۔

جنوب سے عرب اور ترک تاجر آتے۔ ان سے معاملہ کرنے کا چنگیز خاں نے ایک طریقہ نکالا۔ وہ ان سے دام نہیں چکاتا تھا۔ اگر تاجر قیمتوں کے معاملے میں تکرار کرتے تو وہ ان کا سارا مال اسباب ضبط کر لیتا۔ اگر وہ ہر چیز خان کے سپرد کر دیتے تو وہ انہیں اتنا انعام دیتا کہ انہیں اپنے سامان تجارت کی قیمت سے زیادہ ہی آمدنی ہو جاتی۔

شہر میں سفیروں کا جو محلّہ تھا، اس کے قریب ہی پجاریوں کی بستی تھی۔ پتھر کی مسجدوں کی بغل میں پرانے بدھ مت کے مندر اور نسطوری عیسائیوں کے چھوٹے چھوٹے لکڑی کے بنے ہوئے گرجے تھے۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ جس طرح چاہے عبادت کرے، لیکن شرط یہ تھی کہ وہ یاسا کے قوانین کی پابندی کرے اور مغل اردو کے اصول پر عمل کرے۔

سیاح اور مسافر سرحد پر مغل افسروں سے ملتے۔ یہ افسر انہیں رہبروں کے ساتھ قراقورم بھیج دیتے۔ ان مسافروں کے آنے کی اطلاع پہلے ہی قافلے کی شاہراہ پر تیز رفتار اور مصروف عمل نامہ بروں کے ذریعے کرادی جاتی۔ جب یہ مسافر اور سیاح خان کے شہر کے نواح میں پہنچتے اور شہر کے قریب چرتے ہوئے ریوڑ، یورتوں کی کالی چھتیں اور اطراف کے مسطح بے شجر میدان پر کبت کاؤں کی قطاریں انہیں نظر آنے لگتیں تو ان کی حفاظت قانون وسزا کے ذمہ دار افسر کے سپرد ہو جاتی۔

خانہ بدوشوں کے ایک پرانے دستور کے مطابق ان مسافروں کو دو بڑے بڑے دھکتے ہوئے الاؤوں کے درمیان سے ہو کر گذرنا پڑتا اس لئے انہیں عموماً کوئی نقصان نہ پہنچتا، لیکن مغلوں کا عقیدہ تھا کہ اگر ان آنے والوں میں سے کسی پر بھوت پریت کا سایہ ہے تو وہ آگ سے جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان کے رہنے اور خوراک کا انتظام کیا جاتا اور اگر خان کی اجازت مل جاتی تو انہیں اس مغل فاتح کے سامنے حاضر ہونے کا موقع ملتا۔

اس کا دربار ریشمی استر اور سفید سمور کے ایک اونچے شامیانے میں منعقد ہوتا۔ دروازے ہی پر ایک چاندی کی میز پر گھوڑی کا دودھ، پھل اور گوشت افراط سے رکھا ہوتا، تا کہ جو جو اس کی خدمت میں پیش ہو شکم سیر ہو کر کھانا کھائے۔ شامیانے کے دوسرے سرے پر ایک نیچی سی چوکی پر چنگیز خاں جلوہ افروز ہوتا اور اس سے نیچے بائیں جانب بورتائی یا اس کی کوئی اور بیوی بیٹھی ہوتی۔

بہت کم وزیر اس کی پیشی میں حاضر ہوتے شاید لیو چسائی ہوتا، کاڑھا ہوا لبادہ پہنے،

دراز ریش، بلند آواز، شاندار، یا شاید ایک الغوری میر منشی ہوتا، کاغذ کا خرینہ اور موقلم لئے ہوئے۔ یا کوئی مغل نویان ہوتا جس کے سپرد ساقی کی اعزازی خدمت ہوتی۔ شامیانے کی دیواروں کے کنارے کنارے چوکیوں پر دوسرے سردار با ملاحظہ با ادب بیٹھے ہوتے۔ یہ اردو کا معمولی لباس پہنے ہوتے ''روئی سے بھرے ہوئے لمبے لمبے کوٹ، جن کے کمر بند لٹکتے ہوتے اور اوپر کو اٹھی ہوئی سفید سمور کی ٹوپیاں شامیانے کے بیچوں بیچ کانٹوں اور گوبر کا الاؤ جلتا ہوتا۔''

ترخان جن کی سب سے زیادہ عزت ہوتی، جب چاہتے درانہ چلے آتے اور چوکیوں پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ جاتے اور اپنے جنگ سے داغ دار ہاتھوں کو اپنی مضبوط شہسواری کی عادی رانوں پر رکھ لیتے۔ ان کے ساتھ ہی ارخون اور دستوں کے سالار اپنا اپنا عصا سنبھالے آبیٹھتے۔ بہت رک رک کے اور چبا چبا کے آپس میں بات چیت ہوتی اور جب خان کچھ کہتا تو ساری محفل پر سناٹا چھا جاتا۔

جب وہ کوئی بات کہہ چکتا تو اس موضوع پر گفتگو ختم ہو جاتی۔ اس کے بعد کسی کو ایک لفظ کہنے کی مجال نہ تھی بحث کرنا بد خلقی سمجھی جاتی تھی مبالغ اخلاقی پستی سمجھا جاتا تھا اور جھوٹ کی سزا دینا، سزا کے ذمہ دار افسر کا فرض تھا بہت کم الفاظ زبان سے نکالے جاتے، اور بہت احتیاط اور صحت بیان کے ساتھ۔

اجنبی مسافروں اور سیاحوں سے توقع کی جاتی کہ وہ اپنے ساتھ تحائف لائیں تحائف پہلے ہی خان کی خدمت میں پیش کر دیئے جاتے اس کے بعد کہیں اس روز کے محافظ دستے کا سردار آنے والوں کو خان کی خدمت میں پیش کرتا۔ اس کے بعد نو واردوں کی تلاشی لی جاتی کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں ہیں اور انہیں ہدایت کی جاتی کہ شامیانے کی دہلیز کو مس نہ کریں اور اگر خیمہ میں باریابی ہوتی تو ہدایت ملتی کہ خیمے کی رسیوں کو ہاتھ نہ لگائیں دو زانو ہو کر خان سے بات کریں ایک مرتبہ جب وہ اردو میں باریاب ہوتے تو جب تک خان کی اجازت نہ ہوتی وہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔

قراقورم جسے اب گوبی کی بڑھتی ہوئی ریت ہضم کر چکی ہے۔ اس زمانے میں ایک ایسا پایہ تخت تھا جس پر آہنی عزم سے حکومت کی جاتی تھی جو لوگ اردو میں داخل ہوتے وہ اس مالک تاج وتخت چنگیز خاں کے نوکر شمار ہونے لگتے۔ اس کے علاوہ اور کسی قانون کا رواج نہ تھا۔

قوی دل راہب پادری روبری کوئس لکھتا ہے ''جب میں تاتاریوں میں شامل ہوا تو میں نے اپنے آپ کو ایک بالکل دوسری دنیا میں پایا۔''

یہ ایک ایسی دنیا تھی جو یاسا کے قوانین کے مطابق چلتی تھی اور جو خاموشی سے خان کی مرضی کی پابندی کرتی۔ سارا کاروبار فوجی تھا اور نظم وضبط انتہا درجے کا تھا۔ خان کا شامیانہ جنوب کی طرف کھلتا اور اس کے پہلو میں جگہ خالی چھوڑ دی جاتی۔ جیسے بنی اسرائیل نے منظلے کے اطراف اپنے لئے مقامات مقرر کر رکھے تھے، اسی طرح خان کے میمنہ اور میسرے میں اردو کے لوگوں کے لئے جگہیں مقرر تھیں۔

خان کا اپنا گھر بار بہت بڑھ گیا تھا۔ بھوری آنکھوں والی بورتائی کے علاوہ خان کی اور بھی کئی بیویاں تھیں، جو اردو کے مختلف حصوں میں اپنے اپنے خیموں میں رہتیں اور ان کی اپنی قوم کے لوگ ان کی خدمت گذاری کرتے۔ اس کی بیویوں میں ختا اور لیاؤ کی شہزادیاں تھیں، ترک شاہی خانوادوں کی بیٹیاں تھیں اور صحرا کے قبیلوں کی سب سے زیادہ خوبصورت عورتیں تھیں۔

جس طرح وہ مردوں میں فراست اور مشقت پسندی کی قدر کرتا تھا۔ جیسے وہ اچھے گھوڑوں کی تیزی اور قوت برداشت کو پسند کرتا تھا، اسی طرح وہ عورتوں کے حسن کا قدر دان تھا کوئی مغل اس سے کسی مفتوحہ صوبہ کی کسی خوبصورت، خوش اندام لڑکی کا ذکر کرتا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا کہ معلوم نہیں اب وہ کہاں ہوگی تو بے صبری سے خان اسے جواب دیتا ''اگر وہ سچ مچ خوبصورت ہے تو میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا''

ایک بڑے مزے کی حکایت اس کے ایک خواب کے متعلق ہے جس کی وجہ سے وہ

بہت پریشان ہوا خواب یہ تھا کہ اس کی بیویوں میں سے ایک اسے ضرر پہنچانے کے لئے سازش کررہی ہے اس وقت وہ حسب معمول میدان جنگ میں تھا۔ جب وہ بیدار ہوا تو فوراً پکار اٹھا ''خیمے کے دروازے پر محافظوں کا افسر آج کون ہے؟''

جب اس افسر نے اپنا نام بتایا تو خان نے حکم دیا ''میں تجھے فلاں فلاں عورت بطور انعام کے بخشتا ہوں اسے اپنے خیمے میں لے جا۔''

اخلاقیات کے مسئلے وہ بالکل اپنے انداز میں حل کیا کرتا تھا۔ اس کی ایک اور داشتہ تھی جس کے اس کے خانوادے کے ایک اور مغل سے تعلقات ہو گئے تھے جب خان نے اس پر غور کیا تو دونوں میں سے کسی کو قتل نہ کیا بلکہ دونوں کو اپنی پیشی سے دور کردیا اور یہ کہا'' یہ میری غلطی تھی کہ ایسے ذلیل جذبات والی لڑکی میں نے اپنے لئے چنی تھی۔''

اپنے بیٹوں میں سے وہ صرف ان چاروں کو جو بورتائی کے بطن سے تھے اپنا وارث مانتا تھا۔ وہ اس کے منتخب ساتھی تھے وہ ان کی نگرانی کرتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے اس نے ایک کہنہ مشق افسر کو استاد مقرر کیا تھا۔

اور جب وہ ان کی مختلف طبیعتوں اور مختلف طرح کی صلاحیتوں سے مطمئن ہو گیا، تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو اورداق (شاہین) کا خطاب دیا تھا یہ خطاب شہنشاہی نژاد کا نشان تھا تنظیم و عمل میں بہت کچھ کام ان شہزادوں کے سپرد تھا۔

جوجی سب سے بڑا بیٹا تھا، میر شکار مقرر ہوا۔ مغل اب بھی اپنی زیادہ تر غذا شکار ہی سے فراہم کرتے تھے۔ چغتائی کو میر قانون و سزا مقرر کیا گیا۔ اوغدائی کو میر مشاورت، اور تولی کو جو سب سے چھوٹا تھا اور جو برائے نام فوج کا سپہ سالار اعظم تھا، خان ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا، یہ جوجی وہی تھا جس کے بیٹے باتو نے تاتاران زریں خیل کے خانوادے کی بنیاد رکھی۔ جس نے روس کو کچل دیا۔ چغتائی وہ تھا جسے وسط ایشیا ورثہ میں ملا اور جس کی اولاد میں ہندوستان کے عظیم مغلیہ خاندان کا بانی بابر تھا۔ تولی وہ تھا جس کے بیٹے قوبیلائی خان کی سلطنت بحیرہ چین سے لے کر وسطی یورپ تک پھیلی ہوئی تھی۔

نوجوان قوبیلائی چنگیز خان کا بڑا چہیتا تھا۔ دادا کو اپنے اس پوتے پر بڑا فخر تھا۔ ''اس لڑکے قوبیلائی کی باتیں غور سے سنو! یہ بڑی سمجھ بوجھ کی بات کرتا ہے۔''

جب چنگیز خاں ختا سے واپس لوٹا تو اس کی نوعمر سلطنت کے مغربی نصف حصہ کی حالت بڑی خستہ ہو رہی تھی وسط ایشیا کے طاقتور ترک قبیلے جو قرا ختائی سلطنت کے باجگذار تھے ایک بڑے طاقتور غاصب کے ساتھ مل گئے تھے، جس کا نام کوشلوک یا توچلوق تھا۔ یہ نالیمان کا شہزادہ تھا اور کچھ عرصہ قبل قرا ایت والی جنگ کے بعد مغلوں سے شکست کھا چکا تھا۔

کوشلوک نے دغابازی کے ذریعے نفع اٹھایا تھا اور ترقی کی تھی۔ اس نے مغرب بعید کی زیادہ طاقتور سلطنتوں سے سازباز کر کے اپنا آقا اور میزبان قرا ختائی کے خان کو قتل کر دیا تھا۔ جب چنگیز خان دیوار چین کے اس پار لڑائیوں میں مصروف تھا، اس نے کارآمد قوم ایغور میں انتشار پھیلا دیا اور المالیق کے عیسائی خان کو قتل کر دیا تھا جو مغلوں کا باجگذار تھا مکریت جو ہمیشہ سے متلون مزاج تھے اردو کو چھوڑ کے اس سے جا ملے تھے۔

قراقورم واپس آتے ہی چنگیز خاں نے کوشلوک کی جواں مرگ سلطنت کا، جو تبت سے سمرقند تک کے وسیع کہستانی سلسلوں میں پھیلی ہوئی تھی قلع قمع کر دیا۔ اردو تازہ گھوڑوں پر سوار ہو کے نالیمانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ قرا ختائی کا بادشاہ دھوکا کھا کے اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا اور تجربہ کار مغلوں کے ہاتھوں خوب پٹا2 سو بدائی بہادر کا ایک دستہ کے ساتھ علیحدہ بھیجا گیا کہ مکریتوں کو فرض شناسی کا سبق سکھائے جبی نویان کو دو تومان کی سرداری عطا ہوئی اور حکم ملا کہ کوشلوک کا تعاقب کر کے اس کی لاش لے آئے۔

کوہستانوں میں جبی نویان نے کس کس طرح داؤ گھات سے وار کیے، ان کی تفصیل یہاں بیان کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں اس نے مسلمانوں کی حمایت اس طرح حاصل کی کہ کوشلوک کے علاوہ باقی تمام دشمنوں کے لئے معافی کا حکم نامہ سنایا۔ جنگ کی وجہ سے بدھ خانقاہوں کے دروازے عرصے سے بند تھے، اس نے انہیں پھر سے کھلوا دیا۔ پھر اس

کے سطح مرتفع پہلومیر پر ایک سال کے بعد شہنشاہ کوشلوک کا تعاقب کیا یہاں تک کہ کوشلوک مارا گیا اور اس اولوالعزم مغل نے اس کے سر کے ساتھ ایک ہزار سفید ناک والے گھوڑے جو وہ گویا سرراہے جمع کرتا جارہا تھا، چنگیز خاں کے پاس قراقورم بھجوائے۔

اگر اس کو اس پہلی جنگ میں شکست ہو جاتی تو یہ چنگیز خان کے لئے بڑا مہلک واقعہ ہوتا لیکن اس فتح سے دو نتیجے برآمد ہوئے، ترک قبیلے تبت سے لے کر پہاڑوں کے اس پار روس کی چراگاہوں تک پھیلے ہوئے تھے ان قبیلوں میں سے جو مغل علاقے کے قریب تھے وہ اردو میں شامل ہو گئے شمالی ختا کے زوال کے بعد ایشیا کا توازن قوت انہیں خانہ بدوش ترکوں کے ہاتھ میں تھا۔ فاتح مغل ابھی تک اقلیت میں تھے۔

مندروں کے کھلنے سے چنگیز خاں کو نئی شان وشوکت میسر آئی پہاڑی شہروں سے لے کر وادیوں کی خیمہ گاہوں تک سب کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے ختا کو فتح کیا ہے اور بدھ مت رکھنے والے ملک ختا کا ہمہ گیر اور مبہم اثر اس کی شخصیت سے وابستہ ہو گیا شکست خوردہ قراختا کے ملاؤں کے لئے بھی کم سے کم یہ امر اطمینان بخش تھا کہ اب وہ طرح طرح کے محاصل سے آزاد تھے تبت کی برف پوش چوٹیوں کے نیچے دنیا بھر کے مذہبی تعصب کے بدترین اکھاڑے میں بھکشو اور ملا اور لاما سب ایک گھاٹ کا پانی پیتے تھے اور سب کو تنبیہہ کی جا چکی تھی اصلی سایہ یاسا کے قانون کا تھا داڑھی والے ختائی، خان کے قاصد بن کر اس فاتح کے نئے قانون پر خطبے دیتے تھے اور اس مذہبی افراتفری میں ایک طرح کا نظم وضبط پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے بالکل اسی طرح وہ آہنی عزم والے مقولی بہادر کے زیر سایہ چین کی سرزمین کو پھر سے آرام اور چین پہنچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

ایک قاصد قافلے کی شاہراہ پر گھوڑا دوڑاتا جی نویان کو یہ خوشخبری سنانے آن پہنچا کہ ایک ہزار گھوڑے جو اس نے خان کو بھیجے تھے پہنچ گئے اور ساتھ ہی یہ پیغام سنایا۔ ''فتح کی وجہ سے مغرور نہ بننا۔''

چغی نویان پر اس نصیحت کا اثر ہو یا نہ ہوا ہو، وہ تبت کے کوہساروں میں سپاہیوں کو جمع کرتا رہا وہ قراقورم واپس بھی نہ پہنچ پایا دنیا کے ایک اور حصے میں اس کے لئے ابھی اور کام باقی تھا۔

اس درمیان میں کوشلوک کی شکست کے بعد شمالی ایشیا پر امن کا فوری اور قطعی سناٹا ایک پردے کی طرح چھا گیا چین سے لے کر بحر جند (آرال) تک ایک ہی آقا کی حکومت تھی بغاوت مسدود ہو چکی تھی شاہ کے قاصد طول البلد کے پچاس پچاس درجے اپنے راہوروں پر طے کرتے اور کہا جاتا تھا کہ خانہ بدوشوں کی اس سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اگر کوئی دوشیزہ اپنے ساتھ تھیلا بھر سونا لئے چلی جائے تب بھی کوئی اس سے مزاحمت نہ کر پائے گا۔

لیکن اس انتظامی کاروبار سے بوڑھے فاتح کی پوری تشفی نہیں ہوتی تھی اسے چراگاہوں میں سرما کے شکار میں اب لطف نہ آتا تھا ایک دن قراقورم میں اپنے شامیانے میں اس نے محافظ دستے کے ایک سردار سے پوچھا کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ لطف کس بات میں آتا ہے۔

سردار نے ذرا سوچ کر جواب دیا ''کھلا میدان ہو، روز روشن ہو اور آدمی تیز گھوڑے پر سوار ہو اور ہاتھ پر شہباز بیٹھا ہو جو خرگوش کو چوکنا کر دے۔''

چنگیز خان نے جواب میں کہا ''نہیں، اپنے دشمنوں کو کچلنا، انہیں اپنے قدموں میں گرتے دیکھنا، ان کے گھوڑے اور ان کے سامان چھیننا، ان کی عورتوں کا نالہ و بکا سننا، اس سے زیادہ اور کسی بات میں مزہ نہیں آتا۔''

یہ مالک تاج و تخت دنیا کے لئے عذاب الیم بھی تھا فتح کی نئی چال جو اس نے چلی وہ بڑی مہیب تھی اس کا رخ اب مغرب کی جانب تھا اور یہ واقعہ عجیب طرح پیش آیا۔

بارھواں باب :: صمصام اسلام

ابھی تک چنگیز خان کی سلطنت کی حدیں مشرقی ایشیا تک محدود تھیں۔ اس نے اپنے صحراؤں میں پرورش پائی تھی اور متمدن دنیا سے اسے پہلی مرتبہ ختا میں سابقہ پڑا تھا۔

اور ختا کے شہروں سے وہ پھر اپنی آبائی زمینوں کی چراگاہوں کو واپس لوٹ گیا تھا۔ حال ہی میں کوشلوک والے واقعے، اور مسلمان تاجروں کی آمد و رفت سے ایشیا کے باقی حصہ کے متعلق معلومات حاصل ہوئی تھیں۔

اسے اب معلوم تھا کہ اس کی مغربی سرحد کے سلسلہ کوہ کے اس پار ایسی شاداب وادیاں تھیں، جہاں کبھی برف باری نہ ہوتی تھی وہاں ایسے دریا بہتے تھے جو کبھی منجمد نہ ہوتے تھے۔ وہاں لاکھوں مخلوق ایسے شہروں میں رہتی تھی جو قراقورم اور ین کنگ سے بھی زیادہ پرانے تھے اور ان مغرب کی آبادیوں سے وہ قافلے آتے تھے جو اپنے ساتھ بڑی آب دار تلواریں، بہترین زنجیر دار زرہیں، سفید کپڑے اور سرخ چمڑے، عنبر اور ہاتھی دانت، فیروزے اور لعل لاتے تھے۔

یہ قافلے اس تک پہنچنے کے لئے وسط ایشیا کی دیوار فاصل عبور کر کے آتے تھے یہ دیوار فاصل کوہستانوں کا وہ پیچ در پیچ سلسلہ تھا جو ''دنیا کی چھت'' تاغ و بش کے قریب قریب شمال مشرق اور جنوب مغرب میں پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہ پہاڑی روک ازمنہ ماقبل تاریخ سے اسی طرح قائم تھی قدیم زمانے کے عرب اسی کو کوہ قاف کہتے تھے یہ وسیع اور غیر آباد، پہاڑی سلسلہ گوبی کے خانہ بدوشوں اور باقی دنیا کے درمیان حائل تھا۔

وقتاً فوقتاً خانہ بدوش قوموں نے سلسلہ کوہ کی اس فصیل کو عبور کیا تھا ایسے وقتوں میں جب کہ ان کے پیچھے مشرق کی اور زیادہ طاقتور قوموں نے انہیں نکال بھگایا تھا۔ اس سلسلہ کوہ کے اس پار ہونی اور آوارہ قومیں بھی گئی تھیں، مگر پھر پلٹ کر واپس نہ آئیں۔

وقتاً فوقتاً یہ بھی ہوا تھا کہ مغربی فاتح اس پہاڑی سلسلے کے اس پار تک کی سرحد عبور کر لیتے سترہ سو سال پہلے ایران کے بادشاہ اپنی زرہ پوش سوار فوج کے ساتھ ان پہاڑوں

کے مغرب میں دریائے سندھ اور سمرقند تک آن پہنچے تھے۔۔۔۔۔ اور ان علاقوں تک جہاں تاغ و بلش کی قدرتی فصیلیں نظر آتی ہیں اس کے دو سو سال بعد نڈر اسکندر اعظم اپنے یونانی دستوں کے ساتھ اتنی ہی دور تک گھس آیا تھا۔

قصہ مختصر یہ سلسلہ ہائے کوہ بہت بڑے پیمانے پر براعظم ایشیا کو تقسیم کرتے تھے ایک حصے میں چنگیز خان کے صحرا نورد رہتے تھے اور دوسرے حصے میں مغرب کی وادیوں میں رہنے والے جن کی سرزمین کو اہل ختا ''تاتسین'' یا دور کا علاقہ کہتے تھے۔

ایک قابل چینی سپہ سالار ایک مرتبہ ان تنہا کوہساروں تک اپنی فوج لے آیا تھا۔ لیکن ان پہاڑوں کے اس پار جنگ کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی تھی۔

اب جبی نویان نے جو مغل ارخانوں میں سب سے زیادہ تیز و تند تھا، اس پہاڑی سلسلے کے قلب میں پڑاؤ ڈالا تھا اور جوجی مغرب کی طرف گردش کرتا کرتا قپچاق قبیلوں کے گھاس سے لدے ہوئے میدانوں میں جا پہنچا تھا۔ انہوں نے دو ایسے راستوں کی اطلاع بھیجی تھی جو اس پہاڑی سلسلے کے اس پار پہنچتے تھے۔

فی الوقت چنگیز خان کو تجارت سے دلچسپی تھی وسط ایشیا کے اس پار کی مسلمان قوموں کی مصنوعات، خصوصاً ان کے ہتھیار سیدھی سادی زندگی بسر کرنے والے مغلوں کے لئے بڑی شوکت اور امارت کی چیزیں سمجھے جاتے تھے اس نے اپنی سرزمین کے تاجروں کی، جن میں اس کی مسلمان رعایا کے افراد بھی شامل تھے ہمت افزائی کی کہ وہ مغرب کی طرف تجارتی قافلے بھیجیں۔

اسے معلوم ہوا کہ مغرب میں اس کا قریب ترین ہمسایہ خوارزم شاہ ہے، جس نے خود ایک بہت بڑی سلطنت فتح کی ہے چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کے پاس قاصدوں کے ہاتھ یہ پیغام بھیجا۔

''میں تجھے پیام تہنیت بھیجتا ہوں میں تیری طاقت اور تیری سلطنت کی عظمت اور وسعت سے آگاہ ہوں میں تجھے اپنا عزیز فرزند سمجھتا ہوں اپنی جگہ تجھے بھی یہ معلوم ہونا

چاہئے کہ میں نے چین اور بہت سی ترک قوموں کو فتح کیا ہے میرا ملک سپاہیوں کی خیمہ گاہ ہے، چاندی کی کان ہے اور مجھے نئے علاقوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کا برابر کا فائدہ اسی میں ہے کہ میری اور تیری رعایا کے درمیان تجارت کے تعلقات بڑھائے جائیں۔''

اس وقت کے مغل کے نقطہ نظر سے یہ پیغام بڑا ہی نرم تھا ختا کے آنجہانی شہنشاہ کو چنگیز خان نے جو پیغام بھیجا تھا، خالص اشتعال انگیز حقارت پر مبنی تھا۔ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کو اس نے تجارت کا سیدھا سادا دعوت نامہ بھیجا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ کو اپنا فرزند کہنا اس کی سبکی کرنا تھا، کیونکہ ایشیا میں اپنے باجگذاروں کو اس خطاب سے یاد کیا جاتا تھا اسی طرح مفتوح ترک قبیلوں کا ذکر بھی ذرا خار دار تھا کیونکہ شاہ خود ترک تھا۔

خان کے قاصد شاہ کے لئے بیش قیمت تحفے لائے۔۔۔ چاندی کی سینخیں، بیش قیمت جیڈ، سفید اونٹوں کی اون کے لبادے، لیکن کانٹا کھٹک ہی گیا۔ شاہ نے پوچھا ''چنگیز خاں ہے کون؟ کیا اس نے سچ مچ چین کو فتح کر لیا ہے؟''

قاصدوں نے عرض کی کہ ہاں یہ صحیح ہے

''کیا اس کی فوجیں میری فوجوں کی طرح کثیر ہیں'' شاہ نے پھر یہ سوال کیا

قاصد مسلمان تھے، مغل نہیں تھے۔ انہوں نے بڑی مصلحت بینی سے اس سوال کا جواب مبہم طور پر یوں دیا کہ خان کے لشکر کا اور اس کے لشکر کا کوئی مقابلہ نہیں شاہ مطمئن ہو گیا، اور اس نے تاجروں اور سامان تجارت کا مبادلہ منظور کر لیا۔ ایک آدھ سال معاملہ ٹھیک رہا۔

اس عرصہ میں چنگیز خاں کی شہرت دوسرے مسلم ملکوں تک پہنچی خلیفہ بغداد اسی خوارزم شاہ کی تعدی سے ہراساں تھا خلیفہ کو لوگوں نے سمجھایا کہ چین کی سرحد پر جو خان ہے وہ اس کی مدد کر سکتا ہے۔ بغداد سے قراقورم کو ایک قاصد بھیجا گیا اور چونکہ وہاں تک پہنچنے کے لئے خوارزم شاہ کے علاقوں سے ہو کر گذرنا ضروری تھا اس لئے کچھ احتیاطی تدابیر بھی

کی گئیں۔

تاریخوں کا بیان ہے کہ اس قاصد کا منصب اور پیغام اس کے سر کے بال مونڈ کر سر کی جلد پر آتشیں قلم سے لکھا گیا تھا۔اس کے بعد بال بڑھ گئے اور قاصد کو اس کا پیغام رٹا دیا گیا تھا سب کچھ ٹھیک ٹھیک ہوا۔خلیفہ کا قاصد مغل خان کے دربار میں پہنچ گیا پھر سے اس کے سر کے بال مونڈے اس کا منصب شناخت کیا گیا اور اس کا پیغام سنا گیا۔

چنگیز خاں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گمان یہ ہوتا ہے کہ چونکہ قاصد اکیلا آیا تھا اور چونکہ اس نے بڑی منت سے مدد کی درخواست کی تھی اس لئے خان پر اس کا اچھا اثر نہ ہوا اور پھر خوارزم شاہ سے تجارتی معاہدہ بھی تھا۔

لیکن اس مغل نے تجارت کا جو تجربہ شروع کیا تھا وہ یک لخت ختم ہو گیا۔شاہ کے ایک مغربی سرحدی قلعہ اترار کے قلعہ دار انیل جق نے قراقورم کے کئی سو تاجروں کے ایک قافلے کو گرفتار کر لیا انیل جق نے اپنے آقا کو یہ اطلاع بھیجی کہ تاجروں میں کئی جاسوس تھے۔۔۔۔بہت ممکن ہے کہ واقعہ بھی یہی ہو۔

محمد خوارزم شاہ نے بے سمجھے بوجھے قلعدار کو حکم بھیجا کہ تاجروں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ تمام تاجر قتل کر دیئے گئے کچھ عرصہ بعد اس کی اطلاع چنگیز خاں کو ہوئی۔جس نے احتجاج کرنے کے لئے شاہ کے پاس قاصد بھیجے محمد خوارزم شاہ کو یہی سوجھی کہ قاصدوں کے امیر کو قتل کر دے اور باقیوں کی داڑھیاں جلا دے۔

جب اس کی سفارت کے باقی ماندہ لوگ چنگیز خاں کے پاس واپس پہنچے تو گوبی کا آقا ایک پہاڑ پر چڑھا کہ وہاں اکیلا اس معاملے پر غور کرے۔مغل قاصد کے قتل کی سزا دینی ضروری تھی رسم یہی تھی کہ زیادتی کی جائے تو اس کا بدلہ ضرور لینا چاہئے۔

خان نے اعلان کیا ”نہ آسمان پر دو سورج چمک سکتے ہیں، نہ زمین پر دو خاقان ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔“

اب سچ مچ کوہساروں میں جاسوس دوڑائے گئے چابک سواروں نے صحراؤں میں

گشت کر کے اردو کے جھنڈوں کے تلے سپاہیوں کو طلب کرنا شروع کیا۔اس مرتبہ شاہ کو ایک مختصر اور ڈراؤنا پیغام بھیجا گیا۔

''تو نے جنگ کا انتخاب کیا ہے اب جو ہونا ہے وہ ہو گا۔اور کیا ہو گا؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف خدا کو معلوم ہے۔''

ان دو فاتحوں کے درمیان جنگ چھڑنی لازمی تھی اب وہ چھڑ چکی تھی، لیکن مغل زیادہ محتاط تھا اس نے جنگ تب شروع کی تھی، جب کہ دوسرے نے اس کی وجہ فراہم کی تھی۔

یہ سمجھنے کے لئے کہ چنگیز خان کو کن حالات کا سامنا کرنا تھا آیئے پہاڑوں کے اس پار کی دنیا دیکھیں، دنیائے اسلام اور خوارزم شاہ کی سلطنت۔

یہ دنیا صاحب سیف لوگوں کی تھی، اسے گانا سننے اور سمجھنے کا ہنر بھی آتا تھا۔اس دنیا میں اندرونی کشمکش اور مصیبتیں بھی تھیں۔ یہاں دولت پیدا کی جاتی تھی۔غلامی کا رواج تھا، اور بعض علاقوں میں سازش کا دور دورہ تھا۔اس زمانے میں حکومت مرتشی اور زبردستی محصول وصول کرنے والوں کے ہاتھ میں تھی عورتیں خواجہ سراؤں کی حفاظت میں تھیں اور ضمیر اللہ کے سپرد۔

مختلف فرقے قرآن مجید کی مختلف تفسیریں اور توجیہیں کرتے تھے اس دنیا میں ناداروں کو زکوۃ دی جاتی تھی صفائی اور پاکیزگی کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا روشن صحنوں میں مجلس منعقد ہوتی تھیں اور امیر غربا کا بڑا خیال اور لحاظ رکھتے تھے اپنی عمر میں کم از کم ایک مرتبہ ہر شخص زیارت بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ کا سفر کرتا تھا اس زیارت میں امیر غریب سب دوش بدوش مساوات کے ساتھ شریک ہوتے۔ان کا عقیدہ اور زیادہ قوی ہو جاتا اور جب وہ گھر واپس آتے تو زائرین کی کثرت اور دنیائے اسلام کی عظمت اور وسعت سے متاثر ہو کے واپس آتے۔

کئی سو سال پہلے ان کے نبیؐ نے جو مشعل فروزاں کی تھی اس کی روشنی عربوں نے دور دور تک پہنچائی۔اس کے بعد مختلف اسلامی اقوام نے بہت سی فتوحات مل جل کر حاصل

کیں۔ اسلامی عساکر کی پہلی فوج ان کو ہسپانیہ، پورے شمالی افریقہ، مصر اور صقلیہ تک لے گئی وقت گذرنے پر مسلمانوں کی عسکری طاقت عربوں کے بجائے ترکوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی لیکن عربوں اور ترکوں نے مل کر نصرانیوں کی ان زرہ پوش فوجوں کا مقابلہ کیا جو ان سے یروشلم چھیننے کے لئے صلیبی جنگوں میں بار بار مغرب سے آتی تھیں۔

تیرہویں صدی میں اسلامی دنیا کی عسکری طاقت اپنے پورے عروج پر تھی صلیبی جنگجوؤں کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور انہیں ارض مقدس کے ساحلوں تک واپس دھکیلا جا چکا تھا ترکوں کی پہلی فوج نے زوال آمادہ یونانی قصریت سے ایشیائے کوچک کا بڑا حصہ چھین لیا تھا۔

بغداد میں عباسی خلفاء جو امیر المومنین کہلاتے تھے، اب بھی ہارون الرشید اور البرامکہ کے زمانے کی شوکت وسطوت کا چراغ جلائے رکھتے تھے فنون لطیفہ میں شاعری اور موسیقی کا خاص طور پر رواج تھا حاضر جوابی سے قسمتیں بن جاتی تھیں۔

عمر خیام جو بڑا صاحب نظر منجم تھا اس نے یہ رباعی لکھی ہے:

قرآں که مهین کلام خوانند او را
گه گاه نه بر دوام خوانند او را

در خط پیاله آیتے هست مقیم
کاندر همه جا مدام خوانند او را

لیکن عمر خیام جیسا مفکر بھی اسلامی عسکرت کی شان وشوکت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

هر جا که گلے و لاله رائے بوداست
از سرخی خون شهر یارے بوداست

عمر خیام اپنی رباعیاں لکھتے لکھتے اضطراب اور مایوسی کے عالم میں ذرا رک کے جمشید

کے دربار اور محمود غزنوی کے تخت طلائی کے متعلق سوچ لیا کرتا کبھی کبھی وہ جنت کے تصور کے متعلق بھی خیال آرائی کرتا۔

عمر خیام اور ہارون الرشید کو مرے عرصہ ہو چکا تھا لیکن محمود غزنوی کی اولاد اب بھی شمالی ہند پر حکمران تھی خلفائے بغداد کو اب دنیا کی زیادہ سمجھ بوجھ ہو گئی تھی اور وہ بجائے فتوحات کے سیاسیات کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے اب بھی اسلامی مجاہدین میں یہ جذبہ موجود تھا کہ آپس کے جھگڑے بھول کے اپنے دین و ایمان کے دشمن کے مقابلے میں متحد ہو جائیں اب بھی ان مجاہدین کی شوکت اولوالعزمی کا وہی حال تھا جو ہارون الرشید کے زمانے میں تھا جب کہ الف لیلہ کی راتوں کے مطابق وہ اپنے یاران بادہ خوار سے مذاق کیا کرتا تھا۔

جنگجو بادشاہوں کے یہ نام لیوا بڑی زرخیز سرزمین پر آباد تھے جہاں درخت پوش پہاڑوں سے نکلی ہوئی ندیاں صحرا کی ریت اور مٹی کو سیراب کر کے اس سے بافراط غلہ اور میوے اگاتیں۔ یہاں آفتاب کی حرارت سے ذہانت تیز ہوتی تھی اور عیش پسندی کا میلان بڑھتا تھا ہوشیار کاریگر اسلحہ بناتے ان ہتھیاروں میں ایسی لچکیلی تلواریں تھیں جو لچک کے دہری ہو سکتی تھیں ڈھالیں تھیں جن پر نقرئی کام منقش ہوتا زنجیر دار زرہیں اور فولاد کے ہلکے ہلکے خود تھے یہ لوگ تیز رفتار اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سواری کرتے مگر یہ گھوڑے جلدی تھک جاتے تھے آتش نفت اور یونانی آگ کے استعمال کے اسرار سے یہ واقف تھے۔

ان کی تفریح کے بہت سے سامان تھے ایک شاعر کے الفاظ ہیں: ''شعر اور نغمہ موسیقی، بہتی ہوئی لذیذ شراب چوسر اور شطرنج اور شکارگاہ، شہباز اور تیز چیتے، گوے و چوگان، دربار، میدان جنگ اور لاجواب ضیافتیں، گھوڑے اور ہتھیار فیاضی کی زندگی، خدا کی حمد و ثنا اور اس کی عبادت۔''

دارالسلام کے قلب میں اس وقت علاؤالدین محمد خوارزم شاہ امیر جنگ کی حیثیت سے

متمکن تھا۔ اس کی سلطنت ہندوستان سے بغداد تک، بحیرہ خوارزم سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی دار السلام میں، سلجوق ترکوں کے علاوہ جنہوں نے صلیبی محاربین کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی اور مصر کے مملوکوں کے سوا سب پر اس کی حکومت مسلم تھی شہنشاہ وہی تھا اور خلیفہ بغداد کی (جو اس سے لڑ چکا تھا مگر اس کی طاقت کے آگے ہار گیا تھا) وہی حیثیت رہ گئی تھی جو پوپ جیسے مذہبی پیشوا کی ہوتی ہے۔

خوارزمیوں کا شہنشاہ علاؤالدین محمد بھی چنگیز خان کی طرح ایک خانہ بدوش قوم سے تعلق رکھتا تھا اس کے آباؤاجداد سلجوق اعظم ملک شاہ کے غلام اور پیالہ بردار رہ چکے تھے وہ اور اس کے اتا بک سوار سب کے سب ترک تھے وہ سچا تورانی سپاہی تھا عسکریت اس کی جبلت میں تھی سیاسی نکتوں کی تہ تک وہ آسانی سے پہنچ جاتا اور اس کے بخل کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ وہ سفاک بھی بہت تھا اور وقتی جذبے کی تسلی کے لئے اپنے ساتھیوں کو اکثر قتل کرا دیتا کسی بزرگ سید کو قتل کر دیتا اور پھر خلیفہ بغداد سے شفاعت کی دعا مانگنے کی درخواست کرتا اگر خلیفہ اس کی بات نہ مانتا تو اس سے باغی ہو کے کسی اور کو خلیفہ بنانے میں بھی اسے دریغ نہ تھا۔ اسی طرح کے ایک جھگڑے کی وجہ سے بغداد سے چنگیز خان کے پاس ایلچی بھیجا گیا تھا۔

خوارزم شاہ کو ملک گیری کی ہوش بھی تھی اور خوشامد پسند بھی تھا غازی کے خطاب سے وہ بڑا خوش تھا اور اس کے درباری شاعر قصیدوں میں اسے اسکندر ثانی کہتے اپنی ماں کی سازشوں کو اس نے بڑی تعدی کے ساتھ فرو کیا اور اپنے وزیر مدار المہام سے ہمیشہ الجھتا رہتا۔

اس کی چار لاکھ نبرد آزما فوج کا قلب خوارزمی ترکوں پر مشتملت ھا، لیکن وہ جب چاہتا ایران سے بھی فوج طلب کر سکتا تھا وہ جہاں جاتا، جنگی ہاتھیوں، قطار در قطار اشتروں اور مسلح غلاموں کے جم غفیر کی صفیں اس کے ہمرکاب رہتیں۔

لیکن اس کی سلطنت کی اصلی پشت پناہ بڑے بڑے شہروں کی وہ کڑی تھی جو دریاؤں کے کنارے پھیلی ہوئی تھی بخارا جو اپنے مدرسوں اور اپنی مساجد کی وجہ سے دنیائے اسلام کا مرکز تھا سمرقند جو اپنی بلند و بالا دیواروں اور باغوں اور تفریح گاہوں کی وجہ سے مشہور تھا اور بلخ اور ہرات جو خراسان کے قلب میں واقع تھے۔

چنگیز خان اس دنیائے اسلام سے اس کے حوصلہ مند شاہ، اس کے کثیر عساکر اس کے عظیم الشان شہروں سے قریب قریب ناواقف تھا۔

☆☆☆☆☆☆

تیرھواں باب :: مغرب کو یلغار

مسلمان ترکوں کے مقابلے میں فوج کشی سے پہلے چنگیز خان کو دو مسائل حل کرنا تھے جب اس نے ختا کی فتح کے لئے پیش قدمی کی تھی وہ اپنے ساتھ اپنے سارے حلیف صحرائی قبیلوں کو لیتا گیا تھا اب کئی سال کے لئے اسے اپنی نئی فتح کی ہوئی سلطنت کو چھوڑ کے جانا تھا، ابھی ابھی اس نئی سلطنت کی تنظیم ہوئی تھی نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ اس سلطنت پر کوہستان کے سلسلے کے اس پار سے حکومت جاری رہے۔

اس مسئلے کو اس نے اپنے طریقے پر حل کیا مقولی، ختا کو آگ اور تلوار کے زور سے روکے ہوئے تھا لیاؤ کے شہزادے اپنے عقب میں نظم وضبط قائم کرنے میں مصروف تھے چنگیز خان نے اپنے دیگر مقبوضہ علاقوں میں سے ایسے صاحب خاندان اور ملک گیری کی ہوس رکھنے والے معززین کی فہرست بنائی جن سے اس کا اندیشہ تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں شورش کریں گے ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک مغل قاصد کے ذریعے چاندی کی تختی پر اردو میں حاضر ہونے کا حکم نامہ بھیجا گیا اس بہانے سے کہ اسے ان کی خدمات کی ضرورت ہے چنگیز خان انہیں اپنے ساتھ سلطنت کے باہر یورش کے لئے لیتا گیا۔

وہ یہ چاہتا تھا کہ خود کہیں بھی رہے زمام حکومت اسی کے ہاتھ میں رہے قاصدوں کے ذریعے وہ گوبی میں خانوں کی مجلس مشاورت سے رسل ورسائل کا سلسلہ قائم رکھنا چاہتا تھا اس نے اپنے ایک بھائی کو قراقورم کا گورنر بنا کے پیچھے چھوڑا۔

جب یہ مسئلہ حل ہو چکا تھا تو دوسرا اور اس سے زیادہ ٹیڑھا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ڈھائی لاکھ سپاہیوں کے اردو کو جھیل بیکال سے کس طرح وسط ایشیا کے اونچے کہساروں کے اس پار ایوان تک پہنچایا جائے فضائی فاصلے کے حساب سے کوئی دو ہزار میل کی مسافت تھی یہ علاقہ ایسا تھا کہ آج بھی مسافر مسلح قافلے کے ساتھ ہی اس علاقے میں سفر کرنے کی جرات کر سکتا ہے آج کل کی فوج اگر اتنی ہی کثیر تعداد میں ہوتو اس یلغار میں ہرگز کامیاب

نہیں ہو سکتی۔

اسے کوئی شک نہیں تھا کہ اس کا اردو کامیابی سے اس مسافت تک یلغار کر سکے گا اردو کو اس نے ایک ایسی فوجی طاقت میں ڈھال دیا تھا کہ وہ زمین پر ہر کہیں پہنچ سکتی تھی اس فوج کے نصف حصے کو دوبارہ گوبی دیکھنا نصیب نہ ہو سکا لیکن اس کے بعض مغل طول البلد کے نوے درجوں کا چکر کاٹ کے پھر واپس لوٹ آئے۔

1219ء کے موسم بہار میں جنوب مغرب کی ایک ندی کے کنارے کی چراگاہوں میں اردو کو مجتمع ہونے کا حکم صادر کیا۔ یہاں مختلف سپہ سالاروں کی سرکردگی میں اس کے تومان اکٹھے ہوئے۔ ایک ایک سوار کے جلو میں چار پانچ گھوڑے تھے۔ مویشیوں کے بڑے بڑے گلے چراگاہوں میں ہانک دیئے گئے اور گرمیوں کی ہری بھری گھاس چر چر کے موٹے ہوتے رہے۔ خان کا سب سے چھوٹا بیٹا اعلیٰ سپہ سالار کا عہدہ سنبھالنے کے لئے آ گیا اور پت جھڑ کے شروع میں بنفس نفیس چنگیز خان کی سواری قراقورم سے آئی۔

اس نے اپنی خانہ بدوش سلطنت کی عورتوں کو یوں مخاطب کیا ''تم ہتھیار تو نہیں سنبھالو گی، البتہ تمہارے ذمے ایک اور فرض ہے۔ یورتوں میں اچھی طرح خانہ داری کرنا کیونکہ جب سپاہی لڑ کے واپس لوٹیں تو قاصدوں اور سفر کرنے والے نویون سرداروں کو رات گذارنے کے لئے صاف ستھری جگہ اور اچھا کھانا مل سکے۔ بیوی سپاہی کی اسی طرح عزت کر سکتی ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لشکر کی طرف جاتے جاتے اسے یہ خیال بھی آیا کہ وہ اس جنگ سے زندہ لوٹ کے نہ آئے گا درختوں کے ایک خوبصورت سے جنگل میں صنوبروں کے ایک اونچے جھنڈ کے قریب سے گذرتے ہوئے اس نے کہا ''یہ جگہ ہرنوں کے شکار کے لئے اچھی ہے اور بوڑھے کے آرام کرنے کے لئے بھی مناسب ہے۔''

اس نے حکم دیا کہ اس کی موت پر اس کا مجموعہ قوانین ''یاسا'' با آواز بلند پڑھا جائے اور سب کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اردو اور اردو کے افسروں سے اس نے

کچھ اور بھی کہا:

''میرے ساتھ چلو اور زور آزمائی سے اس شخص کو نیچا دکھاؤ جس نے ہمیں ذلیل کیا ہے۔تم فتح میں میرے شریک بنو گے۔ دس سپاہیوں کا سردار ہو یا دس ہزار کا، سب پر اطاعت برابر فرض ہے۔ جو اپنے فرض سے غفلت کرے گا، موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور اس کی عورتوں اور بچوں کا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔''

اپنے بیٹوں، ارخانوں اور مختلف سرداروں سے مشاورت کرنے کے بعد خان نے سوار ہو کے اپنے اردو کے مختلف دستوں کا معائنہ کیا۔اب اس کی عمر چھپن سال کی تھی۔ اس کے چوڑے چہرے پر جا بجا جھریاں پڑ گئی تھیں۔اس کی جلد سخت ہو چلی تھی وہ اپنے تیز رفتار سفید گھوڑے کی چوٹی دار زین پر، چھوٹی چھوٹی رکابوں میں پیر جمائے، گھٹنے اٹھائے بیٹھا ہوا تھا۔اس کی اوپر کی طرف اٹھی ہوئی سفید سموری ٹوپی میں باز کے پر لگے ہوئے تھے۔اس کے دونوں کانوں پر سرخ کپڑے کی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں، جیسے کسی جانور کے سینگ ہوتے ہیں، لیکن ان کا اصلی مصرف تیز ہوا میں ٹوپی کو مضبوط باندھنا تھا۔ اس کا لمبی آستینوں والا چرمی لبادہ سونے کی پیٹیوں یا سنہری اطلس کے کمر بند سے بندھا ہوا تھا۔۔۔۔ زیادہ بات چیت کئے بغیر وہ آراستہ دستوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھتا چلا گیا۔اردو پہلے کے مقابلے میں اب ساز و سامان سے زیادہ آراستہ تھا۔طوفانی دستوں کے گھوڑے سرخ یا سیاہ منقش چمڑے کی زرہوں میں محفوظ تھے۔ ہر سپاہی کے پاس دو کمانیں تھیں اور ایک ایک فالتو ترکش تا کہ اگر نمی زیادہ ہو تو کام آسکے۔ ان کے خود ہلکے اور بڑے کار آمد تھے اور خود کے نیچے چمڑا لگا ہوا تھا، جس پر لوہے کی گھنڈیاں لگی تھیں، تا کہ پیچھے گردن کی حفاظت ہو سکے۔

ڈھالیں صرف چنگیز خان کے محافظ دستے کے پاس تھیں۔ بھاری سوار فوج کے پاس تلواروں کے سوا، پیٹیوں سے جنگی کلہاڑے اور کمندیں لٹک رہی تھیں۔بعض کے کمر بندوں میں منجنیقیں کھینچنے یا کیچڑ میں دھنسی ہوئی گاڑیاں نکالنے کے لئے رسیاں تھیں۔

دوسرا سامان بہت مختصر اور صرف بقدر ضرورت تھا۔۔۔چمڑے کی تھیلیاں گھوڑے کے چارے کے لئے اور سپاہی کے لئے صرف ایک پیالہ، موم اور تیروں کے پھل تیز کرنے کے لئے پتھر اور کمانوں کے لئے کچھ فالتو تانت، کچھ دنوں بعد ہر آدمی کے لئے نازک موقع جنگ کے لئے خوراک و رسد کا انتظام تھا۔۔۔۔دھوئیں پر سنکا ہوا گوشت اور جمے ہوئے دودھ کے سوکھے ٹکڑے اس جمے ہوئے دودھ کو پانی میں ڈال کے جوش دیا جا سکتا تھا۔

ابھی تک تو وہ سیدھے راستے پر سفر کر رہے تھے۔ان کے ساتھ بہت سے چینی تھے اور ایک نیا دستہ بھی تھا۔یہ بظاہر دس ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا۔اس کا سردار ایک چینی تھا، جس کا عہدہ ''کاپاؤیو'' (توپ خانے کا امیر) تھا۔اس کے سپاہیوں کو محاصرے کے لئے منجنیقیں اور آگ پھینکنے کے ڈھانچے بنانے اور ان سے کام لینے کا ہنر خوب آتا تھا۔منجنیقیں اور اس قسم کی دوسری مشینیں پوری کی پوری نہیں منتقل کی جا رہی تھیں۔ان کے ٹکڑے الگ الگ تھے اور چھکڑوں میں لے جائے جا رہے تھے۔رہ گئی ہوپاؤ یا آگ پھینکنے کی مشین، اس کی کارگزاری ہم آگے چل کے دیکھیں گے۔

یہ لشکر مویشیوں کے ریوڑوں کو ہنکاتا ہوا، چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلوں میں آہستہ آہستہ گھستا چلا گیا۔اس کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی اور اس تعداد کو ایک ساتھ رکھنا بڑا مشکل تھا، کیونکہ اس کی خوراک کا انتظام مویشیوں کے ریوڑ یا زمین کی پیداوار سے ہونا تھا۔چنگیز خاں کے سب سے بڑے بیٹے جوجی کو دو تومانوں کا سردار بنا کے لشکر سے الگ کیا گیا تھا اور جبی نویان سے جا ملنے کے لئے طیاں شان کے سلسلہ کوہ کے اس پار بھیجا گیا۔باقی فوج پھیل گئی اور وادی وادی سفر طے کرنے لگی۔

یلغار کے شروع میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ منجم شک میں پڑ گئے۔وقت سے پہلے برف باری شروع ہو گئی۔خان نے لیو چسائی کو بلوا بھیجا اور اس سے کہا کہ اس کا کیا شگون ہے۔

چتسائی نے جواب دیا ''اس سے یہ شگون نکلتا ہے کہ سرد اور سرمائی سرزمینوں کا آقا گرم ملکوں کے تاجدار پر فتح پائے گا۔''

اس سرما میں ختائی دستے کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی تھے جو بیماریوں کے علاج کے لئے جڑی بوٹیوں کو جوش دے کے حل کر سکتے تھے۔ جب کسی خیمے کے آگے نیزہ اس طرح گڑا ہوتا کہ انی نیچے گڑی ہوئی ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ اس خیمے میں کوئی مغل بیمار ہے۔ علاج کے لئے جڑی بوٹیوں اور ستاروں کے ان ماہروں کو فوراً طلب کیا جاتا۔ فوج کے ساتھ اور بھی کئی لوگ تھے جو لڑائی میں حصہ نہیں لے رہے تھے ان میں مترجم تھے، ایسے تاجر تھے جن سے آگے چل کے جاسوسی کا کام لیا جانے والا تھا۔ عمال تھے تاکہ مفتوحہ صوبوں کا انتظام کر سکیں۔ کسی معاملے میں بھول نہیں کی گئی تھی ہر ہر تفصیل کا اپنی جگہ لحاظ رکھا گیا تھا۔ ایک افسر محض اسی لئے مقرر تھا کہ گم شدہ اشیاء کی حفاظت کرے۔

اس کا انتظام تھا کہ اسلحہ پر جو آب تھی اس پر زنگ نہ لگے۔ زینوں پر پالش ہوتی رہے۔ تھیلیاں بھری رہیں صبح کا نقارہ کوچ کے لئے بجایا جاتا، پہلے مویشیوں کے ریوڑ کو ہنکایا جاتا، پیچھے پیچھے سپاہی چھکڑوں کے ساتھ چلتے۔ شام تک پھر ریوڑوں کے پاس پہنچ جاتے اور ذمہ دار افسر کا نشان نصب کیا جاتا۔ اس کے اطراف خیمے لگائے جاتے اور سپاہی اپنے اپنے یورت چھکڑوں یا اونٹوں پر سے اتار لیتے۔

راستے میں کئی ندیاں پار کی گئیں۔ آگے آگے بیس یا اس سے زیادہ گھوڑوں کی قطار کو زین کے تسموں اور زنجیروں سے ایک ساتھ باندھ دیا جاتا اور یہ پہلے دھاوے کے مقابلے میں بڑھتے۔ کبھی کبھی سواروں کو گھوڑوں کی دمیں پکڑ کے تیرنا پڑتا۔ درخت کی شاخ چمڑے کے ساز میں ٹھونس کے تسموں سے باندھ دی جاتی تاکہ تیری رہے اور پھر سپاہی اس کو اپنی کمر کی پیٹی سے باندھ لیتا۔ کچھ دنوں بعد دریا جم گئے اور برف کے اوپر سے دریاؤں کو عبور کیا جانے لگا۔

ہر چیز یہاں تک کہ ریت کے ٹیلے اور بنجر زمین برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ املی کے سوکھے ہوئے بھورے بھورے درخت ہوا کے جھکڑوں میں ناچنے لگے۔ جیسے وہ بوڑھوں کے بھوت ہوں۔ راستوں پر بارہ سنگوں اور جنگلی بھیڑوں کے سینگ برف سے ڈھنپے ہوئے نظر آتے۔

جوجی کے دستے جنوب کی طرف مڑ گئے اور سات ہزار فٹ اونچے دروں سے گذر کر نیچے ''پی لو'' یا شمالی شاہراہ تک پہنچ گئے جو طیان شان کے آگے ہے۔

یہ ایشیا کی قدیم ترین تجارتی شاہراہوں میں سے ہے۔ یہاں انہیں پشم دار اونٹوں کی قطاروں کی قطاریں ملیں۔ جن میں ہر اونٹ کی نکیل دوسرے کی دم سے بندھی ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ چلنے میں ان کی زنگ آلود گھنٹیاں بھی ساتھ ساتھ بجتی جاتی تھیں۔ ایسے سینکڑوں اونٹ غلے اور کپڑے اور ایسے ہی سامان سے لدے ہوئے بس کوئی چھ سات آدمیوں اور ایک کتے کے پیچھے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔

اردو کا اصلی حصہ مغرب کی طرف مقابلۃً آہستہ آہستہ بڑھا۔ دروں اور گھاٹیوں سے اترتا ہوا، منجمد جھیلوں کو طے کرتا ہوا درہ زنگاریہ تک پہنچا۔ یہی وہ درہ ہے جس سے گذر کے ایشیائے بلند کے قبیلے دھاوا کرتے رہے تھے۔ یہاں طوفانی ہواؤں اور انتہائی شدید سردی سے وہ بہت پریشان ہوئے سردی اتنی تھی کہ اگر ''بوران'' (کالے طوفان) کے دوران میں کوئی ریوڑ کسی درے میں پھنس جاتا تو وہیں جم کے یخ ہو جاتا۔ مویشی جتنے بھی تھے وہ یا تو مر کھپ گئے تھے یا غذا بن چکے تھے۔ چارے کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا، چھکڑے مجبوراً پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے، اور صرف کچھ سخت جان اونٹ باقی بچے تھے۔

ختا کے لیوچُسائی نے اس مغرب کی جانب کی یلغار کے متعلق لکھا ہے ''عین گرمیوں میں بھی ان پہاڑوں پر برف افراط سے گرتی اور جمتی ہے۔ اس راہ سے گذرتے ہوئے فوج کو برف کاٹ کے راستہ بنانا پڑا۔ یہاں چیل اور صنوبر اتنے اونچے ہیں کہ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ چن شان (سنہرے پہاڑوں) کے مغرب میں جتنے دریا

ہیں وہ سب مغرب کی طرف بہتے ہیں۔''

اس طوفانی درے کے پار مغربی پہاڑوں میں پہنچ کے سپاہیوں نے درخت کاٹے اور بڑے تنوں سے تنگ پہاڑی شگافوں پر پل بنائے۔ گھوڑوں نے اپنے سموں سے برف کھود کھود کے گھاس اور سبزی چرنی شروع کی۔ شکاری شکار ڈھونڈنے کے لئے آگے بڑھے۔ ایشیائے بلند کی اس بے پناہ سردی میں دو لاکھ آدمیوں نے اپنا راستہ بنایا اور راتنی صعوبتیں برداشت کیں کہ اگر آج کل کی فوج ہوتی تو پوری کی پوری ہسپتال میں پڑی ہوتی۔ مغلوں پر ان تکلیفوں کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ برف گرتی ہوتی اور وہ گرتی ہوئی برف میں بھیڑوں کی کھالیں اور چمڑے اوڑھ کے پڑ کے سو جاتے۔ ضرورت کے وقت گول مضبوط یورتوں میں انہیں تھوڑی بہت گرمی میسر آ جاتی۔ جب غذا باقی نہ رہتی تو وہ گھوڑے کی فصد کھولتے تھوڑا سا خون پی لیتے اور پھر رگ کو ٹانکے دے دیتے۔

پہاڑوں میں سو میل کے عرض تک پھیلے ہوئے وہ بڑھتے چلے گئے۔ صرف گاڑیاں ان کے پیچھے پیچھے کھڑکھڑاتی ہوئی چلتی رہیں۔ مرے ہوئے جانوروں کی ہڈیاں سے وہ راستے کے نشان ڈھونڈتے رہے۔

جب برف پگھلنے کا زمانہ آیا تو یہ لشکر مغرب کے میدان میں پہنچ چکا تھا۔ جھیل بالکش کے ویران علاقے میں اس نے تیزی سے پیش قدمی کی جب نئی نئی گھاس نکلنے لگی تو وہ قراتاؤ (کالے سلسلہ کوہ) کی آخری حد فاضل کو تیزی سے پھاندتا ہوا گذر رہا تھا۔۔۔۔ دبلے پتلے گھوڑوں پر مغل کوچ کے پہلے بارہ سو میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔

اب مختلف دستے جمع ہونے لگے۔ مختلف سپہ سالاروں کے درمیان ربط قائم کرنے والے افسر تیزی سے گھوڑے دوڑانے لگے عجیب ہیئت کذائی والے تاجر دو دو تین تین ٹکڑیوں میں ادھر ادھر گھوڑوں پر منتشر ہو گئے تا کہ مخبری کر سکیں۔ ہر دستے کے آگے آگے ہراول کے کچھ سوار بھیجے گئے تا کہ چوکسی کرتے رہیں۔

سپاہیوں نے اپنی تھیلیاں ٹھیک کیں۔ اپنے تیر گنے، الاؤ جلائے اور ان کے اطراف

جمع ہو کے ہنسنے بولنے لگے اور مطربوں سے گیت سننے لگے مطرب دوزانو ہو کے پرانے بہادروں اور عجیب وغریب جادو کے قصے الاپنے لگے۔

جنگلوں کے اس پار نشیب میں انہیں دنیائے اسلام کی سرحد نظر آ رہی تھی۔ یہ سیر دریا کا وسیع پاٹ تھا، جو بہار کی بارشوں اور برف کے پگھلنے کی وجہ سے طغیانی پر تھا۔

☆☆☆☆☆☆

چودھواں باب :: پہلا حملہ

اس دوران میں قابل ذکر بات یہ ہوئی کہ ''دنیا کی چھت'' (پامیر) کے سائے میں جوجی اور جبی نویان کی مسلمانوں سے پہلی لڑائی جم کر ہوئی۔

خوارزم شاہ مغلوں سے پہلے ہی میدان جنگ میں پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان کی فتوحات کے بعد تازہ دم ہو کے اس نے چار لاکھ فوج جمع کر لی تھی۔ اس نے اپنے اتابیگوں کو مجتمع کر لیا تھا اور ترک فوج کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے عرب اور ایرانی دستے فراہم کر لئے تھے۔ اس فوج کو لے کر وہ شمال کی طرف مغلوں کی تلاش میں بڑھا تھا جو ابھی تک موقع پر نہیں پہنچے تھے۔ اسے جبی نویان کے کچھ ہراول دستے ملے، جنہیں اس جنگ کے
موقع پر نہیں پہنچے تھے۔ اسے جبی نویان کے کچھ ہراول دستے ملے، جنہیں اس جنگ کے
متعلق کوئی اطلاع نہ تھی اور اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان سمور پوش خانہ بدوشوں کو جو پشم دار ٹٹوؤں پر سوار تھے، ساز و سامان سے آراستہ خوارزمیوں نے بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا جب اس کے جاسوسوں نے مغل اردو کی مزید تفصیلیں بہم پہنچائیں تب بھی خان نے اپنی رائے نہیں بدلی کہ ''اب تک انہوں نے صرف کفار کے مقابلے میں فتح پائی ہے اب مسلمانوں کی فوجیں ان کے مقابلے کے لئے جا رہی ہیں۔''

مغل بہت جلد نظر آ گئے آگے آگے حملہ کرنے والی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بلندیوں سے اتر کے سیحوں دریا کے عمیق پاٹوں کی جانب جھپٹنے لگیں۔ سرسبز وادیوں کے دیہات سے یہ ریوڑوں کو ہنکا لے جاتیں اور جتنا کچھ غلہ اور اناج ملتا، لوٹ لے جاتیں۔ اور مکانوں کو آگ لگا دیتیں اور دھوئیں کی آڑ میں واپس چلی جاتیں۔۔۔۔ کچھ سپاہی چھکڑے اور ریوڑ شمال کی طرف لے جاتے اور دوسرے دن پھر جو حملہ ہوتا تو کسی ایسے گاؤں پر جو پہلے مقام سے پچاس میل دور ہو۔

یہ تو ہراول چھاپا مار دستے تھے جن کا کام اصلی فوج کے لئے سامان رسد مہیا کرنا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔ انہیں دراصل جوجی

نے بھیجا تھا جو طیان شان پیلو کے علاقے میں مشرقی وادیوں کی ایک لمبی سی قطار کے درمیان کوچ کرتا آرہا تھا۔ چونکہ قلب لشکر کے مقابلے میں وہ آسان تھا راستے سے مسافت طے کر رہا تھا، اس لئے پہاڑوں کے آخری سلسلے اس نے اپنے والد کے مقابلے میں ذرا جلدی عبور کر لئے۔

محمد شاہ خوارزم نے اپنے لشکر کا زیادہ تر حصہ سیحوں کے دریا کے کنارے چھوڑا، اور خود مشرق کو دریا کے منبع کی طرف پہاڑوں میں بڑھا۔ یہ پتا نہیں کہ اسے جوجی کے حملے کی اطلاع اپنے جاسوسوں سے ملی یا محض اتفاقاً وہ اس مغل فوج سے دوچار ہوا، بہر حال اس طویل وادی میں جس کے دونوں طرف شجر پوش پہاڑوں کی فصیلیں تھیں اس کا اس مغل فوج سے جم کر مقابلہ ہوا۔

اس کی اپنی فوج کی تعداد مغل دستے سے کئی گنا زیادہ تھی خوارزم شاہ نے جب پہلی مرتبہ ان سمور پوش چرم پوش سواروں کو دیکھا جن کے پاس نہ زنجیر اور زرہیں تھیں اور نہ ڈھالیں تھیں، تو اس نے فوراً یہ سوچا کہ ان عجیب سواروں کے بچ کر نکلنے سے پہلے ہی وہ حملہ کر دے۔

اس کے منظم ترک سپاہی، جنگ کے لئے صف در صف آراستہ ہوئے، طبل جنگ اور نقاروں پر چوٹ پڑی۔

اس درمیان میں مغلوں کے ایک سپہ سالار نے جو جوجی کے ہمرکاب تھا، اسے یہ مشورہ دیا کہ پسپا ہو کر، اپنے پیچھے ترکوں کو مغل لشکر کے قلب کی جانب لے چلنا چاہئے۔ لیکن خان کے اس بڑے بیٹے نے یہ حکم دیا کہ فوراً حملہ کیا جائے ''اگر میں بھاگ کھڑا ہوا تو اپنے باپ کو کیا جواب دوں گا؟''

فوج کا یہ حصہ اس کے زیر کمان تھا اور جب اس نے حکم دیا تو مغل بے چون و چرا جنگ کے لئے سوار ہو گئے چنگیز خان خود ہرگز اس وادی میں نہ پھنستا فوراً پیچھے ہٹ جاتا تاکہ تعاقب میں شاہ کی صفیں منتشر ہو جائیں لیکن ضدی جوجی نے اپنے آدمی آگے بڑھائے۔

سب سے آگے آگے سرفروش دستہ پھر طوفانی سوار دستے بائیں ہاتھ میں تلوار اور لگام تھامے، دائیں ہاتھ میں لمبے لمبے نیزے لئے میمنے اور میسرے پر ہلکے پھلکے دستے تھے۔

مغل سوار مہیب انداز میں آگے بڑھے، ترکوں کے لیچوں کے مقابل تلواریں سونتے۔ جگہ اتنی کم تھی کہ جنگی داؤں پیچ دکھانے کا موقع نہیں تھا۔ نہ تیراندازی کا کوئی موقع تھا جس میں انہیں خاص مہارت تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ خوارزمیوں کا بے حد نقصان ہوا اور جب مغلوں کا ہراول دستہ راستہ کاٹ کے ترکوں کے قلب تک پہنچ گیا تو خود خوارزم شاہ کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ اپنے سے ایک تیر کے فاصلے پر اس نے مغلوں کے سینگوں والے پرچم دیکھے اور اس کے اپنے محافظ دستے کی جان توڑ کوشش کی وجہ سے اس کی جان بچی۔ اسی طرح جوجی کی جان ختا کے ایک شہزادے نے بچائی جو اس کے زیر کمان لڑ رہا تھا۔

اس دوران میں مغل میمنہ اور میسرہ بھی گھس آیا تھا۔ جلال الدین جو خوارزمیوں کا محبوب شہزادہ اور خوارزم شاہ کا ولی عہد تھا۔ سچا ترک، پستہ قد، چھریرا بدن، سانولا، جسے تلوار کے کرتبوں سے بڑی دلچسپی تھی اس نے جوابی حملہ اس زور شور سے کیا کہ مغل پرچموں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ شام آئی تو حریف سوار الگ ہو گئے اور رات کو مغلوں نے اپنی وہی ہمیشہ کی پرانی چال چلی جب تک رات کا اندھیرا رہا انہوں نے یا تو وادی کی گھاس کو آگ لگا دی یا اپنی خیمہ گاہ کے الاؤ بھڑکاتے رہے۔ مگر اسی درمیان میں جوجی اور اس کے ساتھی تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کے اس تیزی سے پیچھے ہٹے کہ دو روز کی منزل انہوں نے ایک رات میں طے کر لی۔

جب صبح ہوئی تو محمد خوارزم شاہ اور اس کے فوجی دستے نے اپنے آپ کو اس وادی پر قابض پایا، جس پر ہر طرف مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں مغل غائب تھے۔

ترک جواب تک ہر جنگ میں فتح یاب ہوتے رہے تھے جب میدان جنگ کا ایک چکر کاٹ کے واپس آئے تو انہیں بڑا اندیشہ ہو چکا تھا۔ تاریخ کے بیان کے مطابق اس

پہلی جنگ میں ان کی فوج کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمی شہید ہو چکے تھے یہ تعداد تو یقیناً مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے اس کا پتا ضرور چلتا ہے کہ مغلوں سے پہلی ٹکر کا ان پر کیا اثر ہوا۔ اس زمانے کے مسلمان سپاہیوں پر حملے کی پہلی جنگ کی شکست یا فتح کا بڑا اثر ہوا کرتا تھا۔ اس وادی کی مہیب جنگ کا خود سلطان محمد پر بہت گہرا اثر ہوا ''شاہ کے دل میں ان کافروں کا ڈر بیٹھ گیا اور وہ ان کی شجاعت کا قائل ہو گیا۔ جب اس کے سامنے کوئی مغلوں کا ذکر کرتا تو وہ کہتا کہ میں نے کبھی ایسے جری اور بہادر لوگ نہیں دیکھے جو جنگ میں اتنے ثابت قدم رہیں یا جنہیں اپنی تلواروں کی نوکوں اور دھاروں سے ایسے سخت زخم لگانا آتا ہو۔''

سلطان محمد نے اونچی وادیوں میں مغل اردو کی تلاش کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ علاقہ جو پہلے ہی غیر آباد تھا، اسے مغل لوٹ مار کرنے والے دستوں نے چھانی کر دیا تھا اور وہ اس کے کثیر لشکر کے خورد و نوش کا سامان بہم نہ پہنچا سکتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ یہ ہوا کہ وہ اپنے ان عجیب دشمنوں کے ڈر سے سیحوں کے دریا کے کنارے کے فصیل بند شہروں کی پناہ میں لوٹ آیا۔ اس نے کمک کے لئے مزید فوجیں، خصوصاً تیر اندازوں کے دستے طلب کئے۔ لیکن اس نے مکمل فتح و ظفر پانے کا اعلان کیا اور اس تقریب میں اپنے ہم رکاب افسروں کی خلعتیں عطا کیں۔

چنگیز خان نے ایک قاصد کی زبانی اس پہلی جنگ کی خبر سنی۔ اس نے جوجی کی تعریت کی پانچ ہزار کا ایک دستہ اس کی کمک کیلئے بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ خوارزم شاہ کا تعاقب کرے۔

اب جوجی خان کی مغل فوج جو دراصل پورے مغل اردو کا میسرہ تھی، ایشیائے بلند کے ایک گلزار جیسے علاقے سے گذر رہی تھی، جہاں ہر ندی نالے کے کنارے سفید فصیل والا ایک گاؤں اور ایک مینار ہوتا۔ یہاں خربوزے اور عجیب عجیب پھل پیدا ہوتے تھے بید جنوں اور سفیدوں کے جھنڈ کے درمیان مسجدوں کے پتلے نازک مینار بلند نظر آتے تھے

دائیں بائیں ہری بھری پہاڑیاں تھیں، جن کی ڈھلوانوں پر مویشیوں کے ریوڑ چرتے نظر آتے۔ ان کے پیچھے اونچے کوہستانی سلسلوں کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی نظر آتیں۔

صاحب نظر لیو چتسانی اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے ''خدقان (خوقند) میں انار بڑی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا حجم دو مٹھیوں کے برابر ہوتا ہے اور ان کا ذائقہ ذرا ترشی مائل کسیلا ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ اس پھل کا عرق پیالوں میں نچوڑتے ہیں، جو پیاس بجھانے کے لئے بہت مفید اور مفرح ہے۔ ان کے تربوزوں کا وزن پچیس سیر ہوتا ہے، اور ایک گدھا دو سے زیادہ تربوز نہیں اٹھا سکتا۔''

برف پوش دروں میں جاڑے گذرنے کے بعد یہ علاقہ مغل شہسواروں کے لئے گویا جنت تھا۔ دریا کا پاٹ چوڑا ہو گیا اور وہ ایک بڑے فصیل بند شہر کے نواح میں پہنچے جس کا نام خوقند تھا۔ یہاں پانچ ہزار سواروں کا امدادی دستہ خوقند کا محاصرہ کئے ہوئے ان کا انتظار کر رہا تھا۔

شہر کے ترکوں کا کماندار بڑا بہادر آدمی تھا۔ جس کا نام تیمور ملک تھا۔ تیمور ترکی میں فولاد کو کہتے ہیں وہ ایک ہزار چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک جزیرے میں خندقیں کھود کے اپنی حفاظت کر رہا تھا حالات نے عجیب صورت اختیار کی۔

یہاں دریا چوڑا تھا اور جزیرے کے اطراف فصیل تھی تیمور ملک ساری کشتیاں اپنے ساتھ لیتا گیا تھا اور کوئی پل بھی نہیں تھا۔ مغلوں کو یہ حکم تھا کہ اپنے پیچھے کوئی فصیل بند شہر بغیر فتح کئے نہ چھوڑیں۔ ان کی منجنیقوں سے جو پتھر پھینکے جا رہے تھے وہ بھی اس محصور جزیرے تک نہیں پہنچ رہے تھے۔

تیمور ملک جو بڑا ہوشیار اور شجاع ترک تھا، کسی حیلے سے اس جزیرے کے باہر بلایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے مغلوں نے اپنے باقاعدہ اصول کے مطابق محاصرہ شروع کیا۔ جوجی جو خود زیادہ انتظار ہرگز نہ کر سکتا تھا۔ وہ ایک نویوں کو محاصرے کے لئے پیچھے چھوڑ

کے دریا کے اتار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا۔

مغلوں نے ادھر ادھر سنتری بھیجے، اور آس پاس کے دیہات سے ایک جم غفیر کو اکٹھا کر کے انہیں پتھر جمع کرنے اور سیحوں دریا کے کنارے ڈھونے کے کام پر لگایا۔ پتھر کی ایک سڑک تیمور **ملک** کے جزیرے کی سمت بننے لگی لیکن تیمور **ملک** بھی غافل نہیں رہا۔

اس نے درجن بھر کشتیاں چنیں، ان میں بچاؤ کے لئے لکڑی کے تختے جوڑے اور ہر روز وہ ان کو کھیتا ہوا ساحل کے قریب تک جاتا اور مغلوں پر تیر اندازی کرتا۔ ختا کے توپ خانے والوں نے ان کشتیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ہتھیار ایجاد کیا۔ یہ تھیں اولیں منجنیقیں جو سنگ اندازی کے آلات ہیں، لیکن ان سے بجائے پتھروں کے آگ کے گولے برسائے جاتے تھے پیپوں یا گھڑوں میں جلتی ہوئی گندھک یا چینی توپ خانہ والوں کا ایجاد کیا ہوا کوئی اور آتش گیر مادہ ہوتا۔ تیمور **ملک** نے اپنی کشتیوں کی ساخت میں ترمیم کی۔ اب اس نے ان کی چھتیں ڈھلوان بنائیں اور ان پر گیلی مٹی تھوپ دی اور ان میں اپنے تیر اندازوں کے لئے سوراخ کھلے رکھے۔

توپ خانے کے مقابلے میں کشتیوں کی روزانہ لڑائی دوبارہ شروع ہوگئی، لیکن دریا کے اندر سڑک بڑھتی ہی گئی اور تیمور **ملک** نے دیکھا کہ اب وہ جزیرے میں زیادہ دن ٹھہر نہیں سکتا اس نے سب سے بڑی کشتی پر اپنے لوگوں کو اور محافظت کے لئے بند کشتیوں میں سپاہیوں کو سوار کیا اور جزیرہ خالی کر دیا مشعل کی روشنی میں رات کے وقت وہ دریا کے بہاؤ پر نکل گیا، مغلوں نے اس کا راستہ روکنے کے لئے سیحون دریا کے آر پار ایک قوی ہیکل زنجیر ڈال دی تھی، اس نے اس زنجیر کو کاٹ دیا۔

لیکن مغل سوار دریا کے کنارے کنارے اس کا تعاقب کرتے رہے۔ جوجی جو آگے نکل گیا تھا اس نے بہت نیچے دریا پر کشتیوں کا ایک پل بنوایا اور اپنے کاریگروں سے منجنیقیں نصب کروائیں، تاکہ اس کشتیوں کے قافلے کا قلع قمع کیا جائے۔ اس باخبر اور ہوشیار ترک کو ان تیاریوں کی خبر مل گئی اور اس نے اپنے لوگوں کو ایک ویران کنارے پر

اتار دیا۔ مغلوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ دریا میں نہیں ہیں، انہیں کنارے پر ڈھونڈ نکالا۔ تیمور ملک ایک چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ بھاگا لیکن اس کی نظروں کے سامنے اس کے تمام ساتھی کھیت رہے۔

اب ایک بھی ساتھی اس کے ساتھ باقی نہ بچا تھا، لیکن وہ یونہی سرپٹ اپنا راہوار دوڑاتا رہا اور بہت آگے نکل گیا۔ اس کے تعاقب میں صرف تین مغل باقی رہ گئے۔ ان تین میں سے جو سب سے قریب تھا، اس کو تو اس نے خوش قسمتی سے آنکھ پر تیر مار کے وہیں ڈھیر کر دیا۔ پھر اس نے دونوں باقی ماندہ تعاقب کرنے والوں سے کہا "میرے ترکش میں ابھی دو تیر باقی ہیں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔"

لیکن اسے ان دونوں آخری تیروں کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اگلی رات وہ بچ کے اس شہسوار عظیم جلال الدین سے جا ملا جو خوارزم شاہ کا ولی عہد تھا اور جنوب میں مورچہ بندی کر رہا تھا۔ تیمور ملک کی شجاعت کے قصے مغلوں اور ترکوں میں یکساں مشہور اور مقبول ہوئے اس نے مغل اردو کے ایک پورے دستے کو مہینوں روکے رکھا۔ اس محاصرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ نئے حالات کا مقابلہ مغل کس طرح نت نئی ترکیبوں سے کرتے تھے لیکن یہ محاصرہ اس جنگ عظیم کا ایک معمولی سا واقعہ تھا جو اب ایک ہزار میل کے محاذ پر زور و شور سے جاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پندرھواں باب :: بخارا

جب خوارزم شاہ اونچے کہساروں پر سے نیچے اترا، تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ شمال میں میسحوں دریا کی طرف مڑا اور وہاں مغلوں کے اردو کا انتظار کرنے لگا کہ جب وہ دریا کو پار کرے تو جنگ کے لئے اس کا مقابلہ کرے۔

لیکن یہ انتظار بے سود تھا۔

جو پیش آیا، اس کا اندازہ کرنے کے لئے نقشہ دیکھنا ضروری ہے اور محمد خوارزم شاہ کی سلطنت کا یہ شمالی حصہ نصف تو شاداب وادیوں پر مشتمل تھا اور نصف بنجر اور ریتلا میدان تھا۔ بنجر علاقے میں زمین کے سرخ سرخ ٹکڑے تھے، جن پر ریت ہی ریت تھی، یہ بے آب و گیاہ میدان تھا، جہاں جاندار بہت کم پائے جاتے تھے۔ اس لئے شہر یا تو دریاؤں کے کنارے آباد تھے یا پہاڑوں میں۔

اس ریگستانی میدان کے آر پار دو عظیم دریا شمال مغرب کی سمت بہتے تھے اور چھ سو میل کے فاصلے پر بحر جند (آرال) میں ان کا دہانہ تھا۔ ان میں سے پہلا سیر دریا یا میسحوں کہلاتا تھا اس کے کنارے کے فصیل بند شہر قافلے کی شاہراہوں کے ذریعے منسلک تھے۔ یہ گویا انسانوں کی زندگی اور ان کی قیام گاہوں کی ایک زنجیر تھی، جو غیر آباد علاقے میں دور تک چلی گئی تھی جنوب میں جو دوسرا دریا تھا وہ آمو دریا یا جیحون کہلاتا تھا اس کے قریب اسلامی دنیا کے بڑے بڑے قلعہ بند مرکز واقع تھا۔ جن میں خاص طور پر بخارا اور سمرقند بہت مشہور تھے۔

خوارزم شاہ میسحون دریا کے عقب میں ڈیرے جمائے بیٹھا تھا، لیکن اسے یہ پتا نہیں تھا کہ مغل کس طرف نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ جنوب کی طرف سے اس کو نئی فوجوں کی کمک کی توقع تھی اور اس نے جو نیا محصول عائد کیا تھا، اس سے جنگ کے مصارف کے لئے کافی آمدنی کی امید تھی، لیکن اس تیاری کے عالم میں بڑی تردد انگیز خبریں آنے لگیں۔ اس کے دائیں بازو پر دو سو میل کے فاصلے پر مغل اونچے دروں سے اتر کر قریب

اس کے عقب میں پہنچ رہے تھے۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ جبی نویان، جوجی سے ہٹ کے جنوب کی طرف پہاڑوں کو عبور کر چکا تھا اور دبے پاؤں ان ترک فوجوں کے قریب تک آ پہنچا تھا جو خوارزم کے راستوں کی حفاظت کر رہی تھی اب وہ تیزی سے ان گلیشیروں کے اطراف چکر کاٹ کے آ رہا تھا، جن سے دریائے آمو نکلتا ہے۔سمرقند اس کے راستے سے دو سو میل کے فاصلہ پر رہ گیا تھا جبی نویان کے ساتھ صرف بیس ہزار آدمی تھے لیکن شاہ کو یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ محمد خوارزم شاہ تک نئی کمک پہنچنا تو در کنار، آثار اس کے تھے کہ وہ اپنے دفاع کی دوسری اور اصلی زنجیر یعنی آمو دریا سے بھی کٹ جائے، جس کے پاس ہی بخارا اور سمرقند کے عظیم شہر واقع تھے۔اس نئے خطرے سے دو چار ہو کر خوارزم شاہ نے ایک ایسا اقدام کیا جس کے باعث بعد کے مسلمان مورخین نے اس پر سخت نکتہ چینی کی ہے اس نے اپنی فوج کا نصف حصہ ان فصیل بند شہروں کی حفاظت کے لئے الگ کر کے بھیج دیا۔

چالیس ہزار اس نے سیر دریا کے کنارے کے قلعوں کی حفاظت کے لئے چھوڑے تیس ہزار بخارا میں تعینات کئے اور بقیہ فوج کو لے کر سمرقند کی طرف کوچ کیا، جہاں اس وقت سب سے زیادہ خطرہ تھا۔یہ سب اس نے یہ سمجھ کر کیا کہ مغل اس کے قلعوں کو فتح نہ کر پائیں گے اور فصل بھر لوٹ مار کر کے واپس لوٹ جائیں گے۔اس کے یہ دونوں مفروضے غلط تھے۔

اس سے پہلے ہی چنگیز خاں کے دو بیٹے شمال میں سیحوں دریا کے کنارے اترار کے شہر کے سامنے نمودار ہو چکے تھے۔یہ اترار وہی مقام تھا جہاں کے قلعدار نے مغل تاجروں کو قتل کیا تھا۔انیل جق جوان کے قتل کا ذمہ دار تھا، اب بھی اس شہر کا حاکم تھا یہ جان کر کہ مغلوں سے رحم کی توقع فضول ہے وہ اپنے چیدہ آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا اور پانچ مہینے تک محصور رہا۔وہ آخر تک لڑتا رہا اور جب مغل اس کے آخری سپاہیوں کو قتل یا اسیر کر

چکے تو اس نے ایک برج میں پناہ لی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو وہ دشمنوں پر پتھر برساتا رہا۔ وہ اپنی جان سے بیزار تھا، پھر بھی زندہ گرفتار ہوا۔ اور خان کے پاس بھیجا گیا، جس نے انتقام لینے کے لئے پگھلی ہوئی چاندی اس کی آنکھوں اور کانوں میں ڈلوا کے اسے قتل کیا۔ اترار کی فصیلیں گرا کے زمین کے برابر کر دی گئیں اور اس کی ساری آبادی کو اسیر کر کے مغل اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ ہو ہی رہا تھا کہ ایک اور مغل فوج سیحوں دریا کی طرف بڑھی اور تاشقند پر قابض ہو گئی۔ ایک تیسری فوج سیحوں دریا کے شمالی حصے کے چھوٹے چھوٹے قصبوں پر قبضہ کرتی چلی گئی۔ ترک محافظ فوج نے جند کو خالی کر دیا اور جب مغل کمندوں اور سیڑھیوں سے فصیلوں پر چڑھ آئے تو شہریوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب کوئی نیا شہر یا قصبہ فتح ہوتا تو پہلے تو وہاں خوارزم شاہ کے سپاہیوں کا محافظ ترک دستہ قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد مغل تمام شہریوں کو جو زیادہ تر ایرانی نسل کے تھے شہر کے باہر پکڑ کے لے جاتے اور پھر اطمینان سے شہر کو لوٹا جاتا۔

اس کے بعد قیدیوں کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا۔ جوان اور مضبوط مردوں کو الگ رکھا جاتا کہ وہ دوسرے شہر پر حملے کے وقت منجنیقوں پر کام کر سکیں۔ کاریگروں کو کام لینے کے لئے زندہ رکھا جاتا۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان تاجر کو جو مغلوں کا ایلچی تھا، ایک شہر میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اس کے بعد مغلوں کا ہیبت ناک حملہ شروع ہوا، جو کسی طرح رکنے میں نہیں آتا تھا، جتنے آدمی مرتے، نئے جنگجوان کی جگہ آجاتے۔ یہاں تک کہ یہ شہر فتح ہو گیا اور اسکی پوری آبادی تلواروں اور تیروں سے ختم کر دی گئی۔

چنگیز خاں خود کبھی سیحوں دریا کے سامنے نمودار نہ ہوا، مغل اردو کے قلب سمیت وہ نظروں سے اوجھل تھا۔ کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے دریا کو کہاں سے پار کیا اور کس طرف گیا، لیکن اس نے قزل قم کا بڑا لمبا چوڑا چکر لگایا ہو گا کیونکہ جب وہ صحراؤں سے باہر نمودار ہوا تو بخارا کی طرف تیزی سے پیش قدمی کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ اور یہ مغرب کی

جانب سے تھی۔

صرف یہی نہیں کہ خوارزم شاہ دونوں بازوؤں سے گھر گیا تھا، یہ بھی خطرہ تھا کہ جنوب کی فوجوں سے اپنے بیٹے سے کمک کے دستوں اور خراسان اور ایران کی زرخیز سرزمینوں سے اس کا ربط منقطع ہو جائے۔ ادھر جبی نویان مشرق سے بڑھ رہا تھا، ادھر چنگیز خاں مغرب سے، اور سمرقند میں خوارزم شاہ کو یہ معلوم ہو رہا ہوگا کہ جال کا حلقہ اس پر تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

اس حالت میں پھر اس نے اپنی فوج تقسیم کر کے کچھ بخارا بھیجی اور کچھ سمرقند اور کچھ اور اتابکوں کو بلخ اور قندز پر تعینات کیا۔ صرف اپنے دربار کے امراہاتھیوں اونٹوں اور محافظ سپاہیوں کو لے کے وہ سمرقند سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا خزانہ اور اسکا حرم بھی تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ایک نئی فوج جمع کر کے وہ پھر واپس آئے۔

لیکن اس کی یہ توقع بھی پوری نہ ہو سکی۔

محمد خوارزم شاہ غازی، جس کو اس کی رعایا اسکندر ثانی کہتی تھی سپہ سالاری سے مغلوں سے مات کھا چکا تھا۔ خان کے بیٹوں کی سرکردگی میں جو مغل دستے سیحون دریا کے کنارے قتل و غارت گری کر رہے تھے اور قصبوں کو آگ لگا رہے تھے وہ ایک طرح کا پردہ تھے جس کی آڑ میں جبی نویان اور چنگیز خان کی اصلی فوجیں حرکت کر رہی تھیں۔

چنگیز خاں تیزی سے ریگستان سے باہر نکلا۔ اس قدر جلدی کے عالم میں کہ راستے میں جو چھوٹے چھوٹے قصبے آئے انہیں اس نے ہاتھ تک نہ لگایا اور وہاں صرف اپنے گھوڑوں کے لئے پانی مانگا وہ بخارا میں اچانک خوارزم شاہ کے سر پر جا پہنچنا چاہتا تھا، لیکن جب وہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہ وہاں سے بھاگ چکا ہے اب اس کے سامنے اسلامی قوت کا حصن حصین، بخارا کا شہر تھا۔ مدرسوں کا مرکز، جس کے اطراف جو فصیل تھی اس کا طول بارہ فرسخ تھا۔ اس کے درمیان ایک خوشنما نہر بہتی تھی جس کے کنارے باغ اور دلکش قصر تھے۔ بیس ہزار ترکوں کا ایک دستہ اور ایرانیوں کا ایک جم غفیر اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس

شہر کو فخر تھا کہ یہ کئی اماموں، سیدوں، فقیہوں، علما اور مفسرین کا مولد و مسکن تھا۔

اس شہر کے سینے میں ایک آگ دبی ہوئی تھی۔ یہ مسلمانوں کے ایمان کی آگ تھی۔ اس کے باوجود یہاں کے شہری اس وقت بڑے تذبذب کے عالم میں تھے فصیلیں اس قدر مضبوط تھیں کہ حملہ کر کے ان پر قبضہ کرنا مشکل تھا۔ اگر سب شہری اس کا تصفیہ کر لیتے کہ آخر دم تک اس کی حفاظت کریں گے تو کئی مہینوں تک اس پر مغلوں کا قبضہ نہ ہونے پاتا۔

لیکن چنگیز خاں نے سچ کہا تھا ''فصیل کی مضبوطی قلعہ کے محافظین کی ہمت کے برابر برابر ہوتی ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ'' یہاں یہ ہوا کہ ترک افسروں نے شہریوں کو ان کی قسمت پر چھوڑا اور خود خوارزم شاہ سے جا ملنے کے لئے راتوں رات پانی والے دروازے سے باہر نکل گئے اور آمو دریا کی سمت کوچ کیا۔

مغلوں نے انہیں اس وقت تو گذر جانے دیا لیکن تین تومان ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور انہیں دریا کے کنارے جا لیا۔ یہاں حملہ کر کے انہوں نے سارے کے سارے ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب محافظ فوج انہیں چھوڑ کے چلی گئی تو شہر کے بزرگوں، قاضیوں اور اماموں نے آپس میں مشورہ کیا، اور شہر کے باہر اس عجیب و غریب خان کے حضور میں گئے۔ شہر کی کنجیاں اس کے سپرد کر دیں، اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ شہریوں کی جان بخشی کی جائے گی قلعہ دار باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں بند ہو گیا۔ جس کا مغلوں نے فوراً محاصرہ کر لیا، اور آگ کے تیر برسانے شروع کئے جن کی وجہ سے قصروں اور محلوں کی چھتوں میں آگ لگ گئی۔

مغل سواریل بے پناہ کی طرح شہر کی عریض سڑکوں پر امنڈ آئے۔ غلے کے گوداموں اور ذخیروں کو لوٹنا شروع کیا۔ کتب خانوں کو اپنے گھوڑوں کا اصطبل بنایا اور مسلمان بے کسی اور بدنصیبی کے عالم میں یہ دیکھتے رہے کہ قرآن پاک کے صفحات گھوڑوں کے سموں

کے نیچے روندے جا رہے ہیں خان نے شہر کی جامع مسجد کے آگے لگام کھینچی اور کہا کہ شہنشاہ کا گھر یہی ہے اسے جواب ملا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔

وہ فوراً زینوں پر گھوڑا دوڑا کے مسجد کے اندر پہنچا اور گھوڑے سے اتر کے مسجد کے منبر پر چڑھ گیا وہاں مصحف پاک کا ایک بڑا نسخہ رکھا تاھ۔ چنگیز خاں کالے منقش چمڑے کی زرہ اور چمڑے کا خود پہنے ہوئے تھا۔ اس نے علما و فضلا کو جو وہاں جمع تھے خطاب کیا علماء کو حیرت تھی کہ اس عجیب الہیت انسان پر آسمان سے آگ کیوں نہیں برستی۔

چنگیز خاں نے کہا "میں اس جگہ محض اس لئے آیا ہوں کہ تم سے یہ کہوں کہ میری فوج کے لئے غلے اور چارے کا انتظام کرو۔ آس پاس کی زمینوں میں غلہ اور چارہ بالکل نہیں ہے اور میرے آدمیوں کو تکلیف ہو رہی ہے اس لئے فوراً اپنے ذخیرے کھول دو۔"

لیکن جب مسلمان اکابر مسجد سے لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ گوبی کے جنگجو پہلے ہی سے غلے کے گوداموں پر قابض ہیں اور اپنے گھوڑوں کے لئے اصطبل بنا چکے ہیں اردد کا یہ حصہ اتنے دنوں تک ریگستانوں میں زبردستی یلغار کر چکا تھا کہ خوشحالی کے اس منظر کو دور سے دیکھتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔

چنگیز خاں مسجد سے شہر کے چوک میں گیا جہاں خطیب فلسفہ اور رفقہ کا درس عوام الناس کو دیا کرتے تھے۔

ایک قابل احترام سید سے کسی نووارد نے پوچھا "یہ کون ہے؟"

سید نے سرگوشی میں کہا "نہ پوچھو۔ یہ خدا کا عذاب ہے جو ہم پر نازل ہوا ہے۔"

تاریخ کہتی ہے کہ چنگیز خاں جس کو مجمعوں سے خطاب کرنے کا ڈھنگ خوب آتا تھا، منبر پر کھڑا ہو گیا اور اس نے اہل بخارا کو مخاطب کر کے پہلے تو ان سے ان کے مذہب کے متعلق سوال کیا پھر اس نے رائے ظاہر کی کہ حج بیت اللہ بڑی غلطی ہے نیلگوں جاودانی آسمان کی طاقت ایک جگہ نہیں بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں ہے۔ یہ بوڑھا سردار اپنے سامعین کے جذبات کی حالت جانتا تھا اس کی باتوں سے مسلمانوں کا خوف و ہراس بڑھ

گیا۔ ان کی نظروں میں وہ ایک کافر خونخوار تھا، جس کا کام ہر چیز کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ وہ وحشی اور غیر متمدن طاقت کا مظہر تھا۔ اس کی ہیئت بے ڈھنگی سی تھی اب تک بخارا کو اس طرح کے کافروں سے واسطہ نہ پڑا تھا۔

اس نے بخارا کے باشندوں کو یقین دلانا چاہا "تمہارے شہنشاہ نے بہت سے جرائم کیے ہیں میں جاودانی آسمان کا قہر ہوں آسمان کی ضرب ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ اسے بھی اسی طرح برباد کروں جیسے میں نے دوسرے شہنشاہوں کو کچلا ہے اس کو بچانے یا اسے مدد دینے کی کوشش نہ کرنا"

وہ انتظار کرتا رہا کہ مترجم اس کے الفاظ کا ترجمہ ختم کر لے۔ مسلمان اسے اہل ختا جیسے معلوم ہوئے شہروں کے بنانے والے، کتابیں لکھنے والے، بس وہ اس حد تک اس کے لئے کار آمد تھے کہ اس کے لئے اناج اور چارہ بہم پہنچائیں، اپنی دولت اس کے حوالے کر دیں، باقی دنیا کے متعلق معلومات فراہم کریں ان میں سے وہ اپنی فوج کے لئے بہتوں کو مزدور اور غلام بنائے گا اور کاریگروں کو گوبی بھیج دے گا۔

اس نے کہا "تم نے یہ اچھا کیا کہ میری فوج کے لئے غلہ فراہم کر دیا اب میرے سرداروں کے سامنے تمام زر و جواہر پیش کر دو۔ تم نے کہیں نہ کہیں چھپا رکھے ہوں گے۔ تمہارے مکانوں میں جو کچھ کھلا ہوا رکھا ہے۔ اس کی فکر نہ کرو۔ وہ ہم خود سمیٹ لیں گے۔"

بخارا کے امراء مغلوں کے ایک دستے کی حراست میں تھے جو انہیں دن رات گھیرے رہتا۔ بعضوں کو اس شک کی بنا پر کہ انہوں نے اپنی تمام چھپی ہوئی پونجی پیش نہیں کی طرح طرح کے عذاب دیئے گئے۔ مغل افسروں نے رقاصاؤں اور مغنیوں کو طلب کر کے ان سے اس ملک کے گیت سنے۔ شراب کے جام ہاتھوں میں لئے یہ مغل بڑی متانت سے مساجد اور محلات میں جا بیٹھتے اور شہروں اور باغوں کی اس دنیا میں عیاشی کرتے۔

قلعہ کا محافظ دستہ آخر تک بہادری سے اڑا رہا اور مغلوں کو اتنا نقصان پہنچایا کہ انہیں تا ؤ

آ گیا۔ تب کہیں قلعہ سر ہوا اور اسکے ساتھی مارے گئے جب زرو جواہر میں سے ایک ایک چیز تہ خانوں اور کنوؤں اور زمینوں کو کھود کھود کے نکالی جا چکی تو شہر کی ساری آبادی پکڑ پکڑ کے میدان میں لائی گئی ایک مسلمان مورخ نے ان لوگوں کی مصیبت اور اذیت کی بڑی واضح تصویر کھینچی ہے۔

"یہ دن بڑا عبرت ناک تھا، ہر طرف مردوں، عورتوں اور بچوں کے نالہ و بکا کی آواز آتی تھی جو ایک دوسرے سے چھڑائے جا رہے تھے وحشیوں نے عورتوں کی ان کے قریبی رشتہ داروں کے سامنے عصمت دری کی اور وہ بجز فریاد و زاری کے کچھ نہ کر پائے بعض مرد جو اپنے گھر کی عصمت کو اس طرح برباد ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے مغل سپاہیوں پر جھپٹ پڑے اور لڑتے ہوئے مارے گئے۔"

شہر کے مختلف حصوں میں آگ لگائی گئی اور لکڑی اور پکی اینٹوں کے ڈھانچوں سے شعلے لپکنے لگے۔ بخارا سے دھوئیں کا ایسا کثیف بادل بلند ہوا کہ سورج روپوش ہو گیا۔ قیدیوں کو سمرقند کی طرف ہنکایا گیا اور چونکہ وہ مغل سواروں کی رفتار سے پیدل نہیں چل سکتے تھے اس لئے اس مختصر کوچ کے دوران میں انہیں طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں۔

چنگیز خاں جو خود بخارا میں دو ہی گھنٹے ٹھہرا تھا اور اس کے بعد تیزی سے خوارزم شاہ کے تعاقب میں سمرقند روانہ ہو گیا تھا راستے میں اسے اردو کے وہ دستے ملے جو سیحون دریا کی طرف سے آ رہے تھے اور اس کے بیٹوں نے اسے شہروں کی شمالی قطار کی فتح کی خبر سنائی۔

سمرقند خوارزم شاہ کے شہروں میں سب سے زیادہ مستحکم تھے۔ اس نے باغوں کے باہر ایک نئی عظیم الشان فصیل کی تعمیر شروع کی تھی، لیکن مغل اس تیزی سے بڑھ آئے تھے کہ یہ نئی فصیل مکمل نہیں ہونے پائی تھی، لیکن پرانی فصیلیں خود بہت مضبوط اور سنگین تھیں جن کے بارہ آہنی دروازے تھے اور دروازوں کے دونوں جانب برج تھے بیس مسلح ہاتھی اور ایک لاکھ دس ہزار ترک اور ایرانی سپاہی شہر کی حفاظت کے لئے وہاں رکھے گئے تھے۔ مغلوں کی تعداد محصوروں کے مقابلے میں کم تھی اور چنگیز خاں نے طویل محاصرے کی

تیاری شروع کی اور اس کے لئے آس پاس کے دیہات کی آبادی اور بخارا کے قیدیوں کو زبردستی کام پر لگایا۔

اگر شاہ یہاں اپنی اس فوج کے ساتھ جما رہتا یا کم سے کم تیمور ملک جیسا سردار سمرقند کا قلعہ دار ہوتا تو یہ شہر اس وقت تک تو ضرور اپنی مدافعت کر سکتا جب تک غذا باقی رہتی، لیکن مغلوں کی تیز اور باقاعدہ تیاریوں سے یہاں کے لوگ ڈر گئے، جنہوں نے دور سے قیدیوں کے اس جم غفیر کو دیکھا اور اردو کی تعداد کا اصل سے بہت زیادہ کا اندازہ لگایا۔ محافظ فوج نے ایک مرتبہ قلعہ سے باہر نکل کے حملہ کیا، لیکن مغلوں نے حسب معمول چھپ کر حملہ کیا اور انہیں بری طرح شکست دی اس جھڑپ میں جو نقصان ہوا اس سے محصور فوج کی ہمت ٹوٹ گئی اور ایک دن جبکہ چنگیز خاں فصیل کے ایک حصہ پر حملہ کر کے اندر گھس آنے کی کوشش کر رہا تھا شہر کے قاضی اور امام مغلوں کے پاس پہنچے اور شہر ان کے حوالے کر دیا۔ تیس ہزار ترک اپنی مرضی سے مغلوں سے جا ملے ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا انہیں مغل وردیاں دی گئیں اور دو ایک روز بعد رات کو ان کا قتل عام کر دیا تھا مغلوں کو خوارزم کے ترکوں کا اعتبار نہیں تھا خصوصاً اس لئے کہ انہوں نے اپنے پہلے مالک سے غداری کی تھی۔

شہر کے صناع اور کاریگر پکڑ پکڑ کے اردو میں پہنچائے گئے مضبوط نوجوانوں کو دوسرے مشقت کے کاموں کے لئے غلام بنایا گیا اور باقی آبادی کو واپس گھر جانے کی اجازت ملی لیکن دو ایک سال بعد وہ بھی اردو میں طلب کر لئے گئے۔

لیو چتسائی نے سمرقند کو دیکھ کر لکھا تھا ''شہر کے اطراف بیسیوں میل تک ہر طرف باغ، چمن اور گلستان ہیں، ۔۔۔ نہریں ہیں بہتے ہوئے چشمے ہیں، حوض ہیں اور مدور تالاب ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ سمرقند بڑا ہی دلکش مقام ہے۔''

سولہواں باب :: ارخانوں کی شہسواری

سمرقند میں چنگیز خاں کو یہ اطلاع ملی کہ خوارزم شاہ شہر کو چھوڑ کے جنوب کی طرف نکل گیا ہے مغل سرداراس پر تلا ہوا تھا کہ شاہ کو کمک پہنچنے سے پہلے قید کرلیا جائے۔اب تک خوارزم شاہ سے مڈبھیڑ کرنے کی کوشش میں خود اسے کامیابی نہ ہوئی تھی اب اس نے قطعی احکامات صادر کرکے جی نویان اور سوبدائی بہادر کو شاہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔احکامات یہ تھے کہ ''دنیا بھر میں محمد خوارزم شاہ جدھر کا رخ کرے ادھر اس کا تعاقب کرنا زندہ ہو یا مردہ اسے حاصل ضرور کرنا، جو شہر ہتھیار ڈال دیں اور اپنے دروازے کھول دیں انہیں تباہ نہ کرنا مگر جن جن قلعوں سے مدافعت کی جائے انہیں حملہ کرکے فتح کرلینا میرے خیال میں یہ کام اتنا مشکل نہیں، جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔''

یہ عجیب طرح کا کام تھا کہ ایک شہنشاہ کا در جن بھر سلطنتوں میں تعاقب کیا جائے اس کام کو سب سے زیادہ نڈر ارخون ہی انجام دے سکتے تھے جنھوں نے کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھا تھا۔بیس ہزار آدمیوں کے دو تومان ان کے حوالے کئے گئے ان احکامات اور اس سوار فوج کے ساتھ دونوں ارخونوں نے فی الفور جنوب کا رخ کیا یہ اپریل 1220ء کا واقعہ ہے جو مغل جنتری کے حساب سے سال مار تھا۔

محمد خوارزم شاہ سمرقند سے جنوب کی طرف بلخ گیا تھا جو افغانستان کے سر بلند کہساروں کے سرے پر واقع ہے۔حسب معمول اس نے پھر یہاں پس وپیش کی جلال الدین بہت دور شمال میں بحر ہند کے ریگ زاروں کے جنگجو قبیلوں کی ایک نئی فوج بھرتی کر رہا تھا،لیکن چنگیز خان بخارا میں خوارزم شاہ اور اس نئی فوج کے درمیان حائل تھا اور اس فوج سے اتصال ممکن نہ تھا۔

خوارزم شاہ نے افغانستان جانے کا ارادہ کیا جہاں جنگجو قبیلے اس کا راستہ دیکھ رہے تھے لیکن آخر کار مختلف مشوروں اور خود اپنے ہراس وخوف کے درمیان ہچکچا کے اس نے مغرب کا رخ کیا اور ویران سرزمینوں سے ہوتا ہوا شمالی ایران کے پہاڑوں کے سلسلوں کو

عبور کر کے وہ نیشا پور پہنچا۔ اپنی دانست میں وہ مغل اردو کو پانچ سو میل پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر کو جیحون کے کنارے ایک مضبوط قلعہ بند شہر ملا جو دریا کا راستہ روکے تھا۔ اپنے گھوڑے تیرا کے انہوں نے دریا عبور کیا اور اپنے ہراول سپاہیوں سے انہیں اطلاع ملی کہ محمد شاہ بلخ کو خالی کر کے بھاگ گیا ہے۔ انہوں نے بھی مغرب کا رخ کیا مگر ایک دوسرے سے الگ ہو کے کیونکہ یہی زیادہ محفوظ طریقہ تھا اور اس طرح گھوڑوں کو زیادہ گھاس ملنے کا امکان تھا۔

ان منتخب تومانوں میں ہر سپاہی کے پاس کئی کئی گھوڑے تھے، سب کے سب اچھی حالت میں، اور منتشر چشموں اور نالوں کے کنارے گھاس ہری ہری اور تازی تازی تھی۔ دن بھر میں وہ کوئی اسی میل کی مسافت طے کرتے تھے اور دن میں کئی بارہ تازہ دم گھوڑے بدلتے تھے صرف مغرب کے وقت وہ پکا ہوا کھانا کھانے کو اترتے تھے صحرا کے ختم پر انہیں مرو کے گلستان اور مرو کی سفید فصیلیں نظر آئیں۔

اس کا اطمینان کر کے کہ شاہ اس شہر میں نہیں ہے انہوں نے نیشاپور کی طرف اپنے راہواروں کے رخ پھیر دیئے خوارزم شاہ کی آمد کے تین ہفتے بعد وہ نیشاپور میں تھے مگر خوارزم شاہ ان کی آمد آمد کی خبر سن کر شکار کے بہانے پہلے ہی اس شہر سے بھاگ چکا تھا۔ نیشاپور کے قلعوں کے دروازے بند کر لئے گئے اور ارخونوں نے بڑی شدت سے دھاوا کیا فصیلوں پر قبضہ کرنے میں تو انہیں کامیابی نہیں ہوئی، لیکن اس کا یقین ہو گیا کہ شاہ اس شہر میں نہیں ہے۔

انہوں نے پھر سے شکار کا راستہ سونگھا اور قافلوں کے اس راستے پر ہو لئے جس سے ہو کر قافلے بحر خزر کے کنارے جاتے تھے راستے میں شاہ کی باقی ماندہ فوج کے ان دستوں کو تتر بتر کر دیا۔ جنہوں نے مغلوں کے خوف سے اس علاقے میں پناہ لی تھی جدید طبران کے قریب انہوں نے تیس ہزار سپاہیوں کی ایک ایرانی فوج کا مقابلہ کر کے اسے شکست دی۔

اب وہ پھر الگ الگ ہو گئے۔۔۔۔۔تھوڑی دیر کے لئے مفرور شہنشاہ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ سوبدائی بہادر جانب شمالی پہاڑی علاقوں میں بڑھا اور جبی نویان جنوب میں دشت نمک کے کنارے کنارے اب وہ خوارزم کی سلطنت کے باہر کے علاقے میں تھے اور اپنے آنے کی خبر سے پہلے ہی اس نئے علاقے میں پہنچ چکے تھے۔

اس دوران میں محمد خوارزم شاہ نے پہلے اپنے حرم اور پھر اپنے خزانے کو اور کہیں بھیج دیا اور خود بغداد جانے کا ارادہ کیا مغلوں نے کچھ عرصہ بعد حرم اور خزانے پر قبضہ کر لیا بغداد پر اسی عباسی خلیفہ کی حکومت تھی، جس سے کچھ دن پہلے خوارزم شاہ کی ان بن تھی۔ اس نے ادھر ادھر سے کچھ آدمی چنے، چند سو ساتھی اور اس شاہراہ پر چل پڑا جو بغداد جاتی تھی۔

لیکن ہمدان کے قریب اس کے عقب ہی میں پھر مغل نمودار ہوئے اس کے آدمی منتشر کر دیئے گئے اور کچل ڈالے گئے کچھ تیر اس پر بھی چلائے گئے لیکن مغلوں نے اسے پہچانا نہیں وہ بچ کے تیزی سے بحیرہ خزر کی جانب روانہ ہوا۔ اس کے محافظ دستے کے کچھ ترک سپاہی اس سے متنفر اور باغی ہو گئے اور اس نے مصلحت اسی میں جانی کہ بجائے شاہی خیمے کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خیمے میں رات گذارے جب صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ خالی شاہی خیمہ تیروں سے چھدا ہوا تھا۔

اس نے اپنے ایک افسر سے پوچھا "کیا اس دنیا میں کوئی ایسا مقام نہیں ہے جہاں میں مغلوں کی برق و رعد سے محفوظ رہ سکوں؟"

اسے مشورہ دیا گیا کہ کشتی پر سوار ہو کے بحیرہ خزر میں دور ایک جزیرے میں روپوش ہو جائے، تاوقتیکہ اس کے بیٹے اور اس کے اتابک اس کی حفاظت کے لئے طاقتور فوج جمع کر لیں۔

محمد خوارزم شاہ نے یہی کیا اپنے چند عجیب الخلقت ساتھیوں کے ساتھ بھیس بدل کے وہ پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں سے ہوتا ہوا بحیرہ خزر کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹے سے پرامن قصبے میں پہنچا جہاں زیادہ تر ماہی گیروں اور تاجروں کی آبادی تھی۔ خوارزم شاہ

اگر چہ درماندہ اور بیمار تھا، اس کا دربار اس کے ساتھ نہ تھا، نہ غلام وخدام تھے اور نہ ساقی، پھر بھی اسے اپنے نام ونمود کا خیال تھا اس نے ضد کر کے جامع مسجد میں نماز ادا کی اور بہت جلد یہ راز فاش ہو گیا کہ وہ کون ہے۔

ایک مسلمان شخص نے جسے خوارزم شاہ کے ہاتھوں نقصان پہنچا تھا، مغلوں کو اس کا پتا نشان بتا دیا مغل قزوین میں ایک ایرانی لشکر کو شکست دے چکے تھے اور پہاڑوں میں خوارزم شاہ کا تعاقب کر رہے تھے مغل اس قصبے میں جس میں اس نے پناہ لی تھی، عین اس وقت داخل ہوئے جب وہ ایک ماہی گیر کی کشتی پر سوار ہو رہا تھا۔

تیر برسائے گئے مگر کشتی کنارے سے دور ہوتی گئی بعض خانہ بدوش مغلوں نے طیش کے عالم میں پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور کشتی کے تعاقب میں اس وقت تک تیرتے رہے جب تک انسان اور جانور دونوں میں طاقت رہی اور پھر وہ لہروں میں ڈوب گئے۔

اگر چہ وہ کبھی شاہ کو پکڑ نہ پائے، لیکن وہ اس کا کام تمام کر چکے تھے بیماری اور مصیبتوں سے چور چور ہو کے یہ مسلمان شہنشاہ اس جزیرے میں جاں بحق ہوا جب وہ مرا تو اس قدر مفلس تھا کہ اس کے ایک رفیق کی قمیص نے کفن کا کام دیا۔

جبی نویان اور سوبدائی بہادر۔۔۔ ان دونوں کہنہ مشق غارت گروں کو جنہیں شاہ کو زندہ یا مردہ پکڑ لانے کا حکم ملا تھا، یہ علم نہ تھا کہ اپنے ہی جزیرے میں شاہ زمین کے نیچے دبا پڑا ہے۔۔۔ ایک اور بدنصیب جس کی تقدیر چین کے وائی ونگ اور خود طغرل خان اور توکتا سیگ اور کوشلوک سے بہتر نہ تھی انہوں نے خان کو اس کے خزانے کا پیشتر حصہ روانہ کیا جو سوبدائی بہادر نے بڑی ہوشیاری سے لوٹا تھا اس کے حرم کے زیادہ تر افراد کو بھی چنگیز خاں کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ پیغام کہ خوارزم شاہ کشتی میں بیٹھ کر مشرق کی طرف گیا ہے۔

چنگیز خاں نے یہ سمجھ کر کہ خوارزم شاہ اپنے بیٹے سے اورگنج میں جا ملے گا، اس سمت ایک لشکر روانہ کیا۔

لیکن سوبدائی بہادر جو بحیرہ خزر کے پاس کی برف پوش چراگاہوں میں سردیاں گذار رہا تھا، اس نے یہ ارادہ کیا کہ شمال کی طرف یلغار کر کے سمندر لگا کے، پھر شاہ کے تعاقب میں جا پہنچے۔ اس نے ایک قاصد کو سمرقند بھیج کے اس سفر کی اجازت چاہی۔ چنگیز خاں نے نہ صرف اجازت دی، بلکہ ارخون کی فوج کو مزید تقویت دینے کے لئے کئی ہزار تو کمانوں کی کمک روانہ کی۔ ادھر سوبدائی بہادر اپنے طور پر اپنی فوج میں وحشی کردوں کو بھرتی کر رہا تھا کچھ عرصہ کے لئے جنوب کا رخ کر کے ان شہروں کا محاصرہ اور تسخیر کر کے جن کے قریب سے وہ خوارزم شاہ کے تعاقب کے وقت گذرے تھے، مغلوں نے پھر شمال کا رخ کیا اور قفقار میں داخل ہوئے انہوں نے گرجستان پر یورش کی مغلوں اور پہاڑی جنگجوؤں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ جبی نویان اس طویل وادی کے ایک جانب روپوش ہو گیا جو مفلس کی طرف جاتی ہے اور سوبدائی بہادر نے مغلوں کی وہی پرانی چال چلی گویا اس کے قدم اکھڑ چکے ہیں اور وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ پانچ ہزار آدمی جو روپوش تھے، گرجستانیوں کے پہلو پر پل پڑے، جن کا اس جنگ میں بڑا برا حشر ہوا۔

مغلوں نے قفقار کے سنگین دروں میں پہاڑ کاٹ کاٹ کے اپنے لئے راستہ بنایا اور سکندر اعظم کے آہنی دروازے سے ہو کر نکلے شمال کی ڈھلوانوں پر پہنچ کے پہاڑی قوموں کے ایک لشکر کو انہوں نے اپنے مقابل پایا۔ الان، چرکس اور قچاق قبیلے ان کے مقابلے میں جمع ہو کے صف آرا تھے۔ تعداد میں یہ مغلوں سے کہیں زیادہ تھے اور مغلوں کے لئے واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ نہ تھا، لیکن سوبدائی بہادر نے بڑی ترکیب سے خانہ بدوش قچاقیوں کو دوسروں سے الگ کر دیا ارپھر مغلوں نے تنومند الان اور چرکس کی صفوں میں گھوڑے جھونک دیئے۔

پھر بحیرہ حزر کے پار کے نمک سے بھرے ہوئے میدانوں میں قچاقیوں کا تعاقب کر کے ان چین کو غارت کرنے والے غارت گروں نے ان ہوشیار خانہ بدوشوں کو بھی تتر بتر کر کے انہیں شمال کے روسی شہزادوں کی سرزمین میں دھکیل دیا۔

اب ایک نئے اور بڑے دشمن کا سامنا ہوا بیاسی ہزار روسی جنگ جو کیت اور دور دراز کے روسی حکمرانوں کے علاقوں سے آ کر جمع ہوئے۔ دریائے نیپر کے ساتھ ساتھ وہ نیچے کی طرف بڑھے اور قپچاقیوں کے طاقتور دستے ان کے لئے ہراول کا کام دیتے تھے وہ بڑے مضبوط شہسوار اور ڈھال بردار تھے، اور وہ مدت مدید سے میدانوں کے خانہ بدوشوں سے برسر پیکار چلے آ رہے تھے۔

نو روز تک مغل دریائے نیپر سے ہٹ کے پیچھے پلٹتے رہے، یہاں تک کہ وہ ایک ایسے مقام پر جا پہنچے جسے انہوں نے جنگ کے لئے پہلے سے منتخب کر لیا تھا۔ شمالی جنگجو مختلف خیمہ گاہوں میں پھیلے ہوئے تھے سب کے الگ الگ سردار تھے اور ہر جتھا اپنی جگہ پر بڑا طاقتور تھا، لیکن سب آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔ سوبدائی کی طرح ان کا کوئی مرکزی سردار نہ تھا پہلی جھڑپ میں دو روز تک روسیوں اور مغلوں کا درمیان میدان میں لڑائی ہوتی رہی کیف کا ذی شان شہزادہ اور اس کے بہت سے امرا ان کافروں کے ہاتھوں مارے گئے اور روسی فوج میں جو باقی بچے وہ پھر دریائے نیپر کے کنارے کنارے شمال کو واپس چلے گئے۔

سوبدائی بہادر اور جبی نویان اب پھر اپنی مرضی کے مالک تھے یہ دور تک چکر لگاتے لگاتے قرم میں گھس گئے اور وہاں جینوا کی ایک قلعہ بند تجارتی کوٹھی کو تسخیر کر لیا۔ اس کے بعد وہ معلوم نہیں اور کیا کرتے۔ وہ دریائے نیپر کو پار کر کے یورپ پر یورش کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ چنگیز خان (جس کو قاصدوں کے ذریعے ان کی نقل و حرکت کی اطلاع برابر مل رہی تھی) کا حکم پہنچا کہ وہ کوئی دو ہزار میل مشرق میں فوراً اس سے واپس آ ملیں۔

راستے میں جبی نویان مر گیا اس پر بھی مغلوں نے چلتے چلتے ایک اور چکر لگایا اور بلغاریوں پر، جو اس زمانے میں دریائے والگا کے کنارے آباد تھے، حملہ کر کے انہیں تاخت و تاراج کر ڈالا۔

یہ عجیب و غریب یلغار تھی اور غالباً آج تک انسان کی شہسواری کی تاریخ میں اس کی نظیر

نہیں ملتی۔ اس عجیب کام کو ایسے ہی انسان انجام دے سکتے تھے، جنہیں غیر معمولی قوت برداشت عطا ہوئی تھی اور جنہیں اپنی قوت پر پورا اعتماد تھا۔

ایک فارسی مورخ لکھتا ہے ''آپ نے کبھی نہیں سنا کہ مشرق کی سرزمین سے انسانوں کے ایک گروہ نے خروج کیا اور بحیرہ خزر کے دروں تک روئے زمین پر درانہ گذرتا چلا گیا۔ اور راستہ بھر انسانوں کو نیست و نابود کرتا گیا اور ہر جگہ موت کے بیج بوتا گیا اور پھر زندہ اور توانا مال غنیمت کے ساتھ اپنے مالک کے پاس واپس لوٹ آیا اور یہ سارا واقعہ دو سال کے اندر اندر پیش آیا۔''

ان دو مغل دستوں نے طول البلد کے نوے درجوں کی حد تک جو یلغار کی تھی، اس سے عجیب عجیب نتیجے پیدا ہوئے ان نبرد آزماؤں کے ہم رکاب ختا کے علما اور ایغوری اور نسطوری عیسائی بھی تھے کم سے کم تاریخوں میں ہمیں ایسے مسلمان سوداگروں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے مغل لشکر میں بعض لوگوں کے ہاتھ عیسائیوں کی مقدس کتابوں کے نسخے منافع کے ساتھ فروخت کئے۔

سو بدائی بہادر نے یہ یلغار اندھوں کی طرح نہیں کی تھی چینیوں اور ایغوروں نے نقشوں پر جا بجا نشانات لگائے کہ یہاں ہم نے یہ دریا پار کیا ان جھیلوں میں مچھلیاں ملتی ہیں اور یہاں نمک اور چاندی کی کانیں ہیں اور سڑکوں کے کنارے کنارے ہرکاروں کے لئے چوکیاں تعمیر کی گئیں اور مفتوحہ ضلعوں میں داروغہ مقرر کئے گئے جنگ جو مغل کے ساتھ ساتھ نظم و نسق کرنے والا چینی عامل بھی ہوا کرتا تھا ایک آرمینی پادری جسے اسیر کر کے مغلوں نے اس لئے ساتھ رکھا تھا کہ وہ خطوں کو پڑھ کر سنا سکے یہ بتاتا ہے کہ قفقار کے نیچے کی سرزمینوں میں دس سال سے زیادہ عمر کے مردوں کی آبادی کی مردم شماری بھی کی گئی تھی۔

سو بدائی بہادر کو جنوبی روس کی عظیم الشان، کالی مٹی والی چراگاہوں کا پتا چل گیا تھا وہ ان میدانوں کو نہیں بھولا کئی سال بعد وہ دنیا کے اس سرے سے پھر واپس لوٹا اور اس نے

ماسکو کو تاراج کیا اس نے پھر اس مقام سے آگے اپنی یلغار شروع کی جہاں سے اسے چنگیز خاں نے واپس بلا لیا تھا اس نے نیپر کو عبور کر کے مشرقی یورپ پر یورش کی۔

اور جنیوا اور وینس کے تاجروں کو مغلوں سے ملنے کا موقع ملا اگلی نسل میں وینس کے پولاس خاندان کے دو افراد خان اعظیم کی سلطنت کے سفر کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سترہواں باب :: چنگیز خاں کا شکار

ادھر وہ دونوں ارخون بحیرہ خزر کے پچھم میں یورش کر رہے تھے، ادھر خان کے دو بیٹے اس دوسرے سمندر تک جا پہنچے جو چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے اور جسے بحیرہ خوارزم کہتے ہیں وہ اس لئے بھیجے گئے تھے کہ محمد شاہ کے متعلق اطلاع بھیجیں اور اگر وہ واپس پلٹے تو اس کا راستہ روک دیں بالآخر جب انہیں اطلاع ملی کہ وہ تو مر کے دفن بھی ہو چکا تو وہ دریائے جیحوں کے چکنی مٹی کے کنارے کے راستے سے خوارزمیوں کے آبائی شہر کو واپس ہوئے۔

یہاں مغلوں نے بڑے طویل اور سخت محاصرے کا آغاز کیا۔ بڑے بڑے پتھر یہاں قریب میں نہیں ملتے تھے اس لئے ان کے بجائے درختوں کے قد آور تنوں کو پانی میں بھگو بھگو کے اس قدر وزنی بنایا گیا کہ منجنیقوں سے پھینکنے کے کام کر سکیں۔ ایک ہفتہ تک فصیل کے اندر دست بدست لڑائی ہوتی رہی۔ اس میں مغلوں نے مورخوں کے بیان کے مطابق روغن نفت استعمال کیا اس کا استعمال انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہوگا، جو اس کو یورپ کے صلیبی جنگجوؤں کے مقابلے میں بڑے موثر طریقے پر پھینکا کرتے تھے بالآخر خوارزم کا دار السلطنت ادرگنج فتح ہو گیا اور خان کے دونوں بیٹے قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ خان کے قلب لشکر کو واپس ہوئے، لیکن کمزور باپ کا جری فرزند جلال الدین خوارزم ان کے چنگل سے بچ کر نکل گیا تا کہ ان کے مقابلے میں تازہ فوجیں فراہم کر سکے۔

اس عرصہ میں سخت گرمیوں کے زمانے میں چنگیز خاں نے نشیبی میدانوں سے اپنی فوجیں ہٹالیں یہاں بڑی جھلسانے والی خشک گرمی پڑتی تھی جو اس کے سپاہیوں کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی کیونکہ وہ گوبی کے بلند میدانوں کی آب وہوا کے عادی تھے وہ انہیں جیحوں کے اس پار کے خشک پہاڑوں میں لے گیا۔

گھوڑوں کے گلے چراگاہوں میں چرنے میں مشغول تھے۔ اس نے اپنی فوج کو

مصروف رکھنے کے لئے اوران کی تنظیم برقرار رکھنے کے لئے موسم بھر کے شکار کا حکم نافذ کیا یہ اردو کا بڑا محبوب مشغلہ تھا۔

شکار مغلوں کے لئے باقاعدہ یورش اور حملے سے کم نہ ہوا کرتا تھا فرق اتنا تھا کہ اس میں بجائے انسانوں کے جانوروں سے مقابلہ کیا جاتا شکار میں پورا اردو حصہ لیتا اس کے قاعدے خود خان نے مرتب کئے تھے اور اس لئے اٹل تھے۔

میر شکار جو جی کسی اور مہم میں باہر مصروف تھا، اس لئے اس کا نائب گھوڑا دوڑاتا ہوا پہاڑیوں میں کئی سو میل کا چکر کاٹ کے شکار کے لئے دیکھ بھال کر آیا مختلف دستوں کے لئے جھنڈے نصب کر دیئے گئے کہ وہ کہاں کہاں سے شکار کے لئے آگے بڑھیں افق کے اس پار گرتائی کا انتخاب کیا گیا گرتائی وہ مقام ہوتا تھا جہاں شکار گاہ کی حد مقرر رہوتی تھی اور اس پر بھی نشان لگا دیا جاتا تھا۔

اب دیکھئے اردو کے دستے بڑی توانائی اور تندرستی کے عالم میں دائیں بائیں آگے بڑھے۔ شکاریوں کا حکم ہوتا تو کھلی ہوا میں راتوں کو بسیرا کر لیتے۔ انتظار کرتے رہے کہ خان کی سواری آ جائے اور پھر قرناؤں اور باجوں کے شور کے بعد انہیں آگے جھپٹنے کا حکم ملے۔ وہ ایک ہلکے سے نیم دائرے کی شکل میں اسی میل زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔

جیسے ہی خان کی سواری آ پہنچی اور خان کے جلو میں بڑے بڑے سپہ سالار شہزادے ار خان کے جواں سال پوتے آ گئے شہسوار اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے دو قطاروں میں جم کے صف آرا ہوئے ان کے پاس وہ تمام ہتھیار اور وہ سارا ساز و سامان تھا جو انسانوں کے مقابل میں لڑنے میں استعمال ہوتا ہے اران کے علاوہ بید کی ڈھالیں بھی تھیں۔

گھوڑے موج در موج آگے بڑھے افسر پیچھے رہ گئے اور سپاہیوں نے آگے بڑھ کے جانوروں کو ہانک لگائی سپاہیوں کو ممانعت تھی کہ جانوروں کے مقابلے میں ہتھیار استعمال کریں اگر کوئی چوپایہ شکاریوں کی صف سے بچ کر نکل جاتا تو یہ بڑی ذلت کی بات سمجھی جاتی وہ جھاڑیوں کو کچلتے ہوئے، گھاٹیوں کو چھانتے ہوئے اور پہاڑیوں پر چڑھتے ہوئے

آگے بڑھے۔ جب کوئی شیر یا بھیڑیا کسی جھاڑی سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا تو وہ بڑی زور سے نعرے لگاتے اور شور مچاتے۔

رات کو زیادہ مشکل پیش آتی۔ شکار کا پہلا مہینہ گذر جانے پر یہ حال تھا کہ جانوروں کی بہت بڑی تعداد انسانوں کے اس نیم حلقے کے آگے آگے مجتمع ہو گئی تھی۔ سپاہی پڑاؤ میں رات بسر کرتے، الاؤ جلاتے سنتری مقرر رتھے۔ یہاں تک کہ معمول جنگ کے مطابق اندر داخل ہونے یا باہر جانے کے لئے راز کا لفظ بھی رائج ہوتا۔ افسر پڑاؤ کا گشت کرتے۔ ایسے وقت میں طلایہ گردی آسان نہ تھی، جب کہ پہاڑوں کے سارے چوپائے ان کے آگے آگے ادھر سے ادھر پھرتے تھے۔ چوپایوں کی آنکھیں زمین پر شعلوں کی طرح چمکتی معلوم ہوتیں۔ بھیڑیوں کے چلانے اور چیتوں کے دہاڑنے کی آوازیں خاموشی کو بار بار توڑتیں۔

ایک مہینہ اور گذر گیا تو دشواری بڑھ گئی۔ اب نیم دائرہ سمٹ کے دائرہ بننے لگا اور جانوروں کے ہجوم کو بھی یہ اندازہ ہونے لگا کہ انہیں ہنکایا جا رہا ہے۔ اب شکار کی سخت گیری میں کسی طرح کی نرمی کی اجازت نہ تھی اگر کوئی لومڑی زمین میں گھس جاتی تو زمین کھود کے اسے نکالا جاتا اگر کوئی ریچھ چٹانوں کے درمیان کسی سوراخ میں جا چھپتا تو کسی نہ کسی سپاہی پر لازم تھا کہ اسے باہر نکالے اور شرط یہ تھی کہ ریچھ زخمی نہ ہونے پائے نوجوان جنگجوؤں کے لئے اپنی ہنرمندی اور بے خوفی کے جوہر دکھانے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب کوئی اکیلا جنگلی سور یا جنگلی سوروں کا گلہ پلٹ کے سواروں کی صف پر حملہ کرتا۔

صف کا ایک حصہ ایک موڑ پر ایک دریا کے چوڑے پاٹ پر جا نکلا فوراً قاصد دوڑائے گئے کہ شکاریوں کے سارے نیم حلقے میں یہ حکم پہنچا دیں کہ جب تک دریا پار نہ کر لیا جائے، صف کا باقی حصہ بھی ٹھہرا رہے، ہنکائے ہوئے جانور پہلے ہی دریا کو پار کر چکے تھے۔

سن رسیدہ چنگیز خاں کبھی یہاں، کبھی وہاں نمودار ہوتا اپنے سپاہیوں کے تیور دیکھتا اور یہ دیکھتا کہ افسر ان سپاہیوں کی کس طرح نگہداشت کر رہے ہیں شکار کے دوران میں تو اس نے کچھ نہ کہا، لیکن ایک ایک تفصیل اسے اچھی طرح یاد تھی۔

شکاریوں کی رہبری میں سپاہیوں کا نیم حلقہ گرتائی کے قریب پہنچتے پہنچتے تنگ حلقہ بن گیا۔ جانور اب اس دباؤ کو محسوس کرنے لگے ہرن ادھر ادھر کلیلیں بھرتے نظر آتے اور ان کے پہلو کانپتے ہوئے دکھائی دیتے شیر ادھر ادھر پلٹتے اور سر جھکا کے گرجتے۔ گرتائی سے باہر نظروں سے اوجھل حصہ مکمل ہو گیا تھا اور شکار کے اطراف شکنجے کی طرح تنگ ہو رہے تھے۔ نقاروں، قرناؤں اور باجوں کی گونج اور چیخ پکار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اب سپاہیوں کی صفیں دہری تہری تھیں۔ چنگیز خان نے انسانوں اور بے قابو جانوروں کے ہجوم کے پاس پہنچ کر اشارہ کیا۔ سواروں نے اس کے آگے بڑھنے کے لئے جگہ کر دی۔

پرانی رسم کے مطابق نرغے میں آئے ہوئے جانوروں کے درمیان سب سے پہلے خان کو پہنچنا چاہئے تھا خان کے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، دوسرے ہاتھ میں کمان اب ہتھیار چلانے کی اجازت تھی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ سب سے زیادہ وحشی درندوں کو چن کے چنگیز خاں نے ان پر حملہ کیا۔ ایک شیر کو تیروں سے مارا اور بھیڑیوں کے قریب پہنچ کے اپنے گھوڑے کی لگام روک لی۔

جب وہ کئی درندے مار چکا تو پھر حلقہ سے باہر نکل آیا اور ایک پہاڑی پر چڑھ کے جہاں سے گرتائی کا منظر نظر آتا تھا، شہزادوں اور سپہ سالاروں کے کرتب دیکھتا رہا جو اس کے بعد گرتائی میں گھسے تھے۔ یہ مغلوں کا اکھاڑا تھا۔ یہاں کے کرتب خانہ بدوشوں کے تھے اور رومتہ الکبریٰ کے اکھاڑوں کی طرح یہاں بھی یہ ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ جو اس میں داخل ہوتے، جانور ان کی ہڈیاں چبا ڈالتے اور ان کی لاش باہر پہنچائی جاتی۔

جب جانوروں کے قتل عام کی اجازت ملی تو اردو کے جنگجو موج در موج آگے بڑھے اور جو جانور سامنے آیا اسے ہلاک کر ڈالا شکار کو ہلاک کرنے کے لئے ایک پورا دن وقف

تھااس کے بعد دستور کے مطابق اردو کے نوعمر شہزادے اور چنگیز خاں کے پوتے اس کے سامنے حاضر ہو کے درخواست کرتے کہ باقی ماندہ جانوروں کی جان بخشی کی جائے یہ درخواست قبول کی لی گئی اور شکاریوں نے جانوروں کی لاشیں اکٹھا کرنی شروع کیں۔

اس شکار کا مقصد سپاہیوں کو مشق کرانا تھا اور سواروں کی حلقہ بندی کا طریقہ ایسا تھا جو انسانوں کے ساتھ جنگ میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اس سال اس دشمن ملک میں چار مہینے تک شکار ہوتا تھا، چنگیز خاں خزاں میں پھر سے یورش کی تیاری کر رہا تھا اور اپنے بیٹے جوجی اور چغتائی سے ملنے کا منتظر تھا، جو بحیرہ جند کے کنارے سے خوارزم شاہ کی موت کی خبر لے کے آرہے تھے۔

اب تک مغل اسلامی ممالک میں بے روک ٹوک آگے بڑھتے چلے آئے تھے۔انہوں نے اس سرعت سے دریاؤں کو عبور اور شہروں کو فتح کیا تھا جیسے اس زمانے میں کوئی مسافر قافلے اور نوکروں کے ساتھ ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچے خوارزم شاہ غازی جو شروع میں کشورکشائی کے خواب دیکھتا رہا اور آخر میں بڑا بزدل بن گیا، اپنی رعایا کو چھوڑ کے اپنی جان بچانے کی فکر میں بھاگ کھڑا ہوا تھا اور بھاگ کر بھی اسے سوائے ذلت اور گداؤں کے سے کفن و دفن کے اور کچھ نصیب نہ ہوا تھا۔

ختا کے شہنشاہ کی طرح خوارزم شاہ نے بھی اپنی فوجیں قلعہ بند کر لی تھیں، تاکہ وہ مغلوں کی سوار فوج سے محفوظ رہ سکے یہ مغل فوج عین جنگ کے وقت تک نظروں سے اوجھل رہتی اور پھر بڑی ہی وحشت ناک خاموشی سے ان اشاروں کے مطابق نقل و حرکت کرتی، جو جھنڈوں کو جنبش دے کے کئے جاتے یہی اشارے افسر اپنے ہاتھوں کی جنبش سے اپنے سپاہیوں کے لئے دہراتا۔ یہ اشارے دن کو کئے جاتے کیونکہ حرب وضرب کے شور اور قرنا اور طبل جنگ کی گونج میں دشمن و دوست کی آواز کی تمیز نہ رہتی اور کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی رات کو اشارے کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ رنگین قندیلیں سپہ سالار کے نشان یا طوغ کے قریب اوپر چڑھائی یا اتاری جاتیں۔

میسحوں دریا کے کنارے کنارے پہلی یورش کے بعد چنگیز خان نے اپنی فوج سمرقند اور بخارا میں اکٹھی کر دی تھی جنہیں وہ خوارزم شاہی سلطنت کے دو خاص الخاص شہر سمجھتا تھا۔ بلا کسی خاص دشواری کے اس نے مدافعت کا یہ دوسرا حلقہ بھی درہم برہم کر دیا تھا۔ اب اس کا ارادہ اس حصہ میں جمع تھا جسے دفاع کا تیسرا حلقہ کہا جا سکتا تھا۔ یہ ایران اور افغانستان کی شاداب پہاڑیوں کا علاقہ تھا۔

ابھی تک مغلوں اور ترکوں ۔۔۔۔۔ کافروں اور مسلمانوں ۔۔۔ کے درمیان جو جنگیں ہوئی تھیں وہ مسلمانوں کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوئی تھیں ترک مغلوں کو قہر خداوندی کا مظہر سمجھنے لگے تھے وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ گناہوں کی سزا انہیں اسی دنیا میں مل رہی ہے۔

چنگیز خاں کی کوشش یہ تھی کہ ان کا عقیدہ اور پختہ ہو جائے۔ اس نے احتیاطاً مشرق کی طرف اپنے پہلو کا علاقہ بھی صاف کر لیا تھا جیحوں کے منبع کے قریب کی سطح مرتفع پر اس نے بنفس نفیس قبضہ کیا تھا اور مغرب کے ان شہروں کو فتح کرنے کے لئے اس نے فوج کے اور دستے بھیجے، جن کو فتح کیے بغیر جی نویان اور سو بدائی بہادر آگے نکل گئے تھے لیکن جن کے متعلق انہوں نے خان کو تفصیلی اطلاعیں بھیجی تھیں جب یہ ہو چکا تو چنگیز خاں نے بلخ پر قبضہ کیا اور اسی کے نواح کے علاقے میں اس نے شکار میں گرمیوں کا موسم بسر کیا تھا۔

یہاں اس نے مسلمان قوموں کے درمیان کی تجارتی شاہراہوں پر قبضہ کیا۔ وہ اس تمام عرصے میں معلومات فراہم کر رہا تھا اور اسے معلوم تھا کہ ابھی اور تازہ دم فوجیں ہیں اور افق کے اس پار اس سے بھی زیادہ طاقتور سلطنتیں ہیں۔ جیسے پہلے چینیوں نے اس کے مقابلے کے لئے اسلحہ بندی کی تھی۔ اب سارا عالم اسلام اس کے مقابلے کے لئے مسلح ہو رہا تھا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ کی موت اور اس کے دو بیٹوں کے مغلوں کے مقابلے میں شہید ہونے کے بعد مسلمان رعایا اپنے قدرتی رہنماؤں، ایرانی شہزادوں اور سیدوں کے

جھنڈوں کے تلے مقابلے کے لئے جمع ہو رہی تھی۔

چنگیز خان کو اس صورت حال کا علم تھا اسے معلوم تھا کہ اصلی زور آزمائی کا موقع اب آنے والا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ کہ شاید دس لاکھ فوج، سوار اور کیل کانٹے سے درست اس سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھنے کو تیار ہے فی الحال اس فوج کا کوئی شایان شان سپہ سالار نہ تھا اور یہ اس کے اطراف درجن بھر سلطنتوں میں منتشر تھی۔

یورش کے اس دوسرے سال میں مغل اردو کی جملہ بارہ تومانوں سے زیادہ نہ ہوگی، یعنی ایک لاکھ سے کچھ زیادہ سپاہی الیغوروں کا سردار ایدیقوت اور المالیق کا عیسائی بادشاہ اس سے اجازت لے کے طیان شان کے پہاڑوں کے اس پار واپس ہو چکے تھے اس کے بہترین سپہ سالار جبی نویان اور سوبدائی بہادر دو تومانوں کے ساتھ دور مغرب میں تھے۔ تغاچار نویان جو اس کے باقی ماندہ ارخونوں میں سب سے زیادہ بھروسے کے قابل تھا۔ نیشاپور کے محاصرے میں کام آچکا تھا۔ مقولی بہادر ختا میں نیابت کا فرض انجام دے رہا تھا، ارخونوں کی تعداد گھٹ چکی تھی اور چنگیز خاں نے سوبدائی بہادر سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس کی۔

اس لئے اس نے اپنے اس محبوب سپہ سالار کو بحیرہ خزر کے اس پار سے واپس بلا بھیجا سوبدائی فرمان کی تعمیل میں بلخ واپس آن پہنچا اور کچھ روز خان سے اور اس سے مشاورت ہوتی رہی پھر وہ سوار ہو کے ایک ہزار میل کے فاصلے پر اپنے لشکر کے صدر کو واپس چلا گیا۔

اب خان کا مزاج بدل چکا تھا اور اب وہ شکار کے متعلق نہیں سوچ رہا تھا اس نے اپنے بڑے بیٹے جوجی کو ملامت کی کہ آپس کی لڑائی میں اس نے اورگنج کی تسخیر میں بہت دیر لگا دی یا شاید اس لئے ملامت کی کہ اس نے جلال الدین خوارزم کو بچ کر نکل جانے دیا ضدی اور گستاخ جوجی کو اردو سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا اپنے نجی سپاہیوں کے ساتھ وہ بحیرہ خوارزم کے اس پار کی چراگاہوں میں چلا گیا۔

تب چنگیز خاں نے اپنے اردو کو آگے بڑھنے کا حکم دیا محض نقل و حرکت کرنے یا

لاپروائی اور حقارت سے دشمن کو لوٹنے کھسوٹنے کے لئے نہیں اس مرتبہ اس کا ارادہ تھا کہ اس کے اطراف کے مسلمان ملکوں میں لڑنے بھڑنے کے قابل مردوں کی جو عظیم الشان آبادی ہے، اس کا قتل عام کر دے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اٹھارہواں باب :: تولی کا تختِ زریں

ایک خراسانی شہزادہ اپنے وقائع میں لکھتا ہے: ''میں اس زمانے میں اپنے قلعہ میں رہا کرتا تھا جو ایک اونچے سنگلاخ قلہ کوہ پر واقع تھا یہ خراسان کے بڑے حصین قلعوں میں شمار ہوتا تھا اور اگر راوی کا قول صحیح ہے تو یہ اس زمانے سے میرے آباؤ اجداد کے تصرف میں تھا، جب کہ اس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے چونکہ یہ قلعہ صوبہ کے مستقر کے نزدیک تھا، اس لئے یہ ان مفرور قیدیوں اور تاتاریوں کے ہاتھوں اسیری یا موت سے پناہ گزین باشندوں کے لئے دارالامان کا کام دیتا تھا۔''

''کچھ عرصہ بعد تاتاری اس قلعے کے سامنے نمودار ہوئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس قلعہ کا سر کرنا مشکل ہے تو وہ اس شرط پر محاصرے سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہوئے کہ اس کے عوض میں انہیں سوتی کپڑے کے دس ہزار لباد ے، اور بہت سی اور وافر اشیا اور ساز و سامان دیا جائے، حالانکہ وہ اس وقت نیشاپور کی تسخیر کے بعد مال غنیمت سے لدے ہوئے تھے۔''

''میں اس پر راضی ہو گیا۔ لیکن جب یہ سوال پیدا ہوا کہ خراج کا یہ سامان ان تک کون لے جائے تو اس کے لئے کوئی تیار نہ ہوا کیونکہ سب یہ جانتے تھے کہ چنگیز خاں کا معمول یہ تھا کہ جو کوئی مغلوں کے ہاتھ پڑتا تھا تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ بالآخر وہ ضعیف العمر آدمی اس کام کے لئے تیار ہوئے اپنے بال بچوں کو وہ میرے حوالے کر گئے کہ اگر وہ قتل کر دیئے گئے تو میں ان کے اہل و عیال کی کفالت کا ضامن بنوں اور یہی ہوا کہ واپس جانے سے پہلے تاتاریوں نے ان دونوں بوڑھوں کو قتل کر دیا۔''

بہت جلد یہ وحشی سارے خراسان میں پھیل گئے جب یہ کسی ضلع میں پہنچتے تو آگے آگے اس علاقے کے دہقانوں کو ہنکاتے اور جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تو قیدیوں کو منجنیقوں اور محاصرے کے ساز و سامان کی تیاری کے لئے استعمال کرتے ہر طرف ہراس و ویرانی طاری تھی، جو قید ہو جاتا وہ اس شخص کے مقابلے میں زیادہ مطمئن ہوتا جو اپنے گھر

میں اس شش و پنج میں رہتا کہ معلوم نہیں محاصرے کے بعد اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ منجنیقوں پر غلامی کی محنت کے لئے سردار اور امیر بھی اپنے سپاہیوں اور غلاموں کے ساتھ ہنکائے جاتے۔ جو مغلوں کے حکم کی تعمیل نہ کرتا، بلا استثنا موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

خراسان کے زرخیز علاقوں پر حملے کے لئے چنگیز خاں نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے تولی کو، جو امیر جنگ بھی تھا، سپہ سالار مقرر کیا تھا اسے یہ حکم ملا تھا کہ وہ جلال الدین خوارزم کو تلاش کرے لیکن یہ خوارزمی شاہزادہ کسی طرح اس کے ہاتھ نہ آتا تھا۔ مغل فوج نے مرو پر حملہ کیا۔ مرو کا شہر بیابان کا لعل سمجھا جاتا تھا اور خوارزم کے بادشاہوں کی تفریح گاہ تھا۔ یہ دریائے مرغاب کے کنارے آباد تھا اور اس کے کتب خانوں میں ہزار ہا بیش بہا مسودے اور قلمی نسخے تھے۔

مغلوں نے اس شہر کے نواح میں ترکمانوں کے ایک دستے کو طلایہ کرتے دیکھا اور اسے منتشر کر دیا۔ تولی نے فصیلوں کا چکر لگا کے شہر کے حصاروں کا اندازہ لگایا مغل صفیں اور قریب کر لی گئیں اور مکمل محاصرہ کر لیا گیا ترکمانوں سے لوٹے ہوئے جانور چراگاہوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔

اس محاصرے میں چنگیز خاں کے اپنے محافظ دستے کے ایک ہزار چنے ہوئے مغل مارے گئے اور تولی کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ تولی مرو کی فصیلوں پر پیہم حملے کرتا رہا۔ اس نے خندق کے اطراف ریت کی دیواریں لگائی اور حملے سے پہلے تیروں کی بوچھاڑ کرتا رہا۔ اکیس دن تک یونہی سخت لڑائی ہوتی رہی اور اس کے بعد جب لڑائی ذرا مدہم ہوئی تو مغلوں کے پاس ایک امام کو بھیجا گیا۔ جس کی بڑی خاطر تواضع ہوئی۔۔۔۔۔ اور جو حفاظت سے واپس اپنی فوج تک پہنچا دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام شہریوں کی طرف سے نہیں گیا تھا بلکہ اسے قلعہ دار نے بھیجا تھا جس کا نام مجیر الملک تھا مطمئن ہو کے قلعہ دار خود چاندی کے ظروف اور مرصع لبادوں کے

بیش بہا تحائف لے کے مغلوں کے خیموں تک گیا۔

تولی جو مکروفریب میں طاق تھا، اس نے ایک اعزازی خلعت مجیر الملک کے لئے بھیجی اور اپنے خیمے میں آ کر کھانا کھانے کی دعوت دی اور یہاں اس نے ایرانی قلعہ دار کو یقین کرادیا کہ اس کی اپنی جان بخشی کر دی جائے گی۔

تولی نے یہ تجویز پیش کی ''اپنے دوستوں اور چنے ہوئے ساتھیوں کو بھی بلوا لو میں ان کو اعزازو منصب بخشوں گا۔''

مجیر الملک نے ایک نوکر کو بھیج کے اپنے قریبی دوستوں کو بلا بھیجا اور وہ بھی اس ضیافت میں قلعہ دار کے پاس آ بیٹھے تولی اس نے اس وقت مرو کے چھ سو امیر ترین آدمیوں کی فہرست مانگی اور قلعہ دار اور اس کے دوستوں نے فرمانبرداری کے ساتھ یہ فہرست اسے لکھ کے دے دی جس میں شہر کے متمول ترین زمینداروں اور تاجروں کے نام شامل تھے پھر مجیر الملک نے دہشت کے عالم میں یہ دیکھا کہ مغلوں نے اس کے تمام ساتھیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ تولی کے افسروں میں سے ایک چھ سو آدمیوں کی اس فہرست کو لے کر مرو کے قلعے کے دروازے پر گیا فہرست قلعہ دار کے قلم کی لکھی ہوئی تھی اور اس نے قلعہ دار کے نام پر ان چھ سو آدمیوں کو طلب کیا۔

رفتہ رفتہ یہ چھ سو آدمی بھی آ گئے اور انہیں حراست میں لے لیا گیا اب مغلوں نے قلعے کے دروازے پر قبضہ کر لیا اور ان کے سوار دستے مرو کی گلیوں میں گھس پڑے شہر کے سارے باشندوں کو اپنے اہل وعیال سمیت باہر میدان میں نکلنے کا حکم دیا گیا اور یہ حکم بھی ملا کہ جتنا سامان وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہوں لے جائیں چار دن تک شہر خالی ہوتا رہا۔

ایک سنہرے تخت پر قیدیوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوا تولی یہ سارا نظارہ دیکھتا رہا۔ اس کے افسر چن چن کے ایران کے فوجی افسروں کو اس کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ان افسروں کے سر کاٹے جاتے رہے اور مرو کی ساری رعایا بے بسی کے عالم میں دیکھتی رہی۔

پھر مرد، عورتیں، بچے تین گروہوں میں الگ الگ کئے گئے۔ مردوں کو زمین پر لیٹ

جانے کا حکم ملا۔ اس طرح کہ ان کے ہاتھ پشت کی طرف بندھے تھے اس پورے مجمع کو مغلوں میں تقسیم کر دیا گیا جو ان سب کا گلا گھونٹتے رہے یا ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہے۔ صرف چار سو کاریگر زندہ باقی رہنے دیئے گئے، جن کی مغل اردو کو ضرورت تھی۔ کچھ بچے غلام بنا کے باقی رکھے گئے چھ سو امیروں کا بھی یہی کچھ حشر ہوا پہلے تو انہیں طرح طرح کے عذاب دیئے گئے، یہاں تک کہ انہوں نے بتا دیا کہ ان کا مال و دولت کہاں کہاں دفن ہے۔

مغلوں نے خالی مکانوں کو خوب غارت کیا۔ دیواریں زمین کے برابر کر دی گئیں پھر تولی نے باگ موڑی۔ سارے شہر میں بظاہر صرف پانچ ہزار مسلمان زندہ بچے جو تہہ خانوں اور نالیوں میں جا چھپے تھے، لیکن یہ بھی زیادہ دیر تک بچنے نہیں پائے اردو کے کچھ سپاہی شہر کو واپس آئے ان لوگوں کا کھوج لگا کے انہیں بھی قتل کر دیا اور اس شہر میں ایک انسان بھی باقی نہیں رہنے دیا گیا۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے حیلے اور فریب سے مرو کے ساتھ کے اور شہر بھی فتح کر لئے گئے ایک جگہ کچھ لوگوں نے اس طرح اپنی جان بچانا چاہی کہ لاشوں کے ہجوم میں خود بھی مردہ بن کے لیٹ گئے۔ مغلوں نے یہ سن کے یہ حکم جاری کر دیا کہ آئندہ سے شہر کے باشندوں کا جب قتل عام ہو تو ہر ایک کا سر قلم کر دیا جائے۔ ایک اور شہر کے ملبے میں کچھ ایرانی زندہ باقی رہ گئے تھے، مغلوں کا ایک دستہ اس حکم کے ساتھ واپس بھیجا گیا کہ ان باقی ماندہ آدمیوں کو بھی تہ تیغ کر ڈالے۔ خانہ بدوش مغل ان کے پڑاؤ پر پہنچے اور ان بدنصیبوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ ان پر اتنا بھی ترس نہ کھایا جتنا جانوروں پر شکار کے وقت انہیں ترس آتا تھا۔

مغلوں کی جنگ بھی بڑی حد تک جانوروں کے شکار کی طرح تھی۔ ہر ترکیب، ہر انوکھی چالاکی استعمال کی جاتی کہ بنی نوع انسان کا بیخ و بنیاد سے استیصال کیا جائے۔ ایک اور تسخیر شدہ مسمار شہر کے ویرانے میں مغلوں نے ایک قیدی موذن کو ایک مسجد کے مینار سے

اذان دینے پر مجبور کیا، جو مسلمان گوشوں اور کناروں میں چھپے ہوئے تھے، یہ سمجھ کر باہر نکل آئے کہ یہ خونخوار حملہ آور شہر کو چھوڑ کے جا چکے ہیں۔ ان مسلمانوں کا قتل عام کر دیا گیا۔

جب مغل کسی شہر کو مسمار کر کے آگے بڑھتے تو اس کے نواح میں اناج کی جتنی فصلیں ہوتیں انہیں کچل ڈالتے یا جلا دیتے تا کہ اگر کچھ لوگ ان کی تلوار کی زد سے بچ گئے ہوں تو فاقہ کر کے مر جائیں اور گنج میں جہاں انہیں طویل محاصرے کی صعوبت برداشت کرنی پڑی تھی انہوں نے یہاں تک زحمت اٹھائی کہ شہر کے پیچھے دریا پر بند باندھ کے اس کا راستہ اس طرح بدلا کہ شہر کے مکانوں اور دیواوں کے ملبے تک سیلاب کی زد میں آ گئے۔ دریائے جیحوں کے اس طرح رخ بدلنے پر ماہرین جغرافیہ بہت دنوں تک حیران رہے۔

آج ان خونیں تفصیلوں کے بیان ہی سے دہشت معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی۔ اس حد تک جیسی دوسری عالمگیر جنگ یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا۔

اس قتل عام نے عالم اسلام کے قلب کو ایک طرح کا چٹیل میدان بنا دیا۔ جو لوگ اس قتل عام سے بچ جاتے وہ روحانی طور پر اس قدر مضمحل اور پریشان ہوتے کہ بجز کسی نہ کسی طرح کچھ کھا لیتے اور پھر چھپ جانے کے وہ کسی کم کے نہ رہتے۔ خوف و ہراس ان پر اتنا طاری رہتا کہ شہر کے ویرانے کو جس پر گھاس اگ آتی تھی کسی طرح نہ چھوڑتے، یہاں تک کہ وہ بھیڑیئے جو لاشوں کو کھانے کے لئے آتے انہیں وہاں سے بھگا دیتے یا انہیں بھی لاشوں کے ساتھ کھا جاتے۔ حکم یہ تھا کہ مسمار شدہ شہروں میں پھر سے انسان آباد نہ ہونے پائیں ان شہروں کے نشان اس سرزمین پر داغوں کی طرح باقی رہتے جو کسی زمانے میں بڑی زرخیز تھیں۔ ایک مرتبہ سے زیادہ یہ ہوا کہ جہاں کوئی شہر آباد تھا وہاں ہل چلایا گیا اور غلہ کاشت کیا گیا۔

ان خانہ بدوشوں کے نزدیک انسانی زندگی کی قیمت اس زمین سے کم تھی جس سے غلہ

اگتا ہے اور جس پر درندے چلتے پھرتے ہیں، اس لئے وہ ایک سرے سے شہروں کو نیست ونابود کررہے تھے۔ چنگیز خاں نے بغاوت کی تحریک کو شروع ہی سے مفلوج کر دیا تھا قبل اس کے کہ اس کے خلاف مقاومت کی جائے اس نے سرے سے اس کا سد باب کر دیا تھا۔ وہ کسی طرح کے رحم کا قائل نہ تھا۔

اس نے اپنے ارخونوں سے کہا تھا ''خبر دار ے میرے دشمنوں پر رحم نہ کھانا بجز اس کے کہ میں خاص طور پر حکم دوں۔ اس طبیعت کے آدمی ظلم وتعدی سے اپنا فرض پہچانتے ہیں جب کوئی دشمن شکست کھاتا ہے تو خود بخود مطیع نہیں ہو جاتا بلکہ ہمیشہ اپنے نئے مالک سے نفرت کرتا رہتا ہے۔''

اس نے یہ طریقے گوبی میں استعمال نہیں کئے تھے اور نہ ختا میں اتنا ظلم و جبر کیا تھا۔ یہاں دنیائے اسلام کے لئے وہ فی الحقیقت قہر وعذاب بن گیا تھا۔ اس نے تولی کو بڑی سختی سے لعنت ملامت کی تھی کہ اس نے جلال الدین خوارزم کے دس ہزار حامیوں کے سوا ہرات کے باشندوں کو کیوں زندہ چھوڑا اور درحقیقت ہرات کے باشندوں نے اس کے جوئے کے خلاف بغاوت کی اور مغل صوبہ دار کو قتل کر ڈالا۔

جب نوجوان سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کسی شہر میں پہنچتا اور وہاں کے باشندوں کو جوش دلاتا تو لمحہ بھر کے لئے ان شہروں میں آگ سی فروزاں ہو جاتی لیکن بہت جلد ان شہروں کے دروازوں پر مغل فوجیں نمودار ہوتیں۔ ہرات کی قسمت بھی اتنی ہی سیاہ نکلی جتنی مرو کی تھی۔ بڑی بے دردی اور خونخواری سے مقاومت کی چنگاریاں بجھائی گئیں تھوڑے عرصے کے لئے ایک حقیقی خطرہ رونما ہوا تھا، یہ مغلوں کے خلاف جہاد کا تھا۔

راسخ العقیدہ مسلمان جب آپس میں سرگوشی کرتے تو چنگیز خاں کو ''ملعون'' کہتے، لیکن جوش کی یہ آگ بھی بجھ گئی۔ اہل اسلام کا ایک حقیقی سردار موجود تھا، جلال الدین خوارزم شاہ لیکن عالم اسلام کا قلب مسمار ہو چکا تھا جلال الدین خوارزم شاہ جو اکیلا یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ دنیا بھر کے منتشر مسلمانوں کو یکجا کر کے حملہ آوروں کے مقابلے کے لئے

میدان میں آئے، اس کے تعاقب میں مغلوں کے ہراول دستے اس طرح مصروف تھے کہ وہ سرحد ہی سرحد پر رہتا تھا۔ اور اسے نہ اس کا وقت مل سکا اور نہ موقع کہ کوئی بڑی فوج مجتمع کر سکتا۔

جب دوسری گرمیاں آئیں تو گرمیوں کی شدت کے زمانے میں چنگیز خاں اپنے اردو کے بڑے حصے کے ساتھ کوہ ہندوکش کی شجر پوش بلندیوں پر چلا گیا، جس کے نیچے تپتی ہوئی وادیاں تھیں۔ یہاں اس نے اپنی فوج کو آرام کے لئے پڑاؤ ڈالنے دیا۔ قیدیوں کو اس نے گندم کی کاشت پر لگایا۔ ان قیدیوں میں امیر فقیر، قاضی اور غلام سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ اس مرتبہ شکار نہیں ہوا۔ اس کے لشکر بھی بیماریوں نے کافی تاراج کیا تھا۔

یہاں اس کے لشکریوں نے پامال درباروں کے ریشمی شامیانوں میں کوئی مہینہ بھر آرام کیا۔ ترک اتابکوں اور ایرانی امرا کے بیٹے ان کی ساقی گری کرتے تھے دنیائے اسلام کی مظلوم عورتیں مغلوں کے پڑاؤ میں بے نقاب ماری ماری پھرتی تھیں۔ گیہوں کے کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوران کو وحشت زدہ آنکھوں سے دیکھتے۔ ان کاشت کرنے والوں کے پاس ستر پوشی کے چیتھڑے مشکل سے باقی رہ گئے تھے اور جب مغل سپاہی انہیں کھانا کھلانے کا حکم دیتے تو وہ کتوں کے ساتھ بچے کھچے کھانے کے لئے چھین جھپٹ کرتے۔

وحشی ترکمان جو قافلوں کی رہزنی کیا کرتے تھے، پہاڑوں کی چوٹیوں سے اتر کے آتے اور حملہ آوروں سے گھل مل جاتے اور بڑی حیرت سے سونے چاندی اور مرصع ملبوسات کو گھور گھور کر دیکھتے، جو انبار در انبار خیموں کے سائے میں پڑے ہوئے تھے کہ گوبی پہنچائے جائیں۔ یہاں مریضوں کے معالجے کے لئے طبیب بھی تھے۔ ان وحشی خانہ بدوشوں کے لئے طبیب بڑی نادر جنس تھے علما بھی تھے جو ختا کے حکما سے بحث مباحثہ کرتے اور گوبی کے غارت گر مروت اور بے تعصبی سے ان کے مناظرے سنتے جو آدھے ان کی سمجھ میں آتے آدھے نہ آتے اور انہیں اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔

لیکن چنگیز خاں کے سامنے ایک نہایت وسیع اور عظیم الشان کام نظم ونسق کا قیام تھا۔ ختا کے ارخونوں کے پاس سے اور روس کے میدانوں سے سوبدائی بہادر کے قاصد آتے۔ وہ خودتو دومحازوں پر جنگی کارروائی کی رہنمائی کر رہا تھا لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ وہ گوبی میں خانوں کی مجلس مشاورت سے اپنا ربط برقرار رکھے۔

چنگیز خاں محض پیغاموں سے مطمئن نہت ھا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے ختا کے مشیر ہندوکش میں ان کے پاس آئیں۔ ہندوکش، سنگلاخ چٹانوں کے تنگ راستے اور بیابانوں کی سطح انہیں پسند آئی ہو یا نہ آئی ہو، ہر ایک نے بلا چون وچرا تعمیل کی۔

مشرق اور مغرب کے درمیان نئی شاہراہیں کھولنے کے لئے چنگیز خان نے ''یام'' کو ایجاد کیا۔ یہ مغلوں کے گھوڑوں کی ڈاک تھی۔ ویسی ہی جیسی تیرہویں صدی کے ایشیا میں ٹٹوؤں کی ڈاک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

انیسواں باب :: سڑکیں بنانے والے

کئی پشتوں سے گوبی کے قبائلیوں کے یہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ ایک پڑاؤ سے دوسرے پڑاؤ تک ایک سوار خبریں پہنچایا کرتا۔ جب کوئی آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا آ کے جنگ کا بلاوا، یا کوئی اور خبر سناتا تو اردو میں سے کوئی نہ کوئی اور اپنے گھوڑے پر زین کستا اور یہ خبریں دور دراز کے دستوں تک پہنچا آتا۔ ان قاصدوں کو دن بھر میں پچاس ساٹھ میل کی مسافت طے کرنے کی عادت تھی۔

جب چنگیز خان کی فتوحات کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تو اس کی بھی ضرورت پیش آئی کہ ''یام'' کی اصلاح کی جائے۔ شروع شروع میں تو اس کی حکومت کی اور فوری ضروریات کی طرح یام کا استعمال بھی محض اس کے لشکر کے لئے تھا۔ جس راستے سے لشکر گذرتا اس پر کچھ کچھ فاصلے سے باقاعدہ کیمپ قائم کئے جاتے۔ ہر کیمپ میں گھوڑوں کی ایک قطار نوجوان سائیسوں کی تحویل میں چھوڑ دی جاتی اور چوروں سے مقابلے کے لئے کچھ سپاہی بھی وہیں چھوڑ دیئے جاتے۔ جب ایک مرتبہ لشکر کسی راستے سے گذر چکتا تو اس سے زیادہ طاقتور دستہ کو پیچھے کو چھوڑنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔

یہ کیمپ جو چند یورتوں، گھوڑوں کے لئے گھاس چارے کے ایک کھلیان، اور سرما کی غذا کے لئے جو کے تھیلوں پر مشتمل ہوتا، غالباً سو سو میل کے فاصلے پر قائم کیا جاتا۔ یہی قافلوں کی شاہراہ تھی اسی راستے سے خزانہ بردار قراقورم کے ہیرے، جواہرات، سونے کے ریوڑ، ہیڈ کے اور مینا کاری سے مرصع ظروف اور بدخشان کے بڑے بڑے لعل لے جایا کرتے۔

انہی سڑکوں سے اردو کا ٹوٹا ہوا مال غنیمت گوبی میں گھر بھیجا جاتا۔ ان قبائلی دیہاتیوں کو دن بدن زیادہ حیرت ہوتی ہو گی کہ ہر مہینے عجائب اور نوادر، اور غیر معلوم علاقوں سے انسانوں کے تحفے بڑی تعداد میں آتے رہتے۔ خاص طور پر حیرت اس وقت ہوئی ہو گی جب گوبی کے وہ سپاہی جنہوں نے خراسان یا وسط ایشیا کے زمین سے گھرے ہوئے

سمندروں کے کنارے لڑائیاں لڑی تھیں، واپس ہوئے ہوں گے اور یورتوں میں آگ کے پاس بیٹھ کے انہوں نے اردو کے کارنامے اور ناقابل یقین فتوحات کا حال سنایا ہو گا۔

یا شاید ان لوگوں کو جو گھر ہی پر رہے تھے اور جو اپنے خیموں کے دروازے پر آئے دن مال غنیمت کے اونٹوں پر سے روز افزوں مال و دولت کا انبار اترتا دیکھتے تھے کوئی بات نا قابل یقین نہ معلوم ہوتی ہوگی۔ معلوم نہیں عورتیں آرائش و زیبائش کا یہ غیر معمولی سامان پا کے کیا سوچتی ہوں گی جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا یا بوڑھے جب یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ارخونوں نے اس دنیا کے باہر تگ و تاز کی جس کا انہیں علم تھا تو کیا سوچتے ہوں گے؟ اس تمام مال و دولت کا کیا حشر ہوا؟ مغل عورتیں ایران کے موتیوں کے نقاب استعمال کرنے کا سلیقہ بھی رکھتی تھیں۔

چرواہے اور نو عمر لڑکے بڑے رشک سے کہنہ مشق سپاہیوں کو عرب شبدیزوں کی قطاریں اپنے ساتھ لاتے دیکھتے اور یہ سپاہی اپنی زین کے تھیلوں سے کسی شہزادے یا اتابیگ کی نقرئی مینا کاری کی زرہ نکال کے انہیں دکھاتے۔

مغلوں نے ان نئے تجربوں کی کوئی یادداشت نہیں چھوڑی لیکن ہمیں اتنا معلوم ہے کہ وہ چنگیز خاں کی فتوحات کو پہلے ہی سے مقدر سمجھتے تھے وہ ان کے لئے ''بگدو'' تھا۔ وہ جسے دیوتاؤں نے بھیجا ہے وہ جس نے قانون بنایا ہے یہ اس کی مرضی تھی کہ زمین کے جس حصے کو چاہے فتح کر لے۔

معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خاں خود اپنی فتوحات کو ہرگز آسمانی تحفہ نہیں سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ سے زیادہ اس نے کہا تھا ''آسمان پر ایک سورج ہے۔ آسمان میں ایک ہی طاقت ہے۔ زمین پر ایک ہی خاقان رہ سکتا ہے۔''

اس کی بدھ رعایا اگر اس کی عظمت یا پرستش کرنے لگی تھی تو وہ بلا کسی اعتراض کے اس عقیدے کو ماننے لگا تھا۔ مسلمان اسے قہر الٰہی سمجھتے تھے۔ یہ لقب بھی اس نے قبول کر لیا

تھا، بلکہ جب وہ یہ دیکھتا تھا کہ قہرِ الٰہی بننے سے اس کا کام نکلے گا تو وہ مسلمانوں کے اس عقیدے کو اور پختہ کر دیتا تھا۔ وہ نجومیوں کی پیشین گوئیاں سنتا۔ مگر کرتا وہی جو اس کی اپنی تجویز ہوتی۔ نپولین کے برعکس وہ قطعاً تقدیر کا قائل نہ تھا اور نہ اس نے سکندر کی طرح خدائی کا دعویٰ کیا۔ جب نصف دنیا پر حکومت کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو اس نے اسی صبر اور استقلال سے اس مقصد کی طرف توجہ کی، جیسے وہ اپنی جوانی میں ایک بھٹکا ہوا گھوڑا ڈھونڈ ھنے نکلا تھا۔

خطابوں کو وہ محض کاروبار کے نقطہ نظر سے جانچتا۔ ایک مرتبہ اس نے حکم دیا تھا کہ سرحد کے ایک مسلمان شہزادے کو خط لکھا جائے یہ خط ایک ایرانی منشی نے لکھا اور ایران کے ذوق کے لحاظ سے تمام مرصع خطابات خوشامد کے لہجے میں لکھے۔ جب یہ خط چنگیز خاں کو سنایا گیا تو بوڑھا مغل مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گیا اور چلا کے حکم دیا کہ اس خط کو پرزے پرزے کر دیا جائے۔

منشی سے اس نے کہا ''تو نے بڑی حماقت کا خط لکھا ہے وہ شہزادہ یہ سمجھے گا کہ میں اس سے ڈرتا ہوں۔''

پھر اس کے بعد اس نے اپنے ایک اور منشی کو حسب معمول ایک مختصر سا خط تحکمانہ لہجے میں لکھوایا اور اس پر خاقان کے لقب سے دستخط کیے۔

اپنی فوجوں کے درمیان ربط قائم رکھنے کے لئے چنگیز خان نے پرانے قافلے کے راستوں کو باہم مربوط کیا۔

افسر ڈاک کی سراؤں میں ٹھہر کے اپنی مہریں دکھاتے، جن پر شہباز کی تصویر کھدی ہوتی اور پھر وہ انتظار کرتے کہ ان کے لئے گلے سے پشم دار ٹٹو ڈھونڈ کے لائے جائیں اور دراز ریش چینی، موٹے موٹے لحافوں جیسے روئی دار لبادوں میں لپٹے ہوئے، دو پہیوں والی گاڑیوں میں ادھر سے ادھر سفر کرتے ہوئے ان سراؤں میں آتے۔ ان کی گاڑیوں پر پردے پڑے رہتے اور ان کے نوکر بیش قیمت چائے کی ٹکیاں توڑ توڑ کے

آگ پر ان کے لئے چائے بناتے جاتے۔ ان سراؤں میں الیغور حکما مخملی سمور کی اونچی ٹوپیاں پہنتے، ایک کاندھے پر زرہ لبادے ڈالے ہوئے آن کو ٹھہرتے۔ یہ الیغور بھی اب اردو کا جزو لاینفک ہو چکے تھے۔

یام کی سرائے کے پاس ہی قافلوں کے اونٹوں کی بے شمار قطاریں راستہ طے کرتیں۔ ان اونٹوں پر مسلمان تاجروں کا سارا سامان، کپڑے ہاتھی دانت اور ایسی دوسری اشیاء لد لد کر اس ریگستان کو آتیں۔

یام بہ وقت واحد، تار، ریل، اور ڈاک کا کام دیتا تھا۔ نامعلوم سرزمینوں سے آنے والے اجنبی یہاں پہنچ کر گوبی کے مغلوں کا پتا پوچھتے۔ پتلے چہروں والے یہودی ان سراؤں میں اپنے لدے ہوئے خچر اور گاڑیاں لے کے آتے۔ زرد فام، چوڑی ٹھوڑیوں والے ارمنی یہاں سوار ہو کے آتے اور تجسس کی نظر سے خاموش مغل سپاہیوں کو دیکھتے جو اپنے کمبل اوڑھے بیٹھے آگ تاپتے ہوئے، یا کسی خیمے میں سوتے ہوتے، جس کے پردے کا دروازہ کھلا ہوتا۔

یہ مغل شاہراہوں کے مالک تھے بڑے قصبوں میں ایک داروغہ مامور رہتا جو سڑک کا افسر اعلیٰ ہوتا اور جو اپنے ضلع کا مطلق العنان حاکم ہوتا۔ داروغہ کے پاس ایک منشی ہوتا۔ جو لکھتا جاتا کہ کس سرائے میں کون کون سے لوگ آئے اور کون سا مال و اسباب اس راستے سے گذرا۔

ہر سرائے میں بہت تھوڑے محافظ سپاہی ہوتے اور وہ سرائے کے حاکم کے گرد و پیش خادموں کی طرح رہتے۔ ان کے فرائض بہت ہلکے اور مختصر سے تھے۔ قریب کے علاقوں سے جس چیز کو فراہم کرنے کا انہیں حکم ملتا وہ فوراً فراہم ہو جاتی۔ ادھر کوئی مغل اپنے لمبے بالوں والے ٹٹو پر، کاندھے پر ہلکا سا نیزہ رکھے، چمڑے کی زرہ پہنے، سمور یا ہرن کے چمڑے کا لبادہ پہنے ادھر ادھر دیکھتا نظر آیا، ادھر قریب میں جتنے بھی لوگ تھے سب اس کا حکم سننے کے لئے جمع ہو جاتے ایشیا میں ہمیشہ ہی چھوٹے موٹے قزاق ہوا کرتے تھے۔

اب وہ بالکل غائب ہو گئے تھے کس کی مجال تھی کہ مغلوں کی سرائے سے گھوڑا باندھنے کی رسی تک چرا لے جائے، حالانکہ سرائے میں سب غافل ہی کیوں نہ ہوں یا سو رہے ہوں۔

ان سراؤں میں قیدی مسلمان کاریگروں کے تھکے ماندے قافلے قراقورم جاتے ہوئے دم لینے کو ٹھہرتے۔ ان میں بڑھئی تھے، گویے تھے، اینٹیں بنانے والے، لوہار، تلوار بنانے والے، قالین ساز سب ہی طرح کے کاریگر تھے۔ زمین سے گھرے ہوئے سمندر کے نواح کے ریگستانوں کو پار کرتے ہوئے یہ سردی اور تھکن سے کانپتے اور لڑکھڑاتے جاتے۔ پورا قافلہ اردو کے ایک تنہا مغل سوار کی تحویل میں ہوتا جو ان کا نگہبان بھی ہوتا اور رہبر بھی مگر بچ کے نکل جانے یا بھاگ جانے کی کیا امید تھی اور کیا موقع تھا؟

ان سراؤں میں اور عجیب عجیب قافلے آ کر رکتے۔ زرہ پگڑیوں والے لاما، پوجا چکر، گھماتے ہوئے، ان کی آنکھوں دور دراز کی برفانی چوٹیوں پر جمی ہوئی ہوتیں تبت کی ویران ڈھلانوں سے آئے ہوئے سیاہ پگڑیوں والے لاما، مسکراتے ہوئے ترچھی آنکھوں والے بدھ یاتری جن کی سیاحت کا مقصد یہ ہوتا کہ مہایانا کے راستے پر چلیں جو مقدس بدھ کا راستہ تھا۔ ننگے پاؤں سفر کرنے والے جوگی، لمبے بالوں والے فقیر، اس دنیا سے غافل بھورے لبادے پہنے ہوئے نسطوری پادری جن کو جادو ٹونے زیادہ آتے تھے، لیکن عبادت اور انجیل کے محض چند ہی فقرے یاد تھے۔

اور کبھی کبھی پسینے میں ڈوبے ہوئے طاقتور راہوار پر کوئی سوار آ نکلتا جو پادریوں، پجاریوں اور عمال کے ہجوم کو تتر بتر کر کے، یورتوں کے پاس اپنا گھوڑا روک کے چلا کے ایک لفظ سناتا۔ یہ وہ شخص تھا جو خان کے احکام لایا کرتا تھا اور آرام کئے بغیر دن بھر ایک سو پچاس میل کی مسافت طے کرتا تھا اور اس کے لئے سرائے کا بہترین گھوڑا فوراً تیار کر کے حاضر کر دیا جاتا۔

یہ تھا یام جیسا کہ دو پشتوں کے بعد مارکو پولو نے اپنے سفرنامے میں اس کا تذکرہ کیا ہے جب وہ کام بالو، یعنی خاقانوں کے مستقر کو گیا تھا۔

اب آپ کو جاننا چاہئے کہ خاقان کے قاصد جب خان بالیغ سے سفر کرتے تو ہر پچیس میل کے فاصلے پر راستے میں انہیں ایک سرائے ملتی جو گھوڑوں کی ڈاک کی سرائے کہلاتی۔ ان منزلوں پر ان کے لئے بڑی اور خوبصورت سی عمارت بنی ہوتی جس میں وہ آرام کر سکتے۔ اس عمارت میں تمام کمرے آراستہ بستروں اور بیش قیمت ریشمی پردوں سے مزین ہوتے۔ اگر اس عمارت میں کوئی بادشاہ بھی آکے قیام کرتا تو انہیں آرام دہ پاتا۔

"ان منزلوں میں سے بعض میں چار سو گھوڑے ہوتے، بعض میں دو سو۔ جب قاصد کسی ایسے حصے سے گذرتے جس میں سڑکیں نہ ہوتیں اور ٹھہرنے کا اور کوئی مقام نہ ہوتا تب بھی منزلوں کی سرائیں وہاں بھی ضرور ہوتیں، اگرچہ زیادہ زیادہ فاصلے پر ہوتیں اور ان میں خاقان کے قاصدوں کے لئے تمام ضروریات زندگی فراہم ہوتیں۔ وہ چاہے جس ملک اور جس علاقے سے آئے ہوئے ہوتے، اپنے لئے تمام ضروری اشیاء تیار پاتے۔"

"کبھی کسی شہنشاہ، بادشاہ یا امیر کو اتنی دولت نصیب نہ ہوئی ہوگی، جس دولت کا اندازہ ان سراؤں سے ہوتا ہے، کیونکہ ان سب سراؤں میں تین لاکھ گھوڑوں کی نگہبانی کی جاتی ہے اور جملہ عمارتوں کی تعداد ہزار سے اوپر ہے اور یہ سب اتنے اعلیٰ پیانے پر ہے کہ اس کو پوری طرح بیان کرنے کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔"

"اس طرح ان مقامات سے جو دس دن کی مسافت کے فاصلے پر واقع ہیں، خاقان کو ایک دن اور ایک رات میں اطلاعیں وصول ہو جاتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صبح کو خان بالیغ میں تازہ میوہ توڑ کر جمع کیا جاتا ہے اور دوسری شام کو یہ چاندو ہیں خاقان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ خاقان نے ان قاصدوں کو تمام محاصل معاف کر دیئے ہیں بلکہ اس کے علاوہ انہیں تنخواہیں دی جاتی ہیں۔"

ان کے علاوہ سراؤں میں ایسے بھی آدمی رہتے ہیں جو کسی شدید عجلت یا جلدی کے موقع

پر دن بھر میں دو سو پچاس میل کی مسافت طے کر سکتے ہیں اور پھر رات کو بھی اتنی ہی مسافت طے کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر قاصد ایک چوڑی پیٹی پہنتا ہے، جس میں گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں۔ ان گھنٹیوں کے بجنے کی آواز بہت دور سے آنے لگتی ہے۔ سرائے پہنچ کے قاصد، دوسرے قاصد کو بالکل اسی طرح تیار پاتا ہے۔ اپنا پیغام اسے دے دیتا ہے اور سرائے کا منشی جو اس وقت فوراً حاضر ہو جاتا ہے اسے اس کے علاوہ ایک اور پروانہ دیتا ہے۔ یہ منشی ہر سرائے میں قاصد کے پہنچنے اور روانہ ہونے کے وقت کا اندراج کر لیتا ہے۔

''یہ قاصد سرائے میں تازہ دم گھوڑے بدلتے ہیں جو زین اور ساز سے آراستہ انہیں تیار ملتے ہیں اور ان گھوڑوں پر سوار ہو کے وہ پھر سرپٹ روانہ ہو جاتے ہیں اور اگلی سرائے پر پھر گھنٹیوں کی آواز سن کے پہلے ہی سے گھوڑے تیار کر دیئے جاتے ہیں جس رفتار سے یہ لوگ سواری کرتے ہیں وہ حیرت ناک ہے۔ رات کو وہ بہر حال اتنی تیزی سے سفر نہیں کر سکتے جیسے دن کو، کیونکہ ان کے ساتھ ساتھ پیدل مشعل بردار بھی چلتے ہیں۔''

''ان قاصدوں کی بڑی توقیر ہوتی ہے اگر وہ اپنا پیٹ، سینہ اور سر مضبوط پٹیوں سے نہ باندھیں تو اس قدر تیزی سے ہرگز سفر نہ کر پائیں ان کے پاس ایک لوح پر شہباز کی مہر ہوتی ہے کہ وہ کوئی خاص پیغام لئے جا رہے ہیں اس مہر کی رو سے انہیں اس کا اختیار رہتا ہے کہ اگر راستہ میں ان کا گھوڑا تھک کے ڈھیر ہو جائے تو سڑک پر انہیں جو کوئی مسافر ملے اسے گھوڑے سے اتار کے اس کے گھوڑے پر سوار ہو لیں کسی کی مجال نہیں جو اپنا گھوڑا ان کے حوالے کرنے سے انکار کر سکے۔''

یہ ڈاک کی سڑکیں چنگیز خان کے نظام حکومت میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح تھیں ہر قصبے کے مغل داروغہ کا قدرتی طور پر یہ فریضہ تھا کہ گھوڑوں کے گلہ کی نگہداشت کرے اور قرب وجوار سے ضروری سامان رسد فراہم کرے اس کے علاوہ ان علاقوں میں جہاں اردو برسر جنگ نہ ہوتا چنگیز خاں کے لئے خراج وصول کیا جاتا۔ چنگیز خان کا قانون یا سا ساری

مملکت کا قانون تھا اور اس نے قرآن وحدیث کی جگہ لے لی تھی۔ مردم شماری بھی کی گئی تھی۔

ہر مذہب کے پجاری اور مذہبی پیشوا محاصل سے مستثنیٰ تھے یہی یاسا کا فرمان تھا اردو میں جتنے گھوڑے دشمن سے چھینے جاتے، ان پر نئے مالک کا نشان لگا دیا جاتا۔ خان کے گھوڑوں کا نشان علیحدہ تھا۔

مردم شماری کے کتابچوں کی خانہ پری کے لئے، اور داروغاؤں کے بہی کھاتوں کی تکمیل کے لئے محنتی چینیوں اور ایغوروں نے آمن یا سرکاری دفتر میں صیغے کھول رکھے تھے۔ مغل داروغہ کے علاوہ مفتوحہ علاقہ کے کسی معزز آدمی کو بھی کسی ذمہ دار خدمت پر مامور کرنے کی اجازت دی جاتی۔ اس سے مغلوں کو ضروری اطلاعات اور معلومات ملتیں اور یہ ترجمان کا کام بھی انجام دیتا۔

ایک صوبہ میں چنگیز خان نے ایک شیخ کو شیر کی شبیہہ والی لوح بھی عطا کی۔ اس شیخ کو اختیار حاصل تھا کہ وہ داروغاؤں کے احکامات کو فسخ کر دے۔ جن لوگوں کو سزائے موت مل چکی ہے ان کی جاں بخشی کر دے۔ چنگیز خان نے مقامی حکام کو جب یہ اختیارات دیئے۔ خواہ یہ برائے نام ہی سہی، تو دہشت کی حکومت میں تھوڑی سی کمی پیدا ہوئی۔ ابھی وقت نہیں آیا تھا مگر آنے ہی والا تھا کہ مغلوں کی طرح مفتوحہ قوموں کے لوگ بھی یاسا کے حوالے سے انصاف چاہیں مغلوں کے مزاج میں تلون نہیں تھا۔ فوجی یلغار کی پہلی دہشت اور ابتلا کے بعد مفتوحہ قوموں کے لوگ مغلوں کو کسی قدر روادار پاتے۔

لیکن چنگیز خان کو اگر کوئی فکر تھی تو بس اپنی فوج کی، اور نئی سڑکوں کی، اور اس دولت کی جو مفتوحہ دنیا سے اس کی قوم کی جانب کھنچی چلی آ رہی تھی۔ اردو کے افسر اب نہایت نفیس قسم کی زنجیر اور زرہ کی زرہیں پہنتے اور ان کے قبضے میں دمشق کی تابدار تلواریں تھیں۔ جہاں تک خود چنگیز خان کا تعلق ہے وہ نئے ہتھیاروں کو تو مستقل طور پر بڑے تجسس کی نظر سے دیکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے آسائش کے سامان سے اسے دلچسپی نہ تھی۔ وہ آخر

تک گوبی کا لباس پہنتا رہا اور اس نے اپنی عادتیں نہ بدلیں۔

کبھی کبھی وہ درگذر بھی کر سکتا تھا لیکن جس وقت جیسی موج ہو۔ وہ اس پر تلا ہوا تھا کہ فتح کی مہم کی تکمیل کر لے، کیونکہ یہ مہم ابھی تک نامکمل تھی۔ کبھی کبھی اسے طیش و غضب کا سخت دورہ پڑتا۔ سمرقند کے ایک بڑے ہی کریہہ منظر طبیب کو اس نے اپنا منظور نظر بنا لیا تھا، جو اس کی آنکھوں کا علاج کر رہا تھا۔ چنگیز خاں کی رواداری سے اس شخص میں اتنی جرات بڑھ گئی کہ مغل افسروں کو اس سے تکلف پہنچنے لگی۔ اس نے خان سے ایک بڑی حسین مغنیہ کو مانگا جو اور گنج کی تسخیر کے وقت مغلوں کے ہاتھ لگی تھی۔

چنگیز خاں اس شخص کے اصرار سے بہت محظوظ ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اس لڑکی کو اس کے حوالے کر دیا جائے، لیکن یہ طبیب اس قدر بدشکل تھا کہ یہ اسیر حسینہ اس کی طرف مائل نہ ہوئی اور یہ سمرقندی پھر چنگیز خاں کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوا کہ حسینہ کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کی مرضی کی تعمیل کرے۔ اس پر بوڑھے مغل کو غصہ آ گیا اور اس نے ایسے سب لوگوں کو صلواتیں سنانا شروع کیں جو اپنے حکم کی تعمیل نہیں کرا سکتے اور جو آخر میں غدار بن جاتے ہیں پھر اس نے طبیب کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس موسم خزاں میں چنگیز خان نے تمام اعلیٰ افسروں کو حسب معمول مجلس مشاورت میں شرکت کے لئے بلا بھیجا تھا، لیکن اس کا بڑا بیٹا جوجی نہیں آیا تھا اس نے تحفتہً کئی گھوڑے بھیج دیئے تھے اور معذرت کی تھی کہ میں بیماری کے سبب سے نہیں آ سکتا۔

اردو کے بعض شہزادے جوجی کو پسند نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ اس کی پیدائش اور اس کا نطفہ مشکوک ہے اور اسے ''تاتار'' کہہ کے پکارتے تھے انہوں نے چنگیز خاں کو سمجھایا کہ اس کے فرزند اکبر نے قرولتائی میں شرکت نہ کر کے اس کے حکم سے سرتابی کی ہے۔ بوڑھے مغل نے اس افسر کو بلا بھیجا، جو جوجی کے پاس سے گھوڑے لے کے آیا تھا اور پوچھا کہ کیا جوجی سچ مچ بیمار ہے۔

قپچاق سے جو قاصد آیا تھا، اس نے کہا ''یہ تو میں نہیں جانتا، لیکن جب میں روانہ ہوا تھا

تو وہ شکار کھیلنے میں مصروف تھا۔''

غصہ کے عالم میں چنگیز خاں اپنے خیمے میں چلا گیا اور اس کے افسروں کو توقع تھی کہ اب وہ نافرمانی کی سزا دینے کے لئے جوجی کے خلاف حملہ کرے گا اس کے برعکس اس نے اپنی منشی سے ایک خط لکھوایا اور اسے قاصد کے حوالے کیا کہ وہ مغرب کا راستہ لے چنگیز خاں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اردو میں پھوٹ پڑ جائے اور شاید اسے بھروسا تھا کہ اس کا بیٹا اس کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے سوبدائی بہادر کو حکم دیا تھا کہ وہ یورپ سے واپس لوٹ آئے اور جوجی جہاں کہیں ملے اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اردو کے قلب کو واپس آئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

بیسواں باب :: دریائے سندھ کے کنارے جنگ

اس اہم موسم خزاں میں پیہم عمل کے سوا اور کسی بات کے لئے وقت نہ تھا۔ ہرات اور دوسرے کئی شہروں نے فاتحوں کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ جلال الدین خوارزم شاہ مشرق میں فوج جمع کر رہا تھا۔ ہندوکش کے مشرق سے ہراول دستوں کی یہی اطلاع تھی۔ چنگیز خاں کی تجویز یہ تھی کہ خوارزمی شہزادے کے مقابلے کے لئے تولی کو بھیجے جس پر وہ اپنے اور سپہ سالاروں سے زیادہ اعتماد کرتا تھا، لیکن اسی زمانے میں ہرات کی بغاوت کی خبر ملی، اس لئے بہت بڑی فوج کے ساتھ تولی کو مغرب میں خراسان بھیجا گیا۔

خوارزمی فوج کی تلاش اور استیصال کے لئے ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ خود چنگیز خان نے میدان کا رخ کیا اس کے راستے میں کوہ بابا کے کہساروں میں بامیان کا مسلح شہر پڑتا تھا۔ وہ خود اس کا محاصرہ کرنے کے لئے ٹھہر گیا اور اپنی فوج کا بڑا حصہ ایک اور ارخون کی سرکردگی میں جلال الدین خوارزم شاہ سے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔

کچھ عرصہ بعد قاصد بامیان اس خبر کے ساتھ آ پہنچے کہ جلال الدین کے ساتھ ساٹھ ہزار فوج ہے اور یہ کہ مغل سپہ سالار سے اس کا مقابلہ ہوا اور مغل سپہ سالار نے خوارزمیوں کی اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا کہ وہ چھپ کر اس پر حملہ کر سکیں۔ ہراول کے دستے اور پیش قدمی کرنے والے سپاہی خوفناک خوارزمی شہزادے کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے ہیں۔

واقعہ جو پیش آیا یہ تھا کہ اس نازک موقعہ پر ایک افغان فوج جلال الدین کے ساتھ آ ملی تھی اور اس کی قوت دگنی ہوگئی تھی کچھ ہی عرصہ بعد یہ خبر ملی کہ ترکوں اور افغانوں نے مغل ارخون کو شکست دے کر اس کے سپاہیوں کو پہاڑوں میں دھکیل دیا ہے۔

چنگیز خاں نے نئے سرے سے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ بامیان کے شہر پر حملہ کیا جو اس کے راستے میں حائل تھا۔ محصورین نے اس سارے علاقہ کو پہلے ہی سے ویران کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے پتھر تک دور دور ہٹا دیئے تھے تا کہ مغل انہیں اپنی

منجنیقوں میں استعمال نہ کر پائیں۔ وہ ساز و سامان جس کے ساتھ مغل اب تک عام طور پر لڑتے آئے تھے، ان کے ساتھ نہ تھا اور فصیلوں کے مقابلے میں انہوں نے جو لکڑی کے برج کھڑے کئے تھے ان پر قلعہ سے روغن نفت میں ڈوبے ہوئے آتش گیر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی تھی، یہاں تک کہ مغلوں نے مویشیوں کو کاٹ کے ان کی بھیگی ہوئی کھالوں کو ان لکڑی کے برجوں پر آگ سے بچانے کے لئے منڈھ دیا۔

چنگیز خان نے آخری ہلے کا حکم دیا، جس کے معنی یہ تھے کہ جب تک قلعہ سر نہ ہو جائے حملہ جاری رہے۔ عین اس وقت اس کا ایک پوتا جو فصیل کے نیچے تک اس کے ساتھ ساتھ آیا تھا مارا گیا۔ بوڑھے مغل نے حکم دیا کہ اس لڑکے کی لاش جس کو وہ اس کی ہمت اور جرات کی وجہ سے بہت چاہتا تھا، خیموں میں پہنچا دی جائے۔

اس نے اپنی فوج کو آخری ہلے پر اکسایا، اپنا خود اتار پھینکا اور خود سپاہیوں کی صفوں میں گھستا ہوا، اس دستے کی رہنمائی کے لئے جا پہنچا جو قلعہ کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا ایک جگہ قلعہ کی فصیل میں شگاف تھا۔ یہاں مغلوں کے قدم جم گئے اور بہت جلد بامیان پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ فصیل کے اندر ہر جاندار کو تہ تیغ کیا گیا اور مسجدوں اور محلوں کو مسمار کر دیا گیا، یہاں تک کہ مغل بھی بامیان کو ''مو بلیغ''یعنی بلدہ غم کہتے تھے۔

لیکن چنگیز خان فوراً بامیان کو چھوڑ کے اپنے منتشر لشکروں کو اکٹھا کرنے نکل کھڑا ہوا، یہ دستے پہاڑیوں سے ہوتے ہوئے اس کی طرف آ ہی رہے تھے۔ شکست کھانے پر بھی یہ ایسے زیادہ بد حال نہیں ہوئے تھے۔ خان نے ان سب دستوں کو اکٹھا کیا اور ان کی وفاداری اور ثابت قدمی کی تعریف کی۔ بجائے اس کے کہ وہ اس بدنصیب ارخون پر الزام دھرتا جس نے جلال الدین خوارزم شاہ کے ہاتھوں شکست کھائی تھی، وہ اس کے ساتھ ساتھ اس میدان جنگ کا معائنہ کرنے گیا اور جنگ کی تفصیلیں پوچھتا رہا، ارخون کو سمجھتا رہا کہ اس نے کس کس موقع پر کیا غلط چال چلی۔

خوارزمی شہزادے نے فتح کے بعد اپنی قابلیت کے جوہر اس طرح نہ دکھائے، جیسے

شکست کے عالم میں اس نے اپنی پامردی اور ہمت کے جوہر دکھائے تھے۔ اس کے لئے وہ لمحے بڑے فخر کے تھے، جب اس کے سپاہیوں نے مغل سپاہیوں کو عذاب دے دے کے مارا تھا اور جنگ میں لوٹے ہوئے گھوڑے اور ہتھیار آپس میں بانٹ لئے۔ لیکن افغانی اس کے افسروں سے لڑ کر اسے چھوڑ کے چلے گئے۔

چنگیز خاں اس کے خلاف پیش قدمی کر رہا تھا۔ ایک فوج کو اسنے الگ روانہ کیا تھا کہ افغانوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کرے، جلال الدین غزنی کے مشرق کی طرف پیچھے ہٹا، لیکن مغل تیزی سے اس کا پیچھا کر رہے تھے اس نے نئے حلیفوں کو اپنی کمک کے لئے بلانے کو قاصد بھیجے، لیکن ان کے راستے میں مغل حائل تھے، جو تمام دروں پر قابض تھے اور ان کی نگرانی کر رہے تھے اپنی تیس ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین خوارزم شاہ پہاڑیوں سے نیچے اتر کے دریائے سندھ کی وادی میں پہنچا۔

اسے امید تھی کہ دریائے سندھ کو عبور کر لے تو پھر اسے دہلی کے سلطان کی مدد حاصل ہو جائے گی، لیکن مغل جو غزنی میں اس سے پانچ روز کی مسافت پر تھے، اب اس سے نصف روز کے فاصلے پر آ گئے تھے۔ اس دوران میں چنگیز خان نے اپنی فوج کو صرف کھانا پکانے کے لئے گھوڑوں سے اترنے کی اجازت دی تھی۔

جان پر کھیل کے خوارزم کے شہزادے نے دریا کا رخ کیا اور یہ دیکھا کہ وہ ایسے مقام پر ہے جہاں دریا کا بہاؤ اتنا تیز اور پانی اتنا گہرا ہے کہ دریا کو پار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آخری مقابلے کے لئے پلٹا۔ اس کا بایاں پہلو ایک پہاڑ کے تلے محفوظ تھا اور اس کے دائیں بازو پر دریا کا موڑ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔

مسلمان بہادر جو اپنی آبائی سر زمین سے نکالے گئے تھے، بے رحم مغلوں سے طاقت آزمائی کے لئے تیار ہوئے جلال الدین خوارزم شاہ نے حکم دیا کہ کنارے پر جتنی کشتیاں ہیں جلا دی جائیں تا کہ اس کے سپاہیوں کے دل میں بچ کے بھاگ نکلنے کا خیال بھی نہ آ سکے۔ میدان جنگ میں اسے موقع کی جگہ مل گئی تھی، اب اس کا فرض تھا کہ یا تو اس جگہ کو

سنبھالے یا نیست و نابود ہو جائے۔

صبح تڑکے مغل سارے محاذ پر آگے بڑھے، جب وہ اندھیرے کے کم ہونے پر نظر آئے تو باقاعدہ صف آرا تھے چنگیز خان اور اس کا نشان اور خاقانی محافظ دستہ کے دس ہزار سپاہی قلب لشکر کے پیچھے تھے شروع شروع میں انہوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔

سب سے پہلے تیز و تند خوارزمی شہزادے نے اپنے سپاہی آگے بڑھائے۔اس کا میمنہ جو مسلمان فوجوں کا سب سے طاقتور عنصر ہوا کرتا تھا۔امین الملک کی سرکردگی میں مغلوں کے میسرے سے دوچار ہوا اور اس پر اس شجاعت سے حملہ کیا کہ مغلوں کو دریائے سندھ کے کنارے کنارے پیچھے ہٹنا پڑا۔حسب معمول مغل دستوں میں بٹ کے منتشر ہو گئے خان کے ایک بیٹے کے جھنڈے تلے پھر جمع ہوئے اور پھر منتشر کر دیئے گئے۔

سیدھے ہاتھ کی طرف اونچے سنگلاخ پہاڑوں کی وجہ سے مغل رک گئے تھے یہاں وہ ٹھہر گئے جلال الدین نے اس مقام سے کچھ دستے ہٹا کے امین الملک کے بڑھتے ہوئے میمنے کی کمک کو بھیجے۔چند پہر بعد اس نے پہاڑوں کی حفاظت کرنے والے حصے سے کچھ اور دستے ہٹا لئے تا کہ اپنے قلب لشکر کو اور مضبوط بنائے۔

تقدیر کے ایک داؤں میں یا فتح حاصل کرنے اور یا سب کچھ کھونے کا فیصلہ کر کے اپنی فوج کے منتخب دستوں کے ساتھ اس نے مغلوں کے قلب لشکر پر دھاوا کیا اور مغلوں کو کاٹتا ہوا، مغلوں کے نشان اور چنگیز خان کو ڈھونڈھتا ہوا ان کے قلب میں گھس گیا لیکن بوڑھا مغل وہاں تھا ہی تھا۔اس کا گھوڑا زیر ران مارا جا چکا تھا اور وہ کسی اور گھوڑے پر سوار ہو کے اور کسی طرف چلا گیا تھا۔

تھوڑے دیر کے لئے معلوم ہوتا تھا کہ خوارزمیوں نے فتح حاصل کر لی اور مسلمانوں کے نعرے گھوڑوں کی ٹاپ، تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ پکار کے درمیان بلند ہوئے۔

مغل قلب لشکر جو اس دھاوے سے ہل گیا تھا، جم کے لڑتا رہا۔چنگیز خان نے دیکھ

لے اٹھا کہ خوارزمیوں کے میسرے کے تقریباً سارے کے سارے سپاہی دوسرے حصوں میں بھیج دیئے گئے ہیں۔ اس نے حکم دیا کہ بلانویان کی سرکردگی میں ایک تومان جس طرح ممکن ہو پہاڑوں کے اس پار پہنچ جائے اور جن نقیبوں سے وہ سوالات پوچھ رہا تھا انہیں کو اس نے اس تومان کے رہبر بنا کے بھیجا۔ یہ مغلوں کی پرانی الٹ دینے والی چال تھی، جس سے وہ اپنے نشان کے ساتھ دشمن پر چھا جاتے تھے۔

بلانویان اور اس کے سپاہی رہبروں کے ساتھ دشوار گذار گھاٹیوں میں ہوتے ہوئے، سنگلاخ اور نا قابل عبور چٹانوں پر چڑھتے ہوئے آگے بڑھے، کچھ سپاہی نیچے گھاٹیوں میں جا گرے۔ لیکن سہ پہر کو اس تومان کا بڑا حصہ چوٹی پر جا پہنچا اور اس جگہ کی حفاظت کے لئے جلال الدین خوارزم شاہ نے جو تھوڑے سے سپاہی باقی چھوڑے تھے ان پر پل پڑا۔ پہاڑوں کی اس فصیل کی طرف سے خوارزمیوں کا بازو محصور ہو گیا۔ بلانویان نے اپنے دشمنوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

اس درمیان میں چنگیز خان اپنے ساتھ دس ہزار بھاری سواروں کو لے کر قلب لشکر کی جانب نہیں جہاں جلال الدین خوارزم شاہ کے حملے کا خطرہ بہت زیادہ تھا، بلکہ اپنے شکست خوردہ میسرے کی مدد کو جا پہنچا۔ اس کے حملے سے امین الملک کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کے تعاقب میں چنگیز خان نے وقت ضائع نہیں کیا، اپنے دستوں کو موڑ کے اس نے جلال الدین خوارزم شاہ کے پہلو پر حملہ کیا جو قلب میں اس کے قلب لشکر سے لڑ رہا تھا دریا کے پاس جلال الدین خوارزم شاہ کا جو دستہ تھا وہ اس کے اور جلال الدین کے درمیان حائل ہو گیا۔

شیر دل لیکن تھکے ماندے مسلمان اس بوڑھے مغل کی چالاکی اور فراست سے بالکل مجبور ہو گئے۔ یہ آخری چالیں اس نے اس طرح چلی تھیں جیسے کوئی شطرنج میں شہ دیتا ہے بڑی تیزی اور سفاکی سے انجام قریب آ گیا۔ جلال الدین نے یاس کے عالم میں ایک آخری کوشش کر کے چنگیز خان کے محافظ دستوں پر حملہ کیا، اور کوشش کی کہ اپنی فوج کو دریا

کے کنارے ہٹا لے مغلوں نے اس کا تعاقب کیا اس کے دستے منتشر کر دیئے گئے بلانویان اس پر پورا دباؤ ڈال رہا تھا اور بالاخر جب جلال الدین خوارزم شاہ دریا کے اونچے کرارے دار کنارے پر پہنچا تو اس کے ساتھ صرف سات سو ساتھی زندہ بچے تھے۔

یہ جان کر کہ خاتمہ کا وقت آ گیا، جلال الدین خوارزم شاہ ایک تازہ دم گھوڑے پر سوار ہوا، اپنی زرہ اتار پھینکی اور اپنی تلوار ایک کمان اور پھر ترکش بھر تیر لے کے اونچی چٹان سے دریا کے تیز دھارے میں، اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر کود پڑا اور دراز کنارے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

چنگیز خاں نے حکم دیا تھا کہ شہزادے کو زندہ گرفتار کیا جائے مغل اب آخری خوارزمیوں کو گھیر چکے تھے اور خان نے اپنے گھوڑے کو چابک لگایا اور جنگ کے میدان سے ہوتا ہوا دریا کے کنارے پر پہنچا، جہاں اس نے بیس فٹ اونچی چٹان سے سوار شہزادے کو دریا میں کودے دیکھا تھا تھوڑی دیر تک وہ خاموشی سے جلال الدین خوارزم شاہ کو دیکھتا رہا، پھر انگشت بدنداں ہو کے اس نے بے ساختہ تحسین و آفرین کی:

''وہ باپ خوش قسمت ہے جس کا بیٹا اتنا بہادر ہو''

اس نے جلال الدین خوارزم شاہ کی جرات اور شجاعت کی تعریف میں دریغ نہیں کیا، لیکن وہ اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کچھ مغلوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے تعاقب میں دریا کو تیر کے پار کریں، لیکن چنگیز خان نے اس کی اجازت نہ دی اس نے جلال الدین خوارزم شاہ کو تیز دھارے اور دریا کے تموج کے باوجود دوسرے کنارے پر پہنچتا دیکھا۔ دوسرے دن اس نے ایک تومان بلانویان کی سرکردگی میں بھیجا کہ دریا کو ایک پایاب مقام سے پار کرے یہ بلانویان وہی سردار تھا جس نے سنگلاخ چٹانوں اور چوٹیوں پر چڑھ کے خوارزمیوں کی فوج پر پہلو سے حملہ کیا تھا۔

بلانویان نے ملتان اور لاہور کو تاراج کیا۔ گریزاں شہزادے کا پتا چلا کے تعاقب بھی کیا، لیکن پھر دہلی جانے والے قافلوں کے ہجوم میں اس کا کھوج نہ لگ سکا۔ گوبی کی سطح

مرتفع کے باشندوں کو یہاں کی شدید گرمی بڑی عجیب معلوم ہوئی اور بلانویان نے واپس پلٹ کے خان سے عرض کی۔

''اس مقام کی گرمی سے آدمی مر جاتے ہیں اور یہاں کا پانی نہ تازہ ہے نہ صاف ہے۔''

اس طرح شمالی حصے کے علاوہ باقی ہندوستان مغلوں کی فتح سے بچ گیا جلال الدین زندہ بچ گیا لیکن اس کی عظمت کا وقت نکل گیا تھا۔پھر بھی وہ مغلوں کے اردو سے لڑتا رہا لیکن اب اس کی حیثیت ایک آوارہ گرد بہادر کی تھی جس کا اپنا کوئی وطن نہ ہو۔

دریائے سندھ والی لڑائی آخری جنگ تھی جس میں خوارزمیوں کی عسکری طاقت نے مغلوں کا جم کے مقابلہ کیا۔تبت سے بحیرہ خزرتک مقاومت ختم ہوچکی تھی اوراس مملکت کی باقی ماندہ آبادی فاتحوں کی غلام بن چکی تھی جب یہ جنگ ختم ہوئی تو، جیسا کہ ختا کی لڑائیوں کے بعد ہوا تھا، بوڑھے مغل کو اپنے وطن کی یاد ستانے لگی۔

اس نے کہا ''میرے بیٹوں کو ایسے ملکوں اور شہروں میں رہنے کی تمنا ہوگی مجھے تو نہیں ہے۔''

ایشیائے بعید میں اس کی ضرورت تھی۔ اہل ختا کے کاندھوں پر مغلوں کا جوا مضبوطی سے جما چکنے کے بعد مقولی بہادر وفات پا چکا تھا۔ گوبی میں خانوں کی مجلس مشاورت بے چین تھی اور آپس میں حجت اور تکرار کر رہی تھی۔ ہیا کی سلطنت میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی ۔وہ یہ جانتا تھا کہ ہیا کا علاقہ جو تبت کے دور دراز ڈھلانوں کے پس ہے، کوئی آٹھ سو میل دور ہوگا اور وہاں پہنچنے کے لئے اس نے کشمیر کی طویل وادیوں کا رخ کیا لیکن سکندر اعظم کی طرح اس نے دیکھا کہ نا قابل عبور پہاڑی سلسلے اس کے راستے میں حائل ہیں۔اس دشواری کو دیکھ کے اس نے سکندر سے زیادہ عقلمندی دکھائی اور بلا پس و پیش دنیا کی چھت پامیر سے ہوتا ہوا واپس لوٹا تا کہ کاروانوں کی اس شاہراہ پر سفر کرے، جو اس نے اپنے حملے کے وقت خود تیار کروائی تھی۔

اس نے پشاور کو تاراج کیا اور تیزی سے کوچ کرتا ہوا سمرقند واپس پہنچا۔ 1220ء کے موسم بہار میں اس نے سمرقند کی دیواروں اور اس کے باغات کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اور اب 1221ء کی خزاں میں دنیا کی چھت کے سائے میں وہ جو کام کرنے نکلا تھا پورا کر چکا تھا۔

دانا لیو چتسائی نے رائے دی کہ ''اب وقت آ گیا ہے کہ قتل و غارت کو ختم کیا جائے۔''

جب مغل اردو جنوب کے ویرانوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا واپس ہوا تو چنگیز خان نے حسب معمول حکم نافذ کیا کہ تمام اسیران جنگ کا قتل عام کیا جائے۔ اس طرح وہ بدنصیب ہجوم جو ان خانہ بدوشوں کے ہجوم کے پیچھے پیچھے گھسٹتا چلا آتا تھا ختم کر دیا گیا۔ مسلمان بادشاہوں کی حرم سراؤں کی خواتین اور بیگمات جن کو پکڑ کے مغل گوبی لئے جا رہے تھے، انہیں اجازت دی گئی کہ سڑک کے کنارے اپنے ملک کو آخری بار دیکھ کے رو دھولیں۔

معلوم ہوتا ہے کبھی کبھی ایک آدھ لمحہ ایسا بھی آیا کہ بوڑھے مغل نے اپنی فتوحات کے مطلب پر غور کیا۔

اس نے ایک مسلمان عالم سے پوچھا ''کیا تیری رائے میں بنی نوع انسان کو میری خونریزی یاد رہے گی'' اس نے چین اور عالم اسلام کے اس علم و فضل کے متعلق سوچا جسے سمجھنے کی اس نے کوشش کی اور پھر بہت جلد اس کی دلچسپی ختم ہو گئی ''میں نے داناؤں کی دانشمندی پر غور کیا ہے اب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے خونریزی تو کی ہے، لیکن یہ جانے بغیر کہ یہ ٹھیک تھی یا نہیں، لیکن داناؤں کی دانشمندی کی مجھے کیا پروا؟''

جو پناہ گزیں سمرقند میں جمع ہو گئے تھے اور جو خوف سے کانپتے ہوئے اس کی خدمت میں تحفے لے آئے تھے وہ ان سے مہربانی سے پیش آیا۔ اس نے ان سے باتیں کیں۔ نئے سرے سے انہیں ان کے بادشاہ خوارزم شاہ کی کمزوریاں سمجھائیں کہ نہ اسے اپنے وعدے پر قائم رہنا آتا تھا اور نہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرنا۔ اس نے ان مفتوحہ آدمیوں ہی میں سے صوبہ دار اور گورنر مقرر کئے اور جس طرح کے انسانی حقوق اس زمانے میں

ممکن تھے انہیں عطا کئے یعنی یاسا کے مطابق ان کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے بیٹوں نے ان لوگوں پر حکومت کی۔

دنیا کا فاتح، اپنے زخموں کی خراش کو اب زیادہ محسوس کرنے لگا تھا اور یہ سمجھ گیا تھا کہ اب اس دنیا میں اسے زیادہ نہیں رہنا ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ نظم ونسق مکمل ہو جائے۔ بغاوت فرو ہو جائے، یاسا کا قانون نافذ ہو لے اور اس کے بیٹے حکومت سنبھال لیں۔

اس نے ڈاک کی سڑکوں پر تمام سرداروں کے پاس ہرکارے بھجوائے کہ مسیحوں دریا کے کنارے، اسی مقام کے قریب جہاں سے اس نے خوارزم شاہ کی سرحد میں قدم رکھا تھا، ایک بڑی مجلس مشاورت میں آ کے شریک ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اکیسواں باب :: قرولتائی

اس مجلس مشاورت کے لئے جو مقام تجویز کیا گیا تھا، وہ سات میل کے قریب قطر کا ایک سبزہ زار تھا۔ مغلوں کو سوچ بچار کے لئے اس سے بہتر مقام شاید ہی کہیں ملتا۔ کیونکہ یہاں دریا کے پاس کے دلدلوں میں مرغابیاں افراط سے تھیں اور ہری بھری اونچی اونچی گھاس میں تیتر اڑتے پھرتے تھے۔ چراگاہوں کی کوئی حد نہ تھی اور ڈھلانوں پر شکار افراط سے تھا۔ یہ ابتدائے بہار کا زمانہ تھا اور اسی زمانے میں قرولتائی منعقد کرنے کا دستور تھا۔

حکم کی تعمیل میں پابندی کے ساتھ اردو کے سرداروں کی سواریاں آنے لگیں، صرف مختئی سوبدائی بہادر جو یورپ سے بلایا گیا تھا۔ ذرا دیر بعد پہنچا۔

ربع مسکون کے ہر گوشے سے یہ سردار آئے، یہ مغل سلطنت کے شہباز تھے۔ دور دراز صوبوں کے سپہ سالار، گردش کرنے والے ترخان، محکوم سردار اور ایلچی خانہ بدوش بہادروں کے اس مستقر کو وہ بہت دور دور سے سفر کر کے آئے تھے اور معمولی خدم وحشم کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ ختا سے آنے والے کبت کاؤں کو ٹھاٹھ کی جوڑی والے بیل کھینچ کے لائے تھے، جو ریشمی غلاف پہنے تھے، چبوتروں پر محکوم ملکوں سے چھینے ہوئے جھنڈے اور پرچم لہرا رہے تھے۔

تبت کی ڈھلانوں سے جو سردار آئے تھے ان کی بند گاڑیوں پر چمڑے کا سنہرا کام تھا اور انہیں سست رو لمبے بالوں والے یاک کھینچ کے لائے تھے، جن کے سینگ بہت چوڑے ہوتے ہیں اور جن کی میں ریشم کی طرح ملائم ہوتی ہیں۔ مغلوں کے یہاں ان جانوروں کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ امیر جنگ تولی خراسان سے اپنے ساتھ اونٹوں کی قطاریں لایا تھا۔ چغتائی جو برف پوش پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا آیا تھا اپنے ساتھ ایک لاکھ گھوڑے لایا تھا۔ اردو کے یہ سارے سردار کمخواب اور طلائی اور نقرئی جاموں میں ملبوس تھے، جن پر وہ سمور کے لبادے اور بھیڑیوں کی بھوری نقرئی کھالیں اوڑھے تھے، تا کہ ان

کے بیش قیمت کپڑے میلے نہ ہو جائیں۔

طیان شان سے قوم ایغور کا سردار ایدیقوت آیا تھا جو تمام حلیفوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ چوڑے چہرے والے قرغیز عیسائیوں کا شیر بادشاہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تھا کہ مغل فاتح کا حلیف بنے۔ لمبے اونچے ترکمان بڑے شاندار لبادے پہنے آئے تھے۔

گھوڑوں کا ساز اب موسم زدہ چمڑے کا نہیں تھا بلکہ کھنکھناتی ہوئی لوہے کی زنجیروں کا تھا، گھوڑوں کے ساز پر چاندی کا مرصع کام صیقل اور جڑے ہوئے ہیروں سے چمک رہا تھا۔

گوبی سے ایک بڑا چھیتا لڑکا قوبیلائی آیا تھا، جو تولی کا بیٹا تھا۔ قوبیلائی کا عمر ابی نو سال تھی۔ اسے شکار میں پہلی مرتبہ شریک ہونے کی اجازت دی گئی اور شہنشاہ کے پوتے کے لئے یہ بڑے فخر کی بات تھی۔ چنگیز خاں نے خود اپنے ہاتھوں یہ رسم ادا کی۔

اردو کے سردار اب قرولتائی کے مقام پر جمع ہو گئے تھے یہ ایک اتنا بڑا سفید شامیانہ تھا کہ اس میں دو ہزار آدمی آسانی سے سا سکتے تھے اس کا ایک دروازہ صرف چنگیز خان کے استعمال کے لئے تھا۔ جنوب کے دروازے پر جو سپاہی ڈھالیں لئے ہوئے سوار کھڑے تھے، وہ محض محافظ دستہ کے تھے۔ اردو کا نظم وضبط اتنا سخت تھا اور اس نئ سلطنت کے معمول اس قدر معین تھے کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بلا اجازت مغل فاتح کے اقامت کے خیموں کے قریب پہنچ سکے۔

گوبی میں پہلے چنگیز خاں کی خدمت میں گھوڑے اور عورتیں اور ہتھیار پیش کئے جاتے تھے اب اردو کے سرداروں اور محکوم حکمرانوں نے اسے نئ طرح کے تحفے دیئے ایسے بیش بہا مال اور جواہر جو نصف کرہ ارض کے خزانوں سے لوٹ لوٹ کے فراہم کئے گئے تھے مورخ کا بیان ہے ''ایسی دولت وشان اس سے پہلے کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آئی۔''

اس مغل سلطنت کے شہزادے اب گھوڑیوں کے دودھ کے بجائے شہد کھا رہے تھے اور

ایران کی سفید اور سرخ شرابیں پی رہے تھے خان نے بھی اعتراف کیا تھا کہ اسے شیراز کی شراب بہت پسند ہے۔

اس وقت وہ محمد خوارزم شاہ کے تخت پر بیٹھا تھا جسے وہ سمرقند سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے پاس ہی اس مرحوم مسلمان بادشاہ کا تاج اور شاہی عصا رکھا تھا۔ جب قرولتائی کا آغاز ہوا۔ تو خوارزم شاہ کی والدہ کشاں کشاں لائی گئی۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں۔ خوارزم شاہ کے تخت کے نیچے جانوروں کے بالوں کا بنا ہوا خاکی سمور کا ٹکڑا پڑا تھا۔ یہ گوبی میں اس کی سرداری کی مسند تھی۔

مشرق سے آئے ہوئے سرداروں کو اس نے اپنے گذشتہ تین برسوں کی فتوحات کی داستان سنائی اس نے متانت سے کہا ''یاسا کی برکت سے میں نے بہت بڑی سلطنت پر قبضہ کیا ہے تم اس کے قوانین کی پابندی کرتے رہنا۔''

اس ہوشیار مغل نے اپنے کارنامے گنانے میں وقت ضائع نہ کیا اب اسے جو حاصل کرنا تھا وہ یہ تھا کہ اس کے سارے سردار قانون کی پابندی کریں اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی تھی کہ وہ خود سب کو مشورہ دے۔ اس کے سردار اپنے طور پر خود جنگ کر سکتے تھے اور اسے معلوم تھا کہ اگر ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی تو یہ بڑی خرابی کی بات ہو گی۔ اپنی فتوحات کی وسعت کا اندازہ کرانے کے لئے اس نے یکے بعد دیگرے ایلچیوں کو اپنے تخت کے نزدیک بلوایا۔

''اپنے تینوں بیٹوں کو اس نے یہ کہہ کے تنبیہہ کی'' آپس میں ہرگز نہ لڑنا جھگڑنا، سب بے چون و چرا وغدائی سے وفاداری کرنا۔

اس کے بعد قرولتائی میں مہینہ بھر جشن ہوتا رہا اور اس درمیان میں دو ایسے مہمان پہنچے جن کا بڑا انتظار تھا۔ پولینڈ کی سرحد سے سوبدائی بہادر آیا تھا اور اپنے ساتھ جوجی کو لیتا آیا تھا۔

چنگیز خان کے سب سے بڑے بیٹے کو تجربہ کار ارخون ڈھونڈ لایا تھا اور اسے راضی کر لیا

تھا کہ قرولتائی میں شرکت کرے اور پھر سے اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہو جوجی چنگیز خاں کے سامنے حاضر تھا اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اس کے سامنے دوزانو تھا۔ اس سے اس بوڑھے فاتح کو بڑی مسرت ہوئی کیونکہ وہ جوجی کو بہت چاہتا تھا، اگرچہ اپنی محبت کو وہ ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔

یورپ کی چراگاہوں کا فاتح سوبدائی بہادر اپنے آقا کے لئے تحفتہً ایک لاکھ قچاقی گھوڑے لایا تھا جوجی کو دربار زیادہ پسند نہ تھا، اس نے دولگا کے کنارے واپس جانے کی اجازت چاہی اور اسے یہ اجازت مل گئی۔

جشن ختم ہوا، چغتائی پہاڑوں پر چلا گیا، دوسرے اردوؤں نے قراقورم کا راستہ لیا۔ مورخ کا بیان ہے کہ روزانہ چنگیز خاں سوبدائی بہادر کو بلا بھیجتا اور اس سے یورپ کے ملکوں کے حالات پوچھتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بائیسواں باب :: اتمام کار

اپنے وطن واپس پہنچ کے زندگی کے باقی دن وہاں گذارنا چنگیز خان کی قسمت میں نہیں لکھا تھا۔ اس کے بیٹوں کے لئے سب کام مکمل ہو چکے تھے صرف دو کی کسر رہ گئی تھی۔ جس دنیا کا بوڑھے چنگیز خان کو علم تھا۔ اس میں صرف دو دشمن قوتیں باقی رہ گئی تھیں، ایک تو تبت کے قریب کی جھگڑالو ہیا سلطنت، دوسرے جنوبی چین میں سنگ خاندان کی پرانی حکومت۔۔۔ اس نے قراقورم میں اپنے لوگوں کے ساتھ موسم گذارا، بورتائی اس کے ساتھ تھی اور پھر وہ سوار ہو کے نکل کھڑا ہوا سوبدائی بہادر کو سنگ کی سرزمینوں کی فتح کے لئے بھیجا اور ہیا کے صحراؤں کے قبائل کی سرکوبی کا خود چنگیز خان نے بیڑا اٹھایا۔

اور اس میں اس نے کامیابی حاصل کی جاڑوں کے موسم میں منجمد دلدلوں کو عبور کر کے جب وہ پہنچا تو اس نے اپنے قدیم دشمنوں کو وہاں اکٹھا پایا۔۔۔۔ بچے کھچے ختائی مغربی چین کی فوجیں، ترک اور ہیا کی تمام فوجیں تاریخ میں ہمیں تباہ کاری اور بربادی کی بھیانک تصویر نظر آتی ہے۔۔۔ سمور پوش مغل ایک منجمد دریا کے برف پر کس طرح لڑتے ہوتے گذرے، ان کے مقابل جو متحدہ محاذ تھا۔ اس نے اکٹھا ہو کے چنگیز خان کے قلب لشکر پر کس طرح حملہ کیا اس لڑائی میں تین لاکھ آدمی مارے گئے۔

اور پھر عبرت ناک انجام دھوکا کھا کے، زیروزبر ہو کے، گریزاں شکار کی طرح متحدین کے باقی سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے مغل اردو کے راستے میں جتنے ایسے آدمی آئے جو ہتھیار اٹھا سکتے تھے، انہیں قتل کر دیا گیا ہیا کا بادشاہ بچ کے ایک پہاڑی قلعہ میں جا چھپا، جو برف پوش چوٹیوں اور گھاٹیوں میں محفوظ تھا اور وہاں سے اس نے جابر خان کو اطاعت نامہ لکھ بھیجا۔ اپنی منافرت اور ریاس کو دوستی کے پردے میں چھپا کے اس نے درخواست کی کہ جو غلطی ہو چکی ہے وہ معاف کر دی جائے۔

چنگیز خاں نے اس کے ایلچیوں کو جواب دیا "اپنے آقا سے کہہ دینا کہ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ میں اس کو بھول چکا میں تمہارے آقا کو اپنا دوست سمجھوں گا۔"

لیکن چنگیز خاں جنگ کو ختم کرنے پر تیار نہ تھا۔ جس طرح ان متحدین کا سر نیچا کیا گیا تھا۔ اسی طرح سنگ کے باشندوں کو شکست دینا تھی درمیانی جاڑوں میں اردو نے قدیم چین کی سرحدوں کی طرف کوچ کیا دانائے کامل لیوچتسائی نے سنگ کو نیست ونابود کرنے کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

اگر تو ان سب آدمیوں کو مار ڈالے گا تو تیری مدد کون کرے گا اور تیرے بیٹوں کے لئے دولت کون پیدا کرے گا؟

بوڑھے فاتح نے غور کیا، شاید یہ یاد کیا کہ جب وہ آباد زمینوں کو ویران کر چکا تو چین کے داناؤں ہی کی بدولت نظم ونسق برقرار رہ سکا خلاف توقع اس نے جواب دیا ''میں تجھے مفتوحہ قوموں کا سردار بناتا ہوں۔۔۔ میرے بیٹوں کی خدمت وفاداری سے کرنا''

لیکن وہ سنگ کو فتح کرنے کے ارادے سے باز نہ آیا اس فتح کی تکمیل ضروری تھی وہ اسی طرح زین پر سوار رہا اور اپنی فوجیں زرد دریا کے اس پار لے گیا۔ یہاں خان کو یورپ کی چراگاہوں میں جوجی کی موت کی اطلاع ملی اس نے اپنے خیمے میں تنہا رہنے کی خواہش ظاہر کی اور خاموشی کے عالم میں اس نے اپنے فرزند اکبر کی موت کا بڑا رنج کیا۔

زیادہ دن نہیں گذرے تھے جب بامیان میں اس کے سامنے اوغدائی کا خوردسال لڑکا مارا گیا تھا اور اس نے رنجور باپ کو رنج نہ کرنے کا حکم دیا تھا ''اس معاملے میں میرا کہنا مان تیرا بیٹا مارا گیا ہے، میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ہرگز نہ رونا۔''

اس نے خود بھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ جوجی کی موت کا اسے صدمہ ہے لشکر آگے بڑھتے رہے سب کام معمول کے مطابق ہوتا رہا، لیکن چنگیز خاں اب اپنے افسروں سے کم بات چیت کرتا تھا اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جب بحیرہ خوارزم کے قریب ایک نئی فتح کی خبر اسے سنائی گئی تو اس پر کوئی اثر نہ ہوا، نہ اس نے کچھ کہا، نہ تعریف کی۔ جب لشکر ایک گھنے صنوبروں کے جنگل میں پہنچا، جہاں اب بھی درختوں کے سائے میں برف نہیں پگھلی تھی۔

حالانکہ سورج گرم تھا، اس نے لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔

اس نے قاصدوں کو تیزی سے تولی کے پاس دوڑایا جو اس کے اور بیٹوں کی نسبت زیادہ قریب تھا۔ یہ امیر جنگ جواب بڑا بھرپور نوجوان تھا، خان کے یورت کے سامنے گھوڑے سے اترا تو اس نے اپنے باپ کو آگ کے قریب ایک قالین پر سمور کے لبادوں میں لپٹا ہوا لیٹا پایا۔

بوڑھے مغل نے اپنے بیٹے کو مرحبا کہہ کے یہ کہا ''اب مجھے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کے، اور تجھے چھوڑ کے مجھے یہاں سے جانا ہے۔''

وہ کچھ عرصہ سے بیمار تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس بیماری میں اس کی جان گھلی جارہی ہے اس نے اپنے پاس اردو کے افسروں کو بلا بھیجا اور جب تولی اور یہ سب افسر دوزانو ہو کے غور سے اس کے الفاظ سننے لگے تو اس نے انہیں واضح ہدائتیں دیں کہ کس طرح سنگ کی سلطنت کے خلاف جنگ جاری رکھی جائے، کیونکہ اس نے یہ جنگ شروع تو کی تھی لیکن اسے ختم نہ کر پایا تھا تولی کو حکم تھا کہ مشرق کی زمینیں اس کی تحویل میں آئیں اور مغرب کی سرزمینوں پر چغتائی کی حکومت ہو اوراوغدائی ان سب کا آقا ہو اور قراقورم میں خاقان بن کے تخت نشین ہو۔

جیسا کہ خانہ بدوشوں کا معمول ہے، وہ بلا تاسف کئے مر گیا۔ اپنے بیٹوں کے لئے اس نے دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور سب سے زیادہ تباہ کن فوج اس طرح چھوڑی جیسے کوئی اپنے وارثوں کے لئے خیمے اور گلے چھوڑ جائے۔ یہ 1227ء کا واقعہ ہے جو بارہ جانوروں والی جنتری کے حساب سے موش کا برس ہے۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اپنے مرض الموت کے زمانے میں چنگیز خان نے اس کا انتظام کر دیا تھا کہ اس کے پرانے دشمن ہیا کے بادشاہ کو تباہ و برباد کر دیا جائے جو اب اردو کی طرف آرہا تھا خان نے حکم دیا کہ جب تک یہ نہ ہو جائے اس کے مرنے کی خبر کو پوشیدہ رکھا جائے۔

ایک نیزہ اس فاتح شہنشاہ کی یورت کے سامنے جو خیمہ گاہ سے ذرا الگ نصب تھا، گاڑھ دیا گیا تھا نیزے کی انی زمین میں دھنسی ہوئی تھی نجومی اور دانشور جو چنگیز خان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، انہیں محافظ سپاہی اس طرف آنے نہ دیتے تھے اور صرف اعلیٰ سردار خیمے کے دروازے سے اس طرح اندر آتے اور باہر جاتے گویا ان کا آقا بیمار ہے اور بستر پر پڑے پڑے انہیں ہدایتیں دے رہا ہے جب ہیا کا بادشاہ اور اس کی ہمرکاب فوج مغل اردو میں پہنچ گئی تو اسے ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا، اعزاز کے خلعت پہنائے گئے اور اردو کے سرداروں کے درمیان بٹھایا گیا، پھر چن چن کے ہیا کے بادشاہ اور اس کے ایک ایک ساتھی کو قتل کر دیا گیا۔

چنگیز خان کو کھونے کے بعد، ایک ایسے آدمی کی موت کے بعد جسے بظاہر کوئی شکست نہ دے سکتا تھا اور جوان کی ہر مراد برلاتا تھا، اس کے ارخون اور شہزادے اس کی لاش کو واپس گوبی لے گئے دفن سے پہلے ضروری تھا کہ اس کی لاش قوم کو دکھائی جائے اور اس کی پہلی بیوی بورتہ کے گھر پہنچائی جائے۔

چنگیز خان نے سنگ کے علاقے میں وفات پائی تھی وہ مغل سپاہی جو اس کے جنازے کارتھ لئے جا رہے تھے انہوں نے ریگستان تک راستے میں جو ملا تھا، اسے قتل کر دیا تھا تاکہ دشمنوں کو چنگیز خاں کی موت کا علم نہ ہونے پائے ریگستان پہنچ کے اردو کے پرانے جنگ آزمودہ سپاہیوں نے جنازے کے ساتھ ساتھ باآواز بلند ماتم شروع کیا۔

انہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ اب چنگیز خاں ان کے قومی نشان کے آگے آگے سوار ہو کے نہ چل سکے گا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق ادھر ادھر کی مہمات پر نہ بھیج سکے گا۔

ایک سپید سر ترخان نے کہا ''اے آقا بگدو تو ہمیں اس طرح چھوڑ کے چلا گیا؟ تیرا پیدائشی ملک اور اس کی ندیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں تیرے خوش قسمت وطن میں تیرا سنہرا مکان، جس کے اطراف بہادر سورما کھڑے ہیں، تیرا انتظار کر رہا ہے تو ہمیں کیوں اس

گرم سرزمین میں پیچھے چھوڑ گیا جہاں اتنے دشمن مرے پڑے ہیں؟''

ریگستان کی سطح طے کرتے کرتے اردوں نے بھی ماتم کیا ہے ان کے ماتم کے الفاظ کو مورخ نے یوں دہرایا ہے:

''کبھی تو شہباز کی طرح جھپٹا کرتا تھا، اب ایک لڑکھڑاتی ہوئی گاڑی تجھے اٹھائے لئے جارہی ہے۔''

اے میرے خان!

''کیا تو سچ مچ اپنے بال بچوں، اپنی قوم کی قرولتائی کو چھوڑ کے چلا گیا؟''

اے میرے خان!

''کبھی تو ہماری سرداری کرتا تھا، اور غرور وفخر سے عقاب کی طرح چکر لگاتا تھا، لیکن اب تو لڑکھڑا کر گر چکا ہے۔''

اے میرے خان!

فاتح کی لاش گھر لائی گئی قراقورم نہیں، بلکہ ان وادیوں میں جہاں اپنے لڑکپن میں اس نے بڑے استقلال سے زندہ رہنے کی کوشش کی تھی، یہ اس کی وہ موروثی سرزمین تھی جسے وہ کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اردو کے ہرکارے سوار ہو کے چراگاہوں کے راستے ہر طرف دوڑ گئے تاکہ ارخانوں، شہزادوں اور دور دراز سپہ سالاروں کو یہ خبر سنائیں کہ چنگیز خاں مر گیا۔

جب آخری سردار اس یورت کے دروازے پر پہنچ کے اتر چکا، جس میں چنگیز خاں کی لاش رکھی تھی تو اس کی لاش آخری آرام گاہ کو پہنچائی گئی۔ غالباً اس جنگل کو جسے اپنی قبر کے لئے خود اس نے انتخاب کیا تھا کسی کو ٹھیک ٹھاک پتا نہ تھا کہ وہ کہاں دفن کیا گیا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک بڑے درخت کے نیچے اس کی قبر کھودی گئی۔

مغلوں کی روایت ہے کہ ایک قبیلے کو فوجی خدمت معاف کر دی گئی اور صرف یہ فرض اسے تفویض کیا گیا کہ وہ اس مقام کی نگرانی کرے، جہاں چنگیز خان دفن کیا گیا تھا ان

درختوں کے جھنڈ میں ہمیشہ خوشبو جلائی جاتی۔ یہاں تک کہ اطراف کا جنگل اتنا گھنا ہو گیا اور دوسرے درختوں میں وہ بڑا سا درخت کھو گیا جس کے نیچے چنگیز خان دفن تھا اور اس کی قبر کا کوئی نشاں باقی نہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

چوتھا حصہ :: حرف آخر

ماتم میں دو سال گذر گئے اس دو سال کے عرصے میں تولی نگران کار حکومت بن کے قراقورم میں مقیم رہا اور مقررہ وقت پر شہزادوں اور سپہ سالاروں نے پھر واپس گوبی کا سفر کیا تاکہ متوفی فاتح کی مرضی کے مطابق اپنا نیا شہنشاہ، نیا خاقان منتخب کریں۔

یہ شہزادے اپنے حق کے مطابق بادشاہ بن کے آئے تھے۔ وراثت کے متعلق چنگیز خاں کی یہی وصیت تھی۔ سخت مزاج چغتائی جو زندہ بیٹوں میں اب سب سے بڑا تھا وسط ایشیا اور اسلامی ملکوں سے آیا تھا خوش مزاج اوغدائی، گوبی کی سطح مرتفع سے عالیشان ''باتو'' جوجی کا بیٹا تھا روس کے میدانوں سے۔

ان سب نے مغل اہل قبائل کی طرح پرورش پائی تھی لیکن اب وہ دنیا کے بڑے بڑے ٹکڑوں اور اس کی مال و دولت کے مالک تھے ان کے علم کے مطابق جتنی دنیا تھی اس کا بڑا حصہ ان کے تصرف میں تھا۔ وہ وحشیوں میں پرورش پائے ہوئے ایشیائی تھے، مگر چاروں میں سے ہر ایک کے حکم میں ایک بڑی طاقتور فوج تھی اپنے نئے نئے علاقوں میں انہیں شراب عیش کا چسکا لگ چکا تھا چنگیز خاں نے کہا تھا ''میرے وارث اطلس اور کمخواب کے سنہرے کاڑھے ہوئے کپڑے پہنیں گے۔ خوب گوشت کھائیں گے اور شاندار گھوڑوں پر سواری کریں گے جوان اور حسین عورتوں کو اپنی آغوش میں لیں گے، لیکن یہ یاد نہ کریں گے کہ کس کی وجہ سے انہیں یہ سب نعمتیں ملیں۔''

اگر وہ آپس میں لڑ پڑتے اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی تو یہ قدرتی امر تھا دو سال کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ خانہ جنگی ضرور ہو گی اور اس کی پہل چغتائی کی طرف سے ہو گی، جو اب سب بھائیوں میں بڑا تھا اور مغلوں کے دستور کے مطابق خان بننے کا حقدار تھا لیکن اس پورے ہجوم پر مرے ہوئے فاتح کی وصیت کا نقش مرتسم تھا جس آہنی پنجے نے نظم و ضبط قائم کیا تھا اسی کی گرفت میں وہ ابھی تک متحد اور متفق تھے یہ یاسا کا فرمان تھا۔۔۔۔

اطاعت۔۔۔۔ اپنے بھائیوں سے وفاداری۔۔۔۔۔ خانہ جنگی سے احتراز۔

کئی مرتبہ چنگیز خان نے انہیں تنبیہہ کی تھی کہ اگر وہ آپس میں لڑ پڑے تو ان کی سلطنت غائب ہو جائے گی اور وہ خود مٹ جائیں گے وہ یہ جانتا تھا کہ اس کی یہ نئی سلطنت صرف ایک شخص کے اقتدار، اور اس کی اطاعت کی بنیاد پر نہیں چل سکے گی، اسی لئے اس نے جنگجو تولی یا تندمزاج چغتائی کو نہیں بلکہ سیدھے سادے فیاض اوغدائی کو اپنی جانشینی کے لئے انتخاب کیا تھا۔ اس انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کی طبیعتوں کو بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا چغتائی ہرگز سب سے چھوٹے بھائی تولی کی اطاعت نہ کرتا اور تولی، امیر جنگ، زیادہ دن تک اپنے سخت گیر بڑے بھائی کی خدمت نہ کر سکتا۔

جب سب شہزادے قراقورم میں جمع ہوئے تو تولی جو امیر الامراء (الغ نوئین) اور نگراں کار سلطنت تھا، اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوا اور اوغدائی سے درخواست کی گئی کہ وہ تخت و تاج کو قبول کرے اوغدائی نے جو قرولتائی تھا یہ کہہ کے اس خدمت کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ وہ اپنے چچاؤں اور بڑے بھائی کے ہوتے ہوئے اس اعزاز کو قبول کرنے کا اہل نہیں ہے شاید اس وجہ سے کہ اوغدائی اپنی ضد پر قائم تھا یا شاید اس وجہ سے کہ نجومیوں کی رائے میں وقت مناسب نہیں تھا چالیس دن شک او رتذبذب کے عالم میں گذر گئے تب ارخون اور بوڑھے جنگو اوغدائی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غصے کے عالم میں اس سے کہا "تو یہ کیا کر رہا ہے؟ خان نے خود تجھے اپنا جانشین منتخب کیا ہے۔"

تولی نے بھی زور دیا۔۔۔۔ اپنے باپ کے آخری الفاظ سنائے اور دانائے ختا لیو چتسائی نے جو خزانچی تھا اپنی پوری ذہانت اس کوشش میں صرف کر دی کہ کوئی نئی آفت نہ آئے تولی پر شک اور خوف کا عالم تھا اور اس نے اس چینی وزیر سے جو نجومی بھی تھا یہ پوچھا کہ تخت نشینی کے لئے آج کا دن مبارک ہے یا نہیں۔

ختائی نے فوراً جواب دیا "آج کے بعد پھر کوئی اور دن مبارک نہیں"

تولی نے اوغدائی کو مجبور کیا کہ سمور پوش چبوترے کے اوپر بچھے ہوئے طلائی تخت پر تخت نشین ہو اور جب نیا خاقان تخت نشین ہو رہا تھا تو لیو چتسائی نے اس کے قریب پہنچ کر

چغتائی سے خطاب کیا:

اس نے کہا ”عمر میں تو اس سے بڑا ہے لیکن تو اس کی رعایا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھا اور سب سے پہلے تو ہی تخت کے سامنے سجدہ کر۔“

ایک لمحہ کی ہچکچاہٹ کے بعد چغتائی نے اپنے بھائی کے آگے اپنا سر سجدے میں جھکا دیا قرولتائی کے شامیانے میں جتنے سردار اور امیر تھے، سب نے یہی کیا اور اوغدائی کو خاقان انتخاب کرلیا گیا پورے مجمع میں باہر نکل کے جنوب مشرق میں آفتاب کی طرف سر جھکایا اور سارے لشکر نے یہی کیا اس کے بعد ضیافت کا دور شروع ہوا جو خزانہ چنگیز خان نے چھوڑا تھا، جو دولت نامعلوم دنیا کے چاروں گوشوں سے اکٹھا کی گئی، وہ سب دوسرے شہزادوں، امیروں، افسروں اور فوج کے مغلوں پر نچھاور کردی گئی۔ 8

اوغدائی نے ان سب لوگوں کی خطائیں معاف کر دیں جو اس کے باپ کے مرنے کے وقت تک اب تک کسی نہ کسی جرم میں ماخوذ ہوئے تھے۔ اس زمانے کے اور مغلوں کے مقابل اوغدائی نے بڑی رواداری سے حکومت کی وہ لیوچسائی کے مشورے پر عمل کرتا جو ایک طرف تو بڑے عزم و استقلال سے اپنے آقاؤں کی سلطنت کی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش کررہا تھا اور دوسری طرف مغلوں کو روک رہا تھا کہ وہ بنی نوع انسان کو اور زیادہ نیست و نابود نہ کریں۔ اس نے اس موقع پر خوفناک سوبدائی بہادر کی مخالفت کی جرات کی جب کہ یہ ارخون تولی کے ساتھ سنگ کے علاقے میں جنگ کررہا تھا اور ایک بڑے شہر کے باشندوں کا قتل عام کرنا چاہتا تھا۔

اس ہوشیار مشیر نے اس طرح حجت کی۔ ”ان کئی برسوں میں ہماری فوج رعایا کے پیدا کیے ہوئے غلے اور اس کی دولت کی بنا پر لڑتی رہی اگر ہم سب انسانوں کو قتل کردیں گے تو خالی ویران زمین کو لے کر کیا کریں گے؟“

اوغدائی نے یہ بات مان لی اور پندرہ لاکھ چینیوں کی جان بخشی کردی جو اس شہر میں جمع ہوئے تھے لیوچسائی ہی نے محصول جمع کرنے کے باقاعدہ اصول بنائے مغلوں سے

ایک ایک فیصد مویشی اور چین کے ہر خاندان سے چاندی یا ریشم کی شکل میں معین رقم اس نے اوغدائی سے بحث کر کے اس سے پڑھے لکھے چینیوں کو خزانہ اور نظم ونسق کے بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کرایا۔

اس نے تجویز یوں پیش کی ''جب کوئی برتن بنوانا ہوتا ہے تو تو کوزہ گر سے بنواتا ہے اسی طرح بھی کھاتوں اور حساب کتاب کو ٹھیک رکھنے کے لئے پڑھے لکھے آدمیوں کا استعمال کرنا چاہئے۔''

''اچھا''مغل نے جھلا کے جواب دیا ''تو پھر تو ان کا استعمال کیوں نہیں کرتا؟''

ادھر اوغدائی نے اپنے لئے ایک نیا محل تعمیر کرایا، ادھر لیوچتسائی نے مغل لڑکوں کے لئے مدرسے کھولے روز قراقورم کو، جواب اردو بالغ (دربار کا شہر) کہلاتا تھا، پانچ سو چھکڑے آتے۔ ان چھکڑوں میں کھانے پینے کی چیزیں، غلہ، قیمتی ساز و سامان ہوتا جو ذخیروں اور شاہی خزانے میں جمع کیا جاتا۔ ریگستان کے خانوں کی حکومت نصف دنیا پر مستحکم ہو چکی تھی۔

سکندر اعظم کی سلطنت کے برعکس چنگیز خان کی مغل حکومت اس کے مرنے کے بعد جوں کی توں برقرار رہی اس نے مغل قبیلوں کو ایک حاکم کا مطیع بنا دیا تھا، ان کے لئے ایک پکا قانون بنا دیا تھا، جو بھونڈا اور غیر مہذب سہی لیکن اس کے مقصد کے لئے موزوں تھا اور اپنی حکومت کے زمانے ہی میں اس نے سلطنت کے نظم و نسق کی بنیادیں ڈال دی تھیں اس آخری کام میں اسے لیوچتسائی سے بڑی مدد ملی تھی۔

اس فاتح نے اپنے جانشینوں کو سب سے زیادہ اہم چیز جو ورثے میں عطا کی وہ مغل فوج تھی اس کی وصیت کے مطابق مغل اردو اوغدائی، چغتائی، اور تولی کے مابین منقسم ہو گیا یہ اردو گویا اس کی ذاتی فوج تھی فوج کو اکٹھا کرنے، اسے تربیت دینے اور جنگ میں نقل و حرکت کرنے کے اصول وہی باقی رہے جو چنگیز خان نے ایجاد کئے تھے مزید برآں اس فاتح کے بیٹوں کو سوبدائی بہادر اور ایسے اور کار آزمودہ جرنیل ورثے میں مل گئے تھے جو

سلطنت کی حدود وسیع کرنے کے کام کے لئے بہت موزوں تھے۔

اس نے اپنے بیٹوں اور اپنی رعایا میں یہ خیال مضبوطی سے قائم کر دیا تھا کہ مغل ہی دنیا کے قدرتی طور پر مالک ہیں اس نے طاقتور سے طاقتور سلطنت کی گمراہی اس طرح توڑ دی تھی کہ جو کام باقی رہ گیا تھا، وہ اس کے بیٹوں اور سوبدائی بہادر کے لئے زیادہ مشکل نہ تھا جیسے پہلی یلغار کے بعد ادھر ادھر دشمن کی مقاومت کا قلع قمع کرنا آسان ہوتا ہے۔

اوغدائی کی حکومت کے ابتدائی دور میں ایک مغل سپہ سالار اور چارغاموں نے جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست دے کے اس کا خاتمہ کر دیا اور بحیرہ خزر کے مشرق کے علاقوں مثلاً آرمینیا میں مغلوں کی حکومت مستحکم کی۔ اسی زمانے میں سوبدائی بہادر اور تولی دریائے ہوانگ ہو کے جنوب میں دور تک بڑھ گئے اور چینیوں کے باقی ماندہ علاقے کو تسخیر کیا۔

1235ء میں اوغدائی نے دوبارہ قترولتائی طلب کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغلوں کی فتوحات کے دوسرے اہم دور کا آغاز ہوا۔ باتو، جوزرین خیل کا اولین خان تھا، سوبدائی بہادر کی ہمراہی میں مغرب کو بھیجا گیا، جس کی وجہ سے یورپ میں بحیرہ اڈریاٹک اور ردی آنا کے دروازوں تک سارے علاقے میں کہرام مچ گیا دوسری فوجوں نے کوریا، چین اور جنوبی ایران میں جنگ کا سلسلہ جاری رکھا فتوحات کی یہ موج 1241ء میں اوغدائی کی موت کے بعد واپس سمٹ آئی اور سوبدائی جو تلا ہوا تھا کہ یورپ کو فتح کر کے رہے گا، پھر ایک مرتبہ وہاں سے واپس بلالیا گیا۔

اس کے بعد کے دس سال کشمکش میں گذرے چغتائی اور اوغدائی کے گھرانوں میں جھگڑا بڑھتا گیا تھوڑے دنوں کے لئے کیوک خاقان بنا، جو ممکن ہے کہ نسطوری عیسائی ہو، ممکن ہے نہ ہو لیکن جس کے وزیر عیسائی تھے جن میں ایک لیو چسائی کا بیٹا بھی تھا جس نے اپنے خیمے کے سامنے ایک چھوٹی سی عیسائی عبادت گاہ بنوائی تھی اس کے بعد حکومت اوغدائی کے گھرانے سے نکل گئی اور تولی کے بیٹے منکو خاں اور قوبیلائی خاقان بنے پھر مغلوں کی فتح کی تیسری اور سب سے بھاری فوج دنیا پر چھا گئی۔

قوبیلائی کے بھائی ہلاکو نے سوبدائی بہادر کے بیٹے کی مدد سے عراق پر حملہ کیا بغداد اور دمشق کو فتح کیا اور خلافت کی طاقت کو ختم کر دیا عیسائی لشکر کے مقابل نمودار ہوا انطاکیہ، جس پر عیسائی صلیبی محاربین کے جانشینوں کا قبضہ تھا، مغلوں کا مطیع ہو گیا مغل ایشیائے کوچک میں سمرنا تک گھس آئے اور قسطنطنیہ سے صرف ایک ہفتے کی مسافت پر رہ گئے۔

تقریباً اسی زمانے میں قوبیلائی خان نے جاپان پر حملہ کرنے کے لئے بحری بیڑہ تیار کیا اور اپنی سرحدیں طلایا تک وسیع کیں، تبت کے اس پار بنگال تک پہنچ گیا، اس کا دور حکومت (1259ء تا 1294ء) مغلوں کا عہد زریں سمجھا جاتا ہے۔ قوبیلائی خان نے اپنے آباؤ اجداد کی بود و باش کا طریقہ چھوڑ دیا اپنا دربار ختا کے علاقے میں لے گیا اور اس کی عادت و اطوار مغلوں کے مقابل چینیوں سے زیادہ ملتی جلتی تھیں اس نے بڑی میانہ روی سے حکومت کی اور اپنی رعایا کے ساتھ انسانیت کا سلوک کیا کرتا تھا مارکو پولو نے ہمارے لئے اس کے دربار کی بڑی جیتی جاگتی تصویر کھینچی ہے۔

لیکن دربار کو چین منتقل کرنا، مرکزی سلطنت کے ٹوٹنے کا شگون تھا۔ ایران کے ایلخان، جو ہلاکو کے جانشین تھے اور جنہوں نے 1300ء میں خاقان خان کی سرکردگی میں سب سے زیادہ طاقت حاصل کی، خاقان سے اتنے فاصلے پر تھے کہ اس سے ربط قائم نہ رکھ سکتے تھے اس کے علاوہ وہ تیزی سے مسلمان ہوتے جا رہے تھے روس کی طرف زریں خیل کا بھی یہی حال تھا قوبیلائی خان کے اپنے مغل بدھ مت قبول کر رہے تھے چنگیز خان کے اس پوتے کے مرنے کے بعد مذہبی اور سیاسی خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور مغلوں کی حکومت کئی سلطنتوں میں بٹ گئی۔

1400ء کے قریب ایک ترک فاتح تیمور لنگ نے پھر اس مغل سلطنت کے وسط ایشیائی اور ایرانی ٹکڑوں کو یکجا کیا اور زریں خیل کو شکست دی جس کی بنیاد جوجی کے بیٹے باتو خاں نے رکھی تھی۔

1328ء تک مغل چین پر قابض رہے۔ 1555ء تک جا بجا روس میں ان کی طاقت

باقی رہی، یہاں تک کہ انہیں ایوان خونخوار نے زیر کرلیا بحیرہ خوارزم کے اس پار ان کے اخلاف میں سے ازبکوں نے 1500ء میں شیبانی خان کی سرکردگی میں بڑی طاقت حاصل کرلی اور چنگیز خاں کی اولاد میں سے ایک شہزادے بابر کو ہندوستان میں دھکیل دیا، جہاں وہ عظیم مغل خاندان کا پہلا بادشاہ بنا۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں چنگیز خاں کی پیدائش کے چھ سو سال بعد اس فاتح کے جانشینوں کی حکومت کا ہر جگہ خاتمہ ہوگیا۔ اس زمانے میں مغلوں کی حکومت پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور مشرق میں منگولیا کو نامور چینی شہنشاہ کیان تنگ کی فوجوں نے تسخیر کرلیا۔

اسی زمانے میں کریمیا کے تاتار خان روس کی ملکہ عظمیٰ کیتھرائن کی رعایا بن گئے اور اسی زمانے میں بدقسمت قلماق یا ترغوب قبیلے نے دریائے اتیل (والگا) کے کنارے کی چراگاہوں کو چھوڑ کے مشرق کی طرف اپنی آبائی زمین کا طویل اور دہشت ناک سفر شروع کیا، جسے ڈی کوئنسی نے اپنے مقالے ''ایک تاتاری قبیلے کا فرار'' میں بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے وسط کے ایشیا کے تاریخی نقشے کو اگر ایک نظر دیکھا جائے تو چنگیز خان کے اردو کے خانہ بدوش جانشینوں کی آخری جائے پناہ کا نام نظر آ جائے گا طوفانی جھیل بیکال اور جند کے بحر تلخ کے درمیانی وسیع علاقوں کا نام مبہم طریقے پر ''تاتار'' یا ''آزاد تاتار'' لکھا نظر آئے گا یہاں براعظم کے اس وسطی علاقے میں قرایت، قلماق اور مغل جاڑے اور گرمیوں کی چراگاہوں کے درمیان مارے مارے پھرا کرتے تھے اور سمور کی یورتوں میں رہتے تھے، اپنے ریوڑ ہنکایا کرتے تھے اور انہیں اس کا قطعاً علم نہ تھا کہ انہیں وادیوں میں ایشیا کے پریسٹر جان نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن موت نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا؟ اور یہیں سے چنگیز خاں کا یاک کی دموں والا نشان دنیا کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

اس طرح مغل سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ وہ پھر ان خانہ بدوش قبیلوں میں بٹ گئی، جن کے

درمیان سے وہ نمودار ہوئی تھی جہاں پہلے جنگجو لڑنے بھڑنے کے لئے جمع ہوتے تھے، وہاں امن پسند چرواہے باقی رہ گئے۔

مغل شہسواروں کا دہشت ناک مرقع مختصر سے زمانے کے لئے ابھرا اور پھر کوئی نقش چھوڑے بغیر مٹ گیا ریگستان میں قراقورم کا شہر ریت کی تہوں کے نیچے دفن پڑا ہے۔ چنگیز خان کی قبر اس کے وطن کی ندیوں کے پاس کسی جنگل میں چھپی ہوئی ہے اس نے اپنی فتوحات میں جو مال ومتاع جمع کیا، وہ ان لوگوں کے تصرف میں آیا، جو اس کے ساتھی اور سپاہی تھے بورتہ کی قبر کا کوئی نشان باقی نہ رہا، جو چنگیز خاں کی جوانی کی بیوی تھی اس کے زمانے میں کسی مغل نے اس کے کارناموں کے متعلق کوئی رزمیہ نظم نہ لکھی۔

اس کی فتوحات کا زیادہ تر اس کے دشمن مورخوں نے ذکر کیا ہے۔ تہذیب وتمدن پر اس کا حملہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ نصف کرہ ارض میں پھر نئے سرے سے ابتدا کرنی پڑی۔ پریسٹر جان کی حکومت اور ختا، قرا ختائی، خوارزم۔۔۔۔۔ اور اس کے مرنے کے بعد۔۔۔۔ بغداد، روس اور پولینڈ کی سلطنتیں نیست و نابود ہو گئیں جب یہ نا قابل شکست وحشی کسی قوم کو فتح کرتا تو اور سب لڑائیاں خود بخود ختم ہو جاتیں حالات کی پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بری بالکل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو لوگ باقی بچتے۔ ان کے درمیان عرصے تک امن قائم رہتا۔

قدیم روس کے عظیم شہزادوں کی آبائی دشمنی جتور، لادی میر اور سوزڈل کے حکمرانوں کے درمیان تھی، اس عظیم تر سانحے کے باعث دفن ہو گئی پرانی دنیا کی یہ ساری شکلیں ہمیں پرچھائیوں کی طرح موہوم دکھائی دیتی ہیں مغلوں کے ریلے کے آگے سلطنتیں کچل گئیں اور تجدار دہشت کے عالم میں بھاگ نکلے اور ختم ہو گئے اگر چنگیز خاں پیدا نہ ہوا ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

لیکن جو ہوا وہ یہ تھا کہ اس مغل کے بعد تمدن دوبارہ پیدا ہوا، جیسا کہ رومۃ الکبریٰ کے دور امن میں ہوا تھا۔ قومیں، یا ان کا جتنا کچھ حصہ بچ سکا تھا، ایک جگہ سے اکھاڑ کے دوسری

جگہ پہنچائی گئیں مسلمانوں کے علوم وفنون اور ہنر مشرق بعید پہنچائے گئے چینیوں کی قوت اختراع اور نظم ونسق کی اہلیت مغرب کے ملکوں میں پہنچی اسلامی دنیا کے ویران باغوں میں کچھ عرصہ بعد مغل ایلخانوں کی سرپرستی میں مسلمان علماء اور معماروں نے اگر ایک نیا عہد زریں نہیں تو ایک عہد سیمیں ضرور دیکھا اور تیرھویں صدی چین میں ادب اور خاص طور پر ڈرامے کے نشوونما کے لحاظ سے مشہور ہے یہ بڑی شان وشوکت کی صدی تھی اور یونان کی صدی کہلاتی ہے۔

جب مغل اردو کی پسپائی کے بعد پھر سے سیاسی ترتیب وترکیب شروع ہوئی تو جو کچھ پیش آیا، وہ ایک قدرتی لیکن بڑا غیر متوقع امر تھا آپس میں لڑنے جھگڑنے والے روسی شہزادوں کے درمیان سے ایوان اعظم کی عظیم سلطنت نمودار ہوئی اور چین جس کو تاریخ میں پہلی بار مغلوں نے متحد کیا تھا، ایک واحد سلطنت بن گیا۔

مغلوں اور ان کے دشمن مملوکوں کی نمود کے بعد محاربات صلیبی کے طویل باب کا خاتمہ ہو گیا اب عیسائی زائرین حفاظت سے ضریح مقدس کی زیارت کو جا سکتے تھے اور مسلمان مسجد سلیمان کی زیارت کر سکتے تھے پہلی بار یورپ کے پادری ایشیائے بعید تک سفر کر سکے اور بے سود کوشش کرتے رہے کہ شیخ الجبل کا پتا چلائیں، جو پہلے صلیبیوں کو پریشان کیا کرتا تھا یا پریسٹر جان اور ختا کی سلطنتوں تک پہنچیں۔ ان سب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

بنی نوع انسان میں اس عظیم پیمانے پر جو زلزلہ آیا اس کا اہم ترین نتیجہ یہ تھا کہ عالم اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت تباہ و ویران ہو گئی خوارزم کی فوجوں کی شکست کے ساتھ ہی مسلمانوں کی بنیادیں فوجی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور بغداد اور بخارا کی تباہی سے خلفا اور آئمہ کا پرانا تمدن مٹ گیا نصف عالم میں عربی علما و اکابر کی زبان نہ رہی ترک مغرب کی طرف دھکیل دیئے گئے اور ان کے ایک قبیلے نے جو عثمانی کہلاتا تھا، قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک سرخ دستار والا جو قوبیلائی تاج پوشی کی صدارت کے لئے بلایا گیا تھا اپنے ساتھ لاسا سے بدھ مت کے بھکشوؤں کا ایک جم غفیر لیتا آیا۔

تباہ کار و خونخوار چنگیز خان نے یورپ کے عہد تاریک کی دیواریں مسمار کر دیں۔ اس نے سڑکیں بنائیں یورپ چین کے علوم وفنون سے آگاہ ہوا۔ اس کے بیٹے کے دربار میں ارمنی شہزادے اور ایرانی امرا، روسی شہزادوں کے دوش بدوش بیٹھے تھے۔

سڑکوں کی تعمیر اور شاہراہوں کے کھلنے کے بعد خیالات ومفروضات میں بڑا انقلاب عظیم پیدا ہوا یورپ والوں میں ایشیائے بعید کے متعلق بڑی دلچسپی اور کھوج پیدا ہوگئی۔ پادری روبری کوئس کے نقش قدم پر مارکو پولو کمبالو (خان بالغ) پہنچا۔ دو سال بعد واسکوڈی گاما سمندر کے راستے ہندوستان پہنچا کولمبس جب اپنے بحری سفر پر روانہ ہوا تو اس کا ارادہ امریکا پہنچنے کا نہیں تھا بلکہ خان اعظیم کی سرزمین تک پہنچنے کا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1 تاتاریوں کا قبیلہ جدا گانہ تھا قدیم یورپی غلطی سے مغلوں کو تاتاری اور مغل خانوں کی سلطنت کو تاتار کہتے تھے یہ لفظ دراصل چینی ہے تاتا یا تائی تزی اس کے معنی ہیں ''دور کے لوگ'' اس کا بھی امکان ہے کہ تاتاریوں نے اپنے ایک پرانے سردار تاتور کے نام پر اپنے لئے خود یہ نام تجویز کیا۔

2 مغل ساگا ''سانگ ست زین'' کا انداز ذرا تمثیلی ہے اور اس سے کچھ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گوبی میں جو واقعات پیش آئے وہ معدودے چند آدمیوں کی شجاعت یا چالاکی یا دغا بازی کا نتیجہ تھے حقیقت میں اس شامان کی سازش بہت دنوں تک باقی رہی اور طرفین کے حامی بڑے طاقتور گروہ تھے اپنے لحاظ سے یہ کش مکش اتنی ہی اہم تھی جیسے یورپ میں شاہ کلیسا کی وہ لڑائی جو فریڈرک ثانی اور انوسنٹ چہارم کے زمانے میں لڑی گئی۔ یورپ کی تاریخ کا یہ واحد واقعہ چنگیز کے دور کے کچھ ہی عرصہ بعد کا ہے۔

3 تیرہویں صدی کا چین جو اس زمانے میں چین یا شمال کے خاندان زریں اور جنوب میں قدیم خونوادہ سنگ کے درمیان منقسم تھا ''کیتھے'' کا لفظ ختا سے مشتق ہے یہ لفظ

تا تاری چین کے لئے استعمال کرتے تھے اور اس خانوادے کے لئے بھی جس کی حکومت چن خوانوادے سے پہلے تھی وسط ایشیا اور روس میں آج بھی چین کو ختا کہتے ہیں یورپ کے اولین بحری سیاحوں نے یہ لفظ یورپ میں رائج کیا۔

4 گوبی، وسط ایشیا، اور چین کی حد تک یہ صحیح ہے، لیکن خوارزم اور اسلامی سرزمینوں میں چنگیز اور اس کے مغلوں کا سلوک شروع سے آخر تک حد درجا سفاکی کا رہا۔

5 بعض مورخوں کا بیان ہے کہ ایک چینی فوج گوبی کے قریب ترین قبیلوں کے مقابل بھیجی گئی اور یہ واقعہ غالباً صحیح ہے کیوں کہ چن سلطنت میں پیش قدمی کرنے سے پہلے مغلوں کی دیوار عظیم کے باہر جنگ کرنی پڑی تھی۔

6 کوشلوک کی سلطنت میں وہ علاقہ شامل تھا جس کی بعد میں تیمور لنگ سلطنت کے قلب کی سی حیثیت تھی قرا ختائیوں کی شکست بڑے عظیم پیانے پر جنگ وجدل کے بعد ہوئی لیکن متن میں ہم نے اس کا محض اشارۃ اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان لڑائیوں میں چنگیز خان نے بنفس نفیس حصہ نہیں لیا۔

7 کام بالو=خان بالغ، خاقانوں کا شہر

8 ایک روایت یہ بھی ہے کہ چالیس عورتوں اور چالیس خوبصورت مشکی گھوڑے چنگیز خان کی قبر پر ذبح کر کے چڑھائے گئے۔

The End ---------------------------ختم شد